فقہ حنفی کی مشہور کتاب "مختصر القدوری" کا ترجمہ
اختلافی مسائل میں مذاہب اربعہ کی وضاحت کے ساتھ

شرح قدوری

مع

توضیح مذاہب اربعہ

2

مصنف
امام ابوالحسین احمد بن ابوبکر محمد بغدادی قدوری
متوفی ۴۲۸ھ

مترجم وشارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فقہ حنفی کی مشہورِ زمانہ کتاب قدوری اختلافی
مسائل میں مذاہب اربعہ کے ساتھ

شرح قدوری

مع

مذاہب اربعہ

2

مصنف
امام ابوالحسین احمد بن ابوبکر محمد بغدادی قدوری
متوفی ۴۲۸ھ

مترجم وشارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی

شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور
۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نام کتاب	شرح قدوری
مترجم وشارح	علامہ محمد لیاقت علی رضوی
کمپوزنگ	ورڈز میکر
باہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	دسمبر 2013ء
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزرز 0322-7202212
طباعت	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ	روپے

جمیع حقوق الطبع محفوظ للناشر

All rights are reserved

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

كِتَابُ الْغَصْبِ ۲۵
﴿یہ کتاب غصب کے بیان میں ہے﴾ ۲۵
کتاب غصب کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۵
غصب کا فقہی مفہوم ۲۵
غصب کی حرمت پر اجماع کا بیان ۲۵
غاصب پر ہلاکت کی صورت میں ضمان ہونے کا بیان ۲۶
کسی دوسرے کی بکری کو ذبح کر ڈالنے کا بیان ۲۷
عین مغصوبہ میں تبدیلی آجانے کا بیان ۲۸
مغصوبہ کے عین میں تبدیلی کے سبب حق مالک نہ ہونے میں
مذاہب اربعہ ۲۸
دوسرے کی زمین میں شجر کاری کرنے کا بیان ۲۹
بنجر زمین کی ملکیت کا بیان ۲۹
غصب کردہ چیز کو غائب کر دینے کا بیان ۲۹
بچہ جننے کے سبب باندی میں عیب ہو جانے کا بیان ۳۱
غصب شدہ کی بیع و آزادی کے نفاذ میں مذاہب اربعہ ۳۱
دین آسانی میں جن چیزوں کے مال نہ ہونے کا بیان ۳۱
پرندے کا پنجرہ کھولنے میں ضمان ہونے میں مذاہب اربعہ ۳۲
ڈھول باجوں کی بیع میں مذاہب اربعہ ۳۲
كِتَابُ الْوَدِيعَةِ ۳۳
﴿یہ کتاب ودیعت کے بیان میں ہے﴾ ۳۳
کتاب ودیعت کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۳
ودیعت کے شرعی ماخذ کا بیان ۳۳
ودیعت کا مودَع کے پاس امانت ہونے کا بیان ۳۳
امین پر ضمان کی شرط بیان کرنے کا بیان ۳۵
مودع کیلئے ودیعت کو سفر پر لے جانے کا بیان ۳۵
مشترکہ ودیعت میں مودع ثانی کے ہونے میں مذاہب اربعہ ۳۶
ودیعت کے حق دار اجنبی پر حفاظت میں مذاہب اربعہ ۳۶
كِتَابُ الْعَارِيَةِ ۳۷
﴿یہ کتاب عاریت کے بیان میں ہے﴾ ۳۷
کتاب عاریت کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۷
عاریت کی تعریف و فقہی مفہوم کا بیان ۳۷
عاریت کے شرعی ماخذ کا بیان ۳۷
عاریت کا بغیر عوض کے تملیک ہونے کا بیان ۳۸
مستعار لی ہوئی چیز کے امانت ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ ۳۹
موزونی و عددی چیزوں کی عاریت کا بیان ۳۹
عاریت والی چیز کو عاریت پر دینے میں مذاہب اربعہ ۴۰
زمین کو ادھار پر لینے کا بیان ۴۰
عاریت کی واپسی کے صرفہ کا بیان ۴۱
كِتَابُ اللَّقِيطِ ۴۳
﴿یہ کتاب لقیط کے بیان میں ہے﴾ ۴۳
کتاب لقیط کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۳
لقیط کا فقہی مفہوم ۴۳
الزام کے ڈر سے بچے کو پھینک دینے کا بیان ۴۴
لقیط کے اخراجات کی ذمہ داری کا بیان ۴۴

بیت المال کے بعض مصارف کا بیان ۴۵
لقیط پر غلام ہونے کا دعویٰ کرنے کا بیان ۴۵
لقیط کی نسبت دعویٰ کرنے والے کا بیان ۴۶
لقیط کے بارے میں فقہی تصریحات کا بیان ۴۶
کِتَابُ اللُّقَطَةِ ۴۹
﴿یہ کتاب لقطہ کے بیان میں ہے﴾ ۴۹
کتاب لقطہ کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۹
ملتقط کا فقہی مفہوم ۴۹
کتاب لقطہ کے شرعی ماخذ کا بیان ۵۰
لقطہ کا بطور امانت ہونے کا بیان ۵۱
لقطہ میں گواہ بنانے پر فائدے کا بیان ۵۲
لقطہ کی پہچان کرانے کا بیان ۵۲
لقطہ کے اٹھانے وتصرف میں فقہی تصریحات ۵۲
لقطہ کی تشہیری مدت میں مذاہب اربعہ ۵۳
لقطہ کی واپسی پر شہادت میں مذاہب اربعہ ۵۴
بکری، اونٹ اور گائے کے لقطہ کے جواز کا بیان ۵۴
ہر جگہ پکڑے جانے والے جانوروں کے لقطہ ہونے میں فقہی مذاہب ۵۵
لقطہ میں بکری پکڑنے کا بیان ۵۵
وصول حق تک لقطہ کو روکنے کا بیان ۵۶
لقطہ اٹھانے والے کا مثل مزدور ہونے کا بیان ۵۶
لقطہ اٹھانے والے کے مالک بننے میں فقہی مذاہب ۵۷
کِتَابُ الْخُنْثٰی ۵۹
﴿یہ کتاب خنثیٰ کے بیان میں ہے﴾ ۵۹
خنثیٰ سے متعلق احکام کا بیان ۵۹
خنثیٰ سے متعلق بعض مسائل کا بیان ۶۰
کِتَابُ الْمَفْقُوْدِ ۶۱
﴿یہ کتاب مفقود آدمی کے بیان میں ہے﴾ ۶۱
کتاب مفقود کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۱
کتاب المفقود کے شرعی ماخذ کا بیان ۶۱
گمشدہ آدمی کے بارے میں احکام کا بیان ۶۱
مفقود پر عیال کے نفقہ کے وجوب کا بیان ۶۲
گم شدہ شوہر کی بیوی کیلئے حکم فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ ۶۳
مفقود الخبر شوہر کے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ ۶۴
مفقود الشوہر بیوی کے نکاح ثانی کے حکم میں مذاہب اربعہ ۶۴
مفقود آدمی کی وصیت کا بیان ۶۵
کِتَابُ الْاِبَاقِ ۶۶
﴿یہ کتاب اباق کے بیان میں ہے﴾ ۶۶
کتاب اباق کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۶
مفرور غلام کے احکام کا بیان ۶۶
غلام کیلئے بھاگنے کی ممانعت اور آقا کی خدمت کرنے میں اجر کا بیان ۶۷
امانت کے ضیاع پر ضمان میں مذاہب اربعہ ۶۷
کِتَابُ اِحْيَاءِ الْمَوَاتِ ۶۸
﴿یہ کتاب احیاء موات کے بیان میں ہے﴾ ۶۸
کتاب احیاء اموات کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۸
کتاب احیاء موات کے شرعی ماخذ کا بیان ۶۸
غیر آباد زمین آباد کرنے کا بیان ۶۹
موات زمین کی تعریف کا بیان ۷۰
کنویں اور چشمے بنانے کا بیان ۷۱
دیوار والی زمین کے احیاء میں مذاہب اربعہ ۷۲
کِتَابُ الْمَاْذُوْنِ ۷۳
﴿یہ کتاب ماذون غلام کے بیان میں ہے﴾ ۷۳
کتاب ماذون کی فقہی مطابقت کا بیان ۷۳
کتاب ماذون کے شرعی ماخذ کا بیان ۷۳
غلام کے اذن کا بیان ۷۴

سکوت آقا کے سبب ثبوت اذن میں مذاہب اربعہ ۷۵
ماذون غلام کا کچھ غلہ دینے میں مذاہب اربعہ ۷۵
ماذون کے ہبہ کو مضارب کے ہبہ پر قیاس کرنے کا بیان ۷۶
ماذون کے قرضوں کو مرض موت والے کے قرضوں پر قیاس کرنے کا بیان ۷۶
ماذون غلام کے مجور ہوجانے کا بیان ۷۷
علم کے سبب مجور کرنے میں مذاہب اربعہ ۷۸
مال سے حاصل ہونے والا نفع مالک کو دینے کا بیان ۷۸
بھاگ جانے والے غلام کے مجور یا ماذون ہونے میں مذاہب اربعہ ۷۹
سکوت سے بیع کرنے سے ثبوت اذن میں مذاہب اربعہ ۷۹
بچے کو اذن تصرف ملنے میں مذاہب اربعہ ۷۹

كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ ۸۱

﴿یہ کتاب مزارعت کے بیان میں ہے﴾ ۸۱
کتاب مزارعت کی فقہی مطابقت کا بیان ۸۱
مزارعت کا فقہی مفہوم ۸۱
حصے پر کاشتکاری کرنے کا بیان ۸۱
تین چوتھائی پر مزارعت کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان ۸۲
مدت معلومہ پر مزارعت کرنے کا بیان ۸۴
متعاقدین میں کسی ایک فوت ہوجانے کا بیان ۸۵
مزارعت کی فاسد صورتوں کا بیان ۸۵
جواز مزارعت کے فقہی استدلال کا بیان ۸۶

كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ ۸۷

﴿یہ کتاب مساقات کے بیان میں ہے﴾ ۸۷
کتاب مساقات کی فقہی مطابقت کا بیان ۸۷
مساقات کا فقہی مفہوم ۸۷
جواز مساقات کے شرعی ماخذ کا بیان ۸۷
جواز مساقات کی شرائط کا بیان ۸۸
مساقات کی جائز و ناجائز صورتوں کا بیان ۸۹
معاملہ میں عامل کو نصف سے زائد دینے کا بیان ۹۰

كِتَابُ النِّكَاحِ ۹۱

﴿یہ کتاب نکاح کے بیان میں ہے﴾ ۹۱
کتاب نکاح کی فقہی مطابقت کا بیان ۹۱
نکاح کا فقہی مفہوم ۹۱
تعریف نکاح میں مذاہب اربعہ ۹۲
ایجاب و قبول کے سبب انعقاد نکاح کا بیان ۹۳
نکاح کیلئے صیغہ ماضی کو متعین کرنے کا بیان ۹۳
خبر سے اقرار نکاح کے عدم اعتبار کا بیان ۹۳
ایجاب وقبول کے صیغوں سے انعقاد نکاح کا بیان ۹۴
تملیک کی تعبیر والے الفاظ سے انعقاد نکاح میں مذاہب اربعہ . ۹۴
مذاق و اجباری نکاح کے انعقاد میں مذاہب اربعہ ۹۴
نکاح کیلئے شہادت ہونے کا بیان ۹۵
نکاح میں شرط گواہی کے ثبوت میں احادیث کا بیان ۹۵
نکاح گواہوں کی موجودگی پر فقہی مذاہب اربعہ ۹۶
نکاح کی گواہی پر وصف تذکیر میں مذاہب اربعہ ۹۷
فریقین کا مجلس نکاح میں شاہدین کے سامنے ہونے کا بیان ۹۷
شہادت نکاح میں تعبیر اصیل کا بیان ۹۸
نکاح مسلم کی شہادت میں اسلام کے شرط ہونے کا بیان ۹۸
جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ۹۸
فروج میں اصل حرمت ہے۔ قاعدہ فقہیہ ۹۹
حرمت کی اقسام: ۹۹
حرمت ابدی: ۱۰۰
حرمت عارضی: ۱۰۰
حرمت ابدی کے اسباب: ۱۰۰
۱۔ حرمت نسب: ۱۰۰
محرمات نسبیہ: ۱۰۰

۲۔حرمت رضاعت: ۱۰۱
مدت رضاعت: ۱۰۱
محرمات رضاعیہ: ۱۰۱
۳۔حرمت مصاہرت: ۱۰۱
حرمت نکاح کے عارضی ذرائع واسباب: ۱۰۱
۴۔جمع: ۱۰۱
قاعدہ: ۱۰۲
۳۔مدخول بھا کی بیٹی یا ماں کو جمع کرنا: ۱۰۲
۴۔بیوی پر اسکی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنا: ۱۰۲
۵۔کفر وشرک: ۱۰۲
۶۔تعدد ازواج: ۱۰۲
۷۔عدت: ۱۰۲
۸۔بیٹوں کی بیویاں: ۱۰۲
۹۔غیر کے حق میں حرمت: ۱۰۳
۱۰۔دین: ۱۰۳
۱۱۔غیر مدخولہ کی ماں سے نکاح: ۱۰۳
۱۲۔مفقود الشوہر عورت سے نکاح: ۱۰۳
۱۳۔طلاق ثلاثہ والی عورت سے نکاح: ۱۰۳
۱۴۔مزنیہ عورت کے اصول وفروع حرام ہیں: ۱۰۴
۱۵۔عدم ادائیگی حقوق: ۱۰۴
۱۶۔مجنون کی دوسری شادی: ۱۰۵
۱۷۔بدعقیدہ لوگوں کے ہاں نکاح: ۱۰۵
دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کا بیان ۱۰۷
دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت پر سلف وخلف کا اجماع . ۱۰۷
نکاح میں ممانعت جمع سے متعلق قاعدہ فقہیہ ۱۰۸
زانیہ کی ماں وبیٹی کے حرام ہونے کا بیان ۱۰۹
زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کی حرمت میں مذاہب اربعہ ۱۰۹
محض نکاح سے حرمت ام میں مذاہب اربعہ ۱۰۹
نکاح میں اجازت لینے کا بیان ۱۱۰
ولایت نکاح کے حقداروں کا بیان ۱۱۰
الفاظ نکاح وہبہ وتزویج سے انعقاد نکاح کا بیان ۱۱۲
لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح میں فقہ حنفی کی دلیل کا بیان ۱۱۲
تملیک کی تعبیر والے الفاظ سے انعقاد نکاح میں مذاہب اربعہ . ۱۱۳
جن الفاظ سے انعقاد نکاح نہیں ہوتا ۱۱۳
فقہ شافعی کے مطابق الفاظ انعقاد نکاح دو ہیں ۱۱۴
نکاح کے ولی ہونے کا بیان ۱۱۴
چھوٹی بچی کی شادی کی اباحت میں قرآن وسنت واجماع کا بیان ۱۱۵
باپ کیلئے عدم اجازت صغیرہ پر اجماع کا بیان ۱۱۶
چھوٹی بچی کی رخصتی اور اس سے دخول کرنا ۱۱۶
صاحب رائے عورت کی ولایت میں مذاہب اربعہ ۱۱۷
ولایت نکاح اسباب فقہی کا بیان ۱۱۸
نکاح میں کفو کے معتبر ہونے کا بیان ۱۱۸
نکاح میں دینداری کا ترجیح دینے کا بیان ۱۱۹
نکاح کے کفو میں اتفاق مذاہب اربعہ ۱۲۰
کفأت میں چھ چیزوں کے اعتبار کا بیان ۱۲۰
نکاح میں حق ہونے کا بیان ۱۲۱
حق مہر کی تعریف کا بیان ۱۲۱
مہر کی ادائیگی سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان ۱۲۲
بغیر طے کردہ حق مہر میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۲۳
مہر کے عدم تذکیر کی صورت میں مثلی کا بیان ۱۲۴
مہر کی مقدار میں مذاہب اربعہ ۱۲۴
حریت کے مہر ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۲۵
مہر کی مقدار میں فقہی مذاہب واہل ظواہر کا موقف ۱۲۵
مطلق خلوت ہونے کے بعد مہر دینے میں مذاہب اربعہ ۱۲۶
غیر مدخولہ کے تصرف مہر میں اولیاء کے حق پر فقہی مذاہب اربعہ ۱۲۷
مسلمان کو شراب وخنزیر کے بدلے میں نکاح کرنے کا بیان ۱۲۸

غیر مال متقوم کے عدم مہر ہونے کا بیان ۱۲۹
خلوت صحیحہ ہونے کے فقہی مفہوم کا بیان ۱۳۰
خلوت صحیحہ کے موانع کا فقہی بیان ۱۳۰
مطلق خلوت ہونے کے بعد مہر دینے میں مذاہب اربعہ ۱۳۲
نکاح شغار وغیرہ کا بیان ۱۳۳
نکاح شغار کے مہر میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۳۴
تعلیم قرآن کے مہر ہونے فقہی مذاہب اربعہ ۱۳۵
آزادی کو مہر قرار دینے میں فقہی تصریحات ۱۳۵
آزادی کو مہر مقرر کرنے کی کراہت میں بعض فقہی مذاہب ۱۳۷
قبولیت اسلام کو مہر قرار دینے میں فقہی مذاہب ۱۳۷
شہر سے باہر نہ لے جانے کی شرط پر شادی کرنے کا بیان ۱۳۸
نکاح کو کسی شرط سے مشروط کرنے میں مذاہب اربعہ ۱۳۸
نکاح میں اخراج بلد کی شرط میں مذاہب اربعہ ۱۴۰
نکاح متعہ کی حرمت کے دلائل کا بیان ۱۴۰
جواز متعہ کی تنسیخ کا بیان ۱۴۳
ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حرمت متعہ کے بارے میں احادیث ۱۴۴
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کی طرف رجوع کیا ۱۴۷
چچازاد کیلئے اپنی چچازادی سے نکاح کرنے کا بیان ۱۴۷
وکالت نکاح کے جواز کا فقہی بیان ۱۴۸
مؤکل و مؤکلہ کے نکاح وکالت کا بیان ۱۴۸
مہر مثلی کے فقہی مفہوم کا بیان ۱۴۹
جن عورتوں کا مہر، مہر مثلی بنتا ہے ۱۴۹
نکاح کی مختلف صورتیں ۱۵۰
باندی کے آزاد ہونے پر فسخ نکاح میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۵۲
اذن کے بغیر نکاح کرنے والی باندی کے معدوم اختیار میں
مذاہب اربعہ ۱۵۳
اہل کتابیہ سے نکاح کی اباحت میں مذاہب اربعہ ۱۵۳
شوہر کے پاگل یا جذامی وغیرہ ہونے کا بیان ۱۵۴
قاضی مسلمان عورت کے خاوند پر اسلام پیش کرے گا ۱۵۴
غیر مسلم شوہر کے اسلام قبول نہ کرنے پر تفریق کا حکم ۱۵۵
عورت کے مذہب بدلنے میں عدم تفریق کا بیان ۱۵۶
عورت کا دارالحرب سے ہجرت کرکے آنے کا بیان ۱۵۶
خاوند یا بیوی کے ارتداد میں تفریق پر فقہی مذاہب اربعہ ۱۵۷
مرتد آدمی کا مسلمان عورت سے شادی کرنے کی ممانعت کا بیان ۱۵۸
ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ ۱۵۸
عدت میں قبول اسلام پر خاوند کے حقدار نکاح ہونے میں
مذاہب اربعہ ۱۵۹
قبول اسلام کے بعد محرمات ابدیہ نکاح میں یوں تفریق کرائی
جائے گی ۱۶۱
ازواج میں باری مقرر کرنے کا بیان ۱۶۲
کثیر ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنے میں فقہی تصریحات ۱۶۳
ازواج کے درمیان تقرر باری میں فقہ حنفی کے مطابق عدل کا بیان ۱۶۴
مقررہ باری میں دوسری بیوی کے پاس جانے کی اباحت کا بیان ۱۶۵
ازواج کو سفر پر لے جانے میں تقسیم کا بیان ۱۶۵
اپنی باری ہبہ کرنے پر سلف و خلف کا اجماع ۱۶۶
كِتَابُ الرَّضَاعِ ۱۶۹
﴿یہ کتاب رضاعت کے بیان میں ہے﴾ ۱۶۹
کتاب رضاعت کی فقہی مطابقت کا بیان ۱۶۹
رضاعت کا فقہی مفہوم ۱۶۹
دودھ پلانے سے حرمت رضاعت کے ثبوت کا بیان ۱۷۰
حرمت رضاعت میں دودھ کی مقدار میں مذاہب اربعہ ۱۷۰
مدت رضاعت میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۷۱
دودھ رضاعت کے تعین میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۷۲
لبن فحل سے متعلق حرمت کا بیان ۱۷۳
حرمت کے لبن الفحل سے متعلق ہونے میں فقہ شافعی و حنفی کا

اختلاف ۱۷۳
غالب پانی کے اختلاط سے متعلق حرمت کا بیان ۱۷۴
اختلاط رضاعت کے فقہی مسائل کا بیان ۱۷۴
کنواری کے دودھ سے ثبوت حرمت کا بیان ۱۷۶
رضاعت میں غلبہ دودھ کے معتبر ہونے کا بیان ۱۷۷
کتاب الطلاق ۱۷۸
﴿یہ کتاب طلاق سے متعلق احکام کے بیان میں ہے﴾ ۱۷۸
کتاب طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان ۱۷۸
لفظ طلاق کے لغوی وشرعی معنی کا بیان ۱۷۸
طلاق کی اقسام وتعریفات کا بیان ۱۷۹
طلاق کی اقسام میں مذاہب اربعہ ۱۸۰
ہر قسم کی طلاق کے وقوع میں اتفاق مذاہب اربعہ ۱۸۱
مسنون طریقے سے طلاق دینے میں احادیث ۱۸۱
طلاق بدعت کی تعریف ۱۸۲
حالت حیض کی وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ ۱۸۲
طلاق ثلاثہ کے وقوع میں مذاہب اربعہ ۱۸۳
بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں ۱۸۳
حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینے کا بیان ۱۸۴
حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینے کا بیان ۱۸۵
حالت حیض میں طلاق کی صورت رجوع سے متعلق مذاہب اربعہ ۱۸۶
نابالغ کی طلاق کا فقہی حکم ۱۸۷
سوئے ہوئے شخص کی طلاق کا حکم ۱۸۷
پاگل کی طلاق کا فقہی بیان ۱۸۷
سفیہ (کم عقل) کی طلاق کا حکم ۱۸۸
مجنون کی طلاق معلق کے وقوع کا بیان ۱۸۸
مذاق میں نکاح وطلاق کا فقہی حکم ۱۸۸
غلام کے حق طلاق کے ثبوت کا بیان ۱۸۹
طلاق صریح کا بیان ۱۸۹
طلاق صریح کے الفاظ سے طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۹۰
طلاق کے صریح الفاظ کا فقہی بیان ۱۹۰
طلاق کی قسم کنایہ کا بیان ۱۹۱
طلاق کنایہ کا فقہی مفہوم ۱۹۲
الفاظ کنایہ سے وقوع طلاق میں نیت کا اعتبار ۱۹۲
طلاق کو کسی وصف کے موصوف کرنے کا بیان ۱۹۳
طلاق کی نسبت بدنی اعضاء کی طرف کرنے کا فقہی بیان ۱۹۳
طلاق کو معلق کرنے کا بیان ۱۹۴
طلاق کا جز بھی مکمل طلاق ہے ۱۹۴
اطلاق طلاق میں عدم تجزی کا بیان ۱۹۵
اکراہ کی صورت میں وقوع طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۹۵
حالت نشہ کی طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۹۵
گونگے کے اشارے یا کتابت سے وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ ۱۹۶
طلاق کو نکاح سے قبل معلق کرنے میں فقہی مذاہب اربعہ ۱۹۶
طلاق معلق کے وقوع میں اجماع مذاہب اربعہ ۱۹۸
طلاق کی خبر وحکایت کے محل کا فقہی بیان ۱۹۹
الفاظ شرط کے ساتھ طلاق دینے کا بیان ۱۹۹
لفظ ''ان'' تراخی کیلئے بھی آتا ہے ۲۰۰
شرط کا جہت عورت ہونے کا بیان ۲۰۰
باندی کیلئے دو طلاقوں کے ہونے کا بیان ۲۰۱
طلاق بائنہ ہوگئی ۲۰۱
باندی کیلئے دو طلاق ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۰۱
طلاق کو شہر مکہ سے معلق کرنے کا بیان ۲۰۲
طلاق کو بیوی کے حوالے کردینے کا بیان ۲۰۲
عورت کو اختیار طلاق دینے سے متعلق احادیث وآثار ۲۰۳
سپرد اختیار کی طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۰۳

کسی دوسرے طلاق دینے کا حکم دینے کا بیان ۲۰۴
ان شاء اللہ کے ساتھ طلاق کہنے میں مذاہب اربعہ ۲۰۵
مطلقہ کی وراثت میں مذاہب اربعہ ۲۰۵
اثبات کے بعد نفی سے انتفائے حکم میں مذاہب اربعہ ۲۰۶
نکاح ثانی کے ساتھ آنے والی کیلئے حق طلاق میں مذاہب اربعہ ۲۰۶

كِتَابُ الرَّجْعَةِ ۲۰۸

﴿یہ کتاب طلاق سے رجوع کرنے کے بیان میں ہے﴾ ۲۰۸
کتاب رجعت کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۰۸
رجعت کی لغوی واصطلاحی تعریف وحکم کا بیان ۲۰۸
طلاق کے بعد رجوع کرنے کا بیان ۲۰۸
رجوع کے حکم کا شرعی ثبوت ۲۰۹
تیسرے حیض کے ساتھ ہی سقوط رجوع کے حق میں فقہی مذاہب ۲۱۰
طریقہ رجوع میں مذاہب اربعہ ۲۱۱
جماع ومقدمات جماع سے رجوع میں مذاہب اربعہ ۲۱۱
چھونے سے اثبات رجوع میں فقہی مذاہب ثلاثہ ۲۱۲
فعلی رجوع میں مذاہب اربعہ ۲۱۳
جو فعل سبب حرمت مصاہرت وہی سبب رجعت قاعدہ فقہیہ ... ۲۱۳
رجعت کی شرعی حیثیت میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۱۳
حق رجوع کے اختتام میں مذاہب اربعہ ۲۱۵
عدت در رجوع سے متعلق اسلاف سے فقہی روایات ومذاہب اربعہ ۲۱۵
حلالہ سے متعلق حکم کا بیان ۲۱۸
نکاح حلالہ کا فقہی مفہوم کا بیان ۲۱۸
حلالہ سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان ۲۲۰
نکاح ثانی کے بعد حق طلاق کی تعداد میں مذاہب اربعہ ۲۲۱

كِتَابُ الْإِيلَاءِ ۲۲۲

﴿یہ کتاب ایلاء کے بیان میں ہے﴾ ۲۲۲
کتاب ایلاء کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۲۲
ایلاء کا فقہی مفہوم ۲۲۲
مدت ایلاء گزرنے کے بعد وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ ... ۲۲۲
ایلاء کے حکم کا بیان ۲۲۳
اپنی بیوی سے ایلاء کرنے کا بیان ۲۲۳
قسم کھانے کی صورت میں ترک تعلق میں مذاہب اربعہ ۲۲۴
قوت آثار کے مطابق فقہ حنفی کا موقف طلاق ایلاء میں اصح ... ۲۲۵
مدت ایلاء کے گزر جانے سے وقوع طلاق میں مذاہب اسلاف ۲۲۵
باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہونے کا بیان ۲۲۶
آزاد و باندی کی مدت ایلاء کا بیان ۲۲۷
دو مرتبہ ایلاء کی مدت میں فقہی بیان ۲۲۷
مطلق حرام کہنے سے ایلاء اور ظہار کی نیت کا بیان ۲۲۸

كِتَابُ الْخُلْعِ ۲۲۹

﴿یہ کتاب خلع کے بیان میں ہے﴾ ۲۲۹
کتاب خلع کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۲۹
خلع کا فقہی مفہوم ۲۲۹
خلع سے مراد فسخ یا طلاق ہونے میں مذاہب اربعہ ۲۲۹
خلع کے طلاق ہونے میں فقہ حنفی کی ترجیحی دلیل ۲۳۰
خلع کے یکطرفہ نہ ہونے میں مذاہب اربعہ ۲۳۱
مال کے بدلے طلاق لیکر خلع کرنے کا بیان ۲۳۲
خلع کے طلاق ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۳۳
طلاق، خلع اور فسخ نکاح کے فرق کا بیان ۲۳۳
خلع میں زیادہ مال لینے سے متعلق مذاہب اربعہ ۲۳۴
عورت کا ایک ہزار کے بدلے میں طلاق لینے کا بیان ۲۳۵
مبارات کا خلع کی طرح ہونے کا بیان ۲۳۶
لفظ خلع سے مکمل الگ ہونے کا بیان ۲۳۷
عدت خلع میں حق طلاق پر مذاہب اربعہ ۲۳۷

كِتَابُ الظِّهَارِ ۲۳۹

﴿یہ کتاب ظہار کے بیان میں ہے﴾ ۲۳۹

کتاب ظہار کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۳۹
ظہار کا لغوی معنی وتعریف ۲۳۹
ظہار کا فقہی مفہوم ۲۳۹
ظہار کا شرعی حکم ۲۴۰
نشئی کے ظہار میں مذاہب اربعہ ۲۴۰
ظہار کے متعین وقت سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ ۲۴۰
ظہار کے بعد رجوع میں مذاہب اربعہ ۲۴۱
منکوحہ کو ہمیشہ کی حرام عورت سے تشبیہ دینے کا بیان ۲۴۲
ظہار ثابت کرنے والے اعضاء کی تشبیہ میں مذاہب اربعہ ۲۴۳
اعضاء سے متعلق ظہار میں فقہی بیان ۲۴۴
مثل امی کہنے سے وقوع ظہار میں مذاہب اربعہ ۲۴۴
بیوی کو مطلق حرام کہنے سے ظہار میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۴۶
ظہار کا صرف اپنی زوجہ سے ہونے کا بیان ۲۴۸
بیوی کے عدم ظہار میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۴۸
ظہار کی بعض شرائط میں مذاہب اربعہ ۲۴۹
کفارہ ظہار کے حکم کا بیان ۲۵۰
کفارہ ظہار کے طریقے میں فقہی بیان ۲۵۱
کفارہ ظہار کے غلام میں مذہبی قید کے معدوم ہونے کا بیان ۲۵۳
کفارے سے پہلے چھونے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ ۲۵۴
کفارے کی نیت باپ غلام یا بیٹے غلام کو خریدنے کا بیان ۲۵۶
کفارے کے روزوں میں قمری مہینوں میں مذاہب اربعہ ۲۵۷
روزوں پر عدم قدرت کے اعتبار میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۵۷
کفارے کی عدم تجزی میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۵۸
ظہار سے حرمت کی دلیل میں مذاہب اربعہ ۲۵۹
کفارہ ظہار میں گندم وغیرہ دینے کا بیان ۲۵۹
کفارے کے تعدد میں بعض فقہی مذاہب اربعہ ۲۶۰
کتاب اللعان ۲۶۱
﴿یہ کتاب لعان کے بیان میں ہے﴾ ۲۶۱
کتاب لعان کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۶۱
لعان کے فقہی مفہوم کا بیان ۲۶۱
چار شہادتوں کا قسم کے ساتھ ہونے کا بیان ۲۶۱
لعان کی شرائط کا فقہی بیان ۲۶۲
لاعن کے قسم سے پہلوتہی کرنے میں مذاہب اربعہ ۲۶۳
لعان کا طریقہ اور فقہی تصریحات ۲۶۳
لعان ہو جانے کے بعد قاضی کا ان میں تفریق کروانے کا بیان ۲۶۷
لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ .. ۲۶۷
لعان کے حکم کا بیان ۲۶۸
تفریق لعان میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۶۹
زنا کی تہمت کے سبب ثبوت لعان کا بیان ۲۶۹
بچے کے انکار کی صورت میں ثبوت لعان کا فقہی بیان ۲۷۰
تہمت زنا سے ثبوت لعان کا بیان ۲۷۰
محدود وقذف ہونے والے کی شہادت میں مذاہب اربعہ ۲۷۱
حالت حمل کے لعان میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۷۱
کتاب العدۃ ۲۷۳
﴿یہ کتاب عدت کے بیان میں ہے﴾ ۲۷۳
کتاب عدت کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۷۳
عدت کا لغوی وفقہی مفہوم ۲۷۳
عورت کی عدت کا بیان ۲۷۳
قروء کی مراد میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۷۴
آئسہ کی عدت میں فقہی تصریحات ۲۷۵
آئسہ کی عدت میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۷۷
حاملہ کی عدت ونکاح ثانی میں مذاہب فقہاء ۲۷۹
باندی کی عدت میں مذاہب اربعہ ۲۸۰
وضع حمل سے اختتام عدت کا بیان ۲۸۱
باندی کی عدت وفات دو ماہ پندرہ دن ہونے کا بیان ۲۸۲
باندی کی عدت وفات میں فقہی مذاہب اربعہ ۲۸۳

حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب اربعہ ۲۸۴
عدت طلاق وعدت وفات کے جمع ہونے کا بیان ۲۸۵
عدت سے تفریق ہونے کے بعد کے حکم کا بیان ۲۸۶
طلاق کے ہونے سے ابتدائے عدت کا بیان ۲۸۷
وقت عدت کے شروع ہونے کا فقہی بیان ۲۸۸
اختتام عدت میں عورت پر قسم ہونے کا اعتبار ۲۸۹
ایام عدت میں زیب وزینت پر فقہی مذاہب اربعہ ۲۸۹
سوگ کے مسائل میں فقہی مذاہب ۲۹۱
سوگ کے فقہی احکام ومسائل ۲۹۲
حالت عدت میں نکاح کی ممانعت میں فقہی بیان ۲۹۳
مسلم شوہر کی اہل کتاب ازواج کے نکاح میں رہنے پر فقہی مذاہب اربعہ ۲۹۵
خاوند کے عدم قبول اسلام پر تفریق میں مذاہب اربعہ ۲۹۵
اختلافِ دارین کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ ۲۹۷
ایام عدت میں گھر سے باہر جانے کی ممانعت کا بیان ۲۹۹
معتدہ کے انتقال مکان میں فقہی مذاہب ۲۹۹
عدت وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذاہب اربعہ ۳۰۰
عدت بائنہ وثلاثہ میں زوجین مثل اجنبی ہیں ۳۰۱
طلاق رجعی والی کے ولد سے ثبوت نسب کا بیان ۳۰۲
چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا بیان ۳۰۳
ثبوت نسب میں ایک عورت کی شہادت ۳۰۴
ولد زنا کے عدم نسب میں مذاہب اربعہ ۳۰۵
چھ ماہ کے بچے کے انساب الی الوالد کا بیان ۳۰۶
حمل کی مدت کا فقہی بیان ۳۰۷
کتاب النفقات ۳۰۸
﴿یہ کتاب بیوی کو خرچ دینے کے بیان میں ہے﴾ ۳۰۸
کتاب نفقہ کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۰۸
نفقہ کا لغوی وفقہی مفہوم ۳۰۸
شوہر پر بیوی کے نان ونفقہ کے وجوب کا بیان ۳۰۸
بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے ۳۰۹
قابل جماع نہ ہونے والی بیوی کے نفقہ کا بیان ۳۰۹
حق تسلیم کے سبب نفقہ ہونے کا بیان ۳۱۰
نان ونفقہ کے بغیر رہنے پر بیوی کی رضامندی کا بیان ۳۱۱
بیوی کے انکار زوجیت پر وعید کا بیان ۳۱۱
مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ میں مذاہب اربعہ ۳۱۳
مالدار شوہر پر نوکر کا نفقہ کا ہونے کا بیان ۳۱۳
نفقہ میں اصل عسر و یسر ہونے کا قاعدہ فقہیہ ۳۱۴
نفقہ کی تعریف ۳۱۴
طلاق رجعی وبائنہ کے بعد بھی نفقہ: ۳۱۴
شوہر غائب ہو جانے پر اس کے مال سے نفقہ دینے کا بیان ... ۳۱۴
شوہر کے مال سے قاضی کے نفقہ دلوانے کا بیان ۳۱۵
تعین نفقہ کا فقہی مفہوم ۳۱۶
وفات خاوند کے سبب سقوط نفقہ کا بیان ۳۱۶
عدم دعویٰ کے سبب سقوط نفقہ کا بیان ۳۱۷
بیوہ کے نان ونفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ ۳۱۷
عدت وفات میں نفقہ نہ ہونے کا بیان ۳۱۸
چھوٹی اولاد کے نفقہ کا باپ پر واجب ہونے کا بیان ۳۱۹
احادیث کے مطابق نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان ۳۲۰
نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع ۳۲۱
حضانت کے حقوق کا فقہی بیان ۳۲۲
حضانت کا فقہی مفہوم ۳۲۳
حق حضانت کے ثبوت شرعی کا بیان ۳۲۳
پرورش کیلئے شرائط کا بیان ۳۲۴
حق حضانت میں محرماتی ترتیب کا بیان ۳۲۵
حق حضانت میں والدہ کے استحقاق کا بیان ۳۲۵
حق حضانت کا ماں کی طرف ہونے میں قاعدہ فقہیہ ۳۲۶

بچے کو کب اختیار دیا جائے: ۳۲۶
جب بچے کے اہل میں سے نہ ہوں ۳۲۷
حق حضانت کے بعد بچے کے رہنے میں فقہی مذاہب ۳۲۸
حق پرورش میں عرفی احوال سے متعلق فقہی بیان ۳۲۸
ہر ذی رحم محرم کیلئے نفقہ ہونے کا بیان ۳۳۰
والدین کے نفقہ کے احکام ومسائل ۳۳۰
ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام ومسائل ۳۳۰
بچے کے حق حفاظت میں مذاہب اربعہ ۳۳۲
کافر کیلئے حق پرورش نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ ۳۳۲
مفلس شخص پر نفقہ کے عدم وجوب کا بیان ۳۳۳
قریبی شہر میں حق حضانت والے کے رہنے میں مذاہب اربعہ ۳۳۴
حق حضانت والے بچے کی مسافت کا بیان ۳۳۵
کتاب العتق ۳۳۶
﴿یہ کتاب غلام آزاد کرنے کے بیان میں ہے﴾ ۳۳۶
کتاب العتاق کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۳۶
عتاق کا لغوی وشرعی مفہوم ۳۳۶
آزاد کرنے کا بیان ۳۳۷
صریح محتاج نیت نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ ۳۳۸
صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں قاعدہ فقہیہ ... ۳۳۸
اگر صراحت معدوم ہو تو دلالت معتبر ہوگی: ۳۳۸
غلام کو آزادی کی طرح کہنے کا بیان ۳۳۹
دو آدمیوں کا کسی بیٹے کو خریدنے کا بیان ۳۴۰
بعض آزادی کے اعتبار کا بیان ۳۴۰
غلام سے سعایہ لینے متعلق فقہی تصریحات ۳۴۱
اللہ کی رضا کیلئے غلام کو آزاد کرنے کا بیان ۳۴۲
غلام کو آزاد کرنے پر گواہ بنانے کا بیان ۳۴۲
غلام وباندی کی شہادت میں نراہب اربعہ ۳۴۳
مشترکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ ۳۴۳
کتاب التدبیر ۳۴۵
﴿یہ کتاب مدبر غلام کے بیان میں ہے﴾ ۳۴۵
کتاب تدبیر کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۴۵
مدبر غلام کا فقہی مفہوم ۳۴۵
آزادی کو موت سے متعلق کرنے کا بیان ۳۴۵
مدبر کی اقسام کا فقہی بیان ۳۴۶
حاملہ باندی کے حمل کے تابع ہونے میں اجماع اربعہ ۳۴۷
مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ ۳۴۸
باب الاستیلاد ۳۴۹
﴿یہ باب ام ولد کے بیان میں ہے﴾ ۳۴۹
باب استیلاد کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۴۹
ام ولد ہونے کا فقہی مفہوم ۳۴۹
ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت ۵۰
باندی کے ام ولد بننے کا بیان ۵۰
ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان ۵۱
ام ولد کا وراثت میں شریک ہوجانے کا بیان ۵۲
کتاب المکاتب ۵۳
﴿یہ کتاب مکاتب کے بیان میں ہے﴾ ۵۳
کتاب مکاتب کی فقہی مطابقت کا بیان ۵۳
مکاتب کا لغوی فقہی مفہوم ۵۳
مکاتبت کا فقہی مفہوم ۵۳
کتاب مکاتب کے شرعی مأخذ کا بیان ۵۴
آقا کا غلام کو مکاتب یا باندی کو مکاتبہ بنانے کا بیان ۵۴
مکاتب بنانے کی شرعی حیثیت میں فقہی مذاہب کا بیان ۵۴
درخواست مکاتبت پر قبول مولیٰ میں مذاہب اربعہ ۵۶
آقا کا غلام کی باندی کے ساتھ شادی کرنے کا بیان ۵۶
غلاموں میں اولاد کا والدین کے تابع ہونے کا بیان ۵۷
مکاتب کا اقساط ادا کرنے سے عاجز آجانے کا بیان ۵۸

عدم ادائیگی کے سبب عقد کتابت کے ختم ہو جانے کا بیان ۵۹

ایک ہزار پر دو غلاموں کی مکاتبت کا بیان ۳۶۰

مشترکہ مکاتبت سے متعلق بعض فقہی جزئیات کا بیان ۳۶۱

ام ولد کی مکاتبت کے جواز کا بیان ۳۶۲

موت کے بعد ام ولد کی آزادی میں مذاہب اربعہ ۳۶۴

مشترکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ ۳۶۴

كِتَابُ الْوَلَاءِ ۳۶۵

﴿یہ کتاب ولاء کے بیان میں ہے﴾ ۳۶۵

کتاب ولاء کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۶۵

ولاء کی لغوی تشریح کا بیان ۳۶۵

آزاد کرنے والے کیلئے مملوک کی ولاء ہونے کا بیان ۳۶۶

حق ولاء کے شرعی مآخذ کا بیان ۳۶۶

حق ولاء کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا نا جائز ہے ۳۶۸

ولائے موالاۃ و عتاقہ کی توضیح کا بیان ۳۶۸

آزادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچے کو جنم دینے کا بیان ۳۶۹

عورتوں کے آزاد کردہ کیلئے میراث ہونے کا بیان ۳۷۰

مالک مال کیلئے ملکیت ولاء ہونے کا بیان ۳۷۱

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ ۳۷۲

﴿یہ کتاب جنایات کے بیان میں ہے﴾ ۳۷۲

کتاب جنایات کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۷۲

جنایات کے لغوی مفہوم کا بیان ۳۷۲

قتل مؤمن کی حرمت کے شرعی مآخذ کا بیان ۳۷۲

قتل کی اقسام خمسہ کا بیان ۳۷۳

قتل کی اقسام کا فقہی بیان ۳۷۴

آلات قتل سے حکم قتل کا بیان ۳۷۵

قتل شبہ عمد کا بیان ۳۷۵

قصاص کو واجب کرنے والے قتل کا بیان ۳۷۵

پتھر کے ذریعے قتل کرنے پر وجوب قصاص میں مذاہب اربعہ ۳۷۶

لاٹھی سے قتل کرنے کے سبب وجوب دیت کا بیان ۳۷۷

شبہ عمد کا حکم خطاء میں ہونے کا بیان ۳۷۷

قتل خطاء کی اقسام کا بیان ۳۷۸

قتل خطاء کا حکم ۳۷۸

قتل خطاء کی صورتیں اور کفارہ ۳۷۸

قتل خطا کے احکام یا اس کے کفارہ کی صورتوں کا بیان ۳۷۹

قصاص کے لغوی و فقہی مفہوم کا بیان ۳۷۹

رہن میں رکھے ہوئے غلام کو قتل کرنے کا بیان ۳۸۱

آنکھ سے بینائی کے قصاص میں بینائی کو دور کرنے کا بیان ۳۸۱

ہڈی میں قصاص کے ہونے نہ ہونے میں فقہی مذاہب ۳۸۱

دانت اور اسکی مماثلت والے زخم میں قصاص ہونے کا بیان .. ۳۸۲

جوڑ سے ہاتھ کو کاٹ دینے کا بیان ۳۸۲

ہاتھ پاؤں کے قصاص میں مساوات ہونے کا بیان ۳۸۳

قتل کے بدلے میں قصاص ہونے کی مختلف صورتوں کا بیان۔ ۳۸۳

مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کرنے میں مذاہب اربعہ ۳۸۴

والدین کیلئے بیٹے کو قتل پر قصاص نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ ۳۸۵

قصاص میں بیٹے کے قتل ہونے کا بیان ۳۸۵

غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان ۳۸۶

قصاص و دیت کے دار و مدار میں برابری ہونے کا فقہی بیان .. ۳۸۶

غلام کے بدلے مالک کے قتل و عدم قتل میں فقہی مذاہب ۳۸۷

زخم کا سر کو دونوں جانبوں سے گھیر لینے کا بیان ۳۸۸

بعض اعضاء میں دیت ہونے کا فقہی بیان ۳۸۹

کان کاٹنے پر قصاص ہونے کا بیان ۳۸۹

ہونٹ کاٹنے سے وجوب قصاص کا بیان ۳۹۰

حرم میں قصاص لینے پر مذاہب فقہاء کا بیان ۳۹۰

اولیائے مقتول میں سے بعض کے معاف کر دینے کا بیان ۳۹۰

قصاص میں تجزی نہ ہونے کا بیان ۳۹۰

مال پر صلح میں قاتل کی رضامندی کی شرط نہ ہونے میں مذاہب

اربعہ ۳۹۱
قاتل جماعت سے قصاص لینے کا بیان ۳۹۱
ایک شخص کے قصاص میں قتل جماعت پر مذاہب اربعہ ۳۹۱
قاتل کی موت کے سبب قصاص کے ساقط ہو جانے کا بیان ... ۳۹۲
سقوط حلیت ومعافی اولیاء کا ہم مقیس ہونے کا بیان ۳۹۲
آدمی کا اس کے اپنے اقرار کی وجہ سے مواخذہ کیا جانے کا قاعدہ
فقہیہ ۳۹۳

كِتَابُ الدِّيَاتِ ۳۹۴

﴿یہ کتاب دیات کے بیان میں ہے﴾ ۳۹۴
کتاب دیات کی فقہی مطابقت کا بیان ۳۹۴
دیت کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان ۳۹۴
کتاب دیت کے شرعی ماخذ کا بیان ۳۹۵
وہ مال جو قتل پر یا جانی نقصان لیتے دیتے ہیں ۳۹۶
اقسام دیت کے جانوروں کا بیان ۳۹۸
دیت میں مسلمان وذمی میں برابری کا بیان ۳۹۹
ذمی کی دیت میں فقہاء شوافع کی مستدل احادیث کا بیان ۴۰۰
یہودی ونصرانی کی دیت کے نصف ہونے کا بیان ۴۰۰
اعضاء کی دیت کا فقہی بیان ۴۰۰
دس شجاج ہونے کا بیان ۴۰۱
ایک ہاتھ کی انگلیوں پر نصف دیت ہونے کا بیان ۴۰۲
ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کی دیت میں فقہی مذاہب کا بیان ۴۰۳
ایک انگلی کو کاٹ دینے کا بیان ۴۰۳
ہاتھ کاٹ دینے کے بعد اسی کو قتل کر دینے کا بیان ۴۰۴
راستے میں کنواں وغیرہ کھودنے کے سبب تلف جان کا بیان ... ۴۰۵
کنواں کھودنے کے سبب نقصان جان پر دیت کا بیان ۴۰۶
سواری کو ہانکنے والے کے ضامن ہونے کا بیان ۴۰۶
جانور کے سبب ہونے والے نقصان میں ضمان کا بیان ۴۰۷
دو بندوں کو باہمی ٹکرا کو فوت ہو جانے کے سبب دم ہدر کا بیان . ۴۰۸
قطار میں باندھے گئے اونٹ کے روند ڈالنے کا بیان ۴۰۹
مدبر یا ام ولد کی جنایت کا بیان ۴۱۰
دیوار سوار سے نقصان ہو جانے کا بیان ۴۱۱
دیوار کے سبب تلف جان پر ضمان کا بیان ۴۱۲
دیوار کو گرانے کے مطالبہ کا برحق ہونے کا بیان ۴۱۲
مشترکہ دیوار کو گرانے پر مطالبہ کرنے کا بیان ۴۱۳
گڑھے میں گر کر مرنے پر وجوب دیت کا بیان ۴۱۴
چوٹ کے سبب عورت سے بچہ گر جانے کا بیان ۴۱۴

بَابُ الْقَسَامَةِ ۴۱۶

﴿یہ باب قسامت کے بیان میں ہے﴾ ۴۱۶
باب قسامت کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۱۶
قسامت کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان ۴۱۶
قسامت کے حکم کا بیان ۴۱۶
مفہوم قسامت میں فقہی مذاہب اربعہ ۴۱۶
محلے میں پائے جانے والے مقتول کا بیان ۴۱۷
پچاس آدمیوں سے قسم لینے کا بیان ۴۱۸
پہلے اولیائے مقتول سے قسم لینے کا بیان ۴۱۸
پچاس قسموں کو پورا کرنے میں فقہی تصریحات کا بیان ۴۱۹
عورت وغیر اہل پر قسامت نہ ہونے میں فقہی تصریحات کا بیان ۴۲۰
عمد وخطاء کسی میں بھی غلام میں قسامت نہ ہونے کا بیان ۴۲۱
گلہ گھونٹ کر قتل کرنے کے سبب معافی ہونے نہ ہونے کا بیان . ۴۲۱
مقتول کا سواری میں پائے جانے کا بیان ۴۲۱
مقتول کا دو دیہاتوں کے درمیان پائے جانے کا بیان ۴۲۲

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ ۴۲۴

﴿یہ کتاب معاقل کے بیان میں ہے﴾ ۴۲۴
کتاب معاقل کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۲۴
معاقل کے مفہوم کا بیان ۴۲۴
عاقلہ کے فقہی مفہوم کا بیان ۴۲۴

عاقلہ پر لازم ہونے والی دیت کے احکام کا بیان ۴۲۴
قبیلے والوں کے ساتھ دوسروں کو دیت میں شامل کرنے کا بیان ۴۲۶
كتابُ الحُدود ۴۲۷
﴿یہ کتاب حدود کے بیان میں ہے﴾ ۴۲۷
کتاب حدود کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۲۷
حد کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان ۴۲۷
گواہی اور اقرار سے زنا کے ثابت ہونے کا بیان ۴۲۸
قاضی اہل شہادت احوال زنا معلوم کرے ۴۲۹
اقرار کے سبب حکم حد کے ثابت ہو جانے کا بیان ۴۲۹
ثبوت حد میں اقرار کے حجت ہونے کا بیان ۴۳۰
حاکم مقر کے اقرار کی تردید کرے ۴۳۱
رجم کی سزا کا فقہی بیان ۴۳۲
چار مجالس پر شہادت کی مستدل حدیث ۴۳۳
مرجوم کی نماز جنازہ پڑھانے میں مذاہب اربعہ ۴۳۵
رجوع کے سبب سقوط حد کا بیان ۴۳۶
نصاب شہادت اور ثبوت شہادت میں گواہوں کی کیفیت ۴۳۸
احصان کیلئے شرائط کا بیان ۴۳۹
احصان کی شرائط میں مذاہب اربعہ ۴۳۹
احصان کی سات شرائط کا بیان ۴۴۰
حد رجم کے بارے میں فقہی مذاہب اربعہ ۴۴۰
شہر بدری کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ ۴۴۳
مریض کیلئے حد قائم کرنے میں مہلت دینے کا بیان ۴۴۴
حاملہ پر حد وضع حمل کے بعد قائم کرنے کا بیان ۴۴۵
شبہ کے سبب عدم وجوب حد کا بیان ۴۴۶
شبہ کے فائدہ سے ملزم کو بچانے کا بیان ۴۴۷
شبہہ سے سقوط حدود پر اجماع کا بیان ۴۴۸
مرد اپنی بیوی کی باندی سے زنا کرے تو کیا حکم ہے؟ ۴۴۹
شب زفاف کسی دوسری عورت کے پاس جانے پر عدم حد کا بیان
لوطی کی حد میں مذاہب اربعہ ۴۵۰
جانور سے وطی کرنے والے پر عدم حد میں مذاہب اربعہ ۴۵۲
بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ ۴۵۴
﴿یہ باب شراب کی حد کے بیان میں ہے﴾ ۴۵۴
باب حد شراب کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۵۴
خمر (شراب) کا فقہی مفہوم ۴۵۴
احادیث کے مطابق حرمت شراب کا بیان ۴۵۴
شراب کی حرمت نازل ہونے پر صحابہ کرام کا عمل ۴۵۵
شراب پینے والے پر حد جاری کرنے کا بیان ۴۵۵
شراب پینے والے کی سزا اسی کوڑے ہونے کا بیان ۴۵۷
شرابی کی سزا کے اجماع پر دلائل کا بیان ۴۵۸
شرابی کی حد میں اسی کوڑوں پر اجماع صحابہ کرام ۴۵۹
بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ ۴۶۰
﴿یہ باب حد قذف کے بیان میں ہے﴾ ۴۶۰
باب حد قذف کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۶۰
قذف کا فقہی مفہوم ۴۶۰
تہمت لگانے کی سزا کا بیان ۴۶۰
قذف کے ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب ۴۶۱
کسی کے نسب کا انکار کرنے کا بیان ۴۶۴
محدود فی القذف کی شہادت نہ قبول کرنے میں فقہ حنفی کی ترجیح ۴۶۵
تعزیر کی سزا کا فقہی بیان ۴۶۶
تعزیر کا فقہی مفہوم ۴۶۷
تعزیر کی تعریف اور اسکی سزا کا شرعی تعین ۴۶۷
كِتَابُ السَّرِقَةِ وَقُطَّاعِ الطَّرِيقِ ۴۶۸
﴿یہ کتاب حد سرقہ وڈکیتی کے بیان میں ہے﴾ ۴۶۸
کتاب حد سرقہ وڈکیتی کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۶۸
سرقہ کے معنی کا فقہی مفہوم ۴۶۸
حدیث کے مطابق چور کیلئے سخت وعید کا بیان ۴۶۹

چوری کے نصاب حد کا بیان ۴۶۹
چوری کی حد کے لیے شرائط کا بیان ۴۷۰
نصاب سرقہ میں مذاہب فقہاء کا بیان ۴۷۰
چوری کی سزا اور اس کا نصاب ۴۷۳
نصاب سرقہ میں امام شافعی کی مستدل حدیث ۴۷۴
نصاب سرقہ میں امام مالک کی مستدل حدیث ۴۷۴
نصاب سرقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کی مستدل حدیث ۴۷۵
نصاب سرقہ میں احناف کے مؤقف کی ترجیح کا بیان ۴۷۵
نصاب سرقہ میں فقہی مذاہب اربعہ ۴۷۵
نشہ آور چیزوں کی چوری پر عدم حد سرقہ کا بیان ۴۷۵
وہ اشیاء جن کی چوری پر قطع نہ ہوگا ۴۷۶
مساجد کی حفاظت پر مامور پولیس ۴۷۷
عرف میں غیر محفوظ چیزوں کی چوری پر عدم حد کا بیان ۴۷۸
چور کو قید میں رکھنے کا بیان ۴۷۸
میوے کی چوری پر عدم حد میں فقہی مذاہب ۴۷۹
معمولی اشیاء کی چوری پر عدم حد میں مذاہب اربعہ ۴۸۰
خائن کے قطع ید میں فقہی مذاہب کا بیان ۴۸۱
کفن چور اور جیب کترے پر حد سرقہ نہ ہونے کا بیان ۴۸۲
لوٹنے والے پر عدم قطع ید کا بیان ۴۸۳
بیت المال کے چور پر عدم حد سرقہ کا بیان ۴۸۴
سارق غلام کی حد میں مذاہب اربعہ ۴۸۴
حرز کی اقسام کا بیان ۴۸۵
چوری میں شرط حرز کا فقہی بیان ۴۸۶
چور کا مکان میں نقب لگا کر چوری کرنے کا بیان ۴۸۷
قطع ید میں امام شافعی کی مستدل حدیث اور اس کا محمل ۴۸۷
ہاتھ کو کلائی سے کاٹنے کا بیان ۴۸۹
چور سے حد سرقہ کے ساقط ہونے کا بیان ۴۸۹
چور کو توبہ کرانے کیلئے قید میں ڈالنے کا بیان ۴۹۰
ڈاکوؤں کو قتل کر دینے کا بیان ۴۹۱
شہر اور غیر شہر کی ڈکیتی کے ہونے میں مذاہب اربعہ ۴۹۲
کِتَابُ الْاَشْرِبَة ۴۹۳
﴿یہ کتاب پینے والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾ ۴۹۳
کتاب اشربہ کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۹۳
خمر کی وجہ تسمیہ و شراب کا فقہی مفہوم ۴۹۳
شراب کی معروف چار اقسام کا بیان ۴۹۳
نشہ آور چیزوں کی اقسام کا بیان ۴۹۴
انگور و کھجور سے بنائی جانے والی شراب کا بیان ۴۹۵
شراب کا سرکہ بن جانے کر حلال وحرام ہونے میں فقہی اختلاف کا بیان ۴۹۵
شرابوں میں نشہ ہونے یا نہ ہونے کا بیان ۴۹۶
حد شراب ۸۰ اسی کوڑے ہونے میں مذاہب اربعہ ۴۹۷
کِتَابُ الصَّیْدِ وَالذَّبَائِحِ ۴۹۹
﴿یہ کتاب شکار اور ذبائح کے بیان میں ہے﴾ ۴۹۹
کتاب صید کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۹۹
کتاب صید کے شرعی ماخذ کا بیان ۴۹۹
شکار کا شکاری کتوں کے ساتھ جواز کا بیان ۵۰۰
شکاری کتے وغیرہ کے بارے میں شرائط کا بیان ۵۰۱
شکاری جانور کا کچھ شکار کھا لینے پر حرمت وحلت صید میں مذاہب اربعہ ۵۰۱
حلال چیزوں کا طیبات میں داخل ہونے کا بیان ۵۰۱
شکاری کتوں کا ایک حکم ہونے میں مذاہب اربعہ ۵۰۲
کلب معلم کے ساتھ غیر معلم کے شریک ہونے کا بیان ۵۰۴
معلم وغیر معلم کتوں کے شکار کا بیان ۵۰۵
شکاری جانور کو چھوڑتے وقت تسمیہ کہنے پر جمہور کا مذہب ۵۰۶
شکاری جانور کے کچھ کھا لینے حکم میں مذاہب اربعہ ۵۰۷
تیر لگ کر پانی میں گرنے والے شکار میں فقہی مذاہب ۵۰۷

غلیل و بندوق وغیرہ سے شکار کرنے کا بیان ۵۰۸
بندوق والے شکار کی ممانعت کا بیان ۵۱۰
مجثمہ کا فقہی مفہوم ۵۱۰
بندوق والے شکار کی اباحت کا بیان ۵۱۰
دوسرے پر قیمت لازم ہونے کا بیان ۵۱۱
یہودی کا ذبیحہ جائز ہونے کی شرائط ۵۱۱
اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت میں تحقیقی بیان ۵۱۲
مجوسیوں کے ذبیحہ کی ممانعت میں مذاہب اربعہ ۵۱۳
ترک تسمیہ میں سہو کی صورت حلت وحرمت پر اختلاف ائمہ اربعہ ۵۱۴
وقت ذبح غیر خدا کا نام لینے کے سبب حرمت ذبیحہ پر مذاہب اربعہ ۵۱۵
ترک تسمیہ بطور سہو کی صورت میں حلت پر فقہی اختلاف ۵۱۶
ذبح کے طریقے کا فقہی بیان ۵۱۷
ذبح میں معروف چار رگوں کے کٹنے کا بیان ۵۱۷
ذبح کا لغوی وفقہی مفہوم ۵۱۸
ذبح کرنے کا طریقہ ۵۱۸
ذبح کی اقسام کا بیان ۵۱۹
ذبح اختیاری کی تعریف ۵۱۹
ذبح اضطراری کی تعریف ۵۱۹
ذبح کے لیے تذکیہ کی شرط کا بیان ۵۱۹
گردن کی رگوں کو کاٹنے میں مذاہب اربعہ ۵۲۰
ناخنوں سے ذبح کرنے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ ۵۲۰
ناخن ودانت سے ذبح کی ممانعت میں احناف کی مؤید حدیث . ۵۲۱
پتھر سے بکری کو ذبح کرنے کا بیان ۵۲۲
تیز دھاری دار چیز سے ذبح ہو جانے کا بیان ۵۲۲
جانور کے سامنے چھری کو تیز کرنے کی کراہت کا بیان ۵۲۲
گائے اور بکری میں ذبح کے مستحب ہونے کا بیان ۵۲۳
نحر کرنے کا فقہی مفہوم ۵۲۳
ذبح ونحر کا مسنون طریقے کا بیان ۵۲۴
ذبح کے سبب جنین کی حلت میں مذاہب فقہاء کا بیان ۵۲۴
جنین کے اعضاء مکمل ہونے یا نہ ہونے کا بیان ۵۲۴
جن جانوروں کا گوشت کھانا ناجائز ہے ۵۲۵
لومڑی اور بھیڑیا کھانے کی ممانعت کا بیان ۵۲۶
بجو کھانے کی ممانعت کا بیان ۵۲۶
کوے کو کھانے کی ممانعت کا بیان ۵۲۶
خشکی پر رہنے والے جانوروں کی حلت وحرمت کے قاعدہ ۵۲۷
گھوڑوں، خچروں کا گوشت کھانے کی ممانعت کا بیان ۵۲۷
گھوڑے کا گوشت کھانے میں دلیل اباحت کا بیان ۵۲۷
گھوڑے کا گوشت کھانے کے اختلاف پر مذاہب اربعہ ۵۲۷
خرگوش کو کھانے کی اباحت پر مؤید احادیث کا بیان ۵۲۹
دریائی جانوروں کو ذبح کے بغیر کھانے کا بیان ۵۲۹
گھونسلے میں پائی جانے والی مچھلی کے کھانے میں مذاہب اربعہ ۵۲۹
بحری شکار کے بارے میں فقہی مذاہب اربعہ ۵۳۰
اشیائے اربعہ کی حرمت میں مذاہب اربعہ ۵۳۴
مردار کے اجزاء میں حکم حرمت پر فقہی مذاہب ۵۳۵
كِتَابُ الْأُضْحِيَةِ ۵۳۶
﴿یہ کتاب قربانی کے بیان میں ہے﴾ ۵۳۶
کتاب اضحیہ کی فقہی مطابقت کا بیان ۵۳۶
اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف ۵۳۶
وجوب اضحیہ کے شرعی مأخذ کا بیان ۵۳۶
قربانی کے وجوب وعدم وجوب میں مذاہب اربعہ ۵۳۶
ہر مسلمان مقیم موسر پر قربانی کے وجوب کا بیان ۵۳۷
وجوب قربانی کی شرائط کا بیان ۵۳۸
وجوب قربانی میں فقہی تصریحات کا بیان ۵۳۸
قربانی کے واجب میں دلائل کا بیان ۵۳۹
بچے کے مال سے زکوٰۃ وقربانی کرنے میں مذاہب اربعہ ۵۳۹

گائے واونٹ میں سات آدمیوں کی شرکت پر مذاہب فقہاء .. ۵۴۰
قربانی کے وقت کا بیان ۵۴۱
وقت سے پہلے قربانی کرنے کی ممانعت کا بیان ۵۴۲
نماز عید کے بعد قربانی کرنے کا قربانی کرنے کا بیان ۵۴۲
قربانی کے تین دن ہونے میں آثار کا بیان ۵۴۲
اندھے، لنگڑے جانوروں کی قربانی کے عدم جواز کا بیان ۵۴۳
اندھے جانور کی قربانی کے جائز نہ ہونے کا بیان ۵۴۴
عیب زدہ جانوروں کی قربانی نہ ہونے کا بیان ۵۴۴
لنگڑے جانور کی قربانی کا بیان ۵۴۵
بکری وجنس بکری کی عمر ایک سال ہونے کا بیان ۵۴۵
قربانی میں گائے اور اونٹ کی عمروں کا بیان ۵۴۵
جذعہ کی قربانی کرنے کا بیان ۵۴۵
صرف دنبہ کی قربانی کیلئے چھ ماہ پر اجماع کا بیان ۵۴۶
فقیہ زعفرانی کے قول کے مقدم ہونے کا بیان ۵۴۶
جذعہ کے بارے میں بعض فقہی اقوال کا بیان ۵۴۷
تین دنوں کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کا بیان ۵۴۷
قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنے کا بیان ۵۴۸
اپنے ہاتھ جانور ذبح کرنے کے مستحب ہونے کا بیان ۵۴۸
غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی کردینے کا بیان ۵۴۹
کتاب الأیمان ۵۵۰
﴿یہ کتاب ایمان کے بیان میں ہے﴾ ۵۵۰
کتاب الایمان کی فقہی مطابقت کا بیان ۵۵۰
لفظ قسم کی لغوی تحقیق کا بیان ۵۵۰
قسم کی اقسام کا بیان ۵۵۱
قسم کی اقسام کا فقہی بیان ۵۵۱
یمین غموس کی تعریف وحکم ۵۵۱
یمین لغو کی تعریف وحکم ۵۵۲
یمین منعقدہ کی تعریف وحکم ۵۵۲
قسم کے کفارے کا فقہی بیان ۵۵۲
قسم کے الفاظ کا فقہی بیان ۵۵۳
عامد وناسی ومجبور کا قسم کھانے میں برابر ہونے کا بیان ۵۵۴
اللہ کے نام کے سوا کی قسم اٹھانے کی ممانعت ۵۵۶
غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان ۵۵۶
حروف قسم کا بیان ۵۵۷
صریح وظاہر قسم کا فقہی مفہوم ۵۵۸
نذر یا عہد کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۵۹
قسم کے کفارے کا بیان ۵۶۰
کفارہ قسم سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ ۵۶۰
قسم کے روزوں میں عدم تسلسل میں فقہ مالکی وشافعی کا بیان .. ۵۶۳
تمام مال صدقہ کرنے والے کفارے میں مذاہب اربعہ ۵۶۳
نذر کا کفارہ قسم کے کفارے کی طرح ہونے کا بیان ۵۶۴
کافر نے حالت اسلام میں قسم کو توڑ دیا تو کفارہ نہ ہوگا ۵۶۵
گھر داخل نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۶۶
بھائی کے گھر کھانا نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۶۷
فلاں کی بیوی سے کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۶۸
اس کھجور سے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۶۹
گوشت یا سالن وغیرہ نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۷۰
فلاں سے کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۷۱
عرف عام کے مطابق اشیاء کے تعین کا بیان ۵۷۲
خرید وفروخت نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۷۲
صادر کرنے والے کی جانب عقود کے رجوع کرنے کا بیان .. ۵۷۳
بچھونے پر نہ سونے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۷۴
قسم کے ساتھ اتصالی طور پر ان شاء اللہ کہنے کا بیان ۵۷۴
بیوی کو اجازت کے ساتھ گھر سے باہر جانے پر معلق کرنے کا بیان ۵۷۵
عموم نفی کی ضرورت میں ممانعت بھی عام ہوگی۔ قاعدہ فقہیہ .. ۵۷۶
اس مکان میں نہ رہنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۷۶

كِتَابُ الدَّعْوٰى ۵۷۸
﴿یہ کتاب دعویٰ کے بیان میں ہے﴾ ۵۷۸
کتاب دعویٰ کی فقہی مطابقت کا بیان ۵۷۸
دعویٰ کے فقہی مفہوم کا بیان ۵۷۸
مأخذ حدیث سے ثبوت دعویٰ کا بیان ۵۷۸
مدعی کو خصومت پر مجبور نہ کرنے کا بیان ۵۷۸
صحت دعویٰ کی شرائط کا بیان ۵۷۹
جائداد غیر منقولہ کی حدود کو بیان کرنے کے حکم کا بیان ۵۸۰
قابض کی ملک مطلق میں شہادت کے عدم قبول کا بیان ۵۸۱
دعویٰ نکاح وغیرہ پر عدم قسم کا بیان ۵۸۲
حدود وغیر حدود میں حلف لینے پر مذاہب اربعہ ۵۸۳
انکار کے سبب حلف ہونے میں مذاہب اربعہ ۵۸۳
معین چیز میں دو بندوں کے دعویٰ کرنے کا بیان ۵۸۳
دو آدمیوں کا عورت سے نکاح ہونے کا دعویٰ کرنے کا بیان ۵۸۴
مدعیان کا اختلاف نکاح وطلاق وعدت کا بیان ۵۸۵
دو بندوں کا خریداری کا دعویٰ کرنے کا بیان ۵۸۵
مدعیاں کا ثبوت پیش کرنے پر خریداری میں نصف کی تقسیم کا بیان ۵۸۶
ملک مطلق میں حجت خارج کے افضل ہونے میں مذاہب اربعہ ۵۸۷
بناوٹ ثوب میں عدم تکرر کا بیان ۵۸۷
سبب کے مکرر ہونے میں اصل کے معتبر ہونے کا بیان ۵۸۸
انکار جان کے سبب قصاص کے عدم ثبوت پر مذاہب اربعہ ۵۸۸
تعداد شہادت پر ترجیح نہ ہونے میں مذاہب اربعہ ۵۸۸
مدعی کا گواہی پیش کرنے کا بیان ۵۸۸
حالف کے فعل ومتعلق فعل کا بیان ۵۸۹
اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانے کا بیان ۵۹۰
قسم زمانی ومکانی کی تغلیظ میں فقہی مذاہب اربعہ ۵۹۱
قسم کی ابتداء بائع یا مشتری سے ہونے میں مذاہب اربعہ ۵۹۱
ایک ہزار کا غلام خریدنے کا دعویٰ کرنے کا بیان ۵۹۱
دو آدمیوں کا جانور کے بارے میں جھگڑنے کا بیان ۵۹۳
شئی واحد پر دو اشخاص کا دعویٰ کرنے کا بیان ۵۹۳
بیع وشراء میں اختلاف ہو جانے کا بیان ۵۹۴
مدعیان کا دعویٰ کی تاریخ بتانے کا بیان ۵۹۴
دو آدمیوں کا مدت یا خیار شرط میں اختلاف ہو جانے کا بیان ۵۹۵
ہلاکت مبیع کے بعد بائع ومشتری سے حلف لینے میں مذاہب اربعہ ۵۹۶
مہر میں جھگڑا کرنے کا بیان ۵۹۶
زوجین میں مہر کی کمی وبیشی کے اختلاف کا بیان ۵۹۷
دو آدمیوں کا اجارے میں اختلاف ہونے کا بیان ۵۹۷
میاں بیوی کے درمیان سامان میں اختلاف ہونے کا بیان ۵۹۸
زوجین کا گھریلو سامان میں اختلاف ہو جانے کا بیان ۵۹۸
باندی کی بیع کے بعد بچے کی پیدائش ہو جانے کا دعویٰ ۵۹۹
كِتَابُ الشَّهَادَاتِ ۶۰۱
﴿یہ کتاب شہادات کے بیان میں ہے﴾ ۶۰۱
کتاب شہادات کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۰۱
قضاء وشہادت کا معنی ۶۰۱
گواہ بنانے کی اہمیت کا بیان ۶۰۱
حکم شہادت کے شرعی ماخذ کا بیان ۶۰۲
گواہی دینے کے لازم ہونے کا بیان ۶۰۳
ادائے شہادت کے وجوب کی شرائط کا بیان ۶۰۴
حدود کی گواہی میں پردہ رکھنے کا بیان ۶۰۵
حدود کی گواہی میں اظہار واخفاء کی نوعیت کا بیان ۶۰۷
حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی کے عدم قبول کا بیان ۶۰۷
مالی وحکم مالی معاملات میں نصاب شہادت کا بیان ۶۰۸
ولادت وبکارت میں ایک عورت کی گواہی کا بیان ۶۰۹
قرآن وسنت کے مطابق عورت کی آدھی گواہی کا بیان ۶۱۰
گواہی پر گواہی دینے کا بیان ۶۱۱

شہادت میں اصل علم ویقین ہے قاعدہ فقہیہ ۶۱۲
شہادت کی تعریف ۶۱۲
شہادت کی اقسام: ۶۱۲
۱۔عینی شہادت ۶۱۳
۲۔سمعی شہادت ۶۱۳
۳۔شہادت علی شہادت ۶۱۳
حصول شہادت کے ذرائع: ۶۱۳
غلام وباندی کی شہادت میں مذاہب اربعہ ۶۱۳
نابینا کی گواہی کے قبول میں مذاہب اربعہ ۶۱۴
مملوک کی شہادت کے قبول نہ ہونے میں مذاہب اربعہ ۶۱۴
حد قذف والے کی گواہی کے قبول ہونے کا بیان ۶۱۴
حد قذف والے کی گواہی میں مذاہب اربعہ ۶۱۴
فرع واصل کا ایک دوسرے کیلئے گواہی دینے کا بیان ۶۱۵
رشتہ داروں کی باہمی شہادت کا بیان ۶۱۵
بچوں کی باہمی گواہی کا بیان ۶۱۶
بعض عائلی قوانین میں بیٹے کی گواہی کے قبول ہونے کا بیان .. ۶۱۶
بچوں کی گواہی کے عدم قبول پر مذاہب اربعہ ۶۱۶
شوہر بیوی کی باہمی شہادت کے عدم قبول پر مذاہب اربعہ ۶۱۶
آدمی کی گواہی کا اس کے بھائی کیلئے ہونے کا بیان ۶۱۶
گواہی پر گواہی دینے سے پہلے تحقیق کرنے کا بیان ۶۱۷
ذمی پر حربی کی گواہی کی عدم قبولیت کا بیان ۶۱۸
اہل ذمہ کی گواہی میں فقہی تصریحات ۶۱۸
ایک نے ہزار جبکہ دوسرے نے پندرہ سو کا دعوی کر دیا ۶۲۰
شبہ کے سبب ساقط ہونے والے حق میں گواہی دینے کا بیان ... ۶۲۰
حدود وقصاص میں شہادت پر گواہی نہ دینے میں مذاہب اربعہ . ۶۲۰
دو گواہوں کی شہادت پر گواہی دینے میں مذاہب اربعہ ۶۲۰
انکار اصل کے سبب فروع کی شہادت کو قبول نہ کرنے کا بیان .. ۶۲۰
وہ امور جن کی وجہ سے فرع کی شہادت باطل ہو جاتی ہے ۶۲۳
كتاب الرجوع عن الشهادة ۶۲۴
﴿یہ کتاب شہادت سے رجوع کرنے کے بیان میں ہے﴾ .. ۶۲۴
کتاب شہادت سے رجوع کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان ... ۶۲۴
شہادت سے رجوع کرنے کا فقہی مفہوم ۶۲۴
گواہوں کا اپنی گواہی سے رجوع کر لینے کا بیان ۶۲۴
مال کی شہادت سے رجوع کرنے پر ضمان میں مذاہب اربعہ . ۶۲۵
شہادت سے رجوع کرنے والی عورت پر ضمان کا بیان ۶۲۶
رجوع کرنے والے مردوں یا عورتوں کے ضمان کا فقہی بیان .. ۶۲۶
مہر کی گواہی دینے کے بعد رجوع کرنے کا بیان ۶۲۷
طلاق کی شہادت پر گواہوں کے رجوع کرنے کا بیان ۶۲۸
فروعی گواہوں کے رجوع پر ضمان وعدم ضمان کا بیان ۶۲۹
كتاب آداب القاضي ۶۳۰
﴿یہ کتاب ادب قاضی کے بیان میں ہے﴾ ۶۳۰
کتب ادب قاضی کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۳۰
ادب قاضی کا فقہی مفہوم ۶۳۰
قضاء کی تعریف کا بیان ۶۳۱
ولایت قاضی کے صحیح ہونے کا بیان ۶۳۱
فاسق جج کو معزول کرنے کا بیان ۶۳۲
فرمانبرداری بقدر طاقت ۶۳۳
قاضی کیلئے فیصلہ کے استدلالی اسلوب کا بیان ۶۳۳
اجتہاد وقیاس کے برحق ہونے کا بیان ۶۳۴
سابقہ دیوان قاضی کیلئے جمع کرنے کا بیان ۶۳۵
عقل وفہم کے ادراک سے فیصلہ کرنے کا بیان ۶۳۵
اوقاف کی آمدنی میں غور وفکر کرنے کا بیان ۶۳۶
جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا ۶۳۶
مسجد میں قسم اٹھوانے کی اباحت میں فقہی مذاہب اربعہ ۶۳۷
منصب کے سبب ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت کا بیان ۶۳۷

قاضی کیلئے دعوت میں عدم شرکت کا بیان ۶۳۸
قاضی جنائز وعیادت کیلئے جانے کا بیان ۶۳۸
اسلامی حقوق کی ادائیگی میں قاضی کیلئے اباحت کا بیان ۶۳۹
مدعی اور مدعی علیہ دونوں سے برابر سلوک کرنے کا بیان ۶۴۰
نفقہ زوجہ کے سبب شوہر کو قید کرنے کا بیان ۶۴۰
عورتوں کیلئے قاضی بننے میں مذاہب اربعہ ۶۴۱
ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کی جانب ہونے کا بیان ۶۴۱
لکھنے کی اہمیت کا بیان ۶۴۲
شرعی معاملات میں ایک قاضی کو دوسرے قاضی کو خط لکھنے کا بیان ۶۴۲
اعیان منقولہ میں قبول خط پر فقہی مذاہب اربعہ ۶۴۳
دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دینے کا بیان ۶۴۴
ایک گواہی وقسم سے فیصلہ کرنے میں مذاہب اربعہ ۶۴۶
غائب شخص کے خلاف فیصلہ نہ کرنے کا بیان ۶۴۶
حدود وقصاص میں قاضی کے خط کے قبول نہ ہونے میں
مذاہب اربعہ ۶۴۷
قضاء قاضی کے ظاہرا وباطنا نفاذ کی شرطیں ۶۴۷
غائب پر فیصلہ کرنے میں مذاہب اربعہ ۶۴۹
فیصلہ کروانے کیلئے ثالث بنانے کا بیان ۶۴۹
تحکیم کا فقہی مفہوم ۶۵۰
تحکیم کے شرعی ماخذ کا بیان ۶۵۰
تحکیم کے بارے میں فقہی تصریحات ۶۵۱
منصفین کے اختیار میں مذاہب اربعہ ۶۵۲
قاضی کے مذہب کے خلاف ثالث کا فیصلہ ۶۵۳
کِتَابُ الْقِسْمَةِ ۶۵۴
﴿یہ کتاب تقسیم کے بیان میں ہے﴾ ۶۵۴
کتاب تقسیم کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۵۴
تقسیم کرنے کا بیان ۶۵۴
مشترکہ مال کی وراثت میں تقسیم کا بیان ۶۵۵
سامان کی اقسام ۶۵۵
حمام وپن چکی کی عدم تقسیم کا بیان ۶۵۶
تقسیم کرنے کے طریقے کا بیان ۶۵۶
کئی منزلہ مکان کی تقسیم کا بیان ۶۵۷
ملکیت میں اختیار تصرف کے جواز کا قاعدہ فقہیہ ۶۵۸
ہمسائے کی مدد کیلئے تصرف میں اباحت کا بیان ۶۵۸
قبضہ کے سبب حصہ پانے کا بیان ۶۵۹
کِتَابُ الْإِکْرَاہِ ۶۶۱
﴿یہ کتاب اکراہ کے بیان میں ہے﴾ ۶۶۱
کتاب اکراہ کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۶۱
اکراہ کے شرعی ماخذ کا بیان ۶۶۱
مجبوری کے حکم کے ثابت ہوجانے کا بیان ۶۶۴
کسی شخص کو مردار کھانے پر مجبور کرنے کا بیان ۶۶۴
اکراہ کی اقسام کا بیان ۶۶۵
اکراہ کی شرائط کا بیان ۶۶۶
شراب ومردار کھانے پر مجبور کرنے کا بیان ۶۶۶
اضطراری حالت میں کلمہ کفر کہنے کی رخصت ۶۶۷
حضرت خبیب بن عدی کا جذبہ عشق اور تصور جان جاناں ۶۶۸
حالت مجبور والے قتل پر قصاص میں مذاہب اربعہ ۶۶۸
طلاق پر شوہر کو مجبور کرنے کا بیان ۶۶۸
جو چیز ضرورت کے تحت مباح ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی
مباح قاعدہ فقہیہ ۶۶۹
مہر معاف کروانے پر مجبور کرنے کا بیان ۶۷۰
کِتَابُ السِّیَرِ ۶۷۱
﴿یہ کتاب سیر کے بیان میں ہے﴾ ۶۷۱
کتاب سیر کی فقہی مطابقت کا بیان ۶۷۱
سیر کا لغوی وفقہی مفہوم کا بیان ۶۷۱
جہاد کے لغوی واصطلاحی معنی کا بیان ۶۷۱

جہاد کی فرضیت کفایہ کا بیان ۶۷۲
احادیث کے مطابق فرضیت جہاد کا بیان ۶۷۲
جہاد میں بعض لوگوں کی رخصت کا بیان ۶۷۳
سب پر جہاد فرض ہونے کا بیان ۶۷۳
مسلمانوں کا دار الحرب میں داخل ہو کر جہاد کرنے کا بیان ... ۶۷۴
انکار اسلام اور انکار جزیہ پر جنگ کرنے کا بیان ۶۷۴
موجودہ دور میں جہاد سے پہلے دعوت اسلام میں فقہی مذاہب . ۶۷۵
پہلے دعوت اسلام دینے کے مستحب ہونے کا بیان ۶۷۶
کفار کے درختوں کو کٹوانے میں فقہی مذاہب ۶۷۶
مقابلہ ہونے کی صورت میں کفار کے گھروں کو جلانے کا بیان . ۶۷۹
حرمت کے سبب واجب التعظیم اشیاء کو نہ لے جانے کا بیان .. ۶۷۹
دشمن کی سرزمین میں قرآن کریم ساتھ لے جانے میں فقہی مذاہب ۶۸۰
عورت وغلام کیلئے اجازت جہاد کا بیان ۶۸۰
دوران جہاد بھلائی کرنے والے امور کا بیان ۶۸۰
مثلہ کی کراہت تحریمی ہونے میں اختلاف کا بیان ۶۸۲
حالت جنگ میں جن لوگوں کے قتل کی ممانعت ۶۸۲
امام کا مصلحت پر صلح کرنے کا بیان ۶۸۲
اطلاع کے فوری بعد جنگ نہ کرنے کا بیان ۶۸۳
اسلحہ سے جنگ لڑنے کا بیان ۶۸۳
قیدیوں میں باہمی تبادلے میں مذاہب اربعہ ۶۸۴
مفتوحہ شہر کو غازیان اسلام میں تقسیم کرنے کا بیان ۶۸۴
دار الحرب کے جانور کے قبضہ کا بیان ۶۸۵
جنگ میں کم سے کم نقصان کا بیان ۶۸۵
مال غنیمت کو دار الاسلام میں لا کر تقسیم کرنے کا بیان ۶۸۶
مال غنیمت میں تقسیم سے پہلے تصرف کا بیان ۶۸۷
امان دینے کے بارے میں فقہی بیان ۶۸۷
امان دینے میں بعض فقہی مذاہب کا بیان ۶۸۷
اہل ترک کا اہل روم پر غلبہ پالینے کا بیان ۶۸۹
مراعات کے سبب اہل ذمہ پر ہونے والے اثر کا بیان ۶۹۰
مال غنیمت کی تقسیم کا بیان ۶۹۱
مال غنیمت کی تقسیم میں فقہی مذاہب کا بیان ۶۹۱
مال غنیمت میں بعض حصوں کا بیان ۶۹۲
عورتوں، بچوں کے حصہ غنیمت میں فقہی مذاہب ۶۹۷
مال غنیمت سے ذمی کے حصے کا بیان ۶۹۸
قرآن مجید میں بیان کردہ خمس کا بیان ۶۹۸
خمس کی تقسیم کا فقہی بیان ۶۹۹
دار الحرب میں مسلمان تاجر کے داخل ہونے کا بیان ۷۰۰
عرب کی ساری زمین کے عشری ہونے کا بیان ۷۰پ
خاص عشور کی ایجاد کا بیان ۷۰۲
زمینی پیداوار میں قید وسق میں مذاہب اربعہ ۷۰۲
قفیز، صاع اور جریب کا بیان ۷۰۳
جزیہ کے اقسام کا فقہی بیان ۷۰۳
جزیہ کا فقہی مفہوم ۷۰۴
عورت و بچوں پر جزیہ نہ ہونے کا بیان ۷۰۴
اہل کتاب جیسے مذاہب سے وصول جزیہ میں مذاہب اربعہ .. ۷۰۵
جزیہ کی عدم ادائیگی سے نقض عہد میں مذاہب اربعہ ۷۰۵
مرتد کے بارے میں فقہی احکام کا بیان ۷۰۵
کافر، مرتد اور زندیق میں فرق کا بیان ۷۰۶
زندیق کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ ۷۰۷
مرتد کے حالت اسلام والے قرضوں کی ادائیگی کا بیان ۷۰۷
مرتد کی توبہ میں مذاہب اربعہ ۷۰۸
ارتداد کے سبب زوال ملکیت میں فقہی بیان ۷۰۸
نصاریٰ بنو تغلب سے دوگنا مال لینے کا بیان ۷۰۹
بنو تغلب نصاریٰ سے وصول جزیہ میں تاریخی وفقہی مذاہب ... ۷۱۰
مسلمانوں کی جماعت قابض ہو کر خود کسی شہر پر قبضہ کر لے ... ۷۱۲

بغاوت کی لغوی تعریف ۴۱۳
باغی کے دہشت گرد، کافر و مرتد ہونے کا بیان ۴۱۳

كِتَابُ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ ۴۱۵

﴿یہ کتاب حظر واباحت کے بیان میں ہے﴾ ۴۱۵
کتاب حظر واباحت کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۱۵
مردوں کیلئے ریشم پہننے کی ممانعت کا بیان ۴۱۵
سونا اور ریشم کے بارے فقہی تصریحات کا بیان ۴۱۶
عورتوں کیلئے سونا پہننے کی اباحت میں دلائل کا بیان ۴۱۷
قرآن مجید میں ہر دس آیات کے بعد چاندی کے نشان ۴۱۸
جانوروں کو خصی کرنے کی شرعی حیثیت ۴۱۸
اجنبیہ کی جانب نظر کرنے کی ممانعت کا بیان ۴۲۰
منگیتر کو دیکھنے میں مذاہب اربعہ ۴۲۱
عورتوں کو دیکھنے کی ممانعت کا بیان ۴۲۱
آدمی کو اپنی مملوکہ کی جانب نظر کرنے کا بیان ۴۲۱
غلام وباندی کے پردے میں فقہی تصریحات ۴۲۲
محرم کے بغیر سفر کرنے فقہی مذاہب اربعہ ۴۲۳

كِتَابُ الْوَصَايَا ۴۲۴

﴿یہ کتاب وصایا کے بیان میں ہے﴾ ۴۲۴
کتاب وصایا کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۲۴
وصایا کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان ۴۲۴
وصیت کے مستحب ہونے کا بیان ۴۲۴
ایک تہائی سے کم مال میں وصیت کے مستحب ہونے کا بیان .. ۴۲۶
تہائی کی وصیت کے کافی ہونے کا بیان ۴۲۶
دو آدمیوں کیلئے مال میں وصیت کرنے کا بیان ۴۲۷
قرض محیط والے کی وصیت کافی نہ ہونے کا بیان ۴۲۸
کل مال صدقہ کرنے کی وصیت میں مذاہب اربعہ ۴۲۹
حقوق اللہ میں وصیت کرنے کا بیان ۴۲۹
بچہ اور مکاتب کی وصیت کے درست نہ ہونے کا بیان ۴۳۰
پڑوسی، ناموں کیلئے وصیت کرنے کا بیان ۴۳۰
درہم، بکریاں اور کپڑوں کی وصیت کرنے کا بیان ۴۳۱
لونڈی میں وصیت کرنے کا بیان ۴۳۱
موصی لہ کی موت کے سبب وصیت کے باطل ہونے کا بیان .. ۴۳۲

كِتَابُ الْفَرَائِضِ ۴۳۴

﴿یہ کتاب وراثتی حصوں کے بیان میں ہے﴾ ۴۳۴
کتاب فرائض کی فقہی مطابقت کا بیان ۴۳۴
کتاب فرائض کے شرعی ماخذ واہمیت کا بیان ۴۳۴
ورثاء اور ان کے حصوں کا بیان ۴۳۴
وراثت سے متعلق بعض فقہی اصطلاحات کا بیان ۴۳۵
جد صحیح ۴۳۵
جد رحمی (جد فاسد) ۴۳۵
جدہ صحیحہ ۴۳۵
ذوی الفروض ۴۳۵
ذوی الفروض نسبی وسببی ۴۳۶
اولاد کی تشریح ۴۳۶
عول (تنگی) ۴۳۶
عصبات: ۴۳۶
رد (لوٹانا) ۴۳۷
سہام (اکائیاں) ۴۳۷
تصحیح ۴۳۷
تصحیح کا طریقہ ۴۳۷
ذوی الفروض میں میراث کی تقسیم ۴۳۸
کتاب اللہ تعالیٰ میں مقررہ حصوں کا بیان ۴۳۸
اصحاب فروض کے حصوں میں کمی وبیشی کی ممانعت کا بیان ۴۴۰
خاوند کی دو حالتوں کا بیان ۴۴۰
باپ کی تین حالتوں کا بیان ۴۴۱
دادا کی تین حالتوں کا بیان ۴۴۱

مادری بہن بھائی کے حصوں کا بیان ۷۴۱
بیوی کے دو احوال کا بیان ۷۴۱
ماں کے تین احوال کا بیان ۷۴۲
دادی ونانی صحیحہ کے احوال کا بیان ۷۴۲
بیٹی کے تین احوال کا بیان ۷۴۳
پوتی کے پانچ احوال کا بیان ۷۴۳
حقیقی بہن کے پانچ احوال کا بیان ۷۴۳
پدری بہن کے چھ احوال کا بیان ۷۴۴
بَابُ أَقْرَبِ الْعَصَبَاتِ ۷۴۵
﴿یہ باب قریبی عصبات کے بیان میں ہے﴾ ۷۴۵
قریب کے رشتہ داروں میں سے عصبات کا بیان ۷۴۵
عصبہ کی تعریف ۷۴۵
عصبہ کی اقسام کا بیان ۷۴۵
عصبہ نسبی ۷۴۶
عصبہ بنفسہ کا بیان ۷۴۶
عصبہ بہ غیر کا بیان ۷۴۶
عصبہ مع غیر کا بیان ۷۴۶
عصبہ سببی کا بیان ۷۴۶
بَابُ الْحَجْبِ ۷۴۷
﴿یہ باب حجب کے بیان میں ہے﴾ ۷۴۷
میراث سے محرومی کے اسباب کا بیان ۷۴۷
حجب کے لغوی معنی واقسام کا بیان ۷۴۷
حجب نقصان کا بیان ۷۴۸
حجب حرمان کا بیان ۷۴۸
ذوی الفروض اور عصبات کے اختلاف میں مذاہب اربعہ ۷۴۸
بَابُ الرَّدِّ ۷۵۰
﴿یہ باب رد کے بیان میں ہے﴾ ۷۵۰
باقی مال اور نسبی حصہ داروں کا بیان ۷۵۰
موانع وراثت ۷۵۱
غلام کے مانع ارث ہونے کا بیان ۷۵۱
قتل کے مانع ارث ہونے کا بیان ۷۵۱
اختلاف دین کے مانع ارث ہونے کا بیان ۷۵۱
ولد زنا کے مانع ارث ہونے کا بیان ۷۵۱
باب ذوی الارحام ۷۵۳
ذی رحم اور ان کی وراثت ۷۵۳
حِسَابُ الْفَرَائِض ۷۵۴
﴿یہ باب فرائض کے حساب کے بیان میں ہے﴾ ۷۵۴
حصے اور ان کے مخرج کا بیان ۷۵۴
اعداد حصص اور موافقت ۷۵۵
اصل مسئلہ کے اصول ۷۵۵
اعداد برابر ہونے میں باہمی کفایت کا بیان ۷۵۶
بھائی کے جد کے ساتھ شریک ہونے میں مذاہب اربعہ ۷۵۷
باب بیان مناسخہ ۷۵۸
﴿یہ باب مناسخہ کے بیان میں ہے﴾ ۷۵۸
مناسخہ کے فقہی مفہوم کا بیان ۷۵۸
تقسیم ترکہ سے پہلے وارث کے فوت ہوجانے کا بیان ۷۵۹
مفقود الخبر آدمی کی وراثت کا بیان ۷۶۰
شرح قدوری کے اختتامی کلمات کا بیان ۷۶۰

کتاب الغصب

﴿یہ کتاب غصب کے بیان میں ہے﴾

کتاب غصب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتاب وقف کے بعد کتاب غصب کو بیان کرنے میں دوطرح فقہی مطابقت ہے۔ایک مطابقت یہ ہے کہ غصب تجارت مالیہ کی انواع میں سے ہے۔

دوسری مطابقت یہ ہے کہ مغصوب ہمیشہ غاصب کے ہاتھ میں اپنے عین کے ساتھ قبضہ میں ہوتا ہے۔لہٰذا غاصب ملک رقبہ کا مالک نہیں ہوتا۔پس وہ غیر مالک ہونے میں وقف کی طرح ہو چکا ہے۔حالانکہ مال بھی اس کے قبضہ میں ہے۔اور وہ مال بھی اموال تجارت میں سے ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۳،ص ۳۳۴، بیروت)

غصب کا فقہی مفہوم

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غصب کے معنی چھیننے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں غصب کہتے ہیں چوری کے بغیر از راہ ظلم وجور کسی کا مال زبردستی چھین لینا ایسے شخص کو کہ جو کسی کی کوئی چیز زبردستی چھین لے یا ہڑپ کرلے غاصب کہتے ہیں اور مغصوب اس چھینی ہوئی یا ہڑپ کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں خواہ وہ کچھ ہو۔(عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، کتاب غصب، بیروت)

غصب کی لغوی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو ظلم وزیادتی سے لینا۔فقہاء کی اصطلاح میں غصب کی تعریف یہ ہے کہ کسی کے حق پر زبردستی اور ناحق قبضہ کرنے کو غصب کہا جاتا ہے۔

غصب کی حرمت پر اجماع کا بیان

امام مؤفق رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔کہ(علماء کرام کا اجماع ہے کہ اگر غصب شدہ چیز اپنی حالت میں موجود ہے اور اس میں کوء تبدیلی نہیں ہوء تو اس کا واپس کرنا واجب ہے)

اور اسی طرح غصب شدہ چیز کی زیادتی بھی واپس کرنی لازم ہے چاہے وہ زیادہ شدہ اس کے ساتھ متصل ہو یا منفصل، اس لیے کہ وہ غصب شدہ چیز کی پیداوار ہے اور وہ بھی اصلی مالک کی ہوگی۔

غصب کے حرام ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:(اورتم آپس میں اپنے مالوں کو باطل طریقوں سے نہ کھاؤ)۔

غاصب پر ہلاکت کی صورت میں ضمان ہونے کا بیان

وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا مِمَّا لَهُ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِي يَدِهِ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مِثْلٌ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا مِثْلَ لَهُ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ وَعَلَى الْغَاصِبِ رَدُّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوبَةِ وَإِنْ ادَّعَى هَلَاكَهَا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بَاقِيَةً لَأَظْهَرَهَا ثُمَّ يَقْضِي عَلَيْهِ بِبَدَلِهَا وَالْغَصْبُ فِيمَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ وَإِذَا غَصَبَ عَقَارًا فَهَلَكَ فِي يَدِهِ لَمْ يَضْمَنْهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَضْمَنُهُ وَمَا نَقَصَ بِفِعْلِهِ وَسُكْنَاهُ ضَمِنَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا وَإِذَا هَلَكَ الْمَغْصُوبُ فِي يَدِ الْغَاصِبِ بِفِعْلِهِ أَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهِ ضَمِنَهُ فَإِنْ نَقَصَ فِي يَدِهِ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ النُّقْصَانِ،

ترجمہ

جس نے ان اشیاء میں سے ''جن کی کوئی مثل ہو'' کوئی چیز غصب کی۔ پھر وہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو اسے اس کی مثل تاوان دینا پڑے گا اور اگر وہ چیز ان اشیاء سے ہو جن کی مثل نہیں ہوتی تو پھر اس پر اس چیز کی قیمت دینا لازم ہوگا اور غاصب یعنی غصب کرنے والے پر اصل غصب کردہ شئے کو واپس کرنا ضروری ہے۔ پھر اگر وہ اس شئے کی ہلاکت کا دعویٰ کرے تو حاکم اسے قید میں ڈال دے۔ یہاں تک کہ حاکم کو اس کی ہلاکت کا یقین آ جائے کہ اگر وہ شئے باقی ہوتی۔ تو اب تک یہ ضرور ظاہر کر دیتا۔ اس کے بعد پھر حاکم اس غاصب پر غصب کردہ شئے کے بدلے کوئی اور چیز دینے کے ساتھ فیصلہ کر دے گا۔ منقولی اور بدل جانے والی اشیاء میں تو غصب ہوتا ہی ہے۔ مگر جب کسی نے کوئی زمین غصب کر لی۔ پھر وہ ضائع ہوگئی تو شیخین یعنی امام صاحب اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ ہاں زمین میں اس کے فعل سے جو کمی ہوگی یا اس کی رہائش میں جو حرج ہوگا اس کا تو وہ تمام کے قول کے مطابق ضامن ہوگا۔ جس وقت غصب کردہ شئے غاصب کے قبضہ میں اس کے فعل سے یا بغیر اس کے فعل کے بھی ہلاک ہوگئی۔ تو اسے اس کا ضمان دینا پڑے گا۔ اگر اس کے قبضہ میں اس شئے میں کچھ نقصان ہوا تو وہ اس نقصان کا ضامن ہوگا۔

شرح

اور جو چیز غصب کی اور وہ ہلاک ہوگئی اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ چیز قیمتی ہے تو قیمت تاوان دے اور مثلی ہے تو اس کی مثل تاوان میں دے اور مثلی ہے مگر اس وقت موجود نہیں ہے یعنی بازار میں نہیں ملتی اگرچہ گھروں میں اس کا وجود ہے تو اس صورت میں بھی قیمت تاوان میں دے سکتا ہے۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۔ (البقرہ،۱۹۴)

جو تم پر زیادتی کرے اس پر زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔

زیادتی کا بدلہ زیادتی نہیں ہوتا بلکہ وہ اصل میں ظلم اور زیادتی کا بدلہ ہوتا ہے جو کہ جائز ہے، مگر دونوں کی ظاہری شکل چونکہ ایک ہی ہوتی ہے، اس لئے اس کو مشاکلت یعنی ہم شکل ہونے کی بناء پر زیادتی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اسی لئے بلاغت کی زبان میں اس کو صنعت مشاکلت کہا جاتا ہے، سو زیادتی کے مرتکب کو اس کی زیادتی کی سزا دینے، اور اس سے بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے، مگر اس میں بھی یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بدلہ برابر سراسر ہو، نہ کہ زیادہ کہ ظلم کے بدلے میں ظلم، اور زیادتی کے بدلے میں زیادتی کی اجازت نہیں کہ اس طرح مظلوم ظالم بن جائے گا، جو کہ جائز نہیں۔

کسی دوسرے کی بکری کو ذبح کر ڈالنے کا بیان

وَمَنْ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهِ فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهَا وَسَلَّمَهَا إِلَيْهِ، وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ نُقْصَانَهَا وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهِ خَرْقًا يَسِيرًا ضَمِنَ نُقْصَانَهُ وَإِنْ خَرَقَهُ خَرْقًا كَثِيرًا يُبْطِلُ عَامَّةَ مَنَافِعِهِ فَلِمَالِكِهِ أَنْ يُضَمِّنَهُ جَمِيعَ قِيمَتِهِ،

ترجمہ

جس نے کسی کی بکری ذبح کر ڈالی تو بکری کے مالک کو اختیار ہے چاہے تو بکری کی قیمت کا تاوان لے کر کے بکری اسے دیدے۔ اگر چاہے تو اس کے نقصان کا تاوان بھی اس سے لے سکتا ہے۔ جس نے کسی کا تھوڑا سا کپڑا پھاڑ دیا۔ تو وہ اس کے نقصان کا تاوان ادا کرے گا۔ اگر اس نے کپڑا اتنا زیادہ پھاڑ دیا۔ جس سے اس کپڑے سے عام طور پر نفع اٹھانا باطل ہو گیا تو اس کپڑے کا مالک اس آدمی سے اس کپڑے کی پوری قیمت کا تاوان لے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی بندے نے بکری غصب کر کے ذبح کر ڈالی اُس کا گوشت بھونا یا پکایا یا گیہوں غصب کر کے آٹا پسوایا یا کھیت میں بو دیے یا لوہا غصب کر کے اُس کی تلوار، چُھری وغیرہ بنوالی یا تانبا، پیتل غصب کر کے ان کے برتن بنا لیے ان سب صورتوں میں غاصب کے ذمہ ضمان لازم ہوگا اور چیز غاصب کی مِلک ہو جائے گی مگر بے رضامندی مالک انتفاع حلال نہیں۔ (درمختار، کتاب غصب، بیروت)

اور جب کسی شخص نے بکری ذبح کر ڈالی بلکہ بوٹی بھی بنالی تو اب بھی مالک ہی کی ملک ہے مالک کو اختیار ہے کہ بکری کی قیمت لے کر بکری غاصب کو دیدے یا بکری خود لے لے اور غاصب سے نقصان کا معاوضہ لے اگر بکری کا آگے کا پاؤں کاٹ لیا جب بھی یہی حکم ہے۔

اور جو جانور حلال نہیں ہیں اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تو کاٹنے والے پر قیمت واجب ہے۔ جانور کے کان یا دم کاٹ ڈالی نقصان کا تاوان دینا ہوگا۔ گھوڑا خچر گدھا اور وہ جانور جس سے کام لیا جاتا ہے جیسے بیل، بھینسا ان کی آنکھ پھوڑ دی تو چوتھائی قیمت تاوان دے اور جن سے کام نہیں لیا جاتا جیسے گائے، بکری ان کی آنکھ پھوڑ دی تو جو کچھ نقصان ہوا وہ تاوان دے۔ گدھے کو

ذبح کرڈالا تو پوری قیمت واجب ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب غصب، بیروت)

عین مغصوبہ میں تبدیلی آجانے کا بیان

وَإِذَا تَغَيَّرَتْ الْعَيْنُ الْمَغْصُوبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتَّى زَالَ اسْمُهَا وَعُظْمُ مَنَافِعِهَا زَالَ مِلْكُ الْمَغْصُوبِ مِنْهُ عَنْهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَضَمِنَهَا إِلَى آخِرِهِ وَلَمْ يَحِلَّ لَهُ الِانْتِفَاعُ بِهَا حَتَّى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا وَإِنْ غَصَبَ فِضَّةً أَوْ ذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ أَوْ آنِيَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا سَبِيلَ لِلْمَغْصُوبِ مِنْهُ عَلَى الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ الْمَضْرُوبَةِ وَعَلَيْهِ مِثْلُ الْفِضَّةِ الَّتِي غَصَبَهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنَى عَلَيْهَا زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا وَلَزِمَ الْغَاصِبَ قِيمَتُهَا ،

ترجمہ

اور جب اصل غصب شدہ شئے غاصب کے فعل سے متغیر ہو جائے یہاں تک کہ اس چیز کا نام اور اس کا سب سے بڑا فائدہ ''جو اس سے حاصل کیا جا سکتا تھا'' ختم ہو جائے۔ تو مغصوب منہ کی (یعنی جس سے وہ چیز غصب کی گئی تھی اس کی) ملک ختم ہو جائے گی۔ اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا۔ اور مغصوب منہ کو غاصب اس کا تاوان ادا کرے گا۔ اور اس کے لئے اس کا بدلہ دے دینے تک فائدہ اٹھانا حلال نہ ہوگا۔ یہ اس آدمی کی مثال ہے کہ جس نے کوئی بکری غصب کر لی پھر اس نے اسے ذبح کر لیا یا سے بھون لیا یا پکا لیا یا کسی نے گندم غصب کر لی۔ پھر اسے پیس لیا۔ یا لوہا غصب کیا اور اس سے تلوار بنالی یا پیتل غصب کیا پھر اس کا برتن بنالیا۔ لیکن اگر کسی نے چاندی یا سونا غصب کر لیا پھر ان سے درہم، دینار یا برتن بنا لئے تو اس صورت میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان چیزوں کے مالک کی ملک زائل نہ ہوگی۔ وہ آدمی جس نے کوئی شہتیر غصب کر لیا پھر اس نے اس پر کوئی تعمیر کر ڈالی تو اس سے شہتیر کے مالک کی ملک جاتی رہے گی اور غاصب پر اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگا۔

مغصوبہ کے عین میں تبدیلی کے سبب حق مالک نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب غاصب کے عمل کی وجہ سے غصب شدہ چیز کے عین میں کوئی تبدیلی رونما ہوگئی اور اس کا نام و فائدہ ختم ہو کر رہ گیا ہے تو اس عین سے مغصوب منہ سے ملکیت ختم ہو جائے گی۔ اور غاصب اس کا مالک بن جائے گا اور وہ اس کا ضمان دے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ غصب سے مالک کا حق ختم نہ ہوگا۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ حضرت امام احمد اور امام مالک علیہما الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (شرح الوقایہ، کتاب غصب، بیروت)

دوسرے کی زمین میں شجرکاری کرنے کا بیان

وَمَنْ غَصَبَ أَرْضًا فَغَرَسَ فِيهَا أَوْ بَنَى فِيهَا قِيلَ لَهُ اقْلَعْ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَرُدَّهَا إِلَى مَالِكِهَا فَإِنْ كَانَتْ الْأَرْضُ تَنْقُصُ بِقَلْعِ ذَلِكَ فَلِلْمَالِكِ أَنْ يَضْمَنَ لَهُ قِيمَةَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوعًا وَيَكُونُ الْمَقْلُوعُ لَهُ وَمَنْ غَصَبَ ثَوْبًا فَصَبَغَهُ أَحْمَرَ أَوْ سَوِيقًا فَلَتَّهُ بِسَمْنٍ فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَةَ ثَوْبِهِ أَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيقِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ لِلْغَاصِبِ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَهُمَا وَغَرِمَ مَا زَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ فِيهِمَا

ترجمہ

اور جب کسی آدمی نے کوئی زمین غصب کی پھر اس میں شجرکاری کرڈالی یا کوئی تعمیر کرلی تو اسے کہا جائے گا کہ اپنے پودے اور عمارت مکان وغیرہ کو اکھاڑ کر کے زمین خالی کر کے اس کے مالک کو واپس دو۔ اگر ان درختوں، پودوں اور مکانات وغیرہ کو اکھاڑنے سے زمین کو کوئی نقصان ہوتا ہو تو پھر مالک کے لئے غاصب کو اکھڑے ہوئے پودوں اور مکان وغیرہ کی قیمت کے مطابق قیمت دے دینا (اور وہ سب خودرکھ لینا) جائز ہے۔ جس نے کپڑا غصب کیا اور اسے سرخ رنگ کرڈالا یا ستو غصب کئے پھر انہیں گھی کے ساتھ ملا دیا۔ تو ان کے مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو اس سے اس کپڑے کی قیمت تاوان لے اور بالکل اسی قسم کے ستو لے اور وہ کپڑا اور ستو غاصب کے سپرد کردے۔ اور اگر چاہے تو اس سے وہ دونوں چیزیں لے کر کے اس کپڑے میں جو رنگ اور ستوؤں میں جو گھی کی زیادتی ہوئی ہے۔ اس کا غاصب کو تاوان ادا کردے۔

بنجر زمین کی ملکیت کا بیان

حضرت سعید بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ملکیت ہوئی اور ظالم کے درخت بودینے سے اس کا حق ثابت نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1409)

حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ ہشام بن عروہ کا کہنا ہے کہ ظالم لوگ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص پرائی زمین درخت لگائے اور پھر اس پر اپنا حق جتلائے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ ظالم لوگ سے مراد یہ ہے کہ پرائی زمین میں سے کچھ لیوے یا وہاں گڑھا کھودے اور جبری طور پر درخت لگائے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1311)

غصب کردہ چیز کو غائب کردینے کا بیان

وَمَنْ غَصَبَ عَيْنًا فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيمَةِ وَالْقَوْلُ فِي الْقِيمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِينِهِ إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِأَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَإِنْ ظَهَرَتْ الْعَيْنُ وَقِيمَتُهَا أَكْثَرُ مِمَّا

ضَمِنَ ، وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ أَوْ بَيِّنَةٍ أَقَامَهَا أَوْ بِنُكُولِ الْغَاصِبِ عَنِ الْيَمِينِ فَلا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وَإِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِينِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الضَّمَانَ ، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّ الْعِوَضَ وَوَلَدُ الْمَغْصُوبَةِ وَنَمَاؤُهَا وَثَمَرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغْصُوبِ أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْغَاصِبِ إِنْ هَلَكَتْ فَلا ضَمَانَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَتَعَدَّى فِيهَا أَوْ يَطْلُبَهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعَهُ إِيَّاهَا

ترجمہ

وہ آدمی جس نے کوئی شئے غصب کی پھر اسے غائب کر دیا اور مالک نے غاصب سے اس شے کا جرمانہ بھی وصول کر لیا تو اس صورت میں اب غاصب قیمت ادا کرنے کے سبب اس چیز کا مالک بن جائے گا۔ اور قیمت کے معاملہ میں کہ اتنی ہے یا اتنی نہیں۔ غاصب سے قسم کراتے ہوئے اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔ مگر اس صورت میں غاصب کا اعتبار نہ ہوگا کہ جب مالک اس بات پر دلیل قائم کر دے کہ قیمت جتنی غاصب بتا رہا ہے اس سے زیادہ ہے پھر اصل چیز ہی سامنے آ گئی اور اس کی قیمت جو غاصب نے جرمانہ ڈنڈ ادا کیا تھا۔ اس سے زیادہ تھی اور یہ قیمت مالک کے کہنے پر یا ان کے دلیل قائم کرنے پر یا غاصب کے انکار کی وجہ سے اس سے قسم لینے کے سبب طے ہوئی تھی۔

اور غاصب نے ادا کر دی تھی۔ تو اب مالک کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اور اس چیز کا غاصب مالک ہوگا۔ لیکن جب وہ قیمت غاصب کے کہنے کے سبب اس سے قسم لینے کی صورت میں بھی طے کردہ تھی تو اس صورت میں مالک کو اختیار ہوگا جب چاہے تو وہی قیمت رکھ لے۔ جب چاہے تو اصل شئے لے کر کے اس کا بدلہ قائم مقام دیدے۔

اور غصب کردہ شئے کا بچہ اس کی بالیدگی افزائش اور غصب کردہ باغ کا پھل غاصب کے پاس امانت ہوتا ہے۔ جب وہ غاصب کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ڈنڈ اور جرمانہ وغیرہ نہ ہوگا۔ لیکن جب اس نے اس میں کوئی ظلم کیا یا مالک نے اس سے اس چیز کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس نے اسے اس سے روکے رکھا۔ تو اس صورت میں اس پر جرمانہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب غاصب نے مغصوب چیز کو غائب کر دیا پتا نہیں چلتا کہ کہاں ہے مالک کو اختیار ہے کہ صبر کرے اور چیز ملنے کا انتظار کرے اور چاہے تو غاصب سے ضمان لے اگر غاصب سے ضمان لے لیا تو چیز غاصب کی ہوگئی اور غاصب کی یہ مِلک مِلکِ مستند ہے یعنی اگر چہ مِلک کا حکم اس وقت دیا جائے گا مگر یہ مِلک وقتِ غصب سے شمار ہوگی اور اوس چیز میں جو زوائد مُتّصِلہ ہوئے غاصب ان کا بھی مالک ہے اور زوائد مُنفصِلہ کا مالک نہیں جیسے درخت میں پھل اور جانوروں میں بچے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب غصب، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اُس چیز کی قیمت کیا ہے اگر اس میں اختلاف ہے تو گواہ مالک کے معتبر ہیں اور گواہ نہ ہوں تو غاصب جو کہتا ہے قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے۔ اور جب غاصب اگر یہ کہتا ہے کہ اس کی قیمت کیا ہے میں نہیں جانتا تو

اُسے مجبور کیا جائے گا کہ بتائے اور نہیں بتاتا تو جو کچھ مالک کہتا ہے اُس پر غاصب کو قسم دی جائے یعنی قسم کھائے کہ یہ قیمت نہیں ہے جو مالک کہتا ہے اگر قسم کھانے سے انکار کرتا ہے تو مالک جو کچھ کہتا ہے دینا ہوگا اور قسم کھا گیا تو مالک کو قسم کھانی ہوگی کہ جو کچھ میں نے قیمت بیان کی وہی ہے۔ (درمختار، کتاب غصب، بیروت، فتاویٰ شامی، کتاب غصب، بیروت)

بچہ جننے کے سبب باندی میں عیب ہو جانے کا بیان

وَمَا نَقَصَتْ الْجَارِيَةُ بِالْوِلَادَةِ فَمِنْ ضَمَانِ الْغَاصِبِ فَإِنْ كَانَ فِي قِيمَةِ الْوَلَدِ وَفَاءٌ بِهِ جُبِرَ النُّقْصَانُ بِالْوَلَدِ وَسَقَطَ ضَمَانُهُ عَنْ الْغَاصِبِ وَلَا يَضْمَنُ الْغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَهُ إلَّا أَنْ يَنْقُصَ بِاسْتِعْمَالِهِ لَهُ فَيَغْرَمَ النُّقْصَانَ وَإِذَا اسْتَهْلَكَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّيِّ أَوْ خِنْزِيرَهُ ضَمِنَ قِيمَتَهُمَا وَإِنْ اسْتَهْلَكَهُمَا مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ لَمْ يَضْمَنْ،

ترجمہ

اور وہ لونڈی جو بچہ جننے کی وجہ سے کسی عیب سے متصف ہوگئی تو وہ عیب غاصب کے ضمان میں ہوگا۔ جب وہ عیب' نقصان اتنا ہو جو بچہ کی قیمت میں پورا ہوسکتا ہو۔ تو اس بچے کے ساتھ پورا کر دیا جائے گا۔ غاصب سے اس کا جرمانہ ساقط ہو جائے گا۔ اور غاصب اس شئے کے منافع کا "کہ جس چیز کو اس نے غصب کیا ہو" ضامن نہیں ہوتا۔ مگر اس صورت میں ہوتا ہے کہ جب وہ شئے اس کے استعمال سے عیب زدہ ہوگئی ہو۔

پس اس صورت میں اسے نقصان کا بدلہ دینا پڑے گا۔ جب کسی مسلمان نے کسی ذمی کی شراب یا سور (خنزیر) کو ضائع کر دیا تو اسے ان دونوں کی قیمت کا بدلہ دینا پڑے گا۔ لیکن جب کسی مسلمان نے کسی مسلمان کی ہی یہ چیزیں ضائع کر دیں۔ تو اسے جرمانہ نہیں دینا پڑے گا۔

غصب شدہ کی بیع و آزادی کے نفاذ میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب غاصب نے غلام کو غصب کر کے بیچ دیا ہے اور مالک نے غاصب سے اس کی قیمت کا ضمان لے لیا ہے تو یہ بیع جائز ہوگی۔ اور جب غاصب نے مغصوب غلام کو آزاد کر دیا ہے اور اس کے بعد اس کا ضمان دے دیا ہے تو اس کی آزادی جائز نہ ہوگی۔

حضرت امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی ایک روایت میں اسی طرح کہا ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کی بیع بھی جائز نہ ہوگی۔ (شرح الوقایہ، کتاب غصب، بیروت)

دین آسمانی میں جن چیزوں کے مال نہ ہونے کا بیان

اور جب مبیع یا ثمن دونوں میں سے ایک بھی ایسی چیز ہو جو کسی دینِ آسمانی میں مال نہ ہو، جیسے مُردار، خون، آزاد، ان کو جا ہے

مبیع کیا جائے یا ثمن، بہر حال بیع باطل ہے اور اگر بعض دین میں مال ہوں بعض میں نہیں جیسے شراب کہ اگر چہ اسلام میں یہ مال نہیں مگر دین موسوی وعیسوی میں مال تھی، اس کو مبیع قرار دیں گے تو بیع باطل ہے اور ثمن قرار دیں تو فاسد مثلاً شراب کے بدلے میں کوئی چیز خریدی تو بیع فاسد ہے اور اگر روپیہ پیسہ سے شراب خریدی تو باطل۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

پرندے کا پنجرہ کھولنے میں ضمان ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے پرندے کا پنجرہ کھول دیا اور وہ پرندہ اڑ گیا ہے تو شیخین کے نزدیک کھولنے والا ضامن نہ ہوگا۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا ایک قول اسی طرح ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا۔ اور امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کا قول بھی یہی ہے کہ وہ ضامن ہوگا۔

(شرح الوقایہ، کتاب غصب، بیروت)

ڈھول باجوں کی بیع میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی مسلم کے ڈھول باجوں یا بانسری ودف وغیرہ کو توڑ دیا ہے یا مسلمان کی نشہ آور اشیاء کو گرا دیا ہے۔ تو ایسا کرنے والا ضامن ہوگا اور ان چیزوں کی بیع جائز ہے۔ اور یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے۔ صاحبین نے کہا ہے کہ فاعل پر ضمان نہ ہوگا اور ان اشیاء کی بیع جائز نہیں ہے۔

حضرت امام مالک، امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک بھی مذکورہ اشیاء کی بیع جائز نہیں ہے۔ جبکہ اس مسئلہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب میں تفصیل ہے۔ (شرح الوقایہ، کتاب غصب، بیروت)

•••———•••———•••

كِتَابُ الْوَدِيعَةِ

﴿یہ کتاب ودیعت کے بیان میں ہے﴾

کتاب ودیعت کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب غصب کے بعد کتاب ودیعت کو بیان کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ غصب میں مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور ضمانت ہوتا ہے اور اسی طرح ودیعت میں بھی مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت ہوتا ہے۔ ہاں البتہ ان دونوں قسم کے اموال میں فرق یہ ہے کہ غصب کا مال یہ ایک عمومی مال ہوتا ہے جبکہ ودیعت والا مال یہ ایک خاص قسم کا مال ہوتا ہے اور اصول یہی ہے کہ خاص عام سے مؤخر ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا مضاربت سے ودیعت کو مؤخر ذکر کیا ہے۔

ودیعت کے شرعی مأخذ کا بیان

(اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا .(النساء ۵۸)

اللہ (تعالیٰ) حکم فرماتا ہے کہ امانت جس کی ہو اُسے دے دو۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں مذکورہ آیات سے یہ معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے پاس مال کو بطور امانت رکھنا شریعت کے مطابق مباح ہے۔ اور ودیعت امانت ہی کی طرح ہے لہٰذا ودیعت کے شرعی مأخذ کے طور انہی آیات سے استدلال کیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ حضرت عروہ بارقی سے روایت ہے کہ نبی کریم نے اپنے واسطے بکری خریدنے کے لیے ایک اشرفی دی انہوں نے آپ کے لیے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری ایک اشرفی میں فروخت کر دی اور نبی کی خدمت میں ایک بکری اور ایک اشرفی پیش کر دی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برکت کی دعا دی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ کی دعا کا اثر تھا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہوتا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عروہ بن جعد بارقی نے فرمایا کہ ایک قافلہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک اشرفی دی آگے وہی مضمون ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ (سنن ابن ماجہ)

ودیعت کا مودَع کے پاس امانت ہونے کا بیان

اَلْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْمُودَعِ فَإِذَا هَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْهَا وَلِلْمُودَعِ أَنْ يَحْفَظَهَا بِنَفْسِهِ وَبِمَنْ فِي عِيَالِهِ فَإِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ أَوْ أَوْدَعَهَا ضَمِنَ إِلَّا أَنْ يَقَعَ فِي دَارِهِ حَرِيقٌ فَيُسَلِّمَهَا إِلَى جَارِهِ أَوْ تَكُونَ فِي

سَفِينَةٍ فَخَافَ الْغَرَقَ فَيَنقُلُهَا إِلَى سَفِينَةٍ أُخرَى لَمْ يَضْمَنْ فَإِنْ خَلَطَهَا الْمُودَعُ بِمَالِهِ حَتَّى صَارَتْ لَا تَتَمَيَّزُ ضَمِنَهَا فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا عَنْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهَا ضَمِنَ وَإِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهِ مِنْ غَيْرِ فِعْلِهِ فَهُوَ شَرِيكٌ لِصَاحِبِهَا فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُودَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهُ فَخَلَطَهُ بِالْبَاقِي ضَمِنَ الْجَمِيعَ وَإِذَا تَعَدَّى الْمُودَعُ فِي الْوَدِيعَةِ بِأَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا أَوْ ثَوْبًا فَلَبِسَهُ أَوْ عَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهُ أَوْ أَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِهِ ثُمَّ أَزَالَ التَّعَدِّيَ وَرَدَّهَا إِلَى يَدِهِ زَالَ الضَّمَانُ وَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهُ إِيَّاهَا ضَمِنَهَا فَإِنْ عَادَ إِلَى الِاعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ مِنَ الضَّمَانِ

ترجمہ

ودیعت، مودع (جسے اس چیز کی حفاظت سونپی جائے) کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔اس لئے اس چیز کے اس کے قبضے میں ہلاک ہو جانے پر وہ اس کا جرمانہ نہیں دے گا۔اور مودع کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر اس شئے کی حفاظت کر سکے۔اور ایسے ہی اپنے بچوں میں سے کسی کے ذریعے۔پس جب اس نے ان کے علاوہ کسی اور سے حفاظت کروائی یا اس چیز کو اس نے کہیں آگے ودیعت رکھ دیا تو کمی بیشی کی صورت میں اسے جرمانہ دینا پڑے گا۔لیکن جب وہ اپنے گھر میں آگ لگ جانے کی وجہ سے ودیعت اپنے پڑوسی کے سپرد کر دے یا وہ کشتی میں ہو۔پس اسے کشتی کے تباہ ہونے کا خطرہ ہو تو وہ اس ودیعت کو دوسری کشتی میں ڈال دے تو ان صورتوں میں وہ جرمانہ نہیں دے گا۔جب مودع نے ودیعت اپنے مال کے ساتھ اس طرح ملا دی کہ وہ الگ نہ ہو سکتی ہو۔ تو اسے اس کا جرمانہ بدل دینا پڑے گا۔پھر جب ودیعت کے مالک نے اپنی چیز کا مطالبہ کیا اس سے ودیعت واپس مانگی' مگر مودع نے اسے اس کے مالک سے روک لیا۔حالانکہ وہ ودیعت کو مالک کے سپرد کرنے پر قادر بھی تھا تو اسے اس کا تاوان دینا ہوگا۔جب ودیعت مودع کے فعل عمل دخل کے بغیر ہی اس کے مال کے ساتھ خلط ملط ہو گئی تو وہ مودع اس صورت میں ودیعت کے مالک کا شریک بن جائے گا۔اب جب مودع نے اس کے بعض کو خرچ کر لیا اور اس کی مقدار جو کچھ باقی بچا تھا وہ ہلاک ہو گیا تو مودع اس کا جرمانہ ادا کرے گا۔پس جب مودع نے ودیعت میں سے (مثال کے طور پر) آدھی خرچ کر دی پھر اتنی ہی مقدار لے کر کے واپس اس میں رکھی۔پس اس نے اسے باقی نصف ودیعت کے ساتھ ملا دیا۔تو اس صورت میں مودع پوری کی پوری ودیعت کا بدلہ ادا کرے گا۔جس وقت مودع نے ودیعت میں کوئی ظلم کوئی تجاوز کر لیا۔مثال کے طور پر ودیعت ایک جانور تھا۔پس اس نے اس پر سواری کر لی یا ودیعت کپڑا تھا پس اس نے اسے پہنایا ودیعت ایک غلام تھا۔پس اس نے اس سے اپنی خدمت کرالی یا اس نے اس ودیعت کو آگے کسی اور کے پاس ودیعت رکھ دیا' پھر اس کے بعد اس نے اس ظلم کا ازالہ کر دیا یعنی ودیعت سے یہ کام لینے چھوڑ دیے اور دوسرے آدمی سے بھی اسے واپس لے لیا اور اپنے پاس رکھ لیا تو ضمان زائل ہو جائے گا۔پھر جب اس ودیعت کے مالک نے مودع سے ودیعت کا مطالبہ کیا مگر مودع نے اس کا انکار کر دیا تو اسے اس کا جرمانہ دینا ہوگا۔اس کے بعد جب وہ اعتراف کی طرف لوٹ بھی آئے گا یعنی یہ مان بھی جائے گا کہ ہاں ودیعت میرے پاس ہی ہے۔تب بھی اب وہ جرمانے کی ادائیگی سے آزاد نہیں ہوگا۔

شرح

حضرت عطاء بن ابی رباح صفوان بن یعلی، اپنے والد یعلی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب میرے قاصد تمہارے پاس آئیں تو انہیں تیس زرہیں دے دینا اور تیس اونٹ دے دینا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عاریۃً مضمونہ ہوں گی، یعنی اس کا ضمان ادا کیا جائے گا یا عاریۃً موداہ۔ کے طور پر لیں گے آپ نے فرمایا کہ بلکہ موداہ کے طور پر یعنی تمہیں واپس مل جائیں گی۔ (سنن ابوداؤد)

امین پر ضمان کی شرط بیان کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امین پر ضمان کی شرط کردینا کہ اگر یہ چیز ہلاک ہوئی تو تاوان لوں گا یہ باطل ہے۔ مودع کو اختیار ہے کہ خود حفاظت کرے یا اپنی عیال سے حفاظت کرائے جیسے وہ خود اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے کہ ہر وقت اُسے اپنے ساتھ نہیں رکھتا اہل وعیال کے پاس چھوڑ کر باہر جایا کرتا ہے۔ عیال سے مُراد وہ ہیں جو اُس کے ساتھ رہتے ہوں حقیقۃً اُس کے ساتھ ہوں یا حکماً لہٰذا اگر سمجھ والے بچہ کو دے دی جو حفاظت پر قادر ہے یا بی بی کو دے دی اور یہ دونوں اُس کے ساتھ نہ ہوں جب بھی ضمان واجب نہیں یوہیں عورت نے خاوند کی حفاظت میں چیز چھوڑ دی ضامن نہیں۔ (درمختار، کتاب ودیعت، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب بی بی اور نابالغ بچہ یا غلام یہ اگرچہ اُس کے ساتھ نہ رہتے ہوں مگر عیال میں شمار ہوں گے فرض کرو یہ شخص ایک محلہ میں رہتا ہے اور اس کی زوجہ دوسرے محلہ میں رہتی ہے اور اُس کو نفقہ بھی نہیں دیتا ہے پھر بھی اگر ودیعت ایسی زوجہ کو سپرد کر دی اور تلف ہوگئی تاوان لازم نہیں ہوگا اور بالغ لڑکا یا ماں باپ جو اس کے ساتھ رہتے ہوں اِن کو ودیعت سپرد کرسکتا ہے اور ساتھ نہ رہتے ہوں تو نہیں سپرد کرسکتا کہ تلف ہونے پر ضمان لازم ہوگا۔ زوجہ کا لڑکا دوسرے شوہر سے ہے جبکہ اس کے ساتھ رہتا ہے تو عیال میں ہے اُس کے پاس ودیعت کو چھوڑ سکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب ودیعت، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو شخص اس کی عیال میں ہے اُس کی حفاظت میں امانت کو اُس وقت رکھ سکتا ہے جب یہ امین ہو اور اگر اس کی خیانت معلوم ہو اور اس کے پاس چھوڑ دی تو تاوان دینا ہوگا۔ اس نے اپنی عیال کی حفاظت میں چھوڑ دی اور وہ اپنے بال بچوں کی حفاظت میں چھوڑے یہ بھی جائز ہے۔ (درمختار، کتاب ودیعت، بیروت)

مودع کے لئے ودیعت کو سفر پر لے جانے کا بیان

وَلِلْمُودَعِ أَنْ يُسَافِرَ الْوَدِيعَةِ ، وَإِنْ كَانَ لَهَا حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا أَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ وَدِيعَةً ثُمَّ حَضَرَ أَحَدُهُمَا يَطْلُبُ نَصِيبَهُ مِنْهَا لَمْ يُدْفَعْ إلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا حَتَّى يَحْضُرَ الْآخَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَدْفَعُ إلَيْهِ نَصِيبَهُ وَإِنْ أَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ شَيْئًا مِمَّا يُقْسَمُ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَدْفَعَهُ أَحَدُهُمَا إلَى الْآخَرِ وَلَكِنَّهُمَا يَقْتَسِمَانِهِ وَيَحْفَظُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَهُ ، وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ جَازَ أَنْ يَحْفَظَهُ أَحَدُهُمَا بِإِذْنِ صَاحِبِهِ وَإِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيعَةِ لَا تُسَلِّمْهَا

اِلٰی زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا اِلَیْهَا لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ قَالَ لَهٗ احْفَظْهَا فِی هٰذَا الْبَیْتِ فَحَفِظَهَا فِی بَیْتٍ آخَرَ مِنْ تِلْكَ الدَّارِ لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ حَفِظَهَا فِی دَارٍ اُخْرٰی ضَمِنَ ،

ترجمہ

اور مودع کے لئے ودیعت کو ساتھ لے کر کے سفر کر لینا جائز ہے جبکہ اس کی وجہ سے اسے بوجھ اور مشقت ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے اور جس وقت ایک چیز کو دو آدمی کسی ایک آدمی کے پاس ودیعت رکھیں۔ پھر ان میں سے ایک آئے اور اس ودیعت ہی سے اس آدمی سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ آدمی دوسرے کے آنے تک اسے کچھ بھی نہیں دے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اسے اس کا حصہ دے سکتا ہے۔ جب ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس کوئی ایسی چیز ''جسے تقسیم کیا جاسکتا ہو'' ودیعت رکھ دی۔ تو ان میں کسی بھی ایک کو ساری کی ساری شئے دے دینا جائز نہیں ہوگا بلکہ چاہئے کہ وہ اسے تقسیم کر لیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے نصف حصہ کی حفاظت کرے۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی چیز ہو جسے تقسیم نہ کیا جاسکتا ہو تو اس صورت میں ان میں سے ایک اپنے دوسرے ساتھی کی اجازت سے اس ودیعت کی حفاظت کرے گا۔ اور جس وقت صاحب ودیعت نے مودع سے یہ کہا کہ یہ اپنی بیوی کے حوالے نہ کرنا۔ مگر اس نے ایسا کر دیا تو اسے کوئی جرمانہ نہیں دینا پڑے گا۔ اور جب اس نے اسے یہ کہا تھا کہ اس ودیعت کی حفاظت گھر کے اس کمرے میں ہی کرنا۔ لیکن اس نے اس کی حفاظت گھر کے کسی اور کمرے میں رکھی۔ تو بھی اسے کوئی بدلہ وغیرہ نہیں دینا پڑے گا۔ لیکن جب اس نے اس ودیعت کی حفاظت کی مگر کسی اور گھر میں کی تو اس وجہ سے پھر اسے جرمانہ دینا پڑے گا۔

شرح: علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مودَع کو یہ اختیار ہے کہ ودیعت کو اپنے ہمراہ سفر میں لے جائے اگرچہ اس میں بار برداری صرف کرنی پڑے بشرطیکہ مالک نے سفر میں لے جانے سے منع نہ کیا ہو اور لیجانے میں اُس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور اگر مالک نے منع کر دیا ہو یا لیجانے میں اندیشہ ہو اور سفر میں جانا اس کے لیے ضروری نہ ہو اور سفر کیا اور ودیعت ضائع ہوگئی تو تاوان لازم ہے اور اگر سفر میں جانا ضروری ہے اور تنہا سفر کیا اور ودیعت کو بھی لے گیا ضامن ہے اور بال بچوں کے ساتھ سفر کیا ہے تو ضامن نہیں، دریائی سفر بھی خوفناک ہے کہ اس میں غالب ہلاک ہے۔ (بحر الرائق، کتاب ودیعت، بیروت)

مشترکہ ودیعت میں مودِع ثانی کے ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو بندوں نے کسی ایک شخص کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اور اس کے ایک ودیعت رکھنے والے نے آکر اپنا حصہ طلب کر لیا تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب تک دوسرا مودع نہ آئے گا اس کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔ صاحبین نے کہا ہے کہ اس کو حصہ دے دیا جائے گا۔ اور حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ اس کا اس کا حصہ دیا جائے گا۔ (شرح الوقایہ، کتاب ودیعت، بیروت)

ودیعت کے جو داجنبی پر حفاظت میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب ہمارے نزدیک اجنبی کے ہاں سے جو دیہ حفاظت کے باب سے ہے۔ کیونکہ اسی پر طمع کرنے والا طمع ہوتا ہے۔ اور حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

(شرح الوقایہ، کتاب ودیعت، بیروت)

كِتَابُ العَارِيَةِ

﴿یہ کتاب عاریت کے بیان میں ہے﴾

کتاب عاریت کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب ودیعت کے ساتھ کتاب عاریت کو بیان کیا ہے کیونکہ ان دونوں میں امانت کا معنی پایا جاتا ہے اور معنی امانت کے اعتبار سے ودیعت کو غلبہ حاصل ہے اس لئے ودیعت کو مقدم ذکر کیا ہے اور اس کے بعد عاریت کو ذکر کیا ہے۔

عاریت کی تعریف وفقہی مفہوم کا بیان

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے عاریت کی تعریف یہ کی ہے کہ کسی معین اور مباح چیز کا نفع لینا جس کا نفع لینا مباح ہو اور نفع حاصل کرنے کے بعد اصل چیز کو مالک کو واپس کرنا۔تو اس تعریف سے وہ چیز خارج ہوگی جس کا نفع حاصل کیا جائے تو وہ ضائع ہو جائے مثلاً کھانے پینے والی چیزیں۔

دوسرے شخص کو چیز کی منفعت کا بغیر عوض مالک کر دینا عاریت ہے۔جس کی چیز ہے اُسے معیر کہتے ہیں اور جس کو دی گئی مستعیر ہے اور چیز کو مستعار کہتے ہیں۔ عاریت کے لیے ایجاب وقبول ہونا ضروری ہے اگر کوئی ایسا فعل کیا جس سے قبول معلوم ہوتا ہو تو یہ فعل ہی قبول ہے مثلاً کسی سے کوئی چیز مانگی اُس نے لاکر دیدی اور کچھ نہ کہا عاریت ہوگئی اور اگر وہ شخص خاموش رہا کچھ نہیں بولا تو عاریت نہیں۔(بحر الرائق، کتاب عاریت، بیروت)

عاریت کے شرعی مأخذ کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:(اور استعمال کرنے والی چیزوں سے روکتے ہیں)(الماعون،۷)

یعنی وہ چیزیں جو لوگ عام طور پر آپس میں لیتے دیتے ہیں،تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ضرورت کی چیزوں سے لوگوں کو روکتے اور عاریت نہیں دیتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک دن (ایک دن اس خیال سے کہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے) مدینہ میں گھبراہٹ اور خوف کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔(یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کا گھوڑا کہ جسے مندوب یعنی سست کہا جاتا تھا عاریۃً مانگا اور اس پر سوار ہو کر تحقیق حال کے لیے مدینہ سے باہر

نکلے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو فرمایا کہ میں نے خوف وگھبراہٹ کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے نیز میں نے اس گھوڑے کو کشادہ قدم یعنی تیز رفتار پایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوطلحہ کا گھوڑا پہلے بہت ڈھیلا اور سست رفتار تھا اسی واسطے اس کا نام ہی مندوب یعنی سست رکھ دیا گیا تھا مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ گھوڑا بڑا چاق وچوبند اور تیز رفتار ہوگیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو عاریۃً مانگنا اور اسے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے نیز کسی جانور کو کسی نام سے موسوم کردینا بھی جائز ہے اسی طرح سامان جنگ کا نام رکھنا بھی جائز ہے۔

یہ حدیث جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت وبہادری اور کمال جانبازی کو ظاہر کرتی ہے کہ جب دشمن کی فوج کے مدینہ کے قریب آجانے کے خوف سے پورے مدینہ میں اضطراب وگھبراہٹ کی ایک عام فضا پیدا ہوگئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بے خوف ہوکر تحقیق حال کے لئے تن تنہا مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے وہیں یہ حدیث اس بات کی بھی غماز ہے کہ دشمنوں کی ٹوہ لینی اور ان کے حالات پر مطلع ہونے کے لئے سعی کرنا ضروری ہے۔ نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی خوف واضطراب کے موقع پر خوف کے خاتمہ کی خوشخبری لوگوں کو دینا مستحب ہے۔

عاریت کا بغیر عوض کے تملیک ہونے کا بیان

اَلْعَارِيَّةُ جَائِزَةٌ وَهِيَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ وَتَصِحُّ بِقَوْلِهِ أَعَرْتُكَ وَأَطْعَمْتُكَ هٰذِهِ الْأَرْضَ وَمَنَحْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلَى هٰذِهِ الدَّابَّةِ إِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ وَأَخْدَمْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ وَدَارِي لَكَ سُكْنَى وَدَارِي لَكَ عُمْرَى سُكْنَى وَلِلْمُعِيرِ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْعَارِيَّةِ مَتَى شَاءَ وَالْعَارِيَّةُ أَمَانَةٌ إِنْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنْ وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيرِ أَنْ يُؤَجِّرَ مَا اسْتَعَارَهُ وَلَهُ أَنْ يُعِيرَهُ إِذَا كَانَ لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ وَعَارِيَّةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ قَرْضٌ،

ترجمہ

کوئی چیز بطور ادھار لینا دینا جائز ہے اور اس کی تعریف یہ ہے کہ عاریت ''کسی کو بلا عوض اپنی چیز کے منافع کا مالک بنادینا'' ہے اور یہ اس طرح کا قول کرنے سے درست ہوجاتی ہے۔ مثلاً کہنا کہ میں نے تجھے تیری مانگی شے ادھار دیدی۔ اور میں نے تمہیں یہ زمین کھانے کیلئے دیدی۔ اور میں نے یہ کپڑا تمہیں دیدیا عطا کردیا۔ اور میں نے تمہیں اس جانور پر سوار کردیا۔ مگر یہ اس وقت ہوگا۔ جب اس نے اپنے اس قول سے جانور کو ہبہ کرنے کا ارادہ نہ کیا اور میں نے تمہیں یہ غلام خدمت کے لئے دیدیا میرا گھر تیرے لئے رہائش ہے اور میرا گھر زندگی بھر تیرے لئے رہائش ہے۔

اور معیر (یعنی بطور ادھار چیز دینے والے) کے لئے جب چاہے اپنی چیز واپس لے لینا جائز ہے اور عاریت (ادھار دی

گئی شے مستعیر (یعنی جس نے ادھار چیز لے رکھی ہو) کے پاس امانت کے طور پر ہوتی ہے۔اس لئے جب وہ مستعیر کی زیادتی کے علاوہ ہلاک ہوئی۔تو اسے تاوان نہیں دینا پڑے گا۔اور مستعیر کے لئے جو چیز اس نے ادھار لے رکھی ہوا سے آگے کرائے پر چڑھا دینا جائز نہیں ہے۔جب اس نے اسے کرائے پر دیا تھا اور وہ ہلاک ہوگئی تو اسے جرمانہ بھرنا پڑے گا۔اس کیلئے مانگی شئے کو آگے دینا اس صورت میں جائز ہوسکتا ہے کہ جب استعمال کرنے والے کی تبدیلی میں مستعار (یعنی ادھار لی گئی) چیز تبدیل نہ ہو جاتی ہو اور درہم' دینار' پیائش والی اشیاء اور وزن والی جن کا وزن کیا جاتا ہو ان اشیاء کو بطور عاریت دینا بطور قرض شمار ہوگا۔

مستعار لی ہوئی چیز کے امانت ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت شریح، حضرت نخعی حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف و ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا ہاں اگر مستعار لینے والا اس چیز کو قصداً ضائع کردے تو پھر اس پر اس چیز کا بدل واجب ہوتا ہے۔حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ حضرت امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع و تلف ہو جائے تو مستعار لینے اولے پر اس کا بدل یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضمونۃ جو واپس کردی جائیں گی کے یہ معنی ہیں تلف ہو جانے کی صورت میں ان کا بدل ادا کیا جائے گا۔(شرح الوقایہ، کتاب عاریت، بیروت)

موزونی وعددی چیزوں کی عاریت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکیل وموزون وعددی متقارب کو عاریت لیا اور عاریت میں کوئی قید نہیں تو عاریت نہیں بلکہ قرض ہے مثلاً کسی سے روپے، پیسے، گیہوں، جو وغیرہا عاریت لیے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان چیزوں کو خرچ کریگا اور اسی قسم کی چیز دے گا یعنی روپیہ لیا ہے تو روپیہ دے گا پیسہ لیا ہے تو پیسہ دے گا اور جتنا لیا اُتنا ہی دے دیگا یہ عاریت نہیں بلکہ قرض ہے کیونکہ عاریت میں چیز کو باقی رکھتے ہوئے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے اور یہاں ہلاک وخرچ کر کے فائدہ اُٹھانا ہے لہٰذا فرض کرو کہ قبلِ انتفاع یہ چیزیں ضائع ہو جائیں جب بھی تاوان دینا ہوگا کہ قرض کا یہی حکم ہے کہ لینے والا مالک ہو جاتا ہے نقصان ہوگا تو اس کا ہوگا دینے والے کا نہیں ہوگا ہاں اگر ان چیزوں کے عاریت لینے میں کوئی ایسی بات ذکر کردی جائے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہو کہ حقیقۃً عاریت ہی ہے قرض نہیں تو اُسے عاریت ہی قرار دیں گے مثلاً روپے یا پیسے مانگتا ہے کہ اس سے کوئی چیز وزن کریگا یا اس سے تول کر باٹ بنائے گا یا اپنی دوکان کو سجائے گا تو عاریت ہے۔

(درمختار، کتاب عاریت، بیروت)

اور جب اس نے پہننے کے کپڑے قرض مانگے یہ عرفاً عاریت ہے پیوند مانگا کہ کرتے میں لگائے گا یا اینٹ یا کڑی مکان میں

لگانے کے لیے عاریت مانگی اوران سب میں یہ کہہ دیا ہے کہ واپس دیدوں گا تو عاریت ہے اور یہ نہیں کہا ہے تو قرض ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب عاریت، بیروت)

کسی سے ایک پیالہ سالن مانگا یہ قرض ہے اور اگر دونوں میں انبساط و بے تکلفی ہو تو اباحت ہے۔ گولی، چھرے عاریت لیے یہ قرض ہے اور اگر نشانہ پر مارنے کے لیے یعنی چاند ماری کے لیے گولی لی ہے تو عاریت ہے کیونکہ اُسے واپس دے سکتا ہے۔

عاریت والی چیز کو عاریت پر دینے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عاریت والی چیز کسی کو بطور عاریت دی تو یہ ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اگر چہ معیر نے معین نہ کیا اور یہی مذہب امام مالک اور ایک دلیل کے مطابق امام شافعی کا ہے۔ کیونکہ وہ منافع کی ملکیت ہے۔ جبکہ امام شافعی کا صحیح مذہب اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ عاریت کو کسی دوسرے شخص پر بطور عاریت دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عاریت میں ملکیت منافع صرف اسی کے لئے مباح ہوئے ہیں کسی دوسرے کے لئے مباح نہیں ہوئے۔

(شرح الوقایہ، کتاب عاریت، بیروت)

زمین کو ادھار پر لینے کا بیان

وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضًا لِيَبْنِيَ فِيهَا أَوْ يَغْرِسَ نَخْلًا جَازَ وَلِلْمُعِيرِ أَنْ يَرْجِعَ فِيهَا وَيُكَلِّفَهُ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ فَإِنْ لَمْ يُوقِفِ الْعَارِيَةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَإِنْ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ فَرَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ ضَمِنَ الْمُعِيرُ مَا نَقَصَ الْبِنَاءُ وَالْغَرْسُ بِالْقَلْعِ وَأُجْرَةُ الْعَارِيَةِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ (وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَأْجَرَةِ عَلَى الْمُؤَجِّرِ وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوبَةِ عَلَى الْغَاصِبِ وَإِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا إِلَى إِصْطَبْلِ صَاحِبِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ وَإِنْ اسْتَعَارَ عَيْنًا فَرَدَّهَا إِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا إِلَيْهِ ضَمِنَ وَإِنْ رَدَّ الْوَدِيعَةَ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا إِلَيْهِ ضَمِنَ

ترجمہ

جب کسی نے کسی سے زمین اس لئے مستعار لی کہ وہ اس میں تعمیر کرے گا یا شجر کاری کرے گا تو یہ جائز ہے لیکن معیر اس سے اپنی زمین کسی بھی وقت واپس لے لینے کا برابر حقدار ہوگا۔ اور اسے اس کو اپنی عمارت اور درخت اکھاڑ لینے پر مجبور کر دینے کا حق حاصل ہوگا۔ پھر اس صورت میں دینے والے سے جب عاریت کا کوئی وقت طے نہیں ہوا تھا تو اس پر کوئی جرمانہ وغیرہ نہ ہوگا۔ لیکن جب پہلے اس نے وقت مقرر کر دیا تھا اب جب وہ وقت سے پہلے لینے کی کوشش کرے گا تو اس پر مستعیر کے مکان اکھاڑنے اور درخت اکھاڑنے سے جو نقصان ہوگا اس کا جرمانہ دینا لازم ہوگا۔ البتہ عاریت کی چیز کو واپس کرنے کی مزدوری مستعیر کے ذمے ہوگی اور اجرت پر دی گئی چیز کو واپس کرنے کی

اجرت مؤجر (یعنی جسے چیز اجرت پر دی گئی) پر ہوتی ہے اور غصب کردہ شئے کو لوٹانے کی اجرت غاصب پر ہوتی ہے۔ اور ودیعت رکھی گئی شئے کو واپس لوٹانے کی مزدوری مودع کے ذمہ ہوتی ہے۔ جب کسی نے کسی سے کوئی جانور، سواری بستعار لی پھر اس نے اسے اس کے مالک کے اصطبل میں واپس لوٹا بھی دیا۔ اس کے بعد وہ جانور ہلاک ہوگیا۔ تو اس کا مستعیر ضامن نہ ہوگا۔ اور جب اس نے کوئی شئے مستعار لی پھر اسے اس کے مالک کے گھر پہنچا دیا مگر اسے بنفس نفیس اس کے مالک کے حوالے نہیں کیا تھا تو پھر بھی وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔ لیکن جب اس نے ''ودیعت'' مالک کے گھر تو پہنچا دی تھی مگر اسے اس کے مالک کے حوالے نہیں کیا تھا تو اس کا اسے جرمانہ دینا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زمین عاریت پر لی کہ اس میں مکان بنائے گا یا درخت نصب کریگا یہ عاریت صحیح ہے اور مالک زمین کو یہ اختیار ہے کہ جب چاہے اپنی زمین خالی کرالے کیونکہ عاریت میں کوئی پابندی مالک پر لازم نہیں اور اگر مکان یا درخت کھود کر نکالنے میں زمین خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس ملبہ کی جو مکان کھودنے کے بعد قیمت ہوگی یا درخت کے کاٹنے کے بعد جو قیمت ہوگی مالکِ زمین سے دلا دی جائے اور مالکِ مکان و درخت اپنے مکان و درخت کو بجنسہ چھوڑ دے۔ اور جب مالکِ زمین نے مستعیر کے لیے کوئی مدت مقرر کر دی تھی مثلاً دس سال کے لیے یہ زمین مکان بنانے کو یا درخت لگانے کو عاریت دی اور مدت پوری ہونے سے پہلے زمین واپس لینا چاہتا ہے اگرچہ یہ مکروہ و وعدہ خلافی ہے مگر واپس لے سکتا ہے، کیونکہ یہ عقد اُس کے ذمہ قضاءً لازم نہیں مگر اس عمارت اور درخت کی وجہ سے مستعیر کا جو کچھ نقصان ہوگا مالک زمین اُس کو ادا کرے یعنی کھڑی عمارت کی قیمت لگائی جائے اور ملبہ جدا کر دینے کے بعد جو قیمت ہو اس میں عمارت کی قیمت سے جو کمی ہو مالکِ زمین یہ رقم مستعیر کو دے۔ (درمختار، کتاب عاریت، بیروت)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب زمین زراعت کے لیے عاریت دی اور واپس لینا چاہتا ہے جب تک فصل طیار نہ ہو اور کھیت کاٹنے کا وقت نہ آئے واپس نہیں لے سکتا وقت مقرر کر کے دی ہو یا مقرر نہ کیا ہو دونوں کا ایک حکم ہے یہ البتہ ہے کہ فصل طیار ہونے تک زمین کی جو اُجرت ہو مالک زمین کو دلا دی جائے گی۔ اگر کھیت بولیا ہے مگر ابھی تک جما نہیں ہے مالک زمین یہ کہتا ہے کہ بیج لے لو اور جو کچھ صرفہ ہوا ہے وہ لے لو اور کھیت چھوڑ دو یہ نہیں کر سکتا اگرچہ کاشتکار اس پر راضی بھی ہو کیونکہ جمنے سے پہلے زراعت کی بیع نہیں ہو سکتی اور کھیت جم گیا ہے تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ (بحر الرائق، کتاب عاریت، بیروت)

عاریت کی واپسی کے صرفہ کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں جب ایک شخص نے یہ وصیت کی ہے کہ میرا غلام فلاں شخص کی خدمت کرے یعنی وہ وارث کی ملک ہے اور موصیٰ لہ کی اتنے دنوں خدمت کرے اس میں بھی واپسی کا صرفہ موصیٰ لہ کے ذمہ ہے۔ غصب و رہن

میں واپسی کی ذمہ داری ومصارف غاصب ومرتہن پر ہیں۔ مالک نے اپنی چیز اُجرت پر دی تو واپسی کی ذمہ داری ومصارف مالک پر ہیں۔ یہ اُس وقت ہے کہ وہاں سے لے جانا مالک کی اجازت سے ہو مثلاً کہیں جانے کے لیے گھوڑا کرایہ پر لیا وہاں تک گیا سواری واپس کرنا اس کا کام نہیں بلکہ مالک کا کام ہے اور اگر اُس کے حکم سے نہیں لے گیا ہے تو پہنچانا اس کے ذمہ ہے۔ مثلاً کرسی کرایہ پر لی اور شہر سے باہر لے گیا تو واپس کرنا اس کا کام ہوگا۔ شرکت ومضاربت اور موہوب شے جس کو مالک نے واپس کرلیا ان سب کی واپسی مالک کے ذمہ ہے۔ اجیر مشترک جیسے درزی دھوبی کپڑے کی واپسی ان کے ذمہ ہے۔ (شامی)

•••———•••———•••

كِتَابُ اللَّقِيطِ

﴿یہ کتاب لقیط کے بیان میں ہے﴾

کتاب لقیط کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں التقاط کا ذکر کتاب عاریت کے بعد اس سبب سے ہے کہ اس میں اٹھانے والے کے سبب سے ہلاک ہونے والی جان کو بچانا ہے۔ عاریت میں دوسروں کے لئے نفع ہے اسی طرح لقیط کے سبب بھی انسانی جان کی حفاظت ہے پس اس مطابقت کے پیش نظر کتاب اللقیط کو کتاب عاریت کے بعد ذکر کیا ہے۔

اور اس کی فقہی مطابقت کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جس طرح عاریت میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے اسی طرح لقیط اٹھانے اور اس کے بعد اس کی پرورش ونگرانی کرنے کے سبب بھی مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۸، ص ۱۰۵، بیروت)

لقیط کا فقہی مفہوم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عرف شرع میں لقیط اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو اس کے گھر والے نے اپنی تنگدستی یا بدنامی کے خوف سے پھینک دیا ہو۔ (الدرالمختار، کتاب اللقیط)

لقط لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقطہ مشہور ہے۔

لقیط (یعنی بے وارث بچہ) اگر کہیں پڑا ہوا ملے تو اسے اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اس کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہو تو پھر اسے اٹھانا واجب ہوگا۔ ایسا بچہ جب تک مملوک غلام ہونا ثابت نہ ہو حر (یعنی آزاد ہے) لقیط کا نفقہ اور اس کا خون بہا بیت المال کے ذمہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی میراث بھی بیت المال کی تحویل میں رہے گی۔ جس شخص نے لقیط کو اٹھا لیا ہے اس سے کسی اور کو لینے کا اختیار نہیں ہوگا اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ اور اگر دو آدمی ایک ساتھ اس کا دعویٰ کریں تو اس کو لینے کا زیادہ حقدار وہ شخص ہوگا جو اس بچہ کے بدن میں کوئی علامت بتائے اور دیکھنے میں وہ علامت موجود پائی جائے مثلاً وہ یہ بتائے کہ اس کی پیٹھ پر مسہ ہے اور پھر جب دیکھا جائے تو اس کی پیٹھ پر مسہ موجود ہو۔

الزام کے ڈر سے بچے کو پھینک دینے کا بیان

اَللَّقِيطُ حُرٌّ وَنَفَقَتُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنْ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْ يَدِهِ فَإِنْ ادَّعَى مُدَّعٍ أَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فَإِنْ ادَّعَاهُ اثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلَى بِهِ وَإِذَا وُجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعَى ذِمِّيٌّ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا وَإِنْ وُجِدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ فِي بِيعَةٍ أَوْ كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا ،

ترجمہ

لقیط آزاد ہوتا ہے۔ اس کے اخراجات بیت المال سے پورے ہوتے ہیں۔ جب اسے کسی آدمی نے اٹھالیا تو کسی اور آدمی کو اس سے لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اب جب کسی دعویدار نے یہ دعویٰ دائر کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو اس آدمی سے قسم لے کر کے اس کی بات کا اعتبار کرلیا جائے گا۔ کوئی علامت جب دو آدمی دعویٰ کریں۔ پس تو ان میں سے کوئی ایک جو اس بچے کے جسم میں کوئی علامت بتائے۔ تو وہی اس بچے کا زیادہ حقدار ہوگا اور جس وقت کوئی لقیط بچہ مسلمانوں کے شہروں میں کسی شہر میں یا مسلمانوں کے دیہاتوں میں کسی دیہات میں پڑا ملا۔ مگر اس کے بعد ایک ذمہ آدمی نے دعویٰ کیا کہ یہ تو اس کا بیٹا ہے۔ تو اس کا نسب تو اس سے ثابت ہو جائے گا۔ مگر بچہ مسلمان ہوگا۔ لیکن جب لقیط ذمیوں کے دیہاتوں میں سے کسی دیہات یا بستی میں ملا میں یا گرجا گھر یا مندر میں پڑا ہوا پایا گیا۔ تو وہ بچہ ذمی شمار ہوگا۔

لقیط کے اخراجات کی ذمہ داری کا بیان

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابو جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑا ہوا بچہ پایا۔ کہتے ہیں میں اسے اٹھالایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا انھوں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اسے کیوں اٹھایا؟ میں نے جواب دیا کہ میں اسے نہ اٹھاتا تو یہ ضائع ہو جاتا ابو جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوم کے سرادر نے کہا اے امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ مرد صالح ہے یعنی یہ غلط نہیں کہتا (یعنی یہ تصدیو ہو جانے پہ کہ ابو جمیلہ درست کہہ رہے کہ کہ بچے کے بارے میں انہیں اس کے سوا کچھ پتہ نہیں کہ وہ رستے میں پڑا ہوا تھا) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسے لے جاؤ یہ آزاد ہے اس کا نفقہ ہمارے ذمہ ہے یعنی بیت المال سے دیا جائے گا۔ (موطا، امام مالک)

سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لقیط لایا جاتا تو اس کے مناسب حال کچھ وظیفہ مقرر فرما دیتے جو اس کا ولی ہر ماہ لے جایا کرے، لقیط کے بارے میں بھلائی کرنے کی وصیت فرماتے اس کی رضاعت (کسی خاتون سے دودھ پینا) کے مصارف اور دیگر اخراجات بیت المال سے مقرر کرتے۔ (نصب الرایہ، کتاب اللقیط)

تمیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لقیط پایا اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لائے انہوں نے اسے اپنے ذمہ لے لیا۔

(المصنف، باب اللقیط)

امام محمد نے امام حسن بصری سے روایت کی ایک شخص نے لقیط پایا اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا انھوں نے فرمایا یہ آزاد ہے اگر میں اس کا متولی ہوتا ہوتا یونی اگر یہ مجھے ملا ہوتا تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

لقیط کے جملہ اخراجات کھانا کپڑا رہنے کا مکان بیماری میں دوا یہ سب بیت المال کے ذمہ ہے اور لقیط مرجائے اور کوئی وارث نہ ہو تو میراث بھی بیت المال میں جائے گی۔ ایک شخص ایک بچہ کو قاضی کے پاس پیش کر کے کہتا ہے یہ لقیط ہے میں نے ایک جگہ پڑا پایا ہے تو ہوسکتا ہے کہ محض اُس کے کہنے سے قاضی تصدیق نہ کرے بلکہ گواہ مانگے اس لیے کہ ممکن ہے خود اُسی کا بچہ ہو اور لقیط اس غرض سے بتاتا ہے کہ مصارف بیت المال سے وصول کرے اور یہ ثبوت بہم پہنچ جانے کے بعد کہ لقیط ہے نفقہ وغیرہ بیت المال سے مقرر کر دیا جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ)

بیت المال کے بعض مصارف کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ضوائع یعنی لقطے (گری پڑی اشیاء) پس ماتن کا قول "مثل مالا" یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایسا وارث ہو جس پر (بچا ہوا ترکہ) رد نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس کا مشہور مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں، اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں۔

(ردمحتار، کتاب زکوٰۃ، باب عشر، ج ۲، ص ۵۹، بیروت)

لقیط پر غلام ہونے کا دعویٰ کرنے کا بیان

وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ اللَّقِيطَ عَبْدُهُ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ وَإِنْ ادَّعَى عَبْدٌ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ حُرًّا وَإِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِيطِ مَالٌ مَشْدُودٌ عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُ وَلَا يَجُوزُ تَزْوِيجُ الْمُلْتَقِطِ اللَّقِيطَ وَلَا تَصَرُّفُهُ فِي مَالِ اللَّقِيطِ وَيَجُوزُ أَنْ يَقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ وَيُسَلِّمَهُ فِي صِنَاعَةٍ وَيُؤَجِّرَهُ،

ترجمہ

اور وہ آدمی جو اس بات کا دعویدار ہو گا کہ یہ بچہ تو اس کا غلام ہے یا اس کی لونڈی ہے تو اس کی بات مقبول نہیں ہوگی اور وہ بچہ آزاد ہوگا لیکن کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ مگر بچہ آزاد ہی ہوگا اور جب لقیط کے ساتھ کوئی مال وغیرہ "ایسا کہ جو اس بچے پر ہی بندھا ہوا تھا" پایا گیا تو وہ مال جسے بچہ ملا ہو اسی آدمی کا ہوگا اور مُلتَقِط (یعنی اس گرے پڑے بچے کو اٹھانے والا) کا لقیط سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ نہ ہی اس کیلئے لقیط کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔ لیکن لقیط کے لئے ہبہ شدہ شئے پر قبضہ کرنا اس کے لئے جائز ہے اور ایسے ہی اس چیز کو کسی کاروبار کے لئے کسی کے حوالے کرنا یا اسے اجرت پر دے لینا بھی جائز ہے۔

لقیط کی نسبت دعویٰ کرنے والے کا بیان

لقیط کی نسبت کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اُسی کا لڑکا قرار دیدیا جائے اور اگر کوئی شخص اسے اپنا غلام بتائے تو جب تک گواہوں سے ثابت نہ کردے غلام قرار نہ دیا جائے۔

اگر کوئی غلام یہ دعویٰ کرے کہ یہ لقیط میرا لڑکا ہے تو اس کا دعویٰ صحیح تسلیم کیا جائے گا لیکن وہ بچہ مسلمان رہے گا جبکہ وہ مسلمانوں کی آبادی یا مسلمانوں کے محلہ میں ملا ہو اور اگر وہ ذمیوں کی بستی میں یا ان کے محلہ میں یا انکے گرجا و مندر میں ملا ہو گا تو اس صورت میں وہ ذمی رہے گا۔ اگر لقطی کے ساتھ بندھا ہوا کچھ مال یا اس کے جسم پر کوئی زیور وغیرہ ملے تو اسے قاضی کے حکم کے بعد لقیط ہی پر خرچ کیا جائے گا اگرچہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ قاضی کے حکم و اجازت کے بغیر بھی اس کے مال کو اس پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ زیادہ صحیح قول کے مطابق اٹھانے والے کے لئے یہ تو جائز ہے کہ وہ اس لقیط کو کوئی پیشہ سیکھنے کے لئے کسی پیشہ ور کے سپرد کردے مگر اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس کا نکاح کردے یا اس کے مال میں تصرف کرے اور یا اس سے محنت و مزدوری کرائے۔

لقیط کے بارے میں فقہی تصریحات کا بیان

گمشدہ لاوارث بچے کے احکام کا لقطہ یعنی گمشدہ اشیاء کے احکام سے بہت بڑا تعلق ہے، اس لیے کہ لقطہ گمشدہ اموال کے ساتھ خاص ہے اور لقیط گمشدہ انسان کو کہا جاتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی احکام زندگی کی ضروریات اور اس کے ہر مفید شعبے کو شامل ہیں۔

دنیا تو یتیموں اور لاوارث بچوں اور بوڑھے لوگوں کی دیکھ بھال اور پرورش اور پناہ گزین کیمپوں سے آج متعارف ہو رہی ہے، لیکن اسلام نے تو آج سے چودہ سو برس قبل ہی اس سے بھی زیادہ اس کی طرف تسبب دلائی اور اس کے احکام بتائے جن میں لقیط یعنی لاوارث پھینکے ہوئے یا پھر اپنے والدین سے گمشدہ بچے کی دیکھ بھال شامل ہے ان دونوں حالتوں میں بچے کے نسب کا کوئی علم نہیں ہوتا۔

لہٰذا ہر اس شخص پر جو بھی کسی لاوارث بچے کو پائے واجب ہے کہ وہ اسے حاصل کرے اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش کرے یہ دیکھ بھال فرض کفایہ ہے کچھ لوگوں کے کرنے سے باقی سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے، لیکن اگر سب ہی اسے ترک کردیں اور کوئی بھی اس بچے کو امکان ہونے کے باوجود نہ حاصل کرے تو سب گنہگار ہونگے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو) تو اس آیت کا عموم لقیط یعنی گمشدہ بچے کو لینے پر دلالت کر رہا ہے، اس لیے کہ یہ بھی خیر و بھلائی پر تعاون ہے، اور پھر اس بچے کو لینے میں ایک جان کو زندہ کرنا اور جان بچانا ہے اس لیے ایسا کرنا واجب ہے جس طرح ضرورت کے وقت اسے کھانا کھلانا اور غرق ہونے سے بچانا واجب ہے اسی طرح اسے اٹھانا اور حاصل کرنا بھی واجب ہے۔

لقیط یعنی گمشدہ لاوارث بچہ سب احکام میں آزاد ہے اس لیے کہ اصل چیز تو آزادی ہے اور غلامی تو ایک عارضی چیز ہے اس لیے اگر علم نہ ہو سکے تو غلام نہیں بلکہ وہ آزاد ہوگا۔

اور جو مال اور رقم وغیرہ اس کے ساتھ ہو یا اس کے ارد گرد سے ملے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے وہ اس کی ملکیت ہوگی، اور اس لیے کہ اس کا ہاتھ اس پر ہے ایسے بچے کو اٹھانے والا احسن اور بہتر طریقے سے اس پر خرچ کرے کیونکہ اسے اس پر ولایت حاصل ہے۔

لیکن اگر اس بچے کے ساتھ اسے کچھ بھی نہ ملے تو اس پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لاوارث بچہ اٹھانے والے کو کہا تھا (جاؤ وہ بچہ آزاد ہے اور اس کی ولاء تجھے حاصل ہے، اور اس کا نفقہ اور خرچہ ہم پر ہوگا) یعنی اس کا خرچہ بیت المال سے ہوگا

اور ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: (اس کی رضاعت ہمارے ذمہ ہے) یعنی رضاعت کا خرچہ بیت المال برداشت کرے گا، لہٰذا اٹھانے والے پر نہ تو خرچہ واجب ہے اور نہ ہی اس کی رضاعت، بلکہ یہ بیت المال پر واجب ہوگی، لیکن اگر بیت المال نہ ہو تو مسلمانوں میں سے جس کو علم ہو اس پر اس کا خرچہ واجب ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور خیر و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا کرو) اور اس لیے بھی کہ اگر اس پر خرچہ نہ کیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس لیے بھی کہ اس پر خرچ کرنا خیر خواہی ہے جس طرح مہمان کی میزبانی کی جاتی ہے۔ اور دینی لحاظ سے اس کا حکم یہ ہے کہ: اگر وہ دارالاسلام یا پھر ایسے کافر ملک میں جہاں پر اکثریت مسلمانوں کی ہو تو وہ بچہ مسلمان ہوگا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے)

اور اگر وہ بچہ خالصتاً کفار ملک میں پایا جائے یا پھر اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد قلیل ہو تو ملک کے ماتحت وہ بچہ بھی کافر شمار ہوگا، اسے اٹھانے والا شخص اگر امانت دار ہو تو اس پر اس کی پرورش کی ذمہ داری ہوگی، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابو جمیلہ کے صالح ہونے کے علم ہونے پر لاوارث بچے کو ان کے پاس ہی رکھنے کا فیصلہ کیا اور فرمایا تھا: (اس کی ولایت تجھے ہی ملے گی) اس لیے کہ اس نے اسے اٹھانے میں سبقت لی ہے اس لیے وہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اور لاوارث بچے کو اٹھانے والا ہی اس بچے پر اس کے ساتھ پائے جانے والی رقم میں سے خرچ کرے گا اس لیے کہ وہ ہی اس کا ولی ہے اور خرچ کرنے میں معروف اور احسن انداز اختیار کرنا ہوگا۔

اور اگر لاوارث بچے کو اٹھانے والا پرورش کرنے کا اہل نہ ہو مثلاً وہ کافر یا فاسق ہو اور بچہ مسلمان ہونے کی صورت مین بچہ اس کے پاس نہیں رہنے دیا جائے گا، اس لیے کہ کافر اور فاسق کی مسلمان پر ولایت قائم نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ بچے کو دین اسلام سے پھیر دے گا اور اسی طرح اگر بچے کو اٹھانے والا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والا خانہ بدوش ہو تو اس کے پاس بھی بچہ نہیں رہنے دیا جائے گا اس لیے کہ اس میں بچے کے لیے تکلیف اور تنگی ہے۔

لہٰذا بچہ اس سے حاصل کر کے شہر میں رکھا جائے گا کیونکہ بچے کا شہر میں رہنا اس کے دین و دنیا دونوں کے لیے بہتر اور اچھا ہے، اور بچے کے خاندان اور نسب کو تلاش کرنے میں زیادہ آسان ہے۔

لاوارث بچے کی اگر کوئی اولاد نہ ہو تو اس کی وراثت اور اسی طرح اگر اس پر کوئی شخص جرم کرے تو اس کی دیت دونوں چیزیں بیت المال کی ہونگی، اور اگر اس کی بیوی ہو تو اسے ربع یعنی چوتھا حصہ ملے گا۔ اور لاوارث بچے کا قتل عمد میں مسلمانوں کا امام اس کی ولی بنے گا اس لیے کہ مسلمان اس کے وارث بنتے ہیں اور امام یعنی خلیفہ اور امیر المسلمین ان کا نائب ہے لہٰذا اسے قصاص اور دیت لینے کا اختیار دیا جائیگا اور دیت بیت المال کی ہوگی، کیونکہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا حکمران اور خلیفہ ولی ہوتا ہے۔

اور اگر اس پر کوئی شخص قتل کے علاوہ کسی قسم کی زیادتی کرے تو اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا تاکہ وہ اس کا قصاص لے سکے یا اس زیادتی کو معاف کردے۔

اور اگر کوئی مرد یا عورت یہ اقرار کرے کہ لاوارث بچہ اس کا ہے تو بچہ اس کی طرف ہی منسوب ہوگا، اس لیے کہ بچے کی مصلحت اسی میں ہے کہ اس کا نسب مل جائے، اور اس کا کسی دوسرے کو کوئی نقصان اور نقصان نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والا منفرد شخص ہو، اور یہ بھی ممکن ہو کہ بچہ اس سے ہو۔

لیکن اگر اس کے نسب کا دعویٰ کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں تو صاحب دلیل کو مقدم کیا جائے گا، اور اگر ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی دلیل نہ ہو یا پھر دلائل آپس میں تعارض رکھتے ہوں تو بچے کو ان کے ساتھ قیافہ لگانے والے پر پیش کیا جائے گا اور قیافے والا بچے کو جس کے ساتھ ملحق کرے گا بچہ اس شخص کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

اس لیے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کرام کی موجودگی میں یہی فیصلہ کیا تھا، اور اس لیے بھی کہ قیافہ والے قوم میں سب سے زیادہ نسب کو جانتے ہیں، اور اس میں صرف ایک قیافہ شناس ہی کافی ہوگا، اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قیافہ لگانے والا مرد ہو اور عادل اور اور اس کے قیافہ کے صحیح ہونے کا تجربہ بھی ہو۔

•••———•••———•••

4

کِتَابُ اللُّقَطَةِ

﴿یہ کتاب لقطہ کے بیان میں ہے﴾

کتاب لقطہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لقطہ اور لقیط دونوں الفاظ اعتبار لفظ و معنی کے اعتبار سے قریب ہیں۔اور لقیط کو آدم علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ خاص کیا گیا ہے تا کہ ان دونوں کے درمیان فرق ہو جائے۔اور کتاب لقیط کو مقدم کرنے کا سبب اولاد آدم علیہ السلام کے شرف و بزرگی ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص ۲۰۰، بیروت)

لقطہ کا فقہی مفہوم

لفظ لقطۃ کا مصدر لقط ہے جس کے معنی چن لینا، زمین پر سے اٹھالینا، سینا، رفو کرنا، انتخاب کرنا، چونچ سے اٹھانا ہے۔اسی سے لفظ ملاقطۃ اور التقاط ہیں۔جن کے معانی برابر ہونا ہیں۔اور تلقط اور التقاط کے معنی ادھر ادھر سے جمع کرنا چننا ہیں۔آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں یہ لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔جن کی تشریحات اپنے اپنے مقامات پر ہوں گی۔

لقطہ لام کے پیش اور قاف کے زیر کے ساتھ یعنی لقِطہ بھی منقول ہے اور قاف کے جزم کے ساتھ یعنی لقْطہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔محدثین کے ہاں قاف کے زبر کے ساتھ یعنی لقَطہ مشہور ہے۔

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو راستہ میں گری ہوئی مل جائے اور اس شخص کو بھی لقطہ کہتے ہیں جو گری پڑی چیز کو اٹھانے والا ہو اور اگر راستے میں کوئی بچہ پڑا ہوا مل جائے تو اسے لقیط کہتے ہیں۔(تاج العروس ج ۵ ص ۲۱۶، مطبوعہ خیریہ مصر)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں۔کہ لفظ لقطہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے مگر محدثین اور لغت والوں کے ہاں فتحہ کے ساتھ ہی مشہور ہے۔عرب کی زبانوں سے ایسا ہی سنا گیا ہے۔لغت میں لقطہ کسی گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔اور شریعت میں ایسی چیز جو پڑی ہوئی پائے جائے اور وہ کسی بھی آدمی کے حق ضائع سے متعلق ہو اور پانے والا اس کے مالک کو نہ پائے۔اور لفظ التقاط میں امانت اور روایت کے معانی بھی مشتمل ہیں۔اس لیے کہ ملتقط امین ہے اس مال کا جو اس نے پایا ہے اور شرعاً وہ اس مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہے جس طرح بچے کے مال کی ذمہ داری ہوتی ہے۔اور اس میں اکتساب کے معانی بھی ہیں کہ پہچوانے کے بعد اگر اس کا مالک نہ ملے تو اس چیز میں اس کا حق ملکیت ثابت ہو جاتا ہے۔(التعریف، از امام قسطلانی)

لقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہیں (مثلاً راستہ وغیرہ میں) گری پڑی پائی جائے اور اس کے مالک کا کوئی علم نہ ہو۔اس بارے

میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو اسے (یعنی لقطہ کو) اٹھالینا مستحب ہے جبکہ اپنے نفس پر یہ اعتماد ہو کہ اس چیز کی تشہیر کرا کر اسے اس کے مالک کے حوالے کر دیا جائے گا اگر اپنے نفس پر یہ اعماد نہ ہو تو پھر اسے وہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہے لیکن اگر یہ خوف ہو کہ اس چیز کو یوں ہی پڑا رہنے دیا گیا تو یہ ضائع ہو جائے گی تو اس صورت میں اسے اٹھالینا واجب ہوگا اگر دیکھنے والا اسے نہ اٹھائے گا اور وہ چیز ضائع ہو جائے گی تو وہ گنہگار ہوگا یہ لقطہ کا اصولی حکم ہے اب اس کے چند تفصیلی مسائل ملاحظہ کیجئے۔

کتاب لقطہ کے شرعی ماخذ کا بیان

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ .(توبہ، ۷۱)۔

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ و رسول کا حکم مانیں یہ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

منافقوں کی بدخصلتیں بیان فرما کر مسلمانوں کی نیک صفتیں بیان فرما رہا ہے کہ یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ایک دوسرے کا دست و بازو بنے رہتے ہیں صحیح حدیث میں ہے کہ مومن مومن کے لئے مثل دیوار کے ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے آپ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال کر دکھا بھی دیا۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ مومن اپنی دوستی اور سلوک میں مثل ایک جسم کی مانند ہیں کہ ایک حصے کو بھی اگر تکلیف ہو تو تمام جسم بیماری اور بیداری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ پاک نفس لوگوں اوروں کی تربیت سے بھی غافل نہیں رہتے۔

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے یا چاندی کے لقطہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس تھیلی کے باندھنے کی ڈوری اور اس تھیلی کی پہچان کو یاد رکھو پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو پھر اگر کوئی اسے نہ پہچانے تو تو اس کو خرچ کر ڈال لیکن یہ تیرے پاس امانت ہوگی پھر اگر کسی زمانے کے کسی دن اس کا متلاشی آ جائے تو تو اسے اس کو واپس کر دے اور اس آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے اس اونٹ سے کیا غرض اسے چھوڑ کیونکہ اس کی جوتی اور اس کی مشک اس کے ساتھ ہے وہ پانی پر جائے گا اور درخت کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پالے گا اور پھر اس آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکری کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسے پکڑ لے کیونکہ وہ بکری تیرے لئے یا تیرے بھائی کے لئے ہے یا بھیڑیے کے لئے ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 5)

لقطہ کا بہ طور امانت ہونے کا بیان

اَللُّقَطَةُ اَمَانَةٌ اِذَا اَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّهٗ يَاْخُذُهَا لِيَحْفَظَهَا وَيَرُدَّهَا عَلٰى صَاحِبِهَا فَاِنْ كَانَتْ اَقَلَّ مِنْ

عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا أَيَّامًا ، وَإِنْ كَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِدًا عَرَّفَهَا حَوْلًا كَامِلًا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا ،

ترجمہ

اور کوئی گری پڑی ملنے والی شئے اٹھانے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔اس صورت میں کہ جب وہ کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ وہ اس چیز کو اس لئے اُٹھا رہا ہے تا کہ وہ اس کی حفاظت کر سکے اور اس چیز کو اس کے مالک کو واپس کر سکے۔اب جب وہ شئے دس درہم سے کم کی ہو تو پھر تو صرف چند دن تک ہی اس کا اعلان وغیرہ کرے گا لیکن جب وہ دس درہم سے زیادہ قیمت کی ہو تو پورے ایک سال تک اس کے بارے اعلان کرتا رہے گا۔اور معلوم کرتا رہے گا پس جب تو اس چیز کا مالک آ جائے (تو وہ اسے واپس دیدے گا) اور جب وہ نہ آئے تو پھر وہ اس چیز کو صدقہ کر دے گا۔اس کے بعد جب اس چیز کا مالک آ گیا اور وہ اسے صدقہ کر چکا تھا تو اس چیز کے مالک کو اختیار ہو گا جب چاہے تو اس چیز کو صدقہ ہی چھوڑ دے۔جب چاہے تو ملتقط (جس نے اس کی گری چیز کو اٹھایا تھا) سے جرمانہ بھر لے۔

لقطہ میں گواہ بنانے پر فائدے کا بیان

حضرت عیاض بن حمار کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز پائے تو چاہئے کہ وہ کسی عادل شخص کو یا فرمایا کہ دو عادل شخصوں کو گواہ بنالے اور اس کی تشہیر واعلان نہ کرکے) اس لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسے کسی دوسری جگہ بھیج کر غائب کر دے۔پھر اگر مالک آ جائے تو وہ لقطہ اس کے حوالے کر دے اور اگر مالک ہاتھ نہ لگے تو پھر وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے غیب سے مال دیتا ہے (احمد ابوداؤد دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 257)

جب کوئی شخص لقطہ اٹھائے تو وہ اس وقت کسی کو اس بات پر گواہ بنالے کہ مجھے یہ چیز بطور لقطہ ملی ہے تا کہ کوئی دوسرا شخص مثلا مالک نہ تو اس پر چوری وغیرہ کی تہمت لگا سکے اور نہ کمی بیشی کا دعویٰ کر سکے گواہ بنا لینے میں ایک مصلحت و فائدہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں اس کا نفس حرص وطمع میں مبتلا نہیں ہو گا کیونکہ بغیر گواہ کے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ نفس بدنیتی میں مبتلا ہو جائے اور یہ سوچ کر کہ جب کوئی گواہ نہیں ہے تو یہ چیز مالک کو دینے کی بجائے خود کیوں نہ رکھ لوں جب کہ گواہ بنا لینے سے نہ صرف یہ کہ طمع نہیں ہوتی بلکہ وہ لقطہ مالک کے حوالہ کرنا یوں بھی ضروری ہو جاتا ہے پھر اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اٹھانے والے کی ناگہانی موت کے بعد اس کے ورثاء اس لقطہ کو اپنی میراث اور ترکہ میں داخل نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ گواہ بنا لینے کا یہ حکم بطریق استحباب ہے جب کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم بطریق وجوب ہے۔اس حدیث میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے جب کہ اوپر کی حدیث میں اسے اللہ کا دیا ہوا رزق ہے کہا گیا ہے لہٰذا ان دونوں سے مراد حلال ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مالک کے نہ آنے کی صورت میں وہ لقطہ ایک ایسا حلال مال ہے جس سے وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کو خدا نے غیب سے دیا ہے۔ہاں اگر بعد میں مالک آ جائے تو پھر اس کا بدل دینا ہو گا جیسا کہ پہلے ذکر

کیا گیا ہے۔

لقطہ کی پہچان کرانے کا بیان

حضرت زید بن خالد کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سر بند بھی پہچانے رہو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو ایک سال کی مدت میں اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کر دو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ۔ پھر اس شخص نے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا کہ اگر کسی کی گم شدہ بکری کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا بھیڑیئے کی ہے اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ گمشدہ انٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہونیوالی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ کر لانے کی ضرورت نہیں) اس کی مشک اور اس کے موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پانی تک جا سکتا ہے اور درخت کے پتے کھا سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جب اس شخص نے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سر بند اور ظرف تھیلا وغیرہ پہچانے رکھو (اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے) تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کی وہ چیز جبکہ تمہارے پاس جوں کی توں موجود ہو) دیدو اور نہ اس کی قیمت ادا کر دو۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 251)

لقطہ کے اٹھانے وتصرف میں فقہی تصریحات

پڑا مال اٹھا لایا اور اس کے پاس سے ضائع ہو گیا اب مالک آیا اور چیز کا مطالبہ کرتا ہے اور تاوان مانگتا ہے کہتا ہے کہ تم نے بدنیتی سے اپنے صرف میں لانے کے لیے اُٹھایا تھا، لہٰذا تم پر تاوان ہے یہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اپنے لیے نہیں اُٹھایا تھا بلکہ اس نیت سے لیا تھا کہ مالک کو دوں گا تو محض اس کہنے سے ضمان سے بری نہیں جب تک بصورت امکان گواہ نہ کرے۔ (ہدایہ)

جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو تصرف کرنا جائز ہوگا لیکن جب مالک آجائے تو وہ چیز یا اس کا بدل دینا لازم ہوگا۔ حنفیہ کہتے ہیں اگر پانے والا محتاج ہے۔ تو اس میں تصرف کر سکتا ہے اگر مالدار ہے تو اس کو خیرات کر دے۔ پھر اگر اس کا مالک آئے تو اس کو اختیار ہے کہ خواہ اس خیرات کو جائز رکھے خواہ اس سے تاوان لے۔

جہاں تک غور وفکر کا تعلق ہے اسلام نے گرے پڑے اموال کی بڑی حفاظت کی ہے اور ان کے اٹھانے والوں کو اسی حالت میں اٹھانے کی اجازت دی ہے کہ وہ خود ہضم کر جانے کی نیت سے ہرگز ہرگز ان کو نہ اٹھائیں۔ بلکہ ان کے اصل مالکوں تک پہنچانے کی نیت سے ان کو اٹھا سکتے ہیں۔ اگر مالک فوری طور پر نہ مل سکے تو موقع بہ موقع سال بھر اس مال کا اعلان کرتے رہیں۔ آج کل

اعلان کے ذرائع بہت وسیع ہو چکے ہیں، اخبارات اور ریڈیو کے ذرائع سے اعلانات ہر کس و ناکس تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس طرح متواتر اعلانات پر سال گزر جائے اور کوئی اس کا مالک نہ مل سکے تو پانے والا اپنے مصرف میں اسے لے سکتا ہے۔ مگر یہ شرط اب بھی ضروری ہے کہ اگر کسی دن بھی اس کا اصل مالک آ گیا تو وہ مال اسے مع تاوان ادا کرنا ہوگا۔ اگر اصل مال وہ ختم کر چکا ہے تو اس کی جنس بالمثل ادا کرنی ہوگی۔ یا پھر جو بھی بازاری قیمت ہو ادا کرنی ضروری ہوگی۔ ان تفصیلات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لقطہ کے متعلق اسلام کا قانونی نظریہ کس قدر ٹھوس اور کتنا نفع بخش ہے۔ کاش اسلام کے معاندین ان قوانین اسلامی کا بغور مطالعہ کریں اور اپنے دلوں کو عناد سے پاک کر کے قلب سلیم کے ساتھ صداقت کو تسلیم کر سکیں۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے برتن کی بناوٹ اور اس کے بندھن کو ذہن میں یاد رکھ کر ایک سال تک اس کا اعلان کرتا رہ۔ اگر مالک مل جائے (تو اسے دے دے) ورنہ اپنی ضرورت میں خرچ کر۔ انہوں نے پوچھا اور اگر راستہ بھولی ہوئی بکری ملے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہاری ہوگی یا تمہارے بھائی کی ہوگی۔ ورنہ پھر بھیڑیا اسے اٹھا لے جائے گا صحابی نے پوچھا اور اونٹ جو راستہ بھول جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کے ساتھ خود اس کا مشکیزہ ہے، اس کے کھر ہیں، پانی پر وہ خود ہی پہنچ جائے گا اور خود ہی درخت کے پتے کھا لے گا۔ اور اس طرح کسی نہ کسی دن اس کا مالک اسے خود پا لے گا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۴۲۹)

فان جاء صاحبها یعنی اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کے حوالے کر دے۔ جس طرح امام احمد اور ترمذی اور نسائی کی ایک روایت میں اس کی صراحت ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص آئے جو اس کی گنتی اور تھیلی اور سر بندھن کو ٹھیک ٹھیک بتلا دے تو اس کو دے دے۔ معلوم ہوا کہ صحیح طور پر اسے پہچان لینے والے کو وہ مال دے دینا چاہئے۔ گواہ شاہد کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ اس روایت میں دو سال تک بتلانے کا ذکر ہے۔ اور آگے والی احادیث میں صرف ایک سال تک کا بیان ہوا ہے۔ اور تمام علماء نے اب اسی کو اختیار کیا ہے اور دو سال والی روایت کے حکم کو ورع اور احتیاط پر محمول کیا۔ یوں محتاط حضرات اگر ساری عمر بھی اسے اپنے استعمال میں نہ لائیں اور آخر میں چل کر بطور صدقہ خیرات دے کر اسے ختم کر دیں تو اسے نور علیٰ نور ہی کہنا مناسب ہوگا۔

لقطہ کی تشہیری مدت میں مذاہب اربعہ

مدت تشہیر کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔ حضرت امام شافعی حضرت امام مالک حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد تو حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک سال کی مدت متعین ہے یعنی لقطہ کی ایک سال تک تشہیر کرانی چاہئے، لیکن صحیح تر روایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ مدت متعین کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ حدیث میں ایک سال کا ذکر باعتبار غالب کے بر سبیل اتفاق ہے۔ لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں ایک سال کی مدت اگر اتفاقی طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اور متعین طور پر مذکور نہیں ہے تو پھر تشہیر کی کیا مدت متعین کی جائے؟

اس کی وضاحت ہدایہ نے امام ابوحنیفہ کی ایک روایت کے مطابق یوں کی ہے کہ اگر لقطہ دس درہم سے کم قیمت کا ہو تو اس کی تشہیر چند دن تک کرنا کافی ہے اگر دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک مہینہ تک تشہیر کی جائے اور وہ سو درہم کی مالیت کا ہو پھر ایک سال تک تشہیر کی جائے۔

لقطہ کی واپسی پر شہادت میں مذاہب اربعہ

ابن مالک کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کا ظرف اور سر بند پہچان لینے کا حکم اس لئے دیا تا کہ جو شخص اس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرے اس پہچان کی سبب سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ لیکن اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ اٹھانے والے کے پاس آئے اور اپنا ظرف اور اس کا سر بند پہچان کر اس لقطہ کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ لقطہ اسے دے دینا واجب ہے یا نہیں؟

چنانچہ امام مالک اور امام احمد تو یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ لقطہ اسے کسی گواہی کے بغیر ہی دے دینا واجب ہے کیونکہ ظرف اور اس کے سر بند کی پہچان رکھنے کا یہی مقصد ہے۔

لیکن امام شافعی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کا ظرف اور اس کا سر بند پہچان لے اور اس لقطہ کا وزن یا عدد بتا دے نیز لقطہ اٹھانے والے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ یہ شخص سچا ہے تب وہ لقطہ اس شخص کو دے دینا جائز تو ہے لیکن وہ شخص گواہوں کے بغیر لقطہ اٹھانے والے کو دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں کہا جائے گا کہ ظرف اور سر بند کی پہچان رکھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی سبب سے وہ لقطہ اٹھانے والے کے مال میں اس طرح خلط ملط نہیں ہو جائے گا کہ جب لقطہ کا مالک آئے تو وہ اپنے مال واسباب اور اس لقطہ کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔

ثم عَرِّفها (پھر اس کی تشہیر کرو) کا مطلب یہ ہے کہ جس جگہ وہ لقطہ پایا گیا ہے نہ صرف وہاں بلکہ بازاروں اور مسجدوں میں اور فلاں کے پاس پہنچ کر اس چیز کی تفصیل وعلامات بیان کر کے لے جائے۔

بکری، اونٹ اور گائے کے لقطہ کے جواز کا بیان

وَيَجُوزُ الْتِقَاطُ الشَّاةِ وَالْبَقَرَةِ وَالْبَعِيرِ فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِهِ كَانَ ذَلِكَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا وَإِذَا رَفَعَ ذَلِكَ إِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا أَذِنَ الْحَاكِمُ فِي ذَلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى مَالِكِهَا،

ترجمہ

اور بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا جائز ہے پس جب ملتقط نے ان میں سے کسی پر حاکم کی اجازت کے بغیر کچھ خرید کیا تو

وہ محض احسان کرنے والا ہوگا۔لیکن جب اس نے ان پر حاکم کی اجازت سے کچھ خرچ کیا تو وہ ان کے مالک پر ملتقط کا قرض ہو گا۔اور جس وقت یہ معاملہ حاکم کی خدمت میں کھڑا کیا جائے گا۔تو وہ اس میں غور وفکر کرے گا جب وہ جانور کوئی ایسا ہوگا۔کہ جس سے کوئی نفع حاصل کیا جا سکتا ہو تو وہ اسے کرائے پر دیدے گا اور اس پر اس کی کمائی اجرت ومزدوری سے خرچ کرے گا۔ لیکن جب جانور سے کوئی فائدہ نہ لیا جا سکتا ہو اور یہ خدشہ ہو کہ اس پر خرچ کرنا اس کی قیمت کی تباہی کا طالب ہوگا یعنی اس کی قیمت کو غرق کردے گا تو حاکم اسے فروخت کردے گا اور اس کی قیمت کی حفاظت کا حکم دیدے گا۔لیکن جب اس جانور پر خرچہ کر لینا ہی زیادہ سودمند ہو تو حاکم اس کی اجازت دیدے گا۔اور اس پر خرچہ کو اس کے مالک کے ذمہ قرض بنادے گا،

ہر جگہ پکڑے جانے والے جانوروں کے لقطہ ہونے میں فقہی مذاہب

اونٹ کے موزے، سے مراد اس کے مضبوط وقوی تلوے ہیں کہ وہ راہ چلنے اور پانی گھاس تک پہنچنے اور درندوں سے اپنے آپ کو بچانے کی خوب طاقت رکھتا ہے۔گویا اس ارشاد گرامی میں مشک اور موزے کے ذریعہ انٹ کو اس مسافر سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے ساتھ سامان سفر رکھتا ہے جس کی موجودگی میں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔علماء نے لکھا ہے کہ اس معاملہ میں ہر جانور انٹ کے حکم میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرواہے کی عدم موجودگی میں بھیڑیے وغیرہ کے چنگل میں پھنس کر ضائع وہلاک نہیں ہوتا جس طرح گھوڑا گائے اور گدھا وغیرہ ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک نے اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ جنگل میں اونٹ اور گائے وغیرہ بطور لقطہ نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا۔البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ نہیں پکڑے جا سکتے کیونکہ وہاں ان کے ضائع ہو جانے کا کوئی خدشہ نہیں ہوتا البتہ دیہات اور شہروں میں اگر یہ جانور ملیں تو انہیں بطور لقطہ پکڑنا جائز ہے۔

حنفیہ کے ہاں تمام جانوروں کا التقاط اور تعریف یعنی انہیں بطور لقطہ پکڑنا اور اس کی تشہیر کرنا) لوگوں کے مال کی حفاظت کے پیش نظر ہر جگہ مستحب ہے خواہ جنگل ہو یا آبادی حضرت زید کی اس روایت کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں مذکورہ حکم کہ انٹ کو پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے اس زمانہ میں تھا جب کہ امانتدار اور خیر وبھلائی کے حامل لوگوں ہی غلبہ تھا جس کی سبب سے اگر کسی کا جانور کوئی نہ پکڑتا تھا تو کسی خائن کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا لیکن اب اس زمانہ میں یہ بات مفقود ہے اور امانت ودیانت کے حامل لوگ بہت ہی کم ہیں اس لئے مخلوق خدا کے مال کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ جو جانور جہاں مل جائے اسے بطور لقطہ پکڑ لایا جائے اور اس مالک تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

لقطہ میں بکری پکڑنے کا بیان

اگر کوئی بکری بطور لقطہ تم نے پکڑی اور پھر تم نے اس کی تشہیر کی جس کے نتیجہ میں اس کا مالک آ گیا تو وہ تم سے لے لے گا لیکن اگر تشہیر کے بعد مالک نہ آیا تو پھر وہ بکری تمہاری ہو جائے گی تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو اسی طرح (ولا خيك الا) الخ یا تمہارے

بھائی کی ہے الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری پکڑ لی اور اس کا مالک آ گیا تو وہ اسے لے لے گا اور اگر تم نے نہ پکڑی اور مالک کے ہاتھ لگ گئی تب بھی وہ لے لے گا یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے وہ بکری نہ پکڑی تو تمہارے بجائے کوئی اور تمہارا مسلمان بھائی اسے پکڑ لے گا اور اگر ان میں سے کوئی بھی صورت نہ ہوئی تو پھر بھیڑیا اس بکری کو پکڑ لے گا گویا اس ارشاد کا مقصد اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ اگر کوئی بکری بطور لقطہ ملے تو اسے پکڑ لینا اور مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے تا کہ وہ بکری یوں ہی ضائع نہ ہو اور بھیڑیا وغیرہ اسے نہ کھا لے۔ یہی حکم ہر اس جانور کے بارے میں ہے جو اپنے نگہبان یعنی چرانے والے کی عدم موجودگی میں بھیڑیے کی گرفت میں جانے سے محفوظ نہ رہ سکتا ہو۔

وصول حق تک لقطہ کو روکنے کا بیان

فَإِذَا حَضَرَ الْمَالِكُ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَمْنَعَهُ مِنْهَا حَتَّى يَأْخُذَ النَّفَقَةَ مِنْهُ وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ وَادَّعَى أَنَّ اللُّقَطَةَ لَهُ لَمْ تُدْفَعْ إِلَيْهِ حَتَّى يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ فَإِنْ أَعْطَى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَدْفَعَهَا إِلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذَلِكَ فِي الْقَضَاءِ

وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ عَلَى غَنِيٍّ وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا فَلَا بَأْسَ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا وَيَجُوزُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا إِذَا كَانَ غَنِيًّا عَلَى أَبِيهِ وَابْنِهِ وَزَوْجَتِهِ إِذَا كَانُوا فُقَرَاءَ

ترجمہ

پھر جب اس کا مالک آئے تو ملتقط کو اپنا خرچہ وصول کر لینے تک اس جانور کو اس کے مالک سے روک رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور گری پڑی چیز چاہے حرم شریف کی ہو یا غیر حرم کی برابر ہوگی۔ جب کوئی آدمی آیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز لقطہ شئے) میری ہے۔ تو اس کے کوئی گواہ قائم کرنے تک وہ چیز اسے نہیں دی جائے گی۔ پس جب وہ اس لقطہ کی کوئی علامت واضح کر دے تو ملتقط کے لئے وہ لقطہ اس آدمی کو دے دینا حلال ہوگا۔ لیکن یہ فیصلہ کرنے میں اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور وہ لقطہ کو کسی امیر کبیر آدمی پر صدقہ نہیں کر سکتا۔ جب ملتقط خود ہی مالدار ہو تو اس کیلئے بھی اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا لیکن جب وہ مفلس ومحتاج ہو تو اس صورت میں اس کے اس چیز سے فائدہ اٹھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔ جب ملتقط کوئی صاحب امارت آدمی ہو تو اس کیلئے لقطہ کو اپنے باپ، بیٹے، ماں اور بیوی پر'' جبکہ وہ محتاج ہوں'' صدقہ کر دینا جائز ہوگا۔

لقطہ اٹھانے والے کا مثل مزدور ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا، ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام اور میری سوگند کے ذریعے کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا دوسرا وہ شخص ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری

پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی)۔
(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 204)

اس حدیث میں ایسے تین اشخاص کی نشان دہی کی گئی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا خاص طور سے نشانہ ہوں گے ان میں سے پہلا شخص تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر یعنی اس کی قسم کھا کر کوئی عہد ومعاہدہ کرتا ہے اور پھر اس کو توڑ ڈالتا ہے یوں تو عہد معاہدہ کی پاسداری بہر صورت ایک ضروری چیز ہے کیونکہ انسان کی شرافت وانسانیت کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ جو عہد و ... کے نام پر کیا جاتا ہے تو پھر اس کی تکمیل کہیں زیادہ ضروری ہو جاتی ہے اس لیے جو شخص اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد ومعاہدہ کو توڑتا ہے وہ بجا طور پر غضب خداوندی کا مستحق ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو بیچ ڈالے شرف انسانی کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان اپنے ہی جس طرح ایک دوسرے آزاد انسان کو ایک بازاری مال بنادے اور اس کی کی خرید وفروخت کرے چنانچہ ایسے شخص کو بھی قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اس بارے میں یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں اس کا مول کھانے کی قید محض زیادتی تنبیہ کے لئے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی آزاد انسان کو فروخت کرنا ہی ایک بڑے گناہ کی بات ہے خواہ اس کا مول کھائے یا نہ کھائے۔ اگر اس کا مول نہیں کھائے گا تب بھی گنہگار ہوگا اور اس وعید میں داخل ہوگا۔

تیسرا شخص وہ ہے جو کسی مزدور کو اپنے کسی کام کی تکمیل کے لئے مزدوری پر لگائے اور اپنا وہ کام پورا کرانے کے بعد اس کی مزدوری نہ دے یہ ایک انتہائی قابل نفریں فعل ہے کسی شخص کی محنت اس کی زندگی کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتا ہے جس کو حاصل کر کے اس کی اجرت نہ دینا شیوۂ انسانیت کے خلاف ہے یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کوئی غریب اپنا پیٹ بھرنے کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کر کے کسی کے یہاں محنت کرائی مگر اس کی محنت کی اجرت اسے نہ دی جائے چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں بھی کہ جو مزدور کی نہ دے اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی دی ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن اپنے اس انسانی ظلم کی ضرور سزا پائے گا۔

لقطہ اٹھانے والے کے مالک بننے میں فقہی مذاہب

(فان جاء صاحبها والا فشانك بها) کا مطلب یہ ہے کہ لقطہ کی تشہیر کے بعد اگر اس کا مالک آجائے تو اسے وہ لقطہ دیدیا جائے اگر اس مالک کے ساتھ گواہ بھی ہوں جو اس کے دعویٰ کی ملکیت کی گواہی دیں تو لقطہ اٹھانے والے پر یہ واجب ہوگا کہ وہ اسے لقطہ دیدے اور اگر گواہ نہ ہوں گے تو پھر دے دینا واجب نہیں جائز ہوگا جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی گئی۔ اور اگر مدت تشہیر گزر جانے کے بعد اس لقطہ کا مالک نہ آئے تو پھر لقطہ اٹھانے والا اس لقطہ کو اپنے استعمال میں لے آئے۔ اس سے گویا یہ معلوم ہوا کہ لقطہ اٹھانے والا اصل مالک کے نہ آنے کی صورت میں اس لقطہ کا خود مالک بن جاتا ہے خواہ وہ مالدار ہو یا مفلس ہو۔

چنانچہ اکثر صحابہ اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے لیکن بعض صحابہ کا قول یہ ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا خود مالدار ہو تو وہ اس

لقطہ کا مالک نہیں بنتا بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اس لقطہ کو فقراء ومساکین کو بطور صدقہ دیدے۔
چنانچہ حضرت ابن عباس سفیان ثوری ابن المبارک اور حنفیہ کا یہی قول ہے نیز اس بارے میں یہ بھی حکم ہے کہ اگر صدقہ کر دینے کے بعد مالک آئے تو اسے یہ اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ اس صدقہ کو برقرار رکھے اور اس کے ثواب کا حصہ دار بن جائے اور چاہے تو لقطہ اٹھانے والے یا اس مفلس سے کہ جس کو وہ لقطہ بطور صدقہ دے دیا گیا تھا تاوان لے لے جبکہ وہ چیز ہلاک وضائع ہوگئی ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے جو بھی تاوان دے گا وہ دوسرے سے کوئی مطالبہ نہیں کرسکتا یعنی اگر لقطہ اٹھانے والے نے تاوان دیا تو اسے مفلس سے کوئی مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اگر مفلس سے تاوان لیا تو وہ لقطہ اٹھانے والے سے کوئی مطالبہ نہیں کرسکتا ہاں اگر وہ لقطہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو بلکہ جوں کا توں موجود ہو تو وہی لے لے گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ مالک کو تاوان لینے کا حق اسی صورت میں پہنچے گا جب کہ وہ لقطہ ہلاک وضائع ہوگیا ہو اور اگر وہ ہلاک وضائع نہ ہوا ہو تو پھر وہی لینا ہوگا۔ شرح وقایہ کے بعض حواشی میں نہایہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ تشہیر کے بعد لقطہ کو صدقہ کر دینا جائز ہے لیکن اسے رکھ چھوڑنا عزیمت ہے۔
اونٹ کی مشک " سے مراد اس کا پیٹ ہے یعنی انٹ کا پیٹ مشک کی طرح ہوتا ہے جس میں اتنی رطوبت رہتی ہے جو اس کو بہت دنوں تک بغیر پانی کے رکھ سکتی ہے چنانچہ انٹ کئی روز تک پیاس کو برداشت کر لیتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں میں یہ چیز نہیں ہوتی۔ اس بارے میں مشہور ہے کہ انٹ پندرہ روز تک اپنی پیاس برداشت کر لیتا ہے۔

•••-----•••-----•••

كِتَابُ الْخُنْثَى

﴿یہ کتاب خنثیٰ کے بیان میں ہے﴾

خنثیٰ سے متعلق احکام کا بیان

إِذَا كَانَ لِلْمَوْلُودِ فَرْجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثَى فَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ ، وَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ أُنْثَى ، وَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنْهُمَا وَالْبَوْلُ يَسْبِقُ مِنْ أَحَدِهِمَا يُنْسَبُ إِلَى الْأَسْبَقِ وَإِنْ كَانَا فِي السَّبْقِ سَوَاءً فَلَا مُعْتَبَرَ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُنْسَبُ إِلَى أَكْثَرِهِمَا فَإِذَا بَلَغَ الْخُنْثَى وَخَرَجَ لَهُ لِحْيَةٌ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِي ثَدْيِهِ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ الْوُصُولُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ امْرَأَةٌ فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ إِحْدَى هَذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثَى مُشْكِلٌ فَإِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْإِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَتُبَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ ابْتَاعَ لَهُ الْإِمَامُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ أَمَةً تَخْتِنُهُ فَإِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا الْإِمَامُ وَرَدَّ ثَمَنَهَا فِي بَيْتِ الْمَالِ فَإِنْ مَاتَ أَبُوهُ وَخَلَّفَ ابْنًا وَخُنْثَى فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ لِلِابْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثَى وَهُوَ ابْنَةٌ عِنْدَهُ فِي الْمِيرَاثِ إِلَّا أَنْ يَتَبَيَّنَ غَيْرُ ذَلِكَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لِلْخُنْثَى نِصْفُ مِيرَاثِ رَجُلٍ وَنِصْفُ مِيرَاثِ أُنْثَى وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِيِّ وَاخْتَلَفَا فِي قِيَاسِ قَوْلِهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ الْمِيرَاثُ بَيْنَهُمَا عَلَى اثْنَيْ عَشَرَ لِلِابْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثَى خَمْسَةٌ

ترجمہ

جب کسی کے پیدا ہونے والے بچے کی فرج بھی ہو اور اس کا ذکر بھی ہو۔ تو وہ بچہ مخنث ہے۔ اب جب تو ذکر سے پیشاب کرے تو لڑکا ہوگا۔ جب فرج سے کرے تو وہ لڑکی ہوگی۔ لیکن جب وہ ان دونوں سے پیشاب کرتا ہو تو ان دونوں میں سے جس سے پیشاب پہلے باہر آتا ہو۔ اس بچے کی نسبت اس کی طرف ہی کی جائے گی۔ جب ان دونوں سے ایک ساتھ ہی پیشاب باہر آتا ہو تو اس صورت میں پھر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کثرت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان میں سے جس سے زیادہ پیشاب نکلتا ہوگا۔ بچے کی نسبت اس کی طرف ہی کی جائے گی۔ جب ہیجڑہ بالغ ہو گیا اور

اس کی ڈاڑھی نکل آئی یا وہ کسی عورت تک جا پہنچا (یعنی اس نے اس عورت سے مجامعت کر لی) تو وہ مرد شمار ہوگا۔ اور جب عورت کی طرح اس کے پستان ظاہر ہو گئے یا اس کے پستانوں میں دودھ اتر آیا یا اسے حیض آ گیا یا حمل ٹھہر گیا یا سامنے کی جانب سے اس تک رسائی (اس سے صحبت کرنا) ممکن ہوگئی تو وہ عورت ہوگی۔ پس جب ان مذکورہ علامتوں میں سے اس کے لئے کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی تو وہ خنثیٰ مشکل ہوگا۔

خنثیٰ سے متعلق بعض مسائل کا بیان

خنثیٰ جب امام کے پیچھے نماز کے لئے اٹھے گا تو وہ مردوں اور عورتوں کی صفوں کے درمیان کھڑا ہوگا۔ جب اس ہیجڑے کا کوئی مال ہو تو اس کے مال سے ایک لونڈی خریدی جائے گی۔ جو کہ اس کا ختنہ کرے گی۔ پس جب ہیجڑے کا مال نہ ہو تو پھر امام سرکاری خزانے سے اس کے لئے لونڈی خرید لے گا۔ پس جس وقت اس کا ختنہ کر لے گی تو وہ امام پھر اس لونڈی کو فروخت کر کے اس کی قیمت واپس سرکاری خزانے میں لوٹا دے گا۔ جب ہیجڑے کا باپ فوت ہو گیا اس حال میں کہ اس نے اپنے پیچھے ایک لڑکا ایک ہیجڑہ چھوڑا ہو تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس آدمی کا مال ان دونوں کے درمیان تین حصوں پر تقسیم ہو گا۔ وہ اس طرح کہ لڑکے کے لئے دو حصے ہوں گے اور ہیجڑے کے لئے ایک حصہ ہوگا۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیجڑہ معاملہ میراث میں عورت شمار ہوگا۔ مگر یہ کہ جب وہ اس کے علاوہ کچھ اور ثابت ہو جائے (تب عورت شمار نہ ہو گا) صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہیجڑے کو نصف حصہ مذکر کی میراث کا اور نصف حصہ مؤنث کی میراث کا ملے گا۔ امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی قول ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کا امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے قیاس (یعنی اس کی تخریج) میں اختلاف ہے۔ مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اس آدمی کا مال ان دونوں کے درمیان سات حصوں پر تقسیم ہوگا۔ اس طرح کہ چار حصے لڑکے کے لئے اور ہیجڑے کیلئے تین حصے ہوں گے۔ جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اس کا مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا اور وہ اس طرح کہ سات حصے لڑکے کے لئے اور باقی پانچ حصے ہیجڑے کے لئے ہوں گے۔

•••------•••------•••

كِتَابُ الْمَفْقُوْدِ

﴿یہ کتاب مفقود آدمی کے بیان میں ہے﴾

کتاب مفقود کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے کتاب لقیط ولقطہ کے بیان کے سبب اس کی فقہی مطابقت تو واضح ہے۔ کیونکہ مفقود آدمی کا بیان یہاں سے ہونا مناسب تھا۔ اور مفقود فقد سے مشتق ہے لغت میں اس کو اضداد کہتے ہیں جس طرح کہا جاتا ہے کہ "فَقَدْتُ الشَّیْءَ" یعنی چیز گم ہوگئی ہے اور اسی طرح وفقدتہ یعنی وہ مل گئی ہے اور مفقود میں یہ دونوں معانی ثابت ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اہل سے گم ہو چکا ہے اور وہ یعنی اس کے گھر والے اس کی تلاش میں ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۹۰ بیروت)

کتاب المفقود کے شرعی ماخذ کا بیان

امام دارقطنی اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مفقود کی عورت جب تک بیان نہ آجائے (یعنی اُسکی موت یا طلاق نہ معلوم ہو) اُسی کی عورت ہے۔

("سنن الدارقطنی"، کتاب النکاح، رقم الحدیث ۳۸۰۶)

امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مفقود کی عورت کے متعلق فرمایا: کہ وہ ایک عورت ہے جو مصیبت میں مبتلا کی گئی، اُس کو صبر کرنا چاہیے، جب تک موت یا طلاق کی خبر نہ آئے۔

(مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۱۲۳۷۸)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے، کہ اُس کو ہمیشہ انتظار کرنا چاہیے اور ابوقلابہ و جابر بن یزید و شعبی و ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

(فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۹۲)

گمشدہ آدمی کے بارے میں احکام کا بیان

إِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَمْ يُعْلَمْ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِي مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُومُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِي حُقُوقَهُ وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ مِنْ مَالِهِ وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ فَإِذَا

تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً مِنْ يَوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ وَاعْتَدَّتْ امْرَأَتُهُ وَقُسِمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُودِينَ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذَلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُودُ مِنْ أَحَدٍ مَاتَ فِي حَالِ فَقْدِهِ

ترجمہ

جب کوئی آدمی اس طرح سے گم ہوگیا ہو کہ اس کی کوئی جگہ معلوم نہ ہو۔ اور نہ ہی یہ علم ہو کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہوگیا ہے۔ تو حاکم اس کے مال کی حفاظت کے لئے کسی آدمی کو مقرر کر دے گا اور وہ اس کا اہتمام کرے گا۔ اور اس آدمی کے حقوق جو لوگوں کے ذمہ ہوں انہیں وہ وصول کرے گا۔ اور اس کے مال سے ہی وہ اس مفقود کے بیوی بچوں کے اخراجات چلائے گا۔ جبکہ قاضی گم شدہ اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی' تفریق نہیں کرائے گا۔ پھر جب اس گم شدہ آدمی کی پیدائش کے دن سے لے کر کے ایک سو بیس سال گزر جائیں گے۔ تو اب ہم اس کی موت کا حکم جاری کر دیں گے۔ اب اس کی بیوی عدت گزارے گی اور اس وقت اس کی بیوی اور اس کے ورثاء جو موجود ہوں گے اس مفقود کا مال ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور جو ان میں سے اس امر سے قبل ہی وفات پا گیا تھا تو وہ کسی چیز کا بھی وراث نہ ہوگا۔ اور گم شدہ آدمی کسی دوسرے گم شدہ آدمی کی گمشدگی حالت میں ہی اس کے فوت ہو جانے سے اس کا وارث نہیں بنتا۔

مفقود پر عیال کے نفقہ کے وجوب کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مفقود پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہے یعنی اُسکی زوجہ کے سبب اور اصول و فروع اُن کو نفقہ اُسکے مال سے دیا جائے گا یعنی روپیہ اور اشرفی یا سونا چاندی جو کچھ گھر میں ہے یا کسی کے پاس امانت یا دَین ہے ان سے نفقہ دیا جائے اور نفقہ کے لیے جائداد منقولہ یا غیر منقولہ بیچی نہ جائے ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو قاضی اُسے بیچ کر ثمن محفوظ رکھے گا اور اب اس میں سے نفقہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ (ردمحتار، کتاب مفقود)

قاضی نے جس کو وکیل کیا ہے اُسکا صرف اتنا ہی کام ہے کہ قبض کرے اور حفاظت میں رکھے مقدمات کی پیروی نہیں کرسکتا یعنی اگر مفقود پر کسی نے دَین یا ودیعت کا دعویٰ کیا یا اُسکی کسی چیز میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ وکیل جوابدہی نہیں کرسکتا اور نہ خود کسی پر دعویٰ کرسکتا ہے ہاں اگر ایسا دَین ہو جو اس کے عقد سے لازم ہوا ہو تو اس کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ (درمختار)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مفقود کا مال جسکے پاس امانت ہے یا جس پر دَین ہے یہ دونوں خود بغیر حکم قاضی ادا نہیں کرسکتے اگر امین نے خود دیدیا تو تاوان دینا پڑیگا اور مدیون نے دیا تو دَین سے بَری نہ ہوا بلکہ پھر دینا پڑیگا۔

(بحرالرائق، کتاب مفقود، ج ۶، ص ۲۵۰)

گم شدہ شوہر کی بیوی کے لئے حکم فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

جہاں تک دوسرے مسئلہ کا معاملہ ھے وہ یہ کہ "شوھر، بیوی کو چھوڑ کر اتنی دور چلا جائے کہ اس کا پتہ نہ چلے یا گم ہو، یا طویل مدت کے لئے اسیری میں ہو، ان اسباب کی بنا پر طلاق دلوانا، "ایسا غائب ہونا کہ پتہ نہ چلے" کا مطلب یہ ھیکہ، کسی کو اس کی موجودگی کا علم نہ ہو، کہ کہاں ہے، اس کی کوئی خبر نہ ہو، حتی کہ یہ تک پتہ نہ ہو کہ زندہ ھے یا فوت ہو گیا، اور جب اس کے زندہ یا مردہ ہونے کی خبر نہیں تو جگہ جاننے کا کوء اعتبار نہیں، جس طرح کہ کوء گم شدہ ہو، برخلاف اس صورت کے، کہ جسمیں غائب ہونیوالے کے حالات گھر والوں تک پہنچتے رہتے ہیں، (تو اس صورت میں طلاق مانگنے کا حق بیوی کو حاصل نہیں رھے گا)۔

اس دفعہ نے ذکر کیا ھیکہ اسطرح کا غائب ہو جانا، ایسا سبب ھے جسکی بنا پر عورت کو اس شرط پر طلاق لینے کا حق مل جاتا ھے کہ شوھر نے کچھ عینی مال نہ چھوڑا ہو، کہ جس سے وہ خرچ چلا سکے، یا مال تو ہو، مگر دوری و جداء کی وجیہ سے اسے اذیت ہو رہی ھے، آئین کی یہی پسند، مالکی اور حنبلی حضرات کا مذھب ھے، سبب اس کی یہ ھیکہ اسمیں نقصان صاف نظر آ رھا ھے، اور قرآنی حکم "بھلاء سے روکے رکھو" پر عمل بھی نہیں ہو رھا ھے، جسکے لئے اس آئین نے کافی دلیلیں پیش کی ہیں۔

علیحدگی کے لئے بیوی کو کتنی مدت درکار؟

فقہ اسلامی میں گم شدہ کے انتظار کی جو مدت مناسب سمجھی گ ء ھے وہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش ہونے سے چار سال تک کی مدت ھے ان چار سالوں کے گذر جانے کے بعد، اگر شوھر کے باحیات ہونیکا یقین نہ ہو، تو پھر بیوی متوفی شوھر کی عدت گذارے گی، اس مدت کی ترجیح میں سلامتی، یا ھلاکت کے کسی عمومی معیار کو سامنے نہیں رکھا گیا ھے، بلکہ گم شدہ شخص کی بیوی کے لئے اس مدت تک انتظار کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ کے فیصلہ کو دلیل بناتے ہوئے، گمشدگی کے تمام حالات میں اسی محدود مدت کا اعتبار کیا گیا ہے(30)، نیز یہ مدت، گم شدہ کی حالت کی تاکید کے لئے معقول حد تک مناسب مہلت دیتی ھے، تاکہ اگر زندگی کا یقین نہ ہو تو انتقال کو ترجیح دیجائے۔

بعض اسلامی ممالک کے عائلی قوانین، گم شدگی کیا سباب کی بنا پر اس مدت کی تحدید میں کسی قدر تفصیل سے کام لیتے ہیں جسمیں ہلاکت کا یقین ہو، یا صحیح سالم ہونیکا، خواہشمند حضرات ان قوانین کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

جہاں تک موجودہ دفعہ میں مذکور اسیر (قیدی) شخص کا مسئلہ ھے، تو اس کی زندگی اور موت کا مسئلہ تو واضح ھے، البتہ حالت اسیری میں ہونیکی بنا پر جبرا، بیوی سے دور ھے، چنانچہ اس کا حال اس غائب شخص کیطرح ھے، جسکا حال معلوم ہو، اس کے باوجود اس کا حکم بنا عذر کے غائب شخص جیسا ہوگا، اور اس کی اسیری کو عذر بھی نہیں سمجھا جائے گا، اسلئے کہ اس کو اپنے جرم کی بنا پر جیل کی سزا ہوء ھے۔

امام مالک اور امام احمد کا خیال ھیکہ اگر شوھر، بغیر کسی عذر کے طویل مدت کے لئے غائب ہو جائے، اور اس کی عدم موجودگی، بیوی کے لئے نقصان دہ ثابت ہو رہی ہو، نیز گناہ میں مبتلا ہونیکا اندیشہ ہو، تو اس کو طلاق مانگنے کا حق ھے، چاھے اس کے پاس خرچ

کے لئے مال ہو یا نہ ہو، یہی حال بڑی مدت کے لئے اسیر شخص کا ہے۔

پھر اس کے بعد ان لوگوں میں طویل مدت کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا، امام مالک کا کہنا ھیکہ یہ ایک سال ھے، جبکہ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ چھ مہینے ہیں، اور حضرت عمر (رض) سے مروی اثر انکی دلیل ھے، جسمیں آپ نے بیوی سے شوہر کی دوری کی زیادہ سے زیادہ مدت، چھ مہینے مقرر کی ھے، (صحیح اثر، بیھقی، عبدالرزاق)۔

بعض اسلامی ممالک نے اپنے قیدیوں کے لئے اپنی بیویوں کے ساتھ خلوت کا نظام شروع کیا ہے، جہاں قیدی اپنی بیوی کے ساتھ، بطور خلوت شرعی کے تنہا وقت گذار سکتا ھے، اگر ایسا ہو تو پھر بظاہر، قیدی کی بیوی کو طلاق مانگنے کا حق نہیں ھے، جبکہ بیوی کے پاس شوہر کا کچھ مال ہو جس سے وہ خرچ کر سکتی ہو۔

شوہر کی دوری کی بنا پر علاحدگی اگر قاضی کروائے، تو حنبلی مذھب میں یہ علاحدگی بطور فسخ کے سمجھی جائے گی، جبکہ مالکی مذھب میں یہ علیحدگی، طلاق بائن شمار ہوگی نہ کہ فسخ۔ (المغنی، 4877/1)

مفقود الخبر شوہر کے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

اول یہ کہ اگر مفقود الخبر کا نکاح فسخ کر دیا جائے، اس نے دوسرا نکاح کر لیا پھر اس کا شوہر اوّل واپس آجائے تو اب وہ عورت کس کی زوجیت میں رہے گی؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ شوہر اول کی بیوی سمجھی جائے گی اور اسی کی طرف واپس کر دی جائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر ثانی کے دخول سے پہلے شوہر اوّل آجائے تب تو بیوی شوہر اوّل کی طرف لوٹائی جائے گی اور اگر اس کے بعد آیا تو شوہر اول کا اس پر کوئی حق نہیں ہوگا۔

(المیزان الکبریٰ، رحمۃ الامۃ)

جب کہ ربیعۃ الرای کے نزدیک جب قاضی نے شوہر اول کا نکاح فسخ کر دیا تو اب شوہر ثانی کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔ (المحلی) اس سلسلے میں حقیر کی رائے یہ ہے کہ اس ذیل میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے زیادہ قابل قبول ہے اور یہ اس صورت میں جب کہ مفقود الخبر شخص کوئی ایسی جائیداد چھوڑ کر گیا ہو، جس سے عورت کا نفقہ ادا ہو جاتا ہو۔ اگر شوہر نے نفقہ نہیں چھوڑا اور عدم نفقہ کی بنیاد پر نکاح فسخ ہوا ہو تو چوں کہ عدم نفقہ کی بنیاد پر تفریق فقہاء کے نزدیک طلاق بائن کے حکم میں ہے، اس لیے عورت کا دوسرا نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، شوہر اول کا اب اس عورت پر کوئی حق نہیں۔

مفقود الشوہر بیوی کے نکاح ثانی کے حکم میں مذاہب اربعہ

جس عورت کا مرد پانچ سال سے زیادہ تک نامعلوم و بے نشان ہے تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ دوسرا شوہر کر لیوے۔ امام مالک شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ بیچ ایک قول کے فرماتے ہیں کہ "جب گزر جائیں چار برس تو تفریق کرا دے درمیان میں ان دونوں کے قاضی، بعد اس کے نکاح کریں زوج ثانی سے۔" اور غرض مستفسر کی یہ ہے کہ بر تقدیر جائز ہونے اس مسئلہ کے فسخ نکاح کی کیوں کر قاضی سے کرا دی جائے، اس زمانہ پُر آشوب میں بباعث حکام غیر مذہب کے احکام قاضی کے بالکل مسدود

ہوگئے ہیں پس ایسے وقت میں طریقہ اُس کے فسخ کرنے نکاح کے کیونکر عمل میں لائی جائے گی۔ دوسرے() یہ کہ بعد فسخ کرادینے نکاح قاضی کے، آیا اس کے لئے کوئی عدت طلاق یا وفات کی کرنا چاہئے یا کہ بغیر عدت کے نکاحِ ثانی کرلے۔ تیسرے() یہ کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت بعض مسئلوں میں امام شافعی وامام مالک کے قول پر عمل کرے تو اس صورت میں اس شخص کو ہمیشہ کے لئے کل مسئلوں میں اس امام کی تقلید لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ چوتھے() یہ کہ حنفیہ بھی اس فتوے کے موافق فتویٰ دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ہمارے مذہب میں وہ نکاح نہیں کرسکتی جب تک شوہر کی عمر سے ستر ۷۰ سال گزر کر اس کی موت کا حکم نہ دیا جائے اس وقت وہ بعد عدّتِ وفات نکاح کرسکے گی یہی مذہب امام احمد کا ہے اور اسی طرف امام شافعی نے رجوع فرمائی، امام مالک کہ چار سال مقرر فرماتے ہیں وہ اس کے گم ہونے کی دن سے نہیں بلکہ قاضی کے یہاں مرافعہ کے دن دے سے خود امام مالک نے کتاب مدونہ میں تصریح فرمائی کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس ۲۰ برس گزر چکے ہوں اُن کا اعتبار نہیں، ادعائے ضرورت کا علاج تو اُن کے یہاں بھی نہ نکلا، آج تک تو جتنا زمانہ گزرا بیکار ہے اب قاضی شرع اگر ہو بھی اور اسکے یہاں مرافعہ کیا جائے اور وہ شوہر کا مفقود الخبر ہونا تصدیق کرے اُس کے بعد چار برس کی مہلت دے اور پھر اب تک مفقود رہنا تحقیق کرے اُس کے بعد تفریق کرے اور عورت عدّت بیٹھے یہ ممتد زمانہ بے شوہر اور بے نان نفقہ کے کیسے گزرے گا، مذہب بھی چھوڑا اور کال بھی نہ کٹا، لہٰذا وہ کرے جو امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **هی امرأة ابتليت فلتصبر حتى يأتيها موت او طلاق .**

یہ ایک عورت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بلا میں مبتلا فرمایا ہے اس پر لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ شوہر کی موت یا طلاق ظاہر ہو۔ مصنفِ عبدالرزاق، رقم الحدیث، ۱۲۳۳۲) ضرورت صادقہ کے وقت جو کسی مسئلہ میں ائمہ ثلثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اس مسئلہ میں اس کے مذہب کی رعایت امورِ واجبہ میں ضرور ہوگی، دیگر مسائل میں اپنے امام ہی کی تقلید کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، باب طلاق، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفقود آدمی کی وصیت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مفقود کے لیے کوئی شخص وصیت کرکے مرگیا تو مالِ وصیت محفوظ رکھا جائے اگر آگیا تو اسے دیدیں ورنہ موصی کے ورثہ کو دیں گے اس کے وارث کو نہیں ملے گا۔ مفقود اگر کسی وارث کا حاجب ہو تو اُس محجوب کو کچھ نہ دیں گے بلکہ محفوظ رکھیں گے مثلاً مفقود کا باپ مرا تو مفقود کے بیٹے محجوب ہیں اور اگر مفقود کی سبب سے کسی کے حصہ میں کمی ہوتی ہے تو مفقود کو زندہ فرض کرکے سہام نکالیں پھر مردہ فرض کرکے نکالیں دونوں میں جو کم ہو وہ موجود کو دیا جائے اور باقی محفوظ رکھا جائے۔ (درمختار، کتاب مفقود، بیروت)

كِتَابُ الْإِبَاقِ

﴿یہ کتاب اباق کے بیان میں ہے﴾

کتاب اباق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب نہایہ علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ لقیط، لقطہ، اباق اور مفقود یہ ایسی کتابیں جو ایک دوسرے ملتی جلتی ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں زوال وہلاکت کا اندیشہ ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸، ص، ۲۳۵ بیروت)

مفرور غلام کے احکام کا بیان

إِذَا أَبَقَ الْمَمْلُوكُ فَرَدَّهُ رَجُلٌ عَلَى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلٌ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا وَإِنْ كَانَ رَدَّهُ مِنْ أَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ فَبِحِسَابِهِ وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهُ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا قُضِيَ لَهُ بِقِيمَتِهِ إِلَّا دِرْهَمًا وَإِنْ أَبَقَ مِنَ الَّذِي رَدَّهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَيَنْبَغِي أَنْ يُشْهِدَ إِذَا أَخَذَهُ أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِيَرُدَّهُ عَلَى مَوْلَاهُ وَإِنْ كَانَ الْآبِقُ رَهْنًا فَالْجُعْلُ عَنِ الْمُرْتَهِنِ

ترجمہ

جب کوئی نوکر غلام بھاگ گیا تھا۔ پھر کوئی آدمی اس غلام کو تین دن یا اس سے زیادہ مدت کی دوری سے پکڑ کر کے اسے اس کے مالک کے پاس لے آیا۔ تو اس غلام کے مالک کو لانے والے آدمی کی محنت کا اجر دینا ہوگا۔ اور وہ اجر و مزدوری چالیس درہم ہوں گے۔ جب لانے والا آدمی غلام کو تین دن سے کم مدت کی مسافت سے واپس لایا تھا۔ تو اس صورت میں اسی حساب کے ساتھ اس کی اجرت دینا ہوگی جب اس غلام کی قیمت چالیس درہم سے تھوڑی ہو تو لانے والے آدمی کے لئے اس غلام کی قیمت کے مقابلے میں صرف ایک درہم کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ لیکن جب وہ کہ جو اس بھاگے ہوئے غلام کو واپس لا رہا تھا۔ اس سے بھی وہ غلام بھاگ گیا۔ تو اس آدمی پر کچھ بھی لازم نہ آئے گا اور نہ ہی اس صورت میں اس کی خاطر کوئی اجرت ہوگی۔ اور اس امر میں بات یہ مناسب رہتی ہے کہ بھگوڑے غلام کو پکڑنے والا اس بات پر گواہ بنا لے کہ میں اس غلام کو اس کے مالک تک پہنچانے کے لئے پکڑ رہا ہوں۔ جب بھاگنے والا غلام گروی میں تھا تو لانے والے کی مزدوری مرتہن اس پر ہوگی۔

شرح: حضرت سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "جب غلام فرار ہو جائے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ یہ صحیح احادیث ہیں۔ اس کی سبب یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرنے

اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرنے کے جو احکام جاری فرمائے تھے، اس کے بعد کسی غلام کو فرار ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جو غلام آزادی کا طالب ہوتا، وہ اپنے آقا سے مکاتبت کر سکتا تھا اور اس کی رقم کی ادائیگی کے لئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کر سکتا تھا۔ جس غلام کو آزادی کی خواہش نہ ہوتی، اس کے حقوق کی ادائیگی اس کے آقا کے ذمہ تھی۔ حکومت کا یہ فرض تھا کہ وہ غلاموں کو ان کے حقوق دلوائے۔ ان حالات میں غلام اگر فرار ہوتا تو اس کا اس کے سوا اور کوئی معنی نہ تھا کہ وہ مسلم کمیونٹی میں رہنا نہیں چاہتا۔ ایسی صورت میں مسلم کمیونٹی اس کی ذمہ داریوں کی پابند کس طرح سے ہو سکتی ہے۔ اس تفصیل کو مدنظر رکھا جائے تو غلام کے لئے فرار ہونے کی یہ ممانعت بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔

غلام کے لئے بھاگنے کی ممانعت اور آقا کی خدمت کرنے میں اجر کا بیان

حضرت سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک بخت غلام کے لیے جو کسی کی ملکیت میں ہو دوہرا ثواب ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور حج اور ماں کے ساتھ احسان کرنا نہ ہوتا تو میں پسند کرتا کہ کسی کا غلام ہو کر مروں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس لونڈی ہو اور اس کو اچھی طرح پر ادب سکھائے اور اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا اور جس غلام نے اللہ کا حق اور اپنے مالکوں کا حق ادا کیا تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2398)

امانت کے ضیاع پر ضمان میں مذاہب اربعہ

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد (صفوان) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی جنگ کے دن ان (صفوان) سے کئی زرہیں عاریۃً لیں انہوں نے پوچھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ زرہیں غصب کے طریقہ پر لے رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ عاریۃً لے رہا ہوں جو کہ واپس کر دی جائیں گی (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 175) غزوۂ حنین کے موقع پر جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ زرہیں صفوان سے مستعار لیں تو چونکہ صفوان اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہیں تھے اسی لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہیں دیتے ہوئے جو سوال کیا وہ بظاہر حد ادب سے گرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں صفوان اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے رضی اللہ عنہ۔ حضرت شریح، حضرت نخعی حضرت سفیان ثوری اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ جو چیز مستعار لی جاتی ہے وہ مستعار لینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے کہ اگر وہ تلف و ضائع ہو جائے تو اس کا بدلہ دینا واجب نہیں ہوتا ہاں اگر مستعار لینے والا اس چیز کو قصداً ضائع کر دے تو پھر اس پر اس چیز کا بدل واجب ہوتا ہے لیکن حضرت ابن عباس حضرت ابوہریرہ حضرت امام شافعی اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ اگر وہ چیز ضائع و تلف ہو جائے تو مستعار لینے والے پر اس کا بدل یعنی اس چیز کی قیمت ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات کے نزدیک لفظ مضمونہ جو واپس کر دی جائیں گی کے یہ معنی ہیں تلف ہو جانے کی صورت میں ان کا بدل ادا کیا جائے گا۔

كتاب إحياء الموات

﴿یہ کتاب احیاء موات کے بیان میں ہے﴾

کتاب احیاء اموات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے قبل کتاب اباق کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے کتاب احیاء اموات کو بیان کررہے ہیں۔ ان کتب کی آپس میں مطابقت کے بارے میں شارحین ہدایہ نے کہا ہے کہ جس طرح بھاگنے میں مکروہ ہونے کے احکام کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح اس میں بھی مکروہ سے متعلق احکام کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ اس مناسبت کا علامہ عینی علیہ الرحمہ نے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کچھ نہیں ہے کیونکہ مکروہ وغیر مکروہ احکام ہر کتاب میں بیان کیے جاتے ہیں اور اس کی صحیح مناسبت یہ ہے کہ اس میں موات کا بیان ہے اور موات ناقابل انتفاع ہیں جبکہ کراہیت میں سونے چاندی کو بیان کیا گیا ہے۔ جو زیوارت میں استعمال ہونے کے سوا وہ بھی قابل اُنتفاع نہیں ہیں۔ پس عدم انتفاع کے سبب کتاب اباق اور کتاب احیاء اموات میں مطابقت پائی جارہی ہے۔ پس اسی لئے ان دونون کتب کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔

(العنایہ شرح الہدایہ، کتاب احیاء اموات، حقانیہ ملتان)

کتاب احیاء موات کے شرعی ماٴخذ کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی ایسی افتادہ و بنجر زمین کو آباد کرے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ آباد کرنیوالا شخص ہی اس زمین کا سب سے زیادہ حق دار ہے حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے اپنی خلافت کے دور میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 212)

حضرت عروۃ کے یہ الفاظ کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں یعنی پانی گھاس اور آگ ایسی ہیں جن میں تمام مسلمان شریک ہیں (ابوداؤد وابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 218)

اس حدیث میں خدا کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جو کائنات کے ہر فرد کے لئے ہے ان میں کسی کی ذاتی ملکیت وخصوصیت کا کوئی

دخل نہیں ہے۔

پانی سے مراد دریا تالاب اور کنویں وغیرہ کا پانی وہ پانی مراد نہیں ہے جو کسی شخص کے برتن یا سن میں بھرا ہوا ہو چنانچہ اس کی وضاحت باب کی ابتداء میں کی جا چکی ہے اسی طرح گھاس سے وہ گھاس مراد ہے جو جنگل میں اگی ہوئی ہو۔

آگ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس آگ ہو تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسرے کو آگ لینے سے منع کرے یا چراغ جلانے سے روکے اور یا اس کی روشنی میں بیٹھنے سے منع کردے وغیرہ ذلک ہاں اگر کوئی شخص اس آگ میں سے وہ لکڑی لینا چاہے جو اس میں جل رہی ہو تو اس صورت میں اس کو روکنا جائز ہے کیونکہ اس کی وجہ سے آگ میں کمی آجائے گی اور بجھ جائے گی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے سنگ چقماق (یعنی وہ پتھر جس کے مارنے سے آگ نکلتی ہے) مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اس پتھر کے لینے سے نہ روکا جائے بشرطیکہ وہ پتھر موات یعنی افتادہ زمین میں ہو۔

غیر آباد زمین آباد کرنے کا بیان

اَلْمَوَاتُ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِهِ مِنَ الْأَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ أَوْ لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ أَوْ مَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ فَمَا كَانَ مِنْهَا عَادِيًّا لَا مَالِكَ لَهُ أَوْ كَانَ مَمْلُوكًا فِي الْإِسْلَامِ وَلَا يُعْرَفُ لَهُ مَالِكٌ بِعَيْنِهِ وَهُوَ بَعِيدٌ مِنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ إِذَا وَقَفَ إِنْسَانٌ فِي أَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَمْ يُسْمَعِ الصَّوْتُ مِنْهُ فَهُوَ مَوَاتٌ مَنْ أَحْيَاهُ بِإِذْنِ الْإِمَامِ مَلَكَهُ، وَإِنْ أَحْيَاهُ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَمْلِكُهُ وَيَمْلِكُ الذِّمِّيُّ بِالْإِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُ الْمُسْلِمُ وَمَنْ حَجَّرَ أَرْضًا وَلَمْ يَعْمُرْهَا ثَلَاثَ سِنِينَ أَخَذَهَا الْإِمَامُ مِنْهُ وَدَفَعَهَا إِلَى غَيْرِهِ وَلَا يَجُوزُ إِحْيَاءُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَيُتْرَكُ مَرْعًى لِأَهْلِ الْقَرْيَةِ وَمَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ

ترجمہ

موات اس زمین کو کہتے ہیں جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا جا سکتا ہے۔ اس زمین کا پانی منقطع ہو جانے کی وجہ سے اس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکتا ہو۔ یا اس زمین پر پانی کا غلبہ زیادتی ہونے کی وجہ سے یا اسی قسم کے کسی اور سبب کی وجہ سے ''جو کاشت سے مانع ہو'' اس زمین سے فائدہ نہ اٹھا سکتے ہوں۔ تو ایسی زمین کو موات 'غیر آباد زمین' کہتے ہیں۔ تو وہ زمین جو پرانی ہو اور کوئی اس کا مالک نہ ہو یا زمانہ اسلام میں اس پر قبضہ کیا گیا ہو مگر اس کا کوئی خاص مالک نہ ہو اور وہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ جب کوئی آدمی آبادی کے بالکل آخر سے کھڑا ہو کر چیخے زور سے آواز لگائے تو اس زمین میں نہ سنی جائے۔ تو ایسی زمین غیر آباد ہوگی۔ جس نے بھی حاکم کی اجازت سے اسے آباد کر لیا وہی اس کا مالک ہوگا۔ لیکن جب اس نے اسے حاکم کی اجازت کے بغیر ہی آباد کیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ اس کا مالک ہو

جائے گا۔ اور زمین کو آباد کرنے سے ذمی بھی اس کا مالک ہو جائے گا جیسے مسلمان اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ اور وہ آدمی جس نے نشانی کے طور پر پتھر لگائے اور اس کے بعد تین سال تک کے لئے زمین کو آباد نہ کیا تو حاکم وہ زمین اس سے لے کر کسی اور کو دیدے گا۔ وہ زمین جو دیہات و بستی کے قریب ہو اسے آباد کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسی زمین گاؤں والوں کے مویشیوں کے چرنے کے لئے اور ان کے کاٹی گئی فصل کو ڈالنے کی خاطر چھوڑ دی جائے گی۔

موات زمین کی تعریف کا بیان

میم اور واؤ کے فتح کے ساتھ ہے موات اسے کہتے ہیں جس میں روح نہ ہو لیکن یہاں پر وہ زمین مراد ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ اس کی تعریف یہ کرتے ہیں۔ ایسی زمین جو کسی اختصاص اور ملکیت سے عاری و خالی ہو۔ تو اس تعریف سے دو چیزیں خارج ہو جاتی ہیں۔

اول یہ کہ جو کسی کافر یا مسلمان کی خرید اور یا پھر عطیہ وغیرہ کی بنا پر ملکیت بن جائے۔ دوم یہ کہ جس کے ساتھ ملک معصوم کی کو مصلحت وابستہ ہو، مثلاً راستہ، سیلابی پانی وغیرہ کی گزرگاہ۔

یا پھر کسی شہر کے آباد کاروں کی اس کے ساتھ مصلحت کا تعلق ہو، مثلاً: میت دفن کرنے کیے لیے قبرستان، یا پھر گندگی وغیرہ پھینکنے کی جگہ، یا پھر عیدگاہ اور لکڑیاں وغیرہ کی جگہ اور چراگاہ وغیرہ۔

تو اس طرح کی زمین آباد کرنے سے بھی کسی کی ملکیت میں نہیں آ سکتی لیکن جب کسی زمین میں یہ دونوں چیزیں یعنی ملکیت معصوم اور اس کا اختصاص نہ پایا جائے اور کوئی شخص اسے آباد اور زندہ کرلے تو وہ زمین اسی کی ملکیت میں آ جائے گی۔

موات اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی کھیتی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جو پانی کے منقطع ہونے یا اکثر زیر آب رہنے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو یا اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو زراعت سے مانع ہو لہٰذا ایسی زمین جو عادی یعنی قدیم ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا اسلامی سلطنت کی مملوک ہو اور اس کے مالک کا پتہ نامعلوم ہو اور وہ زمین بستی سے اس قدر دوری پر ہو کہ اگر کوئی شخص بستی کے کنارے پر کھڑا ہو کر آواز بلند کرے تو اس کی آواز اس زمین تک نہ پہنچے تو وہ زمین موات ہے۔

احیاء موات سے مراد ہے اس زمین کو آباد کرنا ہے اور اس زمین کو آباد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یا تو اس زمین میں مکان بنایا جائے یا اس میں درخت لگایا جائے یا اس میں زراعت کی جائے یا اسے سیراب کیا جائے اور یا اس میں ہل چلا دیا جائے۔

اس قسم کی زمین یعنی موات کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس زمین کو آباد کرتا ہے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں علماء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس زمین کو آباد کرنے کے لئے امام (یعنی حکومت وقت) سے اجازت لینا شرط ہے جب کہ حضرت امام شافعی اور صاحبین یعنی حنفیہ کے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے

نزدیک اجازت شرط نہیں ہے۔

کنویں اور چشمے بنانے کا بیان

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي بَرِّيَّةٍ فَلَهُ حَرِيمُهَا فَإِنْ كَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِيمُهَا أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا وَإِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَسِتُّونَ ذِرَاعًا وَإِنْ كَانَتْ عَيْنًا فَحَرِيمُهَا ثَلَاثُمِائَةِ ذِرَاعٍ وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَحْفِرَ فِي حَرِيمِهَا بِئْرًا مُنِعَ مِنْهُمَا تَرَكَ الْفُرَاتُ أَوِ الدِّجْلَةُ وَعَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ فَإِنْ كَانَ يَجُوزُ عَوْدُهُ إِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ إِحْيَاؤُهُ وَإِنْ كَانَ لَا يَجُوزُ أَنْ يَعُودَ إِلَيْهِ فَهُوَ كَالْمَوَاتِ إِذَا لَمْ يَكُنْ حَرِيمًا لِعَامِرٍ يَمْلِكُهُ مَنْ أَحْيَاهُ بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَمَنْ كَانَ لَهُ نَهْرٌ فِي أَرْضِ غَيْرِهِ فَلَيْسَ لَهُ حَرِيمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يُقِيمَ بَيِّنَةً عَلَى ذَلِكَ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَهُ مُسَنَّاةٌ يَمْشِي عَلَيْهَا وَيُلْقِي عَلَيْهَا طِينَهُ

ترجمہ

وہ آدمی جس نے جنگل میں کنواں کھودا۔ تو اس کے اردگرد کی جگہ کی حفاظت بھی اسی کے ذمہ ہوگی۔ جب تو وہ کنواں اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے ہو۔ تب اس کا حریم (یعنی اردگرد کی وہ جگہ جس کی حفاظت کرنا ضروری ہے) چالیس ہاتھ ہوگا۔ جب اونٹوں کا ذریعے سے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے ہوگا تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہوگا۔ اور جب کوئی چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہوگا۔ اب جب کوئی ایسا آدمی جو اس چشمے سے حریم میں کنواں کھودنا چاہے گا۔ تو اسے اس امر سے باز رکھا جائے گا۔ وہ زمین جسے دریائے دجلہ اور فرات نے چھوڑا ہو یعنی وہاں سے دریا ہٹ کر کے پیچھے چلا گیا ہو تو جب تو وہاں تک دوبارہ پانی آ سکنے کے امکانات ہوں تب تو اس زمین کو آباد کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن جب وہاں تک دوبارہ پانی آنے کے امکانات نہ ہوں تو پھر وہ زمین غیر آباد زمین جیسی ہی ہوگی۔ ایسی زمین جب کسی کا حریم نہیں ہوگی تو جو آدمی بھی اسے حاکم کی اجازت سے آباد کر لے گا۔ وہی اس زمین کا مالک ہو جائے گا۔ وہ آدمی جس کی نہر (مراد کھالہ ہے) کسی دوسرے آدمی کی زمین میں ہو۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لئے کوئی حریم نہیں ہے۔ مگر صرف اس صورت میں جب اس کی طرف سے اس بات پر کوئی دلیل ہو۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لئے نہر کے پانی کو روک سکنے والا بند ہوگا۔ جس پر وہ چل سکتا ہو اور اس پر نہر کی مٹی بھی ڈالی جا سکتی ہو۔

شرح

اگر موات زمین میں کوئی کنواں کھدوایا گیا ہو تو اس زمین کو آباد کرنیوالے کو یہ حق نہیں پہنچے گا کہ وہ اس کنویں سے پانی لینے سے لوگوں کو منع کرے کیونکہ آباد کرنے کی وجہ سے جس طرح وہ زمین اس ملکیت میں آ گئی ہے اس طرح اس کنویں کا پانی اس کی ملکیت نہیں آیا ہے اگر وہ کسی ایسے شخص کو منع کرے گا جو اس کنویں سے خود پانی پینا چاہتا ہے یا اپنے جانور کو پلانا چاہتا ہے اور پانی نہ

ملنے کی صورت میں خود اس کی یا اس کے جانور کی ہلاکت کا خدشہ ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوگی کہ وہ زبردستی اس کنویں سے پانی حاصل کرے چاہے اس مقصد کے لئے اس کو لڑنا ہی کیوں نہ پڑے اور اس لڑائی میں ہتھیار استعمال کرنے کی نوبت کیوں نہ آجائے۔ کنواں بے شک کسی کی ذاتی ملکیت ہوسکتا ہے مگر اس کنویں کا پانی کنویں والے کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر شخص کے لئے مباح ہوتا ہے بخلاف اس پانی کے جو کسی نے اپنے برتن باسن میں بھر لیا ہو کہ وہ ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پیاس کی شدت سے بے حال ہوا جارہا ہو اور اس شخص سے وہ پانی مانگے جو اس نے اپنے برتن باسن میں بھر رکھا ہو اور وہ پانی دینے سے انکار کر دے تو اس پیاسے کو یہ حق ہوگا کہ لڑ جھگڑ کر اس سے پانی حاصل کرے بشرطیکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں جان چلی جانے کا خدشہ ہو اور وہ لڑائی میں کسی ہتھیار وغیرہ کا استعمال نہ کرے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص بھوک کی وجہ سے مرا جارہا ہو اور کسی کھانے والے سے کھانا مانگے اور وہ کھانا نہ دے تو اسے حق ہوتا ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ جھگڑ کر کھانا حاصل کرے مگر اس کو لڑائی میں ہتھیار وغیرہ استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوتی۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے کنویں سے پانی نہ لینے دے تو اس بارے میں زبردستی پانی حاصل کرنے کا ادنی درجہ یہ ہے کہ وہ کنویں والے سے بغیر ہتھیار استعمال کیے لڑے جھگڑے اور اس کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ کسی کو پانی جیسی خدا کی عام نعمت سے روکنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اور یہ لڑ جھگڑ کر پانی حاصل کرنا اس کے حق میں تعزیر سزا کے قائم مقام ہوگا۔

دیوار والی زمین کے احیاء میں مذاہب اربعہ

مطلب یہ ہوا کہ جو شخص موات (یعنی افتادہ وغیر آباد) زمین پر دیوار گھیر دے گا وہ زمین اسی کی ملکیت ہو جائے گی۔ گویا یہ حدیث اپنے ظاہری مفہوم کے مطابق اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موات زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لئے اس پر دیوار کھینچ دینا کافی ہے جیسا کہ مشہور ترین روایت کے مطابق حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے جب کہ بقیہ ائمہ کے نزدیک ایسی زمین کی ملکیت کے ثبوت کے لیے احیاء یعنی اس کو آباد کرنا شرط ہے جس کی وضاحت باب کے شروع میں کی جاچکی ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ دیوار کھینچنا احیاء یعنی آباد کرنے کے مفہوم میں داخل ہی نہیں ہے لہذا تینوں ائمہ کے مسلک کے مطابق اس حدیث کی تاویل یہ ہوگی کہ اس سے ''ونت کے لئے دیوار کھینچنا مراد ہے۔

•••————•••————•••

كِتَابُ الْمَأْذُوْنِ

﴿یہ کتاب ماذون غلام کے بیان میں ہے﴾

کتاب ماذون کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب احیاء موات کے بعد ماذون کی کتاب کو بیان کیا ہے اس کی فقہی مطابقت واضح ہے۔ کیونکہ احیاء موات میں عدم اہلیت کے سبب بیع واشتراء وغیرہ سے منع کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ ماذون میں اس کو اجازت دی جاتی ہے۔ یہ اجازت مرتبے میں مؤخر ہے اس لئے کہ یہ اجازت کوئی اجازت اصلیہ نہیں ہے بلکہ یہ اجازت موقوفہ وفرعیہ ہے لہٰذا اس کے مرتبے میں مؤخر ہونے کے سبب اس کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ تاکہ تقدم وتاخر مرتبے کے حساب سے بھی برابر ہو جائے۔

کتاب ماذون کے شرعی ماخذ کا بیان

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔(النور ۵۸)

اے ایمان والو چاہئے کہ تم سے اذن لیں تمہارے ہاتھ کے مال غلام اور وہ جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے تین وقت، نماز صبح سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہاری شرم کے ہیں۔ ان تین کے بعد کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر آمد ورفت رکھتے ہیں تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس، اللہ یونہی بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ میں جس اذن واجازت کا ذکر ہے اگرچہ اس کا تعلق اخلاقیات سے ہے۔ تاہم معاملات جن کے بارے میں نصوص بیان ہوئی ہیں ان کے بارے اذن کا حکم بدرجہ ثابت ہوگا۔ لہٰذا اگر اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے غلام کے لئے اذن تجارت یا بچے کے لئے تجارت کو ثابت کیا جائے تو یہ استدلال درست ہوگا۔

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث (مرفوعا) ضعیف

ہے۔ یہ (دراصل) موقوف ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

غلام کے اذن کا بیان

إِذَا أَذِنَ الْمَوْلَى لِعَبْدِهِ فِي التِّجَارَةِ إِذْنًا عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُهُ فِي سَائِرِ التِّجَارَاتِ يَبِيعُ وَيَشْتَرِي يَعْنِي بِمِثْلِ الْقِيمَةِ وَبِنُقْصَانٍ وَيَرْهَنُ وَيَسْتَرْهِنُ وَإِنْ كَانَ أَذِنَ لَهُ فِي نَوْعٍ بِعَيْنِهِ دُونَ غَيْرِهِ فَهُوَ مَأْذُونٌ لَهُ فِي جَمِيعِهَا وَإِنْ أَذِنَ لَهُ فِي شَيْءٍ بِعَيْنِهِ فَلَيْسَ بِمَأْذُونٍ لَهُ وَإِقْرَارُ الْمَأْذُونِ بِالدُّيُونِ وَالْغُصُوبِ جَائِزٌ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ وَلَا أَنْ يُزَوِّجَ مَمَالِيكَهُ وَلَا يُكَاتِبُ وَلَا يَعْتِقُ عَلَى مَالٍ وَلَا يَهَبُ بِعِوَضٍ وَلَا بِغَيْرِ عِوَضٍ إِلَّا أَنْ يُهْدِيَ الْيَسِيرَ مِنَ الطَّعَامِ أَوْ يُضَيِّفَ مَنْ يَصِلُهُ وَدُيُونُهُ مُتَعَلِّقَةٌ بِرَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهَا لِلْغُرَمَاءِ إِلَّا أَنْ يَفْدِيَهُ الْمَوْلَى وَيُقْسَمُ ثَمَنُهُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ مِنْ دُيُونِهِ طُولِبَ بِهِ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ فَإِنْ حَجَرَ عَلَيْهِ لَمْ يَصِرْ مَحْجُورًا عَلَيْهِ حَتَّى يَظْهَرَ الْحَجْرُ بَيْنَ أَهْلِ سُوقِهِ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى أَوْ جُنَّ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا صَارَ الْمَأْذُونُ مَحْجُورًا

ترجمہ

جب کسی مالک نے اپنے کسی غلام کو معاملات کی عام اجازت دے رکھی ہو تو اس غلام کا اپنے مالک کی ہر قسم کی تجارت میں تصرف کرنا جائز ہوگا میں اور اسے خریدنے' بیچنے' کسی کے پاس گروی رکھنے اور کسی سے کچھ گروی لینے وغیرہ جیسے معاملات سب میں اختیار ہوگا۔ اس کے مالک نے جب کسی ایک قسم کی تجارت میں اجازت دی تھی۔ تب بھی ہر قسم کی تجارت میں ہی اجازت یافتہ شمار ہوگا پھر جب اس کے مالک نے اسے کسی خاص چیز میں اجازت دی تھی۔ تو اس صورت میں وہ ہر طرح کی تجارت میں ماذون (یعنی اجازت یافتہ) نہیں ہوگا۔ اور ماذون کے لئے قرضہ جات اور غصب کی ہوئی اشیاء کا اقرار کر لینا جائز ہے اور نہ اسے اپنی شادی کرنے نہ اپنے غلاموں کی شادی کرانے' نہ کسی کو مکاتب بنانے نہ کسی سے مال لے کر کے اسے آزاد کرنے' نہ کسی شے کے بدلے کچھ ہبہ کرنے' اور نہ ہی کچھ بدلے میں لے کر ہبہ کرنے کا حق حاصل ہوگا مگر یہ کہ کھانے میں سے تھوڑا سا ہدیہ کرنے' مہمان نوازی کرنے' جس نے اسے کھلایا ہو۔ اور اس غلام کے قرض اسی کی گردن کے متعلق ہوں گے جن میں اسے قرض خواہوں کے لئے بیچ دیا جائے گا۔ مگر اس صورت میں نہیں کہ جب اس کا مالک اس کا فدیہ دیدے' اور اس غلام کی قیمت اس کے قرض خواہوں کے درمیان ان کے حصوں کے ساتھ تقسیم کی جائے گی۔ لیکن جب پھر بھی کچھ قرضہ رہ جائے' تو پھر اس غلام کے آزاد ہو جانے کے بعد ہی اس سے اس قرض کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جب مالک اسے معاملات سے روک بھی دے' تو وہ اس وقت تک معاملات سے روکا گیا شمار نہ ہوگا۔ جب تک کہ بازار والوں پر بھی اس کا معاملات سے روک دیا جانا ظاہر نہ ہو جائے۔ پھر جب مالک فوت ہو گیا یا پاگل ہو گیا یا مرتد ہو کر کے کافروں کے ملک چلا گیا تو اس صورت میں عبد ماذون معاملات سے منع کیا گیا شمار ہوگا۔

سکوت آقا کے سبب ثبوت اذن میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی آقا نے اپنے غلام کو خرید وفروخت کرتے دیکھا اور وہ خاموش رہا تو اس سے غلام کے لئے خرید وفروخت میں اجازت ثابت ہوجائے گی۔ جبکہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام زفر علیہم الرحمہ کے نزدیک سکوت کے سبب اجازت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ سکوت رضا وعدم رضا دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ لہٰذا رضا میں بھی شک ہوا اور شک کے ساتھ رضامندی ثابت نہ ہوگی۔ جبکہ ائمہ احناف کی دلیل حسب ذیل حدیث سے استدلال کرنا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے اسی طرح کنواری عورت (یعنی کنواری بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کنواری عورت کی اجازت کیسے حاصل ہوگی (کیونکہ کنواری عورت تو بہت شرم وحیا کرتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہ وہ چپکی رہے یعنی کوئی کنواری عورت اپنے نکاح کی اجات مانگے جانے پر اگر بسب شرم وحیا زبان سے ہاں نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی بھی اس کی اجازت سمجھی جائے گی (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 345)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایم یعنی وہ عورت جو بیوہ بالغہ اور عاقلہ ہو اپنے نکاح کے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی جو بالغ ہو بھی اس کی حق دار ہے کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے اجازت دے بلکہ اس کی شرم وحیا کے پیش نظر اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت کے لئے کافی ہے)

ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثیب یعنی بیوہ عورت اپنے بارے میں اپنے والی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی اس کے نکاح کی اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثیب اپنے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی بھی اس کا باپ اس کے نکاح کے بارے میں اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے (مسلم، شرح الوقایہ، کتاب ماذون، بیروت)

ماذون غلام کا کچھ غلہ دینے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ماذون غلام تھوڑا بہت غلہ ہدیہ دے سکتا ہے اور جو اس کی مہمان نوازی کرے اس کی ضیافت بھی کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ تجارت کے لوازمات میں سے ہے۔ جبکہ امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک اجازت کے بغیر اس کے لئے کھانا دینا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کا عوض ہوتا ہے۔ احناف کی دلیل گزر چکی ہے۔ (اور امام

احمد علیہ الرحمہ کا مذہب شاید ان کے اثر سے مؤید ہے۔ (شرح الوقایہ، کتاب ماذون، بیروت)

ماذون کے ۔ ۔ مضارب کے ہبہ پر قیاس کرنے کا بیان

اس کا ان اعمال کا تعلق ہے جن میں نہ تو مضارب مطلق عقد کا مالک بنتا ہے اور نہ ہی وہ رب المال کے قول "اعمل برائک" کہنے سے مالک بنتا ہے ہاں البتہ جب رب المال وضاحت کے ساتھ اس کام کی صراحت کرے اور وہ قرض لینا ہے۔ جس کی حالت یہ ہے کہ مضارب راس المال سے سامان خریدنے کے بعد کچھ دراہم و دنانیر کے بدلے میں کچھ ادھار خریدے۔ اس لئے کہ یہ خریداری اس مال سے زائد ہے جس مضاربت منعقد ہونے والی ہے۔ کیونکہ رب المال اس پر راضی نہ ہوگا ہاں وہ تو اپنے ذمہ پر ہونے والے قرض کے ساتھ معروف ہونے میں راضی نہ ہوگا اور جب رب المال نے مضارب کو قرض لینے کی اجازت دی ہوئی ہے۔ تو زائد خریدی ہوئی چیز شرکت وجوہ کے سبب ان کے درمیان مشترکہ ہوگی اور ان میں ہنڈی لینا بھی ہے کیونکہ وہ بھی قرض کی ایک قسم ہے اور اس کو دینا بھی اس میں شامل ہے اس لئے کہ یہ قرض دینا ہے۔ مال کے بدلے میں یا بغیر مال کے غلام کو آزاد کرنا ہے اور مکاتب بنانا بھی اسی میں شامل ہے اس لئے کہ یہ معاملات تجارت نہیں کہلاتے۔ قرض دینا، ہبہ کرنا اور صدقہ کرنا یہ افعال بھی مضارب رب المال کی وضاحت کے سوا نہیں کرسکتا اس لئے کہ یہ معاملات محض احسان ہیں تجارت نہیں ہیں۔

ماذون کے قرضوں کو مرض موت والے کے قرضوں پر قیاس کرنے کا بیان

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مرض موت میں کئی قرضوں کا اقرار کرلیا جبکہ تندرستی کے عالم میں بھی اس پر بعض قرض تھے اور مرض کی حالت میں بھی اس پر کچھ قرض لازم ہوئے ہوں جن کی وجوہات بھی معلوم ہوں تو صحت اور جن کی وجوہات معلوم ہیں وہ قرض مقدم ہوں گے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مقرض اور تندرستی میں قرض برابر ہیں کیونکہ ان کا سبب برابر ہے اور یہ اس طرح کا اقرار ہے جو عقل اور قرض والے صادر ہوا ہے جبکہ محل وجوب وہ ذمہ ہے جو حقوق کو قبول کرتا ہے تو یہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح آپس کی رضامندی ہے کے ساتھ اس نے بیع اور نکاح کا تصرف کیا ہے۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب اقرار میں دوسرے کے حق کا باطل ہونا لازم آتا ہو تو وہ اقرار دلیل نہ ہوگا اور مریض کے اقرار میں یہ بات پائی جاتی ہے کیونکہ اس کے دوسرے کے حق کا باطل ہونا لازم آ رہا ہے، اس لئے کہ اس نے حالت میں قرض خواہوں کے حق کو مشکل سے پورا کر کے اس کو بچہ کچھ مال ملا ہے کیونکہ تہائی سے زائد احسان و انعامات میں اسکو منع کردیا جائے گا۔ بہ خلاف نکاح کے کیونکہ مہر مثلی نکاح کرنا یہ ضروریات اصلیہ میں سے ہے بہ خلاف آپس کی بیع کے کیونکہ جب وہ مثلی قیمت پر کی جائے تو وہ قرض خواہوں کے حق مالیت سے متعلق ہے جبکہ صورت سے نہیں اور صحت کے عالم میں ان کا حق مال سے متعلق نہیں ہوتا کیونکہ مدیون کمائی کرنے پر قادر ہوتا ہے اور اس کے مال میں اضافہ ہوسکتا ہے اور یہ عاجزی کی حالت ہے جبکہ مرض کے دونوں احوال ایک

جیسے ہوتے ہیں لہٰذا یہ ممانعت والی حالت ہے بہ خلاف صحت اور مرض کے احوال کے کیونکہ پہلی صورت اباحت وجواز کی ہے۔ اور یہ حاجز ہونے حالت ہے لہٰذا یہ دونوں احوال ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

اور جب قرضوں کی وجوہات معلوم ہوں وہ مقدم ہوں گے کیونکہ ان کو ثابت کرنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور یہ قرضے سب لوگوں کے روبرو ہوئے ہیں لہٰذا ان کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اور اسکی مثال کسی مال کا بدل ہے جس کا وہ مالک ہوا ہے یا اس سے ہلاک کردیا گیا ہے۔ اور اس کا وجوب اس شخص کے اقرار کے سوا کسی دوسری دلیل سے معلوم ہوا ہے یا اس نے کسی عورت کے مہر مثل پر اس سے نکاح کیا ہے اور یہ قرض دین صحت کی طرح ہے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر مقدم نہ کیا جائے گا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور جب مقر کے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور اس نے دوسرے کے لئے اقرار کیا ہے تو صحت کی حالت کے قرض خواہوں کے حق میں یہ اقرار درست نہ ہوگا کیونکہ اس مال سے ہی ان کو حق ثابت ہو چکا ہے اور مریض کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کچھ قرض خواہوں کا قرضہ دے اور کچھ نہ دے۔ کیونکہ بعض کو ترجیح دینے کے سبب بقیہ قرض خواہوں کے حق کا باطل ہونے لازم آئے گا اور صحت ومرض دونوں کے قرض خواہ اس موقع پر برابر ہیں۔ ہاں البتہ جب مریض کوئی ایسا قرض ادا کرے جس کو اس نے مرض کی حالت میں لیا تھا یا ایسی چیز کی قیمت ادا کرے جس کو نے مرض کی حالت میں خریدا تھا۔ اور یہ معاملہ گواہی ثابت ہو چکا ہے تو اس کو ادا کرنا جائز ہے۔

ماذون غلام کے مجور ہو جانے کا بیان

فَإِنْ أَبَقَ الْعَبْدُ صَارَ مَحْجُورًا فَإِذَا حَجَرَ عَلَيْهِ فَإِقْرَارُهُ جَائِزٌ فِيمَا فِي يَدِهِ مِنَ الْمَالِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا لَزِمَتْهُ دُيُونٌ تُحِيطُ بِمَالِهِ وَرَقَبَتِهِ وَإِذَا بَاعَ مِنَ الْمَوْلَى شَيْئًا بِمِثْلِ قِيمَتِهِ أَوْ أَكْثَرَ جَازَ وَإِنْ بَاعَهُ بِنُقْصَانٍ لَمْ يَجُزْ وَإِنْ بَاعَهُ الْمَوْلَى شَيْئًا بِمِثْلِ الْقِيمَةِ أَوْ أَقَلَّ جَازَ فَإِنْ سَلَّمَهُ إِلَيْهِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ وَإِنْ أَمْسَكَهُ فِي يَدِهِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ جَازَ وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى الْعَبْدَ الْمَأْذُونَ وَعَلَيْهِ دُيُونٌ فَعِتْقُهُ جَائِزٌ وَمَا بَقِيَ مِنَ الدَّيْنِ يُطَالَبُ بِهِ الْمُعْتَقُ بَعْدَ الْعِتْقِ

وَإِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ الْمَأْذُونَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَذَلِكَ حَجْرٌ عَلَيْهَا وَإِذَا أَذِنَ وَلِي الصَّبِيِّ لِلصَّبِيِّ فِي التِّجَارَةِ فَهُوَ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ كَالْعَبْدِ الْمَأْذُونِ إِذَا كَانَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ،

ترجمہ

جب کوئی اجازت یافتہ غلام بھاگ گیا تو اس صورت میں بھی وہ مجور علیہ ہو جائے گا۔ جب کسی غلام کو اس کے مالک نے معاملات سے منع کر دیا۔ تو جو مال اس کے قبضے میں ہو اس کے بارے میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا اقرار کر لینا جائز ہوگا۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا اقرار کرنا درست نہیں ہوگا۔ اور جس وقت اس غلام کے ذمے اتنے قرضے لازم ہوں۔ جو اس کے مال اور اس کی جان کو گھیرے ہوئے ہوں تو اس صورت میں اس غلام کا آقا جو مال بھی اس غلام

کے قبضے میں ہو اس کا مالک نہیں ہوگا۔ پس جب اس نے اس کے غلاموں کو آزاد کر دیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ آزاد نہیں ہوں گے صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ اس کے قبضہ میں ہو وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ جب عبد ماذون نے کوئی شئے مثلی قیمت (یعنی جو عام رائج ہو) پر اپنے مالک کو بیچی یا اس سے کم قیمت کے ساتھ بھی بیچی تو بھی جائز ہوگی۔ اس غلام نے رقم لینے سے قبل ہی وہ مبیع چیز اپنے اس آقا کے سپرد کر دی تو اس صورت میں اس کے ثمن باطل ہو جائیں گے اور جب اس نے اپنے ثمنوں کی وصولی تک اس مبیع شئے کو اپنے پاس روکے رکھا تو یہ جائز ہے جب مالک نے عبد ماذون کو آزاد کر دیا۔ اس حال میں کہ اس پر قرضے بھی تھے پھر بھی اس کا آزاد کرنا جائز ہوگا۔ اور مالک اس غلام کی قیمت کے ساتھ اس کے قرض خواہوں کو جرمانہ ادا کرنے والا ہوگا۔ اور جو کچھ قرض میں باقی بچ جائے اس کا مطالبہ آزاد ہونے والے آدمی سے اس کی آزادی کے بعد کیا جائے گا۔ جب ماذونہ لونڈی اپنے مالک کے بچے کو جنم دیدے تو یہ امر اس پر معاملات سے روکنے جیسا ہی ہوگا۔ جب کسی بچے کے ولی نے اسے تجارت کی اجازت دیدی تو اب وہ بچہ خرید و فروخت میں عبد ماذون جیسا ہی ہو جائے گا۔ مگر یہ اس وقت ہوگا کہ جب وہ بچہ خرید و فروخت کی کچھ سوجھ بھی رکھتا ہو۔

علم کے سبب مجور کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب آقا ماذون غلام کو مجور کرے تو وہ مجور نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا حجر اس کے بازار والوں میں ظاہر نہ ہو جائے اس لئے کہ جب وہ مجور ہو گیا تو دین اس کے گردن اور اس کے کسب سے متعلق نہیں ہوگا۔ جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک وہ غلام کو بغیر کسی علم کے مجور کر سکتا ہے کیونکہ غلام کو مجور کرنے کا تصرف خاص آقا کا حق ہے لہٰذا وہ جب چاہے اس کو نافذ کر سکتا ہے جبکہ ائمہ احناف کی دلیل عادت عرف ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

(شرح الوقایہ، کتاب ماذون، بیروت)

مال سے حاصل ہونے والا نفع مالک کو دینے کا بیان

حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو شخص یہ چاہے کہ وہ اس شخص کی طرح ہو جائے جس کے پاس ایک فرق چاول تھے (اور پھر وہ مالا مال ہو گیا تھا) تو وہ ایسا ہو سکتا ہے۔ (فرق ایک پیمانہ کا نام ہے) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! چاول والے کا کیا قصہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غار کا واقعہ سنایا جب کہ (ان تین شخصوں پر جو ایک غار میں تھے) ان پر پہاڑ گر پڑا (یعنی غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گر پڑی جس سے باہر نکلنے کا راستہ بند ہو گیا۔) تو ان میں سے ہر ایک نے کہا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے کسی اچھے عمل کے واسطہ سے دعا کرے تو (سب نے اپنا اپنا عمل بیان کیا۔ ان میں) تیسرے شخص نے کہا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے ایک شخص سے مزدوری کرائی تھی ایک فرق چاول کے عوض۔ پھر جب شام ہوئی تو میں نے اس کی مزدوری دینی چاہی لیکن اسنے نہ لی اور چلا گیا۔ میں نے اس کے چاولوں سے زراعت کی اور بڑھتے بڑھتے اس زراعت سے میں نے کئی بیل اور ان کو چرانے والے غلام جمع کر لیے۔ کچھ عرصہ کے

بعد وہ مجھ سے مال اور بولا لا اب میری مزدوری دے۔ میں نے کہا جا اور اپنے بیل اور ان کے چرانے والے غلام سب لے جا۔ پس وہ ان سب کو لے گیا۔ (سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 1611)

بھاگ جانے والے غلام کے مجور یا ماذون ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک جب غلام بھاگ جائے تو مجور ہو جائے گا حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ماذون رہے گا۔ اور یہ مذہب، امام زفر، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کا ہے۔ اس لئے کہ اباق ابتدائے اذن کے منافی نہیں ہے لہذا بقائے اذن کے بھی منافی نہیں ہوگا اور یہ غصب کی طرح ہو گیا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ اباق دلالۃ حجر اور ممانعت ہے اس لئے کہ آقا اس طور پر اس غلام کے ماذون ہونے سے راضی تھا کہ آقا اس کی کمائی سے اس کا دین ادا کرنے پر قادر ہو سکے۔ (شرح الوقایہ، کتاب ماذون، بیروت)

سکوت سے بیع کرنے سے ثبوت اذن میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی غلام نے سکوت کے ساتھ بیع کی ہے تو وہ ماذون ہوگا۔ کیونکہ اس کا یہ عمل ظاہر پر دلالت کرنے والا ہے اور اس وقت دلالت اس کے ماذون ہونے پر ہے جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کی اس طرح کی خبر دی تصدیق نہ کی جائے گی۔ حتیٰ کہ وہ اس کا اقرار نہ کرے۔ جبکہ احناف کی دلیل استحسان کی بناء پر ہے۔ (شرح الوقایہ، کتاب ماذون، بیروت)

بچے کو اذن تصرف ملنے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب کسی بچے کے ولی نے اس بچے کو تجارت اجازت دے دی ہے تو اس خرید و فروخت میں بچہ ماذون غلام کے حکم میں ہو جائے گا۔ ہاں البتہ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ بچہ خرید و فروخت کو سمجھنے والا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا تصرف کرنا بھی جائز ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس پر جو پابندی عائد کی گئی ہے وہ اس کا بچگانہ ہے پس جب تک وہ بچگانہ میں رہے گا تب تک وہ پابندی جاری رہے گی۔ اور یہی مذہب امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کا بھی ہے۔ اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اور یتیموں کو آزماتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر تم ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو تو ان کے مال انہیں سپرد کر دو اور انہیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے، اور جو حاجت مند ہو وہ بقدر مناسب کھائے پھر جب تم ان کے مال انہیں سپرد کرو تو ان پر گواہ کرلو اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو۔ (نساء ۶)

(شرح الوقایہ، کتاب ماذون، بیروت)

یتیموں کو سدھاتے اور آزماتے رہو، بلوغ کے وقت تک۔ پھر بلوغ کے بعد اگر ان میں اپنے نفع نقصان کی سمجھ اور حفاظت و انتظام مال کا سلیقہ پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔ یتیموں کے سدھانے اور آزمانے کی عمدہ صورت یہی ہے کہ کم قیمت معمولی چیزوں کی ان سے خرید و فروخت کرائی جائے اور ان کا طریقہ ان کو بتایا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کی بیع و شراولی کی اجازت سے جو ہوگی وہ درست ہوگی، امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے۔ اور اگر بالغ ہو کر بھی اس میں سمجھداری نہ آئے تو امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ پچیس برس کی عمر تک انتظار کرو۔ اس درمیان میں جب اس کو سمجھ آ جائے مال اس کے حوالے کر دو، ورنہ پچیس سال پر ہر حال میں اس کا مال اس کو دیدو۔ پوری سمجھ آئے یا نہ آئے۔

یتیم کے مال کو ضرورت سے زیادہ صرف کرنا منع ہے، مثلاً ایک پیسہ کی جگہ دو پیسے صرف کر دو اور یہ بھی منع ہے کہ اس بات سے گھبرا کر کہ یتیم بڑے ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے خرچ کرنے میں جلدی کرنے لگو، خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم کے مال کو بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت صرف کرنا چاہیے۔

یتیم کا مال ولی اپنے خرچ میں نہ لائے اور اگر یتیم کی پرورش کرنے والا محتاج ہو تو البتہ اپنی خدمت کرنے کے موافق یتیم کے مال میں سے تحقیق لے لیوے مگر غنی کو کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔

جب کسی بچہ کا باپ مرجائے تو چاہیے کہ چند مسلمانوں کے روبرو یتیم کا مال لکھ کر امانتدار کو سونپ دیں، جب یتیم بالغ ہوشیار ہو جائے تو اس تحریر کے موافق اس کا مال اس کے حوالہ کر دیں اور جو کچھ خرچ ہوا ہو وہ اس کو سمجھا دیں، اور جو کچھ یتیم کے حوالے کیا جائے شاہدوں کو دکھلا کر حوالہ کریں۔ شاید کسی وقت اختلاف ہو تو بسہولت طے ہو سکے اور اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز کی حفاظت کرنے والا اور حساب سمجھنے والا کافی ہے۔ اس کو کسی حساب یا شہادت کی حاجت نہیں یہ سب باتیں تمہاری سہولت اور صفائی کی وجہ سے مقرر فرمائیں۔ جاننا چاہیے کہ یتیم کا مال لینے اور دینے کے وقت گواہ کرنا اور اس کو لکھ لینا مستحب ہے۔

•••———•••———•••

کتاب المزارعة

﴿یہ کتاب مزارعت کے بیان میں ہے﴾

کتاب مزارعت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب ماذون کے احکام سے فارغ ہوئے ہیں اور مزارعت چونکہ ماذون میں سے نہیں ہے۔ اس لئے اس کو ماذون کے بعد الگ بیان کیا ہے۔ عنایہ شرح الہدایہ، کتاب مزارعت، بیروت)

مزارعت کا فقہی مفہوم

اور کسی کو اپنی زمین اس طور پر کاشت کے لیے دینا کہ جو کچھ پیداوار ہوگی دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی دو تہائیاں تقسیم ہو جائے گی اس کو مزارعت کہتے ہیں، اسی کو ہندوستان میں بٹائی پر کھیت دینا کہتے ہیں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے مگر فتویٰ قول صاحبین پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔

حصے پر کاشتکاری کرنے کا بیان

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ الْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَاطِلَةٌ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ هِيَ جَائِزَةٌ وَهِيَ عِنْدَهُمَا عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ إذَا كَانَتْ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ وَإِنْ كَانَتْ الْأَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ أَيْضًا وَإِنْ كَانَتْ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ مِنْ آخَرَ جَازَتْ أَيْضًا وَإِنْ كَانَتْ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ فَهِيَ بَاطِلَةٌ

ترجمہ

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تہائی یا چوتھائی حصے پر کاشتکاری کرنا باطل ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس طرح کی کاشتکاری چار طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ جس وقت زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور کام کاج اور بیل دوسرے آدمی کے ہوں تو باہم کاشتکاری کی یہ جائز صورت ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب ایک کی زمین ہو۔ بیج کام اور بیل دوسرے آدمی کے ہوں یہ صورت بھی جائز ہے۔ اور تیسری صورت یہ کہ جب زمین، بیج اور بیل ایک آدمی کے ہوں

اور کام کاج سارا دوسرے کا ہو تو مزارعت باہم کاشتکاری کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ جب زمین اور بیل ایک آدمی کے ہوں اور بیج اور کاشتکاری کا عمل دوسرے آدمی کا ہو تو یہ صورت مزارعت کی باطل ہے۔

شرح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ زمین کا مالک یا خود کاشت کرے یا کسی دوسرے ضرورت مند بھائی کو مفت کاشت کے لئے دے دے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینا جائز نہیں، لیکن بعض صورتوں میں مجبوری ہوتی ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ پس صاحبین کے نزدیک بٹائی پر زمین دی جا سکتی ہے۔ صاحبین کے نزدیک مزارعت کے جواز کے لئے آٹھ شرائط ہیں۔

1۔ زمین قابل کاشت ہو 2۔ مالک و مزارع اہل عقد ہوں 3۔ مدت بیان کی جائے 4۔ یہ بات واضح کی جائے کہ بیج کس کے ذمہ ہوگا؟ 5۔ جس کے ذمہ بیج نہیں اس کے حصہ کی وضاحت 6۔ مالک، زمین مزارع کے سپرد کرے اور اپنا عمل دخل یا تصرف نہ کرے 7۔ پیداوار حاصل ہونے پر اس میں شرکت مقررہ حصہ 8۔ بیج کی جنس کا تعین کرنا کہ کیا بوئے گا؟

ہمارے علمائے احناف کا فتویٰ صاحبین پر ہے، البتہ یہ یاد رہے کہ آج کل کی زمینداری اور جاگیرداری کی بنیاد کسی اصول عدل پر نہیں، سراسر ظلم پر ہے۔ ظالم حکمرانوں نے مخالف حریت پسند عوام سے زمین چھین کر اپنے پسندیدہ لوگوں میں بطور رشوت تقسیم کی ہے۔ نہ وہ حکمران اس کے جائز مالک تھے نہ اس بندر بانٹ کے مجاز۔ لہٰذا اس زمینداری و جاگیرداری کا صورت جواز سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سراسر ظالمانہ و غاصبانہ دست برد کا نتیجہ ہے۔ یہ نہ امام صاحب کے نزدیک جائز ہے نہ صاحبین کے نزدیک۔

مسلک صاحبین کے مطابق صرف وہ مزارعت جائز ہے جو غصب و نہب سے پاک ہے اور شرعی اصولوں پر مبنی ہو۔ آپ کی زمین بظاہر حلال نظر آتی ہے، لہٰذا مسلک صاحبین کے مطابق آپ شرائط بالا کے تحت بٹائی پر دے سکتے ہیں۔

تین چوتھائی پر مزارعت کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان

قیس بن مسلم نے بیان کیا اور ان سے ابوجعفر نے بیان کیا کہ مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی حصہ پر کاشتکاری نہ کرتا ہو۔ حضرت علی اور سعد بن مالک اور عبداللہ بن مسعود، اور عمر بن عبدالعزیز اور قاسم اور عروہ اور حضرت ابوبکر کی اولاد اور حضرت عمر کی اولاد اور حضرت علی کی اولاد اور ابن سیرین رضی اللہ عنہ سب بٹائی پر کاشت کیا کرتے تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے کہا کہ میں عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ کھیتی میں ساجھی رہا کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کاشت کا معاملہ اس شرط پر طے کیا تھا کہ اگر بیج وہ خود (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) مہیا کریں تو پیداوار کا آدھا حصہ لیں اور اگر تخم ان لوگوں کا ہو جو کام کریں گے تو پیداوار کے اتنے حصے کے وہ مالک ہوں۔ حسن بصری رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ زمین کسی ایک شخص کی ہو اور اس پر خرچ دونوں (مالک اور کاشتکار) مل کر کریں۔ پھر جو پیداوار ہوا سے دونوں بانٹ لیں۔

زہری رحمہ اللہ علیہ نے بھی یہی فتوی دیا تھا۔ اور حسن نے کہا کہ کپاس اگر آدھی (لینے کی شرط) پر چنی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ نے کہا کہ (کپڑا بننے والوں کو) دھاگا اگر تہائی، چوتھائی یا اسی طرح کی شرکت پر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ معمر نے کہا کہ اگر جانور ایک معین مدت کے لیے اس کی تہائی یا چوتھائی کمائی پر دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اس باب کے ذیل میں کئی ایک اثر مذکور ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ کہ ابو جعفر مذکور امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ہے جو امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں۔ حضرت علی اور سعد اور ابن مسعود اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم کے اثروں کو ابن ابی شیبہ نے اور قاسم کے اثر کو عبد الرزاق نے اور عروہ کے اثر کو بھی ابن ابی شیبہ نے وصل کیا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے امام محمد باقر سے نکالا۔ اس میں یہ ہے ان سے بٹائی کو پوچھا تو انہوں نے کہا میں نے ابو بکر اور عمر اور علی سب کے خاندان والوں کو یہ کرتے دیکھا ہے اور ابن سیرین کے اثر کو سعد بن منصور نے وصل کیا اور عبد الرحمٰن بن اسود کے اثر کو ابن ابی شیبہ اور نسائی نے وصل کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن ابی شیبہ اور بیہقی اور طحاوی نے وصل کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب اس اثر کے لانے سے یہ ہے کہ مزارعت اور مخابرہ دونوں ایک ہیں۔ بعض نے کہا جب تخم زمین کا مالک دے تو وہ مزارعت ہے اور جب کام کرنے والا تخم اپنے پاس سے ڈالے تو وہ مخابرہ ہے۔ بہر حال مزارعت اور مخابرہ امام احمد اور خزیمہ اور ابن منذر اور خطابی کے نزدیک درست ہے اور باقی علماء نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ لیکن صحیح مذہب امام احمد کا ہے کہ یہ جائز ہے۔ حسن بصری کے اثر کو سعید بن منصور نے وصل کیا ہے اور زہری کے اثر کو ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے وصل کیا اور ابراہیم کے قول کو ابو بکر اثرم نے اور ابن سیرین کے قول کو ابن ابی شیبہ نے اور عطا اور قتادہ اور حکم اور زہری کے بھی اقوال کو انہوں نے وصل کیا۔

مطلب یہ ہے کہ مزارعت کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً بیگھہ لگان بصورت روپیہ مقرر کر لیا جائے۔ یہ صورت بہر حال جائز ہے۔ ایک صورت یہ کہ مالک زمین کا کوئی قطعہ اپنے لیے خاص کرلے کہ اس کی پیداوار خاص میری ہوگی یا مالک غلہ طے کرلے کہ پیداوار کچھ بھی ہو میں اتنا غلہ لوں گا۔ یہ صورتیں اس لیے ناجائز ہیں کہ معاملہ کرتے وقت دونوں فریق ناواقف ہیں۔ مستقبل میں ہر دو کے لیے نفع ونقصان کا احتمال ہے۔ اس لیے شریعت نے ایسے دھوکے کے معاملہ سے روک دیا۔ ایک صورت یہ ہے کہ تہائی یا چوتھائی پر معاملہ کیا جائے یہ صورت بہر حال جائز ہے اور یہاں اسی کا بیان مقصود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں: **والحق ان البخاری انما اراد بسیاق هذه الآثار الاشارة الی ان الصحابة لم ینقل عنهم خلاف فی الجواز خصوصاً اهل المدینة فیلزم من یقدم عملهم علی الاخبار المرفوعة ان یقولوا بالجواز علی قاعدتهم** (فتح الباری) یعنی حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان آثار کے یہاں ذکر کرنے سے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ صحابہ کرام سے جواز کے خلاف کچھ منقول نہیں ہے خاص طور پر مدینہ والوں سے ہو۔

مدت معلومہ پر مزارعت کرنے کا بیان

وَلَا تَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ إِلَّا عَلَى مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ وَأَنْ يَكُونَ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا فَإِنْ شَرَطَ لِأَحَدِهِمَا قُفْزَانًا مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَكَذٰلِكَ إِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِي وَإِنْ لَمْ تُخْرِجِ الْأَرْضُ شَيْئًا فَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ وَإِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ كُلُّهُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ وَإِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْأَرْضِ أَجْرُ مِثْلِ أَرْضِهِ وَإِذَا عَقَدَ الْمُزَارَعَةَ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ وَإِنِ امْتَنَعَ الَّذِي لَيْسَ مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرُ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْعَمَلِ ،

ترجمہ

اور مزارعت صرف مدت معلومہ پر ہی درست ہوگی اور فصل کی پیداوار ان دونوں آدمیوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ پھر جب ان دونوں نے کسی ایک کے لئے معین بوریاں شرط کرلیں' تو یہ شرط باطل ہوگی۔ یونہی جب ان دونوں نے اس فصل پر ''جو بڑی اور چھوٹی نہروں پر پیدا ہوتی ہے۔'' کوئی شرط لگالی (تو یہ بھی باطل ہوگی) جب مزارعت بالکل صحیح قرار پا جائے' تو اب پیداوار ان دونوں کے درمیان شرط کے موافق ہوگی۔ جب زمین کچھ پیدا ہی نہ کرے' تو کاشتکاری کا کام کاج کرنے والے کے لئے بھی کچھ نہ ہوگا۔

جس وقت کوئی مزارعت فاسد قرار پا جائے' تو اس صورت میں پیداوار بیج والے کی ہو۔ جب بیج زمین کے مالک کی طرف سے ہو' تو کاشتکاری کا کام کرنے والے کو اس وقت کی رائج اجرت ملے گی۔ جو اس پیداوار کی اس مقدار سے ''کہ جو اس کے لئے شرط کی گئی تھی'' زیادہ نہیں ہوگی۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اجرت مثل جہاں تک بھی چلی جائے ملے گی۔ جب بیج کاشتکاری کا کام کاج کرنے والے کی طرف سے ہو' تو پھر رائج الوقت اجرت زمین والے کے لئے ہوگی۔ جب ایک مرتبہ عقد مزارعت طے پا گیا مگر پھر بیج والا آدمی کام کرنے سے رک گیا۔ تو اس پر سختی نہیں کی جائے گی۔ جب وہ آدمی ''جس کی طرف سے بیج نہیں'' رک گیا۔ تو اسے حاکم کام پر مجبور کرسکتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک کو کیا ملے گا اس کا عقد میں ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور جو کچھ پیداوار ہو اس میں دونوں کی شرکت ہو اگر فقط ایک کو دینا قرار پایا تو عقد صحیح نہیں۔ اور یہ شرط کہ دوسری چیز میں سے دیا جائے گا اس سے بھی شرکت نہ ہوئی۔ اور جو مقدار ہو ہر ایک کے لیے اوس کا متعین ہو جانا ضرور ہے مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی اور جو کچھ حصہ ہو وہ جز وشائع ہو لہذا اگر ایک کے لیے یہ ٹھہرا کہ ایک من یا دو من دیے جائیں گے تو صحیح نہیں۔ اور اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ بیج کی مقدار نکالنے کے بعد باقی کو اس طرح تقسیم کیا جائے گا تو مزارعت صحیح نہ ہوئی۔ اسی طرح اگر یہ ٹھہرا کہ کھیت کے اس حصہ کی پیداوار فلاں لے گا اور باقی فلاں یا باقی کو دونوں میں تقسیم کیا جائے گا یہ مزارعت صحیح نہیں۔ اور اگر یہ ٹھہرا کہ زمین کا عشر نکال کر باقی کو تقسیم کیا جائے گا تو حرج

نہیں۔اوراسی طرح اگر یہ طے ہوا کہ دونوں میں ایک کو پہلے پیداوار کا دسواں حصہ دیا جائے اُس کے بعد اس طرح تقسیم ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔(درمختار، کتاب مزارعت، بیروت)

متعاقدین میں کسی ایک فوت ہو جانے کا بیان

وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَطَلَتْ الْمُزَارَعَةُ اعْتِبَارًا بِالْإِجَارَةِ ،(وَإِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ كَانَ عَلَى الْمُزَارِعِ أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ مِنْ الْأَرْضِ إلَى أَنْ يُسْتَحْصَدَ وَالنَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا عَلَى مِقْدَارِ حُقُوقِهِمَا وَأُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالرِّفَاعِ وَالدِّيَاسِ وَالتَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ فَإِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ

ترجمه

اور جب یہ عقد کرنے والے دو آدمیوں میں سے ایک فوت ہو جائے‘ تو یہ مزارعت باطل ہو جائے گی۔اور جب مزارعت کی مدت ختم ہوگئی مگر ابھی تک فصل پک کر کے تیار نہ ہوئی تھی۔تو کاشتکاری کرنے والے کو فصل کاٹنے تک اس طرح کی زمین کا جتنا کرایہ ہوسکتا ہے وہ دینا پڑے گا۔اور کاشتکاری کے اخراجات ان دونوں کے حقوق کے مطابق ان دونوں پر ہوں گے۔جب کہ فصل کاٹنے‘ گاہنے‘ جمع کرنے‘ اور اناج وغلہ صاف کرنے کی اجرت بھی حصوں کے مطابق ان دونوں پر ہوگی۔جب انہوں نے اس اجرت کے بارے میں مزارعت میں اس اجرت کے کاشتکار کے ذمہ ہونے کی شرط لگالی تو اس صورت میں وہ مزارعت ہی فاسد ہو جائے گی۔

مزارعت کی فاسد صورتوں کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل شرائط سے مزارعت فاسد ہو جاتی ہے۔پیداوار کا ایک کے لیے مخصوص ہونا۔مالک زمین کے کام کرنے کی شرط۔ہل بیل مالک زمین کے ذمہ شرط کر دینا۔کھیت کاٹنا اور ڈھو کر خرمن میں پہنچانا پھر دائیں چلانا اور غلہ کو بھوسہ اوڑا کر جدا کرنا ان سب کو مزارع پر شرط کرنا مفسد ہے یا نہیں اس میں دو روایتیں ہیں اور یہاں کا عرف یہ ہے کہ یہ چیزیں بھی مزارع ہی کرتا ہے مگر رواج یہ ہے کہ ان سب چیزوں میں مزدوری جو کچھ دی جاتی ہے وہ مشترک غلہ سے دی جاتی ہے مزارع اپنے پاس سے نہیں دیتا بلکہ ان تمام مصارف کے بعد جو کچھ غلہ بچتا ہے وہ حسب قرارداد تقسیم ہوتا ہے۔ایک کو غلہ ملے گا اور دوسرے کو صرف بھوسا۔غلہ بانٹا جائے گا اور بھوسا وہ لے گا جس کے بیج نہیں ہیں مثلاً مالک زمین۔بھوسا بانٹا جائے گا اور غلہ صرف ایک کو ملے گا۔اور اگر یہ شرط ہے کہ غلہ بٹے گا اور بھوسا اُس کو ملے گا جس کے بیج ہیں جیسا یہاں کا یہی عرف ہے کہ مزارع ہی بیج دیتا ہے اور بھوسہ لیتا ہے یہ صورت صحیح ہے۔اور اسی طرح اگر بھوسے کے متعلق کچھ ذکر ہی نہ آیا کہ اس کو کون لے گا یہ بھی صحیح ہے مگر اس صورت میں بھوسا کون لے گا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ بھی بٹے گا دوسرا یہ کہ جس کے بیج ہیں اسے ملے گا یہی ظاہر الروایہ ہے اور یہاں کا عرف دوسرے قول کے موافق ہے۔

اور ایک شخص کی زمین اور بیج اور دوسرا شخص اپنے ہل بیل سے جوتے بوئے گا یا ایک کی فقط زمین باقی سب کچھ دوسرے کا یعنی بیج بھی اسی کے اور ہل بیل بھی اسی کے اور کام بھی یہی کریگا یا مزارع صرف کام کریگا باقی سب کچھ مالک زمین کا، یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔ اور اگر یہ ہو کہ زمین اور بیل ایک کے اور کام کرنا اور بیج مزارع کے ذمہ یا یہ کہ بیل اور بیج ایک کے اور زمین اور کام دوسرے کا یا یہ کہ ایک کے ذمہ فقط بیل یا بیج باقی سب کچھ دوسرے کا یہ چاروں صورتیں ناجائز و باطل ہیں۔ (درمختار، کتاب مزارعت، بیروت)

جواز مزارعت کے فقہی استدلال کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس زمین ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کاشت کرے یا خود کاشت نہ کر سکے) تو اپنے کسی بھائی کو عاریۃً دیدے اور اگر یہ دونوں ہی باتیں پسند نہ ہوں تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 197)

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے مال سے نفع حاصل کرے لہٰذا جس شخص کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ وہ اس میں خود کھیتی باڑی کرے تاکہ اس سے پیداوار ہو اور اس کی وجہ سے اسے نفع ہو اور اگر کسی وجہ سے وہ خود کاشت نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اس زمین کو اپنے کسی مستحق مسلمان بھائی کو عاریۃً دیدے تاکہ وہ اس میں محنت مشقت کر کے اپنا پیٹ بھرے اس صورت میں انسانی اخلاق و ہمدردی کا ایک تقاضہ بھی پورا ہوگا اور اسے ثواب بھی ملے گا لیکن اگر وہ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت پسند نہ کرے تو پھر اپنی زمین کو اپنے پاس رہنے دے یہ آخری حکم گویا ان دونوں صورتوں کو ترک کرنے اور مزارعت کو اختیار کرنے پر ازراہ تنبیہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ تو اپنی زمین سے مالی فائدہ حاصل کرے کہ اس پر خود کاشت کرے اور نہ کسی مسلمان بھائی کو عاریۃً دے کر اس سے روحانی نفع حاصل کرے تو پھر بہتر یہی ہے کہ وہ اس زمین کو یوں ہی چھوڑ دے کسی کو بطور مزارعت نہ دے نیز اس میں ایسے لوگوں کے لئے بھی تنبیہ ہے جو اپنے مال سے نہ تو خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ تو پھر چاہئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کی زمین عاریۃً قبول کرنے سے انکار کر دے تو اپنی زمین اپنے پاس رہنے دے اس صورت میں یہ حکم اباحت کے طور پر ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مالکِ زمین پر دَین ہے اور سوا اس زمین کے جس کو مزارعت پر دے چکا ہے کوئی مال نہیں ہے جس سے دَین ادا کیا جائے اگر ابھی فقط عقدِ مزارعت ہی ہوا ہے کاشتکار نے کھیت بویا نہیں ہے تو زمین دَین کی ادا کے لیے بیع کر دی جائے اور مزارعت فسخ کر دی جائے اور اگر کھیت بویا جا چکا ہے مگر ابھی اوگا نہیں ہے جب بھی بیع ہو سکتی ہے اور دیانت کا حکم یہ ہے کہ مزارع کو کچھ دے کر راضی کر لیا جائے اور زراعت اوگ چکی ہے مگر ابھی طیار نہیں ہوئی ہے تو بغیر اجازت مزارع نہیں بیچی جا سکتی وہ اگر اجازت دے دے تو اب بیچنا جائز ہے۔ اور اس میں دو صورتیں ہیں صرف زمین کی بیع ہو یا زمین و زراعت دونوں کی ہو اگر دونوں کی بیع ہو اور مزارع نے اجازت دے دی تو دونوں میں بیع نافذ ہوگی اور اس صورت میں ثمن کو قیمت زمین اور قیمت زراعت پر تقسیم کریں جو حصہ زمین کے مقابل میں ہو وہ مالکِ زمین کا ہے اور جو حصہ زراعت کے مقابل میں ہے۔

كتاب المساقاة

﴿یہ کتاب مساقات کے بیان میں ہے﴾

کتاب مساقات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے مزارعت کی کتاب کے بعد مساقات کی کتاب کو بیان کیا ہے۔اس کی فقہی مطابقت یہ ہے کہ مزارعت میں لوگوں کو کثرت سے واسطہ پڑتا ہے۔اور کتاب مزارعت کی فقہی جزئیات کتاب مساقات سے زائد ہیں اس لئے کتاب مزارعت کومقدم ذکر کیا ہے اور کتاب مساقات کو مزارعت کے بعد میں ذکر کیا ہے۔

(البنائیہ شرح الہدایہ، کتاب مساقات، حقانیہ ملتان)

مساقات کا فقہی مفہوم

اور کسی شخص کا باغ یا درخت کسی کو اس لیے دینا کہ اس کی خدمت کرے اور جو کچھ اوس سے پیداوار ہوگی اس کا ایک حصہ کام کرنے والے کو اور ایک حصہ مالک کو دیا جائے گا اس کو مساقاۃ کہتے ہیں اور اس کا دوسرا نام معاملہ بھی ہے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فتح خیبر کے بعد وہاں کے باغات یہودیوں کو دے دیے تھے کہ ان باغات کے کام کریں اور جو کچھ پھل ہوں گے اون میں سے نصف اون کو دیے جائیں گے۔جس طرح مزارعت جائز ہے معاملہ بھی جائز ہے۔

جواز مساقات کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی کھجوروں کے درخت اور وہاں کی زمین اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دی کہ وہ اس میں اپنی جان اور اپنا مال لگائیں اور اس کا آدھا پھل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوگا۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 192)

اور بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو یعنی وہاں کی زمین اور درخت کو اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کر دیا تھا کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کاری کریں اور پھر اس کی پیداوار کا آدھا حصہ یہودیوں کا حق ہوگا اور آدھا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے لیں گے۔

خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے تقریبا ۶۰ میل شمالی میں ایک حرے کے درمیان واقع ہے پہلے یہ ایک مشہور مقام رہ چکا ہے جہاں یہودیوں کی بود و باش تھی لیکن اب یہ بستی چند گاؤں کا مجموعہ ہے چونکہ اس کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے اس لئے یہاں لوگ

اقامت اختیار کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اس کے علاقہ میں کھجور وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

بہر حال یہ حدیث علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ کے تمام علماء کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ مساقات ومزارعت جائز ہے حضرت امام اعظم یہ فرماتے ہیں کہ خیبر کی زمین اور درختوں کو وہاں کے یہودیوں کو دینا مساقات ومزارعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ خیبر کی زمین اور وہاں کے درخت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں نہیں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مساقات ومزارعت وہاں کے یہودیوں کو دیتے بلکہ وہ زمین بھی یہودیوں ہی کی ملکیت تھی اور وہاں کے درختوں کے مالک بھی یہودی ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی املاک کو انہیں کے حوالے کیا اور اس کی پیداوار کا نصف بطور خراج اپنے لئے مقرر فرمایا چنانچہ خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مؤظف (۲) خراج مقاسمت۔

خراج مؤظف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت کی طرف سے جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان سے سربراہ مملکت ہر سال کچھ مال لینا مقرر کر لیتا ہے جیسا کہ اہل نجران سے ہر سال بارہ سو حلے یعنی جوڑے لئے جاتے تھے۔

خراج مقاسمت کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں پر خراج عائد کیا جاتا ہے ان کی زمین کی پیداوار ان لوگوں اور اسلامی حکومت کی درمیان کسی مقررہ مقدار میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ اہل خیبر کے ساتھ ہوا کہ ان کی زمین اور درختوں کی نصف پیداوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے لیتے تھے۔

جواز مساقات کی شرائط کا بیان

اور اس کے جواز کے شرائط یہ ہیں۔ (۱) عاقدین کا عاقل ہونا (۲) جو پیداوار ہو وہ دونوں میں مشترک ہو اور اگر فقط ایک کے لیے پیداوار مخصوص کر دی گئی تو عقد فاسد ہے (۳) ہر ایک کا حصہ مُشاع ہو جس کی مقدار معلوم ہو مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی۔ (۴) باغ یا درخت عامل کو سپرد کر دینا یعنی مالک کا قبضہ اوس پر نہ رہے۔ اور اگر یہ قرار پایا کہ مالک بھی اوس میں کام کریگا تو معاملہ فاسد ہے۔ (۵) جو درخت مساقاۃ کے طور پر دیے گئے وہ ایسے ہوں کہ عامل کے کام کرنے سے اوس میں زیادتی ہو سکے یعنی اگر پھل پورے ہو چکے جتنا بڑھنا تھا بڑھ چکے صرف پکنا ہی باقی رہ گیا ہے تو یہ عقد صحیح نہیں۔ بعض شرائط ایسے ہیں جن کی وجہ سے معاملہ فاسد ہو جائے گا مثلاً یہ کہ کل پیداوار ایک کو ملے گی یا پیداوار میں سے اتنا مالک یا عامل لے گا اوس کے بعد نصف نصف تقسیم ہوگی۔ عامل کے ذمہ پھل توڑنا وغیرہ جو کام پھل طیار ہونے کے بعد ہوتے ہیں شرط کر دینا یا یہ کہ تقسیم کے بعد عامل اون کی حفاظت کرے یا مالک کے مکان پر پہنچائے۔ ایسے کسی کام کی شرط کر دینا جس کی منفعت مدت معاملہ پوری ہونے کے بعد باقی رہے مثلاً پیڑوں میں کھات ڈالنا انگوروں کے لیے چھپر بنانا باغ کی زمین کھودنا یا اس میں نئے پودے لگانا ہیں۔ معاملہ اونھیں پیڑوں کا ہو سکتا ہے جو ایک سال یا زیادہ تک باقی رہ سکیں اور جو ایسے نہیں ہیں اون کا معاملہ جائز نہیں۔ بیگن اور مرچ کے درختوں میں معاملہ ہو سکتا ہے کہ یہ مدتوں باقی رہتے اور پھلتے رہتے ہیں۔ (فتاویٰ شامی، کتاب مزارعت، بیروت)

مساقات کی جائز وناجائز صورتوں کا بیان

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ الْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا بَاطِلَةٌ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ هِيَ جَائِزَةٌ إِذَا ذَكَرَا مُدَّةً مَعْلُومَةً وَسَمَّيَا جُزْءًا مِنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا وَتَجُوزُ الْمُسَاقَاةُ فِي النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالْكَرْمِ وَالرِّطَابِ وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ فَإِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِيهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَالثَّمَرَةُ تَزِيدُ بِالْعَمَلِ جَازَ ، وَإِنْ كَانَتْ قَدْ انْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ وَإِذَا فَسَدَتْ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ وَتَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ وَتُفْسَخُ بِالْأَعْذَارِ كَمَا تُفْسَخُ الْإِجَارَةُ

ترجمہ

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پھلوں میں سے کچھ پھلوں کے تعین پر سینچنے اور سیراب کرنے کا معاملہ باطل ہے۔مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس وقت معلوم مدت کو بیان کردیا ہو اور پھلوں میں سے کچھ پھل ان دونوں نے مشترک طریقے پر مقرر کردیئے ہوں۔تو جائز ہے اور کھجور کے درختوں میں دوسرے درختوں میں انگوروں میں اور تازہ پختہ کھجوروں یا ترکاریوں میں اور بینگنوں کی جڑوں میں سینچنے وسیراب کرنے کا عقد جائز ہے۔اور پھل عمل سے محنت ومشقت سے بڑھنے والا ہو تو جائز ہے لیکن جب پھل کی بڑھوتری انتہاء کو پہنچ چکی ہو تو پھر جائز نہیں۔اور جس وقت سینچنے وسیراب کرنے کا معاملہ فاسد ہوجائے تو محنت ومشقت کرنے والے مزدور کے لئے مثلی اجرت (یعنی جو عام طور پر رائج ہو) ہوگی اور موت کی وجہ سے بھی سینچنے وسیراب کرنے والی بات باطل ہوجاتی ہے اور جیسے اجارہ فسخ ہوجاتا ہے۔ایسے ہی یہ بھی مجبوریوں کی وجہ سے فسخ ہوجاتی ہے۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے خیبر کی طرف وہ پھلوں کا اور زمینوں کا اندازہ کردیتے تھے ایک بار یہودیوں نے اپنی عورتوں کا زیور جمع کیا اور عبداللہ بن رواحہ کو دینے لگے یہ لے لو مگر ہمارے محصول میں کمی کردو عبداللہ بن رواحہ نے کہا اے یہود خدا کی ساری مخلوق میں میں تم کو زیادہ برا سمجھتا ہوں اس پر بھی میں نہیں چاہتا کہ تم پر ظلم کروں اور جو تم مجھے رشوت دیتے ہو وہ حرام ہے اس کو ہم لوگ نہیں کھاتے اس وقت یہودی کہنے لگے اسی وجہ سے اب تک آسمان اور زمین قائم ہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی ایسی زمین کی مساقات کرے جس میں درخت بھی ہوں انگور کے یا کھجور کے اور خالی زمین بھی ہو تو اگر خالی زمین ثلث یا ثلث سے کم ہو تو مساقات درست ہے۔

اور اگر خالی زمین زیادہ ہو اور درخت ثلث یا ثلث سے کم میں ہوں تو ایسی زمین کا کرایہ دینا درست ہے مگر مساقات درست نہیں کیونکہ لوگوں کا یہ دستور ہے کہ زمین میں مساقات کیا کرتے ہیں اور اس میں تھوڑی سی زمین میں درخت بھی رہتے ہیں یا جس مصحف یا تلوار میں چاندی لگی ہو اس کو چاندی کے بدلے میں بیچنے میں یا ہار یا انگوٹھی کو جس میں سونا بھی ہو سونے کے بدلے میں بیچتے

ہیں اور ہمیشہ سے لوگ اس قسم کی خرید وفروخت کرتے چلے آئے ہیں۔

اوراس کی کوئی حد نہیں مقرر کی کہ اس قدر سونا یا چاندی ہو تو حلال ہے اور اس سے زیادہ ہو تو حرام ہے مگر ہمارے نزدیک لوگوں کے عملدرامد کے موافق یہ حکم ٹھہرا ہے کہ جب مصحف یا تلوار یا انگوٹھی میں سونا چاندی ثلث قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم تو اس کی بیع چاندی یا سونے کے بدلے میں درست ہے ورنہ درست نہیں۔

(موطا امام مالک: جلداول: حدیث نمبر 1297)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب خربوزہ یا تربوز کی باقی ماندہ مالک نے پھل توڑنے کے بعد چھوڑ دیئے ہیں اگر چھوڑنے کا یہ مقصد ہے کہ جس کا جی چاہے وہ باقی پھلوں کو لے جائے تو لوگوں کو اوس کے پھل لینا جائز ہے جیسا کہ عموماً آخر فصل میں ایسا کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح کھیت کٹنے کے بعد جو کچھ بالیں یا دانے گرتے ہیں اگر مالک نے لوگوں کے لیے چھوڑ دیے تو لینا جائز ہے۔

اور عامل پر لازم ہے کہ اپنے کو حرام سے بچائے مثلاً باغ کے درخت خشک ہو گئے تو اُن کا جلانا عامل کے لیے جائز نہیں۔ اور اسی طرح سوکھی شاخیں توڑ کر ان سے کھانا پکانا جائز نہیں اور اسی طرح چھپر ٹھنیاں اور اس کے بانس پھونس کو جلانا جائز نہیں۔ اور اسی طرح مہمان یا ملاقاتی آجائے تو پھلوں سے اوس کی تواضع جائز نہیں ان سب میں مالک کی اجازت درکار ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب مساقات، بیروت)

معاملہ میں عامل کو نصف سے زائد دینے کا بیان

اور جب دو شخص باغ میں شریک ہیں ایک نے دوسرے کو بطور معاملہ دے دیا یہ معاملہ فاسد ہے جب کہ عامل کو نصف سے زیادہ دینا قرار پایا اور اس صورت میں دونوں نصف نصف تقسیم کرلیں اور اگر یہ شرط ٹھہری ہے کہ دونوں نصف نصف لیں گے تو معاملہ جائز ہے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب مساقات، بیروت)

دو شخصوں کو معاملہ پر دیا اور یہ ٹھہرا کہ تینوں ایک ایک تہائی لیں گے یہ جائز ہے اور اگر یہ ٹھہرا کہ مالک ایک تہائی لے گا اور ایک عامل نصف لے گا اور دوسرا عامل چھٹا حصہ لے گا یہ بھی جائز ہے۔

اور جب دو شخصوں کا باغ ہے اسے معاملہ پر دیا یوں کہ نصف عامل لے گا اور نصف میں وہ دونوں یہ جائز ہے اور اگر یہ شرط ہوئی کہ نصف ایک حصہ دار لے گا اور دوسرے نصف میں عامل اور دوسرا حصہ دار دونوں شریک ہوں گے یہ نا جائز ہے۔

اور جب کاشتکار نے بغیر اجازت زمیندار پیڑ لگا دیا جب درخت بڑا ہو گیا تو زمیندار کہتا ہے میرا ہے اور کاشتکار کہتا ہے میرا ہے اگر زمیندار نے یہ اقرار کرلیا ہے کہ کاشتکار ہی نے لگایا ہے اور پودہ بھی اوسی کا تھا تو کاشتکار کو ملے گا مگر دیانۃً اوس کے لیے یہ درخت جائز نہیں کیوں کہ بغیر اجازت لگایا ہے اور اگر اجازت لے کر لگاتا اور مالک زمین شرکت کی بھی شرط نہ کرتا تو کاشتکار کے لیے دیانۃً بھی جائز ہوتا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب مساقات، بیروت)

کتاب النکاح

﴿یہ کتاب نکاح کے بیان میں ہے﴾

کتاب نکاح کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ محمد بن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف جب عبادات اور معاملات سے فارغ ہوئے ہیں تو انہوں نے ایسے احکام کو شروع کیا ہے۔ جو عبادات اور معاملات دونوں میں مشترک ہیں اور نکاح ہے جو ایک طرح عبادت ہے اور ایک طرح معاملہ ہے۔ کیونکہ دین و دنیا کی بہت سے مصالح اس سے متعلق ہیں۔ اور جو شخص نکاح سے اعراض کرے اس کے لئے وعید ذکر ہوئی ہے اور نکاح کی طرف رغبت میں آثار ذکر کیے گئے ہیں۔

اور نکاح کا حکم بہ اتفاق احکام شرعیہ میں سے ہے۔ اور نکاح کی طرف بلانے کا حکم شریعت، عقل اور طبیعت کی طرف سے مسلک ہے۔ بہر حال دواعی شرعیہ کتاب وسنت اور اجماع ظاہر ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۴، ص، ۳۱۴، بیروت)

نکاح کا فقہی مفہوم

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نکاح کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا لیکن اس لفظ کا اطلاق مجامعت کرنے اور عقد کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ مجامعت اور عقد دونوں ہی میں جمع ہونا اور ملنا پایا جاتا ہے لہذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی یعنی جمع ہونا بمعنی مجامعت کرنا مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلالت کرتا ہو۔

علماء فقہ کی اصطلاح میں نکاح اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ نکاح کا لغوی معنی جمع کرنا اور ملانا ہے۔ جیسے عربی کی ضرب المثل ہے

انکحنا الفری فسنری

یعنی ہم نے مذکر نیل گائے اور مؤنث نیل گائے کا ملاپ کرا دیا ہے اور اب ہم دیکھیں گے کہ ان کے ہاں کیا پیدا ہوتا ہے۔ یہ ضرب المثل ان لوگوں کے لئے بیان کی جاتی ہے جو کسی معاملے پر اکٹھے ہو جائیں اور انہیں یہ سمجھ نہ آ رہا ہو کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

لفظ ''نکاح''، وطی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس میں ''ملانے'' کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ البتہ مجازی طور پر یہ لفظ ''عقد'' کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ نکاح عقد کے معنی میں استعمال ہونے کی مثال قرآن میں یہ ہے:

"فَانْكِحُوْهُنَّ بِإِذْنِ اَهْلِهِنَّ" (النساء: ۲۵)

"یعنی تم ان خواتین کے گھر والوں کی اجازت سے ان کے ساتھ عقدِ نکاح کرو"۔ لفظ نکاح کے وطی کے معنی میں استعمال ہونے کی مثال قرآن میں یہ ہے۔ حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء: ٦)

"یہاں تک کہ وہ لوگ نکاح (کی عمر) تک پہنچ جائیں"۔ یہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "شرح اسبیجابی" میں یہ بات تحریر ہے۔ لغت میں نکاح کا مطلب مطلق جمع (اکٹھے کرنا) ہے۔ جبکہ شریعت میں مخصوص شرائط کے ہمراہ کیا جانے والا عقد "نکاح" کہلاتا ہے۔

(البنایہ شرح الہدایہ، ج۵، ص۳، حقانیہ ملتان)

فخر الاسلام فرماتے ہیں: نکاح، شرعی عقد کو کہتے ہیں اور اس کے ذریعے وطی مراد لی جاتی ہے۔ زیادہ صحیح رائے یہ ہے: اس سے مراد حقیقت میں وطی ہوتی ہے، کیونکہ وطی کرنے میں ضم کرنے کا مفہوم حقیقت کے اعتبار سے پایا جاتا ہے، جبکہ مجازی طور پر اس سے مراد عقد ہوگا۔ نکاح سے مراد حقیقت میں عقد نہیں لیا جاسکتا کیونکہ اس صورت میں لفظ نکاح کو وطی اور عقد دونوں معانی کے لیے مشترک ماننا پڑے گا، اور یہ بات اصل کے خلاف ہے۔

تعریف نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ فقہاء احناف میں بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ایک شخص کو کسی کی ذات سے حصول نفع کا مالک بنا دینا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ خاص شخص صرف مخصوص عضو سے نفع حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔

بعض فقہاء احناف نے یہ لکھا ہے کہ کسی شخص کو ملکہ متعہ کا مالک بنا دینا نکاح ہے۔ جبکہ بعض نے کہا ہے کہ نکاح صرف عضو خاص نہیں بلکہ جسم کے تمام اعضاء سے نفع حاصل کرنے کے لئے ہے۔

فقہاء شوافع میں بعض نے نکاح کی تعریف یوں کی ہے کہ نکاح ایک معاملہ ہے جس میں نکاح یا تزویج یا اس کے ہم معنی لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس سے مباشرت کی ملکیت حاصل ہو اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص لذت معلومہ سے نفع حاصل کرے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ نکاح ایک محض جنسی لذت کے لئے ایک معاملہ ہے جو حصول لذت سے پہلے گواہوں کی موجودگی میں کیا جاتا ہے۔ اور اس کام کی قیمت واجب الادا نہیں ہوتی۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ نکاح منفعت استمتاع کے لئے ایک معاملہ ہے جس میں انکاح یا تزویج کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور استمتاع سے مراد فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ مرد کا خود نفع حاصل کرنا ہے۔ (مذاہب اربعہ، ج۴، ص۴، اوقاف پنجاب)

ایجاب وقبول کے سبب انعقاد نکاح کا بیان

اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِي أَوْ يُعَبَّرُ بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِي وَالْآخَرِ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ زَوِّجْنِي فَيَقُولُ قَدْ زَوَّجْتُكَ ،

ترجمہ

نکاح ایجاب وقبول کے ساتھ "ایسے دولفظوں کے ساتھ کہ جن کے ساتھ ماضی کوتعبیر کیا جاتا ہو یا ان میں سے ایک کے ساتھ ماضی اور دوسرے کے ساتھ مستقبل کوتعبیر کیا جاتا ہو" منعقد ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر یہ کہنا کہ تو مجھ سے نکاح کر (فرض کیا کہنے والی عورت ہو) تو اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے تم سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔

نکاح کے لئے صیغہ ماضی کومتعین کرنے کا بیان

علامہ عبداللہ بن محمد آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے صیغہ ماضی سے تعبیر کو بیان کیا ہے۔جبکہ ماضی کے صیغے کی وضع بطور خبر کے ہوتی ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ مضارع کے صیغے کا اگر تعین کیا جائے تو اس میں حال اور استقبال دونوں زمانوں کا احتمال ہے۔لہٰذا احتمال کی وجہ سے وہ ساقط ہو گیا۔پس باقی ماضی کا صیغہ رہ گیا جس کو مصنف نے اختیار کرلیا ہے۔اگر چہ اس کی تعبیر اخبار کے لئے ہے۔لیکن دلالت صریحہ بھی اسی سے ملتی ہے۔(مجمع الانہر، کتاب النکاح، بیروت)

خبر سے اقرار نکاح کے عدم اعتبار کا بیان

بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد وعورت میں پہلے نکاح نہیں ہے اب انھوں نے بالاتفاق نکاح کا اقرار کرلیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے ثابت شدہ چیز کی خبر ہوتی ہے جبکہ اقرار سے قبل ان کا نکاح نہیں تھا، اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ ہے کہ دو فریقوں نے بیع کا اقرار کیا حالانکہ پہلے بیع نہ تھی تو اس اقرار سے بیع منعقد نہ ہوگی۔

نوازل میں مذکور ہے کہ مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار فارسی میں کیا کہ "ہم بیوی خاوند ہیں" تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔اسی طرح اگر مرد نے ایک عورت کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس عورت نے بھی کہا کہ یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔(فتاویٰ خیریہ، ج ا، ص ۱۴۹، دہلی)

علامہ حسین بن محمد سمعانی حنفی لکھتے ہیں۔

مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو نکاح نہ ہوگا، یہی مختار ہے، کیونکہ نکاح اثبات کا نام ہے، اور اقرار اثبات نہیں ہوتا بلکہ اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کے لیے اپنے مال کا جھوٹا اقرار کیا تو دوسرے کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی، خ (یعنی خلاصہ) اگر کسی مرد نے کسی عورت کے متعلق کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے، تو گواہوں کے سامنے اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے سے موجود چیز کے بارے میں خبر ہوتی ہے جبکہ یہاں نکاح

موجود نہیں ہے۔(خزانة المفتین، کتاب النکاح، ج ۱، ۷۶)

ایجاب وقبول کے صیغوں سے انعقاد نکاح کا بیان

علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ ایجاب وقبول میں ماضی کا لفظ ہونا ضروری ہے، مثلاً یوں کہے کہ میں نے اپنا یا اپنی لڑکی یا اپنی موکلہ کا تجھ سے نکاح کیا یا اِن کو تیرے نکاح میں دیا، وہ کہے میں نے اپنے لیے یا اپنے بیٹے یا مؤکل کے لیے قبول کیا یا ایک طرف سے امر کا صیغہ ہو۔ دوسری طرف سے ماضی کا، مثلاً یوں کہ تو مجھ سے اپنا نکاح کر دے یا تو میری عورت ہو جا، اُس نے کہا میں نے قبول کیا یا زوجیت میں دیا ہو جائے گا یا ایک طرف سے حال کا صیغہ ہو۔ دوسری طرف سے ماضی کا، مثلاً کہے تُو مجھ سے اپنا نکاح کرتی ہے اُس نے کہا کیا تو ہو گیا یا یوں کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اُس نے کہا میں نے قبول کیا تو ہو جائے گا، اِن دونوں صورتوں میں پہلے شخص کو اس کی ضرورت نہیں کہ کہے میں نے قبول کیا۔ اور اگر کہا تُو نے اپنی لڑکی کا مجھ سے نکاح کر دیا اُس نے کہا کر دیا یا کہا ہاں تو جب تک پہلا شخص یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کیا نکاح نہ ہوگا اور ان لفظوں سے کہ نکاح کروں گا یا قبول کروں گا نکاح نہیں ہو سکتا۔ (درمختار، ج ۴ ص ۷۸، کتاب النکاح، بیروت)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بعض ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں ایک ہی لفظ سے نکاح ہو جائے، مثلاً چچا کی نابالغہ لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور ولی یہی ہے تو دو گواہوں کے سامنے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اُس سے اپنا نکاح کیا یا لڑکا لڑکی دونوں نابالغ ہیں اور ایک ہی شخص دونوں کا ولی ہے یا مرد وعورت دونوں نے ایک شخص کو وکیل کیا۔

اُس ولی یا وکیل نے یہ کہا کہ میں نے فلاں کا فلاں کے ساتھ نکاح کر دیا ہو گیا۔ اِن سب صورتوں میں قبول کی کچھ حاجت نہیں۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح)

تملیک کی تعبیر والے الفاظ سے انعقاد نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔ فقہاء شوافع، مالکیہ، حنابلہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ایسے الفاظ جو تملیک کے مفہوم پر مشتمل ہوں ان سے عقد نکاح درست نہیں ہے۔ جس طرح خرید وفروخت وصدقہ وغیرہ ہیں۔

شوافع وحنابلہ اس مسئلے پر بھی متفق ہیں کہ جب تک عقد میں ایسے الفاظ نہ ہوں جو مصدر انکاح یا تزویج سے مشتق ہوں نکاح درست نہ ہوگا۔

فقہاء احناف کے نزدیک جن الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے صاحب ہدایہ نے انہیں بیان کر دیا ہے۔ جن کا ملاحظہ آپ ہدایہ کی عبارت میں کر چکے ہیں۔ (کتاب الفقہ، ج ۴ ص ۳۱، اوقاف پنجاب)

مذاق واجباری نکاح کے انعقاد میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ کے مذاق کے طور پر نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا

اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں اپنی بیٹی کا عقد تمہارے ساتھ کردیا اور وہ مخاطب کہے کہ میں قبول کرلیا تو نکاح ہو جائے گا۔ اگرچہ دونوں نے یہ بات مذاق کے طور پر کہی ہو اور طلاق وعتاق میں بھی یہی حکم ہے۔ جو نکاح زبردستی کرایا جائے اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کو مجبور کیا جائے اور اس طرح دباؤ ڈالا جائے جس کو شرعی طور پر جبر (زبردستی) کہتے ہیں کہ میں نے فلاں عورت کا نکاح اپنے ساتھ قبول کیا ہے تو نکاح منعقد نہ ہوگا جبکہ احناف اس سے اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جبری طور پر نکاح کروا لینے سے عقد منعقد ہو جائے گا۔ (کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۳۲، اوقاف پنجاب)

بعض فقہاء مالکیہ کے نزدیک مذاق کرنے والے کا نکاح درست نہ ہوگا۔ جبکہ مشہور مذہب امام مالک کا جس کو ذخیرہ میں نقل کیا گیا ہے اس کے مطابق اس کا نکاح درست ہوگا۔

نکاح کے لئے شہادت ہونے کا بیان

وَلَا يَنۡعَقِدُ نِكَاحُ الۡمُسۡلِمِينَ إِلَّا بِحُضُورِ شَاهِدَيۡنِ حُرَّيۡنِ مُسۡلِمَيۡنِ بَالِغَيۡنِ عَاقِلَيۡنِ أَوۡ رَجُلٍ أَوۡ وَامۡرَأَتَيۡنِ عُدُولًا كَانُوا أَوۡ غَيۡرَ عُدُولٍ أَوۡ مَحۡدُودِينَ فِي قَذۡفٍ فَإِنۡ تَزَوَّجَ مُسۡلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيۡنِ جَازَ عِنۡدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ لَا يَجُوزُ،

ترجمہ

اور مسلمانوں کا نکاح دو آزاد، بالغ، عقل مند آدمیوں کی موجودگی کے بغیر یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی کے بغیر" وہ چاہے عادل ہوں یا وہ تہمت لگانے کی وجہ سے سزا یافتہ ہوں" منعقد نہیں ہوتا ہے۔ اب جب کسی مسلمان آدمی نے ذمیہ عورت کے ساتھ دو ذمی مردوں کی گواہی کے ساتھ نکاح کرلیا تو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے۔ مگر امام محمد اور امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا جائز نہ ہوگا۔

نکاح میں شرط گواہی کے ثبوت میں احادیث کا بیان

نکاح کے وقت جس طرح سرپرست کی اجازت اور عورت کی رضامندی ضروری ہے، اسی طرح اظہار رضامندی کے وقت کم از کم دو گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ آئندہ اگر کوئی تنازعہ کھڑا ہو تو دونوں گواہ اپنا کردار ادا کرسکیں۔

(۱) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرپرست اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (دار قطنی ص 225، ج2)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں دو دیانت دار گواہ کے الفاظ ہیں۔ (بیہقی ص 125 ج 7) گواہوں میں عدالت بھی شرط ہے کہ وہ اچھے کردار کے حامل اور بہترین اخلاق سے متصف ہوں، اسی طرح سرپرست کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ لڑکی کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھنے والا ہو جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دو عادل گواہ اور خیر خواہ

سرپرست کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (مسند امام احمد ص 250 ج 1)

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک معاملہ لایا گیا جس میں نکاح کے وقت صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے تو انہوں نے فرمایا یہ خفیہ نکاح ہے، میں اسے جائز نہیں قرار دے سکتا۔ اگر میں وہاں شریک ہوتا تو انہیں رجم کی سزا دیتا۔

(مؤطا امام مالک ص 535 ج 1)

(۴) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زانی عورتیں وہ ہیں جو گواہوں کے بغیر نکاح کرتی ہیں یوسف بن حماد کہتے ہیں کہ عبدالاعلی نے یہ حدیث تفسیر کے باب میں مرفوع اور کتاب الطلاق میں موقوف نقل کی ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۱۱۰۳)

نکاح گواہوں کی موجودگی پر فقہی مذاہب اربعہ

نکاح صحیح ہونے کے لیے دو عادل مسلمان گواہوں کا ہونا شرط ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا" اسے امام بیہقی نے عمران اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "دو مسلمان گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، چاہے خاوند اور بیوی دونوں مسلمان ہوں، یا پھر خاوند اکیلا مسلمان ہو امام احمد نے یہی بیان کیا ہے، اور امام شافعی کا بھی ایک قول ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (المغنی (ج، 7، ص 7، بیروت)

تاہم مشہور مالکی فقیہہ ابن رشد اندلسی لکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک اس بات پر متفق ہیں: گواہوں کی موجودگی نکاح کے لئے شرط ہے، لیکن ان کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، کیا یہ نکاح مکمل ہونے کے لئے شرط ہے کہ صحبت کے وقت اس کی موجودگی کا حکم دیا جائے، یا یہ نکاح کی صحت کے لئے شرط ہے کہ عقد (یعنی ایجاب وقبول) کے وقت اس کی موجودگی کا حکم دیا جائے۔

ان حضرات کے درمیان اختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے: نکاح میں گواہوں کی موجودگی کوئی شرعی حکم ہے؟ یا اس کا مقصد باہمی اختلاف، یا ممکنہ طور پر کسی فریق کی طرف سے عقد کے انکار کو روکنا ہے؟

جن حضرات نے اسے شرعی حکم قرار دیا ہے ان کے نزدیک گواہوں کی موجودگی نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اور جن حضرات کے نزدیک اس حکم کا مقصد صرف کسی اختلاف سے بچنا ہے، ان کے نزدیک یہ نکاح کی تکمیل کے لئے شرط ہے۔

ابن رشد مزید لکھتے ہیں: ابوثور اور ایک جماعت کے نزدیک، گواہ نکاح میں شرط نہیں ہیں، نہ صحت کے لئے اور نہ ہی تکمیل کے لئے۔

امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ بات منقول ہے: انہوں نے گواہوں کے بغیر نکاح کر لیا تھا اور پھر اس کا

اعلان کردیا تھا۔

مصنف نے اعلان کے شرط ہونے کے بارے میں امام مالک کی دلیل نقل نہیں کی۔ تاہم دیگر محققین نے یہ بات نقل کی ہے امام مالک کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔''اس نکاح کا اعلان کرو اور اس میں (اعلان کے طور پر) دف بجاؤ''۔

نکاح کی گواہی پر وصف تذکیر میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ فقہاء مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نکاح کے دونوں گواہوں کے لئے مرد ہونا شرط ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک عورتوں کی گواہی علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ جبکہ احناف کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں قابل قبول ہے۔ (مذاہب اربعہ، ج ۴، ص ۳۴، اوقاف پنجاب)

نکاح منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عاقل بالغ اور حر، مجلس میں حاضر ہوں۔ (درمختار کتاب النکاح) بحر الرائق میں ہے: **فلا ینعقد بحضرة العبید والصبیان** ۔ غلاموں اور بچوں کی موجودگی سے نکاح نہ ہوگا۔

(بحر الرائق کتاب النکاح)

فریقین کا مجلس نکاح میں شاہدین کے سامنے ہونے کا بیان

علامہ محمد امین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بحر میں ہے کہ گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا ضروری ہے تا کہ کسی قسم کی جہالت و لاعلمی نہ رہے، پس اگر مجلس میں نقاب پہن کر حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگر چہ چہرہ کھلا رکھنے میں احتیاط ہے۔ اگر مجلس والے اس عورت کی شخصیت کو نہ دیکھ پائیں اور کمرے میں سے اس کی آواز سن رہے ہوں اگر وہ کمرے میں اکیلی ہو تو نکاح جائز ہے اور اگر اس کے ساتھ کمرے میں کوئی عورت بھی ہو تو جائز نہیں، کیونکہ لاعلمی باقی ہے۔ اور اگر وہ عورت مجلس میں موجود نہیں اور اس کی آواز بھی سنی نہیں جاسکتی اس کی طرف سے اس کا نکاح وکیل کر رہا ہو تو اگر گواہ اس عورت کو جانتے ہیں تو نکاح میں عورت کا نام ذکر کر دینا کافی ہے جبکہ گواہوں کو علم ہو کہ وکیل کی مراد وہی عورت ہے۔

اور اگر گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں تو عورت، اس کے والد اور دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور امام خصاف نے نام ذکر کئے بغیر بھی جائز کہا ہے مثلاً ایک عورت نے نکاح کرنے والے کو گواہوں کے سامنے اپنا وکیل بنایا ہو تو اس سے نکاح کرنے والا یوں کہہ دے کہ میں نے ان گواہوں کی موجودگی میں اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا یا یوں کہہ دے کہ جس عورت نے مجھے اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے میں نے اس کا نکاح اپنے ساتھ کر دیا، تو اس طرح بھی امام خصاف کے قول پر نکاح صحیح ہوگا، امام قاضی خاں نے فرمایا کہ خصاف کا علم میں بڑا مقام ہے اس کی بات پر عمل جائز ہے۔ اور حاکم شہید نے بھی منتقی میں خصاف جیسا قول کیا ہے۔ اور تاتارخانیہ میں مضمرات کے حوالے سے ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ بحر میں فضولی اور وکیل کی فصل میں یونہی اس کو مذہب میں مختار قرار دیا ہے جو کہ خصاف کے قول کے خلاف ہے اگر چہ خصاف کا بڑا علمی مقام ہے۔

(ردالمحتار کتاب النکاح، ج ۲، ص ۲۷۶، دار احیاء التراث العربی بیروت)

شہادت نکاح میں تعبیر اصیل کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب وہ اپنے اصیل ہونے کو تعبیر کرے، یعنی "میں نے نکاح کرلیا" کہے، لیکن اگر اس نے نائب ہونے کو تعبیر کیا اور "نکاح کر دیا" کہا تو یہ کافی نہیں، پس اگر اس نے "فلاں عورت سے نکاح کرلیا" کہا، تو وہ کافی ہے اور اگر یوں کہا کہ "میں نے فلاں عورت کا اپنے ساتھ نکاح کر دیا" تو کافی نہ ہوگا کیونکہ اس کہنے میں وہ نائب ہے۔

اور ہدایہ کی وہ عبارت جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے وہ اس بات کی نفی میں صریح ہے اور تجنیس میں بھی اس کی نفی پر تصریح، غریب الروایہ اور فتاویٰ صغریٰ کے حوالے سے کی ہے۔

(فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح، بیروت)

نکاح مسلم کی شہادت میں اسلام کے شرط ہونے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت کے ساتھ ہے تو گواہوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، لہٰذا مسلمان مرد وعورت کا نکاح کافر کی شہادت سے نہیں ہوسکتا اور اگر کتابیہ سے مسلمان مرد کا نکاح ہو تو اس نکاح کے گواہ ذمّی کافر بھی ہوسکتے ہیں، اگرچہ عورت کے مذہب کے خلاف گواہوں کا مذہب ہو، مثلاً عورت نصرانیہ ہے اور گواہ یہودی یا بالعکس۔ یوہیں اگر کافر و کافرہ کا نکاح ہو تو اس نکاح کے گواہ کافر بھی ہوسکتے ہیں اگرچہ دوسرے مذہب کے ہوں۔ سمجھ دار بچے یا غلام کے سامنے نکاح ہوا اور مجلس نکاح میں وہ لوگ بھی تھے جو نکاح کے گواہ ہوسکتے ہیں پھر وہ بچہ بالغ ہوکر یا غلام آزاد ہونے کے بعد اُس نکاح کی گواہی دیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا اور اُس وقت ہمارے سوا نکاح میں اور لوگ بھی موجود تھے، جن کی گواہی سے نکاح ہوا تو اُن کی گواہی مان لی جائے گی۔ مسلمان کا نکاح ذمیہ سے ہوا اور گواہ ذمّی تھے، اب اگر مسلمان نے نکاح سے انکار کر دیا تو ان کی گواہی سے نکاح ثابت نہ ہوگا۔ (درمختار، کتاب النکاح، بیروت)

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

وَلَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُمِّهِ وَلَا بِجَدَّاتِهِ وَلَا بِأُمِّ امْرَأَتِهِ دَخَلَ بِابْنَتِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ وَلَا بِبِنْتِ امْرَأَتِهِ الَّتِي دَخَلَ بِأُمِّهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِي حِجْرِهِ أَوْ حِجْرِ غَيْرِهِ وَلَا بِامْرَأَةِ أَبِيهِ وَأَجْدَادِهِ وَلَا بِامْرَأَةِ ابْنِهِ وَبَنِي أَوْلَادِهِ وَلَا بِأُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِأُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ أُخْتَيْنِ بِنِكَاحٍ وَلَا بِمِلْكِ يَمِينٍ وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا خَالَتِهَا وَلَا بِنْتِ أُخْتِهَا وَلَا بِنْتِ أَخِيهَا وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ لَوْ كَانَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا رَجُلًا لَمْ يَجُزْ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْأُخْرَى وَلَا بَأْسَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ امْرَأَةٍ وَابْنَةِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلِهِ

ترجمہ

آدمی کے لئے اپنی ماں کے ساتھ اور اپنی دادی کے ساتھ ''وہ مردوں کی جانب سے ہو یا عورتوں کی طرف سے'' ان کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اور آدمی کے لئے اپنی بیٹی اور اپنے بیٹے کی بیٹی یعنی پوتی جبکہ وہ نچلے سلسلہ سے ہوں ان سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اپنی بہن سے' اور نہ اپنی بہن کی بیٹیوں یعنی اپنی بھانجیوں سے نہ اپنی پھوپھی سے' نہ اپنی خالہ سے' نہ اپنے بھائیوں کی بیٹیوں یعنی اپنی بھتیجیوں سے' اور نہ ہی آدمی کا اپنی ساس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ وہ اس ساس کی بیٹی سے دخول کر چکا ہو یا نہ کیا ہو اور نہ اپنی اس بیوی کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔ جس بیوی کے ساتھ دخول کر چکا ہو۔ اب برابر ہے کہ وہ بیٹی اس کے ہی زیر کفالت ہو' چاہے کسی اور کے زیر کفالت ہو۔ نہ ہی اپنے باپ کی بیوی سے' نہ اپنے دادا کی بیوی سے' نہ اپنے بیٹے کی بیوی سے یعنی اپنی بہو سے' نہ اپنے پوتوں میں سے کسی کی بھی بیوی سے' نہ اپنی رضاعی ماں سے' اور نہ ہی اپنی رضاعی بہن سے ہی شادی کرنا حلال ہے۔ اور نہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرے' اور نہ ملک یمین کے سبب دو لونڈیوں کو ایک وطی میں جمع کرے یعنی ایسا نہ ہو کہ دو بہنیں لونڈیاں اس کی ملک میں ہوں اور وہ دونوں سے وطی کرتا ہو۔ نہ ہی آدمی عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کر سکتا ہے۔ اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو' نہ عورت اور اس کی بھانجی کو' نہ عورت اور اس کے بھائی کی بیٹی کو یعنی اس کی بھتیجی کو اور نہ ہی آدمی ایسی دو عورتوں کو جمع کر سکتا ہے کہ جب ان میں سے ایک مرد ہو' تو اس کے لئے دوسری سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ ہاں عورت اور اس کے پہلے خاوند کی بیٹی کو جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فروج میں اصل حرمت ہے۔ قاعدہ فقہیہ

الاصل فی الابضاع التحریم .(الاشباہ والنظائر، ص ۳۳)

فروج میں اصل حرمت ہے۔

اس قاعدہ کے ثبوت میں ہم علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفی کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔

و احل لکم ما وراء ذلکم .(الایہ)

قرآن وسنت کی روشنی میں مذکورہ محرمات کے سوا میں یہ آیت عام ہے اور یہ عموم متفق علیہ ہے۔

(احکام القرآن، ج ا، ص ۳۸۴، مطبوعہ بیروت)

فانکحوا ما طاب لکم ،(الایہ)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ محرمات کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں لیکن ان کی حلت بھی قید نکاح کے ساتھ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابضاع میں اصل حرمت ہے۔

حرمت کی اقسام:

حرمت کی دو اقسام ہیں۔ ا۔ حرمت ابدی ۲۔ حرمت عارضی

حرمت ابدی:

وہ رشتے جن کا قرآن وسنت میں وضاحت کے ساتھ بیان موجود ہے جن کو محرمات کہتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا ہی حرام ہے۔

حرمت عارضی:

محرمات ابدیہ کے سوا وہ تمام عورتیں جن سے نکاح کرنا حلال ہے وہ انعقاد نکاح تک حرام ہیں اور جب نکاح ہوگا تو حرمت عارضی مرتفع ہو جائے گی۔

حرمت ابدی کے اسباب:

ا۔ حرمت نسب:

وہ نسبی رشتے جن کی حرمت قرآن وسنت نے حرمت ابدیہ کے طور پر بیان کردی ہے

محرمات نسبیہ:

مائیں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، اور بھانجیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا، صحبت کرنا اور کسی قسم کا کوئی بھی شہوانی عمل کرنا دائما حرام ہے۔

ا۔ ماؤں میں دادی، پردادی، نانی، پرنانی، اور ان سے بھی اوپر کی دادیاں اور نانیاں داخل ہیں۔

۲۔ بیٹی میں اس کی اپنی بیٹی، اس کی پوتی، پرپوتی، اور اس سے نچلے درجہ کی سب بیٹیاں داخل ہیں۔

۳۔ بہن میں اس کی عینی بہن (سگی) علاتی بہن (باپ کی طرف سے سوتیلی) اخیافی بہن (ماں کی طرف سے سوتیلی) بہنیں داخل ہیں۔

۴۔ اور اسی طرح بھتیجیوں اور بھانجیوں میں اس کے نچلے درجے کی بھی داخل ہیں

۵۔ پھوپھیوں میں اس کے باپ کی عینی بہن، علاتی بہن اور اخیافی بہن داخل ہیں اسی طرح اس کے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اس کی ماں اور اس کی نانی کی پھوپھیاں بھی داخل ہیں۔ اور ان سے اوپر کی عینی اور علاتی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام ہے۔ اور اخیافی پھوپھی کی پھوپھی حرام نہیں ہے یعنی باپ کی اخیافی بہن کی پھوپھی۔

۶۔ خالاؤں میں ماں کی سگی بہن، ماں کی علاتی بہن، اور ماں کی اخیافی بہن سب حرام ہیں اور عینی خالہ کی خالہ اور اخیافی خالہ کی خالہ بھی حرام ہے البتہ علاتی خالہ کی خالہ حرام نہیں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، ج ۱، ص ۲۷۳، مکتبہ امیریہ بولاق مصر)

۲۔حرمت رضاعت:

وہ رشتے جو حرمت رضاعت کی وجہ سے حرام ہوئے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی سے نکاح کر لیجئے فرمایا: وہ میرے لئے حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے اور رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو رشتے نسب سے حرام ہو جاتے ہیں۔ (مسلم، ج۱، ۴۶۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مدت رضاعت:

امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے مدت رضاعت گزرنے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی تحریم۔

(ہدایہ اولین، ج۲، ص۳۴۰ مجتبائے دہلی)

محرمات رضاعیہ:

حرمت رضاعت کا تعلق جس طرح دودھ پلانے والی عورت سے ہوتا ہے اسی طرح اس کے شوہر سے بھی ہوتا ہے دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول وفروع حرام ہیں۔ خواہ وہ اصول اور فروع نسبا ہوں یا رضاعی، حتی کہ دودھ پلانے والی کا اس شخص (شوہر) سے یا کسی سے بچہ پیدا ہو، اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو دودھ پلائے تو یہ سب اس دودھ پینے والے کے بہن بھائی ہیں اور ان کی اولاد اس کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے اور دودھ پلانے والی عورت کا شوہر کا بھائی اس کا چچا ہے اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے اور اس کی بہن اس کی خالہ ہے اسی طرح دادا، اور دادی کا حکم ہے اور رضاعت میں مصاہرت بھی ثابت ہوگی حتی کہ دودھ پلانے والی کے شوہر کی بیوی دودھ پینے والے پر حرام ہوگی اور دودھ پینے والے کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (فتاوی عالم گیری، ج۱، ص۳۴۳-۳۴۲، بولاق مصر)

۳۔حرمت مصاہرت:

وہ عورتیں جن سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو وہ بھی تم پر حرام ہیں۔ (النساء)

حرمت نکاح کے عارضی ذرائع واسباب:

۴۔جمع:

لا یجمع بین الا ختین .(النساء)

ا۔نکاح میں دو بہنوں جمع کرنا حرام ہے صاحب ہدایہ جمع کے بارے میں قاعدہ لکھتے ہیں

قاعدہ:

ولا یجمع بین امراۃ تین لو کانت احدھما رجلا لم یجز لہ

(ہدایہ اولین ج ۲ ص ۲۸۹، المجتبائے دہلی)

۲۔ایسی دوعورتوں کو جمع نہ کیا جائے اگران میں سے ایک کو مرد تصور کریں تو اس کا نکاح دوسری کے ساتھ جائز نہ ہو۔

۳۔مدخول بھا کی بیٹی یا ماں کو جمع کرنا:

من نساء کم التی دخلتم بھن .(النساء ،۲۳)

ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

۴۔بیوی پر اس کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: کہ کوئی شخص اپنی بیوی پر اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ سے نکاح نہ کرے۔(سنن نسائی، ج ۲، ص ۸۱، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۵۔کفر وشرک:

مسلمان مرد وعورت کا نکاح کافر ومشرک مرد وعورت سے منع ہے مگر جبکہ کافر مرد وعورت اسلام کو قبول کرلیں تو پھر نکاح درست ہوگا۔

۶۔تعدد ازواج:

جس کی چار بیویاں ہوں تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ چار بیویوں کے ہوتے ہوئے کسی اور عورت سے نکاح کرے کیونکہ اسلام میں چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کی اجازت ہے لیکن اگر اس کی کوئی بیوی فوت ہو جائے یا اس نے کسی کو طلاق دے دی ہو تو وہ بعد از عدت نکاح کر سکتا ہے۔جبکہ عورت کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ ایک وقت میں صرف ایک ہی نکاح کر سکتی ہے اسے منکوحہ ہوتے ہوئے یا عدت والی ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کی اجازت ہرگز نہیں۔

۷۔عدت:

کسی عورت کا اگر شوہر فوت ہو جائے یا اسے تین طلاقیں ہو چکیں یا کسی اور سبب یا ذریعے سے نکاح ختم ہو چکا اور وہ عدت میں ہو تو اس کا نکاح عدت میں کسی اور مرد سے منع ہے۔مگر جبکہ عدت پوری ہو جائے تو پھر نکاح کرنا حلال ہوگا۔

۸۔بیٹوں کی بیویاں:

وحلائل ابناء کم الذین من اصلا بکم (النساء)

اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں)

۹۔ غیر کے حق میں حرمت:

کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے یعنی پہلے سے منکوحہ کے ساتھ نکاح کرنا۔

۱۰۔ دین:

مجوسی عورتوں سے نکاح کرنا یا اسی طرح مشرکین کی خواتین سے نکاح کرنا منع ہے۔

۱۱۔ غیر مدخولہ کی ماں سے نکاح:

یحیٰی بن سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کے پاس جانے سے پہلے اسے جدا کر دیا (نکاح ختم کر دیا) کیا اس شخص کے لئے اس کی ماں (سے نکاح) حلال ہے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔

(موطا امام مالک، ص ۳۰۶ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۱۲۔ مفقود الشوہر عورت سے نکاح:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور اس کو معلوم نہ کہ وہ کہاں ہے تو چار سال انتظار کرے، پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے۔ پھر وہ حلال ہو جائے گی۔

(موطا امام مالک ص ۳۲۲، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۱۳۔ طلاق ثلاثہ والی عورت سے نکاح:

اگر کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ شخص عدت کے بعد بھی دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ اس عورت کا حلالہ ہو جائے۔

حضرت زبیر بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رفاعہ بن سموال نے اپنی بیوی تمیمہ بنت وھب کو تین طلاقیں دی تھیں پس اس عورت نے عبد الرحمٰن بن زبیر سے نکاح کیا تو عبد الرحمٰن بن زبیر نے اس عورت سے اعراض کیا کیونکہ وہ اسے چھونے کی طاقت نہیں رکھتے تھے پس انہوں نے اسے جدا کر دیا تو رفاعہ نے اسی عورت سے نکاح کا ارادہ کیا جو کہ اس عورت کے پہلے شوہر تھے پھر انہوں نے یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے اس عورت سے نکاح منع کیا اور فرمایا: وہ تمہارے لئے حلال نہیں حتیٰ کہ وہ (کسی دوسرے سے جماع) کر لے۔

(موطا امام مالک، ص ۳۰۵، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

۱۴۔مزنیہ عورت کے اصول وفروع حرام ہیں:

جس عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا ہو اور وہ جس کی شرمگاہ کے داخل حصہ کو شہوت سے دیکھا ہو، ان عورتوں کے اصول فروع حرام ہو جائیں گے۔(درمختار، ج ا، ص ۱۸۸، المجتبائے دہلی) یعنی یہاں پر حرمت سے مراد حرمت دائمی ہے۔

۱۵۔عدم ادائیگی حقوق:

ا۔جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالبا، اس سے شوہر کی اطاعت اور اس کے حقوق واجبہ ادا نہ ہوں گے اسے نکاح ممنوع و ناجائز ہے اور اگر کرے گی، تو یہ صورت کراہت تحریمی کی ہوگی۔

۲۔اگر یہ خوف مرتبہ ظن سے تجاوز کر کے یقین تک پہنچا جب تو اسے نکاح حرام قطعی ہے۔(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

۱۶۔مجنون کی دوسری شادی:

علمائے شوافع کے نزدیک مجنون کی دوسری شادی جائز نہیں کیونکہ اس کی پہلی شادی بھی ضرورت کے تحت مباح ہوئی تھی لہٰذا جو چیز ضرورت کے تحت مباح ہو، وہ بقدر ضرورت ہی ہوتی ہے(الاشباہ)

۱۷۔بدعقیدہ لوگوں کے ہاں نکاح:

وہ لوگ جنہوں نے ختم نبوت کے عقیدے کا انکار کیا وہ ہمارے ملک میں مرزائی یا قادیانی کہلاتے ہیں اسی طرح گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں توہین آمیز کتابیں لکھنے والے وہ دیوبندی، وہابی، اہل حدیث، اہل تشیع اور ان کی اتباع کرنے والے لوگوں کے ہاں مسلمانوں کو شادی بیاہ کرنا ہرگز جائز نہیں۔

آج ہماری حالت یہ ہو چکی ہے کہ لوگ دین کے معاملات میں بالکل ہی دل چسپی نہیں رکھتے لیکن دنیاوی معاملات میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیٹی کی شادی کرنی ہو بالخصوص جب برادری سے باہر کہیں رشتہ کرنا ہو، تو تحقیق کی جاتی ہے کہ لڑکے والوں کی قوم، ان کے رسم ورواج، رہن سہن کے طریقے، مزاج، زبان، کاروباری حالت، نوکری، تنخواہ، گھریلو افراد کی تعداد، وراثتی جائیداد، تعلیم، شعبہ، اور اس کے بعد نکاح نامہ پر کڑی شرائط اور غیر شرعی پابندیاں اور کئی مراحل طے کرنے کے بعد بھی کچھ لوگ اعتماد کرتے ہیں جبکہ بعض لوگ پھر بھی اعتماد نہیں کرتے۔ کیونکہ ایک بچی کی زندگی کا مسئلہ ہے لیکن صد افسوس: کہ لوگ اپنا دینی رہنما و پیشوا بناتے وقت یا جس سے دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اس کے بارے اتنا بھی علم نہیں رکھتے کہ اس کے اپنے عقائد کیا ہیں۔گمراہ فرقوں کے عقائد اگر لوگوں کو معلوم ہو جائیں اور انصاف کے ساتھ لوگ تصفیہ کریں تو یہ دنیا دیوبندیت، وہابیت اور اہل تشیع سے پاک ہو جائے۔ یاد رہے کہ ترمذی شریف کی آخری حدیث مبارکہ ہے۔حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہے تم دیکھو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔(ترمذی، ج ۲، ص ۶۸۶، مکتبہ فاروقیہ ملتان)

سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرما کراب جن عورتوں سے نکاح جائز نہیں ان سب کو بیان فرماتے ہیں وہ عورتیں چند قسم ہیں۔
اوّل انکو بیان کیا جاتا ہے جو علاقہ نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور وہ سات ہیں ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی ان میں سے کسی کے ساتھ کسی کو نکاح کرنا جائز نہیں۔

ماں کے حکم میں دادی، نانی، اوپر تک کی سب داخل ہیں ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک کی سب داخل ہیں اور بہن میں عینی اور علاتی اور اخیافی سب داخل ہیں اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آ گئیں اور خالہ میں ماں اور نانی اور نانی کی نانی سب کی بہن تینوں قسم کی داخل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد اور اولاد کی اولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد کی اولاد داخل ہیں۔

محرمات نسبی کے بعد اب محرمات رضاعی کو بیان کیا جاتا ہے اور وہ دو ہیں، ماں اور بہن اور اس میں اشارہ ہے کہ ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے، رضاعت میں بھی حرام ہیں، یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں، چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔

اب محرمات مصاہرت کا ذکر ہے یعنی علاقہ نکاح کی وجہ سے جن سے نکاح حرام ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح نا جائز ہے اور وہ زوجہ کی ماں اور اس زوجہ کی بیٹی ہے جس زوجہ سے کہ تم نے صحبت کی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے اور تمہارے بیٹوں کی عورتیں ہیں اور اس میں نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی عورتیں داخل ہیں کہ ان سے کبھی تمہارا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی جب اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مرگئی تو ان سے نکاح درست ہو جائے گا اور وہ زوجہ کی بہن ہے کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا اور بعد میں درست ہے اور یہی حکم ہے زوجہ کی پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی کا۔

یہ جو فرمایا کہ عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو کہ تمہاری پشت سے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بیٹے یا پوتے نسبی ہوں منہ بولے یعنی لے پالک نہ ہوں جس کو متبنّٰی کہتے ہیں رضاعی سے احتراز نہیں اور اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کا یہ مطلب ہے، کہ زمانہ جاہلیت میں اس حکم سے پہلے جو دو بہنوں کو جمع کر لیتے تھے وہ معاف ہے اور فِیْ حُجُوْرِکُم فرمانے سے یہ مطلب ہے، کہ جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اور ان کی پرورش کرتے ہو یعنی اولاد جیسا ان سے معاملہ کرتے ہو اور گویا اولاد ہی سمجھتے ہو اس سے ان کے نکاح کی حرمت اور ظاہر ہوگئی یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرمت کے لئے گود میں رکھنا ضروری ہے۔

ساس حرام ہے جس لڑکی سے نکاح ہوا مجرد نکاح ہونے کے سبب اس کی ماں اس پر حرام ہوگئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے، ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہوگی اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں، اسی لئے اس آیت میں یہ قید لگائی بعض لوگوں

نے ضمیر کو ساس اور اس کی پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں،

صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوتی ہے نہ عورت کی بیٹی، حضرت علی فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جیسے کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کر سکتا ہے حضرت زید بن ثابت سے بھی یہی منقول ہے ایک اور روایت میں بھی آپ سے مروی ہے آپ فرماتے تھے جب وہ عورت غیر مدخولہ مرجائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے نکاح کر سکتا ہے حضرت ابو بکر بن کنانہ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہو گیا اس کی بیوی یعنی میری ساس بیوہ ہو گئی وہ بہت مالدار تھیں میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس کی ماں سے نکاح کرلوں۔

میں نے حضرت ابن عباس سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لئے یہ جائز ہے پھر میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں میں نے اپنے والد سے ذکر کیا انہوں نے تو امیر معاویہ کو یہی سوال کیا حضرت امیر معاویہ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں نہ حلال کر حرام تم جانو اور تمہارا کام تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں۔ غرض نہ اجازت دی نہ انکار کیا چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹالیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں، لیکن اس کی اسناد میں مبہم راوی ہے، حضرت مجاہد کا بھی یہی قول ہے، ابن جبیر اور حضرت ابن عباس بھی اسی طرف گئے ہیں،

حضرت معاویہ نے اس میں توقف فرمایا ہے شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد بن صابونی سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنو کمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر اس کی بیوہ ماں کے حسن پر فریفتہ ہوا تو حضرت ابن مسعود سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا اس سے اولاد بھی ہوئی پھر حضرت ابن مسعود مدینہ آئے۔

اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں چنانچہ آپ واپس کوفے گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کردے یہ تجھ پر حرام ہے اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا جمہور علماء اس طرف ہیں لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقد نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں چونکہ مبہم ہے اس لئے اسے ناپسند فرمایا، حضرت ابن مسعود، عمران بن حصین، مسروق، طاؤس، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابن سیرین، قتادہ اور زہری سے بھی اسی طرح مروی ہے، چاروں اماموں ساتوں فقہاء اور جمہور علماء سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کا بیان

ابن فیروز دیلمی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کو چاہو اپنے لیے منتخب کر لو، یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1134)

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت پر سلف وخلف کا اجماع

صحابہ تابعین ائمہ اور سلف وخلف کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور جو شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا حضرت فیروز فرماتے ہیں میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھیں جو آپس میں بہنیں تھیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دو۔ (مسند احمد)

ابن ماجہ ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے ترمذی میں بھی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دے دو، امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں، ابن ماجہ میں ابوخراش کا ایسا واقعہ بھی مذکور ہے ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز کی کنیت ابوخراش ہو اور یہ واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے

حضرت دیلمی نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں آپ نے فرمایا ان سے جسے چاہو ایک کو طلاق دے دو (ابن مردویہ) پس دیلمی سے مراد ضحاک بن فیروز ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ یمن کے ان سرداروں میں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متنبی ملعون کو قتل کیا چنانچہ دو لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہوں ایک ساتھ جمع کرنا ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے، اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور اور لونڈیوں پر مشتمل ہے

حضرت ابن مسعود سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتایا سائل نے کہا قرآن میں جو ہے آیت (الا ما ملکت ایمانکم) یعنی وہ جو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں اس پر حضرت ابن مسعود نے فرمایا تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے جمہور کا قول بھی یہی مشہور ہے اور آئمہ اربعہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے دوسری حرام میں تو اس سے منع کرتا سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابی سے ملاقات ہوئی اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے فرمایا اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرت ناک سزا دیتا،

حضرت امام مالک فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً علی کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا حضرت الیاس بن عامر کہتے ہیں میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں دونوں آپس میں سگی بہنیں ہیں ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمایئے شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو، اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرادوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے تو وہ پھر لوٹ کر تمہاری طرف آجائے گی، اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے، پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا سنو آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت و حرمت کے لحاظ سے یکساں ہیں ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں اور دودھ پلائی کے رشتہ سے بھی اس رشتہ کی وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں۔

نکاح میں ممانعت جمع سے متعلق قاعدہ فقہیہ

توقف اول الكلام علی اخره فلا جرم یقتر نان (نور الانوار)

کلام کا اول حصہ آخری حصہ پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا دونوں حصے اول و آخر زمانے میں مقترن ہو گئے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

ولا یجمع بین الاختین ۔(النساء)

اگر کسی شخص کے وکیل نے دو حقیقی بہنوں کو اس کے نکاح میں جمع کر دیا اور نکاح پڑھا دیا تو اس پر نکاح کرنے والے نے کہا "**اجزت نکاح هذه و هذه**" میں نے اس اور اُس کے نکاح کی اجازت دی۔ تو دونوں سے نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ پہلی بہن کے نکاح کا اقرار کلام کے آخری حصہ پر موقوف تھا اور آخری حصہ میں اس کی دوسری بہن کا نکاح کا اقرار ہے جبکہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے لہٰذا ایک زمانہ میں دو حقیقی بہنوں سے اقرار نکاح کی وجہ سے دونوں سے نکاح باطل ہو گیا۔ پہلی بہن سے نکاح کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نکاح تو کلام کے آخری حصہ پر موقوف تھا اور آخری حصے کا اقرار شرعاً باطل تھا وہ تو

موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے باطل ہوگیا۔ اور دوسری بہن کا نکاح بھی پہلے اقرار کو ثابت کرنے کے لئے تھا جبکہ اس اقرار کو اس طرح ثابت کرنا شرعا باطل تھا لہٰذا دونوں کا نکاح باطل ہوگیا۔ اور یہ قاعدہ بھی ثابت ہوگیا۔ (نور الانوار)

زانیہ کی ماں و بیٹی کے حرام ہونے کا بیان

وَمَنْ زَنَى بِامْرَأَةٍ حَرِمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَابْنَتُهَا وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُخْتِهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمَوْلَى أَمَتَهُ وَلَا امْرَأَةٌ عَبْدَهَا وَيَجُوزُ تَزَوُّجُ الْكِتَابِيَّاتِ وَلَا يَجُوزُ تَزَوُّجُ الْمَجُوسِيَّاتِ وَلَا الْوَثَنِيَّاتِ الْمَجُوسِ وَيَجُوزُ تَزَوُّجُ الصَّابِئَاتِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِدِينٍ وَيَقْرَؤُونَ بِكِتَابٍ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا يَجُوزُ فَإِنْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ تَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ وَيَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ أَنْ يَتَزَوَّجَا فِي حَالِ الْإِحْرَامِ

ترجمہ

جس نے کسی عورت سے زناء کرلیا تو اب اس پر اس عورت کی بھی ماں اور بیٹی حرام ہوگی۔ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاق بائنہ اور یا طلاق رجعی دی بیٹھا تو اب اس کے لئے اس کی مدت گزرنے تک اس کی بہن سے شادی نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مالک کے لئے اپنی لونڈی سے اور مالک کے لئے اپنے غلام سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ کتابیہ عورتوں سے نکاح کرلینا جائز ہے۔ جب کہ آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے جائز نہیں ہے اور صابیہ یعنی ستارہ پرست عورتیں جب کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اور کتاب پڑھتی ہوں تو ان سے نکاح کرلینا جائز ہوگا۔ لیکن جب وہ ستاروں کو پوجتی ہوں اور ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس صورت میں ان سے نکاح کرلینا جائز نہیں۔ احرام کی حالت میں محرم اور محرمہ کے لئے نکاح کرلینا جائز ہے۔

زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کی حرمت میں مذاہب اربعہ

جمہور علماء کرام نے اس آیت (حرمت الی آخرہ) سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں، یہی مذہب ابوحنیفہ مالک اور احمد بن حنبل کا ہے، امام شافعی سے کچھ اس کی اباحت میں بھی بحث کی گئی ہے اس لئے کہ شرعا یہ بیٹی نہیں پس جیسے کہ ورثے کے حوالے سے یہ بیٹی کے حکم سے خارج ہے اور ورثہ نہیں پاتی اسی طرح اس آیت حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے۔ صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔

محض نکاح سے حرمت ام میں مذاہب اربعہ

اس امر میں اختلاف ہے کہ جس عورت سے محض نکاح ہوا ہو اس کی ماں حرام ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ، مالک، احمد اور شافعی رحمہم اللہ اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ جب تک کسی عورت سے خلوت نہ ہوئی ہو اس کی

ماں حرام نہیں ہوتی۔

نکاح میں اجازت لینے کا بیان

وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ - بِرِضَاهَا وَإِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرَ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا وَلَا يَجُوزُ لِلْوَلِيِّ إِجْبَارُ الْبَالِغَةِ عَلَى النِّكَاحِ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا وَإِذَا اسْتَأْذَنَهَا فَسَكَتَتْ أَوْ ضَحِكَتْ فَذَلِكَ إِذْنٌ مِنْهَا وَإِنْ اسْتَأْذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِضَاهَا بِالْقَوْلِ وَإِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ أَوْ حَيْضَةٍ أَوْ جِرَاحَةٍ فَهِيَ فِي حُكْمِ الْأَبْكَارِ وَإِنْ زَالَتْ بِزِنًا فَهِيَ كَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ فَقَالَتْ - مُجِيبَةً لَهُ - : بَلْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِينَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُسْتَحْلَفُ فِيهِ

ترجمہ

عاقل بالغہ اور آزاد عورت کا نکاح اس کے والد نے جبکہ نہ بھی کیا ہو تو بھی منعقد ہو جاتا ہے۔ یہ امام صاحب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر منعقد نہیں ہوتا ہے۔ اور ولی کے لئے باکرہ، بالغہ اور عقل مند عورت کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے اور جس وقت ولی نے ایسی عورت (یعنی عاقلہ، بالغہ، باکرہ) سے اجازت مانگی تو وہ خاموش رہی، یا ہنس پڑی یا رو پڑی تو یہ اس کی طرف سے اجازت ہی ہوگی لیکن جب ثیبہ سے ولی نے اجازت مانگی تو اس کا رضامندی کے اظہار کے لئے بولنا ضروری ہے۔ اور جب کسی لڑکی کا پردۂ بکارت (یعنی کنوارہ پن) اچھلنے کودنے سے یا حیض آنے سے یا زخم ہونے سے اور یا زیادہ عرصہ تک شادی نہ ہونے کی وجہ سے زائل ہو گیا ہو۔ تو ایسی لڑکی یا عورت باکرہ (یعنی کنواری) عورتوں کے حکم میں ہی ہوگی اور جب اس کا پردۂ بکارت زناء کے سبب زائل ہو گیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو یہ عورت بھی باکرہ عورتوں میں ہی شما رہوگی۔ جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ عورت ثیبہ عورتوں (یعنی شوہر دیدہ عورتوں) میں شمار ہوگی۔ جب شوہر نے کسی باکرہ سے کہا کہ تجھے نکاح کی خبر پہنچی تو وہ خاموش رہی یا اس نے کہا نہیں میں نے تو انکار کر دیا تھا۔ تو اس باکرہ کا قول ہی معتبر ہوگا۔ اور اس سے کوئی قسم وغیرہ بھی نہ لی جائے گی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نکاح میں قسم نہیں لی جائے گی مگر صاحبین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قسم لی جائے گی۔

ولایت نکاح کے حقداروں کا بیان

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قرابت کی وجہ سے ولایت عصبہ بنفسہٖ کے لیے ہے یعنی وہ مرد جس کو اس سے قرابت کسی عورت کی وساطت سے نہ ہو یا یوں سمجھو کہ وہ وارث کہ ذوی الفروض کے بعد جو کچھ بچے سب لے لے اور اگر ذوی

الغرض نہ ہوں تو سارا مال یہی لے۔ایسی قرابت والا ولی ہے اور یہاں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہے جو وراثت میں معتبر ہے یعنی سب میں مقدم بیٹا، پھر پوتا، پھر پرپوتا اگرچہ کئی پشت کا فاصلہ ہو، یہ نہ ہوں تو باپ، پھر دادا، پھر پردادا، وغیرہم اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو، پھر حقیقی بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر باپ کا حقیقی چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر دادا کا حقیقی چچا، پھر سوتیلا چچا، پھر دادا کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اُس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو، وہ ولی ہے اگر بیٹا نہ ہو تو جو حکم بیٹے کا ہے وہی پوتے کا ہے، وہ نہ ہو تو پرپوتے کا اور عصبہ کے ولی ہونے میں اُس کا آزاد ہونا شرط ہے اگر غلام ہے تو اس کو ولایت نہیں بلکہ اس صورت میں ولی وہ ہوگا جو اُس کے بعد ولی ہوسکتا ہے۔

کسی پاگل عورت کے باپ اور بیٹا یا دادا اور بیٹا ہیں تو بیٹا ولی ہے باپ اور دادا نہیں مگر اس عورت کا نکاح کرنا چاہیں تو بہتر یہ ہے کہ باپ اس کے بیٹے (یعنی اپنے نواسے) کو نکاح کر دینے کا حکم کر دے۔

عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے، پھر دادی، پھر نانی، پھر بیٹی، پھر پوتی، پھر نواسی، پھر پرپوتی، پھر نواسی کی بیٹی، پھر نانا، پھر حقیقی بہن، پھر سوتیلی بہن، پھر اخیافی بھائی بہن یہ دونوں ایک درجے کے ہیں، ان کے بعد بہن وغیرہا کی اولاد اسی ترتیب سے پھر پھوپی، پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچازاد بہن، پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد۔

جب رشتہ دار موجود نہ ہوں تو ولی مولی الموالاۃ ہے یعنی وہ جس کے ہاتھ پر اس کا باپ مشرف باسلام ہوا اور یہ عہد کیا کہ اس کے بعد یہ اس کا وارث ہوگا یا دونوں نے ایک دوسرے کا وارث ہونا ٹھہرا لیا ہو۔ (بہار شریعت، کتاب النکاح)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مذکورہ اولیاء کے بعد بادشاہِ اسلام ولی ہے پھر قاضی جب کہ سلطان کی طرف سے اسے نابالغوں کے نکاح کا اختیار دیا گیا ہو اور اگر اس کے متعلق یہ کام نہ ہو اور نکاح کر دیا پھر سلطان کی طرف سے یہ خدمت بھی اسے سپرد ہوئی اور قاضی نے اس نکاح کو جائز کر دیا تو جائز ہو گیا۔

قاضی نے اگر کسی نابالغہ لڑکی سے اپنا نکاح کر لیا تو یہ نکاح بغیر ولی کے ہوا یعنی اس صورت میں قاضی ولی نہیں۔ یونہی بادشاہ نے اگر ایسا کیا تو یہ بھی بے ولی کے نکاح ہوا اور اگر قاضی نے نابالغہ لڑکی کا نکاح اپنے باپ یا لڑکے سے کر دیا تو یہ بھی جائز نہیں۔

قاضی کے بعد قاضی کا نائب ہے جب کہ بادشاہ اسلام نے قاضی کو یہ اختیار دیا ہو اور قاضی نے اس نائب کو اجازت دی ہو یا تمام امور میں اس کو نائب کیا ہو۔

اور وصی کو یہ اختیار نہیں کہ یتیم کا نکاح کر دے اگرچہ اس یتیم کے باپ دادا نے یہ وصیت بھی کی ہو کہ میرے بعد تم اس کا نکاح کر دینا، البتہ اگر وہ قریب کا رشتہ دار یا حاکم ہے تو کر سکتا ہے کہ اب وہ ولی بھی ہے۔

(درمختار، کتاب النکاح، بیروت)

الفاظ نکاح وہبہ وتزویج سے انعقاد نکاح کا بیان

وَيَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيجِ وَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالتَّمْلِيكِ وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْإِجَارَةِ وَالْإِبَاحَةِ وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْوَصِيَّةِ

ترجمہ

نکاح 'لفظ نکاح' تزویج' تملیک' ہبہ اور لفظ صدقہ سے منعقد ہو جاتا ہے۔ جب کہ اجارہ' اعارہ اور اباحت جیسے الفاظ سے منعقد نہیں ہوتا ہے۔ اور نہ ہی لفظ وصیت سے منعقد ہوا کرتا ہے۔

لفظ ہبہ سے انعقاد نکاح میں فقہ حنفی کی دلیل کا بیان

حضرت سہل بن سعد کہتے ہیں کہ ایک دن ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے اپنے آپ کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہبہ کر دیا یہ کہہ کر وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی تھے کہ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جسے تم اس عورت کو مہر میں دے سکو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس تہبند کے علاوہ جسے میں باندھے ہوئے ہوں میرے پاس کوئی اور چیز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ کوئی چیز ڈھونڈ لاؤ! اگر چہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔ جب صحابی نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 405)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہ حکم تھا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہبہ کو قبول کر لیتے تھے تو وہ عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حلال ہو جاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا کچھ مہر واجب نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور کسی کے لئے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جائز تھا اور نہ اب جائز ہے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا یعنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور اگر کوئی مؤمن عورت اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہبہ کر دے یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ عورت حلال ہے۔

اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک بغیر مہر کے لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کا جواز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا یہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے جب کہ حنفی مسلک یہ ہے کہ لفظ ہبہ کے ذریعہ نکاح کرنا تو سب کے لئے جائز ہے مگر اس صورت میں مہر کا واجب نہ ہونا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا لہٰذا اگر کوئی عورت اپنے آپ کو کسی شخص کے لئے ہبہ کرے اور وہ شخص اس ہبہ کو قبول کر لے تو اس ہبہ کے ذریعہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس شخص پر مہر مثل واجب ہوگا اگر چہ وہ عورت مہر کا کوئی ذکر نہ کرے یا مہر کی نفی ہی کیوں نہ کر دے لہٰذا حنفی مسلک کے مطابق مذکورہ بالا آیت کے الفاظ (خَالِصَةً لَّكَ) 33۔الاحزاب:50) کے معنی ہیں کہ اپنے آپ کو ہبہ کر دینے والی عورت کا مہر واجب ہوئے بغیر حلال ہونا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

تملیک کی تعبیر والے الفاظ سے انعقاد نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔فقہاء شوافع ، مالکیہ ، حنابلہ کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ایسے الفاظ جو تملیک کے مفہوم پر مشتمل ہوں ان سے عقد نکاح درست نہیں ہے۔جس طرح خرید وفروخت وصدقہ وغیرہ ہیں۔

شوافع وحنابلہ اس مسئلے پر بھی متفق ہیں کہ جب تک عقد میں ایسے الفاظ نہ ہوں جو مصدر انکاح یا تزویج سے مشتق ہوں نکاح درست نہ ہوگا۔

فقہاء احناف کے نزدیک جن الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے صاحب ہدایہ نے انہیں بیان کر دیا ہے۔جن کا ملاحظہ آپ ہدایہ کی عبارت میں کر چکے ہیں۔(کتاب الفقہ ، ج ۴، ص ۳۱، اوقاف پنجاب)

جن الفاظ سے انعقاد نکاح نہیں ہوتا

شیخ نظام الدین فقہاء احناف کے فقہی مجموعہ فتاویٰ عالم گیری میں لکھتے ہیں۔ایک شخص نے منگنی کا پیغام کسی کے پاس بھیجا، ان پیغام لے جانے والوں نے وہاں جا کر کہا، تو نے اپنی لڑکی ہمیں دی، اُس نے کہا دی، نکاح نہ ہوا۔لڑکے کے باپ نے گواہوں سے کہا، میں نے اپنے لڑکے کا نکاح فلاں کی لڑکی کے ساتھ اتنے مہر پر کر دیا تم گواہ ہو جاؤ پھر لڑکی کے باپ سے کہا گیا، کیا ایسا نہیں ہے؟ اُس نے کہا ایسا ہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہ کہا تو بہتر یہ ہے کہ نکاح کی تجدید کی جائے۔لڑکے کے باپ نے لڑکی کے باپ کے پاس پیغام دیا، اُس نے کہا میں نے تو اس کا فلاں سے کر دیا ہے اس نے کہا نہیں تو اُس نے کہا اگر میں نے اُس سے نکاح نہ کیا ہو تو تیرے بیٹے سے کر دیا، اس نے کہا میں نے قبول کیا بعد کو معلوم ہوا کہ اُس لڑکی کا نکاح کسی سے نہیں ہوا تھا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا۔

اور اگر عورت نے مرد سے کہا میں نے تجھ سے اپنا نکاح کیا اِس شرط پر کہ مجھے اختیار ہے جب چاہوں اپنے کو طلاق دے لوں، مرد نے قبول کیا تو نکاح ہو گیا اور عورت کو اختیار رہا جب چاہے اپنے کو طلاق دے لے۔نکاح میں خیار رویت خیار عیب خیار شرط

مطلقاً نہیں، خواہ مرد کو خیار ہو یا عورت کے لیے یا دونوں کے لیے۔ تین دن کا خیار ہو یا کم یا زائد کا مثلاً اندھے، اپاہج نہ ہونے کی شرط لگائی یا یہ شرط کی کہ خوبصورت ہو اور اس کے خلاف نکلا یا مرد نے شرط لگائی کہ کنواری ہو اور ہے اس کے خلاف تو نکاح ہو جائے گا اور شرط باطل۔ یونہی عورت نے شرط لگائی کہ مرد شہری ہو نکلا دیہاتی تو اگر کفو ہے نکاح ہو جائے گا اور عورت کو کچھ اختیار نہیں یا اس شرط پر نکاح ہوا کہ باپ کو اختیار ہے تو نکاح ہو گیا اور اُسے اختیار نہیں۔ (عالمگیری، کتاب النکاح، ج ۱، ص ۲۷۱، بیروت)

فقہ شافعی کے مطابق الفاظ انعقاد نکاح دو ہیں

امام شافعی کے نزدیک نکاح صرف دو الفاظ کے ذریعے منعقد ہوتا ہے۔ ایک نکاح اور دوسرا تزویج۔ یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے امام شافعی یہ دلیل دیتے ہیں: لفظ ''تملیک'' نکاح کے مفہوم پر نہ تو حقیقی طور پر دلالت کرتا ہے اور نہ ہی مجازی طور پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ تزویج کا مطلب ایک دوسرے سے ملانا اور لفظ نکاح کا مطلب ضم کرنا ہے لیکن مالک اور مملوک کے درمیان یہ مفہوم پیدا نہیں ہو سکتا۔

نکاح کے ولی ہونے کا بیان

وَيَجُوزُ نِكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتْ الصَّغِيرَةُ أَوْ ثَيِّبًا وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ فَإِنْ زَوَّجَهُمَا الْأَبُ أَوْ الْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوغِ وَإِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْأَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ إِذَا بَلَغَ إِنْ شَاءَ أَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَا وِلَايَةَ لِصَغِيرٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا مَجْنُونٍ وَلَا وِلَايَةَ لِكَافِرٍ عَلَى مُسْلِمَةٍ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ يَجُوزُ لِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنْ الْأَقَارِبِ التَّزْوِيجُ، وَمَنْ لَا وَلِيَّ لَهَا إِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِي أَعْتَقَهَا جَازَ وَإِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْأَقْرَبُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ أَبْعَدُ مِنْهُ أَنَّهُ يُزَوِّجُ خِلَافًا لِزُفَرَ وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ أَنْ يَكُونَ فِي بَلَدٍ لَا يَصِلُ إِلَيْهِ الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ إِلَّا مَرَّةً

ترجمہ

چھوٹے لڑکے اور چھوٹی لڑکی کا نکاح جب ان کے ولی نے کیا ہو تو جائز ہے۔ وہ چھوٹی لڑکی چاہے باکرہ ہو چاہے ثیبہ اور ولی عصبہ (یعنی لڑکا' پوتا' پڑپوتا' اور باپ' دادا' پردادا' اور پھر بھائی اور چچا وغیرہ) ہوتا ہے۔ پس جب باپ یا دادا نے نکاح کیا تھا تو میاں بیوی میں سے کسی کو بھی اب بالغ ہونے کے بعد کوئی اختیار حاصل نہیں ہو گا لیکن جب باپ یا دادا کے علاوہ کسی نے ان کا نکاح کیا تھا۔ تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہو گا۔ جب چاہے' تو اس کو قائم رکھے جب چاہے' تو فسخ کر دے۔ اور بچے' غلام' پاگل اور کافر کو مسلمان عورت پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہوتی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عصبات کے علاوہ قریبی رشتہ داروں میں سے کسی سے شادی کر دینا جائز ہے۔ مثال کے طور پر، بہن' ماں اور خالہ اور وہ عورت جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا وہ مالک کہ جس نے

اسے آزاد کیا تھا۔ اس کا نکاح کردے تو یہ جائز ہوگا' جب کوئی قریبی ولی اس طرح سے غائب ہوگیا ہو اور اس کا غائب ہونا منقطع طریقے ہو تو اس عورت کے اس سے دور کے ولی کے لئے اس عورت کا نکاح کر دینا جائز ہے' اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ہی پہنچ پاتے ہوں۔

چھوٹی بچی کی شادی کی اباحت میں قرآن وسنت واجماع کا بیان

عام علماء کرام اس کو جائز قرار دیتے ہیں، کہ شریعت میں شادی کے لیے بچی کی عمر کی تعیین نہیں کہ اس عمر سے قبل بچی کی شادی نہ کی جائے. اس کا ثبوت اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اہل علم کے اجماع میں ہے۔

1 اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور تمہاری عورتوں میں سے وہ جو حیض سے ناامید ہوگئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو)۔ (طلاق،۴)

یہ آیت کریمہ اس مسئلہ پر واضح دلالت کرتی ہے جس میں ہم بحث کر رہے ہیں، اور اس آیت میں اس طلاق شدہ عورت کی عدت بیان ہوئی ہے جو ابھی بچی ہو اور اسے حیض آنا ہی شروع نہیں ہوا.

امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اور وہ عورتیں جنہیں ابھی حیض نہیں آیا)۔ یعنی وہ چھوٹی عمر کی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں، تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ (تفسیر البغوی، ج۴، ص۵۲)

اور ابن قیم کہتے ہیں۔ اس عورت کی عدت جسے حیض نہیں آتا اس عورت کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ چھوٹی عمر کی جسے ابھی حیض آیا ہی نہیں، اور دوسری وہ بڑی عمر کی عورت جو حیض سے ناامید ہو چکی ہے. چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دونوں قسم کی عورتوں کی عدت بیان کرتے ہوئے فرمایا: (اور تمہاری عورتوں میں سے وہ جو حیض سے ناامید ہوگئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو) یعنی ان کی عدت بھی اسی طرح ہے۔

(زاد المعاد فی ھدی خیر العباد (5/595)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی تو ان کی عمر ابھی چھ برس تھی، اور جب رخصتی ہوئی تو وہ نو برس کی تھیں، اور نو برس ہی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر (4840) صحیح مسلم حدیث نمبر (1422)

علماء کے صحیح قول کے مطابق اس چھوٹی عمر کی لڑکی کی شادی اس کا باپ کریگا باپ کے علاوہ کوئی اور ولی نہیں کر سکتا اور بالغ ہونے کے بعد یہ لڑکی اختیار کی مالک نہیں۔

عورت کی اجازت کے بغیر کوئی بھی عورت کی شادی نہیں کر سکتا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، اور اگر وہ اسے ناپسند کرے تو اسے نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا، لیکن چھوٹی عمر کی کنواری بچی کو، اس کی شادی اس کا والد کریگا، اور اس کو اجازت کا حق نہیں۔ (مجموع الفتاوی (32/39.)

باپ کے لئے عدم اجازت صغیرہ پر اجماع کا بیان

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ باپ اپنی چھوٹی عمر کی بچی کی شادی کر سکتا ہے اور اس میں اسے بچی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے شادی کی تو ان کی عمر ابھی چھ یا سات برس تھی، ان کا نکاح ان کے والد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔

(الاستذکار (ج16/49-50)

اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ چھوٹی بچی کا والد اس کی شادی کریگا اس پر اتفاق ہے بخلاف شاذ قول کے۔ کیونکہ اسی پر اتفاق ہے۔ (فتح الباری (ج۹ ص۲۳۹)

چھوٹی بچی کی رخصتی اور اس سے دخول کرنا

عقد نکاح کرنے سے یہ چیز لازم نہیں آتی، کیونکہ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ بعض اوقات بڑی عمر کی عورت کا نکاح ہوتا ہے لیکن اس سے اس کا دخول لازم نہیں آتا، اور اس کا پوری وضاحت سے بیان اس طرح ہو سکتا ہے کہ:

بعض اوقات عقد نکاح کے بعد اور دخول یعنی رخصتی سے قبل ہی طلاق ہو جاتی ہے، تو اس صورت میں اس کے کچھ احکام بھی ہیں اور یہ اپنے عموم کے اعتبار سے چھوٹی عمر کی بچی کو بھی شامل ہے اگر مہر مقرر کیا گیا ہے تو اسے نصف مہر ادا کرنا ہوگا، اور اس کی کوئی عدت نہیں ہوگی۔

نصف مہر کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:) اور اگر تم انہیں چھونے سے پہلے ہی طلاق دے دو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقرر کردہ مہر کا آدھا مہر دے دو، یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں، یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ معاف کر دے (البقرۃ (237) اور دوسری عورت یعنی جس پر عدت نہیں کے متعلق ارشاد باری تعالی ہے:) اے ایمان والو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو ان پر تمہارا کوئی حق عدت کا نہیں جسے تم شمار کرو، چنانچہ تم کچھ نہ کچھ انہیں دے دو اور بھلے طریقہ سے انہیں رخصت کر دو (الاحزاب (49)

اس بنا پر جس چھوٹی بچی کا نکاح ہو جائے تو اسے خاوند کے سپرد اس وقت نہیں کیا جائے گا جب تک وہ رخصتی اور مباشرت کے قابل نہیں ہو جاتی، اور اس میں اس کے بالغ ہونے کی شرط نہیں؛ بلکہ مباشرت کو برداشت کرنے کی طاقت ہونی چاہیے، اور اگر رخصتی ہونے کے بعد طلاق ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہوگی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کے یہ اقوال ہیں جو کہ چھوٹی بچی سے استمتاع یا اس سے دخول کا گمان کرنے والے کا رد ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "چھوٹی عمر کی لڑکی کی رخصتی اور اس سے دخول کا وقت یہ ہے کہ: اگر خاوند اور ولی کسی ایسی چیز پر متفق ہوئے ہوں جس میں چھوٹی بچی کو نقصان اور ضرر نہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر ان میں اختلاف ہو تو امام احمد اور ابو عبید کہتے ہیں کہ: نو برس کی بچی کو اس پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اس سے چھوٹی بچی کو نہیں۔

اورامام شافعی اور مالک اورابوحنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں۔اس کی حد جماع برداشت کرنے کی استطاعت ہے،اور یہ چیز عورتوں میں مختلف ہوتی ہے اس میں عمر کی قید نہیں لگائی جاسکتی،اورصحیح بھی یہی ہے،اور پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں عمر کی تحدید نہیں، اور نہ ہی اس میں منع کیا گیا ہے کہ اگر وہ اس عمر سے قبل استطاعت رکھتی ہواس کی رخصتی نہیں کی جائے گی. اور نہ ہی اس کے لیے اجازت پائی جاتی ہی جونوبرس کی ہونے کے باوجود جماع کی استطاعت نہ رکھتی ہو. داؤدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا بہت بہتر جوان ہوئی تھیں۔(شرح مسلم(9/206)

صاحب رائے عورت کی ولایت میں مذاہب اربعہ

احناف کے جب عورت بڑی عمر کی ہوجائے اورصاحب رائے بن جائے تواس کے باپ کی ولایت ختم ہوجاتی ہے،اس طرح وہ جہاں پسند کرے جہاں اس کوکوئی خوف وخطرہ نہ ہورہ سکتی ہے،اور ثیبہ عورت (مطلقہ یابیوہ) کواپنے ساتھ اسی صورت میں رکھاجا سکتاہے جب امن نہ ہواورخطرہ محسوس ہوتو پھروالد یاداداسے اپنے ساتھ رکھے کوئی اورنہیں،ابتدامیں یہی لکھاہے۔

اور مالکی کہتے ہیں:عورت کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال جاری رہے گی،حتی کہ شادی تک نفسی ولایت ہوگی اورجب خاوند کے پاس چلی جائے تو یہ ولایت ختم ہوگی۔

اورشافعیہ کے ہاں یہ ہے کہ:جب بچہ بالغ ہوجائے تواس کی ولایت ختم ہوجاتی ہے چاہے وہ لڑکی ہویالڑکا.

اورحنابلہ کے ہاں یہ ہے کہ:اگرلڑکی ہوتو وہ علیحدہ نہیں رہ سکتی اوراس کے والدکواسے منع کرنے کاحق حاصل ہے،کیونکہ ایسی حالت میں خدشہ ہے کہ اس کے پاس کوئی ایساشخص آجائے جواسے غلط راہ پرلگائے اورخراب کردے،اوراس طرح اس لڑکی اوراس کے خاندان پرعار بن جائے،اوراگراس لڑکی کاوالدنہ ہوتواس کے ولی اورخاندان والوں کے لیےاسے منع کرنے کاحق حاصل ہے

(الموسوعة الفقهية (8/204-205)

اولادکی مسئولیت وذمہ داری ختم ہونے کے وقت میں مذاہب اربعہ کےاقوال یہی ہیں،اورعلماءکرام کاتقریبااس پراتفاق ہی ہے کہ لڑکی پراس کے گھروالوں کی ذمہ داری جاری رہتی ہے چاہے وہ بالغ بھی ہوجائے،اورکچھ نے اس کی شادی ہونے پرذمہ داری ختم ہونے کاکہاہے،کیونکہ شادی ہونے کے بعداس کاخاوندذمہ دارموجودہے،اورکچھ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ امن والی جگہ میں ہوجہاں اس کوکوئی خطرہ نہ ہو۔

ولایت نکاح اسباب فقہی کابیان

ولایت نکاح کے پانچ اسباب ہیں:ملکیت،قرابت داری،ولاء،امامت،وصایا۔

صحت نکاح کے لیے ولی شرط ہے،اورکسی بھی عورت کے لیے جائزنہیں کہ وہ ولی بغیرخودہی اپنانکاح کرلے یابغیرکسی سبب کے ولی کے علاوہ کوئی اوراس کانکاح کرے،نہ تواصل میں اورنہ ہی قائم مقام اوروکیل بن کر،اوراگرعورت خودہی نکاح کرتی ہےتو یہ نکاح باطل ہوگا۔

لیکن مال کے بارہ میں یہ ہے کہ عورت جب عاقلہ اور سمجھدار اور بالغ ہو تو وہ اپنے مال پر پورا اختیار رکھتی ہے، اسے اس میں پورا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے وہ جس طرح چاہے اس میں عوض یا بغیر عوض کے تصرف کر سکتی ہے مثلاً خرید وفروخت یا پھر کرایہ اور قرض یا اپنا سارا یا مال کا کچھ حصہ صدقہ وھبہ وغیرہ کر سکتی ہے۔ کسی ایک کو بھی اسے اس سے منع کرنے کا حق حاصل نہیں، اور نہ ہی عورت کو اس کام کے لیے کسی کی اجازت درکار ہے، چاہے وہ عورت کنواری ہو اور اپنے باپ کے ساتھ رہتی ہو یا بغیر باپ کے، یا پھر وہ شادی شدہ ہو۔

اور عورت کے لیے اپنی اولاد کے مال میں بھی تصرف کرنے کا حق حاصل ہے یعنی وہ اس میں سے کھا پی سکتی ہے، جیسا کہ مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی اولاد کے مال میں تصرف کر سکتا ہے، اور اسی طرح عورت اپنے والدین کے مال سے جو اس کے لیے مباح ہے کھا پی سکتی ہے اور اس میں تصرف کر سکتی ہے۔ ماں کو اپنے چھوٹے بچوں اور مجنون کے مال کی ولایت حاصل ہے، کیونکہ وہ اپنی اولاد پر دوسروں سے زیادہ شفقت کرنے والی ہے۔ عورت اپنے خاوند کے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر نہ تو تصرف کر سکتی ہے اور نہ ہی اسے صدقہ کر سکتی ہے، چاہے خاوند اسے صراحتاً اجازت دے یا پھر عادت اور عرف سے مفہوم لیا جائے۔

عورت وصی بھی بن سکتی ہے جب اس میں وصی کی شروط پائی جائیں تو اسے وصیت کے ذریعہ مال کی ولائت مل سکتی ہے، چاہے وہ بچوں کی ماں ہو یا ان سے اجنبی ہو۔ عورت وقف مال کی نگران بھی بن سکتی ہے، بالاتفاق وقف میں تصرف اور نگرانی میں ولایت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

نکاح میں کفوء کے معتبر ہونے کا بیان

وَالْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ وَإِذَا تَزَوَّجَتْ الْمَرْأَةُ مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ فَلِلْأَوْلِيَاءِ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَهُمَا وَالْكَفَاءَةُ مُعْتَبَرَةٌ فِي النَّسَبِ وَالدِّينِ وَالْمَالِ وَتُعْتَبَرُ فِي الْمَالِ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ مَالِكًا لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَتُعْتَبَرُ فِي الصَّنَائِعِ أَيْضًا وَإِذَا تَزَوَّجَتْ الْمَرْأَةُ وَنَقَصَتْ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْأَوْلِيَاءِ حَقُّ الِاعْتِرَاضِ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حَتَّى يُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا أَوْ يُفَارِقَهَا أَوْ يُفَارِقَهَا وَإِذَا زَوَّجَ الْأَبُ ابْنَتَهُ الصَّغِيرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَهْرِهَا أَوْ ابْنَهُ الصَّغِيرَ وَزَادَ فِي مَهْرِ امْرَأَتِهِ جَازَ ذَلِكَ عَلَيْهِمَا وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ لِغَيْرِ الْأَبِ وَالْجَدِّ

ترجمہ

نکاح میں برابری وہمسری کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے۔ تو جس وقت کسی عورت نے ہمسروں کے علاوہ غیر ہمسر لوگوں میں نکاح کر لیا۔ تو اس کے ولی حضرات کو ان دونوں کے درمیان تفریق ڈالنے کا حق حاصل ہوگا۔ اور برابری کا حسب نسب دین اور مال میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور وہ شوہر کا حق مہر اور دیگر اخراجات کا مالک ہونا ہے اور پیشوں میں بھی برابری کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جس وقت کسی عورت نے شادی کی اور اپنے مہر مثل میں کمی کر لی تو اس کے ولی حضرات کو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر اعتراض

کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا شوہر اس کے مہر مثل کو مکمل کر دے یا اس عورت سے علیحدگی اختیار کر لے۔ جس وقت کسی باپ نے اپنی چھوٹی بچی کی شادی کر دی اور مہر مثل میں کمی کر دی یا اپنے چھوٹے بچے کی شادی کی اور اس کی بیوی کا حق مہر زیادہ کر دیا تو یہ بات ان دونوں (چھوٹے بچے اور بچی) کے حق میں جائز ہے لیکن یہی بات باپ اور دادا کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

نکاح میں دینداری کا ترجیح دینے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت سے چار سبب سے نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال کے لئے، اس کے حسب ونسب، اس کے جمال وخوبصورتی کے لئے اور دین کے لئے۔ پس تو دیندار (سے نکاح کر کے) کامیابی حاصل کر، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (صحیح مسلم، کتاب النکاح)

حضرت سہل بن سعد ساعدی نے بیان کیا کہ ایک صاحب (جو مال دار تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس موجود صحابہ سے پوچھا کہ یہ کیسا شخص ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ اس لائق ہے کہ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اس سے نکاح کیا جائے، اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے، اگر کوئی بات کہے تو غور سے سنی جائے۔ سہل نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چپ ہو رہے۔ پھر ایک دوسرے صاحب گزرے، جو مسلمانوں کے غریب اور محتاج لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ اس قابل ہے کہ اگر کسی کے یہاں نکاح کا پیغام بھیجے تو اس سے نکاح نہ کیا جائے اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ کی جائے، اگر کوئی بات کہے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا، یہ شخص اکیلا پہلے شخص کی طرح دنیا بھر سے بہتر ہے۔ (بخاری)

معلوم ہوا کہ کفو میں دراصل دیندار ہی ہونا ضروری ہے، کوئی بے دین آدمی کتنا ہی بڑا مالدار ہو ایک دیندار عورت کا کفو نہیں ہو سکتا۔ یہی حکم مردوں کے لئے ہے۔ بہتر ہونے کا مطلب یہ کہ اس مالدار کی طرح اگر دنیا بھر کے لوگ فرض کئے جائیں تو ان سب سے یہ اکیلا غریب شخص درجہ میں بڑھ کر ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ غریب دیندار لوگ مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

عجمی عالم، جاہل عربی کا کفو ہوگا کیونکہ علمی شرافت اقوی وارفع ہے، اور یوں ہی عالم فقیر ہو تو وہ جاہل غنی کا کفو ہوگا اور یوں ہی غیر قرشی عالم جاہل علوی اور جاہل قرشی کا کفو بنے گا۔

فتح القدیر اور نہر وغیرہما میں جامع الامام قاضی خان سے منقول ہے کہ عجمی عالم، جاہل عربی اور جاہل علوی کا کفو ہے کیونکہ علمی شرافت نسبی پر غالب ہے، اھ۔ نہر اور در میں ہے کہ بزازی نے اس پر جزم کیا ہے اور کمال وغیرہ نے اس کو پسند فرمایا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔

محیط میں ہے کہ عالم علوی لڑکی کا کفو ہے کیونکہ عہدہ کی شرافت اقوی ہے الخ، اور فرمایا کہ رملی نے مزید ذکر کیا کہ محیط، بزازیہ، فیض، جامع الفتاوی اور درر نے اس پر جزم کیا ہے،

اور فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: علماء کو عام مومنین پر سات سو درجات برتری ہے اور ہر دو درجوں میں پانچ سو سال کا سفر ہے اور اس پر اجماع ہے اور تمام علمی کتب، قرشی پر عالم کے تقدم میں متفق ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد " کیا عالم اور جاہل برابر ہیں " میں قرشی اور غیر قرشی کی کوئی تفریق نہیں فرمائی۔

(ردمحتار، کتاب النکاح، بیروت)

نکاح کے کفو میں اتفاق مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے نطفوں کے لئے (اچھی عورتوں کا) انتخاب کرو اور کفو عورتوں سے نکاح کرو اور کفو مردوں کے نکاح میں دو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 125)

نفسِ مسئلہ کفاءت تو عقل اور نقل دونوں سے ثابت ہے، تفصیلات سے قطع نظر بجائے خود نکاح میں اُس کے معتبر ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

اس مسئلہ کا ماخذ متعدد احادیث ہیں۔ مثلا لاتنکحوا النساء الا الاکفاء (دارقطنی، بیہقی)

عورتوں کی شادیاں نہ کرو مگر اُن لوگوں کے ساتھ جو کفو ہوں۔ یا علی ثلاث لا توخرها ۔ الصلوة اذا ات، والجنازة اذا حضرت، والایم اذا وجدت کفأ (ترمذی، حاکم) (اے علی (رضی اللہ عنہ)! تین کام ہیں جن کو ٹالنا نہ چاہئے ایک نماز، جب کہ اس کا وقت آ جائے، دوسرے جنازہ جب کہ تیار ہو جائے، تیسرے بن بیاہی عورت کا نکاح جب کہ اس کے لیے کفو مل جائے۔ تخیروا لنطفکم و انکحوا الاکفاء

اپنی نسل پیدا کرنے کے لیے اچھی عورتیں تلاش کرو اور اپنی عورتوں کے نکاح ایسے لوگوں سے کرو جو ان کے کفو ہوں۔ (یہ حدیث حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا)، انس (رضی اللہ عنہ)، عمر بن الخاطب (رضی اللہ عنہ) سے متعدد طریقوں سے مروی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ نے کتاب الآثار میں حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: لأ منعن فروج ذوات الاحساب الامن الاکفاء

میں شریف گھرانوں کی عورتوں کے نکاح کفو کے سوا کہیں اور نہ کرنے دوں گا۔ یہ تو ہے اس مسئلے کی نقلی دلیل۔ رہی عقلی دلیل تو عقل کا صریح تقاضا یہ ہے کہ کسی لڑکی کو کسی شخص کے نکاح میں دیتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ شخص اس کے جوڑ کا ہے یا نہیں؟ اگر جوڑ کا نہ ہو تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ان دونوں کا نباہ ہو سکے گا۔

کفاءت میں چھ چیزوں کے اعتبار کا بیان

کفاءت میں چھ چیزوں کا اعتبار ہے: ۱نسب، ۲اسلام، ۳حرفہ، ۴حریت، ۵دیانت، ۶مال۔

قریش میں جتنے خاندان ہیں وہ سب باہم کفو ہیں، یہاں تک کہ قرشی غیر ہاشمی ہاشمی کا کفو ہے اور کوئی غیر قرشی قریش کا کفو نہیں۔ قریش کے علاوہ عرب کی تمام قومیں ایک دوسرے کی کفو ہیں، انصار و مہاجرین سب اس میں برابر ہیں، عجمی النسل عربی کا کفو نہیں مگر عالم دین کہ اس کی شرافت نسب کی شرافت پر فوقیت رکھتی ہے۔

جو خود مسلمان ہوا یعنی اس کے باپ، دادا مسلمان نہ تھے وہ اس کا کفو نہیں جس کا باپ مسلمان ہو اور جس کا صرف باپ مسلمان ہو اس کا کفو نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہو اور باپ دادا دو پشت سے اسلام ہو تو اب دوسری طرف اگر چہ زیادہ پشتوں سے اسلام ہو کفو ہیں مگر باپ دادا کے اسلام کا اعتبار غیر عرب میں ہے، عربی کے لیے خود مسلمان ہوا یا باپ، دادا سے اسلام چلا آتا ہو سب برابر ہیں۔ (خانیہ، درمختار)

نکاح میں حق ہونے کا بیان

وَيَصِحُّ النِّكَاحُ إِذَا سَمَّى فِيهِ مَهْرًا وَيَصِحُّ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ فِيهِ مَهْرًا وَأَقَلُّ الْمَهْرِ عَشْرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمَّى أَقَلَّ مِنْ عَشْرَةٍ فَلَهَا عَشْرَةٌ وَإِنْ سَمَّى عَشْرَةً فَمَا زَادَ فَلَهَا الْمُسَمَّى إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمَّى فَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا أَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَنْ لَا مَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا فَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ مِنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا

ترجمہ

حق مہر اگر چہ مقرر نہ بھی کیا ہو تب بھی نکاح درست ہو جاتا ہے اور مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔ پس جب دس درہموں سے بھی کم حق مہر مقرر کیا گیا تھا تو اس عورت کے لئے دس درہم ہی ہوں گے۔ لیکن جب دس درہم یا اس سے زیادہ حق مہر مقرر کیا تھا تو اس عورت کے لئے مقرر کردہ حق مہر ہی ہوگا۔ مگر یہ اس صورت میں ہوگا کہ جب اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا تھا یا وہ فوت ہو گیا۔ لیکن جب اس آدمی نے دخول سے قبل ہی اس عورت کو طلاق دے دی تھی۔ تو اب اس عورت کو مقررہ کردہ حق مہر سے نصف حق مہر ملے گا اب جب اس نے کسی عورت سے شادی کرتے ہوئے حق مہر مقرر نہیں کیا تھا یا اس سے شادی کی ہی اس شرط پر تھی کہ اسے حق مہر نہیں ملے گا تو ایسی عورت کے لئے رائج الوقت مہر ہوگا۔ جب اس آدمی نے اس عورت سے دخول کر لیا یا وہ فوت ہو گیا یا جب وہ اس عورت سے دخول کرنے اور خلوت حاصل ہونے سے پہلے ہی انتقال کر گیا تو اس عورت کے لئے متعہ ہوگا۔ اور متعہ تین کپڑے ہوتے ہیں۔ اس کی مثل ایک پوشاک اور وہ ایک کرتی ہوتی ہے اور اوڑھنی اور چادر ہوتی ہے۔

حق مہر کی تعریف کا بیان

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔ اصطلاح فقہ میں مہر اس مال کو کہتے ہیں جو عقد نکاح کے بعد عورت سے نفع حاصل کرنے

کے بدلے دیا جاتا ہے۔ جبکہ بعض فقہاء نے کہا ہے مہر وہ ہے جو ملک بضع کے بدلے میں بیوی کو دیا جاتا ہے۔ البتہ اس کے مال ہونے میں مختلف حیثیت ہے۔

فقہاء شوافع نے لکھا ہے کہ مہر وہ مال ہے جو نکاح سے یا مباشرت سے یا خاوند سے حقوق زوجیت سے جبری طور پر محروم کئے جانے یا خلع کے سبب جھوٹی (گواہی) سے واجب ہو جاتا ہے۔ (مذاہب اربعہ، ج ۵، ص ۱۲۲، اوقاف پنجاب)

مہر کی ادائیگی سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان

حافظ عماد الدین لکھتے ہیں۔ کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو، جیسے اور آیت میں ہے و کیف تاخذونہ وقد افضی بعضکم الی بعض یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لو گے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور فرمایا و اتوا النساء صدقاتھن نحلتہ عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو اور جگہ فرمایا ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتمو ھن شیئا الخ، تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے، اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے بیشک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا،

امام شافعی اور علمائے کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا،

اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباس اور چند دیگر صحابہ سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے،

حضرت امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے ابن عباس ابی بن کعب سعید بن جبیر اور سدی سے منھن کے بعد الی اجل مسمی کی قرأت مروی ہے، مجاہد فرماتے ہیں یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی ہے،

لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا، اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں، صحیح مسلم شریف میں حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی یاد رکھو بیشک اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہئے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو، صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجتہ الوداع میں یہ فرمایا تھا، یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے۔

پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضامندی کچھ طے کر لو تو کوئی حرج نہیں، اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گزر جائے پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ

نہیں، سدی کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہدے کہ میں اتنی اتنی مدت کے لئے پھر متعہ کرتا ہوں پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا لئے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے گی ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث نہ یہ مرد اس عورت کا، اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کے مہر کی کے مصداق کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکیداً بیان ہو رہی ہے جیسے فرمایا مہر بہ آسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو، اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے صاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت حضرمی فرماتے ہیں کہ لوگ اقرار دیتے ہیں پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم و حکیم ہے ان کا احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں جو رحمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۴)

بغیر طے کردہ حق مہر میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت علقمہ حضرت بن مسعود کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس نے ابھی دخول نہیں کیا تھا یعنی نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ خلوت صیحہ ہوئی تھی۔ کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود نے ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور و فکر کیا اور پھر اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فرمایا کہ اس عورت کو وہ مہر ملے گا جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو مہر دیا جائے گا) نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس عورت پر شوہر کی وفات کی عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔ یہ سن کر حضرت معقل بن سنان اشجعی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے حضرت ابن مسعود یہ بات سنکر بہت خوش ہوئے۔

(ترمذی ابوداؤد نسائی دارمی) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 409)

حضرت ابن مسعود کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل ذہانت و ذکاوت اور دینی فہم و فراست کی دولت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھی کسی بھی الجھے ہوئے مسئلے کو اپنی بے پناہ قوت اجتہاد کے ذریعہ اس طرح حل فرما دیتے تھے کہ وہ قرآن و حدیث کے بالکل مطابق ہوتا انہوں نے اپنی قوت اجتہاد سے اس کا شرعی فیصلہ سنایا تو ایک صحابی حضرت معقل نے علی الاعلان یہ شہادت دی کہ حضرت ابن مسعود کا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے عین مطابق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قسم کے ایک

معاملہ میں ایسا ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا چنانچہ حضرت ابن مسعود نے اپنی اس بات پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری رہبری فرمائی اور میرا یہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہوا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت علی اور صحابہ کی ایک جماعت کا یہ مسلک تھا کہ اس صورت میں عورت عدم دخول کی وجہ سے مہر کی حق دار نہیں ہوتی ہاں اس پر عدت واجب ہوتی ہے اور اسے شوہر کی میراث بھی ملتی ہے اس بارے میں حضرت امام شافعی کے دو قول ہیں ایک تو حضرت علی کے موافق ہے اور دوسرا قول حضرت ابن مسعود کے مطابق ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام احمد کا مسلک وہی ہے جو حضرت ابن مسعود نے بیان کی ہے۔

مہر مثل کسے کہتے ہیں؟ مہر مثل عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہو جو ان باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، زمانہ، عقل، دینداری، بکارت وثیوبت، علم وادب اور اخلاق وعادات۔

مہر کے عدم تذکیر کی صورت میں مثلی کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ مہر معلوم ہونے کے علاوہ جائز نہیں امام شافعی کا مسلک یہی ہے مہر معلوم ہونا شرط ہے: یعنی اس کا علم ہونا چاہیے کہ کتنا ہے" پھر کہتے ہیں: اور اسی طرح ہر اس کا جس کی مقدار مجہول ہو یا اس کا حصول مجہول ہو تو بغیر کسی اختلاف کے اس کا مہر ہونا صحیح نہیں۔ (المغنی، ج ۷، ص ۱۶۷، بیروت)

مہر کی مقدار میں مذاہب اربعہ

عاصم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے ان کے والد کے حوالے سے سنا کہ قبیلہ بنوفزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیاں مہر مقرر کر کے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم جوتیوں کے بدلے میں اپنی جان ومال دینے پر راضی ہو، اس نے عرض کیا ہاں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ اس باب میں حضرت عمر، ابوہریرہ، سہل بن سعد، ابوسعید، انس، عائشہ، جابر اور ابوحدرد اسلمی سے بھی روایت ہے عامر بن ربیعہ کی حدیث حسن صحیح ہے مہر کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں لہٰذا زوجین جس پر متفق ہو جائیں وہی مہر ہے۔ سفیان، ثوری، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مہر چار دینار سے کم نہیں۔ بعض (فقہاء احناف) اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث ۱۱۱۳)

نہ تو شریعت نے مہر کے لئے کسی خاص مقدار کو متعین کر کے اسے واجب قرار دیا ہے اور نہ اس کی زیادہ سے زیادہ کوئی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اسے شوہر کی حیثیت واستطاعت پر موقوف رکھا ہے کہ جو شخص جس قدر مہر دینے کی استطاعت رکھتا ہو اسی قدر مقرر کرے البتہ مہر کی کم سے کم ایک حد ضرور مقرر کی گئی ہے تا کہ کوئی شخص اس سے کم مہر نہ باندھے۔

چنانچہ حنفیہ کے مسلک میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (۶۲ء 30 گرام چاندی) ہے اگر کسی شخص نے اتنا مہر باندھا جو دس درہم یعنی (۶۲ء۳۰ گرام چاندی) کی قیمت سے کم ہو تو مہر صحیح نہیں ہوگا۔

حضرت امام مالک کے نزدیک کم سے کم مہر کی آخری حد چوتھائی دینار ہے اور حضرت امام شافعی و حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ثمن یعنی قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کا مہر باندھنا جائز ہے۔

حریت کے مہر ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔ اس باب میں حضرت صفیہ سے بھی روایت ہے حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے، بعض صحابہ کرام اور دوسرے حضرت کا اس پر عمل ہے امام شافعی، احمد، اور اسحاق، کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک آزادی کو مہر مقرر کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک آزادی کے علاوہ مہر مقرر کرنا چاہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، ج۱، رقم الحدیث، ۱۱۱۶)

مہر کی مقدار میں فقہی مذاہب واہل ظواہر کا موقف

کم از کم مہر کے متعلق صحیح مسلم میں ایک روایت ملتی ہے جو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپنے آپ کو آپ کے لیے ھبہ کرتی ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور اپنی نظریں اوپر کرنے کے بعد نیچے کرلیں جب عورت نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو وہ بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام میں سے ایک صحابی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو اس عورت کی ضرورت نہیں تو میرے ساتھ اس کی شادی کردیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے پاس کچھ ہے؟ اس صحابی نے جواب دیا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی قسم میرے پاس کچھ نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اپنے گھر والوں کے پاس دیکھو ہوسکتا ہے کچھ مل جائے، وہ صحابی گیا اور واپس آ کہنے لگا اللہ کی قسم مجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو اگر لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے وہ گیا اور واپس آ کر کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں ملی، لیکن میرے پاس یہ چادر ہے اس میں سے نصف اسے دیتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اس کا تم کیا کرو گے اگر اسے تم باندھ لو تو اس پر کچھ بھی نہیں ہوگا، وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ بات سن کر بیٹھ گیا اور جب زیادہ دیر بیٹھا رہا تو اٹھ کر چل دیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو اسے واپس بلانے کا حکم دیا جب وہ واپس آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: تجھے کتنا قرآن حفظ ہے؟ اس نے جواب دیا فلاں فلاں سورۃ حفظ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اسے زبانی پڑھ سکتے ہو؟ وہ کہنے لگا جی ہاں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جاؤ میں نے جو تمہیں قرآن کریم حفظ ہے اس کے بدلہ میں اس کا مالک بنا دیا۔ صحیح مسلم حدیث نمبر (1425)

تو اس حدیث میں ہے کہ مہر کم بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ بھی جس سے مال حاصل کیا جاسکتا ہو، لیکن اس میں خاوند اور بیوی کی رضامندی ضروری ہے کہ وہ جتنے مہر پر راضی ہوجائیں، اس لیے کہ مہر میں کم از کم لوہے کی انگوٹھی ہے۔

امام شافعی اور سلف اور بعد میں آنے والے جمہور علماء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے، ربیعہ، ابوالزناد، ابن ابی ذئب، یحییٰ بن سعید، لیث بن سعد، اور امام ثوری، اوزاعی، مسلم بن خالد، ابن ابی لیلی، اور داؤد، اور اہل حدیث فقہاء کرام رحمہ اللہ تعالیٰ اجمعین اور امام مالک کے اصحاب میں ابن وھب کا بھی یہی مسلک ہے۔

حجازیوں، بصریوں، کوفیوں، اور شامیوں وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جس پر بھی خاوند اور بیوی راضی ہوجائیں چاہے وہ زیادہ وہ یا کم مہر مثلا جوتا، لوہے کی انگوٹھی اور چھڑی وغیرہ۔

مطلق خلوت ہونے کے بعد مہر دینے میں مذاہب اربعہ

جمہور کے ہاں یہی ہے کہ کامل مہر واجب ہوجاتا ہے، چنانچہ جس نے بھی اپنی بیوی سے صحیح خلوت کرلی، یعنی وہ بغیر کسی بڑے یا چھوٹے یا امتیاز کرنے والے بچے کے بغیر صرف دونوں ہی خلوت کرلیں اور پھر عورت کو طلاق ہوجائے تو اسے پورا مہر دینا ہوگا۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجمل یہ کہ جب مرد اپنی بیوی سے صحیح عقد نکاح کے بعد خلوت کرلے تو اس کا مہر دینا ہوگا اور وہ عدت بھی پوری کریگی چاہے اس نے اس سے جماع نہ بھی کیا ہو، خلفاء راشدین سے یہی مروی ہے۔

امام احمد اور اثرم نے زرارۃ بن اوفی سے روایت کیا ہے کہ: خلفاء راشدین نے یہ فیصلہ کیا: جس نے دروازہ بند کرلیا یا پردہ گرا کر اندر چلا گیا تو اس پر پورا مہر واجب ہوگا، اور عدت بھی واجب ہوگی۔

اور اثرم نے احنف سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ: عمر اور علی اور سعید بن میسب اور زید بن ثابت سب کے ہاں اس پر عدت ہوگی اور اسے پورا مہر دیا جائے گا، اور یہ معاملہ جات مشہور ہیں اور اس میں ان کے دور میں کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تو اس طرح یہ اجماع ہوا۔ (المغنی (191/7)

"امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جو ایک قاعدہ اور اصول ہونی چاہیے وہ کہتے ہیں: کیونکہ اس نے عورت سے وہ کچھ حلال کرلیا جو کسی اور کے لیے حلال نہ تھا، اس لیے ان کا کہنا ہے: اگر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کا کوئی حصہ جو خاوند کے علاوہ کوئی اور نہیں دیکھتا مثلا شرمگاہ تو وہ عورت پورے مہر کی مستحق ہوگی، کیونکہ اس نے وہ کچھ حلال کرلیا جو اس کے علاوہ کسی اور کے لیے حلال نہیں تھا۔

اس بنا پر اگر تو آپ نے بیوی سے وہ کچھ فائدہ حاصل کرلیا ہے تو اس کے لیے پورا مہر واجب ہوگا، اور اس کو عدت بھی پوری کرنا ہوگی۔

دوم: مطلقہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اگر بالغ اور عقلمند ہو تو اپنے مہر میں سے کچھ حصہ معاف کردے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: مگر یہ کہ وہ معاف کردیں. ?اور اسی طرح جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ بھی اسی طرح معاف کرسکتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد خاوند ہے یا کہ عورت کا ولی؟

ابوحنیفہ اور احمد اور شافعی کے نئے قول میں اس سے خاوند مراد ہے، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ نصف مہر معاف کردے اور

اسے مطلقہ عورت کے لیے چھوڑ دے۔

اور امام مالک اور امام شافعی قدیم قول میں اس سے ولی مراد لیتے ہیں، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ اپنی ولایت میں عورت کا نصف مہر چھوڑ سکتا ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اہل علم کا اختلاف ہے کہ نکاح کی گرہ کس کے ہاتھ میں ہے امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد خاوند ہے، اور امام مالک اور علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے.. کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ?اور یہ کہ تم معاف کردو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے. ?اور وہ معافی جو تقوی کے زیادہ قریب ہے وہ خاوند اپنا حق معاف کردے، رہا یہ کہ ولی عورت کا مال معاف کردے یہ تقوی کے زیادہ قریب نہیں، اور اس لیے بھی کہ مہر تو بیوی کا مال ہے، اس لیے ولی نہ تو اسے ہبہ کرنے اور نہ ہی معاف کرنے کا مالک ہے جس طرح عورت کا دوسرا مال اور اس کے حقوق معاف نہیں کرسکتا، اور اسی طرح سارے ولی بھی۔ (المغنی ابن قدامہ (195/1)

حضرت حکیم بن معاویہ سے روایت ہے۔ کہ ایک آدمی نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا: عورت کا خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، اس کے منہ پر نہ مارے، اُسے برا نہ کہے اور گھر کے علاوہ تنہا کہیں نہ چھوڑے۔ (ابن ماجہ، کتاب النکاح)

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر نفقہ واجب نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ابوسفیان کی اجازت کے بغیر مال لینے کی اجازت نہ فرماتے۔ مسلم فقہاء نے عورت کے اس حق کو نہ صرف قرآن وسنت بلکہ اجماع وعقلی طور پر بھی ثابت قرار دیا۔ الکاسانی کے مطابق: جہاں تک اجماع سے وجوب نفقہ کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں پوری امت کا اجماع ہے کہ خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ عقلی طور پر شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہونا اس طرح ہے کہ وہ خاوند کے حق کے طور پر اس کی قید نکاح میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قید نکاح کا نفع بھی خاوند ہی کو لوٹ رہا ہے لہٰذا اس کی کفالت بھی خاوند کے ذمہ ہی ہونی چاہئے۔ اگر اس کی کفالت کی ذمہ داری خاوند پر نہ ڈالی جائے اور نہ وہ خود خاوند کے حق کے باعث باہر نکل کر کما سکے تو اس طرح وہ ہلاک ہو جائے گی لہٰذا اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قاضی کا خرچہ مسلمانوں کے بیت المال سے مقرر کیا گیا ہے کیونکہ وہ انہی کے کام میں محبوس (روکا گیا) ہے اور کسی دوسرے ذریعے سے کمائی نہیں کرسکتا لہٰذا اس کے اخراجات ان کے مال یعنی بیت المال سے وضع کیے جائیں گے۔ اسی طرح یہاں (عورت کے نفقہ میں) ہے۔ (کاسانی، بدائع الصنائع، 46:4)

غیر مدخولہ کے تصرف مہر میں اولیاء کے حق پر فقہی مذاہب اربعہ

اس صورت میں جو یہاں بیان ہورہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے، لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہوگئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہوگئے، گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفائے راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے، لیکن امام شافعی کی روایت سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس

صورت میں بھی صرف نصف مہر مقررہ ہی دیناپڑے گا،

امام شافعی فرماتے ہیں میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگر چہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباس کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے، پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے،

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے۔ یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں، پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے۔

حضرت علی سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں، فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے۔

امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے، اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے، اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں۔ دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔

ابن عباس، علقمہ، حسن، عطاء، طاؤس، زہری، ربیعہ، زید بن اسلم، ابراہیم نخعی، عکرمہ، محمد بن سیرین سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ کا اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے، گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو، عکرمہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو،

حضرت شریح بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبی نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔

مسلمان کو شراب وخنزیر کے بدلے میں نکاح کرنے کا بیان

وَإِنْ تَزَوَّجَ الْمُسْلِمُ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنزِيرٍ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا فَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلَى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا وَإِنْ زَادَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ

لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ وَإِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الْحَطُّ وَإِذَا خَلَا الزَّوْجُ بِامْرَأَتِهِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنَ
9 الْوَطْءِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ

ترجمہ

جب کسی مسلمان نے شراب یا سور (خنزیر) پرشادی کر لی تو یہ نکاح جائز ہوگا۔اور اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔اور جب کسی نے شادی کرتے ہوئے مہر مقرر نہ کیا تھا۔پھر وہ دونوں مہر کی ہی کسی متعین مقدار پر راضی ہو گئے تو اس عورت کو وہی مہر ملے گا۔ جب اس نے اس سے دخول کر لیا یا وہ فوت ہو گیا' اور جب اس نے اسے دخول یا خلوت سے قبل ہی طلاق دے دی تو اس صورت میں اس عورت کو متعہ ملے گا۔اور جب اس نے مہر میں عقد کے بعد زیادتی کر دی تو اس خاوند کو وہ زیادتی بھی لازم ہو گی۔جبکہ اس نے اس سے صحبت کر لی تھی یا وہ اس سے قبل ہی فوت ہو گیا تھا' اور مہر کی زیادتی صحبت سے قبل طلاق دینے سے وہ زیادتی ساقط ہو جاتی ہے۔جب عورت نے شوہر پر کچھ حق مہر کم کر دیا تو یہ کم کرنا درست ہوگا۔جب شوہر نے اپنی عورت کے ساتھ تنہائی حاصل کر لی۔وہ یوں کہ وہاں وطی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی پھر اس نے اسے طلاق دے ڈالی تو اس عورت کے لئے پورا پورا حق مہر ہوگا۔اور اس پر عدت بھی ہو گی۔

غیر مال متقوم کے عدم مہر ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یتیم کی شراب رکھی ہوئی تھی (یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم رہا کرتا تھا جو ہماری پرورش میں تھا اس کی ملکیت میں جہاں اور بہت سا مال واسباب تھا وہیں شراب بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں شراب مباح تھی) چنانچہ سورت مائدہ کی وہ آیت (اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ) 5 ۔ المائدہ : 90) نازل ہوئی (جس میں شراب کی حرمت کا بیان ہے جو باب حد الخمر کے ابتداء میں نقل کی جا چکی ہے) تو میں نے اس یتیم کی شراب کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کا مال ہے (اور چونکہ یتیم کا مال ضائع نہیں کرنا چاہئے اس لئے اب کیا حکم ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کو پھینک دو۔"

(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 794)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد کے ذریعہ واضح فرمایا کہ شراب متقوم مال نہیں ہے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی نفع حاصل کرنا کسی بھی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے۔لہٰذا اس صورت میں اس شراب کو پھینک دینا ہی ضروری ہے۔

حضرت انس حضرت ابوطلحہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں (یعنی ابوطلحہ نے) عرض کیا کہ "یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ان یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری پرورش میں ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شراب کو پھینک دو اور اس کے برتن کو توڑ ڈالو۔" ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔"

حضرت ابوطلحہ نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اپنے زیر پرورش یتیموں کے لئے جو شراب خریدی تھی اس کے بارے میں پوچھا کہ اب شراب حرام ہوگئی ہے میں اس شراب کا کیا کروں؟ آیا اس کو پھینک دوں یا رہنے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ اس کو بہاڈالو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے برتن کو توڑ ڈالنے کا حکم اس لئے دیا کہ شراب کی نجاست اس میں سرایت کرگئی تھی اور اس کا پاک کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا۔ یا یہ کہ آپ نے شراب کی ممانعت میں شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ جس برتن میں وہ شراب رکھی ہے اس کو بھی توڑ ڈالو، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شراب کا سرکہ بنالینے سے جو منع فرمایا اس کا تعلق بھی یا تو زجر و تنبیہ سے ہے یا یہ ممانعت "نہی تنزیہی" کے طور پر ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جو چیز مال متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہوسکتی اور مہر مثل واجب ہوگا، مثلاً مہر یہ ٹھہرا کہ آزاد شوہر عورت کی سال بھر تک خدمت کریگا یہ کہ اسے قرآن مجید یا علم دین پڑھادے گا یا حج وعمرہ کرادے گا یا مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت سے ہوا اور مہر میں خون یا شراب یا خنزیر کا ذکر آیا یا یہ کہ شوہر اپنی پہلی بی بی کو طلاق دے دے تو ان سب صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔ (درمختار، کتاب النکاح)

خلوت صحیحہ ہونے کے فقہی مفہوم کا بیان

فَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مَرِيضًا أَوْ صَائِمًا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ أَوْ مُحْرِمًا بِحَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ أَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ حَائِضًا فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيحَةٍ وَإِذَا خَلَا الْمَجْبُوبُ بِامْرَأَتِهِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ إِلَّا مُطَلَّقَةً وَاحِدَةً : وَهِيَ الَّتِي طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا،

ترجمہ

جب ان میں سے کوئی مریض ہو یا ماہ رمضان المبارک میں روزہ دار ہو یا حج یا عمرہ شریف کا اس نے احرام باندھا ہوا ہو یا عورت حیض والی ہو۔ تو اس صورت میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی۔ اور جس وقت کٹے ہوئے آلہ تناسل والے نے اپنی عورت بیوی کے ساتھ خلوت اختیار کی مگر پھر اس نے اسے طلاق دے دی تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عورت کے لئے پورا پورا حق مہر ہوگا۔ اور ہر مطلقہ عورت کے لئے متعہ مستحب ہے۔ مگر ایک ایسی مطلقہ ہے کہ جس کے لئے متعہ مستحب نہیں اور وہ ایسی عورت ہے کہ جسے اس کے شوہر نے دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی اور اس کے لئے حق مہر بھی مقرر نہ کیا تھا۔

خلوت صحیحہ کے موانع کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ (۱) مانع حسی جیسے مرض کہ شوہر بیمار ہے تو مطلقاً خلوت صحیحہ نہ ہوگی اور زوجہ بیمار ہو تو اس حد کی بیمار ہو کہ وطی سے ضرر کا اندیشہ صحیح ہو اور ایسی بیماری نہ ہو تو خلوت صحیحہ ہو جائے گی۔

(۲) مانع طبعی جیسے وہاں کسی تیسرے کا ہونا، اگرچہ وہ سوتا ہو یا نابینا ہو، یا اس کی دوسری بی بی ہو یا دونوں میں کسی کی باندی ہو، ہاں اگر اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ کسی کے سامنے بیان نہ کر سکے گا تو اس کا ہونا مانع نہیں یعنی خلوتِ صحیحہ ہو جائے گی۔ مجنون و معتوہ بچہ کے حکم میں ہیں اگر عقل کچھ رکھتے ہیں تو خلوت نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی اور اگر وہ شخص بے ہوشی میں ہے تو خلوت ہو جائے گی۔ اگر وہاں عورت کا کتا ہے تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی اور اگر مرد کا ہے اور اندیشہ ہے جب بھی نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔

(۳) مانع شرعی مثلاً عورت حیض یا نفاس میں ہے یا دونوں میں کوئی مُحرِم ہو، احرام فرض کا ہو یا نفل کا، حج کا ہو یا عمرہ کا، یا ان میں کسی کا رمضان کا روزہ ادا ہو یا نمازِ فرض میں ہو، ان سب صورتوں میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی اور اگر نفل یا نذر یا کفارہ یا قضا کا روزہ ہو یا نفلی نماز ہو تو یہ چیزیں خلوتِ صحیحہ سے مانع نہیں اور اگر دونوں ایک جگہ تنہائی میں جمع ہوئے مگر کوئی مانع شرعی یا طبعی یا حسی پایا جاتا ہے تو خلوت فاسدہ ہے۔

اور وہ لڑکا جو اس قابل نہیں کہ صحبت کر سکے مگر اپنی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہا یا زوجہ اتنی چھوٹی لڑکی ہے کہ اس قابل نہیں اس کے ساتھ اس کا شوہر رہا تو دونوں صورتوں میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی۔

اور اگر عورت کے اندام نہانی میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے وطی نہیں ہو سکتی، مثلاً وہاں گوشت آ گیا یا مقام جڑ گیا یا ہڈی پیدا ہو گئی یا غدود ہو گیا تو ان صورتوں میں خلوتِ صحیحہ نہیں ہو سکتی۔ (درمختار، کتاب النکاح، ج ۴، ص ۲۴۵، بیروت)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہا الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اور جب عورت مرد کے پاس تنہائی میں گئی مرد نے اسے نہ پہچانا، تھوڑی دیر ٹھہر کر چلی آئی یا مرد عورت کے پاس گیا اور اسے نہیں پہچانا، چلا آیا تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، لہٰذا اگر عورت خلوتِ صحیحہ کا دعویٰ کرے اور مرد یہ عذر پیش کرے تو مان لیا جائے گا اور اگر مرد نے پہچان لیا اور عورت نے نہ پہچانا تو خلوتِ صحیحہ ہوگئی۔

اور جس جگہ اجتماع ہوا وہ جگہ اس قابل نہیں کہ وہاں وطی کی جائے تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی، مثلاً مسجد اگرچہ اندر سے بند ہو اور راستہ اور میدان اور حمام میں جب کہ اس میں کوئی ہو یا اس کا دروازہ کھلا ہو اور اگر بند ہو تو ہو جائے گی اور جس چھت پر پردہ کی دیوار نہ ہو یا ٹاٹ وغیرہ موٹی چیز کا پردہ نہ ہو یا ہے مگر اتنا نیچا ہے کہ اگر کوئی کھڑا ہو تو ان دونوں کو دیکھ لے تو اس پر بھی نہ ہوگی ورنہ ہو جائے گی اور اگر مکان ایسا ہے جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے کہ اگر کوئی باہر کھڑا ہو تو ان دونوں کو دیکھ سکے یا یہ اندیشہ ہے کہ کوئی آ جائے تو خلوتِ صحیحہ نہ ہوگی۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۱۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

اور اگر اس نے طلاق دی تو عورت پر عدت واجب، بلکہ عدت میں نان ونفقہ اور رہنے کو مکان دینا بھی واجب ہے۔ بلکہ نکاحِ صحیح میں عدت تو مطلقاً خلوت سے واجب ہوتی ہے صحیحہ ہو یا فاسدہ البتہ نکاحِ فاسد ہو تو بغیر وطی کے عدت واجب نہیں۔ خلوت کا یہ حکم بھی ہے کہ جب تک عدت میں ہے اس کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا۔

اور اس کے علاوہ چار عورتیں نکاح میں نہیں ہو سکتیں۔ اگر وہ آزاد ہے تو اس کی عدت میں باندی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ اور اس عورت کو جس سے خلوتِ صحیحہ ہوئی اس زمانہ میں طلاق دے جو موطوءہ کے طلاق کا زمانہ ہے۔ اور عدت میں اسے طلاق بائن

دے سکتا ہے مگر اس سے رجعت نہیں کرسکتا، نہ طلاق رجعی دینے کے بعد فقط خلوتِ صحیحہ سے رجعت ہوسکتی ہے۔ اور اس کی عدت کے زمانہ میں شوہر مرگیا تو وارث نہ ہوگی۔ خلوت سے جب مہر موکد ہو چکا تو اب ساقط نہ ہوگا اگر چہ جدائی عورت کی جانب سے ہو۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح، ج ۲، ص ۱۹، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

مطلق خلوت ہونے کے بعد مہر دینے میں مذاہب اربعہ

جمہور کے ہاں یہی ہے کہ کامل مہر واجب ہوجاتا ہے، چنانچہ جس نے بھی اپنی بیوی سے صحیح خلوت کرلی، یعنی وہ بغیر کسی بڑے یا چھوٹے یا امتیاز کرنے والے بچے کے بغیر صرف دونوں ہی خلوت کرلیں اور پھر عورت کو طلاق ہوجائے تو اسے پورا مہر دینا ہوگا۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجمل یہ کہ جب مرد اپنی بیوی سے صحیح عقد نکاح کے بعد خلوت کرلے تو اس کا مہر دینا ہوگا اور وہ عدت بھی پوری کریگی چاہے اس نے اس سے جماع نہ بھی کیا ہو، خلفاء راشدین سے یہی مروی ہے۔

امام احمد اور اثرم نے زرارۃ بن اوفی سے روایت کیا ہے کہ: خلفاء راشدین نے یہ فیصلہ کیا: جس نے دروازہ بند کرلیا یا پردہ گرا کر اندر چلا گیا تو اس پر پورا مہر واجب ہوگا، اور عدت بھی واجب ہوگی۔

اور اثرم نے احنف سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ: عمر اور علی اور سعید بن مسیب اور زید بن ثابت سب کے ہاں اس پر عدت ہوگی اور اسے پورا مہر دیا جائے گا، اور یہ معاملہ جات مشہور ہیں اور اس میں ان کے دور میں کسی نے بھی مخالفت نہیں کی تو اس طرح یہ اجماع ہوا۔ (المغنی (191/7)

"امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت ذکر کی جاتی ہے جو ایک قاعدہ اور اصول ہونی چاہیے وہ کہتے ہیں: کیونکہ اس نے عورت سے وہ کچھ حلال کرلیا جو کسی اور کے لیے حلال نہ تھا، اس لیے ان کا کہنا ہے: اگر مرد نے اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کا کوئی حصہ جو خاوند کے علاوہ کوئی اور نہیں دیکھتا مثلا شرمگاہ تو وہ عورت پورے مہر کی مستحق ہوگی، کیونکہ اس نے وہ کچھ حلال کرلیا جو اس کے علاوہ کسی اور کے لیے حلال نہیں تھا۔

اس بنا پر اگر تو آپ نے بیوی سے وہ کچھ فائدہ حاصل کرلیا ہے تو اس کے لیے پورا مہر واجب ہوگا، اور اس کو عدت بھی پوری کرنا ہوگی۔

دوم: مطلقہ عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ اگر بالغ اور عقلمند ہو تو اپنے مہر میں سے کچھ حصہ معاف کردے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: مگر یہ کہ وہ معاف کردیں۔ ؟ اور اسی طرح جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ بھی اسی طرح معاف کرسکتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس سے مراد خاوند ہے یا کہ عورت کا ولی؟

ابوحنیفہ اور احمد اور شافعی کے نئے قول میں اس سے خاوند مراد ہے، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ وہ نصف مہر معاف کردے اور اسے مطلقہ عورت کے لیے چھوڑ دے۔

اور امام مالک اور امام شافعی قدیم قول میں اس سے ولی مراد لیتے ہیں، چنانچہ اسے حق حاصل ہے کہ اپنی ولایت میں عورت کا

نصف مہر چھوڑ سکتا ہے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اہل علم کا اختلاف ہے کہ نکاح کی گرہ کس کے ہاتھ میں ہے امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد خاوند ہے، اور امام مالک اور علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ?اور یہ کہ تم معاف کر دو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے۔ ?اور وہ معافی جو تقوی کے زیادہ قریب ہے وہ خاوند اپنا حق معاف کر دے، رہا یہ کہ ولی عورت کا مال معاف کر دے یہ تقوی کے زیادہ قریب نہیں، اور اس لیے بھی کہ مہر تو بیوی کا مال ہے، اس لیے ولی نہ تو اسے ہبہ کرنے اور نہ ہی معاف کرنے کا مالک ہے جس طرح عورت کا دوسرا مال اور اس کے حقوق معاف نہیں کر سکتا، اور اسی طرح سارے ولی بھی۔ (المغنی ابن قدامہ (195/1)

نکاح شغار وغیرہ کا بیان

وَإِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ أَوْ أُخْتَهُ فَيَكُونُ أَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْآخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَإِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ امْرَأَةً عَلَى خِدْمَتِهِ سَنَةً أَوْ عَلَى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَإِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ حُرَّةً بِإِذْنِ مَوْلَاهُ عَلَى خِدْمَتِهِ سَنَةً جَازَ وَإِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُونَةِ أَبُوهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِي نِكَاحِهَا ابْنُهَا عِنْدَهُمَا.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ أَبُوهَا وَلَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِإِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِي رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيهِ وَإِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُبَوِّأَهَا بَيْتَ الزَّوْجِ وَلَكِنَّهَا تَخْدُمُ الْمَوْلَى وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتَى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا،

ترجمہ

جب کسی آدمی نے اپنی بیٹی کی کسی آدمی سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کی شادی اس سے کر دے گا۔ تا کہ دونوں عقد ایک دوسرے کا عوض ہو جائیں تو یہ دونوں عقد جائز ہوں گے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل ہوگا۔ جب کسی آزاد آدمی نے اپنی ایک سالہ خدمت کرنے یا قرآن پاک کی تعلیم دینے کی شرط پر کسی عورت سے شادی کی تو اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔ جب کسی غلام آدمی نے اپنے مالک کی اجازت سے کسی آزاد عورت کے ساتھ ایک سال خدمت کرنے کی شرط پر شادی کی تو جائز ہے اور عورت کو اس غلام سے خدمت کرانے کا حق حاصل ہوگا۔ جب کسی پاگل عورت کے معاملہ میں اس کا باپ اور اس کا بیٹا اکٹھے ہوں تو شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عورت کے نکاح کا ولی اس کا بیٹا ہوگا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کا باپ ہوگا۔ اور کسی غلام اور نوکرانی 'لونڈی کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ جب کسی غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے نکاح کیا تو حق مہر اس کی گردن میں قرض ہوگا۔ جس میں اسے بیچ دیا جائے گا جب کہ آقا نے اپنی لونڈی کا کسی سے نکاح کر دیا۔ تو اب اس پر اس شوہر کے رات گزارنے کا انتظام لازم نہیں ہوگا۔ ہاں لیکن وہ لونڈی اپنے مالک' آقا کی خدمت کرتی

رہے گی اور اس کے شوہر سے کہا جائے گا کہ تجھے جب کامیابی ہو یعنی موقع میسر آجائے تو اس سے وطی کر لیا کرنا۔

نکاح شغار کے مہر میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح شغار سے منع فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر تمام اہل علم کا عمل ہے کہ نکاح شغار جائز نہیں شغار اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنی بہن یا بیٹی کو بغیر مہر مقرر کیے کسی کے نکاح میں اس شرط پر دیدے کہ وہ بھی اپنی بہن یا بیٹی اس کے نکاح میں دے۔ اس میں مہر مقرر نہیں ہوتا بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر اس پر مہر بھی مقرر کر دیا جائے تب بھی یہ حلال نہیں اور یہ نکاح باطل ہو جائے گا۔

امام شافعی، احمد، اور اسحاق کا یہ قول ہے۔ عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ ان کا نکاح برقرار رکھا جائے اور مہر مثل مقرر کر دیا جائے۔ اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث، ۱۱۲۶)

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کر دے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہوگا اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو۔

(بخاری ومسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں شغار جائز نہیں ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 362)

شغار دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی سے نکاح کرنے کی ایک خاص صورت کا نام ہے جیسے کہ زید بکر سے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح زید سے کر دے گا۔ اور ان دونوں کے نکاح میں مہر کچھ بھی متعین نہ ہو بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کی بیٹی کا تبادلہ ہی گویا مہر ہو اس طرح کا نکاح زمانہ جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے مگر اسلام نے اس سے منع کر دیا ہے۔

اس بارے میں فقہی اختلاف یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں تو اس طرح کا نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح سے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور مہر مثل دینا لازم ہوگا لیکن حکم یہ ہے کہ اس طرح کے نکاح سے اجتناب کرنا چاہئے۔

فقہ مالکی کے مطابق نکاح شغار کا حکم یہ ہے۔ اور جسے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کے نکاح کا نام دیا جاتا ہے. ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کے نکاح سے منع فرمایا"

(صحیح بخاری حدیث نمبر (5112) صحیح مسلم حدیث نمبر (1415)

اور "المدونۃ" میں درج ہے: "یہ بتائیں کہ اگر کسی نے کہا: اپنی بیٹی کی میرے ساتھ ایک سو دینار میں شادی کر دو، اس شرط پر کہ میں اپنی بیٹی کی تیرے ساتھ سو دینار میں شادی کر دونگا؟

توامام مالک رحمہ اللہ نے اس کو ناپسند اور مکروہ جانا، اور اسے نکاح شغار یعنی وٹہ سٹہ کا ایک طریقہ خیال کیا۔ اور اس کی دلیل ابو داؤد وغیرہ کی درج ذیل حدیث بھی ہے جو عبدالرحمٰن بن ھرمز سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ عباس بن عبداللہ بن عباس سے عبدالرحمٰن بن حکم نے اپنی بیٹی کی شادی کی، اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن حکم سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی، اور دونوں نے مہر بھی رکھا، تو معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے مروان بن حکم کو خط لکھا جس میں انہوں نے ان دونوں کے درمیان علیحدگی اور جدائی کا حکم دیا، اور اپنے خط میں لکھا۔ یہ وہ شغار یعنی وٹہ سٹہ ہے جس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

(سنن ابوداؤد حدیث نمبر (2075، المدونۃ (2/98)

تعلیم قرآن کے مہر ہونے فقہی مذاہب اربعہ

حضرت سہل بن ساعدی سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میں نے خود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا پھر کافی دیر کھڑی رہی تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو اس کا نکاح مجھ سے کر دیجیے آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر کے لیے کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا میرے پاس صرف یہی تہبند ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم اپنا تہبند اسے دو گے تو خود خالی بیٹھے رہو گے پس تم کوئی اور چیز تلاش کرو اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں آپ نے فرمایا کہ تلاش کرو اگر چہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو راوی کہتے ہیں کہ اس نے تلاش کیا لیکن کچھ نہ پا کر وہ دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا تم نے قرآن میں سے کچھ حفظ کیا ہے اس نے عرض کیا جی ہاں فلاں، فلاں، سورتیں یاد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے ان سورتوں کے عوض جو تجھے یاد ہیں اس کے ساتھ تیرا نکاح کر دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام شافعی کا اسی پر عمل ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کچھ نہ پایا اور قرآن پاک کی سورت پر ہی نکاح کر لیا جائز ہے عورت کو قرآن کی سورتیں سکھا دے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ نکاح جائز ہے اور مہر مثل واجب ہو جائے گا اہل کوفہ (فقہاء احناف میں بعض ہیں جبکہ اکثر کا مؤقف ہم سابقہ دلائل میں لکھ آئے ہیں)۔ احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی، ج ۱، رقم الحدیث ۱۱۱۴)

حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سے کون نکاح کرے گا ایک مرد نے عرض کیا، میں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کچھ دو اگر چہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس نے عرض کیا میرے پاس تو یہ بھی نہیں۔ فرمایا تمہارے پاس جو قرآن ہے اس کے عوض میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 46)

آزادی کو مہر قرار دینے میں فقہی تصریحات

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو پہلے آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں حیس کا ولیمہ کیا (بخاری مسلم)

صالح بن صالح بیان کرتے ہیں میں شعبی کے پاس موجود تھا کہ ان کے پاس ایک خراسان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص آیا اور بولا اے ابوعمرو ہمارے ہاں خراسان جو شخص اپنی کنیز کو آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرلے اس کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ قربانی کے جانور پر سوار ہونے کے مترادف ہے شعبی نے جواب دیا مجھے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابو بردہ نے اپنے والد کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا ہے تین طرح کے لوگوں کو دوگنا اجر دیا جائے گا ایک وہ شخص جو اہل کتاب سے تعلق رکھتا ہو اور اپنے نبی پر ایمان لایا ہو پھر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نصیب ہوا ہو اور وہ آپ پر ایمان لا کر آپ کی پیروی کرے۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے آقا کا حق ادا کرے اس کو دوگنا اجر ملے گا۔ اور تیسرا وہ شخص جس کے پاس کوئی کنیز ہو وہ اسے اچھی خوراک فراہم کرے اور اس کی اچھی طرح سے تعلیم و تربیت کرے پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرلے تو اسے دوگنا اجر ملے گا۔ پھر شعبی نے اس شخص سے کہا کسی معاوضے کے بغیر تم یہ حدیث حاصل کرو پہلے اس سے کم درجے کی حدیث کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔ ہشیم بیان کرتے ہیں بصرہ میں مجھے اس بات کا پتا چلا کہ تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یعنی صالح سے اس روایت کے بارے میں دریافت کیا۔ یہی روایت ایک اور سند کے ہمراہ بھی منقول ہے۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 104)

حضرت صفیہ حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جو خیبر میں آباد قبیلہ بنو قریظہ و بنو نضیر کے سردار تھے جب خیبر کے یہودیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح عطا کی تو صفیہ بھی ہاتھ لگیں اور بطور لونڈی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی کے خلعت سے نوازا اور پھر اپنی زوجیت میں لے کر انہیں دین و دنیا کی سب سے بڑی سعادت سے سرفراز کیا۔

اس مسئلہ میں اہل علم کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے اور اس کی آزادی ہی کو اس کا مہر قرار دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ صحابہ کی ایک جماعت اور بعض علماء اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر اس کے جواز کے قائل ہیں جب کہ صحابہ اور علماء کی ایک جماعت نے اسے جائز نہیں کہا ہے اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی طرف سے اس حدیث کی یہ تاویل کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت صفیہ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا جانا ایک استثنائی صورت ہے جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مختص ہے لہٰذا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور کسی کو جائز نہیں ہے۔

شارحین ہدایہ نے لکھا ہے اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو مہر قرار دے بایں طور کہ اس سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو اس شرط پر آزاد کیا کہ تو مجھ سے آزادی کے عوض نکاح کرلے اور پھر اس لونڈی نے اسے قبول کرلیا تو یہ آزاد کرنا صحیح ہو جائے گا یعنی وہ آزاد ہو جائے گی البتہ نکاح کے معاملے میں وہ خود مختار ہوگی یہاں تک کہ اگر اس نے اس شخص سے نکاح کرلیا تو اس کے لئے اس کا مہر مثل واجب ہوگا۔

آزادی کومہر مقرر کرنے کی کراہت میں بعض فقہی مذاہب

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیہ کوآزاد کیا اوران کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔اس باب میں حضرت صفیہ سے بھی روایت ہے حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے،بعض صحابہ کرام اور دوسرے حضرات کا اس پرعمل ہے۔

امام شافعی،احمد،اوراسحاق،کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک آزادی کومہر مقرر کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک آزادی کے علاوہ مہر مقرر کرنا چاہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1116)

حضرت ابوہریرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کو دوہرا ثواب دیا جائے گا،وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ اوراپنے مالک کا حق ادا کیا اسے دوگنا اجر ملے گا۔ایسا شخص جس کی ملکیت میں خوبصورت لونڈی ہووہ اس کی اچھی تربیت کرے پھر اسے آزاد کر کے محض اللہ کی خوشنودی کے لیے نکاح کرے تو اسے بھی دوگنا ثواب ملے گا اور تیسرا وہ شخص جو پہلی کتاب پر بھی ایمان لایا اور پھر دوسری کتاب نازل ہوئی تو اس پر بھی ایمان لایا اس کے لیے بھی دوگنا ثواب ہے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1117)

قبولیت اسلام کومہر قرار دینے میں فقہی مذاہب

حضرت انس کہتے ہیں کہ ابوطلحہ نے جب ام سلیم سے نکاح کیا تو قبولیت اسلام آپس میں مہر قرار پایا۔ام سلیم نے ابوطلحہ سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا اور پھر جب ابوطلحہ نے ام سلیم کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو ام سلیم نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اگر تم بھی مسلمان ہوجاؤ تو میں تم سے نکاح کرلوں گی۔اور تم سے مہر نہیں لوں گی) چنانچہ ابوطلحہ نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام قبول کر لیناہی آپس میں مہر قرار پایا۔(نسائی،مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 411)

حضرت ام سلیم ملحان کی بیٹی اور حضرت انس بن مالک کی ماں ہیں۔پہلے ان کی شادی مالک بن نضر کے ساتھ ہوئی تھی جس سے حضرت انس پیدا ہوئے مالک کو قبولیت اسلام کی توفیق نہیں ہوئی اور وہ حالت شرک میں مارا گیا پھر ام سلیم نے اسلام قبول کرلیا اور ابوطلحہ نے جو اس وقت مشرک تھے ان کو اپنے نکاح کا پیغام دیا ام سلیم سے ان کا نکاح ہوگیا۔

لہٰذا حدیث کے الفاظ اوراسلام قبول کرلیناہی مہر قرار پایا: کی وضاحت حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ ہے کہ ام سلیم کے ساتھ ابوطلحہ کا نکاح تو مہر کے ساتھ ہی ہوا لیکن ام سلیم نے اپنے وعدہ کے مطابق ابوطلحہ کے اسلام لانے کی وجہ سے اپنا مہر بخش دیا گویا ابوطلحہ کا اسلام قبول کرنا ان کے آپس کے نکاح کا سبب ہوا نہ یہ کہ قبولیت اسلام ان کا مہر تھا ہاں دوسرے ائمہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ کا اسلام قبول کرنا ہی ان کا مہر تھا۔

شہر سے باہر نہ لے جانے کی شرط پر شادی کرنے کا بیان

وَإِذَا تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلَى أَلْفٍ عَلَى أَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ أَوْ عَلَى أَنْ لَا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا فَإِنْ وَفَّى بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمَّى وَإِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا أَوْ أَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَلَهَا الْوَسَطُ مِنْهُ وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ أَعْطَاهَا الْحَيَوَانَ وَإِنْ شَاءَ قِيمَتَهُ وَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلَى ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوفٍ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالنِّكَاحُ الْمُؤَقَّتِ بَاطِلٌ وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمَوْلَى جَازَ وَإِنْ رَدَّهُ بَطَلَ، وَكَذَلِكَ لَوْ زَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ

ترجمہ

اور جب کسی عورت نے ایک ہزار درہموں پر اس شرط پر شادی کی کہ اس کا شوہر اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس شرط پر کہ وہ اس پر آگے کسی اور عورت سے شادی نہیں کرے گا اب جب تو اس نے اس شرط کو پورا رکھا تو اس صورت میں اس عورت کے لئے مقرر کردہ ہی حق مہر ہوگا۔ لیکن جب اس نے اس پر کسی اور عورت سے بھی شادی کر لی یا اسے شہر سے باہر لے گیا تو اس صورت میں اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔ جب کسی عورت نے کسی غیر موصوف جانور پر (بطور مہر کے) شادی کر لی تو اس طرح کا تعین درست ہوگا۔ اور اس عورت کے لئے اس سے درمیانی قسم کا جانور ہوگا۔ اور شوہر اس معاملہ میں بااختیار ہوگا۔ جب چاہے تو اسے وہ جانور ہی دے جب چاہے تو اس جانور کی قیمت دیدے۔ اور جب کسی نے کسی عورت سے کسی غیر موصوف کپڑے پر شادی کر لی تو اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

نکاح متعہ اور موقت باطل ہیں۔ غلام اور لونڈی کا اپنے مالک کی اجازت کے بغیر شادی کر لینا موقوف ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس کی اجازت دے دے تو جائز ہو جاتا ہے اور جب وہ اسے رد کر دے تو باطل ہو جاتا ہے۔ یونہی جب کسی آدمی نے کسی عورت کی رضامندی کے بغیر یا کسی عورت نے آدمی کی رضامندی کے بغیر شادی کر لی تو بھی یہ مذکورہ بالا حکم ہی جاری ہوگا۔

نکاح کو کسی شرط سے مشروط کرنے میں مذاہب اربعہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ عورت کی جسمانی کمزوری اور انفعالی کیفیت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس کے ساتھ زیادتی بھی کی جاتی ہے، مثلاً ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کر لیا جاتا ہے؛ لیکن شریعت میں عدل کے جو احکام دیے گئے ہیں، ان کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔

اشتراط فی النکاح سے مراد یہ ہے کہ ایسی شرطیں جن کا شریعت نے نکاح میں حکم بھی نہیں دیا ہے اور وہ شریعت کے احکام سے متصادم بھی نہیں ہیں؛ لیکن وہ کسی فریق کے مفاد میں ہوں تو ایسی شرطیں معتبر ہوں گی یا نہیں؟ جیسے عورت شرط لگائے کہ شوہر اس کی

موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا اس کو میکے میں رکھے گا یا اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟... ایک گروہ کے نزدیک ایسی شرطیں معتبر نہیں ہیں۔ صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ متبوعین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر یہی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، بدایۃ المجتہد، شرح مہذب)

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ایسی شرطیں معتبر ہیں اور شوہر پر ان کا پورا کرنا واجب ہے، صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ مصنف عبدالرزاق، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ شرح السنہ، بعد کے اہل علم میں مشہور قاضی، قاضی شریح، مصنف عبدالرزاق اور ائمہ متبوعین میں امام احمد ابن حنبل المغنی اور محدثین میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری، باب الشروط النکاح اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد، باب فی الرجل یشترط لہا دارا کا بھی یہی نقطہ نظر ہے، ان حضرات کی دلیل قرآن مجید کی آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۔(المائدہ)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: احق ما او فیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری)

اس لیے علماء وارباب افتاء نے اس دوسرے نقطہ نظر کو موجودہ حالات کے پس منظر میں قبول کیا ہے۔ نکاح کے وقت اگر ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے نہ ان کو لازم قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔ اسی سے قریب تر دوسرا مسئلہ نکاح میں مشروط مہر مقرر کرنے کا ہے۔ مثلاً مہر یوں طے پائے کہ اگر مرد نے اِس منکوحہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا تو مہر بیس ہزار درہم ہوگا اور اگر دوسرا نکاح نہیں کیا تو دس ہزار درہم ہوگا۔

تو مالکیہ اور شوافع کے نزدیک ایسی شرطوں کا اعتبار نہیں؛ بلکہ ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ دونوں شرطیں معتبر ہوں گی،

یہی نقطہ نظر حنفیہ میں صاحبین کا بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر کی جو مقدار پہلے ذکر کی گئی، وہ معتبر ہوگی اور جو بعد میں ذکر کی گئی، اس کا اعتبار نہیں۔

اس مسئلے میں صاحبین کی رائے کو قبول کرنا بہتر ہوگا، اس سے عورتوں کے حقوق کے تحفظ اور طلاق کے واقعات کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔ جیسے یوں مہر مقرر ہو کہ اگر مرد نے اس عورت کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا یا اسے طلاق نہیں دی تو مہر دو ہزار ڈالر ہوگا اور اگر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کر لیا یا کبھی اس بیوی کو طلاق دے تو مہر دس ہزار ڈالر ہوگا۔ ایسی صورت میں شرط پوری نہ کرنے پر مرد کو مہر کی جو کثیر مقدار ادا کرنی پڑے گی، اس کا خوف کسی مناسب ضرورت کے بغیر دوسرے نکاح سے یا بلا سبب طلاق دینے سے اس کو باز رکھنے میں موثر ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے دائرے میں رہتے ہوئے بھی اس مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ امام صاحب کے یہاں اگر دو الگ شرطوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار متعین کی جائے تو پہلی شرط اور اس سے مربوط مہر معتبر ہوتا ہے اور اگر وہ شرط پائی

جائے تو دوسری شرط معتبر نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کی بجائے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔لہٰذا مثلاً یوں کہا جائے کہ اگر ہندہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا گیا تو مہر ایک لاکھ روپے ہوگا اور نکاح نہیں کیا گیا تو مہر پچیس ہزار روپے ہوگا تو اس صورت میں اگر ہندہ کی موجودگی میں مرد نے دوسری شادی کی تو ہندہ کو ایک لاکھ روپے ادا کرنے پڑیں گے اور اگر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر مثل واجب ہوگا، اس طرح یہ مقصد کہ بیوی کو ناگوار صورت حال پیش آنے پر زیادہ مہر مل جائے، حاصل ہو جائے گا۔

نکاح میں اخراج بلد کی شرط میں مذاہب اربعہ

اسی طرح عبدالحمید بن جعفر حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم صحابہ کا اسی پر عمل ہے جن میں عمر بن خطاب بھی شامل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو اسے اس شرط کو پورا کرنا چاہیے، بعض علماء، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔حضرت علی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی شرط ہر شرط پر مقدم ہے گویا کہ ان کے نزدیک شوہر کا اپنی بیوی کو اس شرط کے باوجود شہر سے دوسرے شہر لے جانا صحیح ہے بعض اہل علم کا بھی قول ہے سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا بھی یہ قول ہے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1131)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔بیوی کے شہر میں رہنے پر ایک ہزار اور وہاں سے لے جانے پر دو ہزار مہر پر نکاح کیا، تو اگر مرد عورت کے شہر میں رہے تو ایک ہزار بیوی کو دے گا کیونکہ وہ اس پر راضی ہوئی تھی، اگر وہاں سے باہر لے جائے تو پھر مہر مثل ہوگا جو دو ہزار سے زائد نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو کیونکہ اس پر دونوں کی رضامندی تھی، یہ صورت اس کے خلاف ہے، جب یہ، کہہ کر نکاح کیا ہو کہ اگر بدشکل ہو تو ایک ہزار اور خوبصورت ہو تو دو ہزار مہر ہے تو یہ دونوں شرطیں صحیح ہیں کیونکہ اس میں جہالت کے مواقع بہت کم ہیں۔۔(درمختار، باب مہر، کتاب النکاح)

خاوند نے بیوی کو کوئی چیز ارسال کی اور دیتے وقت مہر کے علاوہ کسی وجہ کو ذکر نہ کیا ہو مثلاً شمع اور مہندی۔ پھر بعد میں کہا کہ یہ مہر ہے تو خاوند کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ ہدیہ ہو چکی جواب مہر نہیں بن سکتا، پھر بیوی کہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند مہر کہے تو خاوند کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کر لی جائے گی ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا نہیں کیں اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو عورت کے گواہ مقدم ہونگے اور عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا کیں کیونکہ زوج کا ظاہر حال جھٹلاتا ہے، اسی لئے فقیہ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ خاوند کی بات کی تصدیق اس صورت میں کی جائے گی جب وہ چیز نفقہ واجبہ میں سے نہ ہو، مثلاً موزہ یا باریک کپڑا اور جو چیز زوج پر واجب ہو اس میں زوج کی تصدیق نہ کی جائے، جیسے دوپٹہ اور قمیص۔

نکاح متعہ کی حرمت کے دلائل کا بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا ہے گھروں میں رہنے والے گدھوں سے مراد وہ گدھے ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں اور بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں جنگلی گدھا کہ جس کو گورخر کہتے ہیں حلال

ہے اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ (بخاری و مسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 363)

کسی متعینہ مدت کے لیے ایک متعینہ رقم کے عوض نکاح کرنے کو متعہ کہتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ یہ کہہ کر نکاح کرے کہ فلاں مدت مثلاً دو سال تک اتنے روپے مثلاً ایک ہزار روپے) کے عوض تم سے فائدہ اٹھاؤں گا نکاح کا یہ خاص طریقہ یعنی متعہ اسلام کے ابتداء زمانہ میں تو جائز تھا مگر بعد میں حرام قرار دیا گیا۔

علماء لکھتے ہیں کہ متعہ کے سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ تو حلال قرار دیا گیا اور دو مرتبہ حرام ہوا، چنانچہ پہلی مرتبہ تو جنگ خیبر سے پہلے کسی جہاد میں جب صحابہ تجرد کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خصی کرانے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعہ کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جنگ خیبر کے دن جو ے ھ کا واقعہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے متعہ کو حرام قرار دیا چنانچہ جواز متعہ کا فسخ ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

اسی سلسلہ میں حضرت ابن عمر نے اپنی روایت میں یہ ذکر کیا ہے کہ جس طرح حالت اضطرار میں بھوکے کو مردار کھانے کی اجازت ہے اسی طرح اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اس شخص کے لئے جو بسبب تجرد جنسی ہیجان کی وجہ سے حالت اضطرار کو پہنچ گیا ہو یہ اجازت تھی کہ وہ متعہ کرلے مگر جب بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ حرام قرار دیا گیا تو) پھر صحابہ نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ متعہ کے طور پر جو بھی نکاح ہوا اسے باطل قرار دیا جائے۔

اس لئے ہر دور میں تمام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق رہا ہے کہ متعہ حرام ہے کیا صحابہ کیا فقہاء اور کیا محدثین سبھی کے نزدیک اس کا حرام ہونا ایک متفقہ مسئلہ ہے صحابہ میں صرف ابن عباس پہلے اضطرار کی حالت میں متعہ کو مباح سمجھتے تھے مگر جب حضرت علی المرتضی نے ان کو سخت تہدید کی اور متعہ کی قطعی و ابدی حرمت سے ان کو واقف کیا تو حضرت ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کرلیا اور وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کا اپنے اباحت کے قول سے رجوع کرنا حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ہدایہ فقہ حنفی کی ایک مشہور ترین اور اونچے درجہ کی کتاب ہے، اس کے مصنف اپنے علم و فضل اور فقہی بصیرت و نکتہ رسی کے اعتبار سے فقہاء کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ حیثیت کے حامل ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ متعہ کے سلسلہ میں انہوں نے حضرت امام مالک کی طرف قول جواز کی جو نسبت کی ہے وہ ان کی سخت علمی چوک ہے نہ معلوم انہوں نے یہ بات کہاں سے لکھ دی کہ امام مالک متعہ کے جائز ہونے کے قائل تھے۔ امام مالک بھی متعہ کو اسی طرح حرام کہتے ہیں جس طرح تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ چنانچہ نہ صرف ابن ہمام نے ہدایہ میں مذکورہ امام مالک کی طرف قول جواز کی نسبت کو غلط کہا ہے بلکہ ہدایہ کے بعد فقہ کی جتنی بڑی کتابیں تالیف ہوئیں تقریباً سب ہی میں ہدایہ کی اس غلطی کو بیان کرنا لازم سمجھا گیا ہے۔

حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 308)

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ متعہ حرام ہے، لیکن نہ معلوم شیعہ کیوں اب بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ شیعوں کی کتابوں میں تو انہی کی صحیح احادیث میں ائمہ سے متعہ کی حرمت منقول ہے مگر شیعوں کا عمل یہ ہے کہ وہ نہ صرف متعہ کے حلال ہونے پر اصرار کرتے ہیں بلکہ اس کے فضائل بھی بیان کرتے ہیں اور پھر مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ شیعہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ متعہ کو دراصل حضرت عمر نے حرام کیا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے حضرت عمر کو حرام کرنے کا کیا اختیار تھا ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے جس طرح دوسرے اسلامی احکام کی تبلیغ میں بڑی شدت کے ساتھ حصہ لیا ہے اسی طرح انہوں نے متعہ کی حرمت کے اعلان میں بھی بڑی شد و مد کے ساتھ کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا آخری اعلان یہ تھا کہ اگر میں نے سنا کہ کسی نے متعہ کیا ہے تو میں اس کو زنا کی سزا دوں گا ان کے اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اس وقت تک متعہ کی حرمت سے ناواقف تھے وہ بھی واقف ہو گئے لہٰذا حضرت عمر نے تو صرف اتنا کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی تبلیغ کر دی اب اگر شیعہ یہ کہیں کہ متعہ کو حضرت عمر نے حرام کیا ہے تو اس کی ایک مضحکہ خیز الزام سے زیادہ کوئی اور اہمیت نہیں ہوگی۔

حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس کے تین یوم کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس سے ہمیشہ کے لئے منع کر دیا۔ (مسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 364)

اوطاس ایک وادی کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب طائف جانیوالے راستہ میں واقع ہے اور جس کے گرد و پیش قبیلہ ہوازن کی شاخیں آباد تھیں اس کو وادی حنین بھی کہتے ہیں جب رمضان المبارک ۸ھ میں مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی طاقت نے گویا پورے عرب کے باطل عناصر کو حق کے سامنے سرنگوں کر دیا تو اوطاس میں بسنے والے ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کو بڑی غیرت آئی اور انہوں نے پوری حشر سامانیوں کے ساتھ ایک مرتبہ اسلام کے مقابلہ کی ٹھانی چنانچہ شوال ۸ھ میں ان قبیلوں کے لوگوں کے ساتھ اوطاس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں وہ جنگ ہوئی جسے غزوہ حنین کہا جاتا ہے اور غزوہ اوطاس اور غزوہ ہوازن کے نام سے بھی اس کو یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حق کو سر بلند کیا اور اسلامی لشکر کو فتح عطاء فرمائی اس غزوہ میں غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو بہت زیادہ مال و اسباب ہاتھ لگا چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور تقریباً پچیس ہزار روپیہ کی مالیت کی چاندی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا مال غنیمت وہیں اوطاس میں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

بہر حال متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ اسی جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے اور یہ جنگ چونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد ہوئی ہے اس لئے اس موقع پر متعہ کی ہونیوالی تحلیل و تحریم کی نسبت کو فتح مکہ کے دن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ گویا اس سے پہلے کی حدیث کی تشریح میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ متعہ کی تحلیل و تحریم دوسری مرتبہ فتح مکہ کے دن ہوئی ہے تو وہاں فتح

مکہ کے دن سے مراد فتح مکہ کے سال ہے، لہٰذا اب بات یوں ہوگی کہ دوسری مرتبہ متعہ کی تحلیل وتحریم فتح مکہ کے سال یعنی ۸ھ میں جنگ اوطاس کے موقع پر ہوئی ہے۔

جواز متعہ کی تنسیخ کا بیان

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ ایک غزوہ کے موقع پر ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں یعنی بیویاں اور لونڈیاں نہیں تھیں چنانچہ جب عورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم جنسی ہیجان سے پریشان ہوئے تو (ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں تاکہ جنسی ہیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے تو منع فرما دیا البتہ ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ کپڑے کے معاوضہ پر ایک معینہ مدت کے لئے عورت سے نکاح (متعہ) کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ) 5۔المائدہ:87) (اے ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ سمجھو)۔

(بخاری ومسلم) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 370)

یہ حدیث متعہ کی اجازت پر دلالت کرتی ہے چنانچہ ابتداء اسلام میں متعہ کی اجازت تھی مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور اب متعہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آگے آنیوالی حدیث سے بھی معلوم ہوگا اور پہلے بھی وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے متعہ کی اجازت کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

حضرت ابن مسعود کا مذکورہ بالا آیت پڑھنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت ابن مسعود بھی حضرت ابن عباس کی طرح متعہ کی مباح ہونے کے قائل تھے، لیکن حضرت ابن عباس کے بارے میں تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ آگے آنیوالی حدیث سے معلوم ہوگا اب رہی حضرت ابن مسعود کی بات تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے بھی اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا ہو اور وہ بھی متعہ کے حرام ہونے کے قائل ہو گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں جواز متعہ کے منسوخ ہونے کا صریح حکم معلوم ہی نہ ہوا ہو اور اس وجہ سے وہ آخر تک جواز متعہ کے قائل رہے ہوں۔

اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ متعہ کا جواز صرف ابتداء اسلام میں تھا اور اس وقت متعہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ) جب کوئی مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں لوگوں سے اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام وطعام کا بندوبست کرتا تو وہاں کسی عورت سے اتنی مدت کے لیے نکاح کر لیتا جتنی مدت اس کو ٹھہرنا ہوتا چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی دیکھ بھال کرتی اور اس کا کھانا پکاتی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (الا علی ازواجھم او ما ملکت

ایمانھم)(حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان دونوں یعنی بیوی اور لونڈی کی شرمگاہ کے علاوہ ہر شرمگاہ حرام ہے۔

(ترمذی)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ اپنی شرمگاہوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے محفوظ رکھتے ہیں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے لیکن جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں پر قناعت نہیں کرتے یا جو لوگ نکاح کے ذریعہ اپنی شرعی طور پر اپنی جنسی خواہش کی تسکین کا سامان نہیں کرتے بلکہ غیر عورتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ دراصل حلال سے گزر کر حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں جن کے لیے سخت ملامت ہے۔

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے حضرت ابن عباس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ پرہیزگار بندوں کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ عورتوں سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے ذریعہ اپنے جنسی جذبات کو تسکین پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ متعہ کی صورت میں جو اس عورت پر تسلط حاصل ہوتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ مملوکہ لونڈی ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ بیوی ہوتی تو اس کے اور اس کے مرد کے درمیان میراث کا سلسلہ ضرور ہوتا اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ متعہ کی عورت کے ساتھ میراث کا کوئی سلسلہ قائم نہیں ہوتا چونکہ وہ عورت محض چند روز یعنی ایک متعین مدت کے لیے اجرت پر اپنے نفس کو اس مرد کے حوالہ کرتی ہے۔ اس لئے وہ مملوکہ بھی نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص متعہ کے طور پر کسی عورت سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کے زمرہ میں نہیں ہے جن کی توصیف مذکورہ آیت بیان کر رہی ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے متعہ کرتا ہے تو وہ عورت اس کی بیوی نہیں بنتی اور جب وہ بیوی نہیں بنتی تو پھر لامحالہ یہ واجب ہوگا کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو۔

شیعوں کے بارے میں پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے چنانچہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ وہ حضرت ابن عباس کے قول پر تو عمل کرتے ہوئے متعہ کو جائز کہتے ہیں۔ باوجودیکہ جواز متعہ کے بارے میں حضرت ابن عباس کا اپنے قول سے رجوع کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مسلک وعقیدہ کو ترک کرتے ہیں اور ان کے خلاف عمل کرتے ہیں جب کہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ جب حضرت علی نے یہ سنا کہ حضرت ابن عباس متعہ کو جائز کہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ابن عباس ایسا نہ کہو کیونکہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا تھا۔

<u>ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرمت متعہ کے بارے میں احادیث</u>

(۱) حضرت ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی تھے اور تحقیق اللہ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے پس جس کے پاس ان میں سے کوئی عورت ہو تو اسے آزاد کر دے اور ان سے جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے نہ لے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 929)

(۲) حضرت عبدالملک بن ربیع بن سبرہ الجہنی اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فتح مکہ کے سال مکہ میں داخلہ کے وقت نکاح متعہ کی اجازت دی پھر ہم مکہ سے نکلے ہی نہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 931)

(۳) حضرت ابی ربیع بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو فتح مکہ کے سال عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی راوی کہتے ہیں پس میں اور میرا ایک ساتھی بنی سلیم سے نکلے یہاں تک کہ ہم نے بنی عامر کی ایک عورت کو پایا جو کہ نوجوان اور لمبی گردن والی معلوم ہوتی تھی ہم نے اسے نکاح متعہ کا پیغام دیا اور اس کے سامنے ہم نے اپنی اپنی دو چادریں پیش کیں پس اس نے مجھے دیکھنا شروع کیا کیونکہ میں اپنے ساتھی سے زیادہ خوبصورت تھا اور میرے ساتھی کی چادر کو دیکھا جو کہ میری چادر سے زیادہ عمدہ تھی تھوڑی دیر تک اس نے سوچا پھر مجھے میرے ساتھی سے پسند کر لیا پس وہ میرے ساتھ تین دن تک رہی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں مسلمانوں کو ان کے چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 932)

(۴) حضرت ربیع بن سبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح متعہ سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 933)

(۵) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں قیام کیا تو فرمایا کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ نے اندھا کر دیا ہے جیسا کہ وہ بینائی سے نابینا ہیں کہ وہ متعہ کا فتویٰ دیتے ہیں اتنے میں ایک آدمی نے انہیں پکارا اور کہا کہ تم کم علم اور نادان ہو میری عمر کی قسم امام المتقین یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا جاتا تھا تو ان سے (ابن عباس رضی اللہ عنہ سے) ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تم اپنے آپ پر تجربہ کر لو اللہ کی قسم اگر آپ نے ایسا عمل کیا تو میں تجھے پتھروں سے سنگسار کر دوں گا ابن شہاب نے کہا مجھے خالد بن مہاجر بن سیف اللہ نے خبر دی کہ وہ ایک آدمی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے اس سے آکر متعہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو اس نے اسے اس کی اجازت دے دی تو اس سے ابن ابی عمرہ انصاری نے کہا ٹھہر جا انہوں نے کہا کیا بات ہے حالانکہ امام المتقین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کیا گیا ابن ابی عمرہ نے فرمایا کہ یہ رخصت ابتدائے اسلام میں مضطر آدمی کے لئے تھی مردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح پھر اللہ نے دین کو مضبوط کر دیا اور متعہ سے منع کر دیا ابن شہاب نے کہا مجھے ربیع بن سبرہ الجہنی نے خبر دی ہے اس کے باپ نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں متعہ کیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متعہ سے منع فرما دیا ابن شہاب نے کہا کہ میں نے ربیع بن سبرہ

کی یہ حدیث عمر بن عبد العزیز سے بیان کرتے سنا اس حال میں کہ میں وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 936)

(۶) حضرت ربیع بن سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح متعہ سے ممانعت فرمائی اور فرمایا آگاہ رہو یہ آج کے دن سے قیامت کے دن تک حرام ہے اور جس نے کوئی چیز دی ہو تو اسے واپس نہ لے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 937)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے نکاح متعہ کرنے سے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 938 متفق علیہ 11)

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو عورتوں کے متعہ میں نرمی کرتے ہوئے سنا تو فرمایا ٹھہر جاؤ اے ابن عباس رضی اللہ عنہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے غزوہ خیبر کے دن منع فرمایا اور پالتو گدھوں کے گوشت سے بھی۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 941 متفق علیہ 11)

(۹) حسن بن محمد بن علی اور اس کے بھائی عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ جنگ میں نکاح متعہ اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 105 متفق علیہ 11)

(۱۰) حضرت امام زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تھے متعہ کا (متعینہ مدت کے لیے نکاح) ذکر چل نکلا تو ایک شخص نے کہا جسکا نام ربیع بن سبرہ تھا کہ میں نے اپنے والد سے سنا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعہ کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 307)

(۱۱) حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 308)

(۱۲) حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ سے اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 118 حدیث متواتر)

(۱۳) عبد العزیز بن عمر، ربیع بن حضرت سبرہ فرماتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع میں گئے لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے دوری ہمارے لئے سخت گراں ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر ان عورتوں سے نکاح کر کے فائدہ اٹھاؤ ہم ان عورتوں کے پاس گئے تو انہوں نے باہمی مدت مقرر کیئے گئے نکاح سے انکار کر دیا۔ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر باہمی مدت مقرر کر لو تو میں اور میرا ایک چچازاد بھائی نکلے میرے پاس بھی ایک چادر تھی اور اس کے پاس بھی لیکن اس کی چادر میری چادر سے عمدہ تھی البتہ میں اس کی بہ نسبت زیادہ جوان تھا۔

اس عورت نے کہا چادر تو چادر کی طرح ہے سو میں نے اس سے شادی کرلی میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ صبح آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکن اور باب کے درمیان کھڑے ہوئے فرما رہے تھے اے لوگو! میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی غور سے سنو اللہ نے قیامت تک کے لئے متعہ حرام فرما دیا اسلئے جس کے پاس کوئی متعہ والی عورت ہو اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو تم نے انہیں دیا اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 119)

(۱۴) حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب خلیفہ بنے تو لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا! بلاشبہ رسول نے تین مرتبہ ہمیں متعہ کی اجازت دی پھر اسے حرام قرار دیدیا۔ اللہ کی قسم جس کے متعلق معلوم ہوا کہ متعہ کرتا ہے اور وہ محصن ہوا تو میں اس کو سنگسار کروں گا۔ الا یہ کہ میرے پاس چار گواہ لائے جو گواہی بھی دیں کہ اللہ کے رسول نے اسے حرام کرنے کے بعد پھر اسے حلال بتایا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 120)

(۱۵) حسن اور عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بات بیان کرتے ہوئے سنا ہے جب خیبر فتح ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 58)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کیا

مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہمکا اس بات پر اجماع ہے کہ نکاح متعہ باطل ہوتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ روایت منقول ہے کہ وہ اس کو جائز قرار دیتے تھے تو اس کا جواب مصنف نے یہ دیا ہے: ان کا رجوع' یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا رجوع' ان حضرات کے قول کی طرف' یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہمکے قول کی طرف رجوع کرنا مستند طور پر ثابت ہے' لہٰذا جب ان کا بھی رجوع ثابت ہو گیا' تو اب اجماع پختہ ہو جائے گا' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہمکے اجماع کے نتیجے میں اس کو باطل قرار دیا جائے گا۔

چچازاد کے لئے اپنی چچازادی سے نکاح کرنے کا بیان

وَيَجُوزُ لِابْنِ الْعَمِّ أَنْ يُزَوِّجَ ابْنَةَ عَمِّهِ مِنْ نَفْسِهِ وَإِذَا ضَمِنَ الْوَلِيُّ الْمَهْرَ صَحَّ ضَمَانُهُ وَلِلْمَرْأَةِ الْخِيَارُ فِي مُطَالَبَةِ زَوْجِهَا أَوْ وَلِيِّهَا وَإِذَا فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَكَذَلِكَ بَعْدَ الْخَلْوَةِ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا

ترجمہ

اور (عورت کے) چچا کے بیٹے کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنے چچا کی بیٹی کی شادی اپنے ساتھ کرلے۔ جب کسی عورت نے کسی آدمی کو اپنے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دی۔ پس اس آدمی نے دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے عقد نکاح کرلیا

تو یہ جائز ہوگا۔ اور جب کوئی ولی کسی عورت کے حق مہر کا جرمانہ اٹھا لے تو درست ہوگا۔ اور عورت کو اپنے شوہر اور ولی دونوں سے مانگنے کا حق اور اختیار حاصل ہوگا۔

جب دو میاں بیوی کے مابین کسی قاضی نے دخول سے پہلے ہی تفریق ڈال دی۔ تو اس عورت کو کوئی مہر نہیں ملے گا۔ اور خلوت کے بعد بھی یہی حکم ہوگا ہاں جب اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا تھا تب اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔ اور وہ مہر مثل مقرر کردہ مہر سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اور اس عورت پر عدت بھی ہوگی اور اس عورت کے بچے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہوگا۔

وکالت نکاح کے جواز کا فقہی بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ "عقد نکاح میں ایجاب وقبول کے لیے کسی دوسرے کو وکیل بنانا جائز ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ اور ابو رافع کو اپنے نکاح میں قبول کا وکیل بنایا تھا. اور اس لیے بھی کہ اس کی ضرورت ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے وہ کسی دور جگہ رہ کر شادی کرنا چاہتا ہو جہاں اس کا جانا ممکن نہیں تو وہ کسی کو وکیل بنا سکتا ہے. کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو ام حبیبہ حبشہ کی سرزمین پر تھیں. طلاق خلع اور رجوع اور غلام آزاد کرنے میں کسی دوسرے کو وکیل بنانا جائز ہے؛ کیونکہ اس ضرورت پڑ سکتی ہے جیسا کہ خرید وفروخت میں کسی دوسرے کو وکیل بنایا جاتا ہے اسی طرح ان امور میں بھی بنایا جاسکتا ہے۔ (المغنی (5/52)

نکاح کی وکالت میں گواہ شرط نہیں۔ بغیر گواہوں کے وکیل کیا اور اُس نے نکاح پڑھا دیا ہوگیا۔ گواہ کی یوں ضرورت ہے کہ اگر انکار کردیا کہ میں نے تجھ کو وکیل نہیں بنایا تھا تو اب وکالت ثابت کرنے کے لیے گواہوں کی حاجت ہے۔ عورت نے کسی کو وکیل بنایا کہ تو جس سے چاہے میرا نکاح کردے تو وکیل خود اپنے نکاح میں اسے نہیں لاسکتا۔ یونہی مرد نے عورت کو وکیل بنایا تو وہ عورت اپنا نکاح اس سے نہیں کرسکتی۔

مؤکل ومؤکلہ کے نکاح وکالت کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی مرد نے عورت کو وکیل کیا کہ تو اپنے ساتھ میرا نکاح کردے یا عورت نے مرد کو وکیل کیا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کرلے، اُس نے کہا میں نے فلاں مرد (موکل کا نام لے کر) یا فلانی عورت (موکلہ کا نام لے کر) سے اپنا نکاح کیا، ہوگیا قبول کی بھی حاجت نہیں۔ کسی کو وکیل کیا کہ فلانی عورت سے اتنے مہر پر میرا نکاح کردے۔ وکیل نے اس مہر پر اپنا نکاح اس عورت سے کرلیا تو اسی وکیل کا نکاح ہوا، پھر وکیل نے اسے مہینے بھر رکھ کر دخول کے بعد اُسے طلاق دے دی اور عدّت گزرنے پر موکل سے نکاح کردیا تو موکل کا نکاح جائز ہوگیا۔

وکیل سے کہا کسی عورت سے میرا نکاح کردے، اس نے باندی سے کیا صحیح نہ ہوا۔ یونہی اپنی بالغہ یا نابالغہ لڑکی یا نابالغہ بہن یا بھتیجی سے کردیا، جس کا یہ ولی ہے تو نکاح صحیح نہ ہوا اور اگر بالغہ بہن یا بھتیجی سے کیا تو صحیح ہے۔ یونہی عورت کے وکیل نے اس کا نکاح

اپنے باپ یا بیٹے سے کر دیا تو صحیح نہ ہوا۔ عورت نے اپنے کاموں میں تصرفات کا کسی کو وکیل کیا۔ اس نے اس وکالت کی بنا پر اپنا نکاح اس سے کر لیا، عورت کہتی ہے میں نے تو خرید و فروخت کے لیے وکیل بنایا تھا، نکاح کا وکیل نہیں کیا تھا تو یہ نکاح صحیح نہ ہوا کہ اگر نکاح کا وکیل ہوتا بھی تو اسے کب اختیار تھا کہ اپنے ساتھ نکاح کر لے۔

وکیل سے کہا فلاں عورت سے میرا نکاح کر دے، اس نے دوسری سے کر دیا یا حرہ سے کرنے کو کہا تھا باندی سے کیا، یا باندی سے کرنے کو کہا تھا آزاد عورت سے کیا، یا جتنا مہر بتا دیا تھا اس سے زیادہ باندھا، یا عورت نے نکاح کا وکیل کر دیا تھا اس نے غیر کفو سے نکاح کر دیا، ان سب صورتوں میں نکاح صحیح نہ ہوا۔ عورت کے وکیل نے اس کا نکاح کفو سے کیا، مگر وہ اندھا یا اپاہج یا بچہ یا معتوہ ہے تو ہو گیا۔ یونہی مرد کے وکیل نے اندھی یا لنجھی یا مجنونہ یا نابالغہ سے نکاح کر دیا صحیح ہو گیا اور اگر خوبصورت عورت سے نکاح کرنے کو کہا تھا، اس نے کالی حبشن سے کر دیا یا اس کا عکس، تو نہ ہوا اور اندھی سے نکاح کرنے کے لیے کہا تھا، وکیل نے آنکھ والی سے کر دیا تو صحیح ہے۔ (عالمگیری، کتاب النکاح)

مہر مثلی کے فقہی مفہوم کا بیان

وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِأَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ عَمِّهَا وَلَا يُعْتَبَرُ بِأُمِّهَا وَلَا خَالَتِهَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَبِيلَتِهَا وَيُعْتَبَرُ فِي مَهْرِ الْمِثْلِ أَنْ يَتَسَاوَى الْمَرْأَتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّينِ وَالنَّسَبِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ وَالْعِفَّةِ

ترجمہ

اور مہر مثل کا اعتبار اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور چچا زاد بہنوں کے ساتھ کیا جائے گا۔ مگر اس کی ماں اور خالہ کے ساتھ مہر مثل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب وہ دونوں اس کے خاندان کی نہ ہوں۔ اور مہر مثل میں دونوں عورتوں کی عمر، خوبصورتی، مال، عقل، دین، نسب، شہر، عصر اور پاک دامنی میں برابر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔

جن عورتوں کا مہر، مہر مثلی بنتا ہے

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عورت کے خاندان کی اس جیسی عورت کا جو مہر ہو، وہ اس کے لیے مہر مثل ہے، مثلاً اس کی بہن، پھوپی، چچا کی بیٹی وغیرہا کا مہر۔ اس کی ماں کا مہر اس کے لیے مہر مثل نہیں جبکہ وہ دوسرے گھرانے کی ہو اور اگر اس کی ماں اسی خاندان کی ہو، مثلاً اس کے باپ کی چچا زاد بہن ہے تو اس کا مہر اس کے لیے مہر مثل ہے اور وہ عورت جس کا مہر اس کے لیے مہر مثل ہے وہ کن امور میں اس جیسی ہو ان کی تفصیل یہ ہے۔

عمر، جمال، مال میں مشابہ ہو، دونوں ایک شہر میں ہوں، ایک زمانہ ہو، عقل و تمیز و دیانت و پارسائی و علم و ادب میں یکساں ہوں، دونوں کوآری ہوں یا دونوں ثیب، اولاد ہونے نہ ہونے میں ایک سی ہوں کہ ان چیزوں کے اختلاف سے مہر میں اختلاف

ہوتا ہے۔ شوہر کا حال بھی ملحوظ ہوتا ہے، مثلاً جوان اور بوڑھے کے مہر میں اختلاف ہوتا ہے۔ عقد کے وقت ان امور میں یکساں ہونے کا اعتبار ہے، بعد میں کسی بات کی کمی بیشی ہوئی تو اس کا اعتبار نہیں، مثلاً ایک کا جب نکاح ہوا تھا۔ اس وقت جس حیثیت کی تھی، دوسری بھی اپنے نکاح کے وقت اسی حیثیت کی ہے مگر پہلی میں بعد کو کمی ہوگئی اور دوسری میں زیادتی یا برعکس ہوا تو اس کا اعتبار نہیں۔ (درمختار، کتاب نکاح، بیروت)

اگر اس خاندان میں کوئی ایسی عورت نہ ہو، جس کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل ہو سکے تو کوئی دوسرا خاندان جو اس کے خاندان کے مثل ہے اس میں کوئی عورت اس جیسی ہو، اُس کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل ہوگا۔ (بہار شریعت، کتاب النکاح، لاہور)

نکاح کی مختلف صورتیں

وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْأَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كِتَابِيَّةً وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَمَةً عَلَى حُرَّةٍ وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْحُرَّةِ عَلَى الْأَمَةِ وَلِلْحُرِّ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَرْبَعًا مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْإِمَاءِ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَإِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ إِحْدَى الْأَرْبَعِ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ رَابِعَةً غَيْرَهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَإِنْ زَوَّجَ الْأَمَةَ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ فَإِنْ تَزَوَّجَتِ الْأَمَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ وَلَا خِيَارَ لَهَا وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِي عَقْدٍ وَاحِدٍ إِحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ الَّتِي تَحِلُّ لَهُ وَبَطَلَ نِكَاحُ الْأُخْرَى وَإِذَا كَانَ بِالْمَرْأَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِزَوْجِهَا

ترجمہ

لونڈی مسلمان ہو یا کتابیہ اس سے شادی کرنا جائز ہے۔ ہاں مگر آزاد عورت پر کسی لونڈی کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ جب کہ کسی لونڈی پر آزاد عورت سے شادی کر لینا جائز ہے اور آزاد آدمی چار آزاد عورتوں اور لونڈیوں سے نکاح کر سکتا ہے مگر اس سے زیادہ کے ساتھ اسے نکاح کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور غلام مرد دو عورتوں سے زیادہ کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا ہے۔ جب آزاد آدمی نے اپنی چار بیویوں میں سے کسی ایک کو طلاق بائنہ دے دی تو اس کے لئے اس کی عدت ختم ہونے تک آگے اور چوتھی عورت سے شادی کرنا جائز نہیں ہوگا۔

جب کسی آقا مالک نے اپنی کسی لونڈی کی شادی کر دی پھر اس نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ تو اس لونڈی کو اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے تو اس کا شوہر آزاد ہو یا چاہے تو غلام ہو۔ اور مکاتبہ لونڈی کا بھی یہی حکم ہوگا۔ جب کسی لونڈی نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر شادی کر لی اس کے بعد اس کے مالک نے اسے آزاد کر دیا۔ تو اس کا نکاح درست ہی رہے گا۔ اور اس لونڈی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا وہ آدمی جس نے ایک ہی عقد میں دو عورتوں سے شادی کر لی۔ ان میں ایک عورت ایسی ہو۔ جس سے نکاح کرنا اس کے لئے حلال نہ ہو تو جو اس کے لئے حلال ہوگی۔ اس کا نکاح صحیح ہوگا جبکہ دوسری کا نکاح باطل ہوگا۔ جب بیوی میں کوئی نقص ہو تو

خاوند کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

شرح

علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت پر مشتمل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟ ابن جریر میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ محصنات سے مراد پاک دامن ہے، ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں، امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے اور دلیل یہ آیت ہے (قاتلوا الذین لا یومنون باللہ و لا بالیوم الاخر) الخ، یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا؟ کہ وہ کہتی ہو کہ اس کا رب عیسیٰ ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی موجود ہے کہ آیت (و لا تنکحوا المشرکات حتی یومن) الخ، یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں،

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت نازل ہوئی تو صحابہ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کئے اور صحابہ کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر کرنے ثابت ہیں تو گویا پہلے سورہ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا۔ یہ اس وقت جب یہ مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارض نہیں، اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت لم یکن الذین کفروا ۔ قل اللذین اوتوا الکتاب و الامیین ۔ پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو،

حضرت جابر بن عبداللہ عامر شعبی ابراہیم نخعی حسن بصری کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اسے واپس دلوایا جائے گا (ابن جریر) پھر فرماتا ہے تم بھی پاک دامن عفت مآب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی تھی مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورہ نساء میں بھی اسی کے تماثل حکم گزر چکا ہے۔

حضرت امام احمد اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں، اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیک کار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آ جائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسی سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی

مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔اس پر حضرت ابی بن کعب نے عرض کی کہ اے امیرالمومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے اس کے باوجود بھی اس کی توبہ قبول ہے۔اس مسئلے کو ہم آیت (الزانی لا ینکح الا زانیته او مشرکته) الخ،کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

باندی کے آزاد ہونے پر فسخ نکاح میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عروۃ ام المؤمنین حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یعنی (حضرت عائشہ) سے بریرہ کے بارے میں فرمایا کہ اسے خریدلو اور پھر اس کو آزاد کردو اور بریرہ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس لئے آنحضرت نے اسے اختیار دے دیا تھا اور بریرہ نے اس اختیار کے مطابق اپنے آپ کو اپنے خاوند سے علیحدہ کرلیا تھا۔اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے یہ اختیار نہ دیتے (بخاری ومسلم)

یہ بطور لونڈی ایک یہودی کی ملکیت میں تھیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر آزاد کردیا تھا چنانچہ بریرہ کی خریداری کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ پہلے اسے اس کے مالکوں سے خریدلو اور پھر اس کو آزاد کردو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت عائشہ نے اسے خریدا اور پھر آزاد کردیا،بریرہ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ آزاد ہونے کے بعد اگر چاہو تو تم اپنے خاوند کے نکاح میں حسب سابق رہو اور اگر اس کے نکاح میں رہنا نہ چاہو تو اس سے علیحدہ ہو جاؤ،اس اختیار کے پیش نظر بریرہ نے علیحدگی کو اختیار کیا اور اپنے خاوند سے قطع تعلق کرلیا۔حدیث کا آخری جملہ (ولو کان حرا) الخ اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا الخ بظاہر حضرت عروۃ کا اپنا قول معلوم ہوتا ہے۔

اور ائمہ ثلثہ یعنی حضرت امام شافعی،حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے کہ لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد اپنے نکاح کو باقی یا فسخ کرنے کا اختیار اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ اس کا خاوند غلام ہوتا کہ وہ آزاد ہو جانے کے بعد ایک غلام کے نکاح میں رہنے کو عار محسوس نہ کرے،اگر اس کا خاوند غلام نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے بہر صورت یہ اختیار حاصل ہوتا ہے،خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو۔دونوں طرف کے علماء کی دلیلیں فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔اور اگر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ آزاد ہوں تو تمام علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس صورت میں بیوی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا اسی طرح اگر شوہر آزاد ہو جائے تو اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔خواہ اس کی بیوی آزاد ہو یا لونڈی ہو۔

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا اور آپ نے بریرہ کو اختیار دیا حدیث عائشہ حسن صحیح ہے۔ہشام بن عروہ بھی اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر غلام تھا عکرمہ ابن عباس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ

انہوں نے بریرہ کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھا اور اسے مغیث کہتے تھے۔ ابن عمر سے بھی اسی طرح منقول ہے بعض اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پرعمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر باندی کو آزاد کیا جائے اور وہ کسی آزاد شخص کے نکاح میں ہوتو اسے اختیار نہیں لیکن اگر غلام کے نکاح میں ہوتو اسے اختیار ہے۔

امام شافعی، احمد، اسحاق، کا بھی یہی قول ہے کئی راوی اعمش سے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ سے بھی نقل کرتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا اور آپ نے اسے اختیار دیا تھا ابوعوانہ یہ حدیث اعمش سے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ سے بریرہ کا قصہ نقل کرتے ہیں اسود کہتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا بعض علماء تابعین اور ان کے بعد کے علماء کا اسی پر عمل ہے۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر1162)

اذن کے بغیر نکاح کرنے والی باندی کے معدوم اختیار میں مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بریرہ اس حال میں آزاد ہوئی تھی کہ وہ مغیث کے نکاح میں تھی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار دے دیا لیکن یہ بھی فرمادیا کہ اگر تیرا شوہر تجھ سے جماع کرے گا تو تجھے یہ اختیار حاصل رہے گا کیونکہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ تو اس کی زوجیت پر راضی ہے (ابوداؤد)

ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی لونڈی نے اپنے مالک کی رضامندی سے اپنا نکاح کیا یا اس کے مالک نے اس کا نکاح اس کی رضامندی سے یا اس کی رضامندی کے بغیر کردیا اور پھر وہ لونڈی آزاد ہوگئی تو اس کو اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے خواہ اس کا خاوند ہو یا غلام ہو اور اگر لونڈی اپنے مالک کی رضامندی واجازت کے بغیر اپنا نکاح خود کرے اور پھر اس کا مالک اس کو آزاد کردے تو آزاد ہوتے ہی اس کا نکاح منعقد یعنی صحیح ہوجاتا ہے لیکن اسے مذکورہ اختیار حاصل نہیں رہتا۔ ائمہ ثلاثہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی کسی آزاد کے نکاح میں ہوتو آزاد ہونے کے بعد اس لونڈی کو اپنے نکاح کے باقی یا فسخ کردینے کا اختیار نہیں ہوتا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ بریرہ کے خاوند کے بارے میں متعارض روایتیں منقول ہیں۔ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بریرہ کو اس حال میں اختیار دیا تا کہ اس کا شوہر غلام تھا لیکن بخاری ومسلم ہی میں یہ بھی منقول ہے کہ جب بریرہ کو آزاد کیا گیا تو اس کا شوہر ایک آزاد مرد تھا۔

اسی طرح کی روایت سنن اربعہ یعنی ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے نیز ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے، لہٰذا ائمہ ثلاثہ نے تو پہلی روایت کو ترجیح دی ہے اور حضرت امام ابوحنیفہ نے دوسری روایت کو راجح قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری نے ابن ہمام کے اس قول کو مرقاۃ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، یہاں طوالت کے خوف سے اس کا خلاصہ نقل کردیا گیا ہے۔

(مرقات شرح مشکوۃ، کتاب النکاح)

اہل کتابیہ سے نکاح کی اباحت میں مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر جصاص حنفی احکام القرآن میں لکھتے ہیں۔

قال ابو بکر : اختلف أهل العلم فيه ، فروى عن الحسن ومجاهد وسعيد بن عبد العزيز وابى بكر بن عبد الله بن ابى مريم كراهة ذلك ، وهو قول الثورى . وقال ابو ميسرة فى آخرين : " يجوز نكاحها " ،وهو قول ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد وزفر . وروى عن ابى يوسف أنه كرهه إذا كان مولاها كافرا والنكاح جائز ؛ ويشبه ان يكون ذهب إلى أن ولدها يكون عبدا لمولاها وهو مسلم بإسلام الأب ، كما يكره بيع العبد المسلم من الكافر .

وقال مالك والأوزاعى والشافعى والليث بن سعد : " لا يجوز النكاح " . والدليل على جوازه جميع ما ذكرنا من عموم الآيه فى الباب الذى قبله الموجبة لجواز نكاح الأمة مع وجود الطول إلى الحرة ، ودلالتها على جواز نكاح الأمة الكتابية كهى على إباحة نكاح المسلمة . ومما يختص منها بالدلالة على هذه المسألة قوله عز وجل : (والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم) .

شوہر کے پاگل یا جذامی وغیرہ ہونے کا بیان

وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ جُذَامٌ أَوْ بَرَصٌ فَلَا خِيَارَ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ فَإِنْ كَانَ عِنِّينًا أَجَّلَهُ الْحَاكِمُ حَوْلًا كَامِلًا فَإِنْ وَصَلَ إِلَيْهَا وَإِلَّا فَرَّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا إِنْ طَلَبَتْ الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ وَكَانَتْ الْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً وَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ إِذَا كَانَ قَدْ خَلَا بِهَا وَإِنْ كَانَ مَجْبُوبًا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ وَلَمْ يُؤَجِّلْهُ وَالْخَصِيُّ يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّينُ

ترجمہ

اور جب شوہر کو پاگل پن کا مرض جذام یا برص کی بیماری ہو تو عورت کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا یہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرماتے ہیں کہ عورت کو اختیار ہوگا۔ جب خاوند نامرد ہو تو حاکم اسے ایک سال تک کی مہلت دے گا۔ اس دوران جب وہ جماع وصحبت سے قابل ہو گیا تو صحیح ہے۔ ورنہ وہ ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اور یہ تفریق حاکم عورت کے طلب کرنے پر ہی ڈالے گا۔ اور یہ جدائی طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی اور عورت کے لئے پورا حق مہر ہوگا۔ یہ اس وقت ہوگا جب خاوند نے اس سے خلوت کر لی ہو۔ اگر مرد کا ذکر ہو ہی کٹا ہوا۔ تو اس صورت میں قاضی فوراً ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اور اسے مہلت نہیں دے گا مگر خصی آدمی کو جیسے نامرد آدمی کو مہلت دی جاتی ہے مہلت دی جائے گی۔

قاضی مسلمان عورت کے خاوند پر اسلام پیش کرے گا

وَإِذَا أَسْلَمَتْ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عَرَضَ عَلَيْهِ الْقَاضِي الْإِسْلَامَ فَإِنْ أَسْلَمَ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَإِنْ أَبَى

فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ ذٰلِكَ طَلَاقًا بَائِنًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَإِنْ أَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهُ مَجُوسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْإِسْلَامَ فَإِنْ أَسْلَمَتْ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَإِنْ أَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا فَإِنْ كَانَ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهُ وَإِذَا أَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيضَ ثَلَاثَ حِيَضٍ فَإِذَا حَاضَتْ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا وَإِذَا أَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا وَإِذَا خَرَجَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ إِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُونَةُ بَيْنَهُمَا وَإِذَا سُبِيَ أَحَدُهُمَا وَقَعَتِ الْبَيْنُونَةُ وَإِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعِ الْبَيْنُونَةُ

ترجمہ

جب عورت مسلمان ہو اور خاوند کافر ہو تو قاضی اس پر بھی سلام پیش کرے گا۔ جب تو وہ اسلام لے آیا تو وہ برابر اس کی بیوی رہے گی۔ لیکن جب اس نے اسلام سے انکار کر دیا تو ان دونوں کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی۔ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جدائی طلاق بائنہ شمار ہوگی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ طلاق ہی نہیں ہوگی۔ جب شوہر مسلمان ہو۔ مگر اس کے عقد میں عورت آتش پرست ہو تو وہ اس پر اسلام پیش کرے گا یعنی اسے اسلام کی جانب دعوت دے گا۔ جب وہ اسلام لے آئی تو درست ہے وہ اس کی بیوی ہوگی۔ لیکن جب اس نے انکار کر دیا تو قاضی ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اور یہ جدائی طلاق نہ ہوگی۔ اب جب تو شوہر نے اس سے جماع کر لیا تھا تو پھر تو اسے حق مہر ملے گا۔ لیکن جب اس نے اس سے ابھی جماع نہ کیا تھا تو اسے حق مہر نہیں ملے گا۔

اور جب عورت دار الحرب (کافروں کے ملک) میں مسلمان ہو تو اس پر فرقت واقع نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ اسے تین حیض آ جائیں۔ پھر جب اسے تین حیض آ جائیں تو وہ عورت شوہر سے جدا ہو جائے گی اور جب کسی کتابیہ کا خاوند مسلمان ہو جائے تو ان دونوں کا نکاح قائم رہے گا۔ اور جب زوجین میں کوئی دار الحرب سے نکل کر کے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آ جائے تو ان میں جدائی واقع ہو جائے گی اور جب ان میں سے کوئی قید کر لیا جائے تو بھی ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی اور جب دونوں ایک ساتھ قید کر لئے گئے تو ان میں جدائی نہیں ہوگی۔

غیر مسلم شوہر کے اسلام قبول نہ کرنے پر تفریق کا حکم

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی عورت مسلمان ہوئی اور شوہر پر اسلام پیش کیا گیا، اس نے اسلام لانے سے انکار یا سکوت کیا تو تفریق کی جائے گی اور یہ تفریق طلاق قرار دی جائے، یعنی اگر بعد میں مسلمان ہوا اور اسی عورت سے نکاح کیا تو اب دو ہی طلاق کا مالک رہے گا، کہ منجملہ تین طلاقوں کے ایک پہلے ہو چکی ہے اور یہ طلاق بائن ہے اگر چہ دخول ہو چکا ہو یعنی اگر مسلمان ہو کر رجعت کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، بلکہ جدید نکاح کرنا ہوگا اور دخول ہو چکا ہو تو عورت پر عدت واجب ہے اور عدت کا نفقہ شوہر سے لے گی اور پورا مہر شوہر سے لے سکتی ہے اور قبل دخول ہو تو نصف مہر واجب ہوا اور عدت نہیں اور اگر شوہر مسلمان ہوا

اور عورت نے انکار کیا تو تفریق فسخ نکاح ہے، کہ عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوسکتی ہے پھر اگر وطی ہو چکی ہے تو پورا مہر لے گی ہے ورنہ کچھ نہیں۔ (درمختار، کتاب النکاح، بیروت)

عورت کے مذہب بدلنے میں عدم تفریق کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شوہر مسلمان ہوگیا اور عورت مجوسیہ تھی اور یہودیہ یا نصرانیہ ہوگئی تو تفریق نہیں۔ یونہی اگر یہودیہ تھی اب نصرانیہ ہوگئی یا بالعکس تو بدستور زوجہ ہے۔ یونہی اگر مسلمان کی عورت نصرانیہ تھی، یہودیہ ہوگئی یا یہودیہ تھی، نصرانیہ ہوگئی تو بدستور اس کی عورت ہے۔ یونہی اگر نصرانی کی عورت مجوسیہ ہوگئی تو وہ اس کی عورت ہے۔ (ردمختار کتاب النکاح)

یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں کہ دارالاسلام میں اسلام قبول کیا ہو اور اگر دارالحرب میں مسلمان ہوا تو عورت تین حیض گزرنے پر نکاح سے خارج ہوگئی اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے گزرنے پر۔ کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا بڑھیا ہوگئی کہ حیض بند ہوگیا اور حاملہ ہو تو وضع حمل سے نکاح جاتا رہا اور یہ تین حیض یا تین مہینے عدت کے نہیں۔

جو جگہ ایسی ہو کہ نہ دارالاسلام ہو، نہ دارالحرب وہ دارالحرب کے حکم میں ہے۔ اور اگر وہ جگہ دارالاسلام ہو مگر کافر کا تسلط ہو جیسے آج کل ہندوستان تو اس معاملہ میں یہ بھی دارالحرب کے حکم میں ہے، یعنی تین حیض یا تین مہینے گزرنے پر نکاح سے باہر ہوگی۔

ایک دارالاسلام میں آکر رہنے لگا، دوسرا دارالحرب میں رہا جب بھی عورت نکاح سے باہر ہو جائے گی، مثلاً مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر دارالاسلام میں آیا یا یہاں آکر مسلمان یا ذمی ہوا یا قید کر کے دارالحرب سے دارالاسلام میں لایا گیا تو نکاح سے باہر ہوگئی اور اگر دونوں ایک ساتھ قید کر کے لائے گئے یا دونوں ایک ساتھ مسلمان یا ذمی بن کر وہاں سے آئے یا یہاں آکر مسلمان ہوئے یا ذمہ قبول کیا تو نکاح سے باہر نہ ہوئی یا حربی امن لے کر دارالاسلام میں آیا یا مسلمان یا ذمی دارالحرب کو امان لے کر گیا تو عورت نکاح سے باہر نہ ہوگی۔ (درمختار، کتاب النکاح)

عورت کا دارالحرب سے ہجرت کر کے آنے کا بیان

وَإِذَا خَرَجَتْ الْمَرْأَةُ إلَيْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ أَنْ تَتَزَوَّجَ وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِذَا ارْتَدَّ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنْ الْإِسْلَامِ وَقَعَتْ الْبَيْنُونَةُ بَيْنَهُمَا فُرْقَةً بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَهَا النِّصْفُ وَإِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُرْتَدَّةُ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَإِنْ كَانَتْ ارْتَدَّتْ بَعْدَ الدُّخُولِ فَلَهَا جَمِيعُ الْمَهْرِ وَإِنْ ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا

ترجمہ

اور جب کوئی عورت دارالحرب سے ہجرت کر کے ہمارے پاس آجائے تو یہ اس کے لئے جائز ہے اور جب وہ فوراً شادی

کر لیتی ہے، تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر عدت بھی نہیں ہوگی لیکن جب وہ حاملہ ہو، تو پھر وہ وضعِ حمل تک شادی نہیں کر سکتی۔ اور جب زوجین میں سے کوئی ایک بھی اسلام سے پھر جائے، تو ان کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی مگر یہ جدائی بغیر طلاق کے ہوگی۔

اب جب اسلام سے پھرنے والا شوہر ہو اور اس نے عورت کے ساتھ صحبت بھی کر لی ہو۔ تو اسے پورا پورا مہر ملے گا۔ جب اس نے ابھی اس کے ساتھ جماع نہ کیا تھا تو پھر اسے نصف مہر ملے گا۔ اور دخول سے قبل ہی عورت مرتد ہونے والی ہو، تو اسے مہر نہیں ملے گا لیکن جب وہ صحبت ہو جانے کے بعد مرتد ہو گئی تو پھر اسے مکمل مہر ملے گا۔ اور جب وہ دونوں اکٹھے ہی مرتد ہوئے اور پھر اکٹھے ہی مسلمان بھی ہو گئے، تو ان کا نکاح اپنی حالت پر قائم رہے گا۔

خاوند یا بیوی کے ارتداد میں تفریق پر فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک بھی رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو عام اہل علم کے قول کے مطابق نکاح فسخ ہو جائے گا. لیکن داؤد ظاہری سے بیان کیا گیا ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ اصل میں نکاح باقی ہے۔

لیکن ہماری دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اور تم کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں مت رکھو). اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے: (تو تم انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں، اور نہ ہی وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں)

اور اس لیے بھی کہ دین کا مختلف ہونا صحیح ہونے میں مانع ہے، اس لیے فسخ نکاح واجب ہوا، بالکل اسی طرح اگر کسی کافر شخص کی بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ (المغنی (133/7)

اور اگر رخصتی اور دخول کے بعد مرتد ہو تو کیا فوری طور پر علیحدگی ہوگی یا کہ عدت کے بعد ہوگی؟ اس میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، شافعی حضرات کا مسلک اور حنابلہ کے ہاں صحیح اور ان شاء اللہ راجح بھی یہی ہے کہ اگر وہ عدت ختم ہونے سے قبل اسلام میں واپس آ جائے تو وہ اسی نکاح پر باقی ہے، اور اگر اسلام میں واپس آنے سے قبل عدت ختم ہو جائے تو علیحدگی ہو جائے گی۔

اور احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے کہ مرتد ہونے کی صورت میں فوری طور پر علیحدگی واقع ہو جائے گی، چاہے دخول اور رخصتی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

(المغنی (133/7) الانصاف (216/8) کشاف القناع (121/15) تحفۃ المحتاج (328/7) الفتاوی الھندیۃ (339/1) حاشیۃ الدسوقی (270/2)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مرتد بیوی سے مباشرت کرنا جائز نہیں، بلکہ وہ اسے چھوڑ دے اور اسے توبہ کرنے اور اسلام کی طرف واپس آنے کی دعوت دے، اگر تو وہ عدت ختم ہونے سے قبل توبہ کر کے اسلام قبول کر لے تو وہ اس کی بیوی ہے، لیکن اگر عدت ختم ہو جائے اور وہ اسلام میں واپس نہ آئے تو نکاح فسخ ہو جائے گا. اور اگر وہ مرتد ہونے کے باوجود اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے تو وہ

زنا کرے گا۔

دوم: اگر خاوند مرتد بیوی سے علیحدہ ہونے سے انکار کردے تو وہ مرتد بیوی کو اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا کیونکہ مرتد عورت کے بارے میں شرعی حکم ہے کہ اگر شرعی قضاء اور شرعی عدالت ہو تو اس کی سزا قتل ہے اور یہ سزا شرعی عدالت ہی دے گی۔ اس طرح مرتد بیوی کو دیکھنے اور اسے چھونے اور ہر قسم کے استمتاع کرنے پر وہ گنہگار ہے اور اگر اس سے جماع کرے تو وہ زانی ہوگا۔

مرتد آدمی کا مسلمان عورت سے شادی کرنے کی ممانعت کا بیان

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا كَافِرَةً وَلَا مُرْتَدَّةً وَكَذٰلِكَ الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَلَا كَافِرٌ وَلَا مُرْتَدٌّ وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ عَلَى دِينِهِ وَكَذَا إِذَا أَسْلَمَ أَحَدُهُمَا وَلَهُ وَلَدٌ صَغِيرٌ صَارَ وَلَدُهُ مُسْلِمًا بِإِسْلَامِهِ فَالْوَلَدُ عَلَى دِينِهِ وَإِذَا كَانَ أَحَدُ الْأَبَوَيْنِ كِتَابِيًّا وَالْآخَرُ مَجُوسِيًّا فَالْوَلَدُ كِتَابِيٌّ وَإِذَا تَزَوَّجَ الْكَافِرُ بِغَيْرِ شُهُودٍ أَوْ فِي عِدَّةٍ مِنْ كَافِرٍ وَذٰلِكَ جَائِزٌ عِنْدَهُمْ فِي دِينِهِمْ ثُمَّ أَسْلَمَا أُقِرَّا عَلَيْهِ وَإِنْ تَزَوَّجَ الْمَجُوسِيُّ أُمَّهُ أَوْ بِنْتَهُ ثُمَّ أَسْلَمَتْ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا

ترجمہ

اور مرتد کا مسلمان عورت سے شادی کرنا جائز نہیں اور نہ ہی کسی مرتد عورت کا مسلمان مرد سے شادی کرنا جائز ہے اور نہ ہی کسی مسلمان کا کافرہ عورت سے شادی کرنا جائز ہے اور کوئی مرتد عورت کسی مسلمان سے کافر سے اور مرتد سے شادی نہیں کر سکتی اور جب زوجین میں سے کوئی مسلمان ہو تو بچہ اس کے دین پر ہوگا۔ یونہی جب زوجین میں سے کوئی بعد میں مسلمان ہوگیا تو بچہ اس کے اسلام کے تابع ہو کر کے مسلمان ہوگا۔ اور جب ان میں سے ایک کتابی ہو اور دوسرا آگ کو پوجنے والا ہو تو بچہ کتابی ہوگا۔

جب کوئی کافر گواہوں کے علاوہ یا کسی دوسرے کافر کی عدت میں نکاح کرلے اور ان کے دین میں یہ جائز ہو۔ پھر اس کے بعد وہ دونوں مسلمان ہو جائیں تو ان دونوں کو ان کے نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

جب کسی مجوسی نے اپنی ماں یا بہن سے شادی کررکھی تھی پھر وہ مسلمان ہوگیا تو ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔

ارتداد سے فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ "جب خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک بھی رخصتی سے قبل مرتد ہو جائے تو عام اہل علم کے قول کے مطابق نکاح فسخ ہو جائے گا۔ لیکن داؤد ظاہری سے بیان کیا گیا ہے کہ ارتداد سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ اصل میں نکاح باقی ہے۔ لیکن ہماری دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اور تم کافر عورتوں کی ناموس اپنے قبضہ میں مت رکھو)۔

اور اللہ عزوجل کا فرمان ہے: (تو تم انہیں کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں، اور نہ ہی

وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں)۔

اور اس لیے بھی کہ دین کا مختلف ہونا صحیح ہونے میں مانع ہے، اس لیے فسخ نکاح واجب ہوا، بالکل اسی طرح اگر کسی کافر شخص کی بیوی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔(المغنی(133/7)

اور اگر رخصتی اور دخول کے بعد مرتد ہو تو کیا فوری طور پر علیحدگی ہوگی یا کہ عدت کے بعد ہوگی؟

اس میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، شافعی حضرات کا مسلک اور حنابلہ کے ہاں صحیح اور ان شاء اللہ راجح بھی یہی ہے کہ اگر وہ عدت ختم ہونے سے قبل اسلام میں واپس آ جائے تو وہ اسی نکاح پر باقی ہے، اور اگر اسلام میں واپس آنے سے قبل عدت ختم ہو جائے تو علیحدگی ہو جائے گی۔

اور احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے کہ مرتد ہونے کی صورت میں فوری طور پر علیحدگی واقع ہو جائے گی، چاہے دخول اور رخصتی کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

(المغنی(133/7)الانصاف(216/8) کشاف القناع(121/15) تحفۃ المحتاج(328/7)الفتاوی الھندیۃ(339/1)حاشیۃ الدسوقی(270/2)

یہاں مصنف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے: اگر شوہر' مرتد ہو جاتا ہے' تو اب اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ مرتد ہونے کی حالت میں اس شخص کو قتل کر دیا جاتا ہے' تو اس کی بیوی تو مسلمان ہے' اور وہ بیوی اس شخص کے مال کی وارث ہوگی' لیکن اس پر بیوہ کی عدت لازم نہیں ہوگی۔ اس بارے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ایسی عورت کی عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: وراثت کے حوالے سے موت کے وقت نکاح کو باقی شمار نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان عورت کسی کافر کی وراث نہیں بن سکتی ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب کسی کنیز کو رجعی طلاق دی جائے' تو اس کی عدت دو حیض ہوتی ہے' لیکن اگر اس رجعی طلاق کی عدت کے دوران اس کنیز کو آزاد کر دیا جائے' تو اس کی عدت کنیز کے طور پر نہیں ہوگی' بلکہ آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی' یعنی اس کی عدت تین حیض ہوگی۔ اس کی وجہ مصنف نے یہ بیان کی ہے: رجعی طلاق کی صورت میں نکاح ہر اعتبار سے باقی ہوتا ہے اس لئے یہ اسی طرح ہوگا' جیسے وہ کنیز منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کی گئی ہو۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کنیز کو طلاق دی گئی ہو' یا وہ بیوہ ہو جائے اور پھر عدت کے دوران اُسے آزاد کر دیا جائے۔ تو اس کی عدت آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے: طلاق بائنہ یا شوہر کے انتقال کی وجہ سے نکاح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے۔

عدت میں قبول اسلام پر خاوند کے حقدار نکاح ہونے میں مذاہب اربعہ

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں: قولہ تعالیٰ (اور نکاح میں نہ دو) یعنی مسلمان عورت کا مشرک کے ساتھ نکاح

نہ کرو، اور امت کا بھی اس پر اجماع ہے کہ مشرک شخص کبھی بھی مومن عورت کا خاوند نہیں بن سکتا اس لیے کہ اس میں اسلام پر عیب اور نقص ہے۔ تفسیر القرطبی (72/3)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے (یہ عورتیں ان کے لیے اور نہ ہی وہ مردان عورتوں کے لیے حلال ہیں) الممتحنة (10)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں: مشرکہ یا عیساء عورت جب مسلمان ہو اور وہ ذمی یا حربی کافر کی بیوی ہونے کے متعلق بیان کا باب ہے۔ عبدالوارث خالد سے اور وہ عکرمۃ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر عیساء عورت اپنے خاوند کیا سلام قبول کرنے سے کچھ دیر قبل اسلام قبول کرلے تو وہ اس پر حرام ہوگئی۔

اور امام مجاھد رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: اگر خاوند بیوی کی عدت کے اندر اندر مسلمان ہو جائے تو وہ اس سے شادی کر سکتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (نہ وہ (مسلمان عورتیں) ان (کافروں) کے لیے حلال ہیں اور نہ ہی وہ کافر مردان عورتوں کے لیے حلال ہیں)

اور حسن بھی رحمہ اللہ عنہ کا کہنا ہے: حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: مجوسی میاں بیوی دونوں مسلمان ہو جائیں تو وہ اپنے نکاح پر ہی رہیں گے اور اگر ان میں سے ایک بھی پہلے مسلمان ہو اور دوسرا انکار کر دے تو ان کی آپس میں جداء ہوگی اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ (صحیح بخاری، فتح الباری (421/9)

2- ذیل میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں: 1- دور جاھلیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ ہو، تو جب زینب رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا تو نکاح فسخ ہونے کی بنا پر اپنے والد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئیں اور جب ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کرلیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو ابوعاص رضی اللہ عنہ کی طرف واپس کر دیا۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (1143) سنن ابوداؤد حدیث نمبر (2240) سنن ابن ماجۃ حدیث نمبر (2009)۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسند احمد (1879) اسے صحیح قرار دیا اور اماترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔

اس میں صحیح مسئلہ یہی ہے کہ ایسی صورت میں خاوند کو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ اور اگر وہ اس کے نکاح میں ہی ہو تو پھر خاوند اس کا زیادہ حق دار ہے لیکن اگر عدت گزر جائے تو بیوی آزاد ہے کہ وہ خاوند کے مسلمان ہونے کے بعد اس کے پاس جائے یا کسی اور سے نکاح کرلے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے: اہل علم کے ہاں اس حدیث پر عمل یہ ہے کہ جب بیوی خاوند کے قبل اسلام قبول کرلے اور خاوند بعد میں اس کی عدت کے اندر اندر مسلمان ہو جائے تو اس کا خاوند زیادہ حق دار ہے۔

امام مالک بن انس، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے۔

(سنن ترمذی حدیث نمبر (1142)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر کافرہ عورت مسلمان ہو جائے اور اس کی عدت کے اندر اندر خاوند مسلمان نہ ہو تو علماء اس پر متفق ہیں کہ اس کے خاوند کا اپنی بیوی پر کوئی حق نہیں۔ (التمھید (23/12)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے: لیکن جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دلالت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حالت میں نکاح موقوف ہوگا، اگر تو عدت ختم ہونے سے قبل خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو وہ اس کی بیوی ہے لیکن اگر عورت کی عدت ختم ہو جائے (اور خاوند مسلمان نہ ہو) تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ وہ جس سے چاہے نکاح کر لے، اور اگر چاہے تو وہ اس کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کرے اور قبول اسلام کے بعد اس سے تجدید نکاح کے بغیر اس کی بیوی ہوگی۔ (زادالمعاد (5/137-138)

2- اور طلحہ بن عبیداللہ کی بیوی اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب اسلام قبول کرنے کی وجہ سے خاوند سے علیحدہ ہوگی، پھر انہوں نے مسلمان ہونے کے بعد خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی اور وہ بھی کافر سے مسلمان ہو چکے تھے اور اپنی کافرہ بیوی کو چھوڑا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی خالد رضی اللہ عنہ سے کر دی۔

(تفسیر قرطبی (18/65 66)

3- انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ان کا مہر ہی اسلام تھا۔
ام سلیم رضی اللہ عنہا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے قبل مسلمان ہوئی تھی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا تو ام سلیم رضی اللہ عنہا کہنے لگیں۔
اگر اسلام قبول کر لو تو میں تیرے ساتھ نکاح کر لیتی ہوں لہٰذا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان یہی مہر تھا۔

(سنن نسائی حدیث نمبر (3340)

4- اور اسی طرح ولید بن مغیرہ کی بیٹی اور جو کہ صفوان بن امیہ کی بیوی تھی خاوند سے پہلے مسلمان ہوگئی اور صفوان بن امیہ بعد میں مسلمان ہوئے تو ان کی بیوی واپس آ گئی۔ (موطا امام مالک حدیث نمبر (1132)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ عنہ کہتے ہیں: اس حدیث کا مجھے تو علم نہیں کہ کسی صحیح طریق سے یہ متصل ہو اور یہ حدیث اہل سیرت کے ہاں معروف و مشہور ہے، اور ابن شہاب اہل سیرت کے امام اور عالم ہیں اور اسی طرح امام شعبی رحمہ اللہ عنہ بھی۔ ان شاء اللہ اس حدیث کی شہرت سند سے زیادہ قوی ہے۔ (التمھید (19/12)

5- اور ام حکیم بنت حارث بن ھشام جو عکرمہ بن ابوجھل کی بیوی تھی مسلمان ہو گئے تو ان کا نکاح فسخ ہو گیا، پھر عدت کے اندر ہی عکرمہ رضی اللہ عنہ کی بھی مسلمان ہو گئے تو وہ اپنے خاوند کے پاس آ گئیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ (4/107)

قبول اسلام کے بعد محرمات ابدیہ نکاح میں ہوں تفریق کرائے جائے گی

کفار کے نکاح کے احکام بیان کرتے ہوئے یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی مجوسی شخص اپنی ماں یا بیٹی کے ساتھ شادی کر لیتا ہے اور وہ دونوں اسلام قبول کر لیتے ہیں، تو ان دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی تاہم اس کا

سب فقہاء نے مختلف بیان کیا ہے۔صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے: جس طرح کسی دوسرے شخص کی عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ شادی کرنے کی حرمت پر تمام مذاہب میں اتفاق پایا جاتا ہے اسی طرح محرم عورت کے ساتھ شادی کی حرمت میں بھی تمام مذاہب میں اتفاق پایا جاتا ہے اس لیے اسلام قبول کرنے کے بعد جس طرح کسی دوسرے شخص کی عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ شادی کرنے کو باطل قرار دیا جائے گا' اس طرح کسی محرم کے ساتھ کیے ہوئے نکاح کو بھی کالعدم قرار دے دیا جائے گا' اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: اس شخص کا اپنے مذہب کے اعتقاد کے مطابق یہ نکاح بالکل درست تھا لیکن محرم ہونا کیونکہ نکاح کی بقاء کے منافی ہے اس لیے اگر وہ اسلام قبول کر لیتا ہے' تو میاں بیوی کے درمیان فرق کر دیا جائے گا' جبکہ عدت کا حکم اس سے مختلف ہے۔اس کی وجہ یہ ہے: عدت نکاح کی بقاء کے منافی نہیں ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: ایسی صورت میں میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو بھی ان دونوں کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی' اور اگر وہ اپنا معاملہ اسلامی عدالت میں لے آتے ہیں' تو اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس بنیاد پر ان کے درمیان علیحدگی نہیں کی جاسکتی' جبکہ صاحبین کی رائے اس بارے میں مختلف ہے۔وہ یہ فرماتے ہیں: اس صورت میں بھی ان کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی۔

اختلاف کا فرق اس اعتبار سے ہے: ان دونوں میں سے کسی ایک کا استحقاق کسی دوسرے کے مقدمہ کرنے کی وجہ سے باطل ہوگا یا نہیں ہوگا؟ کیونکہ بہر حال اس کے اعتقاد میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے' اگر ایسی صورت میں میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا ہو' تو آپ علیحدگی کے بارے میں فتویٰ دے دیتے ہیں اور مسلمان کی بات مان لیتے ہیں اور اس کے مقابل فریق کے حق کو باطل قرار دے دیتے ہیں' تو مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے: کفر پر مصر رہنے والے شخص کا اعتقاد مسلمان کے اسلام کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اسلام ہمیشہ سر بلند ہوتا ہے اس سے سر بلند کوئی نہیں ہوتا۔یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: اگر وہ دونوں میاں بیوی اپنا مقدمہ عدالت میں پیش کر دیتے ہیں' تو تمام فقہاء کے درمیان اتفاق ہے: اس بنیاد پر ان کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی' کیونکہ ان دونوں کا مقدمہ پیش کرنا اسی طرح ہے جیسے ان دونوں نے مسلمانوں کو ثالث تسلیم کر لیا ہے۔

ازواج میں باری مقرر کرنے کا بیان

وَإِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ امْرَأَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا أَوْ ثَيِّبَتَيْنِ أَوْ إِحْدَاهُمَا بِكْرًا وَالْأُخْرَى ثَيِّبًا فَإِنْ كَانَتْ إِحْدَاهُمَا حُرَّةً وَالْأُخْرَى أَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ مِنَ الْقَسْمِ وَلِلْأَمَةِ الثُّلُثُ وَلَا حَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ فِي حَالِ السَّفَرِ وَيُسَافِرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَالْأَوْلَى أَنْ يُقْرِعَ

بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرَ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا وَإِذَا رَضِيَت إِحْدَى الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ وَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ فِي ذَلِكَ ،

ترجمہ

اور جب کسی کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر ان کے درمیان باری کے لحاظ سے انصاف کرنا ضروری ہے۔ اس بات کا اعتبار نہیں کہ وہ باکرہ ہوں یا ثیبہ یا ایک باکرہ ہو اور ایک ثیبہ ہو۔ جب ان میں سے ایک آزاد ہو اور ایک لونڈی ہو تو آزاد کے لئے باری کے دو ثلث ہوں گے۔ اور لونڈی کے لئے باری کا ایک ثلث ہوگا۔ اور سفر کی حالت میں بیویوں کے لئے باری کا کوئی حق نہیں۔ وہ جس کے ساتھ چاہے سفر کر سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ وہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کر لے پس جس کے نام قرعہ نکلے اسے وہ اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اور جب ایک بیوی اپنی باری اپنی سوتن کو دینے پر راضی ہو جائے تو یہ بھی جائز ہے اور اسے اس سے رجوع کرنے کا حق بھی حاصل رہے گا۔

کثیر ازواج کے درمیان باری تقسیم کرنے میں فقہی تصریحات

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ شب باشی کے لئے نوبت باری مقرر کرنا واجب ہے یعنی ان بیویوں کے پاس باری باری سے جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

1- جب باری مقرر ہو جائے تو ایک بیوی کی باری میں دوسری بیوی کے ہاں شب باشی جائز نہیں ہے مثلاً جس رات میں پہلی بیوی کے ہاں جانا ہو اس رات میں دوسری بیوی کے ہاں نہ جائے۔

2- ایک رات میں بیک وقت دو بیویوں کے ساتھ شب باشی جائز نہیں ہے اگر وہ دونوں بیویاں اس کی اجازت دے دیں اور وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہوں تو جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں ایک سے زائد بیویوں سے جماع کیا ہے تو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کے باری مقرر کرنا واجب نہیں تھا یا یہ کہ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بیویوں کی اجازت حاصل تھی اس کے علاوہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ باری مقرر کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اپنی ہر زوجہ مطہرہ کے ہاں رہنے کی باری مقرر کر دی تھی۔

3- سفر کی حالت میں بیویوں کو باری کا حق حاصل نہیں ہوتا اور نہ کسی بیوی کی باری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بلکہ اس کا انحصار خاوند کی مرضی پر ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے اپنے ساتھ سفر میں لے جائے اگر چہ بہتر اولی یہی ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈال لے اور جس کا نام قرعہ میں نکلے اس کو سفر میں ساتھ رکھے۔

4- مقیم کے حق میں اصلی باری کا تعلق رات سے ہے دن رات کا تابع ہے ہاں جو شخص رات میں اپنے کام کاج میں مشغول رہتا ہو مثلاً چوکیداری وغیرہ کرتا ہو اور اس کی وجہ سے وہ رات اپنے گھر میں بسر نہ کر سکتا ہو تو اس کے حق میں اصل باری کا تعلق دن

سے ہوگا۔

درمختار میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر ان بیویوں کے پاس رات میں رہنے اور ان کے کھلانے پلانے میں برابری کرنا واجب ہے ان کے ساتھ جماع کرنے یا جماع نہ کرنے اور پیار ومحبت میں برابری کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

کسی عورت کا جماع سے متعلق اس کے شوہر پر حق ہوتا ہے اور وہ ایک بار جماع کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے جماع کرنے کے بارے میں شوہر خود مختار ہے کہ جب چاہے کرے لیکن کبھی کبھی جماع کر لینا اس پر دیانۃً واجب ہے اور مدت ایلاء کے بقدر یعنی چار چار مہینہ تک جماع نہ کرنا خاوند کے لئے مناسب نہیں ہے ہاں اگر بیوی کی مرضی سے اتنے دنوں جماع نہ کرے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہر بیوی کے ہاں ایک ایک رات اور ایک ایک دن رہنا چاہئے لیکن برابری کرنا رات ہی میں ضروری ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک بیوی کے ہاں مغرب کے فوراً بعد چلا گیا اور دوسری بیوی کے ہاں عشاء کے بعد گیا تو اس کا یہ فعل برابری کے منافی ہوگا اور اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس نے باری کے حکم کو ترک کیا کسی بیوی سے اس کی باری کے علاوہ یعنی کسی دوسری بیوی کی باری میں) جماع نہ کرے اسی طرح کسی بیوی کے پاس اس کی باری کے علاوہ کسی رات میں نہ جائے ہاں اگر وہ بیوی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے لئے جا سکتا ہے بلکہ اگر اس کا مرض شدید ہو تو اس کی باری کے علاوہ بھی اس کے پاس اس وقت تک رہنا جائز جب تک کہ وہ شفایاب نہ ہو یا اس کا انتقال ہو جائے لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب کہ اس کے پاس کوئی اور تیمارداری اور غم خواری کے لئے نہ ہو اور اگر خاوند اپنے گھر میں بیماری کی حالت میں ہو تو وہ اپنی ہر بیوی کو اس کی باری میں بلاتا رہے۔

ازواج کے درمیان تقرر باری میں فقہ حنفی کے مطابق عدل کا بیان

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے) اور پھر اس احتیاط وعدل کے باوجود یہ دعا مانگا کرتے کہ اے اللہ جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں باری مقرر کر دی ہے لہٰذا جس کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے! (ترمذی ،ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 436)

دعا کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی باری مقرر کرنے اور ان کے نان نفقہ کا میں مالک ہوں لہٰذا ان چیزوں میں عدل و برابری کرنا میری ذمہ داری ہے جسے میں پورا کرتا ہوں اور کسی بھی بیوی کے ساتھ ناانصافی یا اس کی حق تلفی نہیں کرتا ہاں پیار ومحبت کا معاملہ دل سے متعلق ہے جس پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں اس میں برابری نہیں کر سکتا اس لئے اگر مجھے کسی بیوی سے زیادہ محبت اور کسی سے کم محبت ہو تو چونکہ میرے قصد وارادہ کو دخل نہیں ہوگا لہٰذا اس پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ ان بیویوں کے پاس جائے ان کے ہاں شب گزارے اور ان کے نان ونفقہ میں پورا پورا عدل کرے اور ان چیزوں میں ان کے درمیان اس طرح برابری کرے

کہ کسی بھی بیوی کو فرق و امتیاز کی شکایت نہ ہو ہاں پیار و محبت مباشرت و جماع اور جنسی لطف حاصل کرنے کے بارے میں عدل و برابری لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ چیزیں دل وطبیعت سے متعلق ہیں جس پر کسی انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔

مقررہ باری میں دوسری بیوی کے پاس جانے کی اباحت کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "بیوی کی باری کے وقت میں اس کی سوکن کے پاس جانے کا مسئلہ: اگر تو رات کے وقت ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں لیکن ضرورت کی حالت میں جائز ہوگا مثلاً بیوی موت وحیات کی کشمکش میں ہو اور خاوند اس کے پاس جانا چاہتا ہو، یا پھر بیوی نے اس کی وصیت کی ہو، یا اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اگر وہ ایسا کرے اور وہاں دیر دیر ٹھہرے بغیر واپس آ جائے تو قضا نہیں، لیکن اگر وہ وہیں رہے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے تو دوسری بیوی کی باری میں اتنی دیر ہی رات کو اس بیوی کے پاس رہے گا۔

اور اگر وہ بغیر کسی ضرورت کے جاتا ہے تو گنہگار ہوگا اور قضا میں حکم یہ ہے جیسا کہ اگر ضرورت کی بنا پر جاتا ہے تو تھوڑے سے وقت کی قضا کا کوئی فائدہ نہیں. لیکن اگر کسی دوسری بیوی کی باری میں دن کے وقت اور بیوی کے پاس جائے تو ضرورت کی بنا پر جائز ہے، مثلاً اخراجات دینے یا بیمار پرسی کرنے یا کسی کام کے متعلق دریافت کرنے، یا پھر زیادہ دیر ہوگئی ہو تو ملنے جا سکتا ہے۔

اس کی دلیل عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے وہ بیان کرتی ہیں: "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری باری کے علاوہ دن میرے پاس آیا کرتے تھے اور جماع کے علاوہ سب کچھ حاصل کرتے اور جب وہ باری کے علاوہ دوسری باری کے پاس جائے تو اس سے جماع مت کرے، اور نہ ہی اس کے پاس زیادہ دیر رہے کیونکہ اس سے رہنا حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی مستحق نہیں کیونکہ باری کسی اور کی ہے، اور اگر وہ زیادہ دیر رہے تو قضاء کریگا۔ (المغنی، ج ۷، ص ۲۳۴، بیروت)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ ڈال لیتے۔ سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 127

ازواج کو سفر پر لے جانے میں تقسیم کا بیان

شیخ عبدالرحمن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ یعنی: جو دو بیویاں رکھنا پسند کرتا ہے وہ رکھے، اور جو تین پسند کرنا یا چار پسند کرتا ہے وہ رکھے لیکن چار سے زائد نہیں؛ کیونکہ آیت بطور اطمنان لائی گئی ہے یعنی اللہ کے احسان کے سیاق میں لائی گئی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو عدد بیان کیا ہے اس سے زائد رکھنا جائز نہیں اس پر اجماع ہے؛ اس لیے کہ ہو سکتا ہے مرد کی شہوت ایک بیوی سے پوری نہ ہو سکتی ہو، چنانچہ اس کے لیے ایک کے بعد دوسری حتیٰ کہ چار تک مباح کی گئی ہیں۔

کیونکہ چار میں ہر ایک کے لیے کفائت ہے لیکن نادرا کوئی ایسا ہوگا جسے چار کافی نہ ہوں، لیکن یہ چار بھی اس کے اس وقت مباح کی گئی ہیں جب اسے یہ خدشہ نہ ہو کہ وہ کسی پر ظلم کریگا بلکہ یقینی عدل وانصاف پایا جائے، اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا وثوق ہو۔

اور اگر اسے ان میں سے کسی چیز کا خدشہ ہو تو اسے ایک پر ہی گزارا کرنا چاہیے، یا پھر لونڈی پر، کیونکہ لونڈی میں تقسیم واجب نہیں ہے. ذلک: یعنی ایک بیوی پر ہی اکتفا کرنا یا پھر لونڈی پر. ادنی الا تعولوا: اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو. اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر بندے کو کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جہاں اس سے ظلم وجور کے ارتکاب کا خدشہ ہو اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ وہ اس معاملے کے حقوق پورے نہیں کر سکے گا خواہ یہ معاملہ مباحات کے زمرے میں کیوں نہ آتا ہو تو اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس معاملے میں کوئی تعرض کرے، بلکہ اس سے بچاؤ اور عافیت کا التزام کرے، کیونکہ عافیت بہترین چیز ہے جو بندے کی عطا کی گئی ہے۔ (تفسیر السعدی، ۱۶۳)

جو عورت بھی اپنے حساب پر خاوند کو کسی دوسری بیوی کی طرف مائل دیکھے، یا اس کے حق پر ظلم کرتا ہوا دیکھے۔ تو اسے خاوند کو اچھے اور بہتر طریقہ سے نصیحت کرنی چاہیے اور اسے اللہ کی جانب سے واجب کردہ حقوق کی عدل وانصاف کے ساتھ ادائیگی یاد دلائے، اور بتائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ظلم کرنا حرام کیا ہے، اور اسی طرح اسے اپنی بہن سوکن کو بھی نصیحت کرنی چاہیے کہ وہ بھی ظلم کو قبول مت کرے، اور جو اس کا حق نہیں وہ مت لے، امید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے عدل کرنے کی راہ دکھائے اور وہ ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرنا شروع کر دے۔

دوم: بیویوں کے مابین عدل میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر خاوند سفر پر جانا چاہتا ہے تو وہ اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بیویوں کے مابین قرعہ اندازی کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی رہا ہے. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: "جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر جانا چاہتے تو اپنی بیویوں کے مابین قرعہ اندازی کرتے جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے" صحیح بخاری حدیث نمبر (2454) صحیح مسلم حدیث نمبر (1770)

امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں کہتے ہیں: "اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ جو کوئی بھی اپنی کسی ایک بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانا چاہے تو وہ ان کے مابین قرعہ اندازی کرے، ہمارے ہاں یہ قرعہ اندازی واجب ہے۔ (شرح مسلم، ج۵ ص۲۰۱)

اور ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: "خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرعہ اندازی کیے بغیر کسی ایک بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر لے جانے کے لیے خاص کر لے۔ (المحلی (9/212)

اور جب وہ سفر سے واپس لوٹے تو قرعہ اندازی سے ساتھ جانے والی عورت کا سفر والا وقت شمار نہیں ہوگا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اور جب خاوند سفر سے واپس پلٹے اور بیویوں میں تقسیم دوبارہ شروع کرے تو اپنے ساتھ سفر پر جانے والی بیوی کے ساتھ سفر میں رہنے والے ایام شمار نہیں کریگا، اور اس بیوی کا سفر کی مشقت اور تکلیف برداشت کرنا اور اس کے ساتھ رہنا اس کے حصے کے برابر ہوگا۔ تمہید (19/266)

اپنی باری ہبہ کرنے پر سلف وخلف کا اجماع

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت سودہ بن زمعہ عمر رسیدہ ہوگئیں تو انہوں نے اپنی باری مجھے دیدی تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم حضرت سودہ کا دن بھی مجھے دیتے۔ سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 129
حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بات کی وجہ سے حضرت صفیہ بن حیی سے ناراض ہوئے تو صفیہ نے عائشہ سے کہا اے عائشہ کیا تم چاہتی ہو کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے راضی کرادو اور میری باری تمہیں مل جائے؟ عائشہ نے کہا ٹھیک ہے۔ اس کے بعد عائشہ نے اپنا زعفران میں رنگا ہوا دوپٹہ لیا اور اس پر پانی چھڑکا تا کہ اس کی مہک پھیلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں جا بیٹھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ! دور ہو جا آج تمہاری باری نہیں ہے۔ عائشہ نے کہا ذالك فضل الله يوتيه من يشاء یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہیں عطا فرمائیں۔ اور ساری بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ سے راضی ہو گئے۔
(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 130)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر روانہ ہونے لگتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے ان میں سے جس کسی کا نام نکل آتا آپ اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ (سنن دارمی: جلد دوم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آیت (وَالصُّلْحُ خَيْرٌ) 4۔النساء:128) اور صلح بھلی ہے۔ نازل ہوئی اس مرد کے بارے میں جس کی بیوی عرصہ دراز سے اس کے نکاح میں تھی اور اس خاوند سے اس کی کافی اولاد بھی ہوئی تھی پھر اس مرد نے اس بیوی کو بدلنا چاہا (کہ اس کو طلاق دے کر کسی اور عورت سے شادی کر لے) تو اس عورت نے خاوند کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ اس خاوند کے ہاں رہے اور خاوند اس کی باری نہ دے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 131)

حضرت سودہ بنت زمعہ جب بہت بڑی عمر کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباس فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔ آپ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کو باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت سودہ کا دن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہ کو بڑی عمر میں جب یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہ سے پوری محبت ہے اگر میں اپنی باری انہیں دیدوں تو کیا عجب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ حضور رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گزارتے۔ پھر حضرت سودہ کا واقعہ بیان فرماتے جو اوپر گذرا (ابوداؤد)

معجم ابوالعباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت سودہ کو طلاق کی خبر بھجوائی یہ حضرت عائشہ کے ہاں جا بیٹھیں

جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں آپ کو اس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے میری عمر بڑی ہوگئی ہے مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں چنانچہ آپ نے یہ منظور فرمالیا اور رجوع کر لیا پھر یہ کہنے لگیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوب حضرت عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کرسکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر تو آیت دونوں کی رخصت دیتی ہے یہی صورت اس وقت بھی ہے کہ جب کسی کو دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کی بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر سے ایک سوال (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) آپ نے ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا ماردیا پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہوگئی ہے اولاد نہیں ہوتی اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کرلیں جائز ہے۔

حضرت علی سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بدصورتی کے یا بدخلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے نہ چھوڑے تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کردے یا اپنی باری معاف کردے وغیرہ تو اس طرح صلح کرسکتے ہیں۔

سلف اور ائمہ سے برابری اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں واللہ اعلم۔ محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے گھر میں تھیں بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کرلیا اس پر انہوں نے کہا آپ مجھے طلاق تو نہ دیجئے اور جو آپ چاہیں فیصلہ کریں مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کر لے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔

•••-----•••-------•••

کتاب الرضاع

﴿یہ کتاب رضاعت کے بیان میں ہے﴾

کتاب رضاعت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے رضاعت کے عام مسائل کو محرمات کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے مسائل کی کثرت سے ان کو الگ ذکر کرنا ضروری تھا لہذا رضاعت کے مسائل کے لئے ایک الگ کتاب کے نام سے عنوان ذکر کیا ہے۔ اور اس لئے بھی اس کے لئے الگ مسائل کرنا ضروری تھے کہ دوسرے مسائل سے اختلاط نہ ہو جائے۔

حرمت رضاعت کا سبب وہ ہڈیوں کا پرورش پانا اور گوشت کا بننا ہے۔ اور یہ سبب اسی طرح ہے جس طرح حرمت مصاہرت میں اعلاق سبب ہے۔ جس طرح اعلاق پوشیدہ امر ہے جبکہ اس کا سبب ظاہر ہے لہذا سبب ظاہری کو اعلاق کے قائم مقام کیا گیا ہے اور وہ ظاہری سبب وطی ہے۔

اسی طرح ہڈیوں کا پرورش پانا اور گوشت کا اگنا یہ سبب باطنی ہے جبکہ اس کا ظاہری امر رضاعت ہے لہذا سبب ظاہری یعنی رضاعت کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۱۲۸، بیروت)

مصنف نے کتاب النکاح کے بعد رضاعت کی کتاب کو بیان کیا ہے۔ نکاح عمومی احکام میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ رضاعت حرمت نکاح کے احکام میں سے ایک حکم ہے۔ لہذا حرمت رضاعت احکام نکاح میں سے ایک حکم ہوا۔ جو کسی حد میں محدود ہے۔ اسی سبب کے پیش نظر اس کتاب کو کتاب نکاح سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

کتاب نکاح سے اس کی موافقت واضح ہے۔ کہ جس طرح نکاح میں زوجین سے متعلق مسائل واحکام ہیں اسی طرح کتاب الرضاع میں زوجین سے متعلق احکام ومسائل موجود ہیں۔

رضاعت کا فقہی مفہوم

لفظ رضاعت اور اس کے دیگر مشتقات قرآن حکیم میں دس مقامات پر آئے ہیں۔ المعجم الوسیط میں رضاعت کا معنی کچھ یوں بیان ہوا ہے۔ أرضعت الأم : كأن لها ولد تُرضِعه.

ماں کا بچہ کو دودھ پلانا رضاعت کہلاتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں بچہ کا پیدائش کے بعد پہلے دو سال میں ماں کے سینہ سے دودھ

چوسنا رضاعت کہلاتا ہے۔ پیدائش کے بعد بچہ کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور افزائش کے لیے ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی غذا استعمال کرے اس لیے وضعِ حمل کے بعد عورت کے پستانوں میں قدرتی طور پر دودھ جاری ہو جاتا ہے اور بچہ کے لیے اس کے دل میں پیدا ہونے والی محبت وشفقت اُسے بچہ کو دودھ پلانے پر اُکساتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت پر واجب کیا ہے کہ وہ بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ مدت ہر طرح سے بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے۔

جدید میڈیکل ریسرچ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بچہ کے جسمانی ونفسیاتی تقاضوں کے پیشِ نظر دو سال کی مدتِ رضاعت ضروری ہے۔ یہ اسلام کی آفاقی اور ابدی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اہلِ اسلام کو زندگی کے وہ رہنما اصول ابتداء ہی میں عطا کر دیے گئے جن کی تائید وتصدیق صدیوں بعد کی سائنسی تحقیقات کر رہی ہیں۔

دودھ پلانے سے حرمت رضاعت کے ثبوت کا بیان

قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ إِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَمُدَّةُ الرَّضَاعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ثَلَاثُونَ شَهْرًا.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ سَنَتَانِ فَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيمٌ وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ إِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ وَيَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ وَلَا يَجُوزُ مِنَ النَّسَبِ وَامْرَأَةُ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا كَمَا لَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنَ النَّسَبِ

ترجمہ

دودھ چاہے تھوڑا پیا ہو یا زیادہ جب یہ چیز مدت رضاعت میں حاصل ہوئی ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدت رضاعت تیس ماہ ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو سال ہے اور مدت رضاعت گزر جانے کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اور رضاعی بہن کی ماں کے علاوہ جو کچھ نسب سے حرام ہو جاتا ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتا ہے جب کہ رضاعی بہن کی ماں سے نکاح کر لینا جائز ہے۔ مگر نسبی بہن کی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے اور رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح کر لینا جائز ہے مگر نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز نہیں اور اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اپنے نسبی بیٹے کی بیوی کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔

حرمت رضاعت میں دودھ کی مقدار میں مذاہب اربعہ

حرمت رضاعت کس قدر دُودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک جتنی مقدار سے روزہ دار کا روزہ ٹوٹ سکتا ہے اتنی ہی مقدار میں اگر بچہ کسی کا دُودھ پی لے تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک تین مرتبہ پینے سے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پانچ دفعہ پینے سے یہ حُرمت ثابت ہوتی ہے۔ نیز اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ کس عمر میں پینے سے یہ رشتے حرام ہوتے ہیں۔

ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثبات ہوتی ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہوگئی امام مالک یہی فرماتے ہیں، ابن عمر سعید بن میسّب عروہ بن زبیر اور زہری کا قول بھی یہی ہے، دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پیے تو حرمت ثابت ہوگئی، جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے،

امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوعبیدہ، ابوثور بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ام الفضل، حضرت ابن زبیر، سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولی تھے پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں،

حضرت عائشہ اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں اسے یہی حکم دیتیں، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے۔

مدت رضاعت میں فقہی مذاہب اربعہ

اعتبار صرف اس زمانہ میں دُودھ پینے کا ہے جبکہ بچہ کا دُودھ چھڑایا نہ جا چکا ہو اور شیر خوارگی ہی پر اس کے تغذیہ کا انحصار ہو۔ ورنہ دُودھ چھٹائی کے بعد اگر کسی بچے نے کسی عورت کا دُودھ پی لیا ہو تو اس کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے اس نے پانی پی لیا۔ یہ رائے اُم سلَمہ اور ابن عباس کی ہے۔ حضرت علی سے بھی ایک روایت اس معنی میں آئی ہے۔ زُہری، حَسن بصری، قتادہ، عکرِمہ اور اوزاعی اسی کے قائل ہیں۔

دو سال کی عمر کے اندر اندر جو دُودھ پیا گیا ہو صرف اسی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور فقہاء میں سے امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد، اور سُفیان ثَوری نے اسے قبول کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ سے بھی ایک قول اسی کی تائید میں منقول ہے۔ امام مالک بھی اسی حد کے قائل ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ دو سال سے اگر مہینہ دو مہینہ زائد عمر بھی ہو تو اس میں دُودھ پینے کا وہی حکم ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام زُفَر کا مشہور قول یہ ہے کہ زمانۂ رضاعت ڈھائی سال ہے اور اس کے اندر پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

خواہ کسی عمر میں دودھ پیے، حرمت ثابت ہو جائے گی۔ یعنی اس معاملہ میں اصل اعتبار دودھ کا ہے نہ کہ عمر کا۔ پینے والا اگر بوڑھا بھی ہو تو اس کا وہی حکم ہے جو شیر خوار بچے کا ہے۔ یہی رائے ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی صحیح تر روایت اسی کی تائید میں منقول ہے۔ اور فقہاء میں سے عُروہ بن زبیر، عطاء، لیث بن سعد اور ابن حزم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

دودھ رضاعت کے تعین میں فقہی مذاہب اربعہ

آئمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہوگئی۔

امام مالک یہی فرماتے ہیں، ابن عمر سعید بن مسیب عروہ بن زبیر اور زہری کا قول بھی یہی ہے، دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پیے تو حرمت ثابت ہوگی، جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے،

امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوعبیدہ، ابوثور بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ام الفضل، حضرت ابن زبیر، سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت سالم کو جو حضرت ابو حذیفہ کے مولی تھے پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں، حضرت عائشہ اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں اسے یہی حکم دیتیں۔

امام شافعی اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دو سال کے اندر اندر کی عمر میں ہو۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 297)

عبداللہ بن مسلمہ، مالک، عبداللہ بن ابی بکر، بن محمد بن عمرو بن حزم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پہلے قرآن پاک میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی مگر بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور پانچ مرتبہ دودھ پینا حرمت کے لیے ضروری ٹھہرا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ آیت قرآن میں پڑھی جاتی تھی

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضائی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور آئمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضائی باپ تک نہیں پہنچے گا صحیح قول جمہور کا ہے۔

لبن فحل سے تعلق حرمت کا بیان

وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيمُ ، وَهُوَ اِنْ اِرْتَضَعَ الْمَرْأَةَ صَبِيَّةٌ فَتَحْرُمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا وَعَلٰى آبَائِهِ وَاَبْنَائِهِ وَيَصِيرُ الزَّوْجُ الَّذِي نَزَلَ مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِلْمُرْضَعَةِ وَيَجُوزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُخْتَ اَخِيهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا يَجُوزُ مِنَ النَّسَبِ وَذٰلِكَ مِثْلَ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَ لَهُ اُخْتٌ مِنْ اُمِّهِ جَازَ لِاَخِيهِ مِنْ اَبِيهِ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلٰى ثَدْيٍ وَاحِدٍ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ لَمْ يَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْآخَرِ وَلَا يَجُوزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْضَعَةَ اَحَدٌ مِنْ وَلَدِ الَّتِي اَرْضَعَتْهَا وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ بِاُخْتِ الزَّوْجِ ؛ لِاَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ

ترجمہ

اور مرد کے وطی کرنے پر ولادت کے وقت کسی عورت کو جو دودھ اُترے۔ اُس سے بھی حرمت متعلق ہو جاتی ہے۔ وہ یوں کہ ایک عورت بچی کو دودھ پلائے تو اب وہ بچی اس کے خاوند پر حرام ہوگی۔ ایسے ہی اس عورت کے آباء اور اس کے بیٹوں پر بھی حرام ہوگی اور جس شوہر کو اس بچے کی خاطر دودھ اترا وہ اس شیر خوار بچے کے باپ کی طرح ہو جائے گا۔ اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔ جیسے اپنے نسبی بھائی کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ ایک باپ شریک بھائی ہے اور اس بھائی کی ایک ماں شریک بہن ہے تو باپ شریک بھائی کے لئے اس کی بہن سے شادی کر لینا جائز ہے اور وہ دو بچے جنہوں نے ایک ہی چھاتی سے دودھ پیا ہو ان کے لئے ایک دوسرے سے شادی کرنا جائز نہیں اور شیر خوار بچی جسے ایک عورت نے دودھ پلایا ہو۔ اس بچی کا اس عورت کے لڑکوں سے نکاح جائز نہیں اور شیر خوار بچے کی دودھ پلانے والی کے خاوند کی بہن سے بھی شادی نہیں ہو سکتی۔

حرمت کے لبن الفحل سے متعلق ہونے میں فقہ شافعی و حنفی کا اختلاف

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے لبن الفحل سے حرمت متعلق ہوتی ہے۔ مصنف نے اس کی وضاحت یہ کی ہے: جس عورت نے بچے کو دودھ پلایا اس دودھ کے اترنے کا سبب جو شخص ہے وہ لبن الفحل ہے۔

آگے مصنف نے یہ مثال بیان کی ہے: اگر کسی عورت نے بچی کو دودھ پلایا تو وہ بچی اس عورت کے شوہر کے لئے اور اس شوہر کے آباؤ اجداد کے لئے اس شوہر کے بیٹوں کو حرام ہو جائے گی اور وہ شوہر جو اس عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے وہ اس دودھ پینے والی بچی کا باپ شمار ہوگا۔ امام شافعی سے یہ روایت منقول ہے: ان کے نزدیک حرمت کا تعلق لبن الفحل سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے اس کی حرمت جزء ہونے کا شبہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور دودھ عورت کا جزء ہے۔ مرد کا جزء نہیں۔ احناف نے اپنے مؤقف کی تائید میں وہ روایت نقل کی ہے جو پہلے گزر چکی ہے اور دوسری دلیل یہ نقل کی ہے جس میں بھی حرمت دونوں طرف یعنی

میاں بیوی دونوں کی طرف سے ثابت ہوتی ہے' تو رضاعت میں بھی میاں بیوی میں' دونوں طرف سے ثابت ہونی چاہئے۔ احناف نے اپنے موقف کی تائید میں اس حدیث کو پیش کیا ہے جس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ فرمایا: تمہارے ہاں گھر آ سکتا ہے' کیونکہ وہ تمہارا رضاعی چچا ہے' یعنی اس سے پردے کی ضرورت نہیں ہے' جس طرح سگے چچا سے پردے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے یہ دلیل بیان کی ہے: مرد عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے' اس لئے احتیاط کے پیش نظر حرمت کی نسبت اس کی طرف بھی کی جائے گی۔

غالب پانی کے اختلاط سے متعلق حرمت کا بیان

وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ غَلَبَ الْمَاءُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِذَا حَلَبَ اللَّبَنَ مِنَ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأُوْجِرَ بِهِ الصَّبِيُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِلَبَنِ شَاةٍ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَأَتَيْنِ تَعَلَّقَ التَّحْرِيمُ بِأَكْثَرِهِمَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَتَعَلَّقُ بِهِمَا

ترجمہ

اور جب دودھ پانی میں مل گیا' اور دودھ زیادہ تھا تو اس سے حرمت متعلق ہو جاتی ہے۔ مگر دودھ کے کھانے میں مل جانے کی وجہ سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ جبکہ دودھ غالب ہی کیوں نہ ہو۔ یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے حرمت متعلق ہو جائے گی اور جب دودھ دوا میں ملا' اور غالب رہا تو اس سبب سے حرمت متعلق ہو جائے گی جب کسی عورت کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا دودھ نکال کر کے بچے کے حلق میں ڈال دیا گیا۔ تو اس سے بھی حرمت متعلق ہو جائے گی۔ جب کسی عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ ملا۔ مگر غالب عورت کا دودھ رہا تو اس سے حرمت متعلق ہوگی۔ جب بکری کا دودھ غالب رہا تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ جب دو عورتوں کا دودھ مل گیا تو جس عورت کا دودھ زیادہ ہوا امام ابو یوسف کے نزدیک حرمت اس سے متعلق ہو جائے گی۔ جب کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حرمت دونوں سے متعلق ہوگی۔

اختلاط رضاعت کے فقہی مسائل کا بیان

اگر عورت کا دودھ (کسی جانور مثلاً) بکری کے دودھ میں مخلوط ہو گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اس کے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت نے اپنے دودھ میں روٹی بھگوئی اور روٹی نے دودھ کو جذب کر لیا یا اپنے دودھ میں ستو گھولا اور پھر وہ روٹی یا ستو کسی بچہ کو کھلا دیا تو اگر اس میں دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن ذائقہ کی موجودگی کی شرط

اسی صورت میں ہے جب کہ اس کو لقمہ لقمہ کر کے کھلایا جائے اور اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلایا گیا تو پھر اگر ذائقہ موجود نہ ہو تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی،

اگر عورت کا دودھ پانی یا دوا یا جانور کے دودھ میں مخلوط ہو گیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر وہ دودھ غالب ہوگا تو اس کو پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر پانی وغیرہ غالب ہوگا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی) اس طرح اگر عورت کا دودھ کسی بھی پتیل سیال چیز یا کسی بھی جمی ہوئی چیز میں مخلوط ہو جائے تو غالب کا اعتبار ہوگا اور غالب سے مراد یہ ہے کہ اس کا رنگ بو اور ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے کوئی ایک چیز محسوس و معلوم ہو۔ اور اگر دونوں چیزیں یعنی دودھ اور وہ چیز جس میں دودھ مخلوط ہو گیا ہے برابر ہوں تو حرمت کا ثابت ہونا ضروری ہو جائے گا کیونکہ دودھ مغلوب نہیں ہے۔

اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا چھاچھ یا دہی یا پنیر اور یا ماوا وغیرہ بنالیا اور اسے کسی بچہ کو کھلا دیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ اس پر رضاعت یعنی دودھ پینے کا اطلاق نہیں ہوتا۔

بستی و گاؤں کی کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں یہ کسی کو بھی یاد و معلوم نہیں رہا کہ وہ دودھ پلانیوالی عورت کون تھی اور پھر اس بستی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح جائز ہو جائے گا۔

عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بلا ضرورت کسی بچی کو اپنا دودھ نہ پلائیں اور اگر کسی بچہ کو اپنا دودھ پلائیں تو یاد رکھیں یا لکھ لیا کریں عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بلا ضرورت دوسروں کے بچوں کے منہ میں اپنی چھاتی دے دیتی ہیں اور انہیں دودھ پلا دیتی ہیں اور پھر بعد میں انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ کس بچہ کو میں نے اپنا دودھ پلایا ہے اس کی وجہ سے حرمت رضاعت کے احکام کی صریحا خلاف ورزی ہوتی ہے لہٰذا اس بارے میں احتیاط ضروری ہے۔

دودھ خواہ پہلے پلایا ہو خواہ بعد میں پلایا گیا ہو حرمت رضاعت بہر صورت ثابت ہو جائے گی پہلے اور بعد میں کوئی فرق نہیں ہو گا لہٰذا اگر کسی شخص نے ایک شیر خوار بچی سے نکاح کرلیا اور پھر بعد میں اس شخص یعنی خاوند کی نسبی یا رضاعی ماں نے یا بہن نے یا لڑکی نے آکر اس کو اپنا دودھ پلا دیا تو یہ بچی اس شخص کے لئے حرام ہو جائے گی اور اس پر نصف مہر واجب ہوگا لیکن اس نصف مہر کے طور پر جو رقم وہ ادا کرے گا اسے وہ مرضعہ یعنی دودھ پلانیوالی سے وصول کرلے گا بشرطیکہ اس دودھ پلانیوالی نے محض شرارت یعنی نکاح ختم کرانے کے لئے اپنا دودھ پلا دیا ہو اور اگر اس نے شرارت کی نیت سے دودھ نہ پلایا ہو بلکہ وہ بچی بھوک سے بلک رہی تھی اور اس عورت نے ہمدردی کے جذبہ سے اسے دودھ پلا دیا تو پھر خاوند اس سے اپنی رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

کسی شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا اس کے بعد ایک اجنبی عورت نے آکر ان دونوں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو وہ دونوں بچیاں شوہر کے لئے حرام ہو جائیں گی اور پھر اس کے بعد وہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے جسے وہ پسند کرے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر اس کے نکاح میں دو کی بجائے تین بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان تینوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا تو وہ تینوں حرام ہو جائیں گی اس کے بعد وہ ان تینوں میں سے جس سے چاہے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر تینوں کو یکے بعد

دیگرے پلایا تو پہلی دو تو حرام ہو جائیں گی اور تیسری اس کی بیوی رہے گی اور اگر پہلے تو دو بچیوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا اور اس کے بعد تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہوگا۔ اور اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا اور بعد میں دو کو ایک ساتھ پلایا تو تینوں حرام ہو جائیں گی اور ان میں سے ہر ایک بچی کا نصف مہر اس پر واجب ہوگا جسے وہ دودھ پلانے والی سے وصول کرے گا بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے دودھ پلایا ہو اور اگر اس کے نکاح میں چار بچیاں ہوں اور اس عورت نے ان چاروں بچیوں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے دودھ پلایا ہو تو چاروں حرام ہو جائیں گی اور اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ پلایا ہو تو بھی یہی حکم ہوگا اور اگر پہلے تین کو ایک ساتھ اور بعد میں چوتھی کو پلایا تو چوتھی حرام نہیں ہوگی۔

اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت سے اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا اور پھر بڑی نے چھوٹی کو اپنا دودھ پلا دیا تو شوہر کے لئے دونوں حرام ہو جائیں گی اب اگر اس شخص نے بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اس کو کچھ مہر نہیں ملے گا اور چھوٹی کو اس کا آدھا مہر دینا واجب ہوگا جسے وہ بڑی سے وصول کرے گا بشرطیکہ اس نے شرارت کی نیت سے اسے دودھ پلایا ہو اور اگر اس نے دودھ شرارت کی نیت سے نہیں پلایا تو اس سے کچھ وصول نہیں کیا جائے گا اگر چہ اس بڑی کو یہ معلوم ہو کہ یہ چھوٹی بچی میرے شوہر کی بیوی ہے۔

رضاعت دودھ پلانے کا ثبوت دو باتوں میں سے کسی ایک بات سے ہو جاتا ہے ایک تو اقرار یعنی کوئی عورت خود اقرار کرے کہ میں نے فلاں کو دودھ پلایا ہے اور دوسرے گواہی یعنی گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا ہے) اور رضاعت کے سلسلہ میں گواہی یا تو دو مردوں کی معتبر ہوتی ہے یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بشرطیکہ وہ عادل ہوں۔

کنواری کے دودھ سے ثبوت حرمت کا بیان

وَإِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ فَأَرْضَعَتْ بِهِ صَبِيًّا تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَأَرْضَعَ بِهِ صَبِيًّا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ تَحْرِيمٌ وَإِذَا شَرِبَ صِبْيَانٌ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ فَلَا رَضَاعَ بَيْنَهُمَا وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِيرَةً وَكَبِيرَةً فَأَرْضَعَتِ الْكَبِيرَةُ الصَّغِيرَةَ حُرِمَتَا عَلَى الزَّوْجِ فَإِنْ كَانَ لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلِلصَّغِيرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الْكَبِيرَةِ إِنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتِ الْفَسَادَ وَإِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا، وَلَا تُقْبَلُ فِي الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَإِنَّمَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ،

ترجمہ

جب کسی کنواری کو دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچے کو پلا بھی دیا تو حرمت اس سے متعلق ہو جائے گی۔ مگر جب کسی نے مرد کو دودھ اترا اور اس نے کسی بچے کو پلا بھی دیا تو بھی حرمت اس سے متعلق نہیں ہوگی اور جب دو بچوں نے ایک بکری کا دودھ پیا ان میں رضاعت ثابت نہیں ہوگی جب کسی ایک چھوٹی بچی اور ایک عورت سے شادی کی اس کے بعد بڑی عورت نے اس چھوٹی کو دودھ پلا دیا تو وہ دونوں ہی اب اس شوہر پر حرام ہوں گی۔ جب اس نے بڑی کے ساتھ ابھی صحبت نہیں کی تھی تو اسے مہر نہیں ملے گا۔ مگر صغیرہ

یعنی چھوٹی کو نصف مہر ملے گا۔ اور خاوند وہ نصف، عورت سے جب اس نے فساد نکاح کا ارادہ کیا تو اس سے لے لے گا۔ اور جب اس نے یہ قصد نہ کیا تھا تو پھر اس سے کچھ نہیں لے گا۔ اور رضاعت کے معاملہ میں صرف عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ بہر حال رضاعت کا ثبوت دو مردوں کی، ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ہوگا۔

شرح

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ جب کسی شخص نے کنواری یا بڑھیا کا دودھ پیا بلکہ مردہ عورت کا دودھ پیا، جب بھی رضاعت ثابت ہے۔ مگر نو برس سے چھوٹی لڑکی کا دودھ پیا تو رضاع نہیں ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب النکاح)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

جب عورت نے بچے کے منہ میں چھاتی دی اور یہ بات لوگوں کو معلوم ہے مگر اب کہتی ہے کہ اس وقت میرے دودھ نہ تھا اور کسی اور ذریعہ سے بھی معلوم نہیں، ہوسکتا کہ دودھ تھا یا نہیں تو اس کا کہنا مان لیا جائے گا۔ بچہ کو دودھ پینا چھڑا دیا گیا ہے مگر اُس کو کسی عورت نے دودھ پلا دیا، اگر ڈھائی برس کے اندر ہے تو رضاع ثابت ورنہ نہیں۔ (ردمحتار، کتاب النکاح)

رضاعت میں غلبہ دودھ کے معتبر ہونے کا بیان

اور جب پانی یا دوا میں عورت کا دودھ ملا کر پلایا تو اگر دودھ غالب ہے یا برابر تو رضاع ہے اور اگر مغلوب ہے تو نہیں۔ یونہی اگر بکری وغیرہ کسی جانور کے دودھ میں ملا کر دیا تو اگر یہ دودھ غالب ہے تو رضاع نہیں ورنہ ہے اور دو عورتوں کا دودھ ملا کر پلایا تو جس کا زیادہ ہے اس سے رضاع ثابت ہے اور دونوں برابر ہوں تو دونوں سے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ بہر حال دونوں سے رضاع ثابت ہے۔)

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اور اگر رضاعت کے وجود میں یا پھر رضاعت کی تعداد میں شک پیدا ہو جائے کہ آیا اس نے دودھ پیا ہے یا نہیں یا رضاعت کی تعداد مکمل کی ہے یا نہیں؟ تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی؛ کیونکہ اصل عدم رضاعت ہے، اس لیے یقین کو شک سے زائل نہیں کیا جاسکتا"۔ (مغنی، کتاب النکاح)

•••-----•••-----•••

کتاب الطلاق

﴿یہ کتاب طلاق سے متعلق احکام کے بیان میں ہے﴾

کتاب طلاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف جب کتاب النکاح سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کتاب الرضاع کو شروع کیا ہے کیونکہ رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہ احکام نکاح کے احکام سے متعلق لازم تھے۔ کتاب طلاق سے پہلے کتاب رضاع بیان کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ اس سے دائمی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

لہٰذا اس کی اہمیت حکم کے پیش نظر کتاب الرضاع کو کتاب طلاق پر مقدم کیا ہے۔ جبکہ طلاق کا حکم غایت معلومہ کے طور پر اہم ہے۔ لہٰذا نکاح و رضاع کے احکام کو ان کے سبب وجودی میں تقدم کے پیش نظر مقدم بیان کیا ہے جبکہ طلاق کا سبب، سبب وضعی ہے جس کا مؤخر ہونا ظاہر ہے۔ (فتح القدیر، ج ۷، ص ۴۴۱، بیروت)

طلاق کی کتاب کو نکاح کی کتاب سے مؤخر کرنے کی دلیل اس طرح بھی واضح ہے کہ حق طلاق اس وقت تک ثابت نہیں ہوتا ہے جب تک نکاح کا عقد ثابت نہ ہو جائے۔ لہٰذا کتاب نکاح کو کتاب طلاق پر مقدم ذکر کیا ہے۔ اور عرف میں اسی پر عمل ہے کہ طلاق کا حکم اسی شخص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے جس کا نکاح ثابت ہو۔ کیونکہ غیر ناکح یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عرف اس پر استہزاء کریں گے کہ اس کا عقد نکاح ثابت نہیں تو عقد نکاح کو ختم کرنے کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔

لفظ طلاق کے لغوی و شرعی معنی کا بیان

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ لغت میں طلاق کے معنی بندھن کھول دینا اور چھوڑ دینا ہے اور اصطلاح شرع میں طلاق کہتے ہیں اس پابندی کو اٹھا دینا جو نکاح کی وجہ سے خاوند اور جورو پر ہوتی ہے۔ حافظ نے کہا کبھی طلاق حرام ہوتی ہے جیسے خلاف سنت طلاق دی جائے (مثلاً حالت حیض میں یا تین طلاق ایک ہی مرتبہ دے دے یا اس طہر میں جس میں وطی کر چکا ہو) کبھی مکروہ جب بلا سبب محض شہوت رانی اور نئی عورت کی ہوس میں ہو، کبھی واجب ہوتی ہے جب شوہر اور زوجہ میں مخالفت ہو اور کسی طرح میل نہ ہو سکے اور دونوں طرف کے پنچ طلاق ہی ہو جانی مناسب سمجھیں۔ کبھی طلاق مستحب ہوتی ہے جب عورت نیک چلن نہ ہو، کبھی جائز مگر علماء نے کہا ہے کہ جائز کسی صورت میں نہیں کہ مگر اس وقت جب نفس اس عورت کی طرف خواہش نہ کرے اور اس کا خرچ اٹھانا بے فائدہ پسند نہ کرے۔ (فتح الباری شرح بخاری، بتصرف)

اس صورت میں بھی طلاق مکروہ ہوگی۔ خاوند کو لازم ہے کہ جب اس نے ایک عفیفہ پاک دامن عورت سے جماع کیا تو اب اس کو نباہے اور اگر صرف یہ امر کہ اس عورت کو دل نہیں چاہتا طلاق کے جواز کی علت قرار دی جائے تو پھر عورت کو بھی طلاق کا اختیار ہونا چاہیے۔ جب وہ خاوند کو پسند نہ کرے حالانکہ ہماری شریعت میں عورت کو طلاق کا اختیار بالکل نہیں دیا گیا ہے (ہاں خلع کی صورت ہے جس میں عورت اپنے آپ کو مرد سے جدا کرسکتی ہے جس کے لیے شریعت نے کچھ ضوابط رکھے ہیں جن کو اپنے مقام پر لکھا جائے گا) نکاح کے بعد اگر زوجین میں خدانخواستہ عدم موافقت پیدا ہو تو اس صورت میں حتی الامکان صلح صفائی کرائی جائے جب کوئی بھی راستہ نہ بن سکے تو طلاق دی جائے۔

طلاق کی اقسام وتعریفات کا بیان

اَلطَّلَاقُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ فَأَحْسَنُ الطَّلَاقِ أَنْ لَا يُطَلِّقَ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً فِي طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيهِ وَيَتْرُكُهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَطَلَاقُ السُّنَّةِ أَنْ يُطَلِّقَ الْمَدْخُولَ بِهَا ثَلَاثًا فِي ثَلَاثَةِ أَطْهَارٍ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ أَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ أَوْ ثَلَاثًا فِي طُهْرٍ وَاحِدٍ فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَبَانَتْ مِنْهُ وَكَانَ عَاصِيًا وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ وَسُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِي فِيهَا الْمَدْخُولُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِي الْمَدْخُولِ بِهَا خَاصَّةً وَهُوَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيهِ وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا يُطَلِّقُهَا فِي حَالَةِ الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ وَإِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ أَوْ كِبَرٍ وَأَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً مَتَى شَاءَ

ترجمہ

طلاق کی تین اقسام ہیں: (۱) طلاق احسن۔ (۲) طلاق سنت۔ (۳) طلاق بدعت۔ طلاق احسن تو یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں اس نے اس سے وطی نہ کی ہو۔ ایک طلاق دے۔ پھر اس کی عدت گزر جانے تک اسے چھوڑ دے۔

طلاق سنت یہ ہے کہ آدمی وہ عورت جس کے ساتھ وہ دخول کر چکا ہے اسے تین طہروں میں طلاق دے۔ اور طلاق بدعت یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دے دے یا ایک طہر میں ہی تینوں طلاقیں دے دے۔ پس جب کسی نے ایسا کرلیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی عورت بائنہ ہو جائے گی اور وہ گنہگار ہوگا۔

اور طلاق سنت پھر دو طرح سے ہے۔ سنت فی الوقت اور سنت فی العدد۔ سنت فی العدد میں عورت کے ساتھ دخول ہو چکا ہو یا نہ ہو چکا ہو۔ اس کا کوئی لحاظ نہیں۔ جب کہ سنت فی الوقت خاص کر کے عورت کے ساتھ دخول ہو جانے کے حق میں ثابت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی عورت کو ایسے طہر میں طلاق دے۔ جس میں اس نے اس سے صحبت نہ کی ہو۔ اور وہ عورت جس سے دخول کیا گیا ہو۔ اسے طہر کی حالت میں طلاق دے یا حیض کی حالت میں دے اور جب کم عورت کو کسی سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔

اور شوہر اسے سنت کے مطابق طلاق دینے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اسے ایک طلاق دے دے جب ایک ماہ گزرے تو اسے دوسری طلاق دے دے۔ پھر جب ایک ماہ گزر جائے تو اب وہ اسے ایک اور یعنی تیسری طلاق دے دے اور اسے اس طرح سے طلاق دینا بھی جائز ہے کہ شوہر اس عورت کی وطی اور اس کی طلاق کے دنوں کے درمیان فاصلہ نہ کرے۔

طلاق کی اقسام میں مذاہب اربعہ

احناف طلاق کی تین اقسام قرار دیتے ہیں: احسن، حَسَن اور بدعی۔ احسن طلاق یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس کے اندر اس نے مجامعت نہ کی ہو، صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دے۔ حَسَن یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دے۔ اس صورت میں تین طہروں میں تین طلاق دینا بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر چہ بہتر یہی ہے کہ ایک ہی طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ اور طلاق بدعت یہ ہے کہ آدمی بیک وقت تین طلاق دے دے، یا ایک ہی طہر کے اندر الگ الگ اوقات میں تین طلاق دے، یا حیض کی حالت میں طلاق دے، یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وہ مباشرت کر چکا ہو۔ ان میں سے جو فعل بھی وہ کرے گا گناہگار ہوگا۔ یہ تو ہے حکم ایسی مدخولہ عورت کا جسے حیض آتا ہو۔ رہی غیر مدخولہ عورت تو اسے سنت کے مطابق طہر اور حیض دونوں حالتوں میں طلاق دی جاسکتی ہے۔ اور اگر عورت ایسی مدخولہ ہو جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا ابھی آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، تو اسے مباشرت کے بعد بھی طلاق دی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کے حاملہ ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اور عورت حاملہ ہو تو مباشرت کے بعد اسے بھی طلاق دی جاسکتی ہے، کیونکہ اس کا حاملہ ہونا پہلے ہی معلوم ہے۔ لیکن ان تینوں قسم کی عورتوں کو سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک مہینہ بعد طلاق دی جائے، اور احسن یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ (ہدایہ، فتح القدیر، احکام القرآن للجصاص، عمدۃ القاری)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی طلاق کی تین اقسام ہیں۔ سُنی، بدعی مکروہ، اور بدعی حرام۔ سنت کے مطابق طلاق یہ ہے کہ مدخولہ عورت کو جسے حیض آتا ہو، طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر ایک طلاق دے کر عدت گزر جانے دی جائے۔ بدعی مکروہ یہ ہے کہ ایسے طہر کی حالت میں طلاق دی جائے جس میں آدمی مباشرت کر چکا ہو، یا مباشرت کیے بغیر ایک طہر میں ایک سے زیادہ طلاقیں دی جائیں، یا عدت کے اندر الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں، یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں۔ اور بدعی حرام یہ ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دی جائے۔ (حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ احکام القرآن لابن العربی)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا معتبر مذہب یہ ہے جس پر جمہور حنابلہ کا اتفاق ہے: مدخولہ عورت جس کو حیض آتا ہو اسے سنت کے مطابق طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ طہر کی حالت میں مباشرت کیے بغیر اسے طلاق دی جائے، پھر اسے چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ لیکن اگر اسے تین طہروں میں تین الگ الگ طلاقیں دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے دی جائیں، یا بیک وقت تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، یا حیض کی حالت میں طلاق دی جائے، یا ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں مباشرت کی گئی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہو، تو یہ سب طلاق بدعت اور حرام ہیں۔ لیکن اگر عورت غیر مدخولہ ہو، یا ایسی مدخولہ ہو

جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا ابھی حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، یا حاملہ ہو، تو اس کے معاملہ میں نہ وقت کے لحاظ سے سنت وبدعت کا کوئی فرق ہے نہ تعداد کے لحاظ سے۔ (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علیٰ مذہب احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق کے معاملہ میں سنت اور بدعت کا فرق کے لحاظ سے ہے نہ کہ تعداد سے یعنی مدخول عورت جس کو حیض آتا ہو اسے حیض کی حالت میں طلاق دینا یا جو حاملہ ہو سکتی ہو اسے ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی جا چکی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہو بدعت اور حرام ہے۔ رہی طلاقوں کی تعداد، تو خواہ بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں، یا ایک ہی طہر میں دی جائیں، یا الگ الگ طہروں میں دی جائیں، بہر حال یہ سنت کے خلاف نہیں ہے۔ اور غیر مدخولہ عورت جسے حیض آنا بند ہو گیا ہو، یا حیض آیا ہی نہ ہو، یا جس کا حاملہ ہونا ظاہر ہو، اس کے معاملہ میں سنت اور بدعت کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (مغنی المحتاج)

ہر قسم کی طلاق کے وقوع میں اتفاق مذاہب اربعہ

کسی طلاق کے بدعت، مکروہ، حرام، یا گناہ ہونے کا مطلب ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ وہ واقع ہی نہ ہو۔ چاروں مذاہب میں طلاق، خواہ حیض کی حالت میں دی گئی ہو، یا بیک وقت تین طلاقیں دے دی گئی، یا ایسے طہر میں طلاق دی گئی ہو جس میں مباشرت کی جا چکی ہو اور عورت کا حاملہ ہونا ظاہر نہ ہوا ہو، یا کسی اور ایسے طریقے سے دی گئی ہو جسے کسی امام نے بدعت قرار دیا ہے، بہر حال واقع ہو جاتی ہے، اگر چہ آدمی گناہ گار ہوتا ہے۔ لیکن بعض دوسرے مجتہدین نے اس مسئلے میں ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب اور بعض دوسرے تابعین کہتے ہیں کہ جو شخص سنت کے خلاف حیض کی حالت میں طلاق دے دے اس کی طلاق سرے سے واقع ہی نہیں ہوتی۔ یہی رائے امامیہ کی ہے۔ اور اس رائے کی بنیاد یہ ہے کہ ایسا کرنا چونکہ ممنوع اور بدعت محرمہ ہے اس لئے یہ غیر مؤثر ہے۔ حالانکہ اوپر جو احادیث ہم نقل کر آئے ہیں ان میں یہ بیان ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے جب بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضور نے انہیں رجوع کا حکم دیا۔ اگر یہ طلاق واقع ہی نہیں ہوئی تھی تو رجوع کا حکم دینے کے کیا معنی؟ اور یہ بھی بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ نے ایک سے زیادہ طلاق دینے والے کو اگر چہ گناہ گار قرار دیا ہے، مگر اس کی طالق کو غیر مؤثر قرار نہیں دیا۔

مسنون طریقے سے طلاق دینے میں احادیث ٥

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے زمانہ رسالت میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دیدی تو حضرت عمر بن الخطاب نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کو چاہیے کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو اس کے بعد اگر چاہے تو اس کو رکھ لے یا چاہے تو جماع کیے بغیر اس کو طلاق دیدے پس یہ ہے وہ عدت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 415)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سے کہو کہ رجوع کرے پھر جب پاک ہو جائے یا حاملہ ہو جائے تو طلاق دیدے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 417)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی حضرت عمر نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ میں آگئے اور فرمایا کہ اس کو کہہ دو کہ وہ اس سے رجوع کر لے پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے پھر اس کو دوسرا حیض آئے اور وہ پھر حیض سے پاک ہو اس کے بعد اگر چاہے تو طلاق دیدے پاکی کی حالت میں جماع کیے بغیر اور یہ طلاق کی عدت کے مناسب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 418)

حضرت یونس بن جبیر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کہ تم اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی تھیں؟ انہوں نے کہا ایک۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 419)

طلاق بدعت کی تعریف

عربی زبان میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم طلاق کے ساتھ کسرہ صفت لگا کر عربی اسم بدعت لگانے سے مرکب توصیفی بنا۔ اردو زبان میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ 1867ء کو "نورالہدایہ" میں تحریراً مستعمل ملتا ہے۔

(فقہ) اس طلاق کی تین صورتیں ہیں (1) حالت حیض میں طلاق دی ہو، (2) ایسے طہر میں طلاق دی ہو جس میں مباشرت ہو چکی ہو (۳) تین طلاقیں بیک وقت دے دی ہوں۔ "امام مالک علیہ الرحمہ اور بہت سے فقہا نے تیسری طلاق کو جائز ہی نہیں رکھا وہ اس کو طلاق بدعت کہتے ہیں۔

حالت حیض کی وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا تھا، اس لئے فقہاء کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ یہ حکم کس معنی میں ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، ابن ابی لیلی، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو رجوع کا حکم تو دیا جائے گا مگر رجوع پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری، علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ)

ہدایہ ہیں حنفیہ کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس صورت میں رجوع کرنا نہ صرف مستحب بلکہ واجب ہے۔ مغنی المحتاج میں شافعیہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ جس نے حیض میں طلاق دی ہو اور تین نہ دے ڈالی ہوں اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ رجوع کرے، اور اس کے بعد والے طہر میں طلاق نہ دے بلکہ اس کے گزرنے کے بعد جب دوسری مرتبہ عورت حیض سے فارغ ہو تب طلاق دینا چاہے تو دے، تاکہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع محض کھیل کے طور پر نہ ہو۔

الانصاف میں حنابلہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ اس حالت میں طلاق دینے والے کے لئے رجوع کرنا مستحب ہے۔

لیکن امام مالک علیہ الرحمہ اوران کے اصحاب کہتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا جرم قابل دست اندازی پولیس ہے۔ عورت خواہ مطالبہ کرے یا نہ کرے، بہر حال حاکم کا یہ فرض ہے کہ جب کسی شخص کا یہ فعل اس کے علم میں آئے تو وہ اسے رجوع پر مجبور کرے اور عدت کے آخری وقت تک اس پر دباؤ ڈالتا رہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے قید کر دے۔ پھر بھی انکار کرے تو اسے مارے۔ اس پر نہ مانے تو حاکم خود فیصلہ کر دے کہ "میں نے تیری بیوی تجھ پر واپس کر دی" اور حاکم کا یہ فیصلہ رجوع ہوگا جس کے بعد مرد کے لئے اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہوگا، خواہ اس کی نیت رجوع کی ہو یا نہ ہو، کیونکہ حاکم کی نیت کی قائم مقام ہے۔

(حاشیہ الدسوقی)

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس شخص نے طوعاو کرہا حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیا ہو وہ اگر طلاق ہی دینا چاہے تو اس کے لئے مستحب طریقہ یہ ہے کہ جس حیض میں اس نے طلاق دی ہے اس کے بعد والے طہر میں اسے طلاق نہ دے بلکہ جب دوبارہ حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو اس وقت طلاق دے۔ طلاق سے متصل والے طہر میں طلاق نہ دینے کا حکم دراصل اس لئے دیا گیا ہے کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کا رجوع صرف زبانی کلامی نہ ہو بلکہ اسے طہر کے زمانے میں عورت سے مباشرت کرنی چاہیے پھر جس طہر میں مباشرت کی جا چکی ہو اس میں طلاق دینا چونکہ ممنوع ہے، لہٰذا طلاق دینے کا صحیح وقت اس کے طہر والا ہی ہے

(حاشیہ الدسوقی)

طلاق ثلاثہ کے وقوع میں مذاہب اربعہ

ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق گوسنت کے خلاف ہے، طلاق بدعت ہے، لیکن اِس کے واقع ہو جانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں، حضرت امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"وقد اختلف العلماء فيمن قال لامراته انت طالق ثلثاً فقال الشافعي ومالك وابو حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث" ۔ (نووی شرح مسلم)

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں: امام مالک علیہ الرحمہ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور قدیم و جدید تمام علماء کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح امام ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ جس شخص نے بیک وقت تین طلاقیں دیں وہ واقع ہو جائیں گی۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی نظریہ ہے اور بعد کے تابعین اور ائمہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (المغنی، ج:7، ص ۲۸۲، بیروت)

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہیں

حضرت محمود ابن لبید کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے بارے میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کیا اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا

ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے) درآنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں یہ سن کر مجلس نبوی میں موجود صحابہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اس شخص کو قتل نہ کردوں؟ (نسائی)

اللہ عزوجل کی کتاب سے قرآن کریم کی یہ آیت (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ) 2۔البقرۃ:229) مراد ہے۔

اس آیت میں یہاں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں نہ دینی چاہئیں بلکہ متفرق طور پر دینی چاہئیں وہیں (وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا) 2۔البقرۃ:231) کے ذریعہ یہ تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو لہو لعب کی طرح بے وقعت مت سمجھو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ متفرق طور پر طلاق دینے کی بجائے ایک ساتھ تینوں طلاقیں دینا حق تعالیٰ کے حکم ومنشاء کی خلاف ورزی ہے اور یہ خلاف ورزی گویا حق تعالیٰ کے احکام کے ساتھ استہزاء ہے۔ کیونکہ جس شخص نے حق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کیا اس نے درحقیقت اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کی نظر میں حکم خداوندی کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اور کرنا دونوں برابر ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا بدعت وحرام ہے۔ اور اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے اس فعل پر غضب ناک ہوتے تھے جو گناہ ومعصیت کا باعث ہوتا تھا حضرت امام شافعی کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا حرام نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ساتھ نہ دینے میں فائدہ یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد شاید اللہ تعالیٰ خاوند کے دل کو اس کی بیوی کی طرف مائل کردے اور اس کے فیصلہ میں کوئی ایسی خوشگوار تبدیلی آجائے کہ وہ رجوع کرلے اور ان دونوں کے درمیان مستقل جدائی کی نوبت نہ آئے۔

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ انت طالق ثلاثا (یعنی تجھ پر تین طلاق ہیں) تو آیا اس کی بیوی پر ایک طلاق پڑے گی یا تین طلاق واقع ہوں گی چنانچہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام احمد اور جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں پڑیں گی جب کہ طاؤس اور بعض اہل ظاہر یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق پڑے گی۔

ایک صحابی کا یہ کہنا کہ میں اس شخص کو قتل نہ کردوں؟ اس بناء پر تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء کرنے والا کہا تھا جو کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان کفر کی حد میں داخل ہو جائے تو اس کی سزا قتل ہے حالانکہ ان صحابی نے یہ نہیں جانا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں جو الفاظ ارشاد فرمائے ہیں وہ زجر وتوبیخ پر مبنی ہیں ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینے کا بیان

وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوْزُ عَقِيْبَ الْجِمَاعِ وَيُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلَاثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيْقَتَيْنِ بِشَهْرٍ

عِنْدَهُمَا.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ لَا يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ إِلَّا وَاحِدَةً وَإِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا فَإِنْ طَهُرَتْ وَحَاضَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ فَإِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَإِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا وَيَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ إِذَا كَانَ بَالِغًا عَاقِلًا وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ ثُمَّ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَقَعَ طَلَاقُهُ وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلَى امْرَأَتِهِ،

ترجمہ

اور حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دے دینا جائز ہے اسے سنت کے مطابق تین طلاقیں دے اور دو طلاقوں کے درمیان شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ایک مہینے کے ساتھ فاصلہ کرے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اسے سنت کے مطابق طلاق نہ دے۔ جب کسی نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ پس جب وہ پاک ہو جائے تو اس کے لئے رجوع کر لینا مستحب ہے۔ اس کے بعد اسے پھر حیض آئے پھر پاک ہو۔ اب اسے اختیار ہے چاہے تو اسے طلاق دے دے، چاہے تو اسے اپنے پاس برقرار رکھے اور عاقل بالغ شوہر کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مگر کسی بچے، پاگل اور سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جب کسی غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے شادی کی پھر اس نے طلاق دے دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ مگر غلام کی بیوی پر اس کے مالک کی طلاق واقع نہ ہوگی۔

حاملہ کو جماع کے بعد طلاق دینے کا بیان

حاملہ عورت کے ساتھ صحبت کرنے کے فوراً بعد اسے طلاق دینا جائز ہے چونکہ اس عمل کے نتیجے میں اس عورت کی عدت مشتبہ نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس کی عدت تو اسی وقت ختم ہوگی جب وہ بچے کو جنم دے گی۔

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ عورت کے حمل کا زمانہ صحبت میں دلچسپی کا زمانہ ہے، کیونکہ مرد کے اس کے ساتھ صحبت کرنے سے مزید کوئی اور حمل ٹھہرنے کا امکان نہیں ہوتا۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: حاملہ عورت کو طلاق دینے کا سنت طریقہ یہ ہے: اسے ایک ایک ماہ کے بعد تین طلاقیں دی جائیں تاہم یہ طریقہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں: ایسی عورت کے لئے سنت یہی ہوگا اسے ایک ہی طلاق دی جائے چونکہ اپنی اصل کے اعتبار سے طلاق ممنوع ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے اس بیان پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے: اگر طلاق اپنے اصل کے اعتبار سے ممنوع ہے، تو پھر آپ اس عورت کو ایک سے زیادہ طلاق دینے کے قائل کیوں ہیں جو حاملہ نہیں ہوتی؟ اس کا جواب ہے: اس عورت کے حق میں ایک مہینہ فصل کی حیثیت نہیں رکھتا اور اس کی مثال اس عورت کی طرح ہو جاتی ہے جس کا طہر طویل ہو چکا ہو۔ یعنی کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اسے طویل عرصے تک حیض نہ آئے تو ایسی عورت کے حق میں ایک مہینہ عدت میں فصل کے قائم مقام نہیں ہوتا۔

شیخین: یہ فرماتے ہیں: طلاق کو ضرورت کے پیش نظر مباح قرار دیا گیا ہے، اور ایک مہینہ اس ضرورت کے لئے دلیل کی

حیثیت رکھتا ہے اور اس کی مثال اسی طرح ہوگی جیسے کسی عورت کو زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا کم عمری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے: انسانوں کی عام فطرت کے مطابق یہی عرصہ یعنی ایک مہینہ دوبارہ دلچسپی پیدا ہونے کی نشانی اور دلیل بن سکتا ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے حاملہ عورت کو اس عورت پر قیاس کیا تھا جس کا طہر طویل ہو جاتا ہے۔ اس کے بارے میں مصنف فرماتے ہیں۔ طویل طہر والی عورت کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ اس کے حق میں نشانی اور دلیل طہر ہے جو ہر زمانے میں موجود ہو سکتا ہے جبکہ حمل کی حالت میں کیونکہ عورت کو حیض نہیں آتا اس لئے اسے نئے سرے سے طہر آنے کا امکان بھی نہیں ہوگا۔

حالت حیض میں طلاق کی صورت رجوع سے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کو چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا تھا، اس لئے فقہاء کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا ہے کہ یہ حکم کس معنی ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی، ابن ابی لیلی، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو رجوع کا حکم تو دیا جائے گا مگر رجوع پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری)

ہدایہ میں حنفیہ کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس صورت میں رجوع کرنا نہ صرف مستحب بلکہ واجب ہے۔ مغنی المحتاج میں شافعیہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ جس نے حیض میں طلاق دی ہو اور تین نہ دے ڈالی ہوں اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ رجوع کرے، اور اس کے بعد والے طہر میں طلاق نہ دے بلکہ اس کے گزرنے کے بعد جب دوسری مرتبہ عورت حیض سے فارغ ہو تب طلاق دینا چاہے تو دے، تاکہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع محض کھیل کے طور پر نہ ہو۔

الانصاف میں حنابلہ کا مسلک یہ بیان ہوا ہے کہ اس حالت میں طلاق دینے والے کے لئے رجوع کرنا مستحب ہے۔ لیکن امام مالک علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا جرم قابل دست اندازی پولیس ہے۔ عورت خواہ مطالبہ کرے یا نہ کرے، بہر حال حاکم کا یہ فرض ہے کہ جب کسی شخص کا یہ فعل اس کے علم میں آئے تو وہ اسے رجوع پر مجبور کرے اور عدت کے آخری وقت تک اس پر دباؤ ڈالتا رہے۔ اگر وہ انکار کرے تو اسے قید کر دے۔ پھر بھی انکار کرے تو اسے مارے۔ اس پر نہ مانے تو حاکم خود فیصلہ کر دے کہ "میں نے تیری بیوی تجھ پر واپس کر دی" اور حاکم کا یہ فیصلہ رجوع ہوگا جس کے بعد مرد کے لئے اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہوگا، خواہ اس کی نیت رجوع کی ہو یا نہ ہو، کیونکہ حاکم کی نیت اس کی قائم مقام ہے

(حاشیۃ الدسوقی)

مالکیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس شخص نے طوعا و کرہا حیض میں دی ہوئی رجوع کر لیا ہو وہ اگر طلاق ہی دینا چاہے تو اس کے لئے مستحب طریقہ یہ ہے کہ جس حیض میں اس نے طلاق دی ہے اس کے بعد والے طہر میں سے طلاق نہ دے بلکہ جب دوبارہ حیض آنے کے بعد وہ طاہر ہو اس وقت طلاق دے۔ طلاق سے متصل والے طہر میں طلاق نہ دینے کا حکم دراصل اس لئے دیا گیا ہے

کہ حیض کی حالت میں طلاق دینے والے کا رجوع صرف زبانی کلامی نہ ہو بلکہ اسے طہر کے زمانے میں عورت سے مباشرت کرنی چاہیے پھر جس طہر میں مباشرت کی جا چکی ہو اس میں طلاق دینا چونکہ ممنوع ہے، لہٰذا طلاق دینے کا صحیح وقت اس کے والا طہر ہی ہے (حاشیہ الدسوقی)

نابالغ کی طلاق کا فقہی حکم

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بالغ ہونے سے پہلے انسان پر اللہ کریم کی طرف سے کوئی حکم واجب نہیں ہوتا اسی طرح بلوغ سے پہلے دی جانے والی طلاق کو بھی شریعت نے جائز اور نافذ قرار نہیں دیا۔ حدیث پاک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ تین شخصوں سے تکلیف اٹھالی گئی ہے

(۱) سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کے بیدار ہو جائے

(۲) بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے

(۳) پاگل سے یہاں تک کہ وہ عقل والا ہو جائے (ترمذی۔ ابوداؤد۔ مشکوۃ (ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لا یجوز طلاق الصبی والمجنون : بچے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (فتح قدیر، کتاب طلاق)

سوئے ہوئے شخص کی طلاق کا حکم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس سے پہلے بچوں کی طلاق کے ذیل میں ایک روایت گزر چکی ہے۔ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے تین افراد کو شریعت کے احکام کی بجا آوری سے معاف کیے جانے کا حکم بیان فرمایا ہے ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جو سویا ہوا ہو۔ سونے کی حالت میں نہ تو اس پر کسی عبادت کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اور نہ اس حالت میں اس کا کوئی تصرف معتبر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کسی شخص نے اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی صاحب درمختار نے بھی یہی لکھا ہے۔ اور نہ سوئے ہوئے کی طلاق واقع ہوتی ہے اس حالت میں ارادہ واختیار ختم ہونے کی دلیل سے اس شخص کا کلام صدق، کذب خبر، انشاء وغیرہ کے ساتھ متصف نہیں ہوتا ہے۔ (درمختار مع ردالمختار ج 3 ص 243-244)

پاگل کی طلاق کا فقہی بیان

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا معتوہ کی طلاق کے علاوہ ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس حدیث کو ہم صرف عطاء بن عجلان کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں اور وہ ضعیف ہیں اور حدیثیں بھول جاتے ہیں علماء کا اسی پر عمل ہے کہ دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی مگر وہ دیوانہ جسے کبھی کبھی ہوش آجاتا ہو اور وہ اسی حالت میں طلاق دے تو طلاق ہو جائے گی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1202)

علامہ ابن عابدین شامی تلویح سے نقل کرتے ہوئے جنون کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جنون اس قوت کے مختل ہوجانے کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان اچھے اور برے افعال کے درمیان فرق کرتا ہے اور جس کے ذریعہ عمل کے نتائج اور انجام کار کے متعلق سوچتا ہے اس کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ حالت جنون میں اس کا کوئی تصرف صحیح نہیں ہوگا اگر اس نے اپنی بیوی کو اسی حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ اگر جنوں پیدا ہونے سے پہلے کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا تھا۔ مثلا کہ اگر میکہ گئی تو تجھ پر طلاق یہ کہنے کے بعد وہ پاگل ہوگیا اور عورت اس کے جنون کی حالت میں میکے چلی گئی تو یہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ چنانچہ درمختار میں ہی: اور نہ مجنون کی طلاق واقع ہوگی۔ سوائے اس کے کہ عقل و ہوش کی حالت میں مشروط طلاق دی ہو پھر مجنون ہوگیا اور اسی حالت میں شرط پائی گئی تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ (درمختار مع ردالمختار، کتاب طلاق)

سَفِیہ (کم عقل) کی طلاق کا حکم

سفیہ لغت میں خفت اور ہلکا پن کے معنی میں آتا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں سفاہت سے مراد کم عقلی ہے جس کی دلیل سے آدمی اپنے مال پر اسطرح تصرف کرتا ہے جو عقل کے تقاضہ کے خلاف ہو ایسے شخص کو عرف عام میں خفیف العقل کہا جاتا ہے ایسے شخص کی طلاق کو بھی شریعت نے صحیح قرار دیا ہے۔ درمختار میں ہے :او سفیھا خفیف العقل : یا طلاق دینے والا خفیف العقل ہو تو اس کی بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

مجنون کی طلاق معلق کے وقوع کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مجنون نے ہوش کے زمانہ میں کسی شرط پر طلاق معلق کی تھی اور وہ شرط زمانہ جنون میں پائی گئی تو طلاق ہوگئی۔ مثلاً یہ کہا تھا کہ اگر میں اس گھر میں جاؤں تو تجھے طلاق ہے اور اب جنون کی حالت میں اُس گھر میں گیا تو طلاق ہوگئی ہاں اگر ہوش کے زمانہ میں یہ کہا تھا کہ میں مجنون ہوجاؤں تو تجھے طلاق ہے تو مجنون ہونے سے طلاق نہ ہوگی۔ (درمختار، ج ۴، ص ۴۳۷)

مذاق میں نکاح وطلاق کا فقہی حکم

طلاق کے مسئلہ میں کھیلنا اور مذاق کرنے کی کوئی مجال نہیں، کیونکہ جمہور علماء کے ہاں مذاق میں دی گئی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین چیزوں کی حقیقت بھی حقیقی ہی ہے، اوران میں مذاق بھی حقیقت ہے: نکاح اور طلاق اور رجوع کرنا۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر (2194) سنن ترمذی حدیث نمبر (1184) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2039)، اس حدیث کی صحت میں علماء کا اختلاف ہے، اس حدیث کا معنی بعض صحابہ پر موقوف بھی وارد ہے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "چار چیزیں ایسی ہیں جب وہ بولی جائیں تو جاری ہونگی طلاق، آزادی اور نکاح اور نذر" علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "تین چیزوں میں کوئی کھیل

نہیں، طلاق اور آزادی اور نکاح" ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:" تین اشیاء میں کھیل بھی حقیقت کی طرح ہی ہے: طلاق اور نکاح اور غلام آزاد کرنا" آپ کی بیوی نے بطور مذاق طلاق دینے کا مطالبہ کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے، اور پھر عورت کو بغیر ایسے عذر کے جو طلاق کو مباح کرتا ہو خاوند سے طلاق طلب کرنا حلال نہیں کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جس عورت نے بھی اپنے خاوند سے بغیر تنگی اور سبب کے طلاق طلب کی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

غلام کے حق طلاق کے ثبوت کا بیان

شادی کرنے کے بعد طلاق کا حق صرف اور صرف غلام کو ہی دیا گیا۔ کسی مالک کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے غلام کو اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہی عمل تھا۔

وَحَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ : مَنْ أَذِنَ لِعَبْدِهِ أَنْ يَنْكِحَ، فَالطَّلَاقُ بِيَدِ الْعَبْدِ، لَيْسَ بِيَدِ غَيْرِهِ مِنْ طَلَاقِهِ شَيْءٌ .

(موطاء مالک، کتاب الطلاق، حدیث(1676)۔(ابن ماجہ، کتاب الطلاق، حدیث(2081)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے،" جس نے اپنے غلام کو شادی کرنے کی اجازت دے دی، تو اب طلاق کا معاملہ غلام کے ہاتھ ہی میں ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کو طلاق کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا،" یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے آقا نے میری شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی تھی اور اب ہمیں علیحدہ کرنا چاہتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا،" اے لوگو! یہ کیا ہو گیا ہے کہ تم میں سے ایک شخص نے اپنے غلام کی شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ ان میں علیحدگی کروا دے۔ طلاق تو اسی کا حق ہے جو شوہر ہے۔

طلاق صریح کا بیان

وَالطَّلَاقُ عَلَى ضَرْبَيْنِ صَرِيحٌ وَكِنَايَةٌ فَالصَّرِيحُ قَوْلُهُ أَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَقَدْ طَلَّقْتُكِ فَهَذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهِ إِلَّا وَاحِدَةٌ وَلَا يَفْتَقِرُ إِلَى نِيَّةٍ أَنْتِ الطَّالِقُ وَأَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقِ وَأَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَإِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ أَيْضًا وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا فَهِيَ ثَلَاثٌ وَإِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ لَمْ يَقَعْ إِلَّا وَاحِدَةٌ

ترجمہ

طلاق کی دو اقسام ہیں: صریح اور کنایہ اس کا قول کہ تجھے طلاق ہے۔ تو طلاق دی گئی ہے اور میں نے تجھے طلاق دی۔ پس

اس سے طلاق واقع ہوتی ہے اور وہ ایک ہی ہوگی اور اس میں نیت کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور اس کا قول انتِ الطلاق انتِ طالق الطلاق اور انتِ طالق طلاقاً۔ ان سے جب اس کی طلاق کی نیت نہ تھی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

جب اس کی نیت دو کی تھی۔ تب بھی ایک طلاق ہی ہوگی لیکن جب اس کی نیت تین کی تھی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

طلاق صریح کے الفاظ سے طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: " قال (اور جب وہ کہے میں نے تجھے طلاق دی، یا میں نے تجھے علیحدہ کر دیا، یا میں نے تجھے چھوڑ دیا تو اسے طلاق لازم ہوگی (یہ اس کا تقاضہ کرتا ہے کہ صریح طلاق کے تین الفاظ ہیں الطلاق، الفراق، اور السراح اور ان سے بنائے جانے والے دوسرے صیغے۔

امام شافعی کا مسلک یہی ہے، اور ابو عبداللہ بن حامد کا کہنا ہے کہ: طلاق کا صریح لفظ صرف ایک ہی ہے اور وہ طلاق اور اس سے بنائے جانے والے صیغے اس کے علاوہ کوئی اور لفظ صریح نہیں، امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اور امام مالک علیہ الرحمہ رحمہما اللہ کا مسلک یہی ہے۔

لیکن امام مالک علیہ الرحمہ اس سے بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں؛ کیونکہ ظاہری کنایات نیت کے محتاج نہیں ہوتے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ فراق اور السراح کے الفاظ طلاق کے علاوہ بھی بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں، اس لیے باقی کنایہ کے الفاظ کی طرح یہ بھی طلاق میں صریح نہیں ہونگے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ: کتاب اللہ میں یہ الفاظ خاوند اور بیوی کے مابین علیحدگی اور جدائی کے معنی میں وارد ہوئے ہیں، تو یہ اس میں طلاق کے الفاظ کی طرح صریح ہوئے. اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اچھے طریقہ سے روک لو، یا پھر اچھے طریقہ سے چھوڑ دو)۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور اگر وہ دونوں علیحدہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی وسعت میں سے غنی کر دیگا)۔

(مغنی، کتاب طلاق)

طلاق کے صریح الفاظ کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لفظ صریح مثلاً میں نے تجھے طلاق دی، تجھے طلاق ہے، تو مطلقہ ہے، تو طالق ہے، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، اے مطلقہ۔ ان سب الفاظ کا حکم یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگر چہ کچھ نیت نہ کی ہو یا بائن کی نیت کی یا ایک سے زیادہ کی نیت ہو یا کہے میں نہیں جانتا تھا کہ طلاق کیا چیز ہے مگر اس صورت میں کہ وہ طلاق کو نہ جانتا تھا دیانۃً واقع نہ ہوگی۔

طلاغ، تلاغ، طلاک، تلاک، تلاکھ، تلّا کھ، تلاخ، تلاح، تلاق، طِلاق۔ بلکہ توتلے کی زبان سے، تلات۔ یہ سب صریح کے الفاظ ہیں، ان سب سے ایک طلاق رجعی ہوگی اگر چہ نیت نہ ہو یا نیت کچھ اور ہو۔ طل اق، طا لام الف قاف کہا اور نیت طلاق ہو تو ایک رجعی ہوگی۔

اردو میں یہ لفظ کہ میں نے تجھے چھوڑا، صریح ہے اس سے ایک رجعی ہوگی، کچھ نیت ہو یا نہ ہو۔ یونہی یہ لفظ کہ میں نے فارغ خطی یا فارخطی یا فارکھتی دی، صریح ہے۔

لفظ طلاق غلط طور پر ادا کرنے میں عالم و جاہل برابر ہیں۔ بہر حال طلاق ہو جائے گی اگر چہ وہ کہے میں نے دھمکانے کے لیے غلط طور پر ادا کیا طلاق مقصود نہ تھی ورنہ صحیح طور پر بولتا۔ ہاں اگر لوگوں سے پہلے کہہ دیا تھا کہ میں دھمکانے کے لیے غلط لفظ بولوں گا طلاق مقصود نہ ہوگی تو اب اس کا کہا مان لیا جائے گا۔ (درمختار، باب صریح، ج ۴، ص ۴۴۶، بیروت)

طلاق کی قسم کنایہ کا بیان

وَالضَّرْبُ الثَّانِي الْكِنَايَاتُ لَا يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ إِلَّا بِنِيَّةٍ أَوْ دَلَالَةِ حَالٍ وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ مِنْهَا ثَلَاثَةُ أَلْفَاظٍ يَقَعُ بِهَا الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً ، وَهُوَ قَوْلُ اعْتَدِّي وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ وَأَنْتِ وَاحِدَةٌ وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ إِذَا نَوَى بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا كَانَ ثَلَاثًا وَإِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً وَهَذَا مِثْلُ قَوْلِهِ أَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ وَالْحَقِي بِأَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَبَرِيَّةٌ إِلَى آخِرِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ لَمْ يَقَعْ بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ طَلَاقٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَا فِي مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَيَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِي الْقَضَاءِ وَلَا يَقَعُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى إِلَّا أَنْ يَنْوِيَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُونَا فِي مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ وَكَانَا فِي غَضَبٍ أَوْ خُصُومَةٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِكُلِّ لَفْظَةٍ لَا يَقْصِدُ بِهَا السَّبَّ وَالشَّتِيمَةَ،

ترجمہ

اور دوسری قسم طلاق کی کنایات ہیں۔ ان کے ساتھ صرف نیت یا دلالت حال کے سبب سے طلاق واقع ہوتی ہے۔ جب یہ نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ان کی بھی دو اقسام ہیں۔ ان میں سے تین الفاظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور صرف ایک ہی واقع ہوتی ہے اور وہ تین الفاظ یہ ہیں ''تو عدت میں بیٹھ جا'' ''تو اپنے رحم کو صاف کر'' ''اور تو اکیلی ہے'' اور باقی کنایات سے جب اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔ اگر تین کی نیت کی ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ جب دو کی نیت کی ہو تو ایک واقع ہوگی اور وہ الفاظ یہ ہے۔ ''تو مجھ سے جدا ہے' تیری مجھ سے قطع تعلقی ہے' تو حرام ہے' تجھے اپنا اختیار ہے' تو اپنے عزیزوں سے جا مل' تو بالکل چھوڑ دی گئی ہے' تو بالکل بری ہے' تجھے تیرے عزیزوں کو ہبہ کر دیا' تو آزاد ہے' چادر اوڑھ لے' پردہ کر لے' دور ہو جا' شوہروں کو ڈھونڈ' اب جب اس نے ان جیسے الفاظ سے طلاق کی نیت نہ کی تھی۔ تب تو طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن جب وہ دونوں طلاق کے ہی مذاکرہ میں تھے' تو ان الفاظ کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ چیز جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اس میں صرف نیت کرنے سے ہی طلاق واقع ہو جائے گی جب طلاق کے مذاکرہ میں نہ ہوں بلکہ غصے یا جھگڑے کی حالت میں ہوں تو ہر وہ لفظ جس سے گالی گلوچ مقصود نہ ہو۔ اس سے طلاق واقع ہو جائے گی مگر ہر وہ لفظ جس سے گالی

گلو چ مقصود ہو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

طلاق کنایہ کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کنایہ طلاق وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر نہ ہو طلاق کے علاوہ اور معنوں میں بھی اُن کا استعمال ہوتا ہو۔ کنایہ سے طلاق واقع ہونے میں یہ شرط ہے کہ نیت طلاق ہو یا حالت بتاتی ہو کہ طلاق مراد ہے یعنی پیشتر طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا۔ کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہیں۔ بعض میں سَوال رد کرنے کا احتمال ہے، بعض میں گالی کا احتمال ہے اور بعض میں نہ یہ ہے نہ وہ، بلکہ جواب کے لیے متعین ہیں۔ اگر رد کا احتمال ہے تو مطلقاً ہر حال میں نیت کی حاجت ہے بغیر نیتِ طلاق نہیں اور جن میں گالی کا احتمال ہے اُن سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اور طلاق کا ذکر تھا تو نیت کی ضرورت نہیں اور تیسری صورت یعنی جو فقط جواب ہو تو خوشی میں نیت ضروری ہے اور غضب و مذاکرہ کے وقت بغیر نیت بھی طلاق واقع ہے۔ (درمختار، کتاب طلاق، بیروت)

الفاظ کنایہ سے وقوع طلاق میں نیت کا اعتبار

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: دیگر جتنے بھی الفاظ کنایہ ہیں: ان میں اگر نیت موجود ہو تو بائنہ طلاق واقع ہوتی ہے اور ان کے بارے میں حکم یہ ہے: اگر شوہر نے ایک یا دو طلاقیں دینے کی نیت کی ہو تو ایک طلاق واقع ہوگی لیکن اگر شوہر نے تین طلاقیں دینے کی نیت کی ہو تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔

وہ الفاظ جن کے ذریعے بائنہ طلاق واقع ہو جاتی ہے اور کنایہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں ان کا ذکر مصنف نے عبارت میں کیا ہے جس کا ترجمہ دیکھا جا سکتا ہے۔

یہاں بھی مصنف نے وضاحت کی ہے: ان الفاظ کے ذریعے کیونکہ طلاق کا مفہوم بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور غیر طلاق کا مفہوم بھی مراد لیا جا سکتا ہے اس لیے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی موجودگی شرط ہوگی۔

یہاں مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: کنایہ کے طور پر طلاق کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ کے ذریعے طلاق اس وقت ثابت ہوتی ہے جب شوہر کی نیت ہو یا کلام کے دوران صورتحال ایسی ہو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ یہاں اس لفظ کے ذریعے طلاق کا مفہوم مراد لیا گیا ہے اور جب حالت ایسی ہو تو قضاء میں اس لفظ کے مطابق طلاق کا فیصلہ کر دیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان معاملے کے اعتبار سے طلاق کا حکم صرف اسی وقت دیا جا سکتا ہے جب مرد کی نیت موجود ہو۔

یہاں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے: جب میاں بیوی کے درمیان اس طرح کی صورتحال ہو کہ جہاں لفظ بول کر طلاق کا معنی لیا جا سکتا ہو تو کنایہ کے طور پر استعمال ہونے والے ان تمام الفاظ کا حکم یکساں ہوگا یعنی ان سے یکساں

طور پر طلاق کا مفہوم مرادلیا جاسکتا ہے' لیکن یہ حکم ان الفاظ کے لئے ہونا چاہئے جورد کیے جانے کے قابل نہیں ہوتے۔

طلاق کوکسی وصف کے موصوف کرنے کا بیان

وَإِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ وَبِضَرْبٍ مِنَ الزِّيَادَةِ وَالشِّدَّةِ كَانَ بَائِنًا مِثْلَ أَنْ يَقُولَ أَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ أَوْ طَالِقٌ أَشَدَّ الطَّلَاقِ أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ أَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ أَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ أَوْ كَالْجَبَلِ أَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى جُمْلَتِهَا أَوْ إِلَى مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ رَقَبَتُكِ طَالِقٌ أَوْ عُنُقُكِ أَوْ رُوحُكِ أَوْ جَسَدُكِ أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ وَكَذَا إِنْ طَلَّقَ جُزْءً ا شَائِعًا مِثْلَ أَنْ يَقُولَ نِصْفُكِ طَالِقٌ أَوْ ثُلُثُكِ وَإِنْ قَالَ يَدُكِ طَالِقٌ أَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ

ترجمہ

جب اس نے طلاق کوکسی زائدوصف کے ساتھ موصوف کر دیا تو طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی۔اس کی مثال یہ ہے وہ کہے کہ تو طلاق بائنہ والی ہے' تو بڑی سخت طلاق والی ہے۔تو بدترین طلاق والی ہے۔تجھ پر شیطان کی طلاق ہے۔تجھ پر بدعت کی طلاق ہے۔ یا تم پر پہاڑ جتنی یا گھر بھرنے کی سی طلاق ہے۔

جب اس نے طلاق کوعورت کے کل یا اس کے کسی ایسے عضو کی طرف جس سے کل تعبیر کیا جاسکتا ہے۔منسوب کر دیا تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی مثلاً یہ کہنا کہ تو طلاقن ہے یا تیری گردن کو یا تیری روح یا تیرے بدن کو یا تیرے جسم کو یا تیری شرمگاہ کو یا تیرے چہرے کو طلاق ہے۔یونہی جب جزءِ شائع کو طلاق دی مثلاً یو کہنا کہ تیرا نصف یا ثلث خصہ طلاق یافتہ ہے۔جب یہ کہا کہ تیرا ہاتھ تیرا پاؤں طلاق والا ہے' تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

طلاق کی نسبت بدنی اعضاء کی طرف کرنے کا فقہی بیان

اسی طرح اگر مرد یہ کہے: تمہاری گردن کو طلاق ہے تمہاری گدی' سر' روح' جسم' بدن' شرمگاہ' چہرے کو طلاق ہے۔یہ وہ الفاظ ہیں کہ عربی کے محاورے میں ان سے پورا جسم مرادلیا جاتا ہے۔اس کے بعد مصنف نے اس بات کی مثالیں پیش کی ہیں کہ عربی کے محاورے میں ان الفاظ کے ذریعے پورا وجود مرادلیا جاتا ہے۔جہاں تک لفظ جسم اور بدن کا تعلق ہے' تو اس کے ذریعے پورا وجود مراد لینا کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔

جہاں تک لفظ گردن اور گدی کا تعلق تو اس کے ذریعے پورا وجود مراد لینے کی دلیل اللہ تعالیٰ کے یہ فرمان ہے۔''تو ایک گدی (یعنی پورا غلام) آزاد کرنا''۔اسی طرح ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:''ان کی گردنیں (یعنی ان کے پورے وجود) جھکے ہوئے ہوں' فرج (یعنی شرمگاہ) بول کر پورا وجود مراد لینے کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:''اللہ تعالیٰ ان فروج (یعنی عورتوں کی شرمگاہ یعنی ان عورتوں) پر لعنت کرے جو زینوں پر رہتی ہیں''۔یعنی پردے کا خیال نہیں رکھتی ہیں۔لفظ سر یا چہرہ

بول کر پورا وجود مراد لینے کی دلیل عربی کا یہ محاورہ ہے فلان راس القوم (فلاں شخص اپنی قوم کا سر ہے) یعنی اس کا وجود پوری قوم کے لئے باعث افتخار ہے۔ فلان دلیل العرب (فلاں شخص عربوں کا چہرہ ہے) یعنی اس کا وجود عربوں کے لئے باعث افتخار ہے۔ لفظ ''روح'' کے ذریعے پورا وجود مراد لینے کی دلیل عربوں کا یہ مقولہ ہے: ہلک روحہ (اس کی روح یعنی اس کا پورا وجود ہلاک ہو گیا)

طلاق کو معلق کرنے کا بیان

وَإِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيقَةٍ أَوْ ثُلُثَ تَطْلِيقَةٍ كَانَتْ طَالِقًا وَاحِدًا وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَيَقَعُ الطَّلَاقُ إِذَا قَالَ نَوَيْتُ بِهِ الطَّلَاقَ وَيَقَعُ طَلَاقُ الْأَخْرَسِ بِالْإِشَارَةِ وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيبَ النِّكَاحِ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ لِأَجْنَبِيَّةٍ إِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَأَنْتِ طَالِقٌ أَوْ كُلُّ امْرَأَةٍ أَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيبَ الشَّرْطِ مِثْلَ أَنْ يَقُولَ لِامْرَأَتِهِ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَلَا يَصِحُّ إِضَافَةُ الطَّلَاقِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَالِفُ مَالِكًا أَوْ يُضِيفَهُ إِلَى مِلْكٍ، فَإِنْ قَالَ لِأَجْنَبِيَّةٍ إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تُطَلَّقْ،

ترجمہ

اور جب اس نے عورت کو نصف یا تہائی طلاق دی تو پوری طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور مجبور کیے گئے آدمی کی اور نشہ میں بے خود کی بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کسی نے کچھ کہہ کر پھر کہا میں نے اس سے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو طلاق ہو جائے گی۔ گونگے کی طلاق اس کا اشارہ ہے۔

جب کسی نے طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کیا تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہہ دینا کہ میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق ہے۔ یا یہ کہنا کہ جس عورت سے میں شادی کروں اسے طلاق ہے' اور جب کسی نے طلاق کو کسی شرط کی طرف منسوب کر دیا تو اس شرط کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ جب تو گھر میں داخل ہو' تو تجھے طلاق ہے' اور طلاق کی اضافت درست نہیں ہوتی ہاں البتہ جب تک قسم اٹھانے والا شخص طلاق کی ملکیت نہ رکھتا ہو' یا وہ اسے اپنی ملکیت کی طرف منسوب نہ کرے۔

پس جب اس نے کسی اجنبیہ سے کہا کہ جب تو گھر میں داخل ہو' تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے خود ہی اس اجنبیہ سے شادی کر لی اور وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسے طلاق نہیں ہو گی۔

• طلاق کا جز بھی مکمل طلاق ہے

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جزو طلاق بھی پوری طلاق ہے اگر چہ ایک طلاق کا ہزارواں حصہ ہو مثلاً کہا تجھے آدھی یا چوتھائی طلاق ہے تو پوری ایک طلاق پڑے گی کہ طلاق کے حصے نہیں ہو سکتے۔ اگر چند اجزا ذکر کیے جن کا مجموعہ ایک سے زیادہ نہ ہو تو ایک ہو گی اور ایک سے زیادہ ہو تو دوسری بھی پڑ جائے گی مثلاً کہا ایک طلاق کا نصف اور اس کی تہائی اور چوتھائی کہ نصف

اور تہائی اور چوتھائی کا مجموعہ ایک سے زیادہ ہے لہٰذا دو واقع ہوئیں اور اگر اجزا کا مجموعہ دو سے زیادہ ہے تو تین ہونگی۔ یونہی ڈیڑھ میں دو اور ڈھائی میں تین اور اگر دو طلاق کے تین نصف کہے تو تین ہونگی اور ایک طلاق کے تین نصف میں دو اور اگر کہا ایک سے دو تک تو ایک، اور ایک سے تین تک تو دو۔ (درمختار، کتاب طلاق)

اطلاق طلاق میں عدم تجزی کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو آدھی یا ایک تہائی طلاق دیدے تو عورت کو ایک پوری طلاق ہو جائے گی۔ مصنف نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے: طلاق کو اجزاء میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور جس چیز کی یہ حیثیت ہو کہ اجزاء میں تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو اس کے کسی جزء کو ذکر کرنا اس کے پورے وجود کو ذکر کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص عورت کو دو طلاقوں کے تین حصے کر کے طلاق دے تو اس کے نتیجے میں عورت کو تین طلاقیں ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے: دو طلاقوں کا ایک حصہ ایک طلاق شمار ہوگا تو جب تین حصے ہوں گے تو لازمی طور پر عورت کو تین طلاقیں ہو جائیں گی۔

اگر شوہر نے بیوی کو ایک طلاق کے تین حصے کر کے دی ہو تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق دو طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ ایک طلاق کے تین حصے کرنے کا مطلب یہ ہے: وہ مذکورہ طلاق بن رہی ہے تو یہاں دوسری طلاق کا نصف حصہ ہے اس لئے دو طلاقیں مکمل شمار ہو جائیں گی۔ دوسرا قول یہ ہے: اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اس کی دلیل یہ ہے: شوہر نے ایک طلاق کے تین نصف یعنی تین حصے کئے ہیں اور ہر حصہ چونکہ اپنی الگ حیثیت رکھتا ہے اسی لئے تین حصے ہونے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

اکراہ کی صورت میں وقوع طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

اس تحریر میں مجبوری کی طلاق کو موضوع بحث بنانے کا مقصد اس قضیے کا حل ہے کہ ایسی طلاق وقوع پذیر ہوتی ہے یا نہیں؟

امام مالک علیہ الرحمہ، شافعی، احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک ایسی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہی قول عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، ابن عمر، ابن زبیر، ابن عباس اور دیگر کثیر جماعت کا ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین نے اس طلاق کے وقوع کا موقف اختیار کیا ہے اور یہی موقف شعبی نخعی اور ثوری کا بھی ہے۔ (الکفایۃ والعنایۃ: ۳۴۴۳)

سبب اختلاف یہ ہے کہ مجبور کیا جانے والا مختار ہے یا نہیں؟ کیونکہ طلاق کے الفاظ بولنے والے کا ارادہ تو طلاق دینے کا نہیں ہوتا اور وہ تو اپنے لئے دو برائیوں میں سے کم تر برائی کو اختیار کر رہا ہوتا ہے اور وہ مجبور کرنے والے کی وعید سے بچنے کے لیے طلاق دینے کو اختیار کر لیتا ہے۔

حالت نشہ کی طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں شراب یا کوئی بھی نشہ آور چیز پی کر اس طرح بدمست ہو جائے

کہ مرد وعورت کا امتیاز بھی باقی نہ رہے اور زمین آسمان کا فرق بھی نہ کر سکے۔۔ اگر شراب یا دوسری حرام چیزیں افیون، بھنگ وغیرہ کے پینے سے عقل زائل ہو جائے اور وہ شخص نشہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب، حضرت عطاء، حضرت حسن بصری، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ابن سیرین، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہم وغیرھم کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ، حضرت اوزاعی، اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی کے قائل ہیں۔۔ البتہ حضرت قاسم بن محمد، حضرت طاؤس، حضرت ربیعہ بن عبدالرحمٰن، حضرت لیث، حضرت زفر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کی طلاق واقعہ نہیں ہوتی ہے، صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان غنی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ حنفیہ میں سے حضرت امام طحاوی اور حضرت امام کرخی کے نزدیک بھی ایسے شخص کی طلاق واقعہ نہیں ہوتی ہے۔ (فتح القدیر ج۳، ص ۳۴۵، بیروت۔ البحر الرائق)

گونگے کے اشارے یا کتابت سے وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "طلاق کے الفاظ کے بغیر صرف دو جگہوں پر طلاق واقع ہوگی ایک تو یہ کہ: جو شخص کلام کی استطاعت نہ رکھتا ہو، مثلاً گونگا جب اشارہ سے طلاق دے دے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور اصحاب الدلیل کا یہی قول ہے، ان کے علاوہ ہم کسی کا اختلاف نہیں جانتے۔

دوسری جگہ: جب طلاق کے الفاظ لکھے اگر تو اس نے طلاق کی نیت کی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، امام شعبی اور نخعی، زہری، حکم، اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، امام مالک علیہ الرحمہ کا یہی قول ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بیان کردہ ہے۔ لیکن اگر وہ طلاق کی نیت کیے بغیر طلاق لکھتا تو بعض علماء کرام جن میں شعبی، نخعی اور زہری، حکم شامل ہیں کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، امام مالک علیہ الرحمہ کا یہی قول ہے، اور امام شافعی سے منصوص ہے؛ کیونکہ کتاب میں احتمال پایا جاتا ہے، کیونکہ اس سے قلم کا تجربہ بھی ہو سکتا ہے، اور یہ خوشخطی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اور بغیر نیت کے گھر والوں کے غم کے لیے بھی۔ (المغنی ابن قدامہ (373/7)

اور مطالب اولی النھی میں درج ہے: "اگر طلاق لکھنے والا کہے کہ میں نے تو یہ کلمات خوشخطی کے لیے لکھے تھے، یا پھر اس سے میں اپنے گھر والوں کو پریشان کرنا چاہتا تھا، تو اس کی بات قبول کی جائے گی؛ کیونکہ وہ اپنی نیت کو زیادہ جانتا ہے، اور اس نے جو نیت کی تھی طلاق کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی محتمل ہے۔

جب وہ اپنی بیوی کو پریشان کرنا چاہتا ہو اور حقیقت میں نہیں بلکہ طلاق کا وہم دلانا چاہتا ہو تو اس سے طلاق کی نیت والا نہیں بن جائے گا۔ (مطالب اولی النھی (346/5)

طلاق کو نکاح سے قبل معلق کرنے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی

مالک ہونے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جا سکتا اور پے در پے کے روزے یعنی رات کو افطار کیے بغیر مسلسل وپیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے (یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا یعنی جس کے ماں باپ نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا ڈھائی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یا یہ کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے)۔ (شرح السنۃ)

اس روایت میں چند اصولی باتوں کو ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دراصل نکاح کا جزء ہے کہ اگر نکاح کا وجود پایا جائے گا تو اس پر طلاق کا اثر بھی مرتب ہوگا اور جب سرے سے نکاح ہی نہیں ہوگا تو طلاق کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ غلام جب تک اپنی ملکیت میں نہ آ جائے اس کو آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوں گے، اگر کوئی شخص کسی ایسے غلام کو آزاد کردے جس کا وہ ابھی تک مالک نہیں بنا ہے تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔

اس اعتبار سے یہ حدیث حضرت امام شافعی اور امام احمد کے مسلک کی دلیل ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح سے پہلے طلاق کی اضافت سبب ملک کی طرف کرے تو درست ہے مثلاً زید کسی اجنبی عورت سے یوں کہے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم پر طلاق ہے یا یہ کہے کہ میں جس عورت سے بھی) نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو اس صورت میں اگر زید اس عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کے وقت اس پر طلاق پڑ جائے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص آزادی کی اضافت ملک کی طرف کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر میں اس غلام کا مالک بنوں تو یہ آزاد ہے یا یہ کہے کہ میں جس غلام کا مالک بنوں وہ آزاد ہے تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔

لہٰذا یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک نفی تـنـجـیـز پر محمول ہے یعنی اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طلاق کا کبھی بھی) کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس لحہ اس نے طلاق دی ہے اس لحہ طلاق نہیں یقیناً اس طرح اس حدیث سے طلاق کی تعلیق کی نفی نہیں ہوتی۔ ایک بات یہ فرمائی گئی ہے کہ دن بھر چپ رہنا نا جائز یا لا حاصل ہے اس ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور دن بھر چپ رہنا تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ ہماری امت میں یہ درست نہیں ہے کہ اس کی دلیل سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا ہاں اپنی زبان کو لایعنی کلام اور بری باتوں میں مشغولیت کے بجائے یقیناً یہ زیادہ بہتر ہے کہ اپنی زبان کو ہر وقت خاموش رکھا جائے۔

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد حضرت شعیب سے اور حضرت شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کی نذر اس چیز میں صحیح نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز یعنی لونڈی

وغلام کو آزاد کرنا بھی صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز عورت کو طلاق دینا بھی درست نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے (ترمذی، ابوداؤد)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ سلف کی ایک بڑی جماعت نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو گیا ہو اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے پس معلوم ہوا ہے کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے نہ وہ واقع ہوتی ہے۔

امام شافعی اور امام احمد اور بہت بڑی جماعت سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے۔ تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی۔ پھر مالک اور ابوحنیفہ میں اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اس پر طلاق ہے۔

تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کہتے ہیں پس وہ جس سے نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی کیونکہ ابن عباس سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا اس عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے۔ پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ مسند احمد ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ابن آدم جس کا مالک نہ ہو اس میں طلاق نہیں۔ اور حدیث میں ہے جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو وہ کسی شمار میں نہیں۔ (ابن ماجہ)

طلاق معلق کے وقوع میں اجماع مذاہب اربعہ

اب ان دونوں زمانوں کے بعد والے حضرات کو لیجئے ان کے مذاہب مشہور و معروف ہیں، اور وہ سب اس قول کی صحت کی شہادت دیتے ہیں، مثلاً: امام ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوعبید، ابوثور، ابن المنذر، ابن جریر، ان میں سے کسی کا بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں۔ اور ابن تیمیہ کو کسی تابعی کی طرف عدم وقوع کا فتویٰ منسوب کرنے کی قدرت نہ ہوئی، البتہ ابن حزم کی پیروی میں انہوں نے طاؤس کی طرف اس کو منسوب کیا ہے، مگر ابن حزم خود طاؤس سے اس کی روایت کرنے میں غلطی پر ہیں، اور ان کی پیروی کرنے والا ان سے بڑھ کر غلطی پر ہے۔ طاؤس کا فتویٰ مکرہ کے بارے میں ہے، جیسا کہ خود مصنف عبدالرزاق سے ظاہر ہوتا ہے، اور اسی کی طرف ابن حزم اس روایت کو منسوب کرتے ہیں، اور سنن سعید اور مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں طاؤس کا یہ فتویٰ بہ سند صحیح موجود ہے کہ ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (مقالہ، شیخ حسن الکوثری)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر شوہر طلاق کی نسبت کسی شرط کی طرف کرتا ہے تو اس شرط کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔ مصنف نے اس کی مثال دیتے ہوئے یہ بات بیان کی ہے: کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں طلاق ہے تو وہ عورت جیسے ہی گھر میں داخل ہوگی اس عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ اس بات پر اتفاق ہے اس کی دلیل یہ ہے۔

جس وقت شوہر نے بیوی سے یہ کہا: اس وقت عورت اس کی بیوی تھی' شوہر کی ملکیت زمانہ حال میں موجود تھی اور ظاہر بھی یہ ہو رہا تھا کہ شرط کے پائے جانے تک اس کی ملکیت برقرار رہے گی' اس لئے مشروط کرنے کے اعتبار سے اور طلاق واقع کرنے کے اعتبار سے یہ عمل درست ہوگا۔

طلاق کی خبر وحکایت کے محل کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔اور اگر خاوند نے اپنی بیوی کے ساتھ اجنبی عورت کو ملا کر کہا تم دونوں میں سے ایک کو طلاق، یا یوں کہا اس کو یا اس کو طلاق ہے، تو اس کی بیوی کو بغیر نیت کے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اجنبی عورت اگر چہ انشاءِ طلاق کے محل نہیں لیکن طلاق کی خبر وحکایت کا محل ہے جبکہ خاوند کا کلام حقیقۃً خبر ہے، ہاں اگر یوں کہے میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی، تو بیوی کو نیت کے بغیر طلاق ہو جائے گی، اس کو مبسوط کے طلاق میں ذکر کیا ہے۔یہ تو ایسا ہوا جیسے اپنی عورت اور ایک اجنبیہ کو ملا کر کہا میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی خواہی نخواہی اس کی عورت ہی پر طلاق پڑے گی اجنبیہ کی طرف پھیرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا کہ اسے طلاق دینا اس کے قابو میں نہ تھا، (عالم گیری، ج۱، ص۳۶۳، نورانی کتب خانہ پشاور)

الفاظ شرط کے ساتھ طلاق دینے کا بیان

وَأَلْفَاظُ الشَّرْطِ إِنْ وَإِذَا وَإِذَا مَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتَى وَمَتَى مَا وَكُلُّ هَذِهِ الشُّرُوطِ إِذَا وُجِدَتْ انْحَلَّتْ الْيَمِينُ إِلَّا فِي كُلَّمَا فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِ الشَّرْطِ حَتَّى يَقَعَ ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذَلِكَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِينِ لَا يُبْطِلُهَا فَإِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ وَهِيَ فِي مِلْكِهِ انْحَلَّتْ الْيَمِينُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَإِنْ وُجِدَ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ انْحَلَّتْ الْيَمِينُ وَلَمْ يَقَعْ شَيْءٌ وَإِذَا اخْتَلَفَا فِي وُجُودِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ إِلَّا أَنْ تُقِيمَ الْمَرْأَةُ بَيِّنَةً

ترجمہ

اور شرط کے الفاظ اِن' اذا' اذا ما' کل' کلما' متی اور متی ما ہیں۔پس ان تمام الفاظ میں جب شرط پائی گئی اور قسم پوری ہوگئی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔کلی کے لفظ کے علاوہ کہ اس میں شرط کے مکرر ہونے سے طلاق بھی مکرر ہوگی یہاں تک کہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں۔اب جب اس کے بعد اس نے پھر اس عورت سے شادی کر لی پھر شرط مکرر ہوئی۔تو اب کچھ بھی واقع نہ ہوگا۔اور یمین کے بعد ملک کا زائل ہو جانا یمین کو باطل نہیں کرتا۔جب ملک میں شرط پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی لیکن جب شرط ملک کے علاوہ میں پائی گئی تو قسم تو پوری ہو جائے گی۔مگر طلاق واقع نہیں ہوگی جب زوجین وجود شرط میں اختلاف کریں تو عورت کے گواہی قائم کر دینے کے علاوہ شوہر کی بات کا اعتبار ہوگا۔

لفظ ''ان'' تراخی کے لئے بھی آتا ہے

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ لفظ "ان" تراخی کیلئے استعمال ہے مگر جہاں فور کا قرینہ پایا جائے تو تراخی مراد نہ ہوگی، اسی فور پر قرینہ کی مثال یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کے لئے طلب کیا تو بیوی کے انکار پر خاوند نے کہا تو میرے کمرے میں داخل نہ ہوئی تو طلاق ہے۔ تو فوراً داخل نہ ہوئی بلکہ خاوند کی شہوت وخواہش ختم ہونے کے بعد داخل ہوئی تو طلاق ہوجائے گی۔

(درمختار، باب یمین، ج ۱، ص ۲۹۹، دہلی)

شیخ شمس الدین تمرتاشی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ عربی شرط کے الفاظ یہ ہیں: ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متی، متی ما، ان تمام الفاظ کی شرط جب پائی جائے تو قسم ختم ہوجائے گی ماسوائے لفظ "کلما" کیونکہ اس میں شرط تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی۔ مگر اتنا ہوگا کہ عورت پر صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا کہ ایک تو نکاح پیش میں پڑ چکی اب اگر بھی دو طلاقیں دے گا مغلظہ ہوجائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ذی علم کے سامنے تذکرہ کرے کہ میں نے یوں حلف کرلیا ہے کہ مجھے نکاح فضولی کی حاجت ہے یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی شخص بے میری توکیل کے بطور خود میرا نکاح اس سے کردے تا ذی علم مذکور خود یا کسی اور اسے کہہ کر عورت کا نکاح اس سے کردے جب اس شخص کو نکاح کی خبر پہنچے یہ زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ کوئی فعل ایسا کرے جس سے اس نکاح موقوف کی اجازت ہوجائے، مثلاً عورت کو مہر بھیج دے یا لوگوں کی مبارکباد قبول کرے کہ اس صورت میں نکاح ہوجائے گا اور طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی۔ (تنویر الابصار بتصرف، باب تعلیق)

شرط کا جہت عورت ہونے کا بیان

فَإِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ إِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا فِي حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلَ أَنْ يَقُولَ إِذَا حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طَلُقَتْ وَإِذَا قَالَ إِنْ حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةُ مَعَكِ فَقَالَتْ حِضْتُ طَلُقَتْ هِيَ وَلَمْ تَطْلُقْ فُلَانَةُ وَإِذَا قَالَ لَهَا إِذَا حِضْتِ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَرَأَتْ الدَّمَ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى يَسْتَمِرَّ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ حَكَمْنَا بِالطَّلَاقِ مِنْ حِينِ حَاضَتْ وَإِذَا قَالَ لَهَا إِنْ حِضْتِ حَيْضَةً فَأَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضَتِهَا .

ترجمہ

پس جب شرط صرف عورت کی طرف سے ہی معلوم ہوسکتی ہو تو اس کے حق میں اس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ مثلاً یہ کہنا کہ جب تجھے حیض آ گیا تو تجھے طلاق ہے عورت نے کہا کہ مجھے حیض آ گیا ہے۔ تو اسے طلاق ہوجائے گی۔ جب یہ کہا کہ جب تجھے حیض آئے' تو تجھے طلاق ہے' اور تیرے ساتھ فلاں عورت کو بھی اس نے کہہ دیا کہ مجھے حیض آ گیا تو اس عورت کو تو طلاق ہو جائے گی۔ مگر اس دوسری عورت کو طلاق نہ ہوگی۔ جب کسی نے عورت سے کہا جب تجھے حیض آ جائے' تو تجھے طلاق ہے۔ اس نے خون دیکھ لیا تو اسے طلاق نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ خون تین دن تک جاری رہے جب تین دن پورے ہوں گے' تو ہم طلاق

واقع ہونے کا حکم لگا دیں گے اور یہ حکم اس کے حائضہ ہونے کے وقت سے جاری ہوگا۔ جب کسی نے اپنی عورت سے کہا کہ جب تجھے ایک حیض آ جائے تو تجھے طلاق ہے۔ تو جب تک وہ حیض سے پاک نہ ہو جائے اسے طلاق نہ ہوگی۔

باندی کے لئے دو طلاقوں کے ہونے کا بیان

وَطَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا وَإِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا ثَلَاثًا وَقَعْنَ عَلَيْهَا فَإِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْأُولَى وَلَمْ تَقَعْ الثَّانِيَةُ وَإِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ وَإِنْ قَالَ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ وَإِنْ قَالَ وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ وَإِنْ قَالَ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ يَقَعُ ثِنْتَانِ وَإِنْ قَالَ لَهَا إِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتْ الدَّارَ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

ترجمہ

اور لونڈی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں۔ اس کا شوہر چاہے آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں۔ اس کا شوہر چاہے آزاد ہو یا غلام ہو۔ اس بات کا اعتبار نہیں۔

طلاق بائنہ ہوگئی

جب کسی نے اپنی بیوی کو جماع سے قبل ہی تین طلاقیں دے دیں تو وہ واقع ہو جائیں گی اور جب علیحدہ علیحدہ دیں تو پھر پہلی سے طلاق بائنہ ہوگی۔ جب کہ دوسری اور تیسری واقع نہیں ہوگی۔ جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھے ایک طلاق ہے اور اس پر ایک تو اس پر صرف ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ جب کہا کہ ایک سے پہلے ایک طلاق ہے تو بھی ایک واقع ہوگی۔ جب کہے ایسی ایک طلاق ہے کہ اس سے قبل بھی ایک ہے تو اب دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ جب کہے کہ ایک کے بعد ایک طلاق ہے۔ یا ایک ساتھ یا اس کے ساتھ ایک ہے تو بھی دو واقع ہوں گی۔ جب کہے کہ جب تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک اور طلاق ہے۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر ایک طلاق واقع ہوگی۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو واقع ہوں گی۔

باندی کے لئے دو طلاق ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ہم کو اس حدیث کی خبر ابو عاصم نے دی اور انہوں نے مظاہر سے روایت کی اس باب میں عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے حدیث عائشہ غریب ہے ہم اسے صرف مظاہر بن اسلم کی روایت سے

مرفوع جانتے ہیں اوران کی اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں۔علماء صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسی حدیث پرعمل ہے سفیان،ثوری، شافعی، احمد، اوراسحاق کا یہی قول ہے۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر1192)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا باندی کی طلاقیں دو ہیں اوراس کے قرو دوحیض ہیں ابوعاصم کہتے ہیں کہ مظاہر نے حدیث قاسم حضرت عائشہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا مگراس میں (بجائے قروھا حیضتان کے) وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ ہےابوداؤد نے کہا یہ حدیث مجہول ہے۔سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر426

امام ابن ابی شیبہ،عبد بن حمید، ابن جریراورابن منذر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے خاوند والی عورت تجھ پر حرام ہے لیکن جسے تواپنے مال سے خریدے۔وہ کہا کرتے تھے کہ لونڈی کو بیچنااس کی طلاق ہے۔(تفسیر درمنثور)۔

امام ابن جریر نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب لونڈی کو بیچ دیا جائے جبکہ اس کا خاوند بھی ہوتواس کا آقا اس کے بضعہ (وطی کا محل) کا زیادہ حقدار ہے۔(تفسیر طبری، روایت7139)

امام ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے لونڈی کی طلاق کی چھ صورتیں ہیں (مالک کا) اس کو بیچنااس کی طلاق ہے،اس کوآزاد کرنااس کی طلاق ہے، (مالک کا) اس کو (اپنے باپ یا بھائی کو) ہبہ کرنا (تحفتًا دے دینا) اسکی طلاق ہے،اس کی برات اس کی طلاق ہے،اس کے خاوند کی طلاق اس کوطلاق ہے۔(تفسیر طبری روایت7135)

طلاق کوشہر مکہ سے معلق کرنے کا بیان

وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ فِي مَكَّةَ طَلُقَتْ فِي جَمِيعِ الْبِلَادِ وَكَذَا إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ فِي الدَّارِ وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ إِذَا دَخَلْتِ مَكَّةَ لَمْ تَطْلُقْ حَتَّى تَدْخُلَ مَكَّةَ وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ

ترجمہ

جب کہے کہ تجھے مکہ میں طلاق ہے' تو فوراً ہر شہر میں طلاق واقع ہوجائے گی۔یونہی جب کہے کہ تجھے گھر میں طلاق ہے۔تو جب تک وہ مکہ میں داخل نہ ہوگی اسے طلاق نہیں ہوگی۔جب کہے کہ تجھے کل طلاق ہے۔تو فجر ثانی کے طلوع کے ساتھ ہی اس پرطلاق واقع ہوجائے گی۔

طلاق کوبیوی کے حوالے کردینے کا بیان

وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ اخْتَارِي نَفْسَكِ يَنْوِي بِذَلِكَ الطَّلَاقَ أَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَا دَامَتْ فِي مَجْلِسِهَا ذَلِكَ فَإِنْ قَامَتْ مِنْهُ أَوْ أَخَذَتْ فِي عَمَلٍ آخَرَ خَرَجَ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا فَإِنْ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِي قَوْلِهِ اخْتَارِي نَفْسَكِ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَلَا يَكُونُ ثَلَاثًا وَإِنْ نَوَى الزَّوْجُ

ذَلِكَ وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِي كَلَامِهِ أَوْ كَلَامِهَا مَا دَامَتْ فِي مَجْلِسِهَا فَإِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا فِي قَوْلِهِ طَلِّقِي نَفْسَكِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ فَإِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَقَدْ أَرَادَ الزَّوْجُ ذَلِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا وَإِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ مَتَى شِئْتِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ

ترجمہ

جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو اختیار کر لے اور اس سے اس نے طلاق کی نیت کی یا کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے۔تو وہ اس مجلس میں رہنے تک اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔جب وہ اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یا کسی اور کام میں مصروف ہوگئی تو اس طرح وہ اختیار اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔اب جب اس نے شوہر کے قول ''اپنے آپ کو اختیار کر لے'' میں اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔تین طلاقیں نہیں ہوں گی شوہر نے جبکہ اس سے تین کی ہی نیت کی ہو اور لفظ نفس کا مرد یا عورت سے کلام میں مذکور ہونا ضروری ہے' اور جب عورت نے اس کے قول کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے' میں اپنے آپ کو طلاق دے لی۔تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔اگر اس نے تین طلاقیں ہی دے لیں اور شوہر نے بھی ان کی نیت کر لی۔تو تینوں واقع ہوجائیں گی جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا تو جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے' تو وہ اس مجلس میں اور اس کے بعد بھی اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔

عورت کو اختیار طلاق دینے سے متعلق احادیث وآثار

(۱) امام مالک علیہ الرحمہ علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں۔کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور بولا میں نے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دیا تھا اس نے اپنے آپ کو تین طلاق دے لی اب کیا کہتے ہو ابن عمر نے کہا کہ طلاق پڑ گئی وہ شخص بولا ایسا تو مت کرو ابن عمر و نے کہا میں نے کیا کیا تو نے اپنے آپ کیا۔(موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1038)

(۲) قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ایک شخص ثقفی نے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دیا اس نے اپنے تئیں ایک طلاق دی یہ چپ ہو رہا پھر اس نے دوسری طلاق دی اس نے کہا تیرے منہ میں پتھر اس نے تیسری طلاق دی اس نے کہا تیرے منہ میں پتھر پھر دونوں لڑتے ہوئے مروان کے پاس آئے مروان نے اس بات کی قسم لی کہ میں نے ایک طلاق کا اختیار دیا تھا اس کے بعد وہ عورت اس کے حوالے کر دی۔کہا مالک نے عبدالرحمن کہتے تھے کہ قاسم بن محمد اس فیصلہ کو پسند کرتے تھے اور مجھے بھی بہت پسند ہے۔

(موطا امام مالک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1041)

سپرد اختیار کی طلاق میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیدیا تھا کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت وآسائش کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر چھوڑ دوں اور اگر تم خدا، خدا کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہو تو پھر جان لو کہ

تمہارے لئے خدا کے ہاں بے شمار اجرعظیم ثواب ہے) چنانچہ ہم نے دنیا اور دنیا کی زینت وآسائش کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار کو ہمارے لئے طلاق کی اقسام میں کوئی قسم جیسے ایک ایک طلاق یا دو طلاق یا رجعی یا بائن) کچھ بھی اختیار نہیں کیا (بخاری ومشکوۃ شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اپنے نفس کو اختیار کرلو یا مجھے اختیار کرلو اور پھر بیوی خاوند کو اختیار کرلے تو اس سے کسی طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ لیکن اگر بیوی اپنے نفس کو اختیار کرلے تو اس صورت میں حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے نزدیک طلاق رجعی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق بائن اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

منقول ہے کہ صحابہ میں سے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ دلیلہ اس بات کے قائل تھے کہ بیوی کو شوہر کے محض اختیار دے دینے ہی سے طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ اپنے شوہر ہی کو کیوں نہ اختیار کرلے۔

اور حضرت زید ابن ثابت اس بات کے قائل تھے کہ طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ نے ان دونوں ہی کے اقوال کی تردید میں یہ حدیث بیان کر کے گویا یہ واضح کر دیا کہ شوہر کے محض اختیار دینے سے کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

کسی دوسرے طلاق دینے کا حکم دینے کا بیان

وَإِنْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقْ امْرَأَتِي فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ وَإِنْ قَالَ طَلِّقْهَا إِنْ شِئْتَ فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً وَإِنْ قَالَ لَهَا إِنْ كُنْتِ تُحِبِّينِي أَوْ تُبْغِضِينِي فَأَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ أَنَا أُحِبُّكَ أَوْ أُبْغِضُكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَإِنْ كَانَ فِي قَلْبِهَا بِخِلَافِ مَا أَظْهَرَتْ وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْ مِنْهُ وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مُتَّصِلًا لَمْ يَقَعْ الطَّلَاقُ وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا إِلَّا وَاحِدَةً طَلُقَتْ اثْنَتَيْنِ وَإِنْ قَالَ ثَلَاثًا إِلَّا اثْنَتَيْنِ طَلُقَتْ وَاحِدَةً وَإِذَا مَلَكَ الزَّوْجُ امْرَأَتَهُ أَوْ شِقْصًا مِنْهَا أَوْ مَلَكَتْ امْرَأَةٌ زَوْجَهَا أَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا

ترجمہ

جب کسی اور سے کہا کہ تو میری بیوی کو طلاق دے دے۔ تو وہ اس مجلس میں بھی اور اس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔ اگر کسی سے کہا کہ جب تو چاہے تو اسے طلاق دے دے تو اس صورت میں وہ صرف اس مجلس میں ہی طلاق دے سکتا ہے جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تو مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق ہے۔ اس نے کہا کہ میں تجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ جبکہ جو اس نے ظاہر کیا ہے اس کے دل میں اس کے خلاف ہی ہو جب کسی نے حالت مرگ میں اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی اور وہ عورت ابھی اس کی عدت میں ہی تھی کہ وہ فوت ہو گیا تو وہ عورت اس کی وارث ہوگی۔ جب عدت گزرنے

کے بعد فوت ہوا تو وہ عورت اس کی وارث نہ ہوگی۔ جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے۔ انشاء اللہ اور انشاء اللہ بالکل متصل ہی کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جب بیوی سے کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک تو اس طرح سے دو طلاقیں واقع ہوگی۔ جب کہا تین ہیں مگر تین تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ جب شوہر بیوی کا یا اس کے کچھ حصہ کا یا بیوی شوہر کی یا اس کے کچھ حصہ کی مالک ہو جائے تو ان کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔

ان شاء اللہ کے ساتھ طلاق کہنے میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اگر کہے: "ان شاء اللہ تمہیں طلاق" تو اسے طلاق ہو جائے گی، امام احمد رحمہ اللہ نے یہی بیان کیا ہے، اور ایک جماعت کی روایت ہے: ان کا کہنا ہے: یہ قسم میں شامل نہیں سعید بن مسیب اور حسن اور مکحول اور قتادہ اور زہری ،امام مالک اور لیث اور اوزاعی اور ابو عبید کا بھی یہی کہنا ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ سے جو یہ مروی ہے جو طلاق واقع نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے یہ طاؤس اور حکم اور ابو حنیفہ اور شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، کیونکہ اس نے مشیت پر معلق کیا ہے جس کی حدود اور وجود کا علم نہیں، اس لیے یہ طلاق واقع نہیں ہوگی، بالکل اسی طرح اگر وہ زید کی مشیت پر اسے معلق کرے۔ (المغنی (357/7)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ استثنا میں یہ شرط نہیں کہ بالقصد کہا ہو بلکہ بلاقصد زبان سے نکل گیا جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی، بلکہ اگر اُس کے معنے بھی نہ جانتا ہو جب بھی واقع نہ ہوگی اور یہ بھی شرط نہیں کہ لفظ طلاق و استثنا دونوں بولے، بلکہ اگر زبان سے طلاق کا لفظ کہا اور فوراً لفظ ان شاء اللہ لکھ دیا یا طلاق لکھی اور زبان سے انشاء اللہ کہہ دیا جب بھی طلاق واقع نہ ہوئی یا دونوں کو لکھا پھر لفظ استثنا مٹا دیا طلاق واقع نہ ہوئی۔ (در مختار، باب تعلیق، ج ۴، ص ۶۱۹، بیروت)

استثنا اگر اصل پر زیادہ ہو تو باطل ہے مثلاً کہا تجھ پر تین طلاقیں مگر چار یا پانچ، تو تین واقع ہوں گی۔ یونہی جز و طلاق کا استثنا بھی باطل ہے مثلاً کہا تجھ پر تین طلاقیں مگر نصف تو تین واقع ہوں گی اور تین میں سے ڈیڑھ کا استثنا کیا تو دو واقع ہوں گی۔

(عالم گیری کتاب طلاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تجھ کو طلاق ہے مگر ایک، تو دو واقع ہوں گی کہ ایک سے ایک کا استثنا تو ہو نہیں سکتا لہٰذا طلاق سے تین طلاقیں مراد ہیں۔ چند استثنا جمع کیے تو اس کی دو صورتیں ہیں، اُن کے درمیان "اور" کا لفظ ہے تو ہر ایک اُسی اول کلام سے استثنا ہے مثلاً تجھ پر دس طلاقیں ہیں مگر پانچ اور مگر تین اور مگر ایک، تو ایک ہوگی اور اگر درمیان میں "اور" کا لفظ نہیں تو ہر ایک اپنے ماقبل سے استثنا ہے، مثلاً تجھ پر دس طلاقیں مگر نو مگر آٹھ مگر سات، تو دو ہوں گی۔

(در مختار، کتاب طلاق)

مطلقہ کی وراثت میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق والی عورت کی تین حالتیں ہیں: 1 یا تو اسے رجعی طلاق ہوگی مثلاً پہلی یا

دوسری طلاق والی عورت. اس لیے اگر بیوی کی عدت میں خاوند فوت ہو جائے تو علماء کا اجماع ہے کہ وہ اپنے خاوند کی وارث بنیگی، اس لیے کہ طلاق رجعی والی عورت اس وقت تک بیوی ہے جب تک وہ عدت میں ہے، اور جب اس کی عدت تین ماہ گزر جائے تو وہ وارث نہیں ہوگی، کیونکہ طلاق دینے والے خاوند سے عدت گزرنے کے بعد وہ اجنبی عورت بن گئی ہے۔

2 طلاق بائن ہو، مثلاً تیسری طلاق والی عورت: اور طلاق خاوند کی صحت کی حالت میں ہو. اگر اس کا خاوند فوت ہو گیا تو علماء کے اجماع کے مطابق وہ وارث نہیں بنے گی، کیونکہ اس کا اپنے طلاق دینے والے خاوند سے تعلق ختم ہو چکا ہے۔

طلاق بائن ہو مثلاً تیسری طلاق والی عورت: اور یہ طلاق خاوند کی مرض الموت میں ہو اور خاوند پر تہمت ہو کہ اس نے طلاق اس لیے دی تا کہ وہ اسے وراثت سے محروم کر سکے تو اس حالت میں بیوی کے وارث ہونے میں علماء کرام اختلاف کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ وہ وارث نہیں بنے گی۔ اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ جب تک عدت میں ہے وارث ہوگی. اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے شادی نہیں کرتی اس وقت تک وارث بنیگی، تا کہ خاوند کے مقصد کے خلاف معاملہ کیا جائے۔ (المغنی (9/194-196))

اثبات کے بعد نفی سے انتفائے حکم میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر مرد نے یہ کہا: تمہیں ایک طلاق ہے یا نہیں ہے' تو کچھ واقع نہیں ہوگا۔ مصنف فرماتے ہیں: ''الجامع الصغیر'' میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور اس میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہی ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق' جو امام ابو یوسف کا پہلا قول ہے' اس صورت میں ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ''کتاب الطلاق'' میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے' جب مرد بیوی سے یہ کہے: تمہیں ایک طلاق ہے یا کچھ نہیں ہے' اور فقہاء احناف کے مطابق اور اسی طرح ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جب اس نے اثبات کے بعد نفی کر دی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اسی پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ (فتح القدیر، بتصرف، ج ۸، ص ۹۸، بیروت)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں مسائل میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جب کسی شخص نے کہا تجھے ایک طلاق ہے یا نہیں اور دوسرا مسئلہ جب کسی کو طلاق میں شک ہو جائے دونوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۴۴، بیروت)

نکاح ثانی کے ساتھ آنے والی کے لئے حق طلاق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جب اس کی بیوی بائن ہو جائے، اور پھر اس نے اسی عورت سے شادی کر لی تو اس کی تین حالتیں ہیں: پہلی حالت: وہ اسے تین طلاقیں دے دے، اور وہ عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرے اور وہ اسے چھوڑ دے پھر پہلا خاوند اس سے شادی کر لے تو بالاجماع یہ عورت تین طلاق میں واپس آئیگی یعنی اسے تین طلاق دینے کا حق ہوگا، ابن منذر کا قول یہی ہے۔ دوسری حالت: اسے تین کی بجائے ایک یا دو طلاق دی ہوں، اور خاوند اپنی بیوی

سے رجوع کرلے، یا پھر دوسرے خاوند سے قبل وہ دوبارہ نکاح کرلے تو جتنی طلاق باقی ہونگی اس میں ہی وہ عورت واپس آئیگی، ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں. تیسری حالت: اسے تین سے کم یعنی ایک یا دو طلاق ہوئی ہوں، اور عورت کی عدت ختم ہوجائے، پھراس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہو، اور پھر بعد میں وہ عورت پہلے خاوند سے شادی کرلے تو امام احمد رحمہ اللہ سے اس مسئلہ میں دو روایات ہیں۔ پہلی روایت: وہ باقی ماندہ طلاق کے ساتھ ہی واپس ہوگی، اکابر صحابہ کرام عمر اور علی اور ابی بن کعب اور معاذ اور عمران بن حصین اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔

اور زید اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے یہی مروی ہے اور سعید بن مسیب اور عبیدہ اور حسن، مالک، ثوری، ابن ابی لیلی، شافعی، اسحاق، ابو عبدیہ، ابو ثور، محمد بن حسن، ابن منذر کا یہی قول ہے۔

اور امام احمد سے دوسری روایت یہ ہے کہ: وہ تین طلاق پر ہی واپس آئیگی یعنی اسے پھر تین طلاق کا حق حاصل ہوگا ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطاء، نخعی، شریح ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔ (المغنی (389/7)

•••-------•••-------•••

كتاب الرجعة

﴿یہ کتاب طلاق سے رجوع کرنے کے بیان میں ہے﴾

کتاب رجعت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رجعت طبعی طور پر طلاق سے مؤخر ہے۔تو مصنف علیہ الرحمہ نے وضعی طور پر بھی رجعت کو طلاق سے مؤخر ذکر کیا ہے تا کہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے۔اور رجعت کو فتح اور کسرہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے البتہ فتح زیادہ فصیح ہے،اور نکاح کے دوام کو باقی رکھنے کا نام رجعت ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ،ج ۵،ص ۳۹۵،بیروت)

رجعت کی لغوی واصطلاحی تعریف وحکم کا بیان

رجعت کے لغوی معنی:لوٹانا اصطلاحی معنی: پہلے سے قائم نکاح (جو طلاق کی دلیل سے ختم ہو رہا ہے) پھر سے برقرار رکھنا ہے۔
طلاق کی تین قسموں میں سے رجعت صرف طلاق رجعی ہی میں ہوا کرتی ہے اور طلاق رجعی میں بھی عدت ختم ہونے سے پہلے ہی رجعت کرنے کا حق ہوتا ہے، اس کے بعد رجعت نہیں کر سکتا، رجعت کے لیے عورت کا رضا مند ہونا یا اس کے علم میں لا کر رجعت کرنا ضروری نہیں۔

طلاق کے بعد رجوع کرنے کا بیان

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً رَجْعِيَّةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ فَلَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا فِي عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذَلِكَ أَوْ لَمْ تَرْضَ وَالرَّجْعَةُ أَنْ يَقُولَ رَاجَعْتُكِ أَوْ رَاجَعْتُ امْرَأَتِي أَوْ يَطَأَهَا أَوْ يُقَبِّلَهَا أَوْ يَلْمِسَهَا بِشَهْوَةٍ أَوْ يَنْظُرَ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ وَإِذَا لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ وَإِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِينَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِي لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فَصَدَّقَهُ الْمَوْلَى وَكَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَإِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ وَإِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَإِنِ انْقَطَعَ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتَّى تَغْتَسِلَ أَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ الصَّلَاةِ أَوْ تَتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِذَا تَيَمَّمَتِ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ

وَإِنْ لَمْ تُصَلِّ فَإِنِ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَإِنْ كَانَ عُضْوًا كَامِلًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ انْقَطَعَتْ وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّقُ وَتَتَزَيَّنُ وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتَّى يُؤْذِنَهَا أَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ، وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْءَ وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُونَ الثَّلَاثِ فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا وَبَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا

ترجمہ

جب کسی نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دیں تو وہ اس کی عدت کے دوران رجوع کر سکتا ہے۔ عورت چاہے اس سے راضی ہو چاہے ناراض اور رجعت یہ کہنا ہے کہ میں نے تم سے رجعت کر لی ہے۔ یا یہ کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی ہے۔ یا پھر وہ اس سے وطی کر لے۔ یا اس کا بوسہ لے لے یا اسے شہوت سے چھو لے۔ یا اس کی شرم گاہ دیکھ لے اور رجعت پر دو گواہوں کو گواہ بنا لینا مستحب ہے۔ جب نہ بھی بنائے تو بھی رجعت درست ہو گی۔ جب عدت ختم ہو گئی اس کے بعد مرد نے کہا کہ میں نے تیری عدت کے دوران تم سے رجعت کر لی تھی۔ عورت نے اس کی تصدیق بھی کر دی تو یہ رجعت درست ہو گی۔ جب عورت نے اسے جھٹلا دیا تو عوت کی بات کا اعتبار ہو گا۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر قسم بھی نہیں ہو گی۔ جب خاوند کہے کہ میں نے تم سے رجعت کر لی ہے۔ مگر عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت ختم ہو چکی ہے تو رجعت صحیح نہ ہو گی۔ یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ جب لونڈی کے خاوند نے عدت گزر جانے کے بعد کہا کہ میں نے رجعت کر لی تھی۔ پس اس لونڈی کے مالک نے اس کی تصدیق کی مگر لونڈی نے اس کی تکذیب کی تو بات لونڈی کی معتبر ہو گی۔ یہ بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ جب تیسرے حیض کا خون دس دنوں پر بند ہو گیا تو رجعت ختم ہو گئی۔ خون جبکہ دس دنوں سے کم پر بند ہوا ہو مگر عورت غسل نہ کرے تو رجعت ختم نہ ہو گی۔ یہاں تک کہ وہ غسل کرے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔ یہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب عورت نے تیمم کر لیا جبکہ نماز نہ بھی پڑھی تو بھی رجعت ختم ہو گئی۔ جب عورت نے غسل کیا اور جسم کا کوئی ایک حصہ جس پر پانی نہیں بہایا اسے بھول گئی اب جب وہ مکمل ایک عضو یا اس سے زیادہ ہے تو رجعت ختم نہ ہو گی۔ جب وہ حصہ عضو سے کم ہو گا تو رجعت ختم ہو جائے گی اور طلاق رجعی دی گئی عورت بناؤ سنگھار اور زینت و آرائش اختیار کر سکتی ہے اور اس کے شوہر کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اس سے اجازت کے بغیر یا اسے اپنے جوتوں کی آواز سنائے بغیر اس کے پاس نہ جائے۔ طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔ جب تین سے کم اسے طلاق بائنہ دیں تو وہ اس کی عدت میں اور اس کی عدت گزر جانے کے بعد بھی دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

رجوع کے حکم کا شرعی ثبوت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور وہ حالت حیض میں تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت فرمایا۔ یعنی حضرت

عبداللہ نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے یہ طلاق دینا کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم حضرت عبداللہ سے کہو کہ وہ اپنی بیوی کی جانب رجوع کر لیں۔ پھر وہ ان کو روکے رکھیں۔ یہاں تک کہ وہ حالت حیض سے پاک ہو جائیں۔ پھر جس وقت اس کو دوسرا حیض آ جائے اور وہ اس سے پاک ہو جائیں تو جب اگر عبداللہ کا دل چاہے تو اس کو رکھ لیں یا طلاق دے دیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوسرے حیض کے بعد بھی ان کے پاس نہ جائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہی عدت ہے اور خدا تعالیٰ نے اسی کے مطابق طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1328)

حضرت زہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت زہری سے کسی نے یہ دریافت کیا کہ عدت پر طلاق کس طرح سے واقع ہوتی ہے؟ یعنی خداوند قدوس نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے تو اس کے معنی کیا ہوئے اور عدت کے دوران طلاق دینا کس طریقہ سے ہوتا ہے؟ حضرت زہری نے جواب دیا کہ میں نے حضرت سالم بن عبداللہ سے سنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ میں نے اپنی بیوی کو دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طلاق دی اور وہ خاتون اس وقت حالت حیض میں تھیں۔ پھر میرے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کا تذکرہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت یہ بات سنی تو ان کو غصہ آ گیا اور وہ فرمانے لگے عبداللہ کو اس واسطے رجوع کرنا مناسب ہے اور ان کو چاہیے کہ وہ طلاق سے رجوع کر لیں اور عورت کو پاک ہونے دینا چاہیے پھر اگر اس کو طلاق دینا بہتر ہوا تو عورت کو طلاق دینا چاہیے۔ وہ اس عورت کو پاکی کی حالت میں ہم بستری کرے بغیر طلاق دے دیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہی معنی ہیں آیت کریمہ میں کے یہی معنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں میں نے رجوع کیا اور اس طلاق کو حساب میں لگایا یعنی میں نے جو طلاق دی تھی اس کا میں نے حساب لگایا۔ اس لیے کہ وہ طلاق اگرچہ سنت کے خلاف تھی اور حرام تھی لیکن طلاق واقع ہو چکی تھی۔ (سنن نسائی: جلد دوم: حدیث نمبر 1329)

تیسرے حیض کے ساتھ ہی سقوط رجوع کے حق میں فقہی مذاہب

اس مسئلہ میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک جب تک عورت تیسرے حیض سے فارغ ہو کر نہا نہ لے، اس وقت تک طلاق بائن نہ ہوگی اور شوہر کو رُجوع کا حق باقی رہے گا۔ حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری، ابنِ مسعود اور بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہ کی یہی دلیل ہے اور فقہائے حنفیہ نے اِسی کو قبول کیا ہے۔ بخلاف اِس کے دُوسری جماعت کہتی ہے کہ عورت کو تیسری بار حیض آتے ہی شوہر کا حقِ رجوع ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ دلیل حضرات عائشہ رضی اللہ عنہ، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہے اور فقہائے شافعیہ و مالکیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ مگر واضح رہے کہ یہ حکم صرف اس صُورت سے متعلق ہے، جس میں شوہر نے عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہوں۔ تین طلاقیں دینے کی صُورت میں شوہر کو حقِ رُجوع نہیں ہے۔

طریقہ رجوع میں مذاہب اربعہ

رجوع کس طرح ہوتا ہے اور کس طرح نہیں ہوتا؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان یہ امر متفق علیہ ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو رجعی طلاق دی ہو وہ عدت ختم ہونے سے پہلے چاہے رجوع کرسکتا ہے، خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ قرآن مجید (سورہ بقرہ، آیت 228) میں فرمایا گیا ہے وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ ان کے شوہر اس مدت کے اندر انہیں واپس لے لینے کے پوری طرح حق دار ہیں" اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عدت گزرنے سے پہلے تک ان کی زوجیت برقرار رہتی ہے اور وہ انہیں قطعی طور پر چھوڑ دینے سے پہلے واپس لے سکتے ہیں۔ بالفاظ دیگر رجوع کوئی تجدید نکاح نہیں ہے کہ اس کے لئے عورت کی رضا ضروری ہو۔ شافعیہ کے نزدیک رجوع صرف قول ہی سے ہوسکتا ہے، عمل سے نہیں ہوسکتا۔ اگر آدمی زبان سے یہ نہ کہے کہ میں نے رجوع کیا تو مباشرت یا اختلاط کا کوئی فعل خواہ رجوع کی نیت ہی سے کیا گیا ہو، رجوع قرار نہیں دیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں عورت سے ہر تم کا استمتاع حرام ہے چاہے وہ بلا شہوت ہی ہو۔ لیکن مطلقہ رجعیہ سے مباشرت کرنے پر حد نہیں ہے، کیونکہ علماء کا اس کے حرام ہونے پر اتفاق نہیں ہے۔ البتہ جو اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہوا سے تعزیز دی جائے گی۔ مزید براں آدمی رجوع بالقول کرے یا نہ کرے (مغني المحتاج، كتاب طلاق)

مالکیہ کہتے ہیں کہ رجوع قول اور فعل، دونوں سے ہوسکتا ہے۔ اگر رجوع بالقول میں آدمی صریح الفاظ استعمال کرے تو خواہ اس کی نیت رجوع کی ہو یا نہ ہو، رجوع ہو جائے گا، بلکہ اگر وہ مذاق کے طور پر بھی رجوع قرار دیے جائیں گے جبکہ وہ رجوع کی نیت سے کہے گئے ہوں۔ رہا رجوع بالفعل تو کوئی فعل خواہ وہ اختلاط ہو، یا مباشرت، اس وقت تک رجوع قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ وہ رجوع کی نیت سے نہ کیا گیا ہو (حاشیہ الدسوقی۔ احکام القرآن لابن العربی)

حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک رجوع بالقول کے معاملہ میں وہی جو مالکیہ کا ہے۔ رہا رجوع بالفعل، تو مالکیہ کے برعکس ان دونوں مذاہب کا فتویٰ یہ ہے کہ شوہر اگر عدت کے اندر مطلقہ رجعیہ سے مباشرت کرلے تو وہ آپ سے آپ رجوع ہے، خواہ وہ مباشرت سے کم کسی درجے کا ہو، اور حنابلہ محض اختلاط کو رجوع نہیں مانتے (ہدایہ، فتح القدیر، عمدۃ القاری، الانصاف)

جماع ومقدمات جماع سے رجوع میں مذاہب اربعہ

خاوند کو حق حاصل ہے کہ وہ عدت کے دوران بیوی سے رجوع کرلے، چاہے بیوی راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ رجوع پر دلالت کرنے والے قول سے بھی رجوع ہو جائے گا اس پر علماء کا اتفاق ہے مثلاً کہے میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ فعل کے ساتھ بیوی سے رجوع کرنے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً: جماع اور اس کی ابتدائی اشیاء یعنی بیوی سے بوس وکنار کرنا، اس میں علماء کے چار قول ہیں۔

پہلا قول: احناف کہتے ہیں کہ جماع کرنے اور شہوت سے بوس وکنار کرنے سے کے ساتھ رجوع ہو جائے گا چاہے درمیان میں حائل بھی ہو لیکن شہوت کی حرارت ہونی چاہیے، انہوں نے اس سب کو رجوع پر محمول کیا ہے، گویا کہ وہ اپنی وطء اور جماع سے

اس سے رجوع کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔

دوسرا قول: مالکیہ کے ہاں جماع اور اس کے مقدمات سے رجوع ہو جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ خاوند اس میں رجوع کی نیت کرے، اس لیے اگر اس نے رجوع کی نیت سے بیوی کا بوسہ لیا یا اسے شہوت سے چھولیا یا جماع والی جگہ کو شہوت سے دیکھا یا اس سے وطء اور جماع کیا لیکن اس میں رجوع کی نیت نہ تھی تو ان اشیاء سے رجوع صحیح نہیں ہوگا، بلکہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا۔

تیسرا قول: شافعی حضرات کہتے ہیں کہ رجوع صرف قول کے ساتھ ہی صحیح ہوگا، مطلقا فعل کے ساتھ رجوع صحیح نہیں، چاہے وطء ہو یا اس کے مقدمات اور چاہے فعل میں اس نے رجوع کی نیت بھی کی ہو یا نیت نہ ہو۔

چوتھا قول: حنابلہ کہتے ہین کہ وطء کے ساتھ رجوع صحیح ہے چاہے خاوند نے بیوی سے رجوع کی نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو، لیکن وطء کے مقدمات سے صحیح مذہب میں رجوع ثابت نہیں ہوگا۔

(تبیین الحقائق (251/2) حاشیۃ ابن عابدین (399/3) الخرشی علی خلیل (81/4) حاشیۃ البجیرمی (41/4) الانصاف (156/9) مطالب اولی النھی (480/5)

چھونے سے اثبات رجوع میں فقہی مذاہب ثلاثہ

قول کے ساتھ رجوع اس طرح ہوگا کہ: خاوند* کہے: میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا، یا پھر اسے رکھ لیا، یا اسے اپنی عصمت میں واپس لے لیا، یا بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہے: میں نے تجھ سے رجوع کرلیا، یا تجھے رکھ لیا، یا تجھے واپس کرلیا. فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ کے ساتھ رجوع ثابت ہو جائے گا. اور الفاظ کے قائم مقام کتابت یعنی لکھائی اور اسی طرح بولنے سے عاجز شخص کا اشارہ بھی یہی معنی دیگا. رہا فعل کے ساتھ رجوع کرنا تو یہ جماع کے ساتھ ہوگا اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ یہ جماع رجوع کے مقصد سے ہو۔

شیخ عبدالرحمن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اگر خاوند نے بیوی کو طلاق رجعی دے دی ہو یا تو اس کی عدت ختم ہو چکی ہوگی تو اس صورت میں اس کے لیے نئے نکاح کے ساتھ ہی حلال ہوگی جس میں پوری شروط نکاح موجود ہوں. یا پھر وہ ابھی عدت میں ہی ہو اگر بیوی سے وطء اور جماع کرنے کا مقصد بیوی سے رجوع ہو تو بیوی سے رجوع ہو جائے گا اور یہ وطء بھی مباح ہوگی. لیکن اگر وہ اس سے رجوع کا ارادہ نہیں رکھتا تو ایک مذہب کے مطابق یہ رجو ہو جائے گا، لیکن صحیح یہی ہے کہ اس سے رجوع نہیں ہوگا. اس بناپر یہ وطی حرام ہوگی۔ (الارشاد الی معرفۃ الاحکام)

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس لیے صرف خاوند کا آپ کو چھونا آپ سے رجوع نہیں کہلائیگا. جمہور علماء کرام جن میں امام مالک علیہ الرحمہ امام شافعی اور امام احمد شامل ہیں کا یہ کہنا ہے کہ: صرف شہوت کے ساتھ چھونے سے رجوع حاصل نہیں ہو جائے گا، لیکن امام مالک علیہ الرحمہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اگر شہوت کے ساتھ چھونے سے اس کا مقصد رجوع کرنا ہو تو رجوع کی نیت سے شہوت کے ساتھ چھونا رجوع کہلائیگا، اس لیے جب آپ کا خاوند یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے رجوع کی نیت نہیں کی تو پھر اس

سے رجوع حاصل نہیں ہوا۔(المغنی (404/7))

فعلی رجوع میں مذاہب اربعہ

فعل کے ساتھ بیوی سے رجوع کرنے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً: جماع اور اس کی ابتدائی اشیاء یعنی بیوی سے بوس وکنار کرنا، اس میں علماء کے چار قول ہیں:

پہلا قول: احناف کہتے ہیں کہ جماع کرنے اور شہوت سے بوس وکنار کرنے سے کے ساتھ رجوع ہو جائے گا چاہے درمیان میں حائل بھی ہو لیکن شہوت کی حرارت ہونی چاہیے، انہوں نے اس سب کو رجوع پر محمول کیا ہے، گویا کہ وہ اپنی وطء اور جماع سے اس سے رجوع کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔

دوسرا قول: مالکیہ کے ہاں جماع اور اس کے مقدمات سے رجوع ہو جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ خاوند اس میں رجوع کی نیت کرے، اس لیے اگر اس نے رجوع کی نیت سے بیوی کا بوسہ لیا یا اسے شہوت سے چھو لیا یا جماع والی جگہ کو شہوت سے دیکھا یا اس سے وطء اور جماع کیا لیکن اس میں رجوع کی نیت نہ تھی تو ان اشیاء سے رجوع صحیح نہیں ہوگا، بلکہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا۔

تیسرا قول: شافعی حضرات کہتے ہیں کہ رجوع صرف قول کے ساتھ ہی صحیح ہوگا، مطلقاً فعل کے ساتھ رجوع صحیح نہیں، چاہے وطء ہو یا اس کے مقدمات اور چاہے فعل میں اس نے رجوع کی نیت بھی کی ہو یا نیت نہ ہو۔

چوتھا قول: حنابلہ کہتے ہیں کہ وطء کے ساتھ رجوع صحیح ہے چاہے خاوند نے بیوی سے رجوع کی نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو، لیکن وطء کے مقدمات سے صحیح مذہب میں رجوع ثابت نہیں ہوگا

(تبیین الحقائق (251/2) حاشیۃ ابن عابدین (399/3) الخرشی علی خلیل (81/4) حاشیۃ البجیرمی (41/4) الانصاف (9/156) مطالب اولی النہی (480/5)

جو فعل سبب حرمت مصاہرت وہی سبب رجعت قاعدہ فقہیہ

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس فعل سے حرمت مصاہرت ہوتی ہے اُس سے رجعت ہو جائے گی مثلاً وطی کرنا یا شہوت کے ساتھ مونھ یا رخسار یا ٹھوڑی یا پیشانی یا سر کا بوسہ لینا یا بلا حائل بدن کو شہوت کے ساتھ چھونا یا حائل ہو تو بدن کی گرمی محسوس ہو یا فرج داخل کی طرف شہوت کے ساتھ نظر کرنا اور اگر یہ افعال شہوت کے ساتھ نہ ہوں تو رجعت نہ ہوگی اور شہوت کے ساتھ بلا قصد رجعت ہوں جب بھی رجعت ہو جائے گی۔ اور بغیر شہوت بوسہ لینا یا چھونا مکروہ ہے جبکہ رجعت کا ارادہ نہ ہو۔ یونہی اُسے برہنہ دیکھنا بھی مکروہ ہے۔ (ردمحتار، کتاب طلاق، باب رجعت)

رجعت کی شرعی حیثیت میں فقہی مذاہب اربعہ

اگر رجعت کا ارادہ ہو اور رجعت کرو یعنی لوٹا لو تو اس پر دو عادل مسلمان گواہ رکھ لو، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے پھر اس سے جماع کرتا ہے نہ طلاق پر

گواہ رکھتا ہے نہ رجعت پر تو آپ نے فرمایا اس نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا طلاق پر بھی گواہ رکھنا چاہئے اور رجعت پر بھی، اب دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ حضرت عطار حمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں نکاح، رجعت بغیر دو عادل گواہوں کے جائز نہیں جیسے فرمان اللہ ہے ہاں مجبوری ہو تو اور بات ہے، پھر فرماتا ہے گواہ مقرر کرنے اور سچی شہادت دینے کا حکم انہیں ہو رہا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں اللہ کی شریعت کے پابند اور عذاب آخرت سے ڈرنے والے ہوں۔ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں رجعت پر گواہ رکھنا واجب ہے گو آپ سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے اسی طرح نکاح پر گواہ رکھنا بھی آپ واجب بتاتے ہیں ایک اور جماعت کا بھی یہی قول ہے، اس مسئلہ کو ماننے والی علماء کرام کی جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ رجعت زبانی کہے بغیر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ گواہ رکھنا ضروری ہے اور جب تک زبان سے نہ کہے گواہ کیسے مقرر کئے جائیں گے۔ احناف کے نزدیک رجعت کی گواہی مستحب ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔(الطلاق،۲)

تو جب وہ اپنی میعاد تک پہنچنے کو ہوں تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ جدا کر دو۔ اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کر لو اور اللہ کے لئے گواہی قائم کرو۔ اس سے نصیحت فرمائی جاتی ہے اسے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ اور جو اللہ سے ڈرے۔ اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ (کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یعنی تمہیں اختیار ہے اگر تم ان کے ساتھ حُسنِ معاشرت و مرافقت رہنا چاہو تو رجعت کر لو اور دل میں پھر دوبارہ طلاق دینے کا ارادہ نہ رکھو اور اگر تمہیں ان کے ساتھ خوبی سے بسر کر سکنے کی امید نہ ہو تو مہر وغیرہ ان کے حق ادا کر کے ان سے جدائی کر لو اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ اس طرح کہ آخرِ عدت میں رجعت کر لو، پھر طلاق دے دو اور اس طرح انہیں ان کی عدت دراز کر کے پریشانی میں ڈالو ایسا نہ کرو اور خواہ رجعت کرو یا فرقت اختیار کرو دونوں صورتوں میں دفعِ تہمت اور رفعِ نزاع کیلئے دو مسلمانوں کو گواہ کر لینا مستحب ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

مقصود اس سے اس کی رضا جوئی ہو اور اقامتِ حق و تعمیلِ حکمِ الٰہی کے سوا اپنی کوئی فاسد غرض اس میں نہ ہو۔ اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ کفار شرائع واحکام کے ساتھ مخاطب نہیں۔ اور طلاق دے تو طلاقِ سنّی دے اور معتدہ کو ضرر نہ پہنچائے، نہ اسے مسکن سے نکالے اور حسبِ حکمِ الٰہی مسلمانوں کو گواہ کر لے۔

جس سے وہ دنیا و آخرت کے غموں سے خلاص پائے اور ہر تنگی و پریشانی سے محفوظ رہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے اللہ تعالیٰ اس کیلئے شبہاتِ دنیا غمراتِ موت و شدائدِ روزِ قیامت سے خلاص کی راہ نکالے گا

اور اس آیت کی نسبت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میرے علم میں ایک ایسی آیت ہے جسے لوگ محفوظ کرلیں تو ان کی ہر ضرورت وحاجت کیلئے کافی ہے۔

شانِ نزول: عوف بن مالک کے فرزند کو مشرکین نے قید کرلیا تو عوف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ میرا بیٹا مشرکین نے قید کرلیا ہے اور اسی کے ساتھ اپنی محتاجی وناداری کی شکایت کی، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھو اور صبر کرو اور کثرت سے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھتے رہو عوف نے گھر آکر اپنی بی بی سے یہ کہا اور دونوں نے پڑھنا شروع کیا وہ پڑھ ہی رہے تھے کہ بیٹے نے دروازہ کھٹکھٹایا دشمن غافل ہوگیا تھا اس نے موقع پایا قید سے نکل بھاگا اور چلتے ہوئے چار ہزار بکریاں بھی دشمن کی ساتھ لے آیا، عوف نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر دریافت کیا کہ یہ بکریاں انکے لئے حلال ہیں؟ حضور نے اجازت دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان)

حق رجوع کے اختتام میں مذاہب اربعہ

رجعی طلاق دینے والے کے لئے رجوع کا موقع کس وقت تک ہے؟ اس میں بھی فقہاء کے درمیان سے مراد تین حیض ہیں یا تین طہر؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرء سے مراد حیض ہے اور امام احمد بن حنبل کا معتبر مذہب بھی یہی ہے۔ یہ دلیل چاروں خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ابی بن کعب، معاز بن جبل، ابوالدردا، عبادہ بن صامت اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے مؤطا میں شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے 13 صحابیوں سے ملے ہیں، اور ان سب کی دلیل یہی تھی۔ اور یہی بکثرت تابعین نے بھی اختیار کی ہے۔

اس اختلاف کی بنا شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک تیسرے حیض میں داخل ہوتے ہی عورت کی عدت ختم ہوجاتی ہے، اور مرد کا حق رجوع ساقط ہوجاتا ہے۔ اور اگر طلاق حیض کی حالت میں دی گئی ہو، اس حیض کا شمار عدت میں نہ ہوگا، بلکہ چوتھے حیض میں داخل ہونے پر عدت ختم ہوگی۔ (مغنی المحتاج، حاشیہ الدسوقی)

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر تیسرے حیض میں دس دن گزرنے پر خون بند ہو تو عورت کی عدت ختم نہ ہوگی جب تک عورت غسل نہ کرے، یا ایک نماز کا پورا وقت نہ گزر جائے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب عورت تیمم کرکے نماز پڑھ لے اس وقت مرد کا حق رجوع ختم ہوگا، اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک تیمم کرتے ہی حق رجوع ختم ہوجائے گا (ہدایہ) امام احمد کا معتبر مذہب جس پر جمہور حنابلہ کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ جب تک عورت تیسرے حیض سے فارغ ہوکر غسل نہ کرلے مرد کا حق رجوع باقی رہے گا۔ (الانصاف)

عدت ورجوع سے متعلق اسلاف سے فقہی روایات ومذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ عورت اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے مجامعت

ہو یا نہ ہوئی ہو، اس پر اجماع ہے دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ اس سے مجامعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا، فرمایئے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے جب وہ کئی مرتبہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی دلیل سے فتویٰ دیتا ہوں، اگر ٹھیک ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانو اور اگر خطاء ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو، اللہ اور رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو، اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہئے اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروع بنت واشق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی، ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لئے یہ عدت نہیں، اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو، انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے آیت (وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ) 65۔ الطلاق: 1) حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے، یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کیخلاف بخاری و مسلم کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ کے خاوند کا جب انتقال ہوا، اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں گزار پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا، جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا، حضرت ابوالسنابل بن بعلبک نے یہ دیکھ کر فرمایا کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں، اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ کے ساتھی شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں،

جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہریہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جبلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب ابو العالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو گا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ

تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاطاً اور رکھ دیے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔

امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہ ان کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں میں حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں، اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں، فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے، خواہ وہ نابالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں، خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں، خواہ مسلمان ہوں خواہ کافرہ ہوں کیونکہ آیت میں عام حکم ہے، ہاں ثوری اور ابوحنیفہ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں، شہاب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے،

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ثوری کمسن نابالغہ عورت کے لئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حلالہ سے متعلق حکم کا بیان

وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحُرَّةِ أَوْ اثْنَتَيْنِ فِي الْأَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيحًا وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا أَوْ يَمُوتَ عَنْهَا وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيلِ كَالْبَالِغِ وَوَطْءُ الْمَوْلَى أَمَتَهُ لَا يُحِلُّهَا لَهُ وَإِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوهٌ فَإِنْ وَطِئَهَا حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ وَإِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا آخَرَ ثُمَّ عَادَتْ إِلَى الْأَوَّلِ عَادَتْ بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي مَا دُونَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلَاثَ وَإِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَقَالَتْ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِي وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ آخَرَ وَدَخَلَ بِي الزَّوْجُ وَطَلَّقَنِي وَانْقَضَتْ عِدَّتِي وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذَلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ أَنْ يُصَدِّقَهَا إِذَا كَانَ فِي غَالِبِ ظَنِّهِ أَنَّهَا صَادِقَةٌ

ترجمہ

اور آزادعورت کے بیوی ہونے کی صورت میں جب تین طلاقیں ہوں یا لونڈی کے بیوی ہونے کی صورت میں دوطلاقیں دی ہوں تو وہ اس وقت تک اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح صحیح نہ کرے اور وہ اس سے صحبت کر کے اسے طلاق نہ دے دے یا فوت ہوجائے اور حلالہ کے معاملہ میں بلوغت کے قریب لڑکا بالغ کی طرح ہی ہے اور مالک کا لونڈی سے وطی کرنا اس کے شوہر کے لئے حلالہ قرار نہیں پائے گا۔ جب کسی نے حلالہ کی شرط سے نکاح کیا تو یہ مکروہ ہوگا۔ پھر بھی جب اس نے وطی کے بعد اسے طلاق دے دی تو وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک یا دوطلاقیں دیں۔ اس کی عدت ختم ہوگئی اور اس نے کسی اور سے نکاح کرلیا اس نے اس سے صحبت بھی کی پھر وہ عورت پہلے شوہر کے پاس آگئی۔ تو یہ تین طلاقوں کے ساتھ آئی ہے کیونکہ شوہر ثانی تین سے کم طلاقوں کو بھی کالعدم (جیسے طلاق ہوئی ہی نہیں) کردیتا ہے۔ جیسے وہ تین کالعدم کردیتا ہے۔ یہ شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ مگر امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ شوہر ثانی تین سے کم طلاقوں کو کالعدم نہیں کرتا ہے۔ جب کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پس عورت کہے کہ میری عدت ختم ہوگئی تھی میں نے ایک اور آدمی سے نکاح کرلیا تھا۔ اس نے مجھ سے صحبت بھی کی اور پھر اس نے مجھے طلاق دے دی۔ اب اس کی عدت بھی ختم ہوچکی ہے۔ اور اتنا عرصہ اس کا احتمال بھی رکھتا ہو۔ تو جب پہلے شوہر کو اس کے سچی ہونے کا گمان غالب ہو تو وہ اس کی تصدیق کرسکتا ہے۔

نکاح حلالہ کا فقہی مفہوم کا بیان

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن رفاعہ قرظی کی عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دیدی اور طلاقیں بھی تین دیں چنانچہ میں نے رفاعہ کے بعد عبدالرحمٰن ابن زبیر سے نکاح کرلیا لیکن عبدالرحمٰن کپڑے کے پھندے کی مانند رکھتے ہیں (یعنی اس عورت نے از راہ شرم وحیا عبدالرحمٰن کی نامردی کو کنایۃ

ان الفاظ کے ذریعہ بیان کیا کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ کیا تم پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو اس نے عرض کیا کہ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت تک رفاعہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتیں جب تک کہ عبدالرحمن تمہارا مزہ نہ چکھ لے اور تم اس کا مزہ نہ چکھ لو۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 494)

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تمہارا دوسرا شوہر تمہارے ساتھ جماع نہ کرے اور پھر اس کی طلاق کے بعد تم عدت کے دن پورے نہ کرلو تم اپنے سابق خاوند یعنی رفاعہ سے نکاح نہیں کرسکتیں چنانچہ یہ حدیث مشہور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلالہ یعنی سابق خاوند کے واسطے حلال ہونے کے لیے کسی دوسرے مرد سے محض نکاح کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مجامعت بھی ضروری ہے البتہ مجامعت میں صرف دخول کافی ہے انزال شرط نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل اور محلل لہ پر لعنت فرمائی ہے (دارمی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علی حضرت ابن عباس اور حضرت عقبہ ابن عامر سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 495)

فرض کیجئے کہ دو شخص ہیں ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام بکر۔ ہے زید نے اپنی بیوی خالدہ کو تین طلاقیں دیدیں اور اس کی عدت کے دن پورے ہوگئے ہیں اب زید پھر چاہتا ہے کہ وہ خالدہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لائے۔ لہٰذا دوسرا شخص یعنی بکر خالدہ سے اس شرط یا ارادہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے کہ جماع کے بعد خالدہ کو طلاق دیدی جائے گی تاکہ خالدہ کا پہلا شوہر زید کہ جس نے اس کو تین طلاقیں دی تھیں اس سے دوبارہ نکاح کرسکے اور خالدہ کا پہلا شوہر محلل لہ یعنی جس کے لئے حلالہ کیا گیا) کہلائے گا۔

حدیث میں انہی دونوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنیوالے پر لعنت فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے زبان سے تحلیل کی شرط کا اظہار و اقرار کرنے کے بعد اور محض جدائی اختیار کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا جب کہ نکاح اس لئے شروع ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ مرد و عورت ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے رفیق حیات ودمساز رہیں، لہٰذا اس صورت میں نہ صرف یہ کہ نکاح کے اصل مقصد ومنشاء پر زد پڑتی ہے بلکہ عورت کی حرمت وعزت بھی مجروح ہوتی ہے اسی لئے ایک حدیث میں اس کو مستعار بکری سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور محلل لہ یعنی پہلے خاوند پر لعنت فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت حال اور اس نکاح کا اصل باعث وہی بنا ہے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس صورت میں عقد باطل ہوتا ہے بلکہ حدیث کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ عقد صحیح ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث میں اس نکاح کرنیوالے کو محلل کہا گیا ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص محلل اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ عقد صحیح ہو عقد فاسد سے محلل نہیں ہوتا لہٰذا ثابت ہوا کہ اس ارشاد گرامی میں لعنت کا حقیقی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں مراد محلل اور محلل لہ کی خساست طبع کو ظاہر کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ یہ ایک قبیح فعل ہے جس کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کرسکتا۔

حلالہ سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو، ہم بستری ہو، پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے۔ پس اگر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیب مجرم (صرف) وعقد کے حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو، لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے، وہ دوسرا نکاح کرتی ہے وہ بھی دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے، تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں، جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہولیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ)

اس روایت کے راوی حضرت ابن عمر سے خود امام بن مسیب ہیں، پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے، ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں، پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں صحبت نہیں ہوتی، جب بھی یہی حکم ہے۔ خود آپ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا، آپ سے پوچھا گیا مگر آپ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری مسلم)

بلکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً عورت روزے سے نہ ہو، احرام کی حالت میں نہ ہو، اعتکاف کی حالت میں نہ ہو، حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو، اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو، محرم یا معتکف نہ ہو، اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔

کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصری تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے، اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے یہ بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ عسیلہ سے منی مراد نہیں، یہ یاد رہے، کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ "عسیلہ" سے مراد جماع ہے۔ اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس سے نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح احادیث میں آ چکی ہے،

مسند احمد میں ہے گودنے والی، گدوانے والی، بال ملانے والی، ملوانے والی عورتیں ملعون، حلال کرنے والی اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے۔ سود خور اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں صحابہ کا عمل اسی پر ہے۔ عمر، عثمان اور ابن عمر کا یہی مذہب تابعین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں، علی ابن مسعود

اور ابن عباس کا بھی یہی فرمان ہے اور روایت میں ہے کہ بیاج کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے پر بھی لعنت ہے۔ زکوۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے، ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے نوحہ کرنا بھی ممنوع ہے، ایک حدیث میں ہے میں تمہیں یہ بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سانڈ کون سا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو "حلالہ کرے "یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے، اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو، جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو، نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو، مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی، اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا نکاح صحیح ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، ہم تو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے۔ نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو، اس حدیث کے پچھلے جملے نے گو اسے موقوف سے حکم میں مرفوع کر دیا، بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی، اسی طرح حضرت علی اور حضرت ابن عباس وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی مروی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گزر اوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکہ اور مکر وفریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا،

نکاح ثانی کے بعد حق طلاق کی تعداد میں مذاہب اربعہ

ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی، پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی، پھر اس نے دوسرے سے گھر بسا لیا، اس سے ہم بستری بھی ہوئی، پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی، پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گو یا پہلے کی طرح طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے از سر نو تینوں طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا، پہلا مذہب تو ہے امام مالک امام شافعی اور امام احمد کا اور صحابہ کی ایک جماعت کا، دوسرا مذہب ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہو، گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔

•••———•••———•••

کتاب الایلاء

﴿یہ کتاب ایلاء کے بیان میں ہے﴾

کتاب ایلاء کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحب نہایہ نے اسرار کی کتاب طلاق کے شروع میں کہا ہے۔ کہ ملک نکاح کے حکم سے چار حرمات نافذ ہوتی ہیں۔ (۱) طلاق (۲) ایلاء (۳) لعان (۴) ظہار۔ اس کے بعد ان سب میں اصل طلاق ہے جو کسی وقت شوہر کیلئے مباح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مصنف علیہ الرحمہ نے پہلے کتاب طلاق کو ذکر کیا ہے اور اب اس کے بعد باب ایلاء کو ذکر کر رہے ہیں۔ اور یہ طلاق کی نسبت سے کم ظلم ہے جس کے احکام مفصل آرہے ہیں۔ طلاق میں صراحت کے ساتھ بیوی سے تفریق کا اعلان ہے جبکہ ایلاء میں یمین کے ساتھ صرف وطی سے یا قربت سے انکار کا اعلان ہے۔ لہٰذا ایلاء کی اسی حیثیت کے پیش نظر اس کو کتاب طلاق میں اور پھر باب طلاق کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ لغت میں یمین کہلاتا ہے کیونکہ اس میں شوہر بیوی سے عدم قربت کی قسم کھاتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص ۱۴۱، بیروت)

ایلاء کا فقہی مفہوم

ایلاء "آلا یـاْلُوْ " سے باب افعال ہے۔ "آلا یـاْلُوْ " کا اصل لغوی مفہوم کسی امر میں کوتاہی اور کمی کرنا ہے اور "ایلاء" ایلاء کے لغوی معنی یہ ہیں کہ قسم (یمین) کے ہیں خواہ کسی بھی بات پر قسم کھائی جائے۔ جبکہ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے مطلق طور پر یا ہمیشہ کے لیے یا چار مہینہ اور اس سے زیادہ مدت کے لیے صحبت نہ کرنے کی قسم کھالے، اسی طرح بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں کوئی ایسی چیز اپنے اوپر لازم کرلے جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار اور مشکل ہو مثلاً یہ کہے کہ اگر میں تجھ سے صحبت کرلوں تو مجھ پر حج یا روزہ وغیرہ واجب ہو جائے تو بھی ایلاء ہی شمار ہوگا۔ (فقہ اسلامی وادلہ، ج ۹ ص ۵۰۳)

مدت ایلاء گزرنے کے بعد وقوع طلاق میں مذاہب اربعہ

حضرت سلیمان بن یسار تابعی کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنیوالے کو ٹھہرایا جائے۔ (شرح السنۃ مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 496)

ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یا اس سے زائد مثلاً پانچ مہینہ یا چھ مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا لہٰذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس صورت میں اکثر صحابہ کے قول کے

مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی بلکہ ایلاء کرنیوالے کوٹھہرایا جائے گا یعنی حاکم وقاضی اس کو محبوس کریگا اور اس سے یہ کہے گا کہ یا تو اپنی عورت سے رجوع کر و یعنی اس سے جماع کرلو اور اپنی قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ دو یا اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ چنانچہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا مسلک یہی ہے نیز حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ مگر اس پر قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن پڑھ جائے گی ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ "امام نخعی اور قتادہ اور حماد، ور ابن ابی لیلی اور اسحاق کا قول ہے کہ جس نے بھی قلیل یا اکثر وقت میں وطئی نہ کرنے کی قسم اٹھائی، اور اسے چار ماہ تک چھوڑ دیا تو اس نے ایلاء کیا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (ان لوگوں کے لیے جو اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں وہ چار ماہ تک انتظار کریں)۔ اور یہ شخص ایلاء کرنے والا ہے؛ کیونکہ ایلاء حلف ہے اور اس نے قسم اٹھائی ہے۔ (المغنی (415/7)

ایلاء کے حکم کا بیان

علامہ ابن محمود البابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ شخص اس عورت سے چار ماہ تک صحبت نہ کرے تو چار ماہ بعد خود بخود طلاق بائن پڑ جائے گی اور اگر چار ماہ کے اندر صحبت کرلے تو قسم کا کفارہ دینا پڑیگا۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۲۴۲، بیروت)

اپنی بیوی سے ایلاء کرنے کا بیان

إِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِامْرَأَتِهِ وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكِ أَوْ وَاللَّهِ لَا أَقْرَبُكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَهُوَ مُولٍ فَإِنْ وَطِئَهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ حَنِثَ فِي يَمِينِهِ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَسَقَطَ الْإِيلَاءُ وَإِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتَّى مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيقَةٍ فَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَقَطْ سَقَطَتْ الْيَمِينُ وَإِنْ حَلَفَ عَلَى الْأَبَدِ فَالْيَمِينُ بَاقِيَةٌ فَإِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْإِيلَاءُ فَإِنْ وَطِئَهَا وَإِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ تَطْلِيقَةٌ أُخْرَى فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ لَمْ يَقَعْ بِذَلِكَ الْإِيلَاءِ طَلَاقٌ وَالْيَمِينُ بَاقِيَةٌ فَإِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِينِهِ فَإِنْ حَلَفَ عَلَى أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُولِيًا وَإِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ أَوْ صَوْمٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ عِتْقٍ أَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُولٍ وَإِنْ آلَى مِنْ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُولِيًا وَإِنْ آلَى مِنْ الْبَائِنِ لَا يَكُونُ مُولِيًا

ترجمہ

جب شوہر نے بیوی سے کہا کہ اللہ کی قسم میں تیرے قریب نہ آؤں گا۔ یا یہ کہا کہ اللہ کی قسم میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا تو وہ مولی یعنی (قسم اٹھانے والا) ہو جائے گا۔ اب جب اس نے ان چار ماہ کے گزرنے سے قبل اپنی اس عورت سے وطی کی۔ وہ اپنی قسم میں حانث (یعنی قسم کو توڑنے والا) ہوگا۔ اور اسے کفارہ لازم ہوگا۔ اور ایلاء (یعنی قسم اٹھانا) ساقط ہو جائے گا۔ جب وہ چار ماہ گزرنے تک اس کے قریب نہ گیا تو ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔ اب جب اس نے صرف چار ماہ کے لئے ہی قسم کھائی تھی تو پھر ایلاء ختم ہو جائے گا۔ اور جب اس نے ہمیشہ کے لئے قسم اٹھائی تھی۔ تو پھر وہ ایلاء باقی رہے گا۔ جب اس نے اس سے نکاح کیا تو ایلاء لوٹ آئے گا اب جب اس نے وطی کر لی تو بہتر ہے اور جب نہ کی تو چار ماہ گزرنے پر دوسری طلاق ہو جائے گی جب اس نے تیسری مرتبہ نکاح کیا تو ایلاء لوٹ آئے گا۔ اور چار ماہ گزرنے پر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ اب اس سے کسی اور نے نکاح کر لیا تو اس ایلاء سے طلاق تو واقع ہو جائے گی مگر قسم پھر بھی باقی رہے گی۔ جب اس نے اس سے وطی کی تو قسم کا کفارہ دے گا۔ جب اس نے چار ماہ سے کم کی قسم اٹھائی تو اس سے وہ مولی نہ ہوگا۔ جب حج، روزہ، صدقہ، آزاد کرنے کی یا طلاق کی قسم کھائی تو اس سے وہ مولی ہو جائے گا۔ جب اس نے طلاق رجعی دی گئی عورت سے ایلاء کیا تو مولی ہو جائے گا۔ جب بائنہ سے ایلاء کیا تو مولی نہ ہوگا۔

قسم کھانے کی صورت میں ترک تعلق میں مذاہب اربعہ

اِصطلاحِ شرع میں اس کو ایلاء کہتے ہیں۔ میاں اور بیوی کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوش گوار تو نہیں رہ سکتے۔ بگاڑ کے اسباب پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن ایسے بگاڑ کو خدا کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کیساتھ قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بندھے رہیں، مگر عملاً ایک دُوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں اور بیوی نہیں ہیں۔ ایسے بگاڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار مہینے کی مدّت مقرر کر دی کہ یا تو اس دَوران میں اپنے تعلقات درست کر لو، ورنہ ازدواج کا رشتہ منقطع کر دو تا کہ دونوں ایک دُوسرے سے آزاد ہو کر جس سے نباہ کر سکیں، اس کے ساتھ نکاح کر لیں۔

آیت میں چونکہ قَسم کھا لینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اس لیے فقہائے حنفیہ اور شافعیہ نے اس آیت کا منشا یہ سمجھا ہے کہ جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق زن وشونہ رکھنے کی قَسم کھائی ہو، صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا، باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کر لینا، تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدّت کے لیے ہو، اس آیت کا حکم اس صُورت پر چسپاں نہ ہوگا۔ مگر فقہائے مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ خواہ قَسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو، دونوں صُورتوں میں ترکِ تعلق کے لیے یہی چار مہینے کی مُدّت ہے۔ ایک قول امام احمد کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ (بدایۃ المجتہد، جلد دوم، کتاب طلاق)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری کی دلیل میں یہ حکم صرف اس ترکِ تعلق کے لیے ہے، جو

آثار کی دلیل سے ہو۔رہا کسی مصلحت سے شوہر کا بیوی کے ساتھ جسمانی رابطہ منقطع کر دینا، جبکہ تعلقات خوشگوار ہوں، تو اس پہ یہ حکم منطبق نہیں ہوتا۔لیکن دُوسرے فقہا کی دلیل میں ہر وہ حلف جو شوہر اور بیوی کے درمیان رابطہ جسمانی کو منقطع کر دے، ایلاء ہے اور سے چار مہینے سے زیادہ قائم نہ رہنا چاہیے، خواہ ناراضی سے ہو یا رضامندی سے

قوت آثار کے مطابق فقہ حنفی کا مؤقف طلاق ایلاء میں اصح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ فقہاء شوافع کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم شوافع کے مذہب کا اس لئے رد کرتے ہیں کہ بہت سے آثار میں تعارض ہے۔اور اصول کے مطابق آثار میں ترجیح دی ہے اور معروف چار آثار حسب ذیل ہیں۔

(۱) امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما ایلاء کے بارے میں فرماتے ہیں جب چار ماہ اس کی عدت گزر جائے تو اسے ایک طلاق ہے اور وہ اپنی جان کی زیادہ حقدار ہے اور مطلقہ والی عدت گزارے۔اس کی سند سب سے جید ہے جبکہ اس سے اختلافی سند میں حبیب کی پہچان بھی نہیں ہے اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ طاؤس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اخذ کیا ہے لہٰذا وہ سند منقطع ہے۔

(۲) امام عبدالرزاق علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ایلاء کے بارے میں فرماتے ہیں جب چار اس کی عدت گزر جائے تو اسے ایک طلاق ہے اور وہ اپنی جان کی زیادہ حقدار ہے اور مطلقہ والی عدت گزارے۔اور ان میں ہر ایک کی روایت مرسل ہے۔

(۳)(۴) امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم دونوں فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایلاء کیا اور رجوع نہ کیا اور اس کی مدت گزر گئی تو اسے ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی۔

اس روایت کے رواۃ تمام وہی ہیں جن کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم کی ہے۔لہٰذا اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔سب سے مقدم اس روایت کو ہوتا ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بیان کیا ہو اور ان کے بعد تقدم اس روایت کو ہوتا ہے جو روایت ان کے شرط کے مطابق صحیح ہو اور یہ روایت امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔(فتح القدیر، بتصرف، ج ۸، ص ۲۸۲، بیروت)

مدت ایلاء کے گزر جانے سے وقوع طلاق میں مذاہب اسلاف

حضرت عثمان، ابن مسعود، زید بن ثابت وغیرہم کے نزدیک رُجوع کا موقع چار مہینے کے اندر ہی ہے۔اس مدت کا گزر جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کر لیا ہے، اس لیے مدت گزرتے ہی طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی اور وہ ایک طلاق بائن ہوگی، یعنی دَورانِ عدّت میں شوہر کو رُجوع کا حق نہ ہوگا۔البتہ اگر وہ دونوں چاہیں، تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔حضرات عمرؓ، علیؓ، ابنِ عباسؓ اور ابنِ عمرؓ سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے اور فقہائے حنفیہ نے اسی دلیل کو قبول کیا ہے۔

سعید بن مُسیَّب، مکحول، زُہری وغیرہ حضرات اس دلیل سے یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد خود

بخود طلاق واقع ہو جائے گی، مگر اُن کے نزدیک وہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یعنی دورانِ عدت میں شوہر کو رجوع کر لینے کا حق ہوگا اور رجوع نہ کرے تو عدت گزر جانے کے بعد دونوں اگر چاہیں، تو نکاح کر سکیں گے۔

بخلاف اس کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ، ابوالدرداء اور اکثر فقہائے مدینہ کی دلیل یہ ہے کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا اور حاکمِ عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رجوع کرے یا اسے طلاق دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ و شافعی نے اسی کو قبول کیا ہے۔

نوٹ؛ اس مسئلہ کی سب سے جامع تحقیق علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے فتح القدیر میں کی ہے جو یقیناً لاجواب ہے اور ان کی بیان کردہ اس بحث کے بعد فقہ حنفی کی ترجیح روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی اہل علم فتح القدیر میں بیان کردہ اسناد و احوال اور دلائل قاہرہ اور کئی فقہی اصول جو اس بحث کے پس منظر میں بیان ہوئے ہیں ان کی طرف رجوع کریں۔ (رضوی عفی عنہ)

باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہونے کا بیان

وَمُدَّةُ إِيلَاءِ الْأَمَةِ شَهْرَانِ وَإِنْ كَانَ الْمُولِي مَرِيضًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ أَوْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ مَرِيضَةً أَوْ رَتْقَاءَ أَوْ صَغِيرَةً لَا يُجَامَعُ مِثْلُهَا أَوْ كَانَ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهَا فِي مُدَّةِ الْإِيلَاءِ فَفَيْؤُهُ أَنْ يَقُولَ بِلِسَانِهِ فِئْتُ إِلَيْهَا فَإِذَا قَالَ ذَلِكَ سَقَطَ الْإِيلَاءُ وَإِنْ صَحَّ فِي الْمُدَّةِ بَطَلَ ذَلِكَ الْفَيْءُ وَصَارَ فَيْؤُهُ الْجِمَاعَ وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهِ فَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الْكَذِبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَإِنْ قَالَ نَوَيْتُ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ الثَّلَاثَ وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ التَّحْرِيمَ أَوْ لَمْ أُرِدْ بِهِ شَيْئًا فَهُوَ يَمِينٌ يَصِيرُ بِهَا مُولِيًا

ترجمہ

لونڈی سے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔ جب مولی بیمار ہو جس کی وجہ سے وہ صحبت پر قادر نہ ہو یا عورت مریضہ ہو یا بند راستے والی ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے صحبت نہ کی جا سکتی ہو۔ یا ان دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ ایلاء کی مدت کے دوران اس تک پہنچ ہی نہ سکتا ہو تو اس کا یہ کہہ دینا ہی رجوع ہوگا کہ میں نے اس سے رجوع کیا۔ جب اس نے یہ کہہ دیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ جب ایلاء کی مدت میں وہ صحت یاب ہو گیا تو یہ رجوع باطل ہو جائے گا۔ اور اب اس کا رجوع بیوی سے جماع کر لینا ہوگا۔ اور جب کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس سے اس کی نیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ جب کہے کہ میں نے اس سے جھوٹ کا ارادہ کیا تھا تو وہی ہوگا۔ جب کہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو ایک طلاق بائنہ ہوگی۔ مگر یہ ایک طلاق بائنہ اس وقت ہوگی۔ جب اس نے تین کا ارادہ کیا ہو۔ جب اس نے کہہ دیا کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو ظہار ہی ہوگا۔ اگر اس نے کہا کہ میں نے حرمت کا ارادہ کیا تھا۔ یا کسی بھی شئے کا ارادہ نہیں کیا تو یہ قسم ہوگی۔ جس سے وہ مولی ہو جائے گا۔

آزاد و باندی کی مدت ایلاء کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ چار مہینے سے کم کی مدت نہ ہو اور کنیز ہے تو دو ماہ سے کم کی نہ ہو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں اور کنیز تھی اس کے شوہر نے ایلا کیا تھا اور مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ آزاد ہوگئی تو اب اس کی مدت آزاد عورتوں کی ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جگہ معین نہ کرے اگر جگہ معین کی مثلاً واللہ فلاں جگہ تجھ سے قربت نہ کروں گا تو ایلا نہیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ دلیل کے ساتھ کسی باندی یا اجنبیہ کو نہ ملائے مثلاً تجھ سے اور فلاں عورت سے قربت نہ کرونگا۔ اور یہ کہ بعض مدت کا استثنا نہ ہو مثلاً چار مہینے تجھ سے قربت نہ کرونگا مگر ایک دن۔ اور یہ کہ قربت کے ساتھ کسی اور چیز کو نہ ملائے مثلاً اگر میں تجھ سے قربت کروں یا تجھے اپنے بچھونے پر بلاؤں تو تجھ کو طلاق ہے تو یہ ایلا نہیں۔ (درمختار، باب ایلاء)

اپنی عورت سے کہا خدا کی قسم تجھ سے قربت نہ کروں گا ایک دن بعد پھر یہی کہا ایک دن اور گزرا پھر یہی کہا تو یہ تین ایلا ہوئے اور تین قسمیں۔ چار مہینے گزرنے پر ایک بائن طلاق پڑی پھر ایک دن اور گزرا تو ایک اور پڑی، تیسرے دن پھر ایک اور پڑی اب بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، حلالہ کے بعد اگر نکاح اور قربت کی تو تین کفارے ادا کرے اور اگر ایک ہی مجلس میں یہ لفظ تین بار کہے اور نیت تاکید کی ہے تو ایک ہی ایلا ہے اور ایک ہی قسم اور اگر کچھ نیت نہ ہو یا بار بار قسم کھانا تشدد کی نیت سے ہو تو ایلا ایک ہے مگر قسم تین، لہٰذا اگر قربت کریگا تو تین کفارے دے اور قربت نہ کرے تو مدت گزرنے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔ (درمختار)

خدا کی قسم میں تجھ سے ایک سال تک قربت نہ کرونگا مگر ایک دن یا ایک گھنٹا تو فی الحال ایلا نہیں مگر جبکہ سال میں کسی دن جماع کرلیا اور ابھی سال پورا ہونے میں چار ماہ یا زیادہ باقی ہیں تو اب ایلا ہوگیا۔ اور اگر جماع کرنے کے بعد سال میں چار مہینے سے کم باقی ہے یا اُس سال قربت ہی نہ کی تو اب بھی ایلا نہ ہوا۔ اور اگر صورت مذکورہ میں ایک دن کی جگہ ایک بار کہا جب بھی یہی حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک دن کہا ہے تو جس دن جماع کیا ہے اُس دن آفتاب ڈوبنے کے بعد سے اگر چار مہینے باقی ہیں تو ایلا ہے ورنہ نہیں اگرچہ وقت جماع سے چار مہینے ہوں اور اگر ایک بار کا لفظ کہا تو جماع سے فارغ ہونے سے چار ماہ باقی ہیں تو ایلا ہوگیا۔ اور اگر یوں کہا کہ میں ایک سال تک جماع نہ کرونگا مگر جس دن جماع کروں تو ایلا کسی طرح نہ ہوا اور اگر یہ کہا کہ تجھ سے قربت نہ کرونگا مگر ایک دن یعنی سال کا لفظ نہ کہا تو جب کبھی جماع کریگا اُسوقت سے ایلا ہے۔ (درمختار، باب ایلاء)

دو مرتبہ ایلاء کی مدت میں فقہی بیان

مریض نے ایلا کیا پھر دس دن کے بعد دوبارہ ایلا کے الفاظ کہے تو دو ایلا ہیں اور دو قسمیں اور دونوں کی دو مدتیں اگر دونوں مدتیں پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کرلیا اور دونوں مدتیں پوری ہونے تک بیمار رہا تو زبانی رجوع صحیح ہے دونوں ایلا جاتے رہے۔ اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے اچھا ہوگیا تو وہ رجوع کرنا بیکار گیا اور اگر زبانی رجوع نہ کیا تھا تو دونوں مدتیں پوری ہونے پر دو طلاقیں واقع ہونگی اور اگر جماع کرے گا تو دونوں قسمیں ٹوٹ جائیں گی اور دو کفارے لازم اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کیا اور مدت پوری ہونے پر اچھا ہوگیا تو اب دوسرے کے لیے وہ کافی نہیں بلکہ جماع ضروری ہے۔

(عالمگیری، کتاب طلاق)

ایلا کیا اور مدت کے اندر قسم توڑنا چاہتا ہے مگر وطی کرنے سے عاجز ہے کہ وہ خود بیمار ہے یا عورت بیمار ہے یا عورت صغیرسن ہے یا عورت کا مقام بند ہے کہ وطی ہو نہیں سکتی یا یہی نامرد ہے یا اس کا عضو کاٹ ڈالا گیا ہے یا عورت اتنے فاصلہ پر ہے کہ چار مہینے میں وہاں نہیں پہنچ سکتا یا خود قید ہے اور قید خانہ میں وطی نہیں کرسکتا اور قید بھی ظلماً ہو یا عورت جماع نہیں کرنے دیتی یا کہیں ایسی جگہ ہے کہ اس کو اُسکا پتا نہیں تو ایسی صورتوں میں زبان سے رجوع کے الفاظ کہہ لے مثلاً کہے میں نے تجھے رجوع کرلیا یا ایلا کو باطل کردیا یا میں نے اپنے قول سے رجوع کیا یا واپس لیا تو ایلا جاتا رہیگا یعنی مدت پوری ہونے پر طلاق واقع نہ ہوگی اور احتیاط یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے کہے مگر قسم اگر مطلق ہے یا مؤبد تو وہ بحالہ باقی ہے جب وطی کریگا کفارہ لازم آئیگا۔ اور اگر چار مہینے کی تھی اور چار مہینے کے بعد وطی کی تو کفارہ نہیں مگر زبان سے رجوع کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ مدت کے اندر یہ عجز قائم رہے اور اگر مدت کے اندر زبانی رجوع کے بعد وطی پر قادر ہوگیا تو زبانی رجوع ناکافی ہے وطی ضرور ہے۔ (جوہرہ وغیرہما)

اگر کسی عذر شرعی کی دلیل سے وطی نہیں کرسکتا مثلاً خود یا عورت نے حج کا احرام باندھا ہے اور ابھی حج پورے ہونے میں چار مہینے کا عرصہ ہے تو زبان سے رجوع نہیں کرسکتا۔ یونہی اگر کسی کے حق کی دلیل سے قید ہے تو زبانی رجوع کافی نہیں کہ یہ عاجز نہیں کہ حق ادا کرکے قید سے رہائی پاسکتا ہے اور اگر جہاں عورت ہے وہاں تک چار مہینے سے کم میں پہنچے گا مگر دشمن یا بادشاہ جانے نہیں دیتا تو یہ عذر نہیں۔ (درمختار،)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وطی سے عاجز نے دل سے رجوع کرلیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو رجوع نہیں۔ جس وقت ایلا کیا اُس وقت عاجز نہ تھا پھر عاجز ہوگیا تو زبانی رجوع کافی نہیں مثلاً تندرست نے ایلا کیا پھر بیمار ہوگیا تو اب رجوع کے لیے وطی ضرور ہے، مگر جبکہ ایلا کرتے ہی بیمار ہوگیا اتنا وقت نہ ملا کہ وطی کرتا تو زبان سے کہہ لینا کافی ہے اور اگر مریض نے ایلا کیا تھا اور ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ عورت بیمار ہوگئی، اب یہ اچھا ہوگیا تو زبانی رجوع ناکافی ہے۔ (ردمختار، کتاب طلاق)

مطلق حرام کہنے سے ایلاء اور ظہار کی نیت کا بیان

عورت سے کہا تو مجھ پر حرام ہے اس لفظ سے ایلا کی نیت کی تو ایلا ہے اور ظہار کی، تو ظہار ورنہ طلاق بائن اور تین کی نیت کی تو تین۔ اور اگر عورت نے کہا کہ میں تجھ پر حرام ہوں تو یمین ہے شوہر نے زبردستی یا اُس کی خوشی سے جماع کیا تو عورت پر کفارہ لازم ہے۔ اگر شوہر نے کہا تو مجھ پر مثل مُردار یا گوشتِ خنزیر یا خون یا شراب کے ہے اگر اس سے جھوٹ مقصود ہے تو جھوٹ ہے اور حرام کرنا مقصود ہے تو ایلا ہے اور طلاق کی نیت ہے تو طلاق۔ عورت کو کہا تو میری ماں ہے اور نیت تحریم کی ہے تو حرام نہ ہوگی، بلکہ یہ جھوٹ ہے اپنی دو عورتوں سے کہا تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور ایک میں طلاق کی نیت ہے، دوسری میں ایلا کی یا ایک میں ایک طلاق کی نیت کی، دوسری میں تین کی تو جیسی نیت کی، اُس کے موافق حکم دیا جائے گا۔

کتاب الخلع

﴿یہ کتاب خلع کے بیان میں ہے﴾

کتاب خلع کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے باب خلع کو باب ایلاء سے مؤخر ذکر کیا ہے اس کے دو معانی ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ ایلاء مال سے خالی ہے لہٰذا اس بنیاد پر وہ طلاق کے زیادہ قریب ہوا اس لئے اس کو باب خلع پر مقدم کیا ہے۔ جبکہ خلع میں مال کا معاوضہ ہوتا ہے۔

اور دوسرا معنی یہ ہے۔ کہ ایلاء کی بنیاد شوہر کی طرف سے نافرمانی ہے جبکہ خلع کی بنیاد بیوی کی طرف سے نافرمانی ہے۔ لہٰذا جانب شوہر کی طرف سے ہونے والے انکار کو مقدم ذکر کیا ہے۔ اور خلع کی خاء کو ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جس طرح کہا جاتا ہے

"خَالَعَتْ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا وَاخْتَلَعَتْ مِنْهُ بِمَالِهَا" (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۵، ص ۴۵۶، بیروت)

خلع کا فقہی مفہوم

خلع (خ کے پیش کے ساتھ خلع خ کے زبر کے ساتھ) اسم ہے خلع کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو نکالنا اور عام طور پر یہ لفظ بدن سے کسی پہنی ہوئی چیز مثلا کپڑے اور موزے وغیرہ اتارنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی ہیں ملکیت نکاح کو مال کے عوض میں لفظ خلع کے ساتھ زائل کرنا یا ملکیت نکاح ختم کرنے کے لئے لفظ خلع کے ساتھ اپنی عورت سے مال لینا اس شرعی اصطلاح کی توضیح یہ ہے کہ اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے اور دونوں میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے اور مرد طلاق بھی نہ دیتا ہو تو عورت کو جائز ہے کہ کچھ مال دے کر اپنا مہر دے کر نجات حاصل کر لے مثلا اپنے مرد سے کہے کہ اتنا روپیہ لے کر خلع کر دو یعنی میری جان چھوڑ دو یا یوں کہے کہ جو مہر تمہارے ذمہ ہے اس کے عوض میری جان چھوڑ دو اس کے جواب میں مرد کہے کہ میں نے چھوڑ دی تو اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور دونوں میں جدائی ہو جائے گی۔

خلع سے مراد فسخ یا طلاق ہونے میں مذاہب اربعہ

مظہر نے لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ اگر مرد عورت سے کہے کہ میں نے اتنے مال کے عوض تم سے خلع کیا اور بیوی کہے کہ میں نے قبول کیا اور پھر میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو آیا یہ طلاق ہے یا فسخ ہے، چنانچہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ طلاق بائن ہے حضرت امام شافعی کا زیادہ صحیح قول بھی یہی ہے لیکن حضرت امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ یہ فسخ ہے اور حضرت امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے

اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد شوہر کی زیادتی وسرکشی ہو اور شوہر کی اس زیادتی وسرکشی کی دلیل سے بیوی خلع چاہتی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ خلع کے معاوضہ کے طور پر کوئی چیز مثلا روپیہ وغیرہ لے اور اگر میاں بیوی کے باہمی اختلاف کی بنیاد بیوی کی نافرمانی وسرکشی ہو یعنی بیوی کی نافرمانی وبداطواری کی دلیل سے خلع کی نوبت آئی ہو تو اس صورت میں شوہر کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس خلع کے عوض میں اس قدر رقم لے کہ اس نے عورت کے مہر میں جو رقم دی ہے اس سے بھی زیادہ ہو۔

خلع کے طلاق ہونے میں فقہ حنفی کی ترجیحی دلیل

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ثابت ابن قیس کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ثابت ابن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا اور نہ میں ان کی عادات اور ان کے دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن میں اسلام میں کفر یعنی کفران نعمت یا گناہ کو پسند نہیں کرسکتی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ثابت ابن قیس کا باغ جو انہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کرسکتی ہو؟ ثابت کی بیوی نے کہا کہ ہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ثابت سے فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 475)

ثابت ابن قیس کی بیوی کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے شوہر سے اس لئے جدائی اختیار کرنا نہیں چاہتی کہ وہ بداخلاق ہیں یا ان کی عادات مجھے پسند نہیں ہیں یا یہ کہ ان کے دین میں کچھ نقصان ہے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ مجھے ان سے محبت نہیں ہے اور وہ طبعی طور پر مجھے ناپسند ہیں لیکن بہرحال وہ میرے شوہر ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کے تئیں میری طرف سے کوئی ایسی حرکت نہ ہو جائے جو اسلامی حکم کے خلاف ہو مثلا مجھ سے کوئی نافرمانی ہو جائے یا ان کی مرضی کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو ایسی صورت میں گویا کفران نعمت یا گناہ ہوگا جو مجھے گوارہ نہیں ہے اس لئے میں کیوں نہ ان سے جدائی اختیار کرلوں۔

کہا جاتا ہے کہ ثابت ابن قیس بہت بدصورت تھے اور ٹھگنے (پست) قد تھے اور ان کی بیوی کا نام حبیبہ یا جمیلہ تھا جو بہت خوبصورت اور حسین تھیں اسی لئے ان دونوں کا جوڑا بہت ناموزوں تھا اور ان کی بیوی ان کو پسند نہیں کرتی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض کے مطابق حضرت ثابت کو مصلحۃ یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدیں اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کے حق میں یہ اولی افضل ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ اگر رجوع کرنا منظور ہو تو رجوع کرلے نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خلع طلاق ہے فسخ نہیں ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ الخلع تطليقة بائنة یعنی خلع طلاق بائن ہے۔

خلع کے یکطرفہ نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

فدیہ کے لفظ میں معاوضہ کا معنی ہے اور معاوضہ میں باہمی رضامندی ضروری ہے۔

وفی تسمیته صلی الله علیه وسلم الخلع فدیه دلیل علی ان فیه معنی المعاوضة ولهذا اعتبر فیه رضا الزوجین (زاد المعاد)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خلع کا نام فدیہ رکھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضہ کے معنی پائے جاتے ہیں اور اس لئے اس میں زوجین کی رضامندی کو لازمی قرار دیا۔

فان خفتم سے جملہ شرطیہ شروع ہوتا ہے اور فلاجناح علیهما فیماافتدت به جملہ جزائیہ ہے، جزا سے کہیں یہ ثابت نہیں ہورہا کہ اگر زوجین اندیشہ محسوس کریں کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے تو حکام ان کے درمیان تفریق کردیں۔ خلع کی صورت میں شوہر کچھ مالی مفاد حاصل کر لیتا ہے جبکہ طلاق دینے کی صورت میں مالی فوائد سے یکسر محروم رہتا ہے، اس لئے بجائے طلاق کے شوہر کے لئے خلع باعث کشش ہے، بسا اوقات شوہر خلع دینے پر رضامند ہوتا ہے مگر بیوی یا تو جدائی ہی نہیں چاہتی یا چاہتی ہے مگر جدائی کے بدلے مہر وغیرہ سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ کیا عدالت شوہر کی خواہش پر بیوی کو زبردستی خلع لینے پر مجبور کر سکتی ہے؟ ظاہر ہے عدالت ایسا اختیار نہیں رکھتی پس آیت شریفہ کی رو سے جس طرح بیوی کی رضامندی ضروری ہے اسی طرح شوہر کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

ایک مقدمہ فرض کیجئے کہ شوہر طلاق نہیں دینا چاہتا اور عورت طلاق چاہتی ہے مگر مہر نہیں چھوڑنا چاہتی، علیحدگی کی کوئی اور معقول دلیل بھی موجود نہیں اور حکام کو صرف اندیشہ نہیں بلکہ یقین ہے کہ دونوں حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے، کیا فان خفتم کے خطاب کی دلیل سے حکام زبردستی ان کا نکاح منسوخ اور کالعدم کر سکتے ہیں؟

آیت شریفہ اپنی گفتگو میں میاں بیوی دونوں کو شریک رکھتی ہے ولا یحل لکم سے شوہر کو مال واپس لینے سے منع کر دیا گیا ہے، الا ان یخافا سے ایک صورت میں اجازت دی گئی، ان لا یقیما حدود اللہ کے الفاظ سے بدل خلع کے جواز کو بیان کیا گیا ہے، مگر مال کے بدلے علیحدگی کی صورت میں زوجین کو مال کی ادائیگی و وصولی میں گناہ کا شک ہو سکتا تھا، فلا جناح علیهما کے الفاظ سے اس تردد کو زائل کر دیا گیا۔

ہر وہ شخص جسے سخن فہمی کا سلیقہ ہو وہ ان علیحدہ علیحدہ جملوں اور آیت شریفہ کے مجموعی تاثر سے یہی مفہوم اخذ کرے گا کہ خلع میں میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے جب تک زبان و بیان کے قاعدوں کا خون نہ کیا جائے، اور خواہشات کا رندہ قرآن کریم پر نہ چلایا جائے، اس وقت تک شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کا جواز آیت شریفہ سے ثابت نہیں ہوتا۔

میاں بیوی مل کر نکاح کی صورت میں ایک گرہ لگاتے ہیں مگر قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ گرہ لگنے کے بعد صرف شوہر ہی اسے کھول سکتا ہے، یعنی طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں ہے۔ الذی بیده عقدة النكاح جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ

ہے۔

عمرو بن شعیب کی مرفوع روایت میں ہے جو سند کے لحاظ سے حسن درجے سے کم نہیں کہ اس سے مراد شوہر ہے، حضرت علی اور ابن عباس سمیت صحابہ کی اکثریت سے یہی تفسیر منقول ہے، حافظ ابن جریر طبری نے بھی نا قابل انکار دلائل سے یہی ثابت کیا ہے خلع کی شرطیں بھی وہی ہیں جو طلاق کی ہیں، اور طلاق میں شوہر کی مرضی و اجازت شرط ہے اس لئے خلع میں بھی شوہر کی رضامندی شرط ہے، وشرطه شرط الطلاق (فتاوی ھندیہ) خلع کی شرائط وہی ہیں جو طلاق کی ہیں۔

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری سمیت تمام ائمہ مجتہدین اس نظریے میں ہم خیال وہم زبان ہیں کہ خلع میں میاں بیوی دونوں کی رضامندی شرط ہے۔

مال کے بدلے طلاق لیکر خلع کرنے کا بیان

إِذَا تَشَاقَ الزَّوْجَانِ وَخَافَا أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا بَأْسَ أَنْ تَفْتَدِيَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهِ فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ فَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ كُرِهَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا وَإِنْ كَانَ النُّشُوزُ مِنْ قِبَلِهَا كُرِهَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهَا أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهَا فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ وَإِنْ طَلَّقَهَا عَلَى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلُ أَنْ يُخَالِعَ الْمُسْلِمَةَ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَيْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ وَإِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا وَمَا جَازَ أَنْ يَكُونَ مَهْرًا جَازَ أَنْ يَكُونَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ وَإِذَا قَالَتْ لَهُ خَالِعْنِي عَلَى مَا فِي يَدِي فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهُ عَلَيْهَا وَإِنْ قَالَتْ عَلَى مَا فِي يَدِي مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا وَإِنْ قَالَتْ عَلَى مَا فِي يَدِي مِنْ دَرَاهِمَ أَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ وَلَمْ يَكُنْ فِي يَدِهَا شَيْءٌ فَلَهُ عَلَيْهَا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِي ثَلَاثًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ

ترجمہ

اور جب زوجین کے مابین ناراضگی ہوگئی ہو اور یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو عورت کا اپنی جان کے بدلے میں کچھ مال وغیرہ دے کر خلع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جب اس نے یہ کر دیا تو خلع سے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور اس عورت پر وہ مال دینا لازم ہو جائے گا۔ جب ناراضگی مرد کی طرف سے ہو تو عورت سے عوض لینا مکروہ ہوگا۔ جب عورت کی طرف سے ہو تو اسے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ جب اس نے اس طرح کر ہی دیا تو یہ بات فیصلۃً جائز ہے۔ جب اس نے مال کے بدلے میں طلاق دی اور عورت نے قبول بھی کر لی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مال لازم ہو جائے گا۔ اور طلاق بائنہ ہوگی۔ اگر خلع میں عوض باطل ہو مثال کے طور پر مسلمان عورت شراب یا خنزیر پر خلع کرے تو شوہر کے لئے کوئی شئے نہ ہو

گی اور فرقت بائنہ ہوجائے گی۔ اور جب طلاق میں عوض باطل ہو تو طلاقِ رجعی واقع ہو جائے گی۔

وہ چیز جو نکاح میں مہر کے طور پر جائز ہے وہ خلع میں بھی عوض ہو سکتی ہے۔ اگر عورت نے کہا یہ جو چیز میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلے مجھ سے خلع کرلو۔ پس اس نے خلع کرلیا' اور ہاتھ میں کچھ بھی نہ تھا تو شوہر کے لئے عورت پر کوئی شئے بھی لازم نہ ہوگی۔ جب عورت نے کہا کہ جو مال میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلے مجھ سے خلع کرلو۔ اس نے خلع کرلیا مگر ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت اپنا حق مہر واپس کرالے گی۔ جب عورت کہے کہ درہموں میں سے جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کے بدلے مجھ سے خلع کرلے پس اس نے کرلیا' اور عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس آدمی کے لئے اس عورت پر تین درہم دینا لازم ہوں گے۔

خلع کے طلاق ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دیں ہیں پھر اس عورت نے خلع کرا لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔

یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے، حضرت عکرمہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں، دیکھو آیت کے اول و آخر طلاق کا ذکر ہے پہلے دو طلاقوں کا پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں جو خلع کا ذکر ہے، پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عمر طاؤس عکرمہ، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمان نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے، لیکن یہ اثر ضعیف ہے۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، سعید بن مسیب، حسن، عطا، شریح، شعبی، ابراہیم، جابر بن زید، مالک، ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی ثوری، اوزاعی، ابوعثمان بتی کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام شافعی کا بھی جدید قول یہی ہے، ہاں حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو دو ہو جائیں گی۔ اگر کچھ کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعی کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طلاق، خلع اور فسخ نکاح کے فرق کا بیان

طلاق صرف خاوند کے الفاظ اور اس کے اختیار ور ضا سے ہوتی ہے، لیکن فسخ نکاح خاوند کے الفاظ کے بغیر بھی ہو جاتا ہے، اور اس میں خاوند کی رضا اور اختیار کی شرط نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ہر وہ جس سے تفریق اور علیحدگی کا فیصلہ کیا جائے اور خاوند اس کے الفاظ نہ بولے، اور اسے نہ چاہے۔ تو یہ علیحدگی طلاق نہیں کہلائیگی۔ (الام (128/5)

2 طلاق کے کئی ایک اسباب ہیں، اور بعض اوقات بغیر کسی سبب کے بھی ہوسکتی ہے، بلکہ طلاق تو صرف خاوند کا اپنی بیوی کو چھوڑنے کی رغبت سے ہوگی۔

لیکن فسخ نکاح کے لیے سبب کا ہونا ضروری ہے جو فسخ کو واجب یا مباح کرے۔ فسخ نکاح ثابت ہونے والے اسباب کی مثالیں: خاوند اور بیوی کے مابین کفو و مناسبت نہ ہونا جنہوں نے لزوم عقد میں اس کی شرط لگائی ہے۔ جب خاوند یا بیوی میں سے کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو جائے، اور دینِ اسلام میں واپس نہ آئے۔ جب خاوند اسلام قبول کرلے اور بیوی اسلام قبول کرنے سے انکار کردے، اور وہ مشرکہ ہو اور اہل کتاب سے تعلق نہ رکھتی ہو۔

خاوند اور بیوی میں لعان ہو جائے۔ خاوند کا نفقہ واخراجات سے تنگ اور عاجز ہو جانا، جب بیوی فسخ نکاح طلب کرے۔ خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک میں ایسا عیب پایا جائے جو استمتاع میں مانع ہو، یا پھر دونوں میں نفرت پیدا کرنے کا باعث بنے۔

3 فسخ نکاح کے بعد خاوند کو رجوع کا حق حاصل نہیں اس لیے وہ اسے نئے عقد نکاح اور عورت کی رضامندی سے ہی واپس لا سکتا ہے۔ لیکن طلاق رجعی کی عدت میں وہ اس کی بیوی ہے، اور اسے پہلی اور دوسری طلاق کے بعد اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، چاہے بیوی راضی ہو یا راضی نہ ہو۔

فسخ نکاح میں مرد جن طلاقوں کی تعداد کا مالک ہے اسے شمار نہیں کیا جاتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اور خاوند اور بیوی کے مابین جو فسخ نکاح ہو تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، نہ تو ایک اور نہ ہی اس کے بعد۔ (کتاب الام (199/5)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "فسخ نکاح اور طلاق میں فرق یہ ہے کہ اگرچہ ہر ایک سے خاوند اور بیوی میں علیحدگی اور تفریق ہو جاتی ہے: فسخ یہ ہے کہ جب اس کے بعد خاوند اور بیوی دوبارہ نکاح کریں تو وہ پہلی عصمت پر ہیں، اور عورت اپنے خاوند کے پاس تین طلاق پر ہوگی (یعنی خاوند کو تین طلاق کا حق ہوگا) اور اگر اس نے فسخ نکاح سے قبل طلاق دی اور رجوع کرلیا تو اس کے پاس دو طلاقیں ہونگی۔ (الاستذکار (181/6)

خلع میں زیادہ مال لینے سے متعلق مذاہب اربعہ

جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع عورت اپنے سے دیئے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے آیت (فی ما افتدت بہ) فرمایا ہے، حضرت عمر کے پاس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی، آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کردو پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے؟ اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کرلے۔ اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو، ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا، ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دھجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کردے۔ حضرت عثمان فرماتے

ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے۔

ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے۔ ایک مرتبہ جھگڑے کے موقع پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا معاذ بن عفراء اس قصہ کو لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے۔ عثمان نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دھجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس (سیس) چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو، پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے دے کر وہ خلع کرا سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔

ابن عمر، ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ بن ذویب، حسن بن صالح عثمان رحم اللہ اجمعین بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالک علیہ الرحمہ، لیث، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

اور اصحاب ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ گو زیادہ لے لے تو بھی قضاء کے وقت جائز ہو گا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ گو، لے لے تو قضا جائز ہو گا۔

امام احمد ابوعبید اور اسحٰق بن راہو یہ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں۔ سعید بن مسیب عطاء عمرو بن شعیب زہری طاؤس حسن شعبی حماد بن ابوسلیمان اور ربیع بن انس کا بھی یہی مذہب ہے۔ عمر اور حاکم کہتے ہیں حضرت علی کا بھی یہ فیصلہ ہے۔

اوزاعی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے۔ اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا، اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے لے گا، کا لفظ قرآن میں ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے، کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو، ربیع کی قرأت میں بہ کے بعد منہ کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود اللہ ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہوں گے۔

عورت کا ایک ہزار کے بدلے میں طلاق لینے کا بیان

وَإِذَا قَالَتْ طَلِّقْنِي ثَلاثًا عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلا شَيْءَ لَهُ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ قَالَ لِزَوْجِ طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلاثًا بِأَلْفٍ أَوْ عَلَى أَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ عَلَيْهَا وَالْمُبَارَأَةُ كَالْخُلْعِ شَيْءٌ وَالْخُلْعُ وَالْمُبَارَأَةُ يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ

أَبِي حَنِيفَةَ

ترجمہ

اور جب عورت نے کہا کہ ایک ہزار کے بدلے مجھے تین طلاقیں دے دے۔ پس اس نے اسے ایک طلاق دے دی تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت پر کوئی شئے لازم نہ ہوگی۔ جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک ہزار کا تیسرا حصہ اس عورت پر لازم ہوگا۔

جب شوہر نے کہا کہ ایک ہزار کے بدلے میں یا ایک ہزار پر اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لے۔ پس عورت نے ایک طلاق دے لی تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور مبارأۃ (جدائی اختیار کرنا) خلع کی طرح ہی ہے۔ زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے پر ایسا حق جو نکاح سے متعلق ہو۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبارأۃ اور خلع اسے ساقط کر دیتے ہیں۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مبارأۃ تو کرتا ہے مگر خلع نہیں' اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ☐ کہ یہ دونوں اپنے مقرر کردہ کے علاوہ کو ساقط نہیں کرتے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ عورت نے کسی کو ہزار روپے پر خلع کے لیے وکیل بنایا تو اگر وکیل نے بدل خلع مطلق رکھا مثلاً یہ کہا کہ ہزار روپے پر خلع کریا اس ہزار پر یا وکیل نے اپنی طرف اضافت کی مثلاً یہ کہا کہ میرے مال سے ہزار روپے پر یا کہا ہزار روپے پر اور میں ہزار روپے کا ضامن ہوں تو دونوں صورتوں میں وکیل کے قبول کرنے سے خلع ہو جائے گا پھر اگر روپے مطلق ہیں جب تو شوہر عورت سے لے گا ورنہ وکیل سے بدل خلع کا مطالبہ کریگا عورت سے نہیں پھر وکیل عورت سے لے گا اور اگر وکیل کے اسباب کے بدلے خلع کیا اور اسباب ہلاک ہو گئے تو وکیل اُن کی قیمت ضمان دے۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

اور جب عورت سے کہا میں نے تیرے ہاتھ تین ہزار کو طلاق بیچی اس کو تین بار کہا آخر میں عورت نے کہا میں نے خریدی پھر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے تکرار کے ارادہ سے تین بار کہا تھا تو قضاءً اُس کا قول معتبر نہیں اور تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور عورت کو صرف تین ہزار دینے ہونگے نو ہزار نہیں کہ پہلی طلاق تین ہزار کے عوض ہوئی اور اب دوسری اور تیسری پر مال واجب نہیں ہو سکتا اور چونکہ صریح ہیں، لہٰذا بائن کو لاحق ہونگی۔ مال کے بدلے میں طلاق دی اور عورت نے قبول کر لیا تو مال واجب ہوگا اور طلاق بائن واقع ہوگی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق)

مبارات کا خلع کی طرح ہونے کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مباراۃ کے ہمزہ کو فتح کے ساتھ پڑھیں گے کیونکہ یہ باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا معنی برأت ہے۔ (یعنی شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے سے بری ہونا مباراۃ کہلاتا ہے) جبکہ اس میں ہمزے کو ترک کرنا غلطی ہے جس طرح مغرب میں ہے۔ (فتح القدیر، ج۹ ص۸۰، بیروت)

لفظ خلع سے مکمل الگ ہونے کا بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: مبارات کا حکم خلع کی طرح ہے اور مبارات میں یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو بری الذمہ قرار دیدیں تو یہ دونوں ایک دوسرے کے حق کو ساقط کر دیتے ہیں یعنی وہ حق جو ان کا ہو اور جو دوسرے کے ذمے لازم ہو اور وہ تمام حقوق جن کا تعلق نکاح سے ہے انہیں ساقط کرتے ہیں یہ حکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل اس بارے میں مختلف ہے وہ یہ فرماتے ہیں: مبارات کے ذریعے صرف وہی حقوق ساقط ہوتے ہیں جن کا تذکرہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے کیا ہو۔ خلع کے بارے میں امام ابو یوسف کی دلیل امام محمد علیہ الرحمہ کے ساتھ ہے اور مبارات کے بارے میں ان کی دلیل امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: خلع اور مبارات میں معاوضے کا لین دین ہوتا ہے اور یہ دونوں عقد معاوضہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور عقد معاوضہ میں مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا ان دونوں میں یعنی خلع اور مبارات میں صرف وہی چیزیں ساقط شمار ہوں گی جنہیں میاں بیوی نے ذکر کیا ہوگا۔ امام ابو یوسف اپنے مؤقف کی تائید میں یہ بات بیان کرتے ہیں: خلع اور مبارات کے درمیان فرق ہے اس کی دلیل یہ ہے: لفظ مبارات لفظ برأت سے ماخوذ ہے اور یہ مفاعلہ کے وزن پر ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ دونوں فریقین کی طرف پائی جانی چاہئے پھر کیونکہ یہ لفظ مطلق ہے جبکہ ہم نے اسے نکاح کے حقوق کے ساتھ پابند کر دیا ہے کیونکہ غرض و غایت اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہاں اس سے مراد یہی ہوسکتا ہے اس کے برعکس دوسری طرف لفظ خلع کا تقاضا یہ ہے: انخلاع ہو جائے یعنی نکاح مکمل طور پر منقطع ہو جائے تو نکاح ختم ہونے میں یہ مفہوم حاصل ہو جائے گا تو احکام کے انقطاع کے بارے میں اس کی ضرورت نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں خلع کا مطلب علیحدہ ہونا اور جدا ہونا ہے جیسے خلع النعل کا مطلب جوتے کو مکمل طور پر اتار دینا ہے اسی طرح خلع العمل کا مطلب کام سے مکمل طور پر الگ ہو جانا ہے اس لئے جب لفظ خلع مکمل علیحدگی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اور لفظ مبارات کا مطلب بھی مکمل علیحدگی ہے تو جس طرح لفظ مبارات مطلق ہے اسی طرح خلع بھی مطلق ہوگا اور مبارات اور خلع دونوں کے ذریعے مطلق طور پر نکاح سے متعلق تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے خواہ میاں بیوی ان کا ذکر کریں یا ان کا ذکر نہ کریں۔

عدت خلع میں حق طلاق پر مذاہب اربعہ

اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نہیں، کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہوگئی ہے، ابن عباس ابن زبیر عکرمہ جابر بن زید حسن بصری، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول امام مالک علیہ الرحمہ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں، یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمان سے مروی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابوحنیفہ ان کے اصحاب، ثوری، اوزاعی، سعید بن مسیب، شریح، طاؤس، ابراہیم، زہری، حاکم، حکم اور حماد کا بھی یہی قول ہے۔

ابن مسعود اور ابوالدرداء سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو، فرائض کو ضائع نہ کرو، محارم کی بیحرمتی نہ کرو، جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے، ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ آیت (الطلاق مرتان) کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی، ان سے تجاوز نہ کرو،

اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں۔ آپ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جانے لگا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کروں، لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

•••------•••------•••

كتاب الظهار

﴿یہ کتاب ظہار کے بیان میں ہے﴾

کتاب ظہار کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ظہار کی مناسبت خلع کے ساتھ اس طرح واضح ہے کہ ان میں سے ہر ایک حکم کے اعتبار سے ایک ہی طرح واضح ہے اور فرق یہ ہے کہ خلع میں جماع کی حرمت ثابت ہوتے ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ ظہار میں جماع کی حرمت نکاح کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ لہٰذا مصنف علیہ الرحمہ نے نکاح کو ختم کرنے والی حرمت کو پہلے ذکر کیا ہے کیونکہ وہ مقام طلاق کے قریب ہے اور نکاح کے ساتھ پائی جانے والی حرمت کو مؤخر کیا ہے کیونکہ یہ نکاح کے قریب معارضہ کے ساتھ باقی ہے۔ (فتح القدیر، بتصرف، ج ۹، ص ۱۰۱، بیروت)

ظہار کا لغوی معنی و تعریف

ظہار کے لغوی معنی: ظہار ظہر سے مشتق ہے ظہر کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ ظہار کے اصطلاحی معنی: بیوی یا اس کے بعض حصہ جیسے آدھا یا چوتھائی وغیرہ یا اس کے ایسے عضو جس کو بول کر پورا وجود مراد لیا جاتا ہو، جیسے سر، وغیرہ کو اپنے حقیقی یا سسرالی یا رضاعی محرم کے ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کا دیکھنا جائز نہیں۔ جو اپنی منکوحہ کو یا اس کے کسی ایسے جزء کو جس کو بول کر کل مراد لیا جا سکتا ہو، اپنی محرم عورت کے ساتھ تشبیہ دے، ظہار کہلاتا ہے جس کی مثال یہ ہے۔

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے؛ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے اور اب اس سے جماع کرنا جائز نہیں اور نہ اسکو چھونا اور نہ بوسہ لینا جائز ہے حتی کہ وہ اس ظہار کا کفارہ ادا کرے۔ (ہدایہ اولین ج ۳ ص ۳۸۹ مجتبائے دہلی)

ظہار کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ظہار کا معنی ہے کہ اپنی زوجہ یا اُس کے کسی جزو شائع یا ایسے جز کو جوکُل سے تعبیر کیا جاتا ہو ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہو۔ مثلاً کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا تیرا سر یا تیری گردن یا تیرا نصف میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے۔ (درمختار، ج ۵، ص ۱۲۵، بیروت)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو نہیں۔ یونہی اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جسکی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو

مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور گھٹنے سے تشبیہ دی تو ہے۔ (جوہرہ نیرہ، باب ظہار، رحمانیہ لاہور)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا کہا میں نے تجھ سے ظہار کیا تو یہ الفاظ صریح ہیں ان میں نیت کی کچھ حاجت نہیں کچھ بھی نیت نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا اکرام کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ مقصود جھوٹی خبر دینا تھا یا زمانہ گزشتہ کی خبر دینا ہے تو قضاء تصدیق نہ کرینگے اور عورت بھی تصدیق نہیں کرسکتی۔ (عالمگیری، باب ظہار)

ظہار کا شرعی حکم

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہظہار کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ نہ دیدے اُس وقت تک اُس عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اُس کا بوسہ لینا یا اُس کو چھونا یا اُس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا حرام ہے اور بغیر شہوت چھونے یا بوسہ لینے میں حرج نہیں مگر لب کا بوسہ بغیر شہوت بھی جائز نہیں کفارہ سے پہلے جماع کرلیا تو توبہ کرے اور اُس کے لیے کوئی دوسرا کفارہ واجب نہ ہوا مگر خبردار پھر ایسا نہ کرے اور عورت کو بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قربت کرنے دے۔ (جوہرہ نیرہ، باب ظہار)

نشئی کے ظہار میں مذاہب اربعہ

نشے کی حالت میں ظہار کرنے والے کے متعلق ائمہ اربعہ سمیت فقہاء کی عظیم اکثریت کہتی ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی نشہ آور چیز جان بوجھ کر استعمال کی ہو تو اس کا ظہار اس کی طلاق کی طرح قانوناً صحیح مانا جائے گا، کیونکہ اس نے یہ حالت اپنے اوپر خود طاری کی ہے۔ البتہ اگر مرض کی دلیل سے اس نے کوئی دوا پی ہو اور اس سے نشہ لاحق ہو گیا ہو، یا پیاس کی شدت میں وہ جان بچانے کے لیے شراب پینے پر مجبور ہوا ہو تو اس طرح کے نشے کی حالت میں اس کے ظہار وطلاق کو نافذ نہیں کیا جائے گا۔ احناف اور شوافع اور حنابلہ کی دلیل یہی ہے اور صحابہ کا عام مسلک بھی یہی تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ نشے کی حالت میں طلاق وظہار معتبر نہیں ہے۔ احناف میں سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور کرخی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو ترجیح دیتے رہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے۔ مالکیہ کے نزدیک ایسے نشے کی حالت میں ظہار معتبر ہوگا جس میں آدمی بالکل بہک نہ گیا ہو، بلکہ وہ مربوط اور مرتب کلام کر رہا ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

ظہار کے متعین وقت سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ

کیا ظہار ایک خاص وقت تک کے لیے ہوسکتا ہے؟ حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ اگر آدمی نے کسی خاص وقت کی تعیین کر کے ظہار کیا ہو تو جب تک وہ وقت باقی ہے، بیوی کو ہاتھ لگانے سے کفارہ لازم آئے گا، اور اس وقت کے گزر جانے پر ظہار غیر مؤثر ہو جائے گا۔ اس کی دلیل سلمہ بن صخر بیاضی کا واقعہ ہے جس میں انہوں نے اپنی بیوی سے رمضان کے لیے ظہار کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ وقت کی تعیین بے معنی ہے۔ بخلاف اس کے امام مالک علیہ الرحمہ اور ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ ظہار جب بھی کیا جائے گا، ہمیشہ کے لیے ہوگا اور وقت کی تخصیص غیر مؤثر ہوگی، کیونکہ جو حرمت واقع ہو چکی ہے وہ وقت گزر جانے

پر آپ سے آپ ختم نہیں ہوسکتی۔
مشروط ظہار کیا گیا ہو تو جس وقت بھی شرط کی خلاف ورزی ہوگی، کفارہ لازم آ جائے گا۔ مثلاً آدمی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ اگر میں گھر میں آؤں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی بیٹھ۔ اس صورت میں وہ جب بھی گھر میں داخل ہوگا۔ کفارہ ادا کیے بغیر بیوی کو ہاتھ نہ لگا سکے گا۔

ایک بیوی سے کئی مرتبہ ظہار کے الفاظ کہے گئے ہوں تو حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ خواہ ایک ہی نشست میں ایسا کیا گیا ہو یا متعدد نشستوں میں، بہرحال جتنی مرتبہ یہ الفاظ کہے گئے ہوں اتنے ہی کفارے لازم آئیں گے، الا یہ کہ کہنے والے نے ایک دفعہ کہنے کے بعد اس قول کی تکرار محض اپنے پہلے قول کی تاکید کے لیے کی ہو۔ بخلاف اس کے امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی مرتبہ اس قول کی تکرار کی گئی ہو، قطع نظر اس سے کہ اعادہ کی نیت ہو یا تاکید کی، کفارہ ایک ہی لازم ہوگا۔ یہی قول شعبی، طاؤس، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، اور اوزاعی رحمہم اللہ کا ہے حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر تکرار ایک نشست میں کی گئی ہو تو ایک ہی کفارہ ہوگا، اور مختلف نشستوں میں ہو تو جتنی نشستوں میں کی گئی ہو اتنے ہی کفارے دینے ہوں گے۔ قتادہ اور عمرو بن دینار کی دلیل بھی یہی ہے۔

ظہار کے بعد رجوع میں مذاہب اربعہ

قرآن مجید میں جس چیز کو کفارہ لازم آنے کا سبب قرار دیا گیا ہے وہ محض ظہار نہیں ہے بلکہ ظہار کے بعد عود ہے۔ یعنی اگر آدمی صرف ظہار کر کے رہ جائے اور عود نہ کرے تو اس پر کفارہ لازم نہیں آتا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ عود کیا ہے جو کفارہ کا موجب ہے؟ اس بارے میں فقہاء کے مالک یہ ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ عود سے مراد مباشرت کا ارادہ ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محض ارادے اور خواہش پر کفارہ لازم آ جائے حتیٰ کہ اگر آدمی ارادہ کر کے رہ جائے اور عملی اقدام نہ کرے تب بھی اسے کفارہ دینا پڑے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس حرمت کو رفع کرنا چاہے جو اس نے ظہار کر کے بیوی کے ساتھ تعلق زن وشو کے معاملہ میں اپنے اوپر عائد کر لی تھی وہ پہلے کفارہ دے، کیونکہ یہ حرمت کفارہ کے بغیر رفع نہیں ہوسکتی۔

امام مالک علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس معاملہ میں تین قول ہیں، مگر مالکیہ کے ہاں ان کا مشہور ترین اور صحیح ترین قول اس مسلک کے مطابق ہے جو اوپر حنفیہ کا بیان ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار سے جس چیز کو اس نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ وہ بیوی کے ساتھ مباشرت کا تعلق تھا۔ اس کے بعد عود یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ یہی تعلق رکھنے کے لیے پلٹے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی ابن قدامہ نے قریب قریب وہی نقل کیا ہے جو اوپر دونوں اماموں کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہار کے بعد مباشرت کے حلال ہونے کے لیے کفارہ شرط ہے۔ ظہار کرنے والا جو شخص اسے حلال کرنا چاہے وہ گویا تحریم سے پلٹنا چاہتا ہے۔ اس لیے اسے حکم دیا گیا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے کفارہ دے، ٹھیک اسی طرح جیسے کوئی شخص

ایک غیر عورت کو اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس سے کہا جائے گا کہ اسے حلال کرنے سے پہلے نکاح کرے۔

امام شافعی کا مسلک ان تینوں سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کا اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اسے حسب سابق بنائے رکھنا، یا بالفاظ دیگر اسے بیوی کی حیثیت سے روکے رکھنا عود ہے۔ کیونکہ جس وقت اس نے ظہار کیا اسی وقت گویا اس نے بیوی اپنے لیے یہ بات حرام کرلی کہ اسے بیوی بنا کر رکھے۔ لہٰذا اگر اس نے ظہار کرتے ہی فوراً اسے طلاق نہ دی اور اتنی دیر تک اسے روکے رکھا جس میں وہ طلاق کے الفاظ زبان سے نکال سکتا تھا، تو اس نے عود کرلیا اور اس پر کفارہ واجب ہوگیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک سانس میں ظہار کرنے کے بعد اگر آدمی دوسرے ہی سانس میں طلاق نہ دے دے تو کفارہ لازم آ جائے گا، خواہ بعد میں اس کا فیصلہ یہی ہو کہ اس عورت کو بیوی بنا کر نہیں رکھنا ہے، اور اس کا کوئی ارادہ اس کے ساتھ تعلق زن وشوہر رکھنے کا نہ ہو۔ حتی کہ چند منٹ غور کر کے وہ بیوی کو طلاق بھی دے ڈالے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی رو سے کفارہ اس کے ذمہ لازم رہے گا۔

منکوحہ کو ہمیشہ کی حرام عورت سے تشبیہ دینے کا بیان

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ وَلَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا وَلَا لَمْسُهَا وَلَا تَقْبِيلُهَا حَتَّى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهِ فَإِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ اسْتَغْفَرَ اللَّهَ تَعَالَى وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرُ الْكَفَّارَةِ الْأُولَى وَلَا يَعُودُ حَتَّى يُكَفِّرَ وَالْعَوْدُ الَّذِي يَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ أَنْ يَعْزِمَ عَلَى وَطْئِهَا وَإِذَا قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ أُمِّي أَوْ كَفَخِذِهَا أَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ وَكَذَلِكَ إِذَا شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ مُنَاكَحَتُهَا عَلَى التَّأْبِيدِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ مِثْلُ أُخْتِهِ أَوْ عَمَّتِهِ أَوْ أُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ أَوْ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَكَذَا إِذَا قَالَ رَأْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ أَوْ بَدَنُكِ أَوْ رَقَبَتُكِ أَوْ نِصْفُكِ أَوْ ثُلُثُكِ أَوْ عُشْرُكِ كَانَ مُظَاهِرًا وَإِنْ قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّي أَوْ كَأُمِّي رُجِعَ إِلَى نِيَّتِهِ وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ

ترجمہ

اور جب کسی نے اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ نہ اس سے وطی حلال رہے گی نہ اسے چھونا اور نہ ہی اس کا بوسہ لینا حلال ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ظہار کا کفارہ دے لے۔ جب کفارہ ظہار سے قبل وطی کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے اور اس پر ظہار کے اسی پہلے کفارہ کے علاوہ کوئی شئے لازم نہ ہوگی اور پھر کفارہ ادا کر دینے تک عود نہ کرے اور وہ عود جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ اس سے وطی کا ارادہ کرے جب کسی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ ران یا اس کی فرج کی مثل ہے تو وہ مظاہر (یعنی ظہار کرنے والا) ہو جائے گا۔ یونہی جب اس نے بیوی کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دے دی جس کی طرف نظر کرنا اس کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ مثال کے طور پر اپنی بہن پھوپھی اور رضاعی ماں کے ساتھ تشبیہ دے دی۔ یونہی جب کہہ دے کہ مجھ پر یہ تیرا سر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے یا تیری

زوج یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا ثلث۔ اور جب اس نے کہہ دیا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے۔ تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جب کہہ دے کہ میرا ارادہ تو بزرگی کا تھا۔ تو ویسا ہی ہوگا۔ جب اس نے کہہ دیا کہ میرا ارادہ ظہار کا تھا۔ تو ظہار ہو جائے گا۔ جب اس نے کہا کہ میرا طلاق کا ارادہ تھا۔ تو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ جب کوئی بھی نیت نہ کی تھی تو کوئی چیز بھی نہ ہوگی۔

شرح

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ "اور اگر اس نے یہ کہا کہ: تو مجھ پر میری ماں جیسی ہے، یا میری ماں کی طرح ہے، اور اس سے ظہار کی نیت کی تو فقہاء کی نظر میں یہ ظہار ہوگا، جن میں ابوحنیفہ، اور صاحبین، اور امام شافعی، اسحاق رحمہم اللہ شامل ہیں۔ اور اگر اس سے عزت و توقیر اور اکرام کی نیت کی، یا پھر یہ کہ وہ بڑی ہونے کے اعتبار سے ماں کی طرح، یا صفت کے اعتبار سے ماں کی طرح کی نیت کی تو یہ ظہار نہیں ہوگا، اور اس میں اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (المغنی ابن قدامہ (60/11)

ظہار ثابت کرنے والے اعضاء کی تشبیہ میں مذاہب اربعہ

بیوی کس کس سے تشبیہ دینا ظہار ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے: عامر شعبی کہتے ہیں کہ صرف ماں سے تشبیہ ظہار ہے، باقی اور کسی بات پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا مگر فقہاء امت میں سے کسی گروہ نے بھی ان سے اس معاملہ میں اتفاق نہیں کیا ہے، کیونکہ قرآن نے ماں سے تشبیہ کو گناہ قرار دینے کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ یہ نہایت بیہودہ اور جھوٹی بات ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن عورتوں کی حرمت ماں جیسی ہے ان کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا بیہودگی اور جھوٹ میں اس سے کچھ مختلف نہیں ہے، اس لیے کوئی دلیل نہیں کہ اس کا حکم وہی نہ ہو جو ماں سے تشبیہ کا حکم ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں تمام وہ عورتیں داخل ہیں جو نسب یا رضاعت، یا ازدواجی رشتہ کی بنا پر آدمی کے لیے ابداً حرام ہیں مگر وقتی طور پر جو عورتیں حرام ہوں اور کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں وہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ جیسے بیوی کی بہن، اس کی خالہ، اس کی پھوپھی، یا غیر عورت جو آدمی کے نکاح میں نہ ہو۔ ابدی محرمات میں سے کسی عورت کے کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینا جس پر نظر ڈالنا آدمی کے لیے حلال نہ ہو، ظہار ہوگا۔ البتہ بیوی کے ہاتھ، پاؤں، سر، بال، دانت وغیرہ کو ابداً حرام عورت کی پیٹھ سے، یا بیوی کو اس کے سر، ہاتھ، پاؤں جیسے اجزائے جسم سے تشبیہ دینا ظہار نہ ہوگا کیونکہ ماں بہن کے ان اعضاء پر نگاہ ڈالنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح یہ کہنا کہ تیرا ہاتھ میری ماں کے ہاتھ جیسا ہے، یا تیرا پاؤں میری ماں کے پاؤں جیسا ہے، ظہار نہیں ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں صرف وہی عورتیں داخل ہیں جو حق ہمیشہ حرام تھیں اور ہمیشہ حرام رہیں، یعنی ماں، بہن، بیٹی وغیرہ مگر وہ عورتیں اس میں داخل نہیں ہیں جو کبھی حلال رہ چکی ہوں، جیسے رضاعی ماں، بہن، ساس اور بہو، یا کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں، جیسے سالی۔ ان عارضی یا وقتی حرام عورتوں کے ماسوا ابدی حرمت رکھنے والی عورتوں میں سے کسی کے ان اعضا کے ساتھ بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہوگا جن کا ذکر بغرض اظہار اکرام و توقیر عادۃً نہیں کیا جاتا۔ رہے وہ اعضاء جن کا اظہار اکرام و توقیر کے کیا جاتا ہے تو

ان تشبیہ صرف اس صورت میں ظہار ہوگی جبکہ یہ بات ظہار کی نیت سے کہی جائے۔ مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں کی آنکھ یا جان کی طرح ہے، یا ماں کے ہاتھ، پاؤں یا پیٹ کی طرح ہے، یا ماں کے پیٹ یا سینے سے بیوی کے پیٹ یا سینے کو تشبیہ دینا، یا بیوی کے سر، پیٹھ یا ہاتھ کو اپنے لیے ماں کی پیٹھ جیسا قرار دینا، یا بیوی کو یہ کہنا کہ تو میرے لیے میری ماں جیسی ہے، ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے اور عزت کی نیت سے ہو تو عزت ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ ہر عورت جو آدمی کے لیے حرام ہو، اس سے بیوی کو تشبیہ دینا ظہار ہے، حتی کہ بیوی سے یہ کہنا بھی ظہار کی تعریف میں آتا ہے وہ تو میرے اوپر فلاں غیر عورت کی پیٹھ جیسی ہے، نیز وہ کہتے ہیں کہ ماں اور ابدی محرمات کے کسی عضو سے بیوی کو یا بیوی کے کسی عضو کو تشبیہ دینا ظہار ہے، اور اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اعضاء ایسے ہوں جن پر نظر ڈالنا حلال نہ ہو، کیونکہ ماں کے کسی عضو پر بھی اس طرح کی نظر ڈالنا جیسی بیوی پر ڈالی جاتی ہے، حلال نہیں ہے۔

حنابلہ اس حکم میں تمام ان عورتوں کو داخل سمجھتے ہیں جو ابداً حرام ہوں، خواہ وہ پہلے کبھی حلال رہ چکی ہوں، مثلاً ساس، یا دودھ پلانے والی ماں رہیں وہ عورتیں جو بعد میں کسی وقت حلال ہو سکتی ہوں، (مثلاً سالی)، تو ان کے معاملہ میں امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ بھی ظہار ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے تشبیہ دینا ظہار کی تعریف میں آجاتا ہے۔ البتہ بال، ناخن، دانت جیسے غیر مستقل اجزاء جسم اس حکم سے خارج ہیں۔

اعضاء سے متعلق ظہار میں فقہی بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو نہیں۔ یوہیں اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جسکی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور گھٹنے سے تشبیہ دی تو ہے۔ (جوہرہ نیرہ باب ظہار)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

محارم سے مراد عام ہے نسبی ہوں یا رضاعی یا سُسرالی رشتہ سے لہٰذا ماں، بہن پھوپھی لڑکی اور رضاعی ماں اور بہن وغیرہما اور زوجہ کی ماں اور لڑکی جبکہ زوجہ مدخولہ ہو اور مدخولہ نہ ہو تو اُس کی لڑکی سے تشبیہ دینے میں ظہار نہیں کہ وہ محارم میں نہیں۔ یوہیں جس عورت سے اُس کے باپ یا بیٹے نے معاذ اللہ زنا کیا ہے اُس سے تشبیہ دی یا جس عورت سے اس نے زنا کیا ہے اُس کی ماں یا لڑکی سے تشبیہ دی تو ظہار ہے۔ محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا کہا میں نے تجھ سے ظہار کیا تو یہ الفاظ صریح ہیں ان میں نیت کی کچھ حاجت نہیں کچھ بھی نیت نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا اکرام کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ مقصود جھوٹی خبر دینا تھا یا زمانہ گزشتہ کی خبر دینا ہے تو قضاء تصدیق نہ کرینگے اور عورت بھی تصدیق نہیں کر سکتی۔ (درمختار، باب ظہار)

مثل امی کہنے سے وقوع ظہار میں مذاہب اربعہ

اس امر میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی سے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے صریح ظہار ہے کیونکہ اہل

عرب میں یہی ظہار کا طریقہ تھا اور قرآن مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ البتہ اس امر میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ دوسرے الفاظ میں سے کون سے ایسے ہیں جو صریح ظہار کے حکم میں ہیں، اور کون سے ایسے ہیں جن کے ظہار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ قائل کی نیت پر کیا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ وہ ہیں جن میں صاف طور پر حلال عورت (بیوی) کو حرام عورت (یعنی محرمات ابدیہ میں سے کسی عورت) سے تشبیہ دی گئی ہو، یا تشبیہ ایسے عضو سے دی گئی ہو جس پر نظر ڈالنا حلال نہیں ہے، جیسے یہ کہنا کہ تو میرے اوپر ماں یا فلاں حرام عورت کے پیٹ یا ران جیسی ہے۔ ان کے سوا دوسرے الفاظ میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ اگر کہے کہ تو میرے اوپر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ صریح ظہار ہے، لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ظہار کی نیت ہو تو ظہار ہے اور طلاق کی نیت ہو تو طلاق۔ اگر کہے کہ تو میری ماں جیسی ہے یا میری ماں کی طرح ہے تو حنفیہ کا عام فتویٰ یہ ہے کہ یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق بائن، اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو بے معنی ہے۔ لیکن امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ قطعی ہے۔ اگر بیوی کو ماں یا بہن یا بیٹی کہہ کر پکارے تو یہ سخت بیہودہ بات ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کا اظہار فرمایا تھا، مگر اسے ظہار نہیں قرار دیا۔ اگر کہے کہ تو میرے اوپر ماں کی طرح حرام ہے تو یہ ظہار کی نیت سے ظہار ہے، طلاق کی نیت سے طلاق، اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ اگر کہے کہ تو میرے لیے ماں کی طرح یا ماں جیسی ہے تو نیت پوچھی جائے گی۔ عزت اور توقیر کی نیت سے کہا ہو تو عزت اور توقیر ہے۔ ظہار کی نیت سے کہا ہو تو ظہار ہے۔ طلاق کی نیت سے کہا ہو تو طلاق ہے۔ کوئی نیت نہ ہو اور یونہی یہ بات کہہ دی ہو تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بے معنی ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر ظہار کا تو نہیں مگر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ ظہار ہے۔

شافعیہ کے نزدیک ظہار کے صریح الفاظ یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تو میرے نزدیک، یا میرے ساتھ، یا میرے لیے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ۔ یا تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ یا تیرا جسم، یا تیرا بدن، یا تیرا نفس میرے لیے میری ماں کے جسم یا بدن یا جنس کی طرح ہے۔ ان کے سوا باقی تمام الفاظ میں قائل کی نیت پر فیصلہ ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک ہر وہ لفظ جس سے کسی شخص نے بیوی کو یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو کو کسی ایسی عورت سے جو اس کے لیے حرام ہے، یا اس کے مستقل اعضاء میں سے کسی عضو سے صاف صاف تشبیہ دی ہو، ظہار کے معاملہ میں صریح مانا جائے گا۔

مالکیہ کا مسلک بھی قریب قریب یہی ہے، البتہ تفصیلات میں ان کے فتوے الگ الگ ہیں۔ مثلاً کسی شخص کی بیوی سے یہ کہنا کہ میرے لیے میری ماں جیسی ہے، یا میری ماں کی طرح ہے مالکیوں کے نزدیک ظہار کی نیت سے ہو تو ظہار ہے، طلاق کی نیت سے ہو تو طلاق اور کوئی نیت نہ ہو تو ظہار ہے۔ حنبلیوں کے نزدیک یہ بشرط نیت صرف ظہار قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی شخص بیوی سے کہے کہ تو میری ماں ہے تو مالکیہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ بات اگر جھگڑے اور غصے کی حالت میں کہی گئی ہو

تو ظہار ہے، اور پیار محبت کی بات چیت میں کہی گئی ہو تو گو یہ بہت ہی بری بات ہے لیکن ظہار نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے تجھے طلاق ہے تو میری ماں کی طرح ہے تو حنابلہ کے نزدیک یہ طلاق ہے نہ کہ ظہار، اور اگر کہے تو میری ماں کی طرح ہے تجھے طلاق ہے تو ظہار اور طلاق دونوں واقع ہو جائیں گے۔ یہ کہنا کہ تو میرے اوپر ایسی حرام ہے جیسی میری ماں کی بیٹھ مالکیہ اور حنابلہ دونوں کے نزدیک ظہار ہے خواہ طلاق ہی کی نیت سے یہ لفاظ کہے گئے ہوں، یا نیت کچھ بھی نہ ہو۔

الفاظ ظہار کی اس بحث میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ فقہاء نے اس باب میں جتنی بحثیں کی ہیں وہ سب عربی زبان کی الفاظ اور محاورات سے تعلق رکھتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والے نہ عربی زبان میں ظہار کریں گے، نہ ظہار کرتے وقت عربی الفاظ اور فقروں کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ زبان سے ادا کریں گے۔ اس لیے کسی لفظ یا فقرے کے متعلق اگر یہ فیصلہ کرنا ہو کہ وہ ظہار کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں، تو اسے اس لحاظ سے نہیں جانچنا چاہیے کہ وہ فقہاء کے بیان کردہ الفاظ میں سے کس کا صحیح ترجمہ ہے، بلکہ صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا قائل نے بیوی کو جنسی (Sexul) تعلق کے لحاظ سے محرمات میں سے کسی کے ساتھ صاف صاف تشبیہ دی ہے، یا اس کے الفاظ میں دوسرے مفہومات کا بھی احتمال ہے؟ اس کی نمایاں ترین مثال خود وہ فقرہ ہے جس کے متعلق تمام فقہاء اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ عرب میں ظہار کے لیے وہی بولا جاتا تھا اور قرآن مجید کا حکم اسی کے بارے میں نازل ہوا ہے، یعنی اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ (تو میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے)۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں، اور کم از کم اردو کی حد تک تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس زبان میں کوئی ظہار کرنے والا ایسے الفاظ استعمال نہیں کر سکتا جو اس عربی فقرے کا لفظی ترجمہ ہوں۔ البتہ وہ اپنی زبان کے ایسے الفاظ ضرور استعمال کر سکتا ہے جن کا مفہوم ٹھیک وہی ہو جسے ادا کرنے کے لیے ایک عرب یہ فقرہ بولا کرتا تھا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ تجھ سے مباشرت میرے لیے ایسی ہے جیسے اپنی ماں سے مباشرت، یا جیسے بعض جہلا بیوی سے کہہ بیٹھتے ہیں کہ تیرے پاس آؤں تو اپنی ماں کے پاس جاؤں تو اپنی ماں کے پاس جاؤں۔

بیوی کو مطلق حرام کہنے سے ظہار میں فقہی مذاہب اربعہ

جب خاوند اپنی بیوی کو اپنے لیے حرام کرلے یعنی وہ کہے: تم مجھ پر حرام ہو، تو کیا یہ ظہار ہوگا یا کہ طلاق یا اس میں قسم کا کفارہ؟

اس میں فقہاء کرام کا بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں چودہ اقوال نقل کیے ہیں اور امام نووی رحمہ اللہ نے مسلم کی شرح میں بھی نقل کیے ہیں۔

ان میں راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اس سے ظہار کی نیت کرے تو یہ ظہار ہوگا، اور اگر طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہوگی اور اگر قسم کی نیت رکھتا ہو تو یہ قسم کہلائیگی، اس لیے یہ اس کی نیت پر منحصر ہے جو نیت کریگا وہی معاملہ ہوگا، امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہی ہے، اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ سے یہی منقول ہے. اور اگر وہ اس سے کچھ نیت نہ رکھے تو پھر اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اور امام شافعی کا مسلک یہی ہے۔

کفارہ واجب ہونے کی دلیل صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: "جب مرد اپنی

بیوی کو اپنے لیے حرام کرلے تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ ادا کریگا. اور انہوں نے فرمایا: تمہارے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں" (صحیح بخاری حدیث نمبر (4911) صحیح مسلم حدیث نمبر (1473)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو "تم مجھ پر حرام ہو" کہے تو اس میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی، اور اگر ظھار کی نیت کی تو ظھار ہوگا، اور اگر بعینہ بغیر طلاق اور ظھار کے حرام ہونے کی نیت کی تو اس پر نفس لفظ کے ساتھ قسم کا کفارہ لازم ہوگا، لیکن یہ قسم نہیں کہلائیگی۔

اور اگر اس میں کچھ بھی نیت نہ کرے تو امام شافعی کے دو قول ہیں: ان میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم آئیگا، اور دوسری قول یہ ہے کہ: یہ لغو ہے اس میں کچھ نہیں اور اس کے نتیجہ میں کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا، ہمارا یہی مذہب ہے۔

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں چودہ قول نقل کیے ہیں۔ پہلا: امام مالک علیہ الرحمہ رحمہ اللہ کے مسلک میں مشہور یہ ہے کہ اس سے تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں، چاہے عورت سے دخول ہو چکا ہو یا نہ ہوا ہو، لیکن اگر اس نے تین طلاق سے کم کی نیت کی تو غیر مدخولہ عورت کے لیے خاص طور پر قبول کیا جائے گا، ان کا کہنا ہے: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور زید اور حسن اور حکم کا بھی یہی مسلک ہے۔

چنانچہ مالکیوں کا مسلک یہ ہے کہ: اس حرمت سے تین طلاق واقع ہوجائیگی، تو اس طرح بینونت کبری واقع ہوجائے گی اور ظاہر یہی ہوتا ہے کہ قاضی نے اسی مذہب کی بنا پر حکم لگایا ہے، اور آپ کے خاوند کے قول: "آپ کے ساتھ زندگی بسر کرنا حرام ہے" کو اس حرمت میں شامل کیا ہے جس میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

مالکیہ نے بیان کیا ہے کہ جس شخص نے بھی زندگی بسر کرنا حرام قرار دیا اور اس سے اپنی بیوی کی نیت کی تو اس سے تین طلاق ہو جائینگی. حاشیۃ الدسوقی (2/382) اور فتح العلی المالک (2/34)

ہم نے اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال میں سے وہ قول پیش کیا ہے جو راجح معلوم ہوتا ہے، اور اس مسئلہ میں نیت کی طرف اشارہ کرنا باقی ہے، اور اسی طرح قسم یا طلاق یا ظھار کی نیت میں فرق بھی۔ اگر کوئی قائل یہ کہے کہ: ان تین امور (یعنی طلاق، ظھار اور قسم) میں کیا فرق ہے؟ تو ہم کہیں گے: ان میں فرق یہ ہے کہ پہلی حالت: قسم میں اس نے حرام کرنے کی نیت نہیں کی لیکن ممانعت کی ایک قسم کی نیت کی ہے، یا تو معلق یا پھر غیر معلق، مثلاً وہ کہے: اگر تم نے ایسے کیا تو تم مجھ پر حرام ہو، تو یہ معلق ہے، اس کا مقصد اپنے لیے بیوی کو حرام کرنا نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد تو بیوی کو اس کام سے روکنا اور منع کرنا ہے۔

اور اسی طرح یہ الفاظ: "تم مجھ پر حرام ہو" سے اس کا مقصد بیوی کو روکنا ہے، تو ہم یہ کہتے ہیں کہ: یہ قسم ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے، اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس چیز کو اپنے لیے حرام کیوں کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

پھر اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: یقیناً اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنا واجب کر دیا ہے. اللہ کا فرمان: اللہ نے آپ کے لیے جو حلال کیا ہے. اس میں ما اسم موصولہ ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے اور یہ بیوی اور لونڈی اور کھانے پینے اور لباس وغیرہ سب کو شامل ہے، تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: "جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تم مجھ پر حرام ہو تو یہ قسم ہے وہ اس کا کفارہ ادا کریگا، اور اس کا اس آیت سے استدلال ظاہر ہے۔

دوسری حالت: اس سے خاوند طلاق کا ارادہ رکھتا ہو اور " تم مجھ پر حرام ہو "یعنی میں تجھے چھوڑنے والا ہوں، اور وہ اپنے ساتھ نہ رکھنا چاہتا ہو، اور وہ ان الفاظ کے ساتھ اسے چھوڑنے کا ارادہ کرے تو یہ طلاق کہلائیگی اس لیے کہ یہ علیحدگی کے لیے صحیح ہے، اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

تیسری حالت: اس سے ظہار کا ارادہ کیا ہو، ظہار کا معنی یہ ہے کہ وہ بیوی اس پر حرام ہے، بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ ظہار نہیں کیونکہ اس میں ظہار کے الفاظ نہیں ہیں۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے؛ کیونکہ بیوی سے ظہار کرنے والے کے قول کا معنی یہی ہے " تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو "اس کا معنی حرام کے علاوہ کچھ نہیں لیکن اس نے اسے حرمت کے سب سے اعلی درجہ سے مشابہت دی ہے اور وہ ماں کی پشت ہے، اس لیے کہ یہ اس پر سب سے زیادہ حرام ہے تو یہ ظہار کہلائیگا۔ (الشرح الممتع (476/5)

ظہار کا صرف اپنی زوجہ سے ہونے کا بیان

وَلَا يَكُونُ الظِّهَارُ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِهِ وَإِنْ ظَاهَرَ مِنْ أَمَتِهِ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهِ أَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي كَانَ مُظَاهِرًا مِنْ جَمِيعِهِنَّ وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ كَفَّارَةٌ ،

ترجمہ

اور ظہار صرف اپنی بیوی سے ہی ہو سکتا ہے۔ جب لونڈی کے ساتھ ظہار کیا تو ظہار نہیں ہوگا۔ جس نے اپنی بیویوں سے کہا کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ جیسی ہو تو وہ ان سب کی طرف سے مظاہر ہو جائے گا۔ اور اس پر ہر ایک بیوی کی طرف سے کفارہ دینا لازم ہوگا۔

بیوی کے عدم ظہار میں فقہی مذاہب اربعہ

کیا مرد کی طرح عورت بھی ظہار کر سکتی ہے؟ مثلاً اگر وہ شوہر سے کہے کہ تو میرے لیے میرے باپ کی طرح ہے، یا میں تیرے لیے تیری ماں کی طرح ہوں، تو کیا یہ بھی ہوگا؟ ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ یہ ظہار نہیں ہے اور اس پر ظہار کے قانونی احکام کا سرے سے اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن مجید نے صریح الفاظ میں یہ احکام صرف اس صورت کے لیے بیان کیے ہیں جبکہ شوہر بیویوں سے ظہار

کریں (اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ) اور ظہار کرنے کے اختیارات اسی کو حاصل ہو سکتے ہیں جسے طلاق دینے کا اختیار ہے۔ عورت کو شریعت نے جس طرح یہ اختیار نہیں دیا کہ شوہر کو طلاق دیدے اسی طرح اسے یہ اختیار بھی نہیں دیا کہ اپنے آپ کو شوہر کے لیے حرام کر لے۔ یہی دلیل سفیان ثوری، اسحق بن راہویہ، ابوثور اور لیث بن سعد کی ہے کہ عورت کا ایسا قول بالکل بے معنی اور بے اثر ہے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ ظہار تو نہیں ہے۔ مگر اس سے عورت پر قسم کا کفارہ لازم آئے گا، کیونکہ عورت کا یہ الفاظ کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہے۔

امام احمد بن حنبل کا مسلک بھی ابن قدامہ نے یہی نقل کیا ہے۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر شادی سے پہلے عورت نے یہ بات کہی ہو کہ میں اس شخص سے شادی کروں تو وہ میرے لیے ایسا ہے جیسے میرا باپ، تو یہ ظہار ہوگا، اور اگر شادی کے بعد کہے تو یہ قسم کے معنی میں ہوگا جس سے کفارۂ یمین لازم آئے گا۔ بخلاف اس کے حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی، اور حسن بن زیاد لؤلؤی کہتے ہیں کہ یہ ظہار ہے اور ایسا کہنے سے عورت پر کفارہ ظہار لازم آئے گا، البتہ عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ کفارہ دینے سے پہلے شوہر کو اپنے پاس آنے سے روک دے۔

ابراہیم نخعی اس کی تائید میں یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عائشہ سے حضرت زبیر کے صاحبزادے مصعب نے بناح کا پیغام دیا۔ انہوں نے اسے رد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہہ دیے کہ اگر میں ان سے نکاح کروں تو هُوَ عَلَیَّ کَظَهْرِ اَبِیْ۔ (وہ میرے اوپر ایسے ہوں جیسے میرے باپ کی پیٹھ)۔ کچھ مدت بعد وہ ان سے شادی کرنے پر راضی ہو گئیں۔ مدینہ کے علماء سے اس کے متعلق فتویٰ لیا گیا تو بہت سے فقہاء نے جن میں متعدد صحابہ بھی شامل تھے، یہ فتویٰ دیا کہ عائشہ پر کفارہ ظہار لازم ہے۔ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابراہیم نخعی اپنی یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر عائشہ یہ بات شادی کے بعد کہتیں تو کفارہ لازم نہ آتا، مگر انہوں نے شادی سے پہلے یہ کہا تھا جب انہیں نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لیے کفارہ ان پر واجب ہو گیا۔

ظہار کی بعض شرائط میں مذاہب اربعہ

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار صرف اس شوہر کا معتبر ہے جو مسلمان ہو۔ ذمیوں پر ان احکام کا اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن مجید میں اَلَّذِیْنَ یُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں جن کا خطاب مسلمانوں سے ہے، اور تین قسم کے کفاروں میں سے ایک کفارہ قرآن میں روزہ بھی تجویز کیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ ذمیوں کے لیے نہیں ہو سکتا۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک یہ احکام ذِمی اور مسلمان، دونوں کے ظہار پر نافذ ہوں گے، البتہ ذمی کے لیے روزہ نہیں ہے۔ وہ یا غلام آزاد کرے یا 60 مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

جو عاقل و بالغ آدمی ظہار کے صریح الفاظ بحالت ہوش و حواس زبان سے ادا کرے اس کا یہ عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا کہ اس نے غصے میں، یا مذاق مذاق میں، یا پیار سے ایسا کہا، یا یہ کہ اس کی نیت ظہار کی نہ تھی۔ البتہ جو الفاظ اس معاملہ میں صریح نہیں ہیں،

اور جن میں مختلف معنوں کا احتمال ہے، ان کا حکم الفاظ کی نوعیت پر منحصر ہے۔ آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ ظہار کے صریح الفاظ کون سے ہیں اور غیر صریح کون سے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ ظہار اس عورت سے کیا جا سکتا ہے جو آدمی کے نکاح میں ہو۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا غیر عورت سے بھی ظہار ہو سکتا ہے۔ اس معاملہ میں مختلف مسالک یہ ہیں:

حنفیہ کہتے ہیں کہ غیر عورت سے اگر آدمی یہ کہے کہ میں تجھ سے نکاح کروں تو میرے اوپر تو ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ، تو جب بھی وہ اس سے نکاح کرے گا کفارہ ادا کیے بغیر اسے ہاتھ نہ لگا سکے گا۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے۔ ان کے زمانہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے یہ بات کہی اور بعد میں اس سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے کفارہ ظہار دینا ہوگا۔

مالکیہ اور حنابلہ بھی یہی بات کہتے ہیں، اور وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ اگر عورت کی تخصیص نہ کی گئی ہو بلکہ کہنے والے نے یوں کہا ہو کہ تمام عورتیں میرے اوپر ایسی ہیں، تو جس سے بھی وہ نکاح کرے گا اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ یہی دلیل سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ کی ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے ظہار بالکل بے معنی ہے۔ ابن عباس اور قتادہ کی بھی یہی دلیل ہے۔

کفارہ ظہار کے حکم کا بیان

وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا كُلُّ ذَلِكَ قَبْلَ الْمَسِيسِ وَيُجْزِي فِي الْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ وَلَا تَجُوزُ الْعَمْيَاءُ وَلَا مَقْطُوعَةُ الْيَدَيْنِ أَوِ الرِّجْلَيْنِ وَيَجُوزُ الْأَصَمُّ وَلَا يَجُوزُ مَقْطُوعُ إِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ وَلَا الْمَجْنُونُ الَّذِي لَا يَعْقِلُ وَلَا يَجُوزُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَلَا الْمُكَاتَبُ الَّذِي أَدَّى بَعْضَ الْمَالِ فَإِنْ أَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ،

ترجمہ

اور ظہار کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کر دینا ہے۔ جب اسے غلام میسر نہ آ سکے تو دو ماہ مسلسل روزے رکھے۔ جب یہ بھی نہ کر پائے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے لیکن یہ سب کچھ وطی سے پہلے ہوگا۔ آزاد کرنے میں ایک غلام کفایت کر جائے گا چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر مرد ہو یا عورت بچہ ہو یا بڑا ہو۔ مگر اندھا یا دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹا غلام آزاد کرنے میں کفایت نہ کرے گا۔ اور بہرا غلام بھی جائز ہے۔ مگر ایسا غلام جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں وہ جائز نہیں اور نہ ہی ایسا پاگل غلام جائز ہے جسے قطعاً کوئی سمجھ نہ ہو اور اور مدبر غلام ام ولد اور ایسا مکاتب جس نے کچھ مال ادا کر دیا اسے آزاد کرنا بھی جائز نہیں۔ جب ایسے مکاتب کو آزاد کر دیا جس نے کچھ مال بھی ابھی ادا نہ کیا تھا تو یہ جائز ہوگا۔

کفارہ ظہار کے طریقے میں فقہی بیان

حضرت ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ایک صحابی سلمان ابن صخر نے کہ جن کو سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا تھا اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا تاوقتیکہ رمضان ختم ہو (یعنی انہوں نے بیوی سے یوں کہا کہ ختم رمضان تک کے لیے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) مگر ابھی آدھا ہی رمضان گزرا تھا کہ انہوں نے اسی رات اپنی بیوی سے صحبت کر لی پھر جب صبح ہوئی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرو انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا دو مہینے یعنی پے در پے روزے رکھو انہوں نے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کیونکہ حکم خداوندی تو یہ ہے کہ دو مہینے مسلسل اس طرح روزے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع سے کلیۃ اجتناب کیا جائے اور میں اپنے جنسی ہیجان کی دلیل سے اتنے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ! انہوں نے عرض کیا میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور صحابی حضرت فروہ ابن عمرو سے فرمایا کہ ان کو کھجوروں کا فرق دیدو فرق کھجور کے درخت کے پتوں سے بنے ہوئے تھیلے چھابے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریباً ساڑھے باون سیر یا چھپن سیر) کھجور سماتی ہیں (ترمذی ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 497)

اور دارمی نے اس روایت کو سلیمان ابن یسار سے اور انہوں نے حضرت سلمہ ابن صخر سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اپنی عورتوں سے اس قدر قربت کیا کرتا تھا کہ کوئی اور شخص میری برابر قربت نہیں کرتا تھا چنانچہ جنسی ہیجان کے اتنے زیادہ غلبہ ہی کی دلیل سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا) اور ان دونوں میں یعنی ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ فرمانے کی جگہ یہ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ۔

اس حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ظہار اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اس اس کے جسم کے کسی ایسے حصے کو کہ اس کو بول کر پورا بدن مراد لیا جاتا ہو اور یا اس کے جسم کے کسی ایسے حصہ کو جو شائع غیر متعین ہو محرمات ابدیہ یعنی ماں بہن اور پھوپھی وغیرہ) کے جسم کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کی طرف نظر کرنا حلال نہ ہو جیسے وہ اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو یا تمہارا سر یا تمہارے بدن کا نصف حصہ میری ماں کی پیٹھ یا پیٹ کے مانند ہے یا میری ماں کی ران کے مانند ہے یا میری بہن یا میری پھوپھی کی پیٹھ کے مانند ہے اس طرح کہنے سے اس بیوی سے جماع کرنا یا ایسا کوئی بھی فعل کرنا جو جماع کا سبب بنتا ہے جیسے مساس کرنا یا بوسہ لینا اس وقت تک کے لئے حرام ہو جاتا ہے جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کر دیا جائے اور اگر کسی شخص نے کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لیا تو اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کچھ اور واجب نہیں ہوگا ہاں اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ

سے مغفرت طلب کرے اور پھر جب تک کفارہ ادا نہ کرے دوبارہ جماع نہ کرے۔

یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے اور بیوی خواہ آزاد عورت ہو اور خواہ کسی کی لونڈی ہو اسی طرح خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ یعنی عیسائی و یہودی ہو ظہار کے باقی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھنے چاہئیں۔

علامہ طیب فرماتے ہیں کہ حدیث الفاظ (حتی یمضی رمضان) (جب تک کہ رمضان ختم ہو) کہ ظاہر موقت صحیح ہو جاتا ہے اور قاضی خان نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص موقت یعنی کسی متعین مدت وعرصہ کے لیے ظہار کرتا ہے تو وہ اسی وقت ظہار کرنیوالا ہو جاتا ہے اور جب وہ متعینہ عرصہ گزر جاتا ہے تو ظہار باطل ہو جاتا ہے۔

محقق علام حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ظہار کرے اور مثلاً جمعہ کے دن استثناء کر دے تو صحیح نہیں ہوتا اور اگر ایک دن یا ایک مہینہ کے لئے ظہار کر دے (یعنی کسی مدت متعین کے لئے ظہار کرے) تو اس مدت کی قید لگانی صحیح ہے اور پھر اس مدت کے گزرے جانے کے بعد ظہار باقی نہیں رہتا۔

حدیث (اطعم ستین مسکینا) یعنی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ سے دونوں باتیں مراد تھیں کہ یا تو تم ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دو یا ان میں سے ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر کچا اناج یا اس کی قیمت دیدو اور جس طرح کفارہ ادا کرنے کے لئے غلام آزاد کرنے کی صورت میں جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے یا کفارہ ادا کرنے کے لئے دو مہینے کے روزے رکھنے کی صورت میں جماع سے پہلے دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ضروری ہے اس طرح ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا بھی جماع کرنے سے پہلے ضروری ہے۔

حدیث کے اس جملہ تا کہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیں کے بارے میں بظاہر ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کے لئے حضرت سلمہ ابن صخر کو جو کھجوریں دلائیں انکی مقدار خود روایت کی وضاحت کے مطابق پندرہ یا سولہ صاع تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کو ایک ایک صاع دینا واجب نہیں ہے جب کہ فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اگر کھجوریں دی جائیں تو صدقہ فطر کی قدار کے برابر یعنی ایک ایک صاع دی جائیں۔

گویا حدیث کے اس جملہ اور فقہی حکم میں تعارض واقع ہو گیا لیکن اگر اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا جائے گا کہ تا کہ یہ ان کھجوروں کو ساٹھ مسکینوں کو کھلانے میں صرف کر دیں۔ تو پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا کیونکہ اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے بھی کھجوریں ملا کر ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کر دو۔

اس کے علاوہ ابوداؤد دارمی کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ) بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ اس جملہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ صرف یہی کھجوریں ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے کھجوریں ملا کر ایک وسق کی مقدار پوری کر لو اور پھر ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجور دے دو واضح رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔

کفارہ ظہار کے غلام میں مذہبی قید کے معدوم ہونے کا بیان

حضرت معاویہ ابن حکم کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ایک لونڈی ہے جو میرا ریوڑ چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور ریوڑ میں اپنی بکری کم پائی تو میں نے اس بکری کے بارے میں پوچھا کہ کیا ہوئی؟ اس نے کہا کہ بھیڑیا لے گیا مجھ کو اس پر غصہ آ گیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بتقاضائے بشریت مغلوب الغضب ہو جاتا ہے اس لیے میں نے اس لونڈی کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت کفارہ ظہار یا کفارہ قسم کے طور پر اور یا کسی اور سبب سے مجھ پر ایک بردہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تا کہ میرے ذمہ سے وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کیدلیل سے میں جس ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو (مالک) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت معاویہ نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے اطراف میں میرا ریوڑ چرایا کرتی تھی جوانیہ احد پہاڑ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے ایک دن جو میں نے اپنا ریوڑ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بھیڑیا میری ایک بکری کو ریوڑ میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح کسی نقصان واتلاف کی دلیل سے اولاد آدم کو غصہ آ جاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آ گیا (چنانچہ اس غصہ کی دلیل سے میں نے چاہا کہ اس لونڈی کو خوب ماروں لیکن میں اس کو ایک ہی تھپڑ مار کر رہ گیا پھر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو میرے حق میں ایک امر اہم جانا اور فرمایا کہ تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس بلاؤ میں لونڈی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلا لایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے جواب دیا کہ آسمان میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لونڈی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مسلمان ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 499) اس باب میں اس حدیث کو نقل کرنے سے مصنف کتاب کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ ظہار میں بطور کفارہ جو بردہ یعنی غلام یا لونڈی آزاد کیا جائے اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہی ہے لیکن حنفی مسلک میں چونکہ یہ ضروری نہیں ہے اس لئے حنفیہ اس حدیث کو افضلیت پر محمول کرتے ہیں یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کی مراد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفارہ ظہار میں آزاد کیا جانیوالا بردہ اگر مسلمان ہو تو یہ افضل اور بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اللہ تعالیٰ کے مکان کے بارے میں سوال نہیں تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مکان وزمان سے پاک ہے بلکہ اس موڑ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ سوال کرنا تھا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کا حکم

کہاں جاری وساری ہے اور اس کی بادشاہت وقدرت کس جگہ ظاہر وباہر ہے اور اس سوال کی ضرورت یہ تھی کہ اس وقت عرب کے کفار بتوں ہی کو معبود جانتے تھے اور جاہل لوگ ان بتوں کے علاوہ اور کسی کو معبود نہیں مانتے تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاننا چاہا کہ آیا یہ لونڈی موحدہ یا مشرکہ ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد دراصل ان بے شمار معبودوں کی نفی کرنی تھی جو زمین پر موجود تھے نہ کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ کا مکان ثابت کرنا تھا چنانچہ جب اس لونڈی نے مذکورہ جواب دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ موحدہ ہے مشرکہ نہیں ہے۔

مالک کی روایت میں تو حضرت معاویہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک بردہ آزاد کرنا مجھ پر کسی اور سبب سے واجب ہے تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تاکہ وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے جو واجب ہے اور اس کو مارنے کی دلیل سے مجھے جو پشیمانی اور شرمندگی ہے وہ بھی جاتی رہے لیکن مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس لونڈی کو محض اس دلیل سے آزاد کرنا چاہا کہ انہوں نے اس کو غصہ میں مار دیا تھا۔

گویا دونوں روایتوں کے مفہوم میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ مالک کی روایت میں تو اس مفہوم کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ یوں تو کسی اور سبب سے مجھ پر بردہ آزاد کرنا واجب ہے لیکن مارنے کی دلیل سے بھی اس کو آزاد کرنا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے تو اگر میں اس کو آزاد کر دوں تو ان دونوں سبب کا تقاضا پورا ہو جائے گا اس کے برخلاف مسلم کی روایت اس بارے میں مطلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ مسلم کی روایت کا مطلق مفہوم مالک کی روایت کے مقید مفہوم پر محمول ہے یعنی مسلم کی روایت کے الفاظ کا مطلب بھی وہی ہے جو مالک کی روایت کے الفاظ کا ہے کہ اگر میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں تو کیا دونوں سبب پورے ہو جائیں گے یا نہیں؟

کفارے سے پہلے چھونے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

قرآن کا حکم ہے کہ ظہار کرنے والا کفارہ دے قبل اس کے کہ زوجین ایک دوسرے کو مَس کریں۔ ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں مس سے مراد چھونا ہے، اس لیے کفارہ سے پہلے صرف مباشرت ہی حرام نہیں ہے بلکہ شوہر کسی طرح بھی بیوی کو چھو نہیں سکتا۔ شافعیہ شہوت کے ساتھ چھونے کو حرام کہتے ہیں، حنابلہ ہر طرح کے تلذذ کو حرام قرار دیتے ہیں، اور مالکیہ لذت کے لیے بیوی کے جسم پر بھی نظر ڈالنے کو ناجائز ٹھیراتے ہیں اور ان کے نزدیک صرف چہرے اور ہاتھوں پر نظر ڈالنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

ظہار کے بعد اگر آدمی بیوی کو طلاق دے دے تو رجعی طلاق ہونے کی صورت میں رجوع کر کے بھی وہ کفارہ دیے بغیر اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ بائن ہونے کی صورت میں اگر اس سے دوبارہ نکاح کرے تب بھی اسے ہاتھ لگانے سے پہلے کفارہ دینا ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر تین طلاق دے چکا ہو، اور عورت دوسرے آدمی نکاح کرنے کے بعد بیوہ یا مطلقہ ہو چکی ہو، اور اس کے بعد ظہار کرنے والا

شوہر اس سے از سر نو نکاح کر لے، پھر بھی کفارے کے بغیر وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اسے ماں یا محرمات سے تشبیہ دے کر اپنے اوپر ایک دفعہ حرام کر چکا ہے، اور یہ حرمت کفارے کے بغیر رفع نہیں ہو سکتی۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔
عورت کے لیے لازم ہے کہ جس شوہر نے اس کے ساتھ ظہار کیا ہے اسے ہاتھ نہ لگانے دے جب تک وہ کفارہ ادا نہ کرے۔ اور چونکہ تعلق زن وشو عورت کا حق ہے جس سے ظہار کر کے شوہر نے اسے محروم کیا ہے، اس لیے اگر وہ کفارہ نہ دے تو بیوی عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ عدالت اس کے شوہر کو مجبور کرے گی کہ وہ کفارہ دے کر حرمت وہ دیوار ہٹائے جو اس نے اپنے اور اس کے درمیان حائل کر لی ہے۔ اور اگر وہ نہ مانے تو عدالت اسے ضرب یا قید یا دونوں طرح کی سزائیں دے سکتی ہے۔ یہ بات بھی چاروں مذاہب فقہ میں متفق علیہ ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ مذہب حنفی میں عورت کے لیے صرف یہی ایک چارہ کار ہے، ورنہ ظہار پر خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے، عورت کو اگر عدالت اس مشکل سے نہ نکالے تو وہ تمام عمر معلق رہے گی، کیونکہ ظہار سے نکاح ختم نہیں ہوتا صرف شوہر کا حق تمتع سلب ہوتا ہے۔ ملکی مذہب میں اگر شوہر عورت کو ستانے کے لیے ظہار کر کے معلق چھوڑ دے تو اس پر ایلاء کے احکام جاری ہوں گے، یعنی وہ چار مہینے سے زیادہ عورت کو روک کر نہیں رکھ سکتا (احکام ایلاء کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، البقرہ، حواشی 245 تا 247)۔ شافعیہ کے نزدیک اگرچہ ظہار میں احکام ایلاء تو صرف اس وقت جاری ہو سکتے ہیں جبکہ شوہر نے ایک مدت خاص کے لیے ظہار کیا ہو اور وہ مدت چار مہینے سے زیادہ ہو، لیکن چونکہ مذہب شافعی کی رو سے شوہر پر اسی وقت کفارہ واجب ہو جاتا ہے جب وہ عورت کو بیوی بنا کر رکھے رہے، اس لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ کسی طویل مدت تک اس کو معلق رکھے۔

قرآن اور سنت میں تصریح ہے کہ ظہار کا پہلا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اس سے آدمی عاجز ہو تب دو مہینے کے روزوں کی شکل میں کفارہ دے سکتا ہے۔ اور اس سے بھی عاجز ہو تب 60 مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔ لیکن اگر تینوں کفاروں سے کوئی شخص عاجز ہو تو چونکہ شریعت میں کفارے کی کوئی اور شکل نہیں رکھی گئی ہے اس لیے اسے اس وقت تک انتظار کرنا ہوگا جب تک وہ ان میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو جائے۔ البتہ سنت سے یہ ثابت ہے کہ ایسے شخص کی مدد کی جانی چاہیے تاکہ وہ تیسرا کفارہ ادا کر سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال سے ایسے لوگوں کی مدد فرمائی ہے جو اپنی غلطی سے اس مشکل میں پھنس گئے تھے اور تینوں کفاروں سے عاجز تھے۔

قرآن مجید کفارہ میں رقبہ آزاد کرنے کا حکم دیتا ہے جس کا اطلاق لونڈی اور غلام دونوں پر ہوتا ہے اور اس میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ شیر خوار بچہ بھی اگر غلامی کی حالت میں ہو تو اسے آزاد کیے جا سکتے ہیں یا صرف مومن غلام ہی آزاد کرنا ہوگا۔ حنفیہ اور ظاہریہ کہتے ہیں غلام خواہ مومن ہو یا کافر، اس کا آزاد کر دینا کفارہ ظہار کے لیے کافی ہے، کیونکہ قرآن میں مطلق رقبہ کا ذکر ہے، یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ مومن ہی ہونا چاہیے۔ بخلاف اس کے شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ اس کے لیے مومن کی شرط لگاتے ہیں، اور انہوں نے اس حکم کو ان دوسرے کفاروں پر قیاس کیا ہے جن میں رقبہ کے ساتھ قرآن مجید میں مومن کی قید لگائی گئی ہے۔

کفارے کی نیت باپ غلام یا بیٹے غلام کو خریدنے کا بیان

فَإِنْ اشْتَرَى أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ يَنْوِي بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ جَازَ عِنْدَنَا وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ عَنْ الْكَفَّارَةِ وَضَمِنَ قِيمَةَ بَاقِيهِ وَأَعْتَقَهُ لَمْ يُجْزِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ عَنْهَا جَازَ وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهِ عَنْ كَفَّارَتِهِ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ لَمْ يُجْزِ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ لَمْ يَجِدْ الْمُظَاهِرُ مَا يَعْتِقُ فَكَفَّارَتُهُ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا أَيَّامُ التَّشْرِيقِ فَإِنْ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا أَوْ نَهَارًا نَاسِيًا اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ عِنْدَهُمَا وَإِنْ أَفْطَرَ فِي يَوْمٍ مِنْهَا لِعُذْرٍ أَوْ لِغَيْرِ عُذْرٍ اسْتَأْنَفَ وَإِذَا ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يُجْزِهِ فِي الْكَفَّارَةِ إِلَّا الصَّوْمُ وَإِنْ أَعْتَقَ الْمَوْلَى عَنْهُ أَوْ أَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يُجْزِهِ وَإِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ أَطْعَمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا،

ترجمہ

اگر کسی نے کفارہ کی نیت سے اپنا باپ یا بیٹا خرید لیا تو یہ کفارہ کی طرف سے جائز ہوگا۔ جب کسی نے اپنے حصے کے نصف غلام کو تو آزاد کر دیا' اور باقی نصف کی قیمت کا ضامن ہو گیا۔ پھر اسے بھی آزاد کر دیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا۔ جب اپنے نصف غلام کو کفارہ کی طرف سے آزاد کرتے ہوئے باقی نصف کی قیمت کا ضامن ہو گیا تو اس طرح سے جائز ہے۔ اگر اس نے اپنے نصف غلام کو کفارہ کی طرف سے آزاد کر دیا۔ پھر اپنی وہ بیوی جس کی وجہ سے وہ مظاہر ہوا تھا اس سے وطی کر لینے کے بعد پھر باقی نصف کو بھی آزاد کر دیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا۔

جب مظاہر وہ ذات جسے وہ آزاد کرے نہ پا سکے' تو اس کا کفارہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ہے' اور وہ اس طرح کہ ان دو ماہ میں نہ تو ماہ رمضان المبارک ہو' نہ عید الفطر' نہ عید الاضحیٰ اور نہ ہی ایام تشریق ہوں۔ جب اس نے مظاہر منہا (یعنی جس سے اس نے ظہار کیا تھا) سے رات کو جان بوجھ کر یا دن کے وقت بھول کر جماع کر لیا تو طرفین رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نئے سرے سے روزے رکھے گا۔ اور ان دنوں میں سے کسی دن اس نے مجبوراً یا بغیر عذر کے ہی افطار کر لیا تو بھی نئے سرے سے روزے رکھے گا۔ جب غلام نے ظہار کیا تو وہ کفارہ ظہار میں صرف روزہ رکھے گا۔ جب اس کے مالک نے غلام آزاد کر دیا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو بھی اس کی طرف سے کافی نہ ہوگا۔ جب مظاہر روزے نہ رکھ پائے' تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

شرح

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ذی رحم محرم کا مالک ہو جائے تو وہ (مملوک) آزاد ہو جائے گا۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 558)

کفارے کے روزوں میں قمری مہینوں میں مذاہب اربعہ

اس امر پر اتفاق ہے کہ مہینوں سے مراد ہلالی مہینے ہیں۔ اگر طلوع ہلال سے روزوں کا آغاز کیا جائے تو دو مہینے پورے کرنے ہوں گے۔ اگر بیچ میں کسی تاریخ سے شروع کیا جائے تو حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ 60 روزے رکھنے چاہئیں۔ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ پہلے اور تیسرے مہینے میں مجموعی طور پر 30 روزے رکھے اور بیچ کا ہلالی مہینہ خواہ 29 کا ہو یا 30 کا، اس کے روزے رکھ لینے کافی ہیں۔

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ روزے ایسے وقت شروع کرنے چاہئیں جب کہ بیچ میں نہ رمضان آئے نہ عیدین نہ یوم النحر اور ایام تشریق، کیونکہ کفارہ کے روزے رکھنے کے دوران میں رمضان کے روزے رکھنے اور عیدین اور یوم النحر اور ایام تشریق کے روزے چھوڑنے سے دو مہینے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے چھوڑنے سے دو مہینے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے پڑیں گے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ بیچ میں رمضان کے روزے رکھنے اور حرام دنوں کے روزے نہ رکھنے سے تسلسل نہیں ٹوٹتا۔

دو مہینوں کے دوران میں خواہ آدمی کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑے یا بلا عذر، دونوں صورتوں میں حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ یہی دلیل امام محمد علیہ الرحمہ باقر، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری کی ہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ اور امام احمد کے نزدیک مرض یا سفر کے عذر سے بیچ میں روزہ چھوڑا جا سکتا ہے اور اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا، البتہ بلا عذر روزہ چھوڑ دینے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ کفارہ کے روزے رمضان کے فرض روزوں زیادہ موکد نہیں ہیں۔ جب ان کو عذر کی بنا پر چھوڑا جا سکتا ہے تو کوئی دلیل نہیں کہ ان کو نہ چھوڑا جا سکے۔ یہی قول حضرت عبداللہ بن عباس، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، عمرو بن دینار، شعبی طاؤس، مجاہد، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید اور ابوثور ہے۔

دو مہینوں کے دوران میں اگر آدمی اس بیوی سے مباشرت کر بیٹھے جس سے اس نے ظہار کیا ہو، تو تمام ائمہ کے نزدیک اس کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے کیونکہ ہاتھ لگانے سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قرآن اور سنت کی رو سے تیسرا کفارہ (یعنی 60 مسکینوں کا کھانا) وہ شخص دے سکتا ہے جو دوسرے کرنے (دو مہینے کے مسلسل روزوں) کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

روزوں پر عدم قدرت کے اعتبار میں فقہی مذاہب اربعہ

ائمہ اربعہ کے نزدیک روزوں پر قادر نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی یا تو بڑھاپے کی دلیل سے قادر نہ ہو، یا مرض کے سبب سے یا اس سبب سے کہ وہ مسلسل دو مہینے تک مباشرت سے پرہیز نہ کر سکتا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ اس دوران میں کہیں بے صبری نہ کر

بیٹھے۔ ان تینوں عذرات کا صحیح ہونا اس احادیث سے ثابت ہے جو اوس بن صامت انصاری اور سلمہ بن صخر بیاضی کے معاملہ میں وارد ہوئی ہیں۔ البتہ مرض کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ مرض کا عذر اس صورت میں صحیح ہوگا جب کہ یا تو اس کے زائل ہونے کی امید نہ ہو، یا روزوں سے مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر روزوں سے ایسی شدید مشقت لاحق ہوتی ہو جس سے آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ دو مہینے کے دوران میں کہیں سلسلہ منقطع نہ کرنا پڑے، تو یہ عذر بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی کا گمان غالب یہ ہو کہ وہ مستقبل میں روزہ رکھنے کے قابل ہو سکے گا تو انتظار کرلے، اور اگر گمان غالب اس قابل نہ ہو سکنے کا ہو تو مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ روزے سے مرض بڑھ جانے کا اندیشہ بالکل کافی عذر ہے۔ کھانا صرف ان مساکین کو دیا جا سکتا ہے جن کا نفقہ آدمی کے ذمہ واجب نہ ہوتا ہو۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ کھانا مسلمان اور ذمی، دونوں قسم کے مساکین کو دیا جا سکتا ہے، البتہ حربی اور مستامن کفار کو نہیں دیا جا سکتا۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ صرف مسلمان مساکین ہی کو دیا جا سکتا ہے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ کھانا دینے سے مراد دو وقت کا پیٹ بھر کھانا دینا ہے۔ البتہ کھانا دینے کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دو وقت کی شکم سیری کے قابل غلہ دے دینا، یا کھانا پکا کر دو وقت کھلا دینا، دونوں یکساں صحیح ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں اِطعام کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی خوراک دینے کے بھی ہیں اور کھلانے کے بھی۔ مگر مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ پکا کر کھلانے کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ غلہ دے دینا ہی ضروری قرار دیتے ہیں غلہ دینے کی صورت میں یہ امر متفق علیہ ہے کہ وہ غلہ دینا چاہیے جو اس شہر یا علاقے کے لوگوں کی عام غذا ہو۔ اور سب مسکینوں کو برابر دینا چاہیے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ایک ہی مسکین کو 60 دن تک کھانا دیا جائے تو یہ بھی صحیح ہے، البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ایک ہی دن اسے 60 دنوں کی خوراک دے دی جائے۔ لیکن باقی تینوں مذاہب ایک مسکین کو دینا صحیح نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک 60 ہی مساکین کو دینا ضروری ہے۔ اور یہ بات چاروں مذاہب میں جائز نہیں ہے کہ 60 آدمیوں کو ایک وقت کی خوراک اور دوسرے 60 آدمیوں کو دوسرے وقت کی خوراک دی جائے۔

کفارے کی عدم تجزی میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ بات چاروں مذاہب میں سے کسی میں جائز نہیں ہے کہ آدمی 30 دن کے روزے رکھے اور 30 مسکینوں کو کھانا دے۔ دو کفارے جمع نہیں کیے جا سکتے۔ روزے رکھنے ہوں تو پورے دو مہینوں کے مسلسل رکھنے چاہییں۔ کھانا کھلانا ہو تو 60 مسکینوں کو کھلایا جائے۔

اگرچہ قرآن مجید میں کفارہ طعام کے متعلق یہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ہیں کہ یہ کفارہ بھی زوجین کے ایک دوسرے کو چھونے سے پہلے ادا ہونا چاہیے، لیکن فحوائے کلام اس کا مقتضی ہے کہ اس تیسرے کفارے پر بھی اس قید کا اطلاق ہوگا۔ اسی لیے ائمہ اربعہ نے اس کو جائز نہیں رکھا ہے کہ کفارہ طعام کے دوران میں آدمی بیوی کے پاس جائے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ جو شخص ایسا کر بیٹھے

اس کے متعلق حنابلہ یہ حکم دیتے ہیں کہ اسے از سر جو کھانا دینا ہوگا۔ اور حنفیہ اس معاملہ میں رعایت کرتے ہیں، کیونکہ اس تیسرے کفارے کے معاملے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَا سَّا کی صراحت نہیں ہے اور یہ چیز رعایت کی گنجائش دیتی ہے۔

یہ احکام فقہ کی حسب ذیل کتابوں سے اخذ کیے گئے ہیں: ہدایہ۔ فتح القدیر۔ بدایع الصنائع۔ احکام القرآن للجصاص۔ فقہ شافعی: المنہاج للنوَوِی مع شرح مغنی المحتاج۔ تفسیر کبیر۔ فقہ مالکی: حادیۃ الدسوقی علی الشرح الکبری۔ ہدایۃ المجتہد۔ احکام القرآن ابن عربی۔ فقہ حنبلی: المغنی لابن قدامہ۔ فقہ ظاہری: المحلیٰ لابن حزم۔

ظہار سے حرمت کی دلیل میں مذاہب اربعہ

حضرت امام شافعی کا مطلب یہ ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روک رکھا یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر چاہتا تو اس میں باقاعدہ طلاق دے سکتا تھا لیکن طلاق نہ دی۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ پھر لوٹے جماع کی طرف یا ارادہ کرے تو یہ حلال نہیں تاوقتیکہ مذکورہ کفارہ ادا نہ کرے۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے جماع کا ارادہ یا پھر بسانے کا عزم یا جماع ہے۔ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ وغیرہ کہتے ہیں مراد ظہار کی طرف لوٹنا ہے اس کی حرمت اور جاہلیت کے حکم کے اٹھ جانے کے بعد پس جو شخص اب ظہار کرے گا اس پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی جب تک کہ یہ کفارہ ادا نہ کرے،

حضرت سعید فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ جس چیز کو اس نے اپنی جان پر حرام کر لیا تھا اب پھر اس کام کو کرنا چاہے تو اس کا کفارہ ادا کرے۔

حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجامعت کرنا چاہے ورنہ اور طرح چھونے میں قبل کفارہ کے بھی ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں یہاں مس سے مراد صحبت کرنا ہے۔ زہری فرماتے ہیں کہ ہاتھ لگانا پیار کرنا بھی کفارہ کی ادائیگی سے پہلے جائز نہیں۔

کفارہ ظہار میں گندم وغیرہ دینے کا بیان

نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ أَوْ قِيمَةُ ذَلِكَ فَإِنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيلًا أَكَلُوا أَوْ كَثِيرًا وَإِنْ أَطْعَمَ مِسْكِينًا وَاحِدًا سِتِّينَ يَوْمًا أَكْلَتَيْنِ مُشْبِعَتَيْنِ أَجْزَأَهُ وَإِنْ أَعْطَاهُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ طَعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا لَمْ يُجْزِهِ إِلَّا عَنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ فَإِنْ قَرُبَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلَالِ الْإِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْوِي إِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا وَكَذَلِكَ إِنْ صَامَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَعِشْرِينَ مِسْكِينًا جَازَ وَإِنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً وَاحِدَةً وَصَامَ شَهْرَيْنِ جَازَ أَنْ يَجْعَلَ ذَلِكَ عَنْ أَيِّهِمَا شَاءَ

ترجمہ

اس طرح کہ ہر مسکین کے حصے میں نصف صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو یا ان کی قیمت آ جائے۔ جب انہیں صبح شام کھانا کھلا دے وہ کم کھائیں یا زیادہ تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر وہ ساٹھ دنوں کسی ایک ہی مسکین کو کھلاتا رہا تو یہ بھی اسے کافی ہے۔ اگر کسی ایک کو ساٹھ مسکینوں کا کھانا ایک ہی دن دے دیا تو یہ اس کے لئے اس کی طرف سے صرف ایک دن کے لئے ہی کفایت کرے گا جب کہ باقی دنوں کے لئے جب کھلانے کے دوران کہیں وہ مظاہر منہا کے قریب ہو گیا تو اس وجہ سے وہ نئے سرے سے شروع نہیں کرے گا۔ وہ آدمی جس پر ظہار کے دو کفارے واجب ہو گئے تھے۔ اس نے دو غلام تو آزاد کئے مگر نیت کسی ایک کفارہ کی طرف سے بھی نہ کی تھی۔ تو بھی دونوں کی طرف سے کفارہ ہو جائے گا یونہی جب اس نے چار ماہ مسلسل روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو یہ بھی جائز ہو گا۔ اور جب اس نے ایک غلام آزاد کیا' اور دو ماہ کے روزے رکھ لئے' تو اسے اختیار ہو گا کہ دو ظہاروں میں سے جس ظہار کی طرف سے چاہے انہیں اس کا کفارہ قرار دے لے۔

کفارے کے تعدد میں بعض فقہی مذاہب اربعہ

حضرت سلیمان بن یسار، حضرت سلمہ بن صخر بیاضی سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ظہارہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرے اس پر ایک کفارہ ہے یہ حدیث حسن غریب ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان، ثوری، مالک، شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایسے شخص پر دو کفارہ واجب ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1210)

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اس سے صحبت کر بیٹھا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے صحبت کر لی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے تمہیں کس چیز نے اس پر مجبور کیا وہ کہنے لگا میں نے چاند کی روشنی میں اس کی پازیب دیکھ لی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اللہ کا حکم (کفارہ ادا) پورا کرنے سے پہلے اس کے پاس نہ جانا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1211)

کتاب اللعان

﴿یہ کتاب لعان کے بیان میں ہے﴾

کتاب لعان کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ باب لعان کے فقہی مطابقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس باب سے پہلے باب ظہار میں اس کی فقہی مطابقت کو بیان کر دیا گیا ہے۔ (وہاں ظہار کے باب سے مؤخر کرنے کا سبب یہی بیان کیا گیا ہے کہ لعان تہمت کے ذریعے شوہر اور بیوی کے درمیان باہمی قسموں کے ساتھ مفارقت ہوتی ہے۔) اور لعان لغوی معنی، پھینکنا اور دوسرے پر لعنت کرنا ہے اور اسی طرح بیوی پر تہمت لگانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۵۴، بیروت)

لعان کے فقہی مفہوم کا بیان

لعان اور ملاعنہ کے معنی ہیں ایک دوسرے پر لعنت کرنا، شرعی اصطلاح میں لعان اس کو کہتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا جو بچہ پیدا ہوا اس کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میرا نہیں نہ معلوم کس کا ہے اور بیوی اس سے انکار کرے اور کہے کہ تم مجھ پر تہمت لگا رہے ہو پھر وہ قاضی اور شرعی حاکم کے پاس فریاد کرے قاضی شوہر کو بلا کر اس الزام کو ثابت کرنے کے لئے کہے چنانچہ اگر شوہر گواہوں کے ذریعہ ثابت کر دے تو قاضی اس کی بیوی پر زنا کی حد جاری کرے اور اگر شوہر چار گواہوں کے ذریعہ الزام ثابت نہ کر سکے تو پھر قاضی پہلے شوہر کو اس طرح کہلائے کہ میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو زنا کی نسبت اس کی طرف کی ہے اس میں سچا ہوں عورت کی طرف اشارہ کر کے چار دفعہ شوہر اسی طرح کہے پھر پانچویں دفعہ مرد کی طرف اشارہ کر کے یوں کہے کہ اس مرد نے میری طرف جو زنا کی نسبت کی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے۔

جب دونوں اس طرح ملاعنت کریں تو حاکم دونوں میں جدائی کرا دے گا اور ایک طلاق بائن پڑ جائے گی اور وہ عورت اس مرد کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی ہاں اگر اس کے بعد مرد خود اپنے کو جھٹلائے یعنی یہ اقرار کر لے کہ میں نے عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی تو اس صورت میں اس پر حد تہمت جاری کی جائے گی اور عورت سے پھر نکاح کرنا اس کے لئے درست ہو جائے گا لیکن حضرت امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر مرد خود اپنے کو جھٹلائے تب بھی عورت اس کے لئے ہمیشہ کو حرام رہے گی۔

چار شہادتوں کا قسم کے ساتھ ہونے کا بیان

إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالزِّنَا وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا أَوْ نَفَى نَسَبَ

وَلَدِهَا فَطَالَبَتْهُ بِمُوجِبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ فَإِنِ امْتَنَعَ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتَّى يُلَاعِنَ أَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ فَيُحَدَّ فَإِنْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ فَإِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتَّى تُلَاعِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ فَتُحَدَّ وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا أَوْ كَافِرًا أَوْ مَحْدُودًا فِي قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ ، وَهِيَ أَمَةٌ أَوْ كَافِرَةٌ أَوْ مَحْدُودَةٌ فِي قَذْفٍ أَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا بِأَنْ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً أَوْ زَانِيَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ فِي قَذْفِهَا وَلَا لِعَانَ وَصِفَةُ اللِّعَانِ أَنْ يَبْتَدِئَ الْقَاضِي بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ فَيَقُولَ فِي كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللَّهِ أَنِّي لَمِنَ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتُهَا بِهِ مِنَ الزِّنَا ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ تَقُولُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ أَشْهَدُ بِاللَّهِ أَنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ فِيمَا رَمَانِي بِهِ مِنَ الزِّنَا وَتَقُولُ فِي الْخَامِسَةِ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ،

ترجمہ

جب کسی نے اپنی بیوی پر زناء کی تہمت لگا دی اور ہوں وہ اہل شہادت میں سے اور عورت ایسی ہو کہ جس کے تہمت لگانے والے پر حد جاری ہوتی ہو یا وہ اس کے بچے سے نسب کی نفی کر دے اور تہمت کے سبب کا مطالبہ کر دے تو اس پر لعان (یعنی چار گواہیاں قسموں کے ساتھ) ہوگا۔ پھر جب وہ لعان سے رکا رہے تو حاکم اسے قید میں ڈال دے گا۔ یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنی اس بات کو جھوٹا قرار دے دے۔ پس اسے حد لگائی جائے گی۔ پھر جب وہ لعان کرتا ہے تو عورت پر بھی لعان ہوگا۔ پھر جب وہ اس سے رکی رہے تو حاکم اسے قید کرا دے گا۔ یہاں تک کہ وہ یا تو لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کر دے۔ جب شوہر غلام کافر یا محدود فی القذف ہو اور وہ اپنی بیوی پر زناء کی تہمت لگا دے تو اس پر حد جاری ہوگی۔ جب خاوند اہل شہادت میں سے ہو اور عورت کافرہ یا لونڈی یا حد قذف میں آ چکی ہو یا اس کے تہمت لگانے والے پر حد جاری نہ ہوتی ہو تو اس پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد جاری نہ ہوگی اور نہ اس پر لعان ہوگا۔ لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی شوہر سے شروع کرے۔ پس شوہر چار مرتبہ گواہی دے اور ہر بار کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اس بات میں جو میں نے اس پر زناء کی تہمت لگائی ہے۔ بے شک میں اس میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں مرتبہ کہے کہ میں نے جو اسے زناء کی تہمت لگائی ہے۔ جب میں اس میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور ان سب باتوں میں وہ عورت کی طرف اشارہ کرے گا۔ پھر ایسے ہی عورت چار مرتبہ گواہی دیتے ہوئے کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتی ہوں کہ اس نے جو زناء کی تہمت لگائی ہے بے شک اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس نے جو مجھ پر تہمت لگائی جب یہ اس میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا قہر ہو۔

لعان کی شرائط کا فقہی بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ لعان کی درج ذیل شرائط ہیں۔ (۱) نکاح صحیح ہو۔ اگر اس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے اور تہمت لگائی تو لعان نہیں۔ (۲) زوجیت قائم ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں لہٰذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاق بائن دی تو لعان نہیں

ہو سکا اگر چہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا۔ یونہی اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا ز دلیل کے مر جانے کے بعد تو لعان نہیں اور اگر تہمت کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تہمت لگائی تو لعان ساقط نہیں۔

(۳) دونوں آزاد ہوں۔ (۴) دونوں عاقل ہوں۔ (۵) دونوں بالغ ہوں۔ (۶) دونوں مسلمان ہوں۔ (۷) دونوں ناطق ہوں یعنی اُن میں کوئی گونگا نہ ہو۔ (۸) اُن میں کسی پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (۹) مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔

(۱۰) عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پارسا کہتی ہو اصطلاح شرع میں پارسا اُس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوئی ہو نہ وہ اس کے ساتھ متہم ہو۔ لہٰذا طلاق بائن کی عدت میں اگر شوہر نے اُس سے وطی کی اگر چہ وہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ اس سے وطی حلال ہے تو عورت عفیفہ نہیں۔ یونہی اگر نکاح فاسد کر کے اُس سے وطی کی تو عفت جاتی رہی یا عورت کی اولاد ہے جس کے باپ کو یہاں کے لوگ نہ جانتے ہوں اگر چہ حقیقۃً وہ ولد الزنا نہیں ہے یہ صورت متہم ہونے کی ہے اس سے بھی عفت جاتی رہتی ہے۔ اور اگر وطی حرام عارضی سبب سے ہو مثلاً حیض و نفاس وغیرہ میں جن میں وطی حرام ہے وطی کی تو اس سے عفت نہیں جاتی۔

(۱۱) صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اُس کی جو اولاد اس کے نکاح میں پیدا ہوئی اُس کو کہتا ہو کہ یہ میری نہیں یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے اُس کو کہتا ہو کہ یہ اُس کا نہیں۔ (۱۲) دارالاسلام میں یہ تہمت لگائی ہو۔ (۱۳) عورت قاضی کے پاس اُس کا مطالبہ کرے۔ (۱۴) شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دو مرد گواہوں سے ثابت ہو۔ لعان کے وقت عورت کا کھڑا ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (عالم گیری، باب لعان، ۵، ص، ۵۱۵، بیروت)

لعان کے قسم سے پہلوتہی کرنے میں مذاہب اربعہ

اگر الزام لگانے کے بعد شوہر قسم کھانے سے پہلوتہی کرے تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ اسے قید کر دیا جائے گا اور جب تک وہ لعان نہ کرے یا اپنے الزام کا جھوٹا ہونا نہ مان لے، اسے نہ چھوڑا جائے گا، اور جھوٹ مان لینے کی صورت میں اس کو حد قذف لگائی جائے گی۔ اس کے برعکس امام مالک علیہ الرحمہ، شافعی، حسن بن صالح اور لیث بن سعد کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے پہلوتہی کرنا خود ہی اقرار کذب ہے اس لیے حد قذف واجب آ جاتی ہے۔

اگر شوہر کے قسم کھا چکنے کے بعد عورت لعان سے پہلوتہی کرے تو حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ اسے قید کر دیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک وہ لعان نہ کرے، یا پھر زنا کا اقرار نہ کر لے۔ دوسری طرف مذکورہ بالا ائمہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں اسے رجم کر دیا جائے گا۔ ان کا استدلال قرآن کے اس ارشاد سے ہے کہ عورت سے عذاب صرف اس صورت میں دفع ہو گا جب کہ وہ بھی قسم کھا لے۔ اب چونکہ وہ قسم نہیں کھاتی اس لیے لامحالہ وہ عذاب کی مستحق ہے۔

لعان کا طریقہ اور فقہی تصریحات

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ رب العالمین نے ان خاوندوں کے لئے جو اپنی بیویوں کی نسبت ایسی بات کہہ دیں چھٹکارے کی صورت بیان فرمائی ہے کہ جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو لعان کر لیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ امام کے سامنے آ کر وہ اپنا بیان دے

جب شہادت نہ پیش کر سکے تو حاکم اسے چار گواہوں کے قائم مقام چار قسمیں دے گا اور یہ قسم کھا کر کہے گا کہ وہ سچا ہے جو بات کہا ہے وہ حق ہے۔ پانچویں دفعہ کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔

اتنا کہتے ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس کی عورت اس سے بائن ہو جائے گی اور ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ یہ مہر ادا کر دے گا اور اس عورت پر زنا ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر وہ عورت بھی سامنے ملاعنہ کرے تو حد اس پر سے ہٹ جائے گی۔ یہ بھی چار مرتبہ حلفیہ بیان دے گی کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے۔

اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اس نکتہ کو بھی خیال میں رکھئے کہ عورت کے لئے غضب کا لفظ کہا گیا اس لئے کہ عموماً کوئی مرد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی بیوی کو خواہ مخواہ تہمت لگائے اور اپنے آپ کو بلکہ اپنے کنبے کو بھی بدنام کرے عموماً وہ سچا ہی ہوتا ہے اور اپنے صدق کی بنا پر ہی وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے۔

اس لئے پانچویں مرتبہ میں اس سے یہ کہلوایا گیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب آئے۔ پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو پھر غضب والے وہ ہوتے ہیں جو حق کو جان کر پھر اس سے روگردانی کریں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اللہ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو ایسی آسانیاں تم پر نہ ہوتیں بلکہ تم پر مشقت اترتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمایا کرتا ہے گو کیسے ہی گناہ ہوں اور گو کسی وقت بھی توبہ ہو وہ حکیم ہے، اپنی شرع میں، اپنے حکموں میں، اپنی ممانعت میں "اس آیت کے بارے میں جو روایتیں ہیں وہ بھی سن لیجئے۔ "مسند احمد میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو انصار کے سردار ہیں کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آیت اسی طرح اتاری گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار یو سنتے نہیں ہو؟ یہ تمہارے سردار کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ درگزر فرمائیے یہ صرف ان کی بڑھی چڑھی غیرت کا باعث ہے اور کچھ نہیں۔ ان کی غیرت کا یہ حال ہے کہ انہیں کوئی بیٹی دینے کی جرأت نہیں کرتا۔

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے لیکن اگر میں کسی کو اس کے پاؤں پکڑے ہوئے دیکھ لوں تو بھی میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں تک کہ میں چار گواہ لاؤں تب تک تو وہ اپنا کام پورا کر لے گا۔ اس بات کو ذرا سی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے یہ ان تین شخصوں میں سے ایک غیر مرد ہے خود آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں۔ صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا آپ کو بہت برا معلوم ہوا اور طبیعت پر نہایت ہی شاق گزرا۔ سب انصار جمع ہو گئے اور کہنے لگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی دلیل سے ہم اس آفت میں مبتلا کئے گئے مگر اس صورت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ کو تہمت کی حد لگائیں اور اس کی شہادت کو مردود ٹھہرائیں۔

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے واللہ میں سچا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا چھٹکارا کر دے گا۔
کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھتا ہوں کہ میرا کلام آپ کی طبیعت پر بہت گراں گزرا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اللہ کی قسم ہے میں سچا ہوں، اللہ خوب جانتا ہے۔ لیکن چونکہ گواہ پیش نہیں کر سکتے تھے قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حد مارنے کو فرماتے اتنے میں وحی اترنا شروع ہوئی۔ صحابہ آپ کے چہرے کو دیکھ کر علامت سے پہچان گئے کہ اس وقت وحی نازل ہو رہی ہے۔ جب اتر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا، اے ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کشادگی اور چھٹی نازل فرمادی۔
حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے الحمد للہ مجھے اللہ رحیم کی ذات سے یہی امید تھی۔ پھر آپ نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کو بلوایا اور ان دونوں کے سامنے آیت ملاعنہ پڑھ کر سنائی اور فرمایا دیکھو آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت ہے۔ ہلال فرمانے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بالکل سچا ہوں۔ اس عورت نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جھوٹ کہہ رہا ہے آپ نے حکم دیا کہ اچھا لعان کرو۔ تو ہلال کو کہا گیا کہ اس طرح چار قسمیں کھاؤ اور پانچویں دفعہ یوں کہو۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب چار بار کہہ چکے اور پانچویں بار کی نوبت آئی تو آپ سے کہا گیا کہ ہلال اللہ سے ڈر جا۔ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں سے بہت ہلکی ہے یہ پانچویں بار تیری زبان سے نکلتے ہی تجھ پر عذاب واجب ہو جائے گا تو آپ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم اللہ کی جس طرح اللہ نے مجھے دنیا کی سزا سے میری صداقت کی دلیل سے بچایا، اسی طرح آخرت کے عذاب سے بھی میری سچائی کی دلیل سے میرا رب مجھے محفوظ رکھے گا۔

پھر پانچویں دفعہ کے الفاظ بھی زبان سے ادا کر دیئے۔ اب اس عورت سے کہا گیا کہ تو چار دفعہ قسمیں کھا کہ یہ جھوٹا ہے۔ جب وہ چاروں قسمیں کھا چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پانچویں دفعہ کے اس کلمہ کے کہنے سے روکا اور جس طرح حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمجھایا گیا تھا اس سے بھی فرمایا تو اسے کچھ خیال پیدا ہو گیا۔ رکی، جھجکی، زبان کو سنبھالا، قریب تھا کہ اپنے قصور کا اقرار کر لے لیکن پھر کہنے لگی میں ہمیشہ کے لئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کرنے کی۔ پھر کہہ دیا کہ اگر اس کا خاوند سچا ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں جدائی کرا دی اور حکم دیدیا کہ اس سے جو اولاد ہو وہ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب نہ کی جائے۔ نہ اسے حرام کی اولاد کہا جائے۔ جو اس بچے کو حرامی کہے یا اس عورت پر تہمت رکھے، وہ حد لگایا جائے گا، یہ بھی فیصلہ دیا کہ اس کا کوئی نان نفقہ اس کے خاوند پر نہیں کیونکہ جدائی کر دی گئی ہے۔ نہ طلاق ہوئی ہے نہ خاوند کا انتقال ہوا ہے اور فرمایا دیکھو اگر یہ بچہ سرخ سفید رنگ موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہو تو اسے ہلال کا سمجھنا اور اگر وہ پتلی پنڈلیوں والا سیاہی مائل رنگ کا پیدا ہو تو اس شخص کا سمجھنا جس کے ساتھ اس پر الزام قائم کیا گیا ہے۔ جب بچہ ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اس بری صفت پر تھا جو الزام کی حقانیت کی نشانی تھی۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ مسئلہ قسموں پر طے شدہ نہ ہوتا تو میں اس عورت کو قطعاً حد لگاتا۔ یہ صاحبزادے بڑے ہو کر مصر کے والی بنے اور ان کی نسبت ان کی ماں کی طرف تھی۔ (ابوداؤد) اس

حدیث کے اور بھی بہت سے شاہد ہیں۔ بخاری شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ شریک بن سحماء کے ساتھ تہمت لگائی گئی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگے گی۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص اپنی بیوی کو برے کام پر دیکھ کر گواہ ڈھونڈنے جائے؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی توبہ کر کے اپنے جھوٹ سے ہٹتا ہے؟ اور روایت میں ہے کہ پانچویں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کہا کہ اس کا منہ بند کر دو پھر اسے نصیحت کی۔ اور فرمایا اللہ کی لعنت سے ہر چیز ہلکی ہے۔ اسی طرح اس عورت کے ساتھ کیا گیا۔

سعید بن جبیر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لعان کرنے والے مرد و عورت کی نسبت مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ان میں جدائی کرادی جائے؟ یہ واقعہ ہے حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کے زمانہ کا۔ مجھ سے تو اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا تو میں اپنے مکان سے چل کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منزل پر آیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ سب سے پہلے یہ بات فلاں بن فلاں نے دریافت کی تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص اپنی عورت کو کسی برے کام پر پائے تو اگر زبان سے نکالے تو بھی بڑی بیشرمی کی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو بھی بڑی بے غیرتی کی خاموشی ہے۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ پھر وہ آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو سوال جناب سے کیا تھا افسوس وہی واقعہ میرے ہاں پیش آیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو پاس بلا کر ایک ایک کو الگ الگ نصیحت کی۔ بہت کچھ سمجھایا لیکن ہر ایک نے اپنا سچا ہونا ظاہر کیا پھر دونوں نے آیت کے مطابق قسمیں کھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں جدائی کرادی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کا ایک مجمع شام کے وقت جمعہ کے دن مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری نے کہا جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پائے تو اگر وہ اسے مار ڈالے تو تم اسے مار ڈالو گے اور اگر زبان سے نکالے گا تو تم شہادت موجود نہ ہونے کی دلیل سے اسی کو کوڑے لگاؤ گے اور اگر یہ اندھیر دیکھ کر خاموش ہو کر بیٹھا رہے تو یہ بڑی بے غیرتی اور بڑی بےحیائی ہے۔ واللہ اگر میں صبح تک زندہ رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت دریافت کروں گا۔ چنانچہ اس نے انہی لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور دعا کی کہ یا اللہ اس کا فیصلہ نازل فرما۔ پس آیت لعان اتری اور سب سے پہلے یہی شخص اس میں مبتلا ہوا۔

اور روایت میں ہے کہ حضرت عویمر نے حضرت عاصم بن عدی سے کہا کہ ذرا جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت تو کرو کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پائے تو کیا کرے؟ ایسا تو نہیں کہ وہ قتل کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا؟ چنانچہ عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سوال سے بہت ناراض ہوئے۔ جب عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم سے ملے تو پوچھا کہ کہو تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا؟ اور آپ نے کیا جواب دیا؟ عاصم نے کہا تم نے

مجھے کوئی اچھی خدمت نہیں لی افسوس میرے اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیب پکڑا اور برا مانا۔ عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اب اگر میں اسے اپنے گھر لے جاؤں تو گویا میں نے اس پر جھوٹ تہمت باندھی تھی۔ پس آپ کے حکم سے پہلے ہی اس عورت کو جدا کر دیا۔ پھر تو لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ مقرر ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ عورت حاملہ تھی اور ان کے خاوند نے اس سے انکار کیا کہ یہ حمل ان سے ہوا۔ اس لئے یہ بچہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتا رہا پھر مسنون طریقہ یوں جاری ہوا کہ یہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور ماں اس کی وارث ہوگی۔ ایک مرسل اور غریب حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اگر تمہارے ہاں ایسی واردات ہو تو کیا کرو گے؟ دونوں نے کہا گردن اڑا دیں گے۔ ایسے وقت چشم پوشی وہی کر سکتے ہیں جو دیوث ہوں، اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلا لعان مسلمانوں میں ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان ہوا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، نور ۷)

لعان ہو جانے کے بعد قاضی کا ان میں تفریق کروانے کا بیان

فَإِذَا الْتَعَنَا فَرَّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ تَحْرِيمًا مُؤَبَّدًا فَإِنْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِي نَسَبَهُ وَأَلْحَقَهُ بِأُمِّهِ فَإِنْ عَادَ الزَّوْجُ فَأَكْذَبَ نَفْسَهُ حُدَّ حَدَّ الْقَذْفِ وَحَلَّ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَكَذَلِكَ إِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ وَكَذَلِكَ إِذَا زَنَتْ فَحُدَّتْ وَإِذَا قَذَفَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ صَغِيرَةٌ أَوْ مَجْنُونَةٌ فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَقَذْفُ الْأَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ لِعَانٌ وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّي فَلَا لِعَانَ وَعِنْدَهُمَا إِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَهُوَ قَاذِفٌ وَيُلَاعِنُ

ترجمہ

جب وہ دونوں لعان کر لیں گے، تو قاضی ان کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ اور طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جدائی طلاق بائنہ ہوگی جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہمیشہ کی حرمت ہوگی۔ جب وہ تہمت بچے کے نسب کی نفی کرنے کے سبب سے ہو تو قاضی نسب کی نفی کر کے اسے اس کی ماں کے ساتھ ملا دے گا۔ جب شوہر اپنی بات سے رجوع کرتے ہوئے اپنی تکذیب کرے گا تو قاضی اسے حد لگائے گا اس کے بعد وہ اس عورت سے نکاح کر سکے گا۔ یونہی جب اس نے کسی اور پر یہ الزام لگا دیا تھا اس پر حد جاری ہوگی یا عورت کو زنا کرنے کی وجہ سے حد لگ گئی اور جب کسی نے اپنی بہت چھوٹی بیوی (یعنی کم عمر) پر تہمت لگائی یا وہ پاگل ہے تو ان کے درمیان نہ لعان ہوگا اور نہ حد۔ گونگے کے تہمت لگا دینے کی وجہ سے لعان نہیں ہوتا ہے اور جب خاوند کہہ دے کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں تو لعان نہیں ہوگا۔

لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق کا مسئلہ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا چنانچہ اس لعان

کی دلیل سے وہ شخص اس عورت کے بچہ سے دور ہو گیا یعنی بچہ کا نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے درمیان تفریق کرادی اور بچہ کو عورت کے حوالے کر دیا (بخاری مسلم)

اور حضرت ابن عمر کی ایک روایت میں جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تا کہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے۔

تفریق کرادی کا مطلب یہ ہے کہ لعان کی صورت میں میاں بیوی کے درمیان تفریق جدائی حاکم وقاضی کے حکم ہی سے ہوتی ہے نہ کہ محض لعان سے چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے نیز ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر نفس لعان ہی سے تفریق واقع ہو جاتی تو پھر تین طلاقیں کیوں دی جاتیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا ہے کہ حضرت عویمر نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔

دنیا کے عذاب سے مراد حد یعنی شرعی سزا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت کو چاہے وہ اس کی بیوی ہی کیوں نہ ہو) زنا کی تہمت لگائے اور اس کی تہمت جھوٹی ثابت ہو جائے تو شرعی قانون کے مطابق اس پر حد جاری کی جائے گی یعنی اس کو ایک پاکدامن عورت پر زنا کی جھوٹ تہمت لگانے کے جرم میں اسی کوڑے مارے جائیں گے اور اگر وہ مرد سچا ثابت ہو جائے یعنی یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اس عورت نے بدکاری کرائی ہے تو پھر اس عورت پر حد جاری ہوگی کہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اس کو سنگسار کر دیا جائے گا اور غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارے جائیں گے اس صورت میں یہ امکان ہو سکتا ہے کہ مرد نے کسی غلط فہمی کی بناء پر یا کسی خاص جذبہ کے تحت عورت کو تہمت لگا دی ہو اور پھر اسے یہ یقین ہو گیا ہو کہ میں نے عورت پر جو الزام لگایا ہے وہ بے بنیاد ہے مگر اب اس خوف سے کہ ایک پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت لگائی تھی یا یہ کہ واقعۃً عورت نے بدکاری کرائی ہو مگر اس خوف سے کہ میں سنگسار کر دی جاؤں گی یا سو کوڑے ماری جاؤں گی اپنے اس گناہ کا اعتراف واقرار نہیں کرتی بلکہ ملاعنت پر تیار ہو جاتی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امکانی صورت کے خلاف دونوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں دنیا کا عذاب یعنی یہاں کی سزا کہیں آسان اور سہل ہے اس لئے جو صورت حال ہو اور جو سچ بات ہو اس کا اعتراف واقرار کر لو اور اس دنیا کے آسان عذاب کو اختیار کر کے آخرت کے سخت ترین عذاب سے بچو۔

لعان کے حکم کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اس عورت سے وطی حرام ہے مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوئی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسلام تفریق کر دیگا اور اب مطلقہ بائن ہوگئی لہٰذا بعد لعان اگر قاضی نے تفریق نہ کی ہو تو طلاق دے سکتا ہے ایلا وظہار کر سکتا ہے دونوں میں سے کوئی مرجائے تو دوسرا اُس کا ترکہ پائیگا اور لعان

کے بعد اگر وہ دونوں علیحدہ ہونا نہ چاہیں جب بھی تفریق کردی جائے گی۔ اگر لعان کی ابتدا قاضی نے عورت سے کرائی تو شوہر کے الفاظ لعان کہنے کے بعد عورت سے پھر کہلوائے اور دوبارہ عورت سے نہ کہلوائے اور تفریق کردی تو ہوگئی۔ لعان ہوجانے کے بعد ابھی تفریق نہ کی تھی کہ خود قاضی کا انتقال ہوگیا یا معزول ہوگیا اور دوسرا اُس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان کی وجہ سے ہے۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق، باب کفارہ ظہار)

تفریق لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اختلاف دو مسئلوں میں ہے۔ ایک یہ کہ لعان کے بعد عورت اور مرد کی علیحدگی کیسے ہوگی؟ دوسرے یہ کہ لعان کی بنا پر علیحدہ ہو جانے کے بعد کیا ان دونوں کا پھر مل جانا ممکن ہے؟ پہلے مسئلے میں امام شافعی کہتے ہیں کہ جس وقت مرد لعان سے فارغ ہو جائے اسی وقت فرقت آپ سے آپ واقع ہو جاتی ہے خواہ عورت جوابی لعان کرے نہ کرے۔ امام مالک علیہ الرحمہ، لیث بن سعد اور زفر کہتے ہیں کہ مرد اور عورت دونوں جب لعان سے فارغ ہوں تب فرقت واقع ہوتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ، ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ لعان سے فرقت آپ ہی آپ واقع نہیں ہو جاتی بلکہ عدالت کے تفریق کرانے سے ہوتی ہے۔ اگر شوہر خود طلاق دے دے تو بہتر، ورنہ حاکم عدالت ان کے درمیان تفریق کا اعلان کرے گا۔

دوسرے مسئلے میں امام مالک علیہ الرحمہ، ابو یوسف، زفر، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، شافعی، احمد بن حنبل اور حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ لعان سے جو زوجین جدا ہوئے ہوں وہ پھر ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر حرام ہو جاتے ہیں، دوبارہ وہ باہم نکاح کرنا بھی چاہیں تو کسی حال میں نہیں کر سکتے۔ یہی دلیل حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی ہے۔

جبکہ سعید بن مسیب، ابراہیم نخعی، شعبی، سعید بن جبیر، ابو حنیفہ اور محمد رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر اپنا جھوٹ مان لے اور اس پر حد قذف جاری ہو جائے تو پھر ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے کے لیے حرام کرنے والی چیز لعان ہے۔ جب تک وہ اس پر قائم رہیں، حرمت بھی قائم رہے گی۔ مگر جب شوہر اپنا جھوٹ مان کر سزا پا گیا تو لعان ختم ہو گیا اور حرمت بھی اٹھ گئی۔

زنا کی تہمت کے سبب ثبوت لعان کا بیان

وَإِنْ قَالَ زَنَيْتِ ، وَهَـٰذَا الْـحَـمْـلُ مِنَ الزِّنَا تَلاعَنَا وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ وَإِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَتِهِ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ فِي الْحَالِ الَّتِي يَقْبَلُ فِيهَا التَّهْنِئَةَ وَيَبْتَاعُ لَهُ آلَةَ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَاعَنَ بِهِ وَإِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَاعَنَ وَثَبَتَ النَّسَبُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ فِي مُدَّةِ النِّفَاسِ وَإِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِي ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَحُدَّ الزَّوْجُ وَلَا لِعَانَ وَإِنِ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِيَ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَلَاعَنَ ؛

ترجمہ

اور جب اس نے یہ کہہ دیا کہ تو نے زناء کیا' اور تیرا یہ حمل اسی زناء سے ہے' تو اس صورت میں دونوں لعان کریں گے' اور قاضی اس سے حمل کی نفی کرے گا۔ جب شوہر نے اپنی بیوی کے بچے کی ولادت کے بعد نفی کر دی یا ایسی حالت میں کہ جس میں مبارک باد قبول کی جاتی ہے' اور ولادت کا سامان وغیرہ خریدا جاتا ہے' تو وہ نفی درست ہوگی اور وہ لعان کرے گا۔ جب اس نے اس کے بعد بچے کی نفی کی تو بھی لعان کرے گا مگر اس صورت میں نسب ثابت ہو جائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مدتِ نفاس میں بچے کی نفی کرنا درست ہے۔ جب عورت ایک ہی پیٹ سے دو بچوں کو جنم دے دے' اور شوہر پہلے کا انکار کرتے ہوئے دوسرے کا اقرار کر لے' تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور شوہر پر حد جاری کی جائے گی۔ جب وہ پہلے کا اعتراف کرے' اور دوسرے کی نفی کر دے' تو بھی دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ مگر اس صورت میں اسے لعان کرنا پڑے گا۔

بچے کے انکار کی صورت میں ثبوت لعان کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہوا اور ان دونوں میں پہلے سے انکار کیا دوسرے کا اقرار تو حد لگائی جائے اور اگر پہلے کا اقرار کیا دوسرے سے انکار تو لعان ہوگا بشرطیکہ انکار سے نہ پھرے اور پھر گیا تو حد لگائی جائے مگر بہر حال دونوں ثابت النسب ہیں۔

جس بچے سے انکار کیا اور لعان ہوا وہ مر گیا اور اُس نے اولاد چھوڑی اب لعان کرنے والے نے اُس کو اپنا پوتا پوتی قرار دیا تو وہ ثابت النسب ہے۔ اولاد سے انکار کیا اور ابھی لعان نہ ہوا کہ کسی اجنبی نے عورت پر تہمت لگائی اور اُس بچہ کو حرامی کہا اس پر حدِ قذف قائم ہوئی تو اب اُسکا نسب ثابت ہے اور کبھی منتفی نہ ہوگا۔ عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے کہا یہ میرا نہیں یا یہ زنا سے ہے اور کسی دلیل سے لعان ساقط ہو گیا تو نسب منتفی نہ ہوگا حد واجب ہو یا نہیں۔ یونہی اگر دونوں اہل لعان ہیں مگر لعان نہ ہوا تو نسب منتفی نہ ہوگا۔ (درمختار، ج ۵، ص ۱۷۰، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جس نے نکاح کیا مگر ابھی دخول نہ ہوا بلکہ ابھی عورت کو دیکھا بھی نہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہوا، شوہر نے اُس سے انکار کیا تو لعان ہو سکتا ہے اور بعد لعان وہ بچہ ماں کے ذمہ ہوگا اور مہر پورا دینا ہوگا۔ (عالمگیری، باب لعان)

تہمت زنا سے ثبوت لعان کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے عورت سے کہا اے زانیہ، زانیہ کی بچی تو عورت اور اُس کی ماں دونوں پر تہمت لگائی اب اگر ماں بیٹی دونوں ایک ساتھ مطالبہ کریں تو ماں کا مطالبہ مقدم قرار دیکر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط ہو جائے گا اور اگر ماں نے مطالبہ نہ کیا اور عورت نے کیا تو لعان ہوگا پھر بعد میں اگر ماں نے مطالبہ کیا تو حد قذف قائم کرینگے۔ اور اگر صورت مذکورہ میں عورت کی ماں مر چکی ہے اور عورت نے دونوں مطالبے کیے تو ماں کی تہمت پر حد قذف قائم کرینگے اور لعان ساقط

اور اگر صرف اپنا مطالبہ کیا تو لعان ہوگا۔ یونہی اگر اجنبیہ پر تہمت لگائی پھر اُس سے نکاح کر کے پھر تہمت لگائی اور عورت نے لعان د حد دونوں کا مطالبہ کیا تو حد ہوگی اور لعان ساقط اور اگر لعان کا مطالبہ کیا اور لعان ہوا پھر حد کا مطالبہ کیا تو حد بھی قائم کرینگے۔

اپنی عورت سے کہا میں نے جو تجھ سے نکاح کیا اس سے پہلے تو نے زنا کیا یا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ تہمت چونکہ اب لگائی لہٰذا لعان ہے اور اگر یہ کہا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کی تہمت لگائی تو لعان نہیں بلکہ حد قائم ہوگی۔

عورت سے کہا میں نے تجھے بکر نہ پایا تو نہ حد ہے نہ لعان۔

اولاد سے انکار اُس وقت صحیح ہے جب مبارکبادی دیتے وقت یا ولادت کے سامان خریدنے کے وقت نفی کی ہو ورنہ سکوت رضا سمجھا جائے گا اب پھر نفی نہیں ہوسکتی مگر لعان دونوں صورتوں میں ہوگا اور اگر ولادت کے وقت شوہر موجود نہ تھا تو جب اُسے خبر ہوئی نفی کے لیے وہ وقت بمنزلہ ولادت کے ہے۔ شوہر نے اولاد سے انکار کیا اور عورت نے بھی اُس کی تصدیق کی تو لعان نہیں ہو سکتا۔ (درمختار، باب لعان، ج ۵، ص ۱۶۳، بیروت)

محدود قذف ہونے والے کی شہادت میں مذاہب اربعہ

جو لوگ کسی عورت پر یا کسی مرد پر زنا کاری کی تہمت لگائیں اور ثبوت نہ دے سکیں۔ تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے، ہاں اگر شہادت پیش کردیں تو حد سے بچ جائیں گے اور جن پر جرم ثابت ہوا ہے ان پر حد جاری کی جائے گی۔ اگر شہادت نہ پیش کرسکے تو اسی کوڑے بھی لگیں گے اور آئندہ کے لئے ہمیشہ ان کی شہادت غیر مقبول رہے گی اور وہ عادل نہیں بلکہ فاسق سمجھے جائیں گے۔ اس آیت میں جن لوگوں کو مخصوص اور مستثنٰی کردیا ہے تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ استثنا صرف فاسق ہونے سے ہے یعنی بعد از توبہ وہ فاسق نہیں رہیں گے۔ بعض کہتے ہیں نہ فاسق رہیں گے نہ مردود الشہادۃ بلکہ پھر ان کی شہادت بھی لی جائے گی۔ ہاں حد جو ہے وہ توبہ سے کسی طرح ہٹ نہیں سکتی۔

امام مالک، احمد اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تو یہ ہے کہ توبہ سے شہادت کا مردود ہونا اور فسق ہٹ جائے گا۔ سید التابعین حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ اور سلف کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے،

لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صرف فسق دور ہو جائے گا لیکن شہادت قبول نہیں ہوسکتی۔ بعض اور لوگ بھی یہی کہتے ہیں۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں کہ اگر اس نے اس بات کا اقرار کرلیا کہ اسے بہتان باندھا تھا اور پھر توبہ بھی پوری کی تو اس کی شہادت اس کے بعد مقبول ہے۔

حالت حمل کے لعان میں فقہی مذاہب اربعہ

اگر لعان کے وقت عورت حاملہ ہو تو امام احمد کے نزدیک لعان بجائے خود اس بات کے لیے کافی ہے کہ مرد اس حمل سے بری الذمہ ہو جائے اور بچہ اس کا قرار نہ پائے قطع نظر اس سے کہ مرد نے حمل کو قبول کرنے سے انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مرد کا الزام زنا اور نفی حمل دونوں ایک چیز نہیں ہیں، اس لیے مرد جب تک حمل کی ذمہ داری قبول کرنے سے صریح طور پر انکار نہ

کرے وہ الزام زنا کے باوجود اسی کا قرار پائے گا کیونکہ عورت کے زانیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو حمل بھی زنا ہی کا ہو۔

امام مالک علیہ الرحمہ، امام شافعی اور امام احمد دوران حمل میں مرد کو نفی حمل کی اجازت دیتے ہیں اور اس بنیاد پر لعان کو جائز رکھتے ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر مرد کے الزام کی بنیاد زنا نہ ہو بلکہ صرف یہ ہو کہ اس نے عورت کو ایسی حالت میں حاملہ پایا ہے جب کہ اس کے خیال میں حمل اس کا نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں لعان کے معاملے کو وضع حمل تک ملتوی کر دینا چاہیے، کیونکہ بسا اوقات کوئی بیماری حمل کا شبہ پیدا کر دیتی ہے اور درحقیقت حمل ہوتا نہیں ہے۔

اگر شوہر طلاق دینے کے بعد مطلقہ بیوی پر زنا کا الزام لگائے تو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک لعان نہیں ہوگا بلکہ اس پر قذف کا مقدمہ قائم کیا جائے گا، کیونکہ لعان زوجین کے لیے ہے اور مطلقہ عورت اس کی بیوی نہیں ہے۔ الا یہ کہ طلاق رجعی ہو اور مدت رجوع کے اندر وہ الزام لگائے۔ مگر امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ قذف صرف اس صورت میں ہے جب کہ کسی حمل یا بچے کا نسب قبول کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ درمیان میں نہ ہو۔ ورنہ مرد کو طلاق بائن کے بعد بھی لعان کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ عورت کو بد نام کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود ایک ایسے بچے کی ذمہ داری سے بچنے کے لیے لعان کر رہا ہے جسے وہ اپنا نہیں سمجھتا۔ قریب قریب یہی دلیل امام شافعی کی بھی ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے دو ظہار کے کفاروں میں دو غلام آزاد کر دیے یا چار مہینے کے روزے رکھ لیے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو دونوں کفارے ادا ہو گئے اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ یہ فلاں کا کفارہ ہے اور یہ فلاں کا۔ اور اگر دونوں دو قسم کے کفارے ہوں تو کوئی ادا نہ ہوا مگر جبکہ یہ نیت ہو کہ ایک کفارہ میں یہ اور ایک میں وہ اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ کون سے کفارہ میں یہ اور کس میں وہ ہے۔ اور اگر دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو ایک ادا ہوا اور اُسے اختیار ہے کہ جس کے لیے چاہے معین کرے اور اگر دونوں کفارے دو قسم کے ہیں مثلاً ایک ظہار کا ہے دوسرا قتل کا تو کوئی کفارہ ادا نہ ہوا مگر جبکہ کافر کو آزاد کیا ہو تو یہ ظہار کے لیے متعین ہے کہ قتل کے کفارہ میں مسلمان کا آزاد کرنا شرط ہے۔

دو قسم کے دو کفارے ہیں اور ساٹھ مسکین کو ایک ایک صاع گیہوں دونوں کفاروں میں دیدیے تو دونوں ادا ہو گئے اگرچہ پورا پورا صاع ایک مرتبہ دیا ہو۔ (درمختار، کتاب طلاق باب کفارہ، ج ۵، ص ۱۵۰، بیروت)

•••———•••———•••

كِتَابُ الْعِدَّةِ

﴿یہ کتاب عدت کے بیان میں ہے﴾

کتاب عدت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عدت فرقت کے اثر کا نام ہے اور یہ فرقت خواہ طلاق کے ذریعے ہو یا کسی اور سبب سے ہو۔ کیونکہ اثر ہمیشہ مؤثر کے بعد آتا ہے۔ جبکہ لغت میں عدت عورت کے ایام اقراء کو کہتے ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ۹۵، بیروت)

مرد اور عورت کے ملنے کا سبب نکاح ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور اس نکاح کے عقد کو جس سبب سے اٹھایا جاتا ہے اس کا نام طلاق ہے یا فسخ نکاح کے دیگر ذرائع ہیں اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے ان کو نکاح سے مؤخر اور عدت سے مقدم ذکر کیا ہے اور عدت کے احکام کا ان تمام احکام کے بعد ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان پر موقوف ہے۔ لہذا عدت کے احکام مؤخر بیان کیے ہیں۔

عدت کا لغوی وفقہی مفہوم

لغت میں عدت کے معنی ہیں شمار کرنا اور اصطلاح شریعت میں عدت اسے کہتے ہیں کہ جب کسی عورت کو اس کا خاوند طلاق دیدے یا خلع وایلاء وغیرہ کے ذریعہ نکاح یا نکاح جیسی چیز مثلاً نکاح فاسد ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس نکاح میں جماع یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو یا شوہر مر جائے تو وہ مقررہ مدت (کہ جس کی تفصیل آگے آئے گی) گھر میں رکی رہے جب تک وہ مدت ختم نہ ہو جائے تب تک نہ کہیں جائے اور نہ کسی دوسرے مرد سے ملاقات کرے جب مدت پوری ہو جائے تو جہاں چاہے جائے اور جس طرح چاہے نکاح کرے۔

عدت کے لغوی معنی: شمار کرنے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں عدت: اس مدت کو کہتے ہیں جس میں نکاح صحیح کے ختم ہونے، نکاح فاسد کے بعد قاضی کی طرف سے علیحدگی کے فیصلہ یا باہمی فیصلہ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ترک تعلق یا شبہ کی بنا پر وطی کے بعد اپنے آپ کو خاص مدت تک روکے رکھے۔

عورت کی عدت کا بیان

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ ثَلَاثًا أَوْ وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ ، وَهِيَ حُرَّةٌ

مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ وَالْأَقْرَاءُ الْحَيْضُ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ أَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ وَإِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عَنْ امْرَأَتِهِ الْحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشَرَةٌ ،

ترجمہ

جب کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائنہ یا طلاق رجعی دے دی۔ یا بغیر طلاق کے ہی ان کے درمیان فرقت واقع ہوگئی اور عورت آزاد ہو اور ایسی عورتوں میں سے ہو جنہیں حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین قروء ہوگی اور قروء وہ حیض ہی ہیں جب اسے کم عمری یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہوگی جب وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت اس حمل کو جنم دینا ہوگی۔ جب لونڈی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہوگی اور جب اس لونڈی کو حیض نہ آتا ہو تو تب اس کی عدت ایک ماہ پندرہ دن ہوگی۔ جب آزاد عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

قرؤ کی مراد میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بھتیجی حضرت عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عمرہ نے جو صدیقہ کی دوسری بھتیجی ہیں، اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہ پر اعتراض بھی کیا تو آپ نے فرمایا اقراء سے مراد طہر ہیں۔ (موطا مالک)

بلکہ موطا میں ابو بکر بن عبدالرحمٰن کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھدار علماء فقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہوگی اور خاوند اس سے الگ ہوا

(موطا)

امام مالک فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی مستحق امر یہی ہے۔ ابن عباس، زید بن ثابت، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان بن یسار، ابو بکر بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، عطاء، قتادہ، زہری اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثور بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ آیت (فطلقوهن لعدتهن) یعنی انہیں عدت میں یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں طلاق دو، چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی گنتی میں آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروء سے مراد حیض کے سوا کی یعنی پاکی کی حالت ہے، اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت نے اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہوگئی اور اس کی کم سے کم مدت جس

بھی اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے۔ بتیس دن اور دو لحظہ ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں، اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہولے جب تک وہ عدت ہی میں ہے۔ بعض نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروق کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جبکہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس کی تائید کی۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو درداء، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیب، علقمہ، اسود، ابراہیم، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعبی، ربیع، مقاتل بن حیات، سدی، مکحول، ضحاک، عطاء خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمد سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے آپ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ کرام سے یہی مروی ہے۔ ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، حسن بن صالح، ابوعبید اور اسحٰق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا تھا نماز کو اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قروء سے مراد حیض ہے لیکن اس حدیث کا ایک راوی منذر مجہول ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتاتے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں لغت کے اعتبار قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ اصمعی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو ابو عمر بن علاء کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر بن عبدالبر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں کے معنی قرء کے ہیں۔ البتہ اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف یعنی حیض کے معنی کی جانب گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۲۸)

آئسہ کی عدت میں فقہی تصریحات

جن بڑھیا عورتوں کی اپنی بڑی عمر کی وجہ سے ایام بند ہو گئے ہوں یہاں ان کی عدت بتائی جاتی ہے کہ تین مہینے کی عدت گذاریں، جیسے کہ ایام والی عورتوں کی عدت تین حیض ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ بقرہ کی آیت، اسی طرح وہ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ انہیں حیض آئے ان کی عدت بھی یہی تین مہینے رکھی، اگر تمہیں شک ہو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ خون دیکھ لیں اور تمہیں

شبہ گذرے کہ آیا حیض کا خون ہے یا استحاضہ کی بیماری کا، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی عدت کے حکم میں تمہیں شک باقی رہ جائے اور تم اسے نہ پہچان سکو تو تین مہینے یادرکھو لو، یہ دوسرا قول ہی زیادہ ظاہر ہے،

اس کی دلیل یہ روایت بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے کہا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی عورتوں کی عدت ابھی بیان نہیں ہوئی کمسن لڑکیاں بوڑھی بڑی عورتیں اور حمل والی عورتیں اس کے جواب میں یہ آیت اتری، پھر حاملہ کی عدت بیان فرمائی کہ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔

اور جمہور علماء سلف و خلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتویٰ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گذارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گذر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے،

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو سلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابو ہریرہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گذارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے، ابو سلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا ہو جانا ہے، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے چچازاد بھائی حضرت ابو سلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتویٰ ہے،

حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کے شوہر قتل کئے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابو السنابل بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتابوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابو السنابل بن بلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کر لو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرین ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابویعلی بھی تھے جن کی تعظیم تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حاملہ کی عدت آخری دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سبیعہ والی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹہوکے لگانے لگے میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے میں حضرت ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سبیعہ والی حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورۃ طلاق سورہ نساء طولی کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے،

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گذاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں۔ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی اسناد میں مثنی بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے، یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچا لیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آئسہ کی عدت میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ ان عورتوں کا حکم ہے جن کو حیض آنا قطعی بند ہو چکا ہو اور کبرسنی کی وجہ سے وہ سن ایاس میں داخل ہو چکی ہوں۔ ان کی عدت اس روز سے شمار ہوگی جس روز انہیں طلاق دی گئی ہو۔ اور تین مہینوں سے مراد تین قمری مہینے ہیں۔ اگر قمری مہینے کے آغاز میں طلاق دی گئی ہو تو بالاتفاق رویت ہلال کے لحاظ سے عدت شمار ہوگی، اور اگر مہینے کے بیچ

میں کسی وقت طلاق دی گئی ہوتو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک 30 دن کا مہینہ قرار دے کر 3 مہینے پورے کرنے ہوں گے۔
(بدائع الصنائع، کتاب العدة)

رہیں وہ عورتیں جن کے حیض میں کسی نوع کی بے قاعدگی ہو، ان کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، پھر ایک دو مرتبہ حیض آنے کے بعد اس کا حیض بند ہوگیا ہو، وہ 9 مہینے انتظار کرے۔ اگر حمل ظاہر ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ 9 مہینے گزرنے کے بعد وہ مزید تین مہینے عدت گزارے، پھر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کے لیے حلال ہوگی۔

ابن عباس، قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال بھر حیض نہ آیا ہو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ جس عورت کو سال میں ایک مرتبہ حیض آئے اس کی عدت تین حیض ہے۔ یہی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

امام مالک کی روایت ہے کہ ایک صاحب حبان نامی تھے جنہوں نے اپنی بیوی کو ایسے زمانے میں طلاق دی جبکہ وہ بچے کو دودھ پلا رہی تھیں اور اس پر ایک سال گزر گیا مگر انہیں حیض نہ آیا۔ پھر وہ صاحب انتقال کر گئے۔ مطلقہ بیوی نے وراثت کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا۔ دونوں بزرگوں کے مشورے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ عورت وارث ہے۔ دلیل یہ تھی کہ نہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اور نہ ان لڑکیوں میں سے ہے جن کو ابھی حیض نہیں آیا، لہٰذا وہ شوہر کے مرنے تک اپنے اس حیض پر تھی جو اسے پہلے آیا تھا اور اس کی عدت باقی تھی۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس عورت کا حیض بند ہو گیا ہو، مگر اس کا بند ہونا سن ایام کی وجہ سے نہ ہو کہ آئندہ اس کے جاری ہونے کی امید نہ رہے، اس کی عدت یا تو حیض ہی سے ہوگی اگر وہ آئندہ جاری ہو، یا پھر اس عمر کے لحاظ سے ہوگی جس میں عورتوں کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد وہ تین مہینے عدت گزار کر نکاح سے آزاد ہوگی۔ یہی قول امام شافعی رضی اللہ عنہ، امام ثوری اور امام لیث کا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے۔

امام مالک نے حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت پہلے 9 مہینے گزارے گی۔ اگر اس دوران میں حیض جاری نہ ہو تو پھر وہ تین مہینے اس عورت کی سی عدت گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو۔ ابن القاسم نے امام مالک کے مسلک کی توضیح یہ کی ہے کہ 9 مہینے اس روز سے شمار ہوں گے جب آخری مرتبہ اس کا حیض ختم ہوا تھا نہ کہ اس روز سے جب اسے طلاق دی گئی۔ (یہ تمام تفصیلات احکام القرآن للجصاص اور بدائع الصنائع للکاسانی سے ماخوذ ہیں)

امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت جس کی عدت حیض کے اعتبار سے شروع ہوئی تھی، عدت کے دوران میں آئسہ ہو جائے تو اسے حیض والی عدت کے بجائے آئسہ عورتوں والی عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کو حیض آنا بند ہو جائے اور

معلوم نہ ہوسکے کہ وہ کیوں بند ہوگیا ہے تو پہلے وہ حمل کے شبہ میں 9 مہینے گزارے گی اور پھر اسے تین مہینے عدت کے پورے کرنے ہوں گے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ حیض کیوں بند ہوا ہے، مثلاً کوئی بیماری ہو یا دودھ پلا رہی ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو تو وہ اس وقت تک عدت میں رہے گی جب تک یا تو حیض آنا شروع نہ ہو جائے اور عدت حیضوں کے لحاظ سے شمار ہو سکے، یا پھر وہ آئسہ ہو جائے اور آئسہ عورتوں کی سی عدت گزار سکے (الانصاف، مسائل عدت)

حاملہ کی عدت ونکاح ثانی میں مذاہب فقہاء

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ وضع حمل اس کی عدت ہے گو طلاق یا خاوند کی موت کے ذرا سی دیر بعد ہی ہو جائے، جیسے کہ اس آیہ کریمہ کے الفاظ ہیں اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جمہور علماء سلف وخلف کا قول ہے، ہاں حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت اور اس آیت کو ملا کر ان کا فتوی یہ ہے کہ ان دونوں میں سے جو زیادہ دیر میں ختم ہو وہ عدت یہ گزارے یعنی اگر بچہ تین مہینے سے پہلے پیدا ہو گیا تو تین مہینے کی عدت ہے اور تین مہینے گذر چکے اور بچہ نہیں ہوا تو بچے کے ہونے تک عدت ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس کے پاس آیا اور اس وقت حضرت ابوہریرہ بھی وہیں موجود تھے اس نے سوال کیا کہ اس عورت کے بارے میں آپ کا کیا فتوی ہے جسے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چالیسویں دن بچہ ہو جائے آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے آخری عدت اسے گذارنی پڑے گی یعنی اس صورت میں تین مہینے کی عدت اس پر ہے، ابوسلمہ نے کہا قرآن میں تو ہے کہ حمل والیوں کی عدت بچہ کا وجانا ہے،

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا میں بھی اپنے چچازاد بھائی حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ہوں یعنی میرا بھی یہی فتوی ہے، حضرت ابن عباس نے اسی وقت اپنے غلام کریب کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے یہ مسئلہ پوچھ آؤ انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کے شوہر قتل کیے گئے اور یہ اس وقت امید سے تھیں چالیس راتوں کے بعد بچہ ہو گیا اسی وقت نکاح کا پیغام آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر دیا پیغام دینے والوں میں حضرت ابوالسنابل بھی تھے۔ یہ حدیث قدرے طوالت کے ساتھ اور کتابوں میں بھی ہے،

حضرت عبداللہ بن عتبہ نے حضرت عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ وہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ دریافت کر کے انہیں لکھ بھیجیں، یہ گئے دریافت کیا اور لکھا کہ ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بدری صحابی تھے حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اس وقت یہ حمل سے تھیں تھوڑے ہی دن کے بعد انہیں بچہ پیدا ہو گیا جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اچھے کپڑے پہن کر بناؤ سنگھار کر کے بیٹھ گئیں حضرت ابوالسنابل بن بلک جب ان کے پاس آئے تو انہیں اس حالت میں دیکھ کر کہنے لگے تم جو اس طرح بیٹھی ہو تو کیا نکاح کرنا چاہتی ہو واللہ تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں۔ میں یہ سن کر چادر اوڑھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھا آپ نے فرمایا بچہ پیدا ہوتے ہی تم عدت سے نکل گئیں اب تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو اپنا نکاح کر لو (مسلم)

صحیح بخاری میں اس آیت کے تحت میں اس حدیث کے وارد کرنے کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد بن سیرین ایک مجلس میں تھے جہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابو یعلیٰ بھی تھے جن کی تعظیم تکریم ان کے ساتھی بہت ہی کیا کرتے تھے انہوں نے حاملہ کی عدت آخری دو عدتوں کی میعاد بتائی اس پر میں نے حضرت سبیعہ والی حدیث بیان کی، اس پر میرے بعض ساتھی مجھے ٹہوکے لگانے لگے میں نے کہا پھر تو میں نے بڑی جرات کی اگر عبداللہ پر میں نے بہتان باندھا حالانکہ وہ کوفہ کے کونے میں زندہ موجود ہیں پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا تو یہ نہیں کہتے ہیں۔

حضرت ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا انہوں نے مجھے حضرت سبیعہ والی حدیث پوری سنائی میں نے کہا تم نے اس بابت حضرت عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا یہ حضرت عبداللہ کہتے تھے آپ نے فرمایا کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے؟ سورہ نساء قصریٰ یعنی سورۃ طلاق سورہ نساء طولیٰ کے بعد اتری ہے اور اس میں فرمان ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے،

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں یعنی میرے فتوے کے خلاف جس کا فتویٰ ہو میں تیار ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں آئے اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت کرے، میرا فتویٰ یہ ہے کہ حمل والی کی عدت بچہ کا پیدا ہو جانا ہے پہلے عام حکم تھا کہ جن عورتوں کی خاوند مر جائیں وہ چار مہینے دس دن عدت گذاریں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ حمل والیوں کی عدت بچے کا پیدا ہو جانا ہے پس یہ عورتیں ان عورتوں میں سے مخصوص ہو گئیں اب مسئلہ یہی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ حمل سے ہو تو جب حمل سے فارغ ہو جائے، عدت سے نکل گئی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علی کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کی عدت ان دونوں عدتوں میں سے جو آخری ہو وہ ہے،

مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حمل والیوں کی عدت جو وضع حمل ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا فوت شدہ خاوند والیوں کی آپ نے فرمایا دونوں کی، یہ حدیث بہت غریب ہے بلکہ منکر ہے اس لئے کہ اس کی اسناد میں مثنی بن صباح ہے اور وہ بالکل متروک الحدیث ہے، لیکن اس کی دوسری سندیں بھی ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ متقیوں کے لئے ہر مشکل سے آسانی اور ہر تکلیف سے راحت عنایت فرما دیتا ہے، یہ اللہ کے احکام اور اس کی پاک شریعت ہے جو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تمہاری طرف اتار رہا ہے اللہ سے ڈرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور چیزوں کے ڈر سے بچا لیتا ہے اور ان کے تھوڑے عمل پر بڑا اجر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، طلاق، ۴)

باندی کی عدت میں مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ

کہ مدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب ابو العالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔
حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاطاً اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔
سعید بن مسیب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔
حضرت سعید بن مسیب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔ اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔
حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں دو حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابوثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۴)

وضع حمل سے اختتام عدت کا بیان

جس حمل کے وضع ہونے سے عدت ختم ہو جاتی ہے وہ ہوگا جس میں انسان کا سر پاؤں بن چکا ہو، تو بالا جماع اس سے عدت ختم ہو جائے گی، اسے ابن منذر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کیونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حمل تھا اس لیے یہ عمومی نصوص میں داخل ہوگا۔
لیکن اگر ایسا حمل وضع ہو جس میں ابھی کچھ بھی واضح نہ ہوا ہو اور وہ صرف خون اور گوشت کا لوتھڑا ہی ہو اور خلقت واضح نہ ہوئی

ہو تو ثقہ دائیوں نے گواہی دی ہو کہ اس میں خفیہ صورت واضح ہو چکی تھی تو اس سے بھی عدت ختم ہو جائے گی؛ کیونکہ یہ حمل ہے اور عمومی نصوص میں داخل ہے۔ (کشاف القناع (413/5)

باندی کی عدت وفات دو ماہ پندرہ دن ہونے کا بیان

وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلَةً فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِذَا وَرِثَتْ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا أَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ وَإِنْ أُعْتِقَتْ الْأَمَةُ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَإِنْ أُعْتِقَتْ ، وَهِيَ مَبْتُوتَةٌ أَوْ مُتَوَفًّى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا إِلَى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَإِذَا كَانَتْ آيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُورِ ثُمَّ رَأَتْ الدَّمَ انْتَقَضَ مَا مَضَى مِنْ عِدَّتِهَا وَكَانَ عَلَيْهَا أَنْ تَسْتَأْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ وَالْمَنْكُوحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوءَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ وَإِذَا مَاتَ مَوْلَى أُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا أَوْ أَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ وَإِذَا مَاتَ الصَّغِيرُ عَنْ امْرَأَتِهِ وَبِهَا حَمْلٌ فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِنْ حَدَثَ الْحَمْلُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَعِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيعًا وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيهَا الطَّلَاقُ وَإِذَا وُطِئَتْ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَى وَتَتَدَاخَلُ الْعِدَّتَانِ فَيَكُونُ مَا تَرَاهُ مِنْ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا بِهِ مِنْهُمَا جَمِيعًا فَإِذَا انْقَضَتْ الْعِدَّةُ مِنْ الْأَوَّلِ وَلَمْ تُكْمِلْ الثَّانِيَةَ فَإِنَّ عَلَيْهَا تَمَامَ عِدَّةِ الثَّانِي ،

ترجمہ

جب لونڈی ہو تو اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔ جب حاملہ ہو تو اس کی عدت اس حمل کو جنم دینا ہوگی۔ جب طلاق دی گئی عورت حالت مرگ میں وارث بن رہی ہو تو اس کی عدت دو مدتوں میں سے زیادہ لمبی مدت میعاد ہوگی۔ جب لونڈی کو اس کی طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کر دیا گیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ جب مہینوں کے ساتھ مایوس ہو چکی تھی اور عدت گزار رہی تھی اس کے بعد اس نے پھر خون دیکھ لیا تو گزری ہوئی عدت ٹوٹ جائے گی اور اسے حیضوں کے ساتھ نئے سرے سے عدت گزارنا پڑے گی۔ جس عورت کا نکاح ہوا ہو۔ اور وہ عورت جس کے ساتھ شبہ میں وطی کی جا چکی ہو تو ان دونوں عورتوں کی عدت جدائی اور خاوند کے فوت ہو جانے کی صورت میں حیض ہوں گے۔ جب کوئی چھوٹا بچہ اپنی بیوی کو اس حالت میں چھوڑ کر فوت ہو گیا کہ وہ حاملہ تھی تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ جب حمل اس کے فوت ہو جانے کے بعد ظاہر ہوا تو پھر اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔ جب آدمی نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے ڈالی تو وہ عورت جس حیض میں اسے طلاق ہوئی اس حیض کو گنتی میں شمار نہیں کرے گی۔ جب کسی عدت گزارنے والی عورت کے ساتھ شبہ کی حالت میں وطی کر لی گئی تو اس پر ایک اور عدت ہوگی اور یہ دونوں عدتیں ایک دوسری میں داخل ہوں گی۔ اب وہ جو حیض دیکھے گی اس کا دونوں عدتوں میں حساب کیا جائے

۲۔جب پہلی عدت پوری ہو جائے۔مگر ابھی دوسری عدت مکمل نہ ہوئی ہو تو اس عورت پر اس دوسری عدت کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔

باندی کی عدت وفات میں فقہی مذاہب اربعہ

اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں، اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں، جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے، دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے۔جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔

حضرت سعید ابن مسیب ابوالعالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت، میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔حضرت ابن مسعود کی بخاری و مسلم والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے، پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے، دس دن احتیاطاً اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی واللہ اعلم۔سعید بن میسب فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دس دِنوں میں پھونکی جاتی ہے۔

ربیع بن انس بھی یہی فرماتے ہیں۔حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے۔حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا لوگو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر خلط ملط نہ کرو۔اولا د والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں۔یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔

امام احمد اس حدیث کو منکر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔

حضرت سعید بن میسب مجاہد، سعید بن جبیر، حسن بن سیرین، ابن عیاض زہری اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اوزائی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔

ابوحنیفہ ان کے ساتھ حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں میں حیض عدت گزارے، حضرت علی ابن مسعود، عطاء اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ابن عمر، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید

،ابوثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جاتا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے۔ امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں لیکن مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔

حاملہ بیوہ کی عدت میں مذاہب اربعہ

اس امر پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ آیا یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس کا شوہر زمانہ حمل میں وفات پا گیا ہو؟ یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا ہے کہ سورہ بقرہ آیت 234 میں اس عورت کی عدت 4 مہینے دس دن بیان کی گئی ہے جس کا شوہر وفات پا جائے، اور وہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ حکم آیا تمام بیوہ عورتوں کے لیے عام ہے یا ان عورتوں کے لیے خاص ہے جو حاملہ نہ ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان دونوں آیتوں کو ملا کر یہ استنباط کرتے ہیں کہ حاملہ مطلقہ کی حد تو وضع حمل تک ہی ہے، مگر بیوہ حاملہ کی عدت آخـر الاجلین ہے، یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ مثلاً اگر اس کا بچہ 4 مہینے دس دن سے پہلے پیدا ہو جائے تو اسے چار مہینے دس دن پورے ہونے تک عدت گزارنی ہوگی۔ اور اگر اس کا وضع حمل اس وقت تک نہ ہو تو پھر اس کی عدت اس وقت پوری ہوگی جب وضع حمل ہو جائے۔ یہی مذہب امامیہ کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ سورہ طلاق کی یہ آیت سورہ بقرہ کی آیت کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے بعد کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو غیر حاملہ بیوہ کے لیے خاص کر دیا ہے اور ہر حاملہ کی عدت وضع حمل تک مقرر کر دی ہے، خواہ وہ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس مسلک کی رو سے عورت کا وضع حمل چاہے شوہر کی وفات کے فوراً بعد ہو جائے یا 4 مہینے دس دن سے زیادہ طول کھینچے، بہر حال بچہ پیدا ہوتے ہیں وہ عدت سے باہر ہو جائے گی۔

اس مسلک کی تائید حضرت ابی بن کعب کی یہ روایت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں، جب سورہ طلاق کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا یہ مطلقہ اور بیوہ دونوں کے لیے ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں۔ دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تصریح فرمائی: اجـل کـل حـامل ان تضع مافي بطنها، ہر حاملہ عورت کی عدت کی مدت اس کے وضع حمل تک ہے (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم)

علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں کلام کی گنجائش ہے، لیکن چونکہ یہ متعدد سندوں سے نقل ہوئی ہے اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ضرور ہے)۔ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر اس کی مضبوط تائید سبیعہ اسلمیہ کے واقعہ سے ہوتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا۔ وہ بحالت حمل بیوہ ہوئی تھیں اور شوہر کی وفات کے چند روز بعد (بعض روایات میں 20 دن، بعض میں 23 دن، بعض میں 25 دن، بعض میں 40 دن اور بعض میں 35 دن بیان ہوئے ہیں) ان کا وضع حمل ہو گیا

تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے معاملہ میں فتویٰ پوچھا گیا تو آپ نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ اس واقعہ کو بخاری و مسلم نے کئی طریقوں سے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے۔ اسی واقعہ کو بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے مختلف سندوں کے ساتھ حضرت مسور بن مخرمہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم نے خود سبیعہ اسلمیہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت سعد بن خولہ کی بیوی تھی۔ حجۃ الوداع کے زمانے میں میرے شوہر کا انتقال ہو گیا جبکہ میں حاملہ تھی۔ وفات کے چند روز بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو گیا۔ ایک صاحب نے کہا کہ تم چار مہینے دس دن سے پہلے نکاح نہیں کرسکتیں۔ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ تم وضع حمل ہوتے ہی حلال ہو چکی ہو، اب چاہے تو دوسرا نکاح کرسکتی ہو۔ اس روایت کو بخاری نے بھی مختصراً نقل کیا ہے۔

صحابہ کی کثیر تعداد سے یہی مسلک منقول ہے۔ امام مالک، امام شافعی، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے حاملہ بیوہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس کی عدت وضع حمل کی ہے۔ اس پر انصار میں سے ایک صاحب بولے کہ حضرت عمر نے تو یہاں تک کہا تھا کہ اگر شوہر ابھی دفن بھی نہ ہوا ہو بلکہ اس کی لاش اس کے بستر پر ہی ہو اور اس کی بیوی کے ہاں بچہ ہو جائے تو وہ دوسرے نکاح کے لیے حلال ہو جائے گی۔ یہی رائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بدری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی ہے، اور اسی کا ائمہ اربعہ اور دوسرے اکابر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر حاملہ کے پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو آخری بچے کی ولادت پر عدت ختم ہو گی۔ بچہ خواہ مردہ ہی پیدا ہو، اس کی ولادت سے عدت ختم ہو جائے گی۔ اسقاط حمل کی صورت میں اگر دائیاں اپنے فن کی رو سے یہ کہیں کہ یہ محض خون کا لوتھڑا نہ تھا بلکہ اس میں آدمی کی صورت پائی جاتی تھی، یا یہ رسولی نہ تھی بلکہ آدمی کی اصل تھی تو ان کا قول قبول کیا جائے گا اور عدت ختم ہو جائے گی۔ (مغنی المحتاج)

حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک بھی اس کے قریب قریب ہے، مگر اسقاط کے معاملہ میں ان کا مذہب یہ ہے کہ جب تک انسانی بناوٹ ظاہر نہ پائی جائے، محض دائیوں کے اس بیان پر کہ یہ آدمی ہی کی اصل ہے، اعتماد نہیں کیا جائے گا اور اس سے عدت ختم نہ ہو گی (بدائع الصنائع۔ الانصاف)۔ حنابلہ اور حنفیہ کا مسلک ہی زیادہ مبنی بر احتیاط ہے۔

عدت طلاق و عدت وفات کے جمع ہونے کا بیان

حضرت سلیمان ابن یسار کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے اپنے مرنے سے پہلے ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابت کو خط لکھا، حضرت زید نے حضرت معاویہ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوص سے الگ ہو گئی اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔

(مؤطا امام مالک، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 528)

صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ تین حیض آنے تک کے لئے عدت میں بیٹھ گئیں جیسا کہ طلاق کی عدت کا حکم ہے پھر ابھی ان کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی اور تیرا حیض شروع ہوا تھا کہ احوص کا انتقال ہو گیا اس صورت میں انہیں چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھنا چاہئے تھا چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت زید ابن ثابت سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اس صورت میں عورت خاوند کی وارث ہوگی یا نہیں؟ حضرت زید نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ جب تیسرا حیض شروع ہو گیا تو محض تیسرے حیض کا خون دیکھتے ہی اس کا تعلق منقطع ہو گیا۔ اور زوجیت کی پابندی سے آزاد ہو گئی کیونکہ اس صورت میں طلاق کی عدت یا تو اس اعتبار سے کہ اس کی عدت کا زیادہ حصہ گزر گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ تیسرا حیض شروع ہو گیا پوری ہو گئی ہے اس صورت میں وفات کی عدت ساقط ہو گئی لہٰذا جس طرح طلاق کی عدت پوری ہو جانے پر اگر مرد زندہ ہوتا تو وہ عورت کا وارث نہیں ہو سکتا تھا اسی طرح اب مذکورہ مسئلہ میں جب کہ مرد مر گیا ہو تو عورت اس کی وارث نہیں ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ کا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ عورت احوص کی وارث ہوگی یا نہیں؟ جبکہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت معاویہ کا مقصد عدت کے بارے میں معلوم کرنا تھا کہ آیا یہ عورت اپنی طلاق کی عدت جاری رکھے یعنی تیسرا حیض جو شروع ہو چکا ہے اس سے پاک ہو کر عدت سے نکل آئے یا اب وفات کی عدت بیٹھ جائے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس موقع پر طیبی (شافعی) نے لکھا ہے کہ اس سے صریحاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں جو یہ حکم دیا ہے کہ

آیت (والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء) اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک تو اس میں قروء سے مراد طہر ہیں گویا طیبی کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک مطلقہ کی عدت تین حیض نہیں بلکہ تین طہر ہیں حالانکہ طیبی کی یہ بات کہ اس حدیث سے شوافع کا مسلک ثابت ہوتا ہے کوئی مضبوط بات نہیں ہے کیونکہ اول تو یہ ایک صحابی حضرت زید بن ثابت کا مسلک ہے دوسرے یہ کہ خود انہی حضرت زید سے اس امر کے برخلاف بھی منقول ہے چنانچہ ان سے یہ منقول ہے کہ حدیث (عدة لامة حيضتان) یعنی لونڈی کی عدت دو حیض ہیں پھر اس کے علاوہ یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک ثلثة قروء سے مراد تین حیض ہیں چنانچہ خلفاء راشدین اور اکثر صحابہ کا بھی یہ قول ہے نیز تیرہ صحابیوں سے منقول ہے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیوی طلاق کی عدت میں جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو جائے مرد یعنی خاوند کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے اس کا زیادہ حق رکھتا ہے (مطلب یہ کہ تیسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد ہی عدت کی مدت پوری ہوتی ہے اور اس بیوی سے مرد کا مکمل انقطاع ہو جاتا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قروء سے حیض مراد ہیں ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس موقع پر تفصیلی بحث کی ہے اور حنفیہ کے بہت سے دلائل لکھے ہیں۔

عدت سے تفریق ہونے کے بعد کے حکم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب اس نے اپنی عورت مطلقہ سے عدت میں نکاح کیا اور قبل وطی طلاق دیدی تو پورا مہر واجب ہوگا اور سرے سے عدت بیٹھے۔ یوہیں اگر پہلا نکاح فاسد تھا اور دخول کے بعد تفریق ہوئی اور عدت کے اندر نکاح صحیح کر کے طلاق دیدی یا دخول کے بعد کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق ہوئی پھر نکاح کر کے طلاق دی یا نابالغہ سے نکاح کر کے وطی کی پھر طلاق دی اور عدت کے اندر نکاح کیا اب وہ لڑکی بالغہ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا یا نابالغہ سے نکاح کر کے وطی کی پھر لڑکی نے بالغہ ہوکر اپنے کو اختیار کیا اور عدت کے اندر پھر اُس سے نکاح کیا اور قبلِ دخول طلاق دیدی ان سب صورتوں میں دوسرے نکاح کا پورا مہر اور طلاق کے بعد عدت واجب ہے، اگر چہ دوسرے نکاح کے بعد وطی نہیں ہوئی کہ نکاح اول کی وطی نکاح ثانی میں بھی وطی قرار دی جائے گی۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو طلاق دی تو جب تک اُسے تین حیض نہ آلیں دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی یا سن ایاس کو پہنچ کر مہینوں سے عدت پوری کرے اگر چہ بچہ پیدا ہونے سے قبل اُسے حیض نہ آیا ہو۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب عدت)

طلاق کے ہونے سے ابتدائے عدت کا بیان

وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيبَ الْوَفَاةِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوْ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ الْعِدَّةُ فَقَدْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيبَ التَّفْرِيقِ بَيْنَهُمَا أَوْ عِنْدَ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلٰى تَرْكِ وَطْئِهَا وَعَلَى الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ بَالِغَةً عَاقِلَةً مُسْلِمَةً الْإِحْدَادُ وَالْإِحْدَادُ أَنْ تَتْرُكَ الطِّيبَ وَالزِّينَةَ وَالْكُحْلَ وَالدُّهْنَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا بِعُصْفُرٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ وَلَا وَرْسٍ وَلَا إِحْدَادَ عَلٰى كَافِرَةٍ وَلَا صَغِيرَةٍ وَعَلَى الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَلَا فِي عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ إِحْدَادٌ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَأْسَ بِالتَّعْرِيضِ فِي الْخِطْبَةِ

ترجمہ

اور عدت کا آغاز طلاق کے بعد سے لے کر کے ہوگا۔ اور یونہی وفات میں وفات سے بعد۔ پس جب اسے طلاق یا وفات کا علم نہ ہوسکا' اور عدت پوری ہوگئی تو اس کی عدت مکمل ہو جائے گی اور نکاحِ فاسد کی صورت میں عدت ان دونوں میں علیحدگی واقع ہوجانے کے بعد یا وطی کرنے والے کے وطی کا ارادہ چھوڑ دینے کے بعد سے ہوتی ہے۔

مبتوتہ یعنی عدت گزارنے والی طلاقِ بائنہ دی گئی عورت اور وہ عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو۔ اسے اس پر سوگ منانا ہے' تو وہ سوگ کچھ یوں منایا جائے گا کہ وہ خوشبو زیب و زینت اور سرمہ وغیرہ لگانا چھوڑ دے گی۔ لیکن جب کوئی عذر ہو' تو لگا بھی سکتی ہے' اور مہندی نہ لگائے' اور عصفر' ورس یا زعفران میں رنگا گیا کپڑا بھی نہ پہنے گی۔ کافرہ عورت اور بچی پر کوئی سوگ نہیں ہے۔ مگر لونڈی پر

سوگ ہے نکاح اور یونہی فاسد کی عدت میں اور ام ولد کی عدت میں بھی کوئی سوگ منانا نہیں ہے۔ عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام دینا مناسب نہیں۔ مگر اشارے کے ساتھ پیغام دے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

وقت عدت کے شروع ہونے کا فقہی بیان

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ واضح کیا ہے: جس عدت کا تعلق طلاق سے ہو اس کا آغاز طلاق ہونے کے فوراً بعد ہو جاتا ہے اور جس عدت کا تعلق وفات سے اس کا آغاز شوہر کے انتقال کے فوراً بعد ہو جاتا ہے۔ خواہ عورت کو طلاق ہو جانے یا شوہر کے انتقال کا علم نہ ہو سکے۔ اس عورت کی عدت پوری ہو جائے گی۔

مصنف نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ عدت کے وجود کا سبب طلاق ہونا یا شوہر کا انتقال ہے لہٰذا عدت کی ابتداء میں سبب کی موجودگی کے وقت کا اعتبار کیا جائے گا۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: طلاق میں عدت کا آغاز اس وقت ہوگا جب شوہر اقرار کرے اس کی وجہ یہ ہے: ایسی صورت میں ان میاں بیوی پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکے گا' انہوں نے باہمی رضامندی کے ساتھ اپنے کسی منافع کے حصول کے لئے سابقہ کسی وقت میں طلاق دیئے جانے اور موجودہ وقت میں اسی طلاق کی عدت ختم ہو جانے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب نکاح فاسد ہو تو اس میں بھی عدت لازم ہوتی ہے' اور اس عدت کا آغاز اس وقت ہوگا۔ جب اس مرد اور عورت کے درمیان علیحدگی کر دی جائے' یا اس کا آغاز اس وقت ہوگا' جب صحبت کرنے والا شخص اس بات کا پختہ ارادہ کرے کہ اب وہ صحبت نہیں کرے گا۔

مصنف نے یہاں یہ بات بیان کی ہے: اس بارے میں امام زفر کی رائے مختلف ہے' کیونکہ ان کے نزدیک فاسد نکاح میں سب سے آخری مرتبہ جو صحبت کی گئی تھی عدت کا آغاز اس وقت سے ہوگا۔

انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے: یہاں عدت واجب کرنے کا بنیادی سبب صحبت کرنا ہے' لہٰذا عدت کے آغاز میں سب سے آخری صحبت کا اعتبار کیا جائے گا۔

احناف اپنے مؤقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں: فاسد عقد میں جتنی مرتبہ بھی صحبت کی گئی ہو وہ سب ایک ہی صحبت شمار ہوں گی' کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی نسبت ایک ہی عقد کی طرف ہے' یہی وجہ ہے: ایسے فاسد عقد میں کئی مرتبہ صحبت کر لینے کے باوجود ایک ہی مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اس لئے علیحدگی ہو جانے یا صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے سے پہلے عدت ثابت نہیں ہوگی' کیونکہ اس کے غیر کے موجود ہونے کا جواز یعنی امکان بہرحال پایا جا رہا ہے۔

یہاں مصنف نے احناف کے مؤقف کی تائید میں دوسری دلیل یہ پیش کی ہے: شبہ کی وجہ سے کی جانے والی صحبت حقیقی

ولی کی قائم مقام ہوگی، کیونکہ صحبت کرنے والے شخص کو شبہ کے اعتبار سے وطی کرنے کی قدرت حاصل ہے اس لیے جب تک مرد اور عورت میں علیحدگی نہیں ہوگی۔ یا مرد جب تک صحبت نہ کرنے کا پختہ ارادہ نہیں کرے گا۔ اس وقت تک دوبارہ صحبت کرنے کا امکان موجود رہے گا اور جب تک صحبت کا امکان رہے گا عدت کا آغاز نہیں ہو سکے گا۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے: حقیقی طور پر صحبت کا مخفی ہونا ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے: یہاں عدت کی معرفت کی ضرورت متعلقہ فریقین کو ہے اور ان کے لئے وطی کی حقیقت کوئی پوشیدہ معاملہ نہیں ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف نے یہ بات بیان کی ہے: یہاں یہ امکان پایا جاتا ہے: دوسرا شخص اس بارے میں حکم کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ یعنی کوئی اور شخص اس عورت کے ساتھ صحیح نکاح کرنا چاہتا ہے، تو اب اسے یہ ضرورت پیش آئے گی: وہ اس بات سے واقف ہو کہ اس عورت کی عدت کا آغاز کب ہوا تھا اور اختتام کب ہوا؟ تو دوسرے کے حق کی اس ضرورت کے پیش نظر اس امر کو مخفی قرار دیا جائے گا۔

اختتام عدت میں عورت پر قسم ہونے کا اعتبار

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور اگر عورت کہتی ہے کہ عدت پوری ہو چکی اگر اتنا زمانہ گزرا ہے کہ پوری ہو سکتی ہے تو قسم کے ساتھ اُس کا قول معتبر ہے اور اگر اتنا زمانہ نہیں گزرا تو نہیں۔ مہینوں سے عدت ہو جب تو ظاہر ہے کہ اُتنے دن گزرنے پر عدت ہو چکی اور حیض سے ہو تو آزاد عورت کے لیے کم از کم ساٹھ دن ہیں اور لونڈی کے لیے چالیس بلکہ ایک روایت میں حرہ کے لیے اُنتالیس دن کہ تین حیض کی اقل مدت نو دن ہے اور دو طہر کی تیس دن اور باندی کے لیے اکیس دن کہ دو حیض کے چھ دن اور ایک طہر درمیان کا پندرہ دن ہے۔

اور جب مطلقہ کہتی ہے کہ عدت پوری ہوگئی کہ حمل تھا ساقط ہو گیا اگر حمل کی مدت اتنی تھی کہ اعضا بن چکے تھے تو مان لیا جائے گا ورنہ نہیں مثلاً نکاح سے ایک مہینے بعد طلاق دی اور طلاق کے ایک ماہ بعد حمل ساقط ہونا بتاتی ہے تو عدت پوری نہ ہوئی کہ بچے کے اعضا چار ماہ میں بنتے ہیں۔ (ردمحتار، باب عدۃ، ج ۵، ص ۲۱۰، بیروت)

ایام عدت میں زیب وزینت پر فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری لڑکی کا خاوند مر گیا ہے جس کی دلیل سے وہ عدت میں ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا دوں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس عورت نے یہ دو بار یا تین بار پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ نہیں پھر فرمایا کہ عدت چار مہینہ اور دس دن ہے جب کہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت یعنی بیوہ سال بھر کے بعد مینگنیاں پھینکتی تھی (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 524)

یہ حدیث بظاہر امام احمد کی دلیل ہے کہ کیونکہ ان کے نزدیک اس عورت کو سرمہ لگانا جائز نہیں ہے جس کا خاوند مر گیا ہو اور وہ

عدت میں بیٹھی ہو خواہ آنکھیں دکھنے کی دلیل سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو اور خواہ وہ محض زینت یا عادت کی بناء پر لگانا چاہے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک مجبوری کی حالت میں مثلاً آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانا جائز ہے اور حضرت امام شافعی بھی آنکھیں دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رات میں لگائے اور دن میں پونچھ لے۔

اس حدیث کے بارے میں حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے زینت کے لئے سرمہ لگانا چاہا ہوگا مگر بہانہ کیا ہوگا آنکھ دکھنے کا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوگا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگانے کی اجازت دینے سے انکار فرمادیا ہے۔

حدیث کے آخری جملہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کا خاوند مرجاتا وہ ایک تنگ وتاریک کوٹھری میں بیٹھی رہتی اور بہت خراب کپڑے جو اکثر وبیشتر ٹاٹ اور نمدے کی صورت میں ہوتا تھا پہنے رہا کرتی تھی زینت کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی خوشبو بھی نہیں لگاتی تھی غرض کہ پورے ایک سال تک اسی حالت میں رہتی پھر جس دن سال ختم ہوتا اس دن اس کے پاس گدھا یا بکری اور یا کوئی بھی جانور و پرندہ لایا جاتا جس سے وہ اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اس کے بعد اس کوٹھری سے باہر نکلتی پھر اس کے ہاتھ میں چند مینگنیاں دی جاتیں جن کو وہ پھینکتی اور اس کے ساتھ ہی عدت سے نکل آتی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا کہ پچھلے زمانہ میں عدت کی مدت بھی بہت زیادہ تھی اور اس میں خرابیاں اور پریشانیاں بھی بہت تھیں جب کہ اسلام میں عدت کی مدت بھی بہت کم ہے یعنی چار مہینہ دس دن زیادہ تھی اور اس میں خرابی اور پریشانی بھی نہیں ہے تو پھر اتنا اضطراب کیوں ہے؟

حضرت ام سلمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں روایت کرتی ہیں کہ جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی تو ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگا رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ ام سلمہ یہ کیا ہے یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایلوا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر ایلوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے (یعنی ایلوا لگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے لہٰذا تم اس کو نہ لگاؤ ہاں اگر کسی دلیل سے لگانا ضروری ہی ہو تو رات میں لگا لو اور دن میں صاف کر ڈالو کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان ہوتا ہے) اسی طرح خوشبودار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی سرخ رنگ لئے ہوتی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے۔

جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے صاف کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ

لیں۔(ابوداؤدونسائی، مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر527)

خوشبودار تیل کے بارے میں تو علماء کا اتفاق و اجماع ہے کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلا روغن زیتون وتل کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی تو بغیر خوشبو کا تیل لگانے بھی منع کرتے ہیں البتہ ضرورت و مجبوری کی حالت میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ حضرت امام احمد اور علماء ظواہر نے عدت والی عورت کے لئے ایسے تیل کے استعمال کو جائز رکھا ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔

اور حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا خاوند مرجائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرہ میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ زیور پہنے نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے۔

(ابوداؤد ونسائی

اگر سیاہ اور خاکستری رنگ کے کپڑے پہنے تو کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح کسم میں زیادہ دنوں کا رنگا ہوا کپڑا کہ جس سے خوشبو نہ آتی ہو پہننا بھی درست ہے ہدایہ میں لکھا ہے کہ مذکورہ بالا عورت کو کسی عذر مثلا کھجلی یا جوئیں یا کسی بیماری کی دلیل سے ریشمی کپڑا پہننا بھی جائز ہے۔

حضرت زینب کہتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ حضرت ام سلمہ سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری لڑکی کا شوہر فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں کیا ہم اسے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا یہ چار ماہ دس دن ہیں اور زمانہ جاہلیت میں تم ایک سال گزارنے پر اونٹ کی مینگنیاں پھینکتی تھیں اس باب میں فریعہ بنت مالک بن سنان (جو ابوسعید خدری کی بہن ہیں) اور حفصہ بنت عمر سے بھی روایت ہے حدیث زینب حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جس کا شوہر فوت ہوجائے وہ خوشبو اور زیبائش سے پرہیز کرے۔ سفیان ثوری، مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر1209)

سوگ کے مسائل میں فقہی مذاہب

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مرگیا ہو اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے چنانچہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے البتہ سوگ کی تفصیل میں اختلافی اقوال ہیں۔

حضرت امام شافعی اور جمہور علماء تو یہ کہتے ہیں کہ خاوند کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے خواہ وہ مدخول بہا ہو یعنی جس کے ساتھ جماع ہو چکا ہو یا غیر مدخول بہا ہو (یعنی جس کے ساتھ جماع نہ ہوا ہو) خواہ چھوٹی ہو یا بڑی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ خواہ آزاد ہو یا لونڈی اور خواہ مسلمہ ہو یا کافرہ۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک سات قسم کی عورتوں پر سوگ واجب نہیں ہے جس کی تفصیل درمختار کے مطابق یہ ہے کہ

(۱) کافرہ (۲) مجنونہ (۳) صغیرہ (۴) معتدہ عتق یعنی وہ ام ولد جو اپنے مولی کی طرف سے آزاد کیے جانے یا اپنے مولی کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو (۵) وہ عورت جو نکاح فاسد کی عدت میں بیٹھی ہو (۶) وہ عورت جو وطی بالشبہ کی عدت میں بیٹھی ہو یعنی جس سے کسی غیر مرد نے غلط فہمی میں جماع کرلیا ہو اور اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو (۷) وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو۔

جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خاوند کے علاوہ کسی کے مرنے پر عورت کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور تین دن تک بھی صرف مباح ہے واجب نہیں ہے چنانچہ اگر تین دنوں میں بھی خاوند سوگ کرنے سے منع کرے تو اس کو اس کا حق ہے کیونکہ بیوی کے بناؤ سنگار کا تعلق خاوند کے حق سے ہے اگر تین دنوں میں خاوند کی خواہش یہ ہو کہ وہ سوگ ترک کرکے بناؤ سنگار کرے اور بیوی خاوند کا کہنا نہ مانے تو اس بات پر بیوی کو مارنا خاوند کے لئے جائز ہے کیونکہ سوگ کرنے میں خاوند کا حق فوت ہو جاتا ہے۔

سوگ کے فقہی احکام و مسائل

جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہو اس کی عدت تو فقط اتنی ہی ہے کہ وہ مقررہ مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے اور نہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اس کے لئے بناؤ سنگھار وغیرہ درست ہے اور جس عورت کو جو مکلفہ مسلمہ یعنی بالغ و عاقل اور مسلمان ہو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا خاوند مر گیا تو ان سب صورتوں میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے اور نہ بناؤ سنگھار کرے یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ اس سنگھار نہ کرنے اور میلے کچیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔

جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا کپڑے بسانا زیور گہنا پہننا پھول پہننا سرمہ لگانا پان کھا کر منہ لال کرنا مسی ملنا سر میں تیل ڈالنا کنگھی کرنا مہندی لگانا اچھے کپڑے پہننا ریشمی اور رنگے ہوئے بہار دار کپڑے پہننا یہ سب باتیں ممنوع ہیں۔ ہاں مجبوری کی حالت میں اگر ان میں سے کوئی چیز اختیار کی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سر میں درد ہونے کی وجہ سے تیل ڈالنے کی ضرورت پڑے تو بغیر خوشبو کا تیل ڈالنا درست ہے اسی طرح دوا کے لیے سرمہ لگانا بھی ضرورت کے وقت درست ہے۔

جس عورت کا نکاح صحیح نہیں ہوا تھا بلکہ بے قاعدہ ہو گیا تھا اور وہ فسخ کرا دیا گیا یا خاوند مر گیا تو ایسی عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح جو عورت عتق یعنی آزادی کی عدت میں ہو جیسے ام ولد کو اس کا مولی آزاد کر دے اور وہ اس کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو تو اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

جو عورت عدت میں بیٹھی ہو اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے ہاں نکاح کا کنایہ یعنی یہ کہنا کہ میں اس عورت سے نکاح کرنے کی خواہش رکھتا ہوں یا اس سے نکاح کرنے کا میں ارادہ رکھتا ہوں جائز ہے، مگر یہ بھی اس صورت میں جائز ہے کہ جب کہ وہ عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو اگر طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

جو عورت طلاق کی عدت میں بیٹھی ہو اس کو تو کسی بھی وقت گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے ہاں جو عورت وفات کی عدت میں بیٹھی ہو وہ دن میں نکل سکتی ہے اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے مگر رات اپنے گھر سے علاوہ دوسری جگہ بسر نہ کرے لونڈی اپنے آقا کے کام سے گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

معتدہ (عدت والی عورت) کو اپنی عدت کے دن اسی مکان میں گزارنے چاہئیں جس میں وہ فسخ وطلاق یا خاوند کی موت کے وقت سکونت پذیر ہو ہاں اگر اس مکان سے زبردستی نکالا جائے اس مکان میں اپنے مال واسباب کے ضائع ہونے کا خوف ہو یا اس مکان کے گر پڑنے کا خطرہ ہو اور یا اس مکان کا کرایہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ان صورتوں میں کسی دوسرے مکان میں عدت بیٹھنا جائز ہے۔

اسی طرح اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہیں اگر چہ وہ طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو بشرطیکہ دونوں کے درمیان پردہ حائل رہے ہاں اگر خاوند فاسق اور نا قابل اعتماد ہو یا مکان تنگ ہو تو عورت اس گھر سے منتقل ہو جائے اگر چہ خاوند کا منتقل ہونا اولی ہے اور اگر میاں بیوی کے ایک ہی مکان میں رہنے کی صورت میں وہ دونوں اپنے ساتھ کسی ایسی معتمد عورت کو رکھ لیں جو دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے پر قادر ہو تو بہت ہی اچھا ہے۔

اگر مرد عورت کو اپنے ساتھ سفر میں لے گیا اور پھر سفر کے دوران اس کو طلاق بائن یا تین طلاقیں دیدیں یا مرد مر گیا اور عورت کا شہر یعنی اس کا وطن اس جگہ سے کہ جہاں طلاق یا وفات واقع ہوئی ہے سفر شرعی یعنی تین دن کے سفر سے کم مسافت پر واقع ہو تو وہ اپنے شہر واپس آجائے اور اگر اس مقام سے جہاں طلاق یا وفات ہوئی ہے اس کا شہر سفر شرعی (یعنی تین دن کی مسافت) کے بقدر یا اس سے زائد فاصلہ پر واقع ہے اور وہ منزل مقصود (جہاں کے لئے سفر اختیار کیا تھا) اس مسافت سے کم فاصلہ پر واقع ہے تو اپنے شہر واپس آنے کی بجائے منزل مقصود چلی جائے اور ان دونوں صورتوں میں خواہ اس کا ولی اس کے ساتھ ہو یا ساتھ نہ ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ عورت طلاق یا وفات کے وقت کسی شہر میں ہو تو وہاں سے عدت گزارے بغیر نہ نکلے تو کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے لیکن صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ ہو تو پھر عدت سے پہلے بھی اس شہر سے نکل سکتی ہے۔

حالت عدت میں نکاح کی ممانعت میں فقہی بیان

حافظ عماد الدین لکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں، میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے، انشاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا، میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں۔

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بن قیس سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری

طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا، عدت کا زمانہ حضرت ابن مکتوم کے ہاں گزارو، جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید سے جن کا مانگا تھا، نکاح کرا دیا، ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارتاً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے واللہ اعلم۔

یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش، ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ تمہارے باطل وظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی، لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو، یعنی زنا کاری سے بچو، ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں، تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں، نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پر عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے،

پس یہ سب اقوال اس آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا، عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ۔ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو، علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں۔ اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی، اب آیا یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے؟

اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ جب عورت کا نکاح عدت کے اندر کر دیا جائے گا اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کو اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کو عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا، اس فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کی خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی، جیسا کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ امام شافعی نے امام مالک سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے،

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علی کا یہی فتویٰ ہے۔ حضرت عمر والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔ پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کیخلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو، برے خیالات سے اسے پاک رکھو۔ ڈر، خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع

اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم وکرم والا ہے۔(تفسیر ابن کثیر، بقرہ، ۲۳۴)

مسلم شوہر کی اہل کتاب ازواج کے نکاح میں رہنے پر فقہی مذاہب اربعہ

پہلی صورت میں اگر اسلام شوہر نے قبول کیا ہو اور اس کی بیوی عیسائی یا یہودی ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے تو دونوں کے درمیان نکاح باقی رہے گا، کیونکہ مسلمان مرد کے لیے اہل کتاب بیوی جائز ہے۔ یہ امر تمام فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اور اگر اسلام قبول کرنے والے مرد کی بیوی غیر اہل کتاب میں سے ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے، تو حنفیہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ عورت کے سامنے اسلام پیدا کیا جائے گا، قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا، نہ قبول کرے تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ اس صورت میں اگر زوجین کے درمیان خلوت ہو دکی ہو تو عورت مہر کی مستحق ہوگی، اور خلوت نہ ہوئی ہو تو اس کو مہر پانے کا حق نہ ہوگا، کیونکہ فرقت اس کے انکار کی وجہ سے واقع ہوئی ہے (المبسوط، ہدایہ، فتح القدیر)

امام شافعی اور احمد کہتے ہیں کہ اگر زوجین کے درمیان خلوت نہ ہوئی ہو تو کرد کے اسلام قبول کرتے ہی عورت اس کے نکاح سے باہر ہو جائے گی، اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو عورت تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اس کے نکاح میں رہے گی، اس دوران میں وہ خود اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ تیسری بار ایام سے فارغ ہوتے ہی آپ سے آپ فسخ ہو جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ذمیوں کو ان کے مذہب سے تعرض نہ کرنے کی جو ضمانت ہماری طرف سے دی گئی ہے اس کی بنا پر یہ درست نہیں ہے کہ عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے۔ لیکن در حقیقت یہ ایک کمزور بات ہے، کیونکہ ایک ذمی عورت کے مذہب سے تعرض تو اس صورت میں ہوگا جبکہ اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس سے صرف یہ کہنا کوئی بے جا تعرض نہیں ہے کہ تو اسلام قبول کرلے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکے گی ورنہ تجھے اس سے الگ کر دیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی نظیر پیش بھی آچکی ہے۔ عراق کے ایک مجوسی زمیندار نے اسلام قبول کیا اور اس کی بیوی کافر رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ اور جب اس نے انکار کیا تب آپ نے دونوں کے درمیان تفریق کرادی (المبسوط)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر خلوت نہ ہو چکی ہو تو مرد کے اسلام لاتے ہی اس کی کافر بیوی اس سے فوراً جدا ہو جائے گی اور اگر خلوت ہو چکی ہو تو عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا اور اس کے انکار کی صورت میں جدائی واقع ہو جائے گی۔
(المغنی لابن قدامہ)

خاوند کے عدم قبول اسلام پر تفریق میں مذاہب اربعہ

اور اگر اسلام عورت نے قبول کیا ہو اور مرد کافر رہے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا غیر اہل کتاب میں سے، تو حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں میں خلوت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو، ہر صورت میں شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، قبول کرلے تو عورت اس کے نکاح میں رہے گی، انکار کردے تو قاضی دونوں میں تفریق کرادے گا۔ اس دوران میں جب تک مرد اسلام سے انکار نہ کرے، عورت

اس کی بیوی تو رہے گی مگر اس کو مقاربت کا حق نہ ہوگا۔ شوہر کے انکار کی صورت میں تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہوگی۔ اگر اس سے پہلے خلوت نہ ہوئی ہو تو عورت نصف مہر پانے کی حق دار ہوگی، اور خلوت ہو چکی ہو تو عورت پورا مہر بھی پائے گی اور عدت کا نفقہ بھی (المبسوط۔ ہدایہ۔ فتح القدیر)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلوت نہ ہونے کی صورت میں عورت کے اسلام قبول کرتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خلوت ہونے کی صورت میں عدت ختم ہونے تک عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی۔ اس مدت کے اندر وہ اسلام قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا ورنہ عدت گزرتے ہی جدائی واقع ہو جائے گی۔ لیکن مرد کے معاملہ میں بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وہی رائے ظاہر کی ہے جو عورت کے معاملہ میں اوپر منقول ہوئی کہ اس کے سامنے اسلام پیش کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مسلک بہت کمزور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں متعدد واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ عورت نے اسلام قبول کرلیا اور مرد سے اسلام لانے کے لیے کہا گیا اور جب اس نے انکار کر دیا تو دونوں کے درمیان تفریق کرادی گئی۔ مثلاً بنی تغلب کے ایک عیسائی کی بیوی کا معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے مرد سے کہا یا تو اسلام قبول کرلے ورنہ میں تم دونوں کے درمیان تفریق کردوں گا۔ اس نے انکار کیا اور آپ نے تفریق ڈگرے دی۔ بہز الملک کی ایک نومسلم زمیندارنی کا مقدمہ ان کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے معاملہ میں بھی انہوں نے حکم دیا کہ اس کے شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ قبول کرلے تو بہتر، ورنہ دونوں میں تفریق کرادی جائے۔ یہ واقعات صحابہ کرام کے سامنے پیش آئے تھے اور کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے (احکام القرآن للجصاص۔ المبسوط۔ فتح القدیر)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ اگر خلوت سے پہلے عورت مسلمان ہو جائے تو شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، وہ قبول کرلے تو بہتر ورنہ فوراً تفریق کرادی جائے۔ اور اگر خلوت ہو چکی ہو اور اس کے بعد عورت اسلام لائی ہو تو زمانہ عدت ختم ہونے تک انتظار کیا جائے، اس مدت میں شوہر اسلام قبول کرلے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ عدت گزرتے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ زوجین کے درمیان اختلاف دین واقع ہو جانا بہر حال فوری تفریق کا موجب ہے خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو (المغنی، مسائل نکاح وطلاق)

دارالکفر میں اگر عورت مسلمان ہو جائے اور مرد کافر رہے، یا مرد مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی (جو عیسائی یا یہودی نہ ہو بلکہ کسی غیر کتابی مذہب کی ہو) اپنے مذہب پر قائم رہے، تو حنفیہ کے نزدیک خواہ ان کے درمیان خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، تفریق واقع نہ ہوگی جب تک عورت کو تین مرتبہ ایام ماہواری نہ آجائیں، یا اس کے غیر حائضہ ہونے کی صورت میں تین مہینے نہ گزر جائیں۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ یہ مدت گزرتے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ میں بھی خلوت اور عدم خلوت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو زوجین کے درمیان دین کا اختلاف واقع ہوتے ہی فرقت ہو جائے گی، اگر خلوت ہو جانے کے بعد دین کا اختلاف رونما ہوا ہو تو عدت کی مدت ختم ہونے تک ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق اسلام قبول نہ کرے تو عدت ختم ہونے کے

ساتھ ہی نکاح بھی ختم ہو جائے گا (المبسوط، فتح القدیر، احکام القرآن للجصاص)

اختلاف دارین کے سبب فسخ نکاح میں مذاہب اربعہ

جس صورت میں زوجین کے درمیان اختلاف دین کے ساتھ اختلاف دار بھی واقع ہو جائے، یعنی ان میں سے کوئی ایک دار الکفر میں کافر رہے اور دوسرا دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائے، اس کے متعلق حنفیہ کہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان نکاح کا تعلق آپ سے آپ ختم ہو جائے گا۔ اگر ہجرت کرنے والی عورت ہو تو اسے فوراً دوسرا نکاح کر لینے کا حق حاصل ہے، اس پر کوئی عدت نہیں ہے، البتہ مقاربت کے لیے اس کے شوہر کو استبراء رحم کی خاطر ایک مرتبہ ایام ماہواری آ جانے تک انتظار کرنا ہوگا، اور اگر وہ حاملہ ہو تب بھی نکاح ہو سکتا ہے مگر مقاربت کے لیے وضع حمل تک انتظار کرنا ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس مسئلے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صرف اتنا اختلاف کیا ہے کہ ان کے نزدیک عورت پر عدت لازم ہے، اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ (المبسوط۔ ہدایہ۔ احکام القرآن للجصاص)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اختلاف دار کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اصل چیز صرف اختلاف دین ہے۔ یہ اختلاف اگر زوجین میں واقع ہو جائے تو احکام وہی ہیں جو دارالاسلام میں زوجین کے درمیان یہ اختلاف واقع ہونے کے احکام ہیں (المغنی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مذکورہ بالا رائے کے ساتھ ساتھ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کے معاملہ میں یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے کافر شوہر سے لڑ کر اس کے حق زوجیت کو ساقط کرنے کے ارادے سے آئی ہو تو اختلاف دار کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے اس قصد کی بنا پر فوراً فرقت واقع ہو جائے گی (المبسوط و ہدایہ)

لیکن قرآن مجید کی زیر بحث آیت پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں صحیح ترین رائے وہی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ہجرت کر کے آنے والی مومن عورتوں ہی کے بارے میں نازل فرمائی ہے، اور انہی کا حق میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان کافر شوہروں کے لیے حلال نہیں رہیں جنہیں وہ دارالکفر میں چھوڑ آئی ہیں، اور دار الاسلام کے مسلمانوں کی اجازت دی ہے کہ وہ ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر لیں۔ دوسری طرف مہاجر مسلمانوں سے خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ اپنی ان کافر بیویوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو جو دارالکفر میں رہ گئی ہیں اور کفار سے اپنے وہ مہر واپس مانگ لو جو تم نے ان عورتوں کو دیے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف اختلاف دین ہی کے احکام نہیں ہیں بلکہ ان احکام کو جس چیز نے یہ خاص شکل دے دی ہے وہ اختلاف دار ہے۔ اگر ہجرت کی بنا پر مسلمان عورتوں کے نکاح ان کے کافر شوہروں سے ٹوٹ نہ گئے ہوتے تو مسلمانوں کو ان سے نکاح کر لینے کی اجازت کیسے دی جا سکتی تھی، اور وہ بھی اس طرح کہ اس اجازت میں عدت کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ اسی طرح اگر لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کا حکم آ جانے کے بعد بھی مسلمان مہاجرین کی کافر بیویاں ان کے نکاح میں باقی رہ گئی ہوتیں تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا جاتا کہ انہیں طلاق دے دو۔ مگر یہاں اس کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں۔ بلا شبہ

یہ صحیح ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے مہاجرین نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔ مگر یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ ان کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا، اور ان بیویوں کے ساتھ تعلق زوجیت کا انقطاع ان کے طلاق دینے پر موقوف تھا، اور اگر وہ طلاق نہ دیتے تو وہ بیویاں ان کے نکاح میں باقی رہ جاتیں۔

اس کے جواب میں عہد نبوی کے تین واقعات کی نظیریں پیش کی جاتی ہیں جن کو اس امر کا ثبوت قرار دیا جاتا ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف دار کے باوجود مومن اور کافر زوجین کے درمیان نکاح کا تعلق برقرار رکھا۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے ذرا پہلے ابوسفیان مرالظَّہران (موجودہ وادی فاطمہ) کے مقام پر لشکر اسلام میں آئے اور یہاں انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور ان کی بیوی ہند مکہ میں کافر رہیں۔ پھر فتح مکہ کے بعد ہند نے اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید نکاح کے بغیر ہی ان کو سابق نکاح پر برقرار رکھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد عکرِمہ بن ابی جہل اور حکیم بن حزام مکہ سے فرار ہو گئے اور ان کے پیچھے دونوں کی بیویاں مسلمان ہو گئیں۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہروں کے لیے امان لے لی اور جا کر ان کو لے آئیں۔ دونوں اصحاب نے حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھی سابق نکاحوں کو برقرار رکھا۔ تیسرا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہ کا ہے جو ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئی تھیں اور ان کے شوہر ابوالعاص بحالت کفر مکہ ہی میں مقیم رہ گئے تھے۔ ان کے متعلق مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ابن عباس کی روایت یہ ہے کہ وہ 8 ھ میں مدینہ آ کر مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدید نکاح کے بغیر سابق نکاح ہی پر صاحبزادی کو ان کی زوجیت میں رہنے دیا۔ لیکن ان میں سے پہلے دو واقعے تو درحقیقت اختلاف دار کی تعریف ہی میں نہیں آتے، کیونکہ اختلاف دار اس چیز کا نام نہیں ہے ایک شخص عارضی طور پر ایک دار سے دوسرے دار کی طرف چلا گیا یا فرار ہو گیا، بلکہ یہ اختلاف صرف اس صورت میں واقع ہوتا ہے جب کوئی آدمی ایک دار سے منتقل ہو کر دوسرے دار میں آباد ہو جائے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان موجودہ زمانے کی اصلاح کے مطابق قومیت □ (Niaonltiy) کا فرق واقع ہو جائے۔ رہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت ابن عباس کی ہے جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، اور دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص کی ہے جس کو امام احمد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ اس دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی کو جدید نکاح اور جدید مہر کے ساتھ پھر ابوالعاص ہی کی زوجیت میں دے دیا۔ اس اختلاف روایت کی صورت میں اول تو یہ نظیر ان حضرت کے لیے قطعی دلیل نہیں رہتی جو اختلاف دار کی قانونی تاثیر کا انکار کرتے ہیں۔ دوسرے، اگر وہ ابن عباس ہی کی روایت کے صحیح ہونے پر اصرار کریں تو یہ ان کے مسلک کے خلاف پڑتی ہے۔ کیونکہ ان کے مسلک کی رو سے تو جن میاں بیوی کے درمیان اختلاف دین واقع ہو گیا ہو اور وہ باہم خلوت کر چکے ہوں ان کا نکاح عورت کو صرف تین ایام ماہواری آنے تک باقی رہتا ہے، اس دوران میں دوسرا فریق اسلام قبول کرلے تو زوجیت قائم رہتی ہے، ورنہ تیسری بار ایام آتے ہی نکاح آپ سے آپ فسخ ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت زینب کے جس واقعہ سے وہ استدلال کرتے ہیں اس میں

زوجین کے درمیان اختلاف دین واقع ہوئے کئی سال گزر چکے تھے، حضرت زینب کی ہجرت کے چھ سال بعد ابو العاص ایمان لائے تھے، اور ان کے ایمان لانے سے کم از کم دو سال پہلے قرآن میں وہ حکم نازل ہو چکا تھا جس کی رو سے مسلمان عورت مشرکین پر حرام کر دی گئی تھی۔

ایام عدت میں گھر سے باہر جانے کی ممانعت کا بیان

وَلَا يَجُوزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوتَةِ الْخُرُوجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا وَالْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَلَا تَبِيتُ عَنْ مَنْزِلِهَا وَعَلَى الْمُعْتَدَّةِ أَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي يُضَافُ إِلَيْهَا بِالسُّكْنَى حَالَ وُقُوعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ وَإِنْ كَانَ نَصِيبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ يَكْفِيهَا فَلَيْسَ لَهَا أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَإِنْ كَانَ نَصِيبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيهَا فَأَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيبِهِمُ انْتَقَلَتْ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُسَافِرَ الزَّوْجُ بِالْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقْبَلَةٌ عِنْدَهُمَا. وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الْأُولَى،

ترجمہ

طلاق رجعی دی گئی یا معتدہ بائنہ یعنی جسے طلاق بائنہ دی جا چکی ہو اور وہ عدت میں ہو۔ ان دونوں عورتوں کے لئے رات اور دن میں گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے اور وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو۔ وہ دن کے وقت اور رات کا کچھ حصہ نکل سکتی ہے۔ مگر رات بہر حال وہ اپنے گھر کے سوا کہیں نہیں رہ سکتی۔ وہ گھر جو معتدہ کی طرف منسوب ہو اس کی رہائش فرقت یا فوت ہونے کے لحاظ سے معتدہ پر اس گھر میں عدت گزارنا لازم ہے۔ جب میت کے مکان سے اس کا حصہ اسے کافی ہو تو اس کے لئے نکلنا جائز نہیں ہوگا لیکن جب کوئی عذر ہو تو نکل سکتی ہے جب میت کے مکان سے اس کے لئے اس کا حصہ کافی نہ ہو اور ورثا بھی اسے اپنے حصہ سے نکال دیں تو اس صورت میں منتقل ہو سکتی ہے اور شوہر کے لئے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں۔ جب شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دینے کے بعد پھر اس سے اس کی عدت کے دوران نکاح کر لیا مگر اس کے بعد پھر اس نے صحبت سے قبل ہی اسے طلاق دے دی۔ تو اس طرح اب اس پر پورا حق مہر دینا لازم ہوگا۔ اور عورت کو مستقل عدت گزارنا ہوگی۔ جب کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے لئے نصف مہر ہوگا۔ اور عورت پہلی عدت کو ہی پورا کرے گی۔

معتدہ کے انتقال مکان میں فقہی مذاہب

حضرت زینب بنت کعب فرماتی ہیں کہ فریعہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابو سعید خدری کی بہن ہیں مجھے بتایا کہ وہ فریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ اپنی عدت گزارنے کے لئے اپنے میکہ بنی خدرہ میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں گئے تھے کہ ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا

چنانچہ فریعہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اپنے میکے میں آ جاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے مالک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریعہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ بہتر ہے کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ چنانچہ میں یہ اجازت حاصل کر کے واپس ہوئی اور جب حجرہ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبوی میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے اگر چہ وہ تمہارے شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے تا آنکہ کتاب یعنی عدت اپنی مدت تک پہنچ جائے فریعہ کہتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے مطابق چار مہینہ دس دن تک اسی مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔

(مالک ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 526)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتدہ (یعنی عدت میں بیٹھی ہوئی عورت) کو بلاضرورت ایک مکان سے دوسرے مکان میں اٹھ آنا درست نہیں ہے۔

شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاوند کے مرجانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو اس کے لیے سکنی یعنی شوہر ہی کے مکان میں عدت گزارنا) ضروری ہے یا نہیں چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت امام شافعی کے دو قول ہیں جس میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لیے سکنی ضروری ہے۔

حضرت عمر حضرت عثمان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر بھی اسی کے قائل تھے ان کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو فریعہ کو مکان منتقل کرنے کی اجازت دے دی مگر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت کے دن گزاریں اس سے ثابت ہوا کہ فریعہ کو پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجازت دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حدیث (امکثی فی بیتك الخ تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو) کے ذریعہ منسوخ ہو گیا۔

حضرت امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کے لیے سکنی ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے اور یہی قول حضرت علی حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ کا بھی تھا اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریعہ کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمادی تھی اور پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا جو مسلک ہے وہ ان شاء اللہ باب النفقات کے ابتداء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عدت وفات میں اسی گھر میں رہنے پر مذاہب اربعہ

ان میں سے مشہور اور قوی قول یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں ہی عدت گزارے۔ اکثر علماء کرام جن میں آئمہ اربعہ بھی

شامل ہیں کا یہی قول ہے ان کی دلیل میں مندرجہ ذیل حدیث شامل ہے: فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان سے سوال کیا کہ اس کا خاوند اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو تلاش کرنے نکلا اور جب وہ ان کے قریب جا پہنچا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا تو کیا وہ اپنے خاندان بنو خدرہ میں واپس چلی جائے کیونکہ میرے خاوند نے مجھے اپنی ملکیت والے گھر میں نہیں چھوڑا؟ وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا جی ہاں آپ جا سکتی ہیں، تو میں واپس پلٹی اور ابھی کمرہ یا مسجد میں ہی تھی تو انہوں نے مجھے بلایا، یا پھر مجھے حکم دیا، میں وہی قصہ دوبارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دھرایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ تم اپنے گھر میں ہی رہوحتی کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے۔

ان کا کہنا ہے کہ میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری، اور جب عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا وقت آیا تو انہوں نے مجھ سے اس کے متعلق سوال کیا اور میں نے انہیں بتایا تو انہوں نے بھی اسی کی پیروی کرتے ہوئے فیصلہ کیا۔ سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ، امام ترمذی، ابن حبان، حاکم، اور ابن نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن قیم کا کہنا ہے کہ: اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو سنت صحیحہ کو رد کرنے کا باعث ہو جسے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ کرام نے قبول کیا۔ (زاد المعاد (5/ 691)

بعض اوقات عدت گزارنے والی عورت اور یا پھر اس کے گھر میں کوئی اضطراری حالت پیدا ہو سکتی ہے مثلا: ڈر اور خوف، انہدام، غرق، یا پھر دشمن کا خوف، یا وحشت، یا یہ کہ وہ فاسق فاجر لوگوں کے درمیان رہائش پذیر ہو، یا پھر اس کے ورثاء اسے وہاں سے لانے کا ارادہ کر لیں، یا پھر اس کا وہاں رہنا اولاد یا مال و دولت کے ضیاع کا باعث بن جائے، وغیرہ۔

احناف، حنابلہ، مالکیہ کے جمہور علماء کے ہاں اس حالت میں اس کے لیے وہاں سے اپنی مرضی کی رہائش میں منتقل ہونا جائز ہے، اور اس کے لیے لازم نہیں کہ وہ قریبی رہائش اختیار کرے بلکہ وہ جہاں چاہے رہ سکتی ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ اس دوسری رہائش میں بھی وہ ان احکام کی پابندی کرے گی جو پہلی رہائش میں کرتی تھی۔

اور جو عورت اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت والے گھر میں رہتے ہوئے اپنے معاملات کو چلا سکتی ہو اسے وہاں سے منتقل ہونا صحیح نہیں کیونکہ اس کا کوئی عذر نہیں ہے، مثلاً وہ وراثت یا املاک کے بارہ میں کسی معتبر شخص کو وکیل بنا سکتی ہے۔

اس بنا پر اگر آپ کی والدہ جس گھر میں اپنے خاوند کی فوتگی کے وقت رہ رہی تھی وہاں پر عدت گزار سکتی ہے اور اس کے لیے ممکن ہے تو وہ اسی گھر میں عدت گزارے۔

عدت بائنہ وثلاثہ میں زوجین مثل اجنبی ہیں

طلاق بائن واقع ہوتے ہی زوجین کے درمیان رشتۂ نکاح ختم ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو جاتے ہیں، البتہ ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن کی صورت میں مہر جدید کے ساتھ نکاح کرنے کی گنجائش رہتی ہے، عدت گزرنے تک مطلقہ خاتون کو شوہر کے گھر میں رہنا از روئے شریعت لازمی ہے۔

مذکورہ صورت میں شوہر نے جب اپنی بیوی کوایک طلاق بائن دی ہے تواب وہ مرداس کا شوہر نہیں اور یہ خاتون اس کی بیوی نہیں ،دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی قرار پائے لہٰذا اس مطلقہ خاتون کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شوہر سے جس نے اسے طلاق بائن دی ہے پردہ کرے۔

درمختار، ج2، کتاب الطلاق، باب العدۃ، فصل فی الحداد، ص675 میں ہے۔

(ولا بد من سترة بينهما في البائن) لئلا يختلي بالاجنبية ومفاده ان الحائل يمنع الخلوة المحرمة .

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: جب وہ دونوں میاں بیوی پردے کے ساتھ اس گھر میں نہ رہ سکتے ہوں یعنی وہ مکان تنگ اور چھوٹا ہوتو ایسی صورت میں وہ عورت وہاں سے نکل کر دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے تاہم زیادہ بہتر یہی ہے۔ مرد وہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو جائے۔

طلاق رجعی والی کے ولد سے ثبوت نسب کا بیان

وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ إِذَا جَاءَ تْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا فَإِذَا جَاءَ تْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْهُ وَإِنْ جَاءَ تْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهُ وَكَانَتْ رَجْعِيَّةً وَالْمَبْتُوتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَ تْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ وَإِذَا جَاءَ تْ بِهِ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ يَوْمِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهُ وَيَثْبُتُ نَسَبُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا مَا بَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ سَنَتَيْنِ وَإِذَا اعْتَرَفَتْ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَ تْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ وَإِنْ جَاءَ تْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوثِ بَعْدَ الْعِدَّةِ وَإِذَا وَلَدَتْ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ هُنَاكَ حَمْلٌ ظَاهِرٌ أَوْ اعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَثْبُتُ فِي الْجَمِيعِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ

ترجمہ

اور مطلقہ رجعیہ جب دو یا دو سال سے زیادہ کے عرصہ میں بچہ جن دے تو جب تک وہ عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے۔ اس کے بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ جب اس نے دو سال سے کم عرصہ میں بچے کو جنم دیا تو نسب تو ثابت ہو جائے گا مگر عورت بائنہ ہو جائے گی۔ جب دو سال سے زیادہ عرصہ میں جنم دے تو نسب تو ثابت ہوگا مگر یہ رجعت ہوگی۔ طلاق بائنہ والی جب دو سال سے کم میں بچے کو جنم دے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ جب چھ ماہ کے عرصہ میں جنم دے تو پھر اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ لیکن جب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ولادت کی گواہی دیں تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ مگر یہ اس صورت میں ہوگا جب حمل بالکل ظاہر ہو یا شوہر اعتراف کرے تو پھر گواہی کے بغیر بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔ جب کہ

صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نسب بہرصورت ایک عورت کی گواہی سے بھی ثابت ہو جائے گا۔

شرح

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمعہ کی باندی کے بچہ کے سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ نے جھگڑا کیا۔ سعد کہتے تھے کہ میرے بھائی عتبہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ جب میں مکہ جاؤں تو زمعہ کی باندی کے بچہ کو دیکھوں اور اسے اصل کروں کیونکہ وہ میرا بچہ ہے اور عبد بن زمعہ کا کہنا تھا کہ وہ میرا بھائی ہے کیونکہ وہ میرے کی باندی کا بیٹا ہے جو میرے کے گھر میں پیدا ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچہ کو دیکھا تو واضح طور پر عتبہ کے مشابہ پایا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ سے فرمایا تو اس سے پردہ کیا کر) ہر چند کہ سودہ بنت زمعہ کا وہ بچہ بھائی قرار پایا مگر چونکہ وہ عتبہ کا نطفہ تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے پردہ کرنے کا حکم فرمایا) اور مسدد نے اپنی حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عبد بن زمعہ یہ بچہ تیرا بھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 507)

(۲) حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ فلاں بچہ میرا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام میں (زنا کے سبب نسب کا) دعویٰ نہیں ہے۔ جاہلیت کے تمام طریقے ختم ہو چکے ہیں۔ اب تو بچہ اسی کا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور زنا کار کے لیے سنگ ساری کی سزا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 508)

(۴) حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ میرے گھر والوں نے۔ گھر ہی کی ایک باندی سے۔ میرا نکاح کر دیا پس میں نے اس سے جماع کیا تو مجھ جیسا ہی ایک کالا بچہ پیدا ہوا جس کا میں نے عبداللہ نام رکھا۔ میں نے پھر اس سے محبت کی تو پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا جو میری ہی طرح کالا تھا میں نے اس کا نام عبیداللہ رکھا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے ہی گھر کے ایک رومی غلام نے اس پر جالیا جس کا نام یوحنہ تھا یہ اس سے اپنی زبان میں اس سے گفتگو کرتا (جس کو ہم نہیں سمجھتے تھے) پھر اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا گویا کہ وہ گرگٹ تھا (یعنی اس کا رنگ رومیوں کی طرح سرخ تھا) میں نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ (یعنی یہ کس کا نطفہ ہے؟) وہ بولی یہ یوحنہ کا ہے پس ہم نے یہ مقدمہ حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے اعتراف کر لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم اس فیصلہ پر راضی ہو جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ بچہ صاحب فراش کا ہے راوی کا بیان ہے کہ میرا گمان ہے حضرت عثمان نے ان دونوں۔ غلام اور باندی کو (زنا کی سزا میں) کوڑے لگائے تھے۔

چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا بیان

وَإِذَا تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا ثَبَتَ نَسَبُهُ إِذَا اعْتَرَفَ بِهِ وَإِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ ثَبَتَ نَسَبُهُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ

تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ وَأَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ وَأَقَلُّهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَإِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَإِذَا تَزَوَّجَتْ الْحَامِلُ مِنَ الزِّنَا جَازَ النِّكَاحُ، وَلَا يَطَؤُهَا حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا

ترجمہ

جب کسی نے کسی عورت سے نکاح کیا پس اس نے شادی کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچے کو جنم دے دیا تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ جب اس نے چھ ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ میں بچے کو جنم دیا تو جب شوہر نے اس بچے کا اقرار کرلیا یا وہ خاموش رہا تو اس کا نسب ثابت ہوجائے گا۔ جب اس نے اس کی ولادت سے انکار کر دیا۔ تو پھر ایک عورت کے اس بچے کی پیدائش کی گواہی دینے سے بھی اس کا نسب ثابت ہوجائے گا۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال اور کم سے کم چھ ماہ ہے۔ جب کسی ذمی نے کسی ذمیہ کو طلاق دے دی تو وہ کوئی عدت وغیرہ نہیں گزارے گی۔ جب زناء سے حاملہ عورت نے شادی کر لی تو اس کا نکاح جائز ہوگا۔ مگر اس کے اس پہلے حمل کو جنم دے لینے تک وہ اس سے وطی نہیں کرے گا۔

ثبوت نسب میں ایک عورت کی شہادت

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت کے ہاں وقت نکاح سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوا۔ تو نسب ثابت نہیں اور چھ مہینے یا زیادہ پر ہوا تو ثابت ہے جبکہ شوہر اقرار کرے یا سکوت اور اگر کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہی نہ ہوا تو ایک عورت کی گواہی سے ولادت ثابت ہوجائے گی اور اگر شوہر نے کہا تھا کہ جب تو جنے تو تجھ کو طلاق اور عورت بچہ پیدا ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر انکار کرتا ہے تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوگی تنہا جنائی کی شہادت ناکافی ہے۔ یونہی اگر شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا یا حمل ظاہر تھا جب بھی طلاق ثابت ہے اور نسب ثابت ہونے کے لیے فقط جنائی کا قول کافی ہے۔

(جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق، باب ثبوت نسب)

اور اگر دو بچے پیدا ہوئے ایک چھ مہینے کے اندر دوسرا چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے بعد تو دونوں میں کسی کا نسب ثابت نہیں۔ نکاح میں جہاں نسب ثابت ہونا کہا جاتا ہے وہاں کچھ یہ ضرور نہیں کہ شوہر دعوے کرے تو نسب ہوگا بلکہ سکوت سے بھی نسب ثابت ہوگا اور اگر انکار کرے تو نفی نہ ہوگی جب تک لعان نہ ہو اور اگر کسی وجہ سے لعان نہ ہو سکے جب بھی ثابت ہوگا۔ (عالمگیری، کتاب طلاق)

مسلم شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بچہ بستر والے (یعنی خاوند) کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عاھر زانی کو کہتے ہیں، زانی کے لیے پتھر ہیں کا معنی یہ ہے کہ: اسے ذلت و رسوائی ملے گی اور بچے میں اس کا کوئی حق نہیں۔ اور عرب عادتا یہ کہتے تھے کہ: اس کے لیے پتھر ہیں، اور اس سے وہ معنی یہ لیتے تھے کہ اس سوائے ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔

زنا سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا: مندرجہ بالا حدیث (بچہ بستر والے کا اور زانی کے لیے پتھر ہیں) کی بنا پر فقہاء کا کہنا ہے کہ ولد زنا کا نسب ثابت نہیں ہوتا، یعنی زنا سے پیدا شدہ بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے زانی سے ملحق کیا جائے گا۔

ولد زنا کے عدم نسب میں مذاہب اربعہ

اول: حافظ ابن حزم الظاہری کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (زانی کے لیے پتھر ہیں) کے الفاظ کہہ کر زانی سے اولاد کی نفی کردی ہے، تو زانی پر حد ہے اور بچے کا الحاق زانی کے ساتھ نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر عورت بچہ جنتی ہے تو اسے ماں کے ساتھ ہی ملحق کیا جائے گا مرد کی طرف نہیں۔

اور اسی طرح وہ اپنی ماں کا اور ماں اس کی وارث ہوگی اس لیے کہ لعان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ عورت سے ملحق کیا اور مرد سے اس کی نفی کردی۔

دوم: فقہ مالکیہ میں ہے کہ: زانی کا پانی فاسد ہے اس لیے بچہ اس کی طرف ملحق نہیں ہوگا۔

سوم: فقہ حنفی میں ہے کہ: ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے آزاد عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہ بچہ اس کے زنا سے پیدا شدہ ہے اور عورت بھی اس کی تصدیق کردے تو پھر بھی نسب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (بچہ بستر والے (خاوند) کے لیے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں) تو یہاں پر فراش اور بستر تو زانی کا ہے ہی نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کا حصہ تو صرف پتھر قرار دیے ہیں، تو اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ نسب میں زانی کا کوئی حصہ نہیں۔

زنا سے پیدا شدہ بچے کا الحاق زانیہ عورت سے ہوگا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ولد زنا کا الحاق زانی سے نہیں ہوسکتا بلکہ جس زانی عورت نے اسے جنا ہے اس کے ساتھ ہی اس کا الحاق ہوگا،

امام سرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" میں ذکر کیا ہے کہ

کسی مرد نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے آزاد عورت سے زنا کیا اور یہ اس کے زنا کا بیٹا ہے اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کردی تو نسب اس سے ثابت نہیں ہوتا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے (بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں) اور زانی کا بستر نہیں۔ اور اگر اسی دائی نے اس کی ولادت کی گواہی دے دی تو اس کی وجہ سے بچے کا عورت کے ساتھ نسب ثابت ہوگا لیکن مرد سے نہیں۔ عورت کے ساتھ نسب کا ثبوت تو بچے کی ولادت ہے جو کہ دائی کی گواہی سے ظاہر ہوا ہے، اس لیے کہ عورت سے بچے کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا لہٰذا عورت سے بچے کا نسب ثابت ہوگیا۔

زانی مرد کا زنیہ عورت سے شادی کرنا اور بچے کے نسب میں اس کی اثر اندازی ہوتی ہے فقہ حنفیہ کی کتاب فتاوی ھندیہ میں میں ہے کہ: اگر کسی نے عورت سے زنا کیا تو وہ حاملہ ہوگئی پھر اس نے اسی عورت سے شادی کرلی تو اس نے اگر تو چھ یا چھ سے زیادہ ماہ کی مدت میں بچہ جنا تو اس سے بچے کا نسب ثابت ہوجائے گا، اور اگر چھ ماہ سے قبل پیدائش ہوجائے تو پھر نسب ثابت نہیں ہوگا۔

لیکن اگر وہ اس کا اعتراف کرے کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے اور یہ نہ کہے کہ وہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے، لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ وہ میرے زنا سے ہی پیدا ہوا ہے تو اس طرح نہ تو نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی وہ اس کا وارث بنے گا۔

اور حافظ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "المغنی" میں ذکر کیا ہے کہ جمہور علماء کے قول کے مطابق لعان کرنے والی عورت کے بچے کو لعان کرنے والا جب اپنے خاندان میں ملانا چاہے تو اسے اس کے ساتھ ہی ملحق کیا جائے گا، لیکن ولدزنا کو زانی سے ملحق نہیں جائے گا، یعنی جب زانی ولدزنا کو اپنے ساتھ ملانا چاہے تو اسے زانی کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا۔

اور راجح تو یہی ہے کہ ولدزنا کا زانی سے نسب ثابت نہیں ہوسکتا چاہے وہ زانیہ عورت سے شادی کرلے اور شادی کے چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہو یا پھر شادی نہ کرے اور بچہ پیدا ہو جائے تو یہ نسب کے ثبوت کا باعث نہیں، لیکن اگر وہ اسے اپنے خاندان میں ملانا چاہے اور یہ نہ کہے کہ وہ اس کے زنا کا بیٹا ہے تو اس سے احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر وہ زنا کی گئی عورت سے حمل کی حالت میں شادی کرے اور چھ ماہ سے قبل بچے کی پیدائش ہو اور زانی اس پر خاموشی اختیار کرے یا پھر اس کا دعویٰ کرے لیکن یہ نہ کہے کہ وہ زنا سے ہے تو احکام دنیا میں اس کا نسب ثابت ہوگا۔ (المفصل فی احکام المراۃ (381/9)

چھ ماہ کے بچے کے انساب الی الوالد کا بیان

علماء کرام کا فیصلہ ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اگر عورت کے ہاں رخصتی اور خاوند کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوتا ہے تو یہ بچہ خاوند کی طرف منسوب کیا جائے گا، اور صرف گمان اور احتمال کی بنا پر بچے کی والد کی طرف سے نفی نہیں کی جائے گی کیونکہ بچہ بستر والے کا ہے۔

ایک شخص نے کنواری عورت سے شادی کی اور اس کے دخول کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو گیا تو کیا اس بچے کی نسبت والد کی طرف کی جائے گی؟

اگر دخول کے چھ ماہ کے بعد چاہے ایک لحظہ بعد ہی بچہ پیدا ہو تو سب آئمہ کا اتفاق ہے کہ بچہ والد کی طرف منسوب ہوگا، اس طرح کا واقعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی پیش آیا اور صحابہ کرام نے چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہونے کے امکان کا استدلال اس فرمان باری تعالیٰ سے کیا: اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کی عمر تیس ماہ ہیں۔ (الاحقاف، ۱۵)

اور اس فرمان باری تعالیٰ سے بھی۔ اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں البقرۃ (۲۳۳) اگر تیس ماہ سے رضاعت کی مدت دو برس ہو تو پھر حمل چھ ماہ کا ہوگا، تو اس طرح آیت میں کم از کم حمل کو اور رضاعت کی پوری مدت کو جمع کیا گیا ہے

حافظ ابن کثیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ پر استنباط کے متعلق کہتے ہیں: یہ ایک قوی استنباط ہے اور عثمان اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی موافقت کی ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم (4/158).(

حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے، اور یہ قرآن مجید کی دلالت کا مقتضی ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے کا عرصہ تیس ماہ ہے. اور یہ فرمان: اور اس کا دودھ چھڑانا دو برسوں میں۔ جب ہم دودھ چھڑانے کی عمر دو برس لیتے ہیں

تو حمل کے لیے باقی چھ ماہ رہ جاتے ہیں، اور یہ واضح ہے۔

حمل کی مدت کا فقہی بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ ماں نے حالت حمل میں کیسی کچھ تکلیفیں برداشت کی ہیں؟ اسی طرح بچہ ہونے کے وقت کیسی کیسی مصیبتوں کا وہ شکار بنی ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت سے اور اس کے ساتھ سورہ لقمان کی آیت (وفصاله فی عامین) اور اللہ عزوجل کا فرمان آیت (والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین لمن ارادا ان یتم الرضاعته) یعنی مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں ان کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں ملا کر استدلال کیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ استدلال بہت قوی اور بالکل صحیح ہے۔

حضرت عثمان اور صحابہ کرام کی جماعت نے بھی اس کی تائید کی ہے حضرت معمر بن عبداللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا اس کے خاوند نے حضرت عثمانؓ سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم اس کی مخلوق میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمان کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سن کر علی مرتضی نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی (وحمله وفصاله ثلثون شهرا) اور ساتھ ہی یہ آیت بھی (حولین کاملین) پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کل مدت دو سال کے چوبیس وضع کر دئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہیں؟ حضرت عثمان نے فرمایا واللہ یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال ہے میں اس طرف نہیں گیا جاؤ اس عورت کو لے آؤ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اسے فراغت ہو چکی تھی۔

•••————•••————•••

کِتَابُ النَّفَقَاتِ

﴿یہ کتاب بیوی کوخرچ دینے کے بیان میں ہے﴾

کتاب نفقہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے جب باب حضانت کو بیان کیا ہے تو حق حضانت چونکہ ماں کو حاصل ہے تو حضانت بھی نفقہ کی محتاج ہے۔لہٰذا ضروری ہوا کہ اس چیز کو بیان کیا جائے جس میں نفقہ کا بیان ہو اور نفقہ کا معنی خرچ ہے۔یعنی بیوی کے اخراجات کا وہ حق جو اس کے شوہر کے ذمہ واجب ہے اس کو نفقہ کہتے ہیں۔کسی شخص پر غیر کی طرف سے وجوب نفقہ کے اسباب تین ہیں۔(۱) زوجیت (۲) نسب (۳) ملک ،وزجیت کو مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ نسب میں اصل زوجیت ہے کیونکہ ثبوت نسب کا سبب وہی ہے۔اور نسب کا سبب ہونا ملکیت سے افضل ہے کیونکہ نسب میں جس پر انفاق ہے وہ نافق کے جسم کا حصہ ہے۔جبکہ ملکیت یعنی غلامی میں ایسا نہیں ہے۔لہٰذا ملک پر نسب کو مقدم کیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶،ص ۱۹۷، بیروت)

نفقہ کا لغوی وفقہی مفہوم

نفقات نفقہ کی جمع ہے اور نفقہ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو خرچ کی جائے جب کہ شرعی اصطلاح میں طعام لباس اور سکنی مکان کو نفقہ کہتے ہیں چونکہ نفقہ کی کئی نوعیتیں اور قسمیں ہوتی ہیں جیسے بیوی کا نفقہ اولاد کا نفقہ والدین کا نفقہ اور عزیز وا قارب کا نفقہ وغیرہ اس لئے نفقہ کی ان انواع کے اعتبار سے عنوان میں نفقات یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے نیز یہاں نفقہ سے اس کا عام مفہوم مراد ہے خواہ واجب ہو یا غیر واجب ہو۔لونڈی غلام کے حقوق کا مطلب ہے ان کو کھلانا پہنانا اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالنا جو ان کی طاقت وہمت سے باہر ہوں۔

شوہر پر بیوی کے نان ونفقہ کے وجوب کا بیان

اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلَى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كَافِرَةً إِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا فِي مَنْزِلِهِ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا يُعْتَبَرُ ذَلِكَ بِحَالِهِمَا جَمِيعًا مُوسِرًا كَانَ الزَّوْجُ أَوْ مُعْسِرًا وَكِسْوَتُهَا فَإِنْ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيمِ نَفْسِهَا حَتَّى يُوَفِّيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَإِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَعُودَ إِلَى مَنْزِلِهِ ،

ترجمہ

شوہر پراس کی بیوی کے لئے اس کا نفقہ، خرچہ وغیرہ واجب ہے۔ وہ چاہے مسلمہ ہو یا کافرہ۔ جب اس نے شوہر کے گھر خود کو شوہر کے سپرد کر دیا تو اب اس پر اس کا خرچہ، لباس اور رہائش وغیرہ واجب ہوں گے۔ مگر ان اخراجات میں میاں بیوی دونوں کے حال کا لحاظ کیا جائے گا۔ شوہر چاہے مالدار ہو یا تنگدست۔ جب بیوی اپنا حق مہر ملنے تک اپنے آپ کو اس کے حوالے کرنے سے رکی رہے، تو بھی نفقہ بہر حال اسے ملے گا۔ جب وہ نافرمان ہو، تو اسے واپس اس کے گھر لوٹ کر آنے تک نفقہ نہیں ملے گا۔

بیوی اور اولاد کا بقدر ضرورت نفقہ خاوند پر واجب ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا شوہر ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکال لوں اس طرح اس کو خبر نہ ہو تو ہماری ضروریات پوری ہو جاتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو یعنی اوسط درجہ کا خرچ اس کے مال میں سے لے لیا کرو (بخاری ومسلم)

امام نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نفقہ بقدر ضرورت واجب ہے۔ چنانچہ تمام علماء کا اس پر اجماع واتفاق ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں (۱) مرد پر اس کی بیوی اور نابالغ اولاد (جس کی ذاتی ملکیت میں مال نہ ہو) کا نفقہ واجب ہے (۲) نفقہ ضرورت وحاجت کے بقدر واجب ہوتا ہے (۳) فتویٰ دیتے وقت یا کوئی شرعی حق نافذ کرتے وقت اجنبی عورت کا کلام سننا جائز ہے (۴) کسی شخص کے بارے میں ایسی کوئی بات بیان کرنا کہ جس کو اگر وہ سنے تو ناگواری محسوس کرے جائز ہے بشرطیکہ یہ بیان کرنا کہ کوئی مسئلہ پوچھنے یا فتویٰ لینے کی غرض سے ہو (۵) اگر کسی شخص پر کسی دوسرے شخص کا کوئی مالی مطالبہ ہو اور وہ اس کی ادائیگی نہ کرتا ہو تو مطالبہ والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے مطالب کے بقدر لے لے (۶) بیوی بھی اپنے شوہر کے مال کے ذریعہ اپنی اولاد پر خرچ کرنے اور ان کی کفالت کرنے کی ذمہ دار ہے (۷) بیوی کو اپنی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلنا جائز ہے خواہ شوہر نے اس کی صریحاً اجازت دے دی ہو یا بیوی کو اس کی رضامندی کا علم ہو (۸) قاضی اور حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ کسی معاملہ میں مناسب سمجھے تو محض اپنے علم اور اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم جاری کر دے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے گواہ طلب نہیں کئے بلکہ اپنی معلومات کی بنیاد پر حکم دے دیا۔ (شرح مسلم، نووی)

قابل جماع نہ ہونے والی بیوی کے نفقہ کا بیان

وَإِنْ كَانَتْ صَغِيرَةً لَا يُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَإِنْ سَلَّمَتْ إِلَيْهِ وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيرًا لَا يَقْدِرُ

عَلَى الْوَطْءِ وَالْمَرْأَةُ كَبِيرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِهِ وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنَى فِي عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ الطَّلَاقُ أَوْ بَائِنًا وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَإِنْ طَلَّقَهَا ثُمَّ ارْتَدَّتْ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا وَإِذَا حُبِسَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَيْنٍ أَوْ غَصَبَهَا رَجُلٌ كَرْهًا فَذَهَبَ بِهَا أَوْ حَجَّتْ مَعَ غَيْرِ مُحْرِمٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَإِذَا مَرِضَتْ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ

ترجمہ

جب وہ اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے لطف اندوز نہ ہوا جا سکتا ہو۔ تو وہ جب خود کو شوہر کے حوالے کر بھی دے' تو اس کے لئے کوئی نفقہ نہیں ہوگا۔ اور اگر شوہر اتنا کمسن ہو کہ صحبت کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور بیوی اس سے عمر میں بڑی ہو' تو اس بیوی کو اس شوہر کے مال میں سے خرچ ملے گا' جب کسی آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق رجعی یا بائنہ کی صورت میں اس عورت کے لئے خرچہ اور رہائش ہوگی۔ جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کے لئے کوئی نفقہ نہیں ہوگا۔ اور وہ جدائی جو کسی معصیت کی بناء پر عورت کی جانب سے ہو اس میں بھی عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔ جب آدمی نے اسے طلاق دی اس کے بعد وہ اسلام سے پھر گئی تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ جب عورت نے طلاق کے بعد شوہر کے بیٹے کو خود پر قدرت دے دی تو بھی اسے نفقہ ملے گا۔ جب عورت قرض میں قید ہو گئی۔ یا کسی نے اسے زبردستی غصب کر لیا پس وہ اسے لے گیا۔ یا وہ کسی غیر محرم کے ساتھ حج کے لئے چلی گئی تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہوگا۔ جب عورت شوہر کے گھر میں بیمار ہو جائے' تو اسے خرچہ ملے گا۔

حق تسلیم کے سبب نفقہ ہونے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس عورت سے نکاح صحیح ہوا اُس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے عورت مسلمان ہو یا کافرہ، آزاد ہو یا مکاتبہ محتاج ہو یا مالدار، دخول ہوا ہو یا نہیں، بالغہ ہو یا نابالغہ مگر نابالغہ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشتہاۃ ہو۔ اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اُس پر نفقہ واجب ہے اُس کے مال سے دیا جائے گا۔ اور اگر اُس کی ملک میں مال نہ ہو تو اُس کی عورت کا نفقہ اُس کے باپ پر واجب نہیں ہاں اگر اُس کے باپ نے نفقہ کی ضمانت کی ہو تو باپ پر واجب ہے شوہر عنین ہے یا اُسکا عضو تناسل کٹا ہوا ہے یا مریض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا یا حج کو گیا ہے جب بھی نفقہ واجب ہے۔ نابالغہ جو قابلِ جماع نہ ہو اُس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں، خواہ شوہر کے یہاں ہو یا اپنے باپ کے گھر جب تک قابلِ وطی نہ ہو جائے ہاں اگر اس قابل ہو کہ خدمت کر سکے یا اُس سے اُنس حاصل ہو سکے اور شوہر نے اپنے مکان میں رکھا تو نفقہ واجب ہے اور نہیں رکھا تو نہیں۔ (درمختار، باب نفقہ زوجہ، ج ۵، ص ۲۸۰، بیروت)

نان ونفقہ کے بغیر رہنے پر بیوی کی رضامندی کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب نان ونفقہ ادا نہ کرنے کے باوجود بیوی رہنے پر راضی ہو جائے تو بیوی پر لازم نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے نزدیک آنے دے؛ کیونکہ خاوند اسے اس کا عوض نہیں دے رہا اس لیے بیوی پر اپنا آپ خاوند کے سپرد کرنا لازم نہیں، بالکل اسی طرح جیسے کوئی خریدار کسی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ادا نہ کر سکے تو خریدی ہوئی چیز خریدار کے سپرد کرنا واجب نہیں۔ اس بنا خاوند کو چاہیے کہ وہ بیوی کا راستہ چھوڑ دے تا کہ وہ اپنے نان ونفقہ کا بندوبست کر سکے، کیونکہ اسے نفقہ کے بغیر روکے رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہے۔

اور اگر بیوی مالدار بھی ہو تو خاوند کو اسے روکنے کا حق نہیں؛ کیونکہ اسے روکنے کا حق تو اس صورت میں ہوگا جب وہ اس کے اخراجات برداشت کرے، اور جس کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی اس کی ضروریات پوری کرے، اور اس سے استمتاع کی اپنی ضرورت کی وجہ سے، لہٰذا جب یہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں تو خاوند اسے روکنے کا حق نہیں رکھتا۔ (المغنی (165/8)

بیوی کے انکار زوجیت پر وعید کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور بیوی آنے سے انکار کر دے اور خاوند اس پر ناراضگی کی حالت میں ہی رات بسر کر دے تو اس عورت پر صبح ہونے تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری بدء الخلق حدیث نمبر (2998)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب عورت اپنے خاوند کا بستر چھوڑ کر رات بسر کرے تو اس کے واپس آنے تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں) (صحیح بخاری کتاب النکاح حدیث نمبر (4795)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور اس کی بیوی آنے سے انکار کر دے تو آسمان والا اس پر ناراض رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو جائے) صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث نمبر (1736)

طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب خاوند اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے بلائے تو اسے آنا چاہیے، اگر چہ وہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو) (سنن ترمذی حدیث نمبر (1080)

اور جب عورت اپنے خاوند کے ساتھ رات گزارنے اور اس کے بستر میں جانے سے رک جائے تو اس کا حق نفقہ اور تقسیم کا حق بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ نفقہ تو استمتاع کے بدلے میں ہے، اور ایسی عورت کو اپنے خاوند کی نافرمان کہا جائے گا۔

البہوتی کا کہنا ہے: نشوز یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کو اپنے استمتاع سے منع کر دے یا اس کی بات زچ ہو کر تسلیم کرے، مثلاً جب وہ اسے بلائے تو حیل وحجت سے کام لے، یا پھر اس کی بات اس وقت تک تسلیم نہ کرے جب تک خاوند اسے مجبور نہیں کرتا (شرح منتھی الارادات للبھوتی (55/3)

اور جب بیوی نافرمانی کرنے لگے تو اس کا نفقہ ختم اس لیے کہ نفقہ تو اطاعت اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے کے عوض میں تھا۔

اور نشوز یہ ہے کہ بیوی پر جو خاوند کے حقوق میں سے واجب ہیں وہ ان میں خاوند کی نافرمانی کرنے لگے تو اسے نشوز کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی خاوند کے لیے یہ بیان کیا ہے کہ اسے بیوی کی نافرمانی کی حالت میں کیا کرنا چاہیے اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں ڈر اور خدشہ ہو انہیں نصیحت کرو، اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو، اور انہیں مار کی سزا دو، پھر اگر وہ تمہاری بات تسلیم کرلیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے) (النساء (34)

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ: اگر نافرمانی کرنے والی بیوی وعظ و نصیحت اور اسے بستر میں علیحدگی یعنی جب تک وہ اپنی نافرمانی پر قائم ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے (اور انہیں الگ بستروں میں چھوڑ دو) مضاجعت اور تین دن تک کلام نہ کرنے کے باوجود وہ اپنی نافرمانی پر مصر ہے تو اسے مار کی سزا دی جائے گی لیکن مار میں سختی نہیں ہونی چاہیے۔

اور خاوند کے لیے اس حالت میں اسے طلاق دینا جائز ہے، المرداوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: بیوی کے برے اخلاق اور اس کی سوء معاشرت وغیرہ کے سبب سے ضرورت کے وقت طلاق دینا مباح ہے، اور اسی طرح اس سے تنگی ہونے اور غرض پوری نہ ہونے کے وقت، ان کا کہنا ہے کہ اس حالت میں بغیر کسی اختلاف کے طلاق مباح ہے۔ (الانصاف (8/430)

اور اگر وہ آپ سے نفرت کرنے لگی اور آپ سے کراہت کرنے لگی ہے جس کا آپ حل نہیں نکال سکتے تو اس وقت طلاق دینا مستحب ہے، اس لیے کہ اس حالت میں نکاح باقی رکھنے سے بیوی کو نقصان ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

(نہ تو کسی کو نقصان دو اور نہ ہی خود نقصان اٹھاؤ) (الملخص الفقهي (2/305)

اور ایسی حالت میں طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں، اور آپ کی مالی مشکلات کے بارہ میں گزارش یہ ہے کہ آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ ایسی عورت سے شادی کرلیں جو اپنا خرچہ خود برداشت کرسکتی ہو یا پھر آپ کی کچھ مالی مسؤلیت سے ہی گزارے کرنے پر راضی ہو جائے۔

اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ آپ اپنی پہلی بیوی سے کچھ معاملات پر صلح کرلیں اور بیوی کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق خاوند کو چھوڑ دے جس میں نفقہ اور تقسیم وغیرہ شامل ہوں تا کہ وہ اسے طلاق نہ دے اور اپنے پاس ہی رکھے۔

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اور اگر عورت اپنے خاوند کی نافرمانی سے ڈرے یا پھر اسے اس کے اعراض کا ڈر ہو تو ان دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ وہ صلح کرلیں اور صلح کرنا ہی بہتر ہے) عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ: یہ اس طرح ہے کہ عورت کسی شخص کے پاس ہو اور اس کا خاوند اسے طلاق دینا چاہے وہ بیوی اسے کہے کہ مجھے اپنے پاس ہی رکھو اور طلاق نہ دو مجھ پر نفقہ اور تقسیم میں تجھے آزادی ہے۔ (الملخص الفقهي (2/296)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ میں مذاہب اربعہ

حضرت شعبی کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس نے فرمایا میرے شوہر نے رسول اللہ کے زمانے میں مجھے تین طلاقیں دیں تو آپ نے فرمایا تیرے لیے نہ تو گھر ہے اور نہ نفقہ۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابراہیم سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمر نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے حضرت عمر تین طلاق والی کو گھر اور کپڑا دیتے تھے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1189)

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ کہا کہ میرے خاوند نے مجھے لفظ 'بتہ' کے ساتھ طلاق دی تھی تو میں نے ان سے نان نفقہ اور گھر کے لیے جھگڑا کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر اور نان نفقہ نہ دیا۔ داؤد کی حدیث میں یہ بھی ہے پھر مجھے حکم دیا کہ ام مکتوم کے گھر عدت کے دن گزاردوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بصری، عطاء بن ابی رباح، احمد اور اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے کہ جب شوہر کے پاس رجوع کا اختیار باقی نہ رہے تو رہائش اور نان نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا لیکن بعض علماء صحابہ جن میں عمر بن خطاب، اور عبداللہ بن مسعود بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ تین طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک گھر اور نان نفقہ مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہے، سفیان اور اہل کوفہ کا یہ قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمے صرف رہائش کا بندوبست رہ جاتا ہے نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں۔ مالک لیث بن سعد اور شافعی کا بھی یہی قول ہے امام شافعی اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ) امام شافعی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس لئے گھر نہیں دلوایا کہ وہ اپنے شوہر سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ پر مشتمل حدیث کی رو سے ایسی عورت کے لیے نفقہ بھی نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1190)

مالدار شوہر پر نوکر کا نفقہ کا ہونے کا بیان

وَيُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ إِذَا كَانَ مُوسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا وَلَا يُفْرَضُ لِأَكْثَرَ مِنْ خَادِمٍ وَعَلَيْهِ أَنْ يُسْكِنَهَا فِي دَارٍ مُنْفَرِدَةٍ لَيْسَ فِيهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ عَلَيْهَا أَنْ تُسْكِنَهُ مَعَهَا وَلِلزَّوْجِ أَنْ يَمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهِ وَأَهْلَهَا الدُّخُولَ عَلَيْهَا وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهَا وَكَلَامُهَا فِي كُلِّ وَقْتٍ شَاءُوا وَمَنْ أَعْسَرَ بِنَفَقَةِ زَوْجَتِهِ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهُ اسْتَدِينِي عَلَيْهِ ،

ترجمہ

اور شوہر کے مالدار ہونے کی صورت میں اس پر ایک نوکر کا خرچہ مقرر کر دیا جائے گا۔ لیکن ایک نوکر سے زیادہ کا خرچہ اس پر

مقرر نہیں کیا جائے گا۔ اور شوہر پر عورت کو علیحدہ کسی مکان میں رکھنا لازم ہوگا۔ ایسا مکان کہ اس میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ رہتا ہو۔ مگر صرف اس صورت میں کہ عورت خود ان کے ساتھ رہنے پر رضا مند ہو۔

شوہر کو بیوی کے والدین پہلے خاوند کی اولاد اور دیگر عزیز و اقارب کو بیوی کے پاس آنے سے منع کرنے کا حق ہے۔ لیکن وہ انہیں اس کی طرف دیکھنے اور اس سے بات کرنے سے کسی بھی وقت منع نہیں کرے گا۔ جو شخص بیوی کو خرچہ دینے سے عاجز آ جائے۔ تو اس وجہ سے ان کے درمیان جدائی نہیں ڈالی جائے گی بلکہ بیوی سے کہا جائے گا کہ اس کی ذمہ داری پر قرض لے کر کے گزارہ کرتی جا۔

نفقہ میں اصل عسر و یسر ہونے کا قاعدہ فقہیہ

واجب نفقہ میں اصل عسر و یسر ہے۔ (الہدایہ، ۴۱۷)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کا جو نفقہ واجب ہے اس کی مقدار شوہر کے حال کے مطابق ہوگی اگر شوہر امیر و دولت مند ہے تو نفقہ امراء لوگوں کی طرح ادا کرے اور اگر شوہر غریب مفلس ہے تو نفقہ غرباء و مفلس لوگوں کی طرح ادا کرے، لہٰذا کسی غریب شخص کی بیوی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دولت مند لوگوں کی بیویوں کی طرح نفقہ کا مطالبہ کرے۔ اور کسی امیر و دولت مند شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو غریب عورت کی طرح نفقہ دے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعها (البقرہ ۲۳۳)

اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے اور کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں کیا جائے گا۔

نفقہ کی تعریف

عقد نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کے لئے کھانا، لباس اور مکان کا لازم ہونا نفقہ کہلاتا ہے جبکہ عرف و معاشرے میں محض کھانے کو نفقہ کہا جاتا ہے۔

انتباہ: نفقہ عسر و یسر کے سبب سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔

طلاق رجعی و بائنہ کے بعد بھی نفقہ:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی یا طلاق بائنہ دے دی تو بعد از طلاق بھی عدت میں اس پر نفقہ واجب ہوگا۔

شوہر غائب ہو جانے پر اس کے مال سے نفقہ دینے کا بیان

وَإِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِي يَدِ رَجُلٍ مُعْتَرِفٍ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِي فِي ذَلِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ

زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَأَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَوَالِدَيْهِ وَيَأْخُذُ مِنْهُمْ كَفِيْلًا بِذٰلِكَ وَلَا يَقْضِي بِنَفَقَةٍ فِي مَالِ الْغَائِبِ إِلَّا لِهٰؤُلَاءِ وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لَهَا بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ ثُمَّ أَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ إِلَى الْقَاضِي تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقْ عَلَيْهَا الزَّوْجُ فِيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذٰلِكَ فَلَا شَيْءَ لَهَا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْقَاضِي فَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ أَوْ صَالَحَتْ الزَّوْجَ عَلَى مِقْدَارِهَا فَيَقْضِي لَهَا بِنَفَقَةِ مَا مَضَى

ترجمہ

جب کوئی شخص گم ہو جائے' اور کسی کے پاس اس کا مال ہو اور وہ اس مال کا' اور عورت کے اس کی بیوی ہونے کا اقرار بھی کرتا ہو' تو قاضی اس گم شدہ آدمی کے مال میں سے اس کی بیوی' چھوٹے بچوں اور اس کے والدین کا خرچہ مقرر کر دے گا۔ اور اس کی بیوی سے اس کی طرف سے ایک ضامن لے لے گا۔ اور ان لوگوں کے علاوہ گم شدہ آدمی کے مال میں سے کسی کا نفقہ مقرر نہیں کرے گا۔ جب قاضی نے عورت کے لئے تنگدستی کے نفقہ کا فیصلہ کر دیا ہو۔ اس کے بعد اس کا شوہر مالدار ہو جائے' تو اس صورت میں قاضی اس عورت کے لئے مالداری کا نفقہ پورا کر دے گا۔ جب کچھ ایسا عرصہ گزر چکا ہو' جس میں شوہر نے خرچہ نہ دیا ہو اور بیوی اس کا مطالبہ کرے' تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ مگر صرف اس صورت میں جب قاضی اس کے لئے نفقہ مقرر کر دے یا بیوی شوہر سے نفقہ کی کسی مقدار پر مصالحت کر لے۔ پس اب اس کے لئے گذشتہ نفقہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

شوہر کے مال سے قاضی کے نفقہ دلوانے کا بیان

علامہ قاضی خان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غلہ چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اُس کی عورت ہے تو قاضی حکم دیگا کہ اُس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اُس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔ (فتاوی خانیہ، باب نفقہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی عورت کا شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت اُن چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔

جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ ناکافی ہے تو مقدار بڑھا دی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائے گا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کر دی جائے۔ چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مر گیا تو نفقہ ساقط ہو گیا ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مر گیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے مگر جبکہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (درمختار، باب نفقہ)

تعین نفقہ کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔نفقہ کی مقدار معین کی جائے تو اس میں جوطریقہ آسان ہووہ برتا جائے مثلاً مزدوری کرنے والے کے لیے یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کوروزانہ شام کو اتنا دے دیا کرے کہ دوسرے دن کے لیے کافی ہو کہ مزدور ایک مہینے کے تمام مصارف ایک ساتھ نہیں دے سکتا اور تاجر اور نوکری پیشہ جو ماہوار تنخواہ پاتے ہیں مہینے کا نفقہ ایک ساتھ دے دیا کریں اور ہفتہ میں تنخواہ ملتی ہے تو ہفتہ وار اور کھیتی کرنے والے ہر سال یا ربیع وخریف دو فصلوں میں دیا کریں۔

اگر باہم رضامندی سے کوئی مقدار معین ہوئی یا قاضی نے معین کردی اور چند ماہ تک وہ رقم نہ دی تو عورت وصول کرسکتی ہے اور معاف کرنا چاہے تو کرسکتی ہے بلکہ جومہینہ آ گیا ہے اُس کا بھی نفقہ معاف کرسکتی ہے جبکہ ماہ بماہ نفقہ دینا ٹھہرا ہو اور سالانہ مقرر ہوا تو اس سال اور سال گزشتہ کا معاف کرسکتی ہے۔پہلی صورت میں بعد والے مہینے کا دوسری میں اُس سال کا جو ابھی نہیں آیا معاف نہیں کرسکتی اور اگر نہ باہم کوئی مقدار معین ہوئی نہ قاضی نے معین کی تو زمانہ گزشتہ کا نفقہ نہ طلب کرسکتی ہے، نہ معاف کرسکتی ہے کہ وہ شوہر کے ذمہ واجب ہی نہیں، ہاں اگر اس شرط پر خلع ہوا کہ عورت عدت کا نفقہ معاف کردے تو یہ معاف ہوجائے گا۔عورت کو مثلاً مہینے بھر کا نفقہ دیدیا اُس نے فضول خرچی سے مہینہ پورا ہونے سے پہلے خرچ کرڈالا یا چوری جاتا رہا یا کسی اور وجہ سے ہلاک ہوگیا تو اس مہینے کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔(درمختار، باب نفقہ، ج ۵،ص ۳۰۰، بیروت)

وفات خاوند کے سبب سقوط نفقہ کا بیان

وَإِذَا مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَمَا قَضَى عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ أَوْ مَضَتْ شُهُورٌ سَقَطَتْ وَإِنْ أَسْلَفَهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ مَاتَتْ قَبْلَ مُضِيِّهَا لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا شَيْءٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ تُحْسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضَى وَمَا بَقِيَ لِلزَّوْجِ وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيهَا وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ أَمَةً فَبَوَّأَهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ فَنَفَقَتُهَا عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يُبَوِّئْهَا مَعَهُ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا

ترجمہ

اب جب شوہر بیوی کے لئے نفقہ کا فیصلہ ہوجانے کے بعد فوت ہوگیا' اور کچھ مہینے گزر گئے' تو وہ نفقہ ساقط ہوجائے گا۔جب شوہر ایک سال کا نفقہ پیشگی دینے کے بعد فوت ہوجائے' تو اس صورت میں بیوی سے واپس کچھ نہیں لیا جائے گا۔جب کہ امام محمد رحمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیوی کے گزرے دنوں کے نفقہ کا حساب لگایا جائے گا۔اس میں سے جو باقی بچے گا وہ شوہر کے لئے ہوگا۔جب کسی غلام نے آزاد عورت کے ساتھ شادی کرلی تو اس کا نفقہ اس کے ذمہ قرض ہوگا۔جس میں اسے بیچ دیا جائے گا۔جب کسی آدمی نے کسی لونڈی کے ساتھ نکاح کرلیا پس اس لونڈی کے مالک نے اسے شوہر کے گھر بھیج دیا تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔جب اس نے اس لونڈی کو اس کے شوہر کے گھر نہ بھیجا تب اس کا نفقہ شوہر پر نہیں ہوگا۔

عدمِ دعویٰ کے سبب سقوطِ نفقہ کا بیان

علامہ قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب تک عورت سن ایاس کو نہ پہنچے اُس کی عدت تین حیض ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا اور اگر اس عمر سے پہلے کسی وجہ سے جوان عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت کتنی ہی طویل ہو زمانہ عدت کا نفقہ واجب ہے یہاں تک کہ اگر سن ایاس تک حیض نہ آیا تو بعدِ ایاس تین ماہ گزرنے پر عدت ختم ہوگی اور اُس وقت تک نفقہ دینا ہوگا۔ ہاں اگر شوہر گواہوں سے ثابت کردے کہ عورت نے اقرار کیا ہے کہ تین حیض آئے اور عدت ختم ہوگئی تو نفقہ ساقط کہ عدت پوری ہو چکی اور اگر عورت کو طلاق ہوئی اُس نے اپنے کو حاملہ بتایا تو وقتِ طلاق سے دو برس تک وضعِ حمل کا انتظار کیا جائے وضعِ حمل تک نفقہ واجب ہے اور دو برس پر بھی بچہ نہ ہوا اور عورت کہتی ہے کہ مجھے حیض نہیں آیا اور حمل کا گمان تھا تو نفقہ برابر لیتی رہے گی یہاں تک کہ تین حیض آئیں یا سن ایاس آکر تین مہینے گزر جائیں۔ عدت کے نفقہ کا نہ دعویٰ کیا نہ قاضی نے مقرر کیا تو عدت گزرنے کے بعد نفقہ ساقط ہوگیا۔ (فتاویٰ خانیہ، باب نفقہ)

جو عورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جایا کرتی ہے اس بنا پر اُسے طلاق دیدی تو عدت کا نفقہ نہیں پائے گی ہاں اگر بعدِ طلاق شوہر کے گھر میں رہی اور باہر جانا چھوڑ دیا تو پائے گی۔

بیوہ کے نان ونفقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مطلقہ، خواہ رجعیہ ہو یا مبتوتہ، اگر حاملہ ہو تو وضعِ حمل تک اس کی سکونت اور اس کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہے۔ البتہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ حاملہ کا شوہر مر گیا ہو، قطع نظر اس سے کہ وہ طلاق دینے کے بعد مرا ہو، یا اس نے کوئی طلاق نہ دی ہو اور عورت زمانہ حمل میں بیوہ ہوگئی ہو۔ اس معاملہ میں فقہاء کے مسالک یہ ہیں۔

1 حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ شوہر کے مجموعی ترکہ میں اس کا نفقہ واجب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، قاضی شریح، ابو العالیہ، شعبی اور ابراہیم نخعی سے بھی یہی قول منقول ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے (آلوسی۔ جصاص)

2 ابن جریر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ اس پر اس کے پیٹ کے بچہ کے حصے میں سے خرچ کیا جائے اگر میت نے کوئی میراث چھوڑی ہو۔ اور اگر میراث نہ چھوڑی ہو تو میت کے وارثوں کو اس پر خرچ کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ (البقرہ، آیت 233)

3 حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن المُسَیَّب اور حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ متوفی شوہر کے مال میں اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک تیسرا قول یہی منقول ہوا ہے (جصاص)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے ترکہ میں سے اس کو جو میراث کا حصہ ملا ہو اس سے وہ اپنا خرچ پورا کرسکتی ہے، لیکن شوہر کے مجموعی ترکے پر اس کا نفقہ عائد نہیں ہوتا جس کا بار تمام وارثوں پر پڑے۔

4 ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ متوفی شوہر کے مال میں اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کے مال میں کسی کا قرض واجب ہوتا ہے (جصاص)۔ یعنی مجموعی ترکہ میں سے جس طرح قرض ادا کیا جاتا ہے اسی طرح اس کا نفقہ بھی ادا کیا جائے۔

5 امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میت کے مال میں اس کے لیے نہ سکونت کا حق ہے نہ نفقہ کا۔ کیونکہ موت کے بعد میت کی کوئی ملکیت ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد تو وہ وارثوں کا مال ہے۔ ان کے مال میں حاملہ بیوہ کا نفقہ کیسے واجب ہوسکتا ہے (ہدایہ، جصاص)۔ یہی مسلک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بن حنبل کا ہے (الانصاف)

6 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے، البتہ اسے سکونت کا حق ہے (مُغنی المحتاج)۔ ان کا استدلال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ بنت مالک کے اس واقعہ سے ہے کہ ان کے شوہر جب قتل کردیے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ شوہر کے گھر ہی میں عدت گزاریں۔ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

مزید برآں ان کا استدلال دارقُطنی کی اس روایت سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: للحامل المتوفی عنها زوجها نفقة۔ بیوہ حاملہ کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ یہی مسلک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے (حاشیۃ الدسوقی)

عدت وفات میں نفقہ نہ ہونے کا بیان

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں، خواہ عورت کو حمل ہو یا نہیں۔ یونہی جو فرقت عورت کی جانب سے معصیت کے ساتھ ہو اُس میں بھی نہیں مثلاً عورت مرتدہ ہوگئی یا شہوت کے ساتھ شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ چھوا، ہاں اگر مجبور کی گئی تو ساقط نہ ہوگا۔ یونہی اگر عدت میں مرتدہ ہوگئی تو نفقہ ساقط ہوگیا پھر اگر اسلام لائی تو نفقہ عود کرآئیگا۔ اور اگر عدت میں شوہر کے بیٹے یا باپ کا بوسہ لیا تو نفقہ ساقط نہ ہوا اور جو فرقت زوجہ کی جانب سے سبب مباح سے ہو اُس میں نفقہ عدت ساقط نہیں مثلاً خیارِ عتق، خیارِ بلوغ عورت کو حاصل ہوا، اُس نے اپنے نفس کو اختیار کیا بشرطیکہ دخول کے بعد ہو ورنہ عدت ہی نہیں اور خلع میں نفقہ ہے، ہاں اگر خلع اس شرط پر ہوا کہ عورت نفقہ وسکنہ معاف کرے تو نفقہ اب نہیں پائے گی مگر سکنے سے شوہر اب بھی بَری نہیں کہ عورت اس کو معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ (جوہرہ نیرہ، باب نفقہ)

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ خاوند اور بیوی کے لیے شب زفاف میں ہم بستری کرنا اگر وہ چاہیں تو جائز ہے، لیکن شریعت میں اس کی تعداد متعین نہیں کہ کتنی بار ہم بستری کی جائے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ حالات اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، اور پھر جب قدرت وطاقت میں بھی فرق ہے تو شریعت کی عادت نہیں کہ وہ اس طرح کے مسائل میں تعداد متعین کرے۔ لیکن جماع اور ہم بستری عورت کا حق ہے جو خاوند پر واجب ہے، ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: کہ اگر اس کا کوئی عذر نہیں تو وہ اپنی بیوی سے ہم بستری کرے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ (30/7)

حدیث شریف میں ہے کہ: عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (

اے عبداللہ کیا مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ تو دن کو روزہ رکھتا اور رات کی وقت قیام کرتا ہے؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں اے اللہ تعالیٰ کے رسول (بات تو ایسی ہی ہے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایسا نہ کر بلکہ روزہ رکھ اور افطار بھی (یعنی کبھی چھوڑ بھی دیا کر) اور قیام بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو، اس لیے کہ تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے) (صحیح بخاری)

حدیث کی شرح میں ہے کہ: یہ خاوند کے لائق نہیں کہ وہ عبادات میں اتنی کوشش کرے کہ وہ جماع اور کمائی کرنے کے حق سے بھی کمزور ہو جائے۔ دیکھیں فتح الباری۔ اور خاوند پر بیوی کا یہ حق ہے کہ خاوند اس کے پاس رات بسر کرے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: جب اس کی بیوی ہو تو اس پر لازم اور ضروری ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی عذر نہیں تو وہ چار راتوں میں ایک رات اس کے پاس بسر کرے۔ (المغنی (28/7) اور کشف القناع (144/3)

اور بیوی کی حسب خواہش خاوند پر ہم بستری و جماع واجب ہے جب تک کہ خاوند کا بدن کمزور نہ ہو اور یا پھر اسے ایسا کرنا معیشت سے ہی روک دے۔

اور اگر وہ آپس میں تنازع کا شکار ہو جائیں تو خاوند پر قاضی نفقہ کی طرح اسے بھی مقرر کر دے گا اگر وہ اس میں زیادتی کرتا ہو (الاختیارات الفقھیہ ص 246)

شرعی طور پر مطلوب اور مقصود تو یہ ہے کہ خاوند کی ہم بستری کے ذریعہ سے بیوی کو فحاشی اور غلط کام سے بچایا جائے اور ہم بستری بھی بیوی کی خواہش اور اتنی ہو جس سے یہ بچاؤ ہو سکے، تو اس طرح اس کے لیے چار مہینہ یا اس سے زیادہ اور کم کی مدت مقرر کرنے میں کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ اس میں تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم بستری اتنی ہو جتنی کا حق خاوند ادا کر سکے اور بیوی کی جتنی خواہش ہو یہ تو عادی حالات اور خاوند کی موجودگی میں ہے کہ خاوند اپنی بیوی کے ساتھ رہائش پذیر ہو۔ لیکن اگر وہ سفر یا کسی اور کام اور تجارت وغیرہ یا کسی مشروع عذر کی بنا پر غائب ہے تو اس حالت میں خاوند کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ بیوی سے زیادہ مدت غائب نہ رہے۔

اور اگر اس کے غائب ہونے کا سبب مسلمانوں کے کسی نفع کی وجہ سے ہو مثلاً وہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلا ہوا ہے یا پھر مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہے تو اس میں ضروری ہے کہ اسے چار ماہ کے اندر اندر اپنے گھر واپس آنے کی اجازت دینی چاہیے تا کہ وہ کچھ مدت اپنے بیوی بچوں میں گزارے اور پھر دوبارہ سرحدوں پر یا جہاد میں واپس چلا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیاست اور حکم یہی تھا کہ انہوں نیفوجیوں اور سرحدی محافظوں کے لیے یہ مقرر کیا تھا کہ وہ اپنی بیویوں سے چار مہینے تک دور رہیں جب یہ مدت پوری ہو جاتی تو انہیں واپس بلا لیا جاتا اور ان کی جگہ ہر دوسروں کو بھیج دیا جاتا تھا: (المفصل فی احکام المراۃ (239/7)

چھوٹی اولاد کے نفقہ کا باپ پر واجب ہونے کا بیان

وَنَفَقَةُ الْأَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْأَبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيهَا أَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ أَحَدٌ وَإِنْ

كَانَ الْوَلَدُ رَضِيعًا فَلَيْسَ عَلَى أُمِّهِ أَنْ تُرْضِعَهُ وَيَسْتَأْجِرُ الْأَبُ مَنْ يُرْضِعُهُ عِنْدَهَا فَإِنِ اسْتَأْجَرَهَا، وَهِيَ زَوْجَةٌ أَوْ مُعْتَدَّةٌ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا مِنْهُ لَمْ يَجُزْ أَوْ مُعْتَدَّةً وَإِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَأْجَرَهَا عَلَى إِرْضَاعِهِ جَازَ وَإِنْ قَالَ الْأَبُ لَا أَسْتَأْجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْأُمُّ بِمِثْلِ أُجْرَةِ الْأَجْنَبِيَّةِ، وَتَجِبُ نَفَقَةُ الصَّغِيرِ عَلَى أَبِيهِ وَإِنْ خَالَفَهُ فِي دِينِهِ،

ترجمہ

چھوٹے بچوں کا نفقہ جن میں کوئی اور شامل نہ ہو وہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے۔ مثلاً جس طرح بیوی کے نفقہ میں شوہر کے ساتھ کوئی اور شامل نہیں ہوتا۔ جب بچہ شیر خوار ہے' تو ماں پر اسے دودھ پلانا لازم نہیں ہے بلکہ باپ اس کی ماں کے پاس کسی عورت کو اسے یعنی اس بچے کو دودھ پلانے کی خاطر اجرت پر لے گا۔ جب وہ اس عورت کو اجرت پر لے اس حال میں کہ وہ اس کی ہی بیوی ہو یا اس کی ہی عدت گزار رہی ہو' تو ایسی عورت کو اس کے بچے کو دودھ پلانے کی خاطر اجرت پر لینا جائز نہ ہوگا۔ جب اس کی عدت ختم ہو چکی ہو' تو پھر وہ اس عورت کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لے بھی لے' تو جائز ہوگا۔ جب باپ کہے کہ میں تو اس عورت کو اتنی اجرت پر نہیں لوں گا۔ اور وہ کوئی اور لے آئے۔ مگر ماں پہلی پر اتنی اجرت پر رضا مند ہو اتنی اجرت کہ جتنی اجنبیہ کی بنتی ہے' تو اس صورت میں ماں اس اجرت کی زیادہ حقدار ہوگی۔ اگر وہ زیادہ اجرت مانگے' تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا بچہ جبکہ باپ کے دین کے خلاف بھی ہو' تو بھی اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ جس طرح کہ بیوی جب شوہر کے دین کے خلاف بھی ہو۔ پھر بھی اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے۔

احادیث کے مطابق نفقہ اولاد کے دلائل کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ساری احادیث وارد ہیں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں اور بچوں اور خاص کر لڑکیوں پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ایک دینار اللہ تعالیٰ کے راستے میں آپ کا خرچ کرنا اور ایک وہ دینار ہے جو آپ نے غلامی کی آزادی کے لیے خرچ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے مسکین پر صدقہ کیا، اور ایک دینار وہ ہے جو آپ نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا، ان میں سے سب سے زیادہ اجر وثواب والا وہ ہے جو آپ نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا) (صحیح مسلم حدیث نمبر(995)

(۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (سب سے افضل دینار وہ ہے جو آدمی آپنے بچوں پر خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اپنے جانور پر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے، اور وہ دینار جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے دوست واحباب پر خرچ کرتا ہے) (صحیح مسلم حدیث نمبر(994)

(۳) حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں اہل عیال سے ابتداء کی گئی ہے، پھر ابوقلابہ کہتے ہیں کہ کہ اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرنے والے سے زیادہ اجر وثواب کا مالک کون ہوسکتا ہے جن بچوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے گا یا پھر ان کی بنا پر اللہ تعالیٰ اسے نفع دے اور انہیں غنی کردے۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: (تو کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے راستے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے تو تجھے اس پر اجر ثواب ملے گا حتی کہ وہ چیز بھی جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے (اس کا بھی اجر وثواب ملے گا) صحیح بخاری حدیث نمبر (1295) صحیح مسلم حدیث نمبر (1628)

(۵) حضرت ابومسعود البدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب آدمی اپنے گھر والوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے) صحیح بخاری حدیث نمبر (55) صحیح مسلم حدیث نمبر (1002)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بندے جب بھی صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو اور زیادہ عطا فرما اور اس کا نعم البلد دے اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کو اور کم عطا کر اور باقی ماندہ کو ضائع کردے)

صحیح بخاری حدیث نمبر (1442) صحیح مسلم حدیث نمبر (1010)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت مانگنے آء اور اسے کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں تو اس نے میرے پاس سوائے کھجور کے اور کچھ بھی نہ پایا تو میں نے وہی ایک کھجور اسے دے دی تو اس نے وہ کھجور دو حصوں میں تقسیم کر کے اپنی دونوں بچیوں کو دے دی اور خود کچھ بھی نہ کھایا اور پھر اٹھ کر چلی گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو میں نے انہیں یہ ماجرا سنایا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: (ان لڑکیوں کے بارہ میں جسے بھی آزمائش میں ڈالا جائے (یعنی جس کے ہاں بھی بیٹیاں ہوں) تو وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اچھی تربیت کرے تو وہ اس کیلیے آگ سے بچاؤ کا باعث ہوں گی) صحیح بخاری حدیث نمبر (1418) صحیح مسلم حدیث نمبر (2629)

نفقہ ولد کا باپ پر ہونے میں اہل علم کا اجماع

علامہ ابن قدامہ مقدسی حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ابن منذ کہتے ہیں: ہمیں اہل علم میں سے جتنے بھی یاد ہیں ان سب کا اس پر اجماع ہے کہ ان بچوں کا خرچہ جن کے پاس مال نہیں والد کے ذمہ ہے، اور اس لیے بھی کہ اولاد انسان کا ایک حصہ ہے اور والد کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

لہذا جس طرح اس کا اپنے آپ اور گھر والوں پر خرچہ کرنا واجب ہے اسی طرح اپنے بعض یعنی اولاد اور اپنی اصل یعنی ماں باپ پر خرچ کرنا بھی واجب ہے۔ (المغنی (8/171)

بچوں پر خرچہ کرنے میں کتاب وسنت اور اجماع دلیل اور اصل ہے۔

کتاب اللہ کے دلائل: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: (اگر تمہارے کہنے سے وہی دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دے دو) الطلاق (6)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رضاعت کی اجرت والد کے ذمہ واجب کی ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو دستور کے مطابق ہے) البقرۃ (233)

سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند رضی اللہ عنہا کو فرمایا: (جتنا تمہیں اور تمہارے اولاد کو اچھے طریقے سے کفایت کرے وہ لے لیا کرو) (صحیح بخاری حدیث نمبر (5364) صحیح مسلم حدیث نمبر (1714)

اور اجماع کی دلیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ علماء کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ چھوٹے بڑے بچوں کا خرچہ اس وقت تک والد کے ذمہ ہے جب تک وہ مستغنی نہیں ہو جاتے۔

علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ والد پر اس بیٹے کا کوئی خرچہ لازم نہیں جس کے پاس مال ہو اور وہ مستغنی ہو اگرچہ وہ عمر میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس پر بھی متفق ہیں کہ بیٹا جب بالغ ہو جائے اور کمانے پر قادر ہو تو والد پر اس کا خرچہ لازم نہیں۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر بیٹا فقیر اور بالغ ہو لیکن کمانے کی قدرت نہ رکھے تو اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ والد کے ذمہ اس کا خرچہ نہیں اس لیے کہ وہ کماء کرنے کی قدرت وطاقت رکھتا ہے۔

اور کچھ علماء کرام کا کہنا ہے کہ بیٹا اگر فقیر اور بالغ ہو چکا ہے وہ کمانے کی قدرت وطاقت رکھے والد پر اس کا خرچہ واجب ہے۔
اس میں وہ دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان لیتے ہیں: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ھند رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: اپنے اور اپنے بچوں کی کفایت جتنا مال لے لیا کرو)۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان میں بالغ اور صحیح کو مستثنی نہیں کیا، اور اس لیے کہ وہ بیٹا فقیر ہے جس کی بنا پر وہ خرچہ کا مستحق ہے کہ غنی والد اس پر خرچہ کرے جیسا کہ اگر بیٹا اندھا ہو یا مستقل مریض ہو۔ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا: والد غنی اور مالدار اور اس کا بیٹا تنگ دست ہو تو کیا غنی والد اپنے تنگ دست بیٹے پر خرچ کرے گا؟ ابن تیمیہ کا جواب تھا: جی ہاں اگر بیٹا فقیر ہو اور کمائی کرنے سے عاجز اور والد مالدار ہو تو بیٹے پر بہتر اور اچھے طریقے سے خرچہ کرنا لازم ہے۔ اھ یہ مختصر لکھا گیا ہے

علماء کرام کا اس پر بھی اختلاف ہے کہ اگر بیٹی بالغ ہو جائے تو کیا والد کے ذمہ اس کا خرچہ ہے کہ نہیں؟ اکثر علماء کرام کہ کہنا ہے کہ شادی تک اس پر خرچہ لازم ہے، اور یہی قول اقرب الی الصواب ہے اس لیے کہ وہ کمائی کرنے سے عاجز ہے، واللہ اعلم۔

علماء کرام کے کلام کا مجمل طور پر مفہوم یہی ہے، آپ کچھ نصوص اور ان کے دلائل جن سے علماء کرام نے استدلال کیا ہے مندرجہ ذیل کتب میں دیکھ سکتے ہیں (علماء شافعیہ: کتاب الام (8/340) (علماء مالکیہ: المدونہ (2/263) اور تبیین المسالک شرح تدریب المسالک (3/244)۔ علماء حنفیہ: المبسوط (5/223)۔ علماء حنابلہ: المغنی ابن قدامۃ (8/171)

حضانت کے حقوق کا فقہی بیان

وَإِذَا وَقَعَتُ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ وَبَيْنَهُمَا وَلَدٌ صَغِيرٌ فَالْأُمُّ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَتَزَوَّجُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمٌّ أَوْ

كَانَتْ إِلَّا أَنَّهَا تَزَوَّجَتْ فَأُمُّ الْأُمِّ أَوْلَى مِنْ أُمِّ الْأَبِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَأُمُّ الْأَبِ أَوْلَى مِنَ الْأَخَوَاتِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَالْأَخَوَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ وَتُقَدَّمُ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأُمِّ ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ ثُمَّ الْخَالَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَيَنْزِلْنَ كَمَا تَنْزِلُ الْأَخَوَاتُ، وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هَؤُلَاءِ سَقَطَ حَقُّهَا إِلَّا الْجَدَّةَ إِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدَّ ،

ترجمہ

اور جب زوجین کے درمیان جدائی ہوجائے تو بچے کی پرورش کے لئے اس کی ماں زیادہ حقدار ہوگی۔ جب ماں نہ ہو تو دادی سے نانی زیادہ حقدار ہوگی۔ جب نانی نہ ہو تو بہنوں سے دادی زیادہ حقدار ہوگی۔ جب دادی بھی نہ ہو، پھوپھیوں اور خالاؤں سے بہنیں زیادہ حقدار ہوں گی۔ مگر ان میں مقدم حقیقی بہن ہوگی۔ پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن ہوگی۔ پھر پھوپھیوں سے زیادہ خالاؤں کا حق ہوگا۔ اور ان میں وہی ترتیب ہوگی جو ترتیب بہنوں میں ہے۔ پھر اس ترتیب کے لحاظ سے پھوپھیاں ہوں گی۔ ان عورتوں میں سے جس نے شادی کرلی ہو تو اس کا پرورش کا حق جاتا رہے گا۔ ان میں نانی شامل نہ ہوگی مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کا شوہر بچے کا دادا ہوگا۔

حضانت کا فقہی مفہوم

جب پرندے انڈے پروں کے نیچے ڈھانپ لیتے ہیں تو عربی زبان میں اس کو کہا جاتا ھیے **حضن الطائر بیضہ** عورت کا پرورش کرنا ٹھیک اسی ممتا کا مظہر ہے جو ایک بے زبان مادہ کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ انڈوں یا چھوٹے بچوں کو اپنی آغوش محبت میں سمیٹ لے۔ حَضَنَ الطَّائِرُ بَيْضَهُ حَضْنًا مِنْ بَابِ قَتَلَ وَحِضَانًا بِالْكَسْرِ أَيْضًا ضَمَّهُ تَحْتَ جَنَاحِهِ

(المصباح المنیر ، ج ۲، ص ۴۰۷)

حق حضانت کے ثبوت شرعی کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور بولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرا بیٹا ہے۔ زمانہ حمل میں میرا پیٹ اس کا غلاف تھا اور زمانہ رضاعت میری چھاتی اس کے پینے کا برتن اور میری گود اس کا ٹھکانا۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی اور چاہتا ہے کہ اس بچہ کو مجھ سے چھین لے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 510)

امام بخاری حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ صلح حدیبیہ کے بعد دوسرے سال میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی چچا چچا کہتی پیچھے ہولیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں لے لیا اور ہاتھ پکڑ لیا پھر حضرت علی و زید بن حارثہ و جعفر طیار رضی اللہ عنہم میں ہر ایک نے

اپنے پاس رکھنا چاہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے ہی اسے لیا اور میرے چچا کی لڑکی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا، میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میری بی بی ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا، میرے (رضاعی) بھائی کی لڑکی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکی خالہ کو دلوائی اور فرمایا: کہ "خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اور حضرت علی سے فرمایا: کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے اور حضرت جعفر سے فرمایا: کہ تم میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہو اور حضرت زید سے فرمایا: کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۴۲۵۱)

پرورش کے لئے شرائط کا بیان

حق پرورش کے لیے ضروری ہے کہ جس کی پرورش کی جائے وہ نابالغ ہو اور اگر بالغ ہو تو معتوہ ہو (عقل و ہوش کے اعتبار سے متوازن نہ ہو)۔

بالغ اور ذی ہوش (رشید) لڑکے اور لڑکیاں والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہیں رہ سکتے ہیں، لڑکے ہوں تو ان کو تنہا بھی رہنے کا حق حاصل ہے، لڑکی ہو تو اس کو تنہا رہنے کی اجازت نہ ہوگی۔

حق پرورش کے لیے کچھ شرطیں وہ ہیں جو عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے ضروری ہیں، کچھ شرطیں مردوں سے متعلق ہیں اور کچھ عورتوں سے متعلق، عورتوں اور مردوں کے لیے مشترکہ اوصاف میں سے یہ ہے کہ پرورش کرنے والا عاقل و بالغ ہو۔

بعض لوگوں نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ فاسق نہ ہو، لیکن حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ فسق جتنا عام ہے، اس کے تحت اس قسم کی شرط لگانا بچوں کے حق میں مفید نہ ہوگا، اس لیے بھی کہ اکثر اوقات فاسق و فاجر ماں باپ بھی اپنے بچوں کے لیے فسق و فجور کی راہ کو پسند نہیں کرتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے عین قرین قیاس ہے، بشرطیکہ پرورش کرنے والی ایسی پیشہ ور فاسقہ نہ ہو کہ اس سے اپنے زیر پرورش بچوں کو غلط راہ پر ڈال دینا غیر متوقع نہ ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب تک بچوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا نہ ہو جائے کافرہ ماں کو بھی بچہ پر حق پرورش حاصل ہے، ہاں اگر عورت مرتد ہو جائے تو اس کو حق پرورش بھی باقی نہ رہے گا، غلامی بھی حق پرورش میں مانع ہے، غلام یا باندی اس حق سے محروم رہیں گے، کہ وہ بچہ کی مناسب پرورش و پرداخت کے لیے وقت فارغ نہیں کر سکتے۔

عورتوں کے لیے حق پرورش کی خاص شرط یہ ہے کہ وہ بچہ کی محرم رشتہ دار ہو۔

دوسرے اس نے کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو، جو اس زیر پرورش بچہ کا محرم نہ ہو، اگر ایسے اجنبی شخص سے نکاح کر لیا تو اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، ہاں اگر اس کا نیا شوہر بچہ کا محرم ہو، جیسے بچہ کے چچا سے نکاح کر لے، یا بچہ کی نانی اس کے دادا سے نکاح کر لے تو اس کے حق پرورش پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، روایت موجود ہے کہ ایک خاتون کو حق پرورش دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: انت احق به مالم تنكحي (سنن ابو داؤد)

مردوں کو حق پرورش حاصل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اگر زیر پرورش لڑکی کا مسئلہ ہو تو وہ مرد اس کا محرم ہوتا ہو، البتہ اگر کوئی دوسرا پرورش کنندہ موجود نہ ہو اور قاضی مناسب سمجھے اور مطمئن ہو تو وہ چچازاد بھائی کے پاس بھی لڑکی کو رکھ سکتا ہے، لڑکی کا حق پرورش جس کو دیا جائے ضروری ہے کہ وہ مرد امین اور قابل اعتماد ہو، یہاں تک کہ بھائی اور چچا ہی کیوں نہ ہو لیکن فسق وخیانت کی وجہ سے اس پر اطمینان نہ محسوس کیا جائے تو اسے حق پرورش حاصل نہ ہو سکے گا۔

حق حضانت میں محرماتی ترتیب کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ ماں اگر نہ ہو یا پرورش کی اہل نہ ہو یا انکار کر دیا یا اجنبی سے نکاح کیا تو اب حق پرورش نانی کے لیے ہے یہ بھی نہ ہو تو نانی کی ماں اس کے بعد دادی پردادی بشرائط مذکورہ بالا پھر حقیقی بہن پھر اخیافی بہن پھر سوتیلی بہن پھر حقیقی بہن کی بیٹی پھر اخیافی بہن کی بیٹی پھر خالہ یعنی ماں کی حقیقی بہن پھر اخیافی پھر سوتیلی پھر سوتیلی بہن کی بیٹی پھر حقیقی بھتیجی پھر اخیافی بھائی کی بیٹی پھر سوتیلے بھائی کی بیٹی پھر اسی ترتیب سے پھوپیاں پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ پھر ماں کی پھوپیاں پھر باپ کی پھوپیاں اور ان سب میں وہی ترتیب ملحوظ ہے کہ حقیقی پھر اخیافی پھر سوتیلی۔ اور اگر کوئی عورت پرورش کرنے والی نہ ہو یا ہو مگر اس کا حق ساقط ہو تو عصبات بہ ترتیب ارث یعنی باپ پھر دادا پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا پھر بھتیجے پھر چچا پھر اس کے بیٹے مگر لڑکی کو چچا زاد بھائی کی پرورش میں نہ دیں خصوصا جبکہ مشتہاۃ ہو اور اگر عصبات بھی نہ ہوں تو ذوی الارحام کی پرورش میں دیں مثلاً اخیافی بھائی پھر اُسکا بیٹا پھر ماں کا چچا پھر حقیقی ماموں۔ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیوں کو لڑکے کی پرورش کا حق نہیں۔

اگر چند شخص ایک درجہ کے ہوں تو اُن میں جو زیادہ بہتر ہو پھر وہ کہ زیادہ پرہیزگار ہو پھر وہ کہ اُن میں بڑا ہو حقدار ہے۔ (درمختار، باب حضانت، ج ۵، ص ۲۷۱، بیروت)

حق حضانت میں والدہ کے استحقاق کا بیان

پرورش کا حق عمر کی ایک حد تک عورتوں کو اور اس کے بعد مردوں کو حاصل ہوتا ہے، البتہ حق پرورش کے معاملہ میں شریعت نے عورتوں کے طبعی رفق، شفقت اور چھوٹے بچوں کی طبعی صلاحیت، نیز خود ماں کی ممتا اور اس کے جذبات مادری کی رعایت کرتے ہوئے عورتوں کو اولیت دی ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں: وَالْأَصْلُ فِيهَا النِّسَاءُ ، لِأَنَّهُنَّ أَشْفَقُ وَأَرْفَقُ وَأَهْدَى إلَى تَرْبِيَةِ الصِّغَارِ .(بدائع الصنائع فَصْلٌ: فِي بَيَانُ مَنْ لَهُ الْحَضَانَةُ)

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے اور مقدم ہے، اس کے بعد پھر جو رشتہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہو، چنانچہ ماں کے بعد نانی چاہے وہ بالائی پشت کی ہو، نانی نہ ہو تو دادی اور دادی میں بھی یہی ترتیب ہے، کہ دادی نہ ہو تو پردادی بہن سے زیادہ مستحق ہے، دادی کے بعد بہن، بہن کے بعد خالہ، خالہ کے بعد پھوپیوں کا درجہ ہے، بہن، خالہ، پھوپی، ان

سب میں یہ ترتیب بھی ہے کہ ماں باپ دونوں کی شرکت کے ساتھ جو رشتہ ہو وہ مقدم ہے، اس کے بعد ماں شریک اور اس کے بعد باپ شریک کا درجہ ہے۔

اگر خواتین میں کوئی مستحق نہ ہو تو پھر حق پرورش ان مردوں کی طرف لوٹے گا جو عصبہ رشتہ دار ہوں اور ان رشتہ داروں میں جو وارث ہونے کے اعتبار سے مقدم ہوگا وہی حق پرورش کا بھی ذمہ دار ہوگا، فقہاء نے مردوں میں حق پرورش کی ترتیب یوں لکھی ہے، باپ، دادا، پردادا وغیرہ، اس کے بعد حقیقی بھائی، پھر باپ شریک بھائی، پھر حقیقی بھتیجہ، پھر باپ شریک بھائی کا لڑکا، پھر حقیقی چچا، پھر باپ شریک چچا، پھر حقیقی چچازاد بھائی، اس کے بعد باپ شریک چچا کا لڑکا، بشرطیکہ جس کی پرورش کی جارہی ہو وہ لڑکا ہو، لڑکی نہ ہو ان کے بعد باپ کے چچا اور دادا کے چچا وغیرہ کا حق ہے۔

حق حضانت کا ماں کی طرف ہونے میں قاعدہ فقہیہ

ولاية الحضانة تستفاد من قبل الامهات ، (ہدایہ اولین ج ۲ ص ۴۱۴)

حضانت کی ولایت ماؤں کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے تو اس صورت میں بچے کی پرورش کا زیادہ حقدار اور اس پر شفقت کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے کیونکہ حق حضانت یعنی پرورش کا حق ماں کو دیا گیا ہے اور وہی زیادہ شفقت ورحم کرنے والی ہوتی ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یہ میرا بیٹا ہے جس کے لئے میرا بطن ٹھکانہ رہا، میری چھاتی نے اس کو سیراب کیا اور میری گود اس کے لئے پرورش گاہ رہی، اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور وہ مجھ سے چھیننا چاہتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تو کسی دوسرے سے نکاح کر لے۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱ ص ۳۱۰، دارالحدیث ملتان)

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ، ۲۳۳)

اس سے بھی یہ استنباط ہوتا ہے کہ پیداواری کا نفع ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا اس حکم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حضانت کی ولایت ماں کو حاصل ہے۔ (قواعد فقہیہ مع فوائد رضویہ، شبیر برادرز، لاہور)

بچے کو کب اختیار دیا جائے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ بچے کو اس کے باپ اور اس کی ماں کے درمیان اختیار دیا جائے۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو اسے اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا اپنی ماں

کے ساتھ رہنا چاہتا ہے لیکن یہ حدیث باب الحضانۃ سے بالکل نہیں ہے۔ (قوت المغتذی ج ۱ ص ۱۶۲، فاروقی کتب خانہ ملتان)

جب بچے کے اہل میں سے نہ ہوں

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ وَاخْتَصَمَ فِيهِ الرِّجَالُ فَأَوْلَاهُمْ بِهِ أَقْرَبُهُمْ تَعْصِيبًا وَالْأُمُّ وَالْجَدَّةُ أَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتَّى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ وَبِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَحِيضَ وَمَنْ سِوَى الْأُمِّ وَالْجَدَّةِ أَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتَّى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهَى وَالْأَمَةُ إِذَا أَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَأُمُّ الْوَلَدِ إِذَا أُعْتِقَتْ فَهِيَ فِي الْوَلَدِ كَالْحُرَّةِ وَلَيْسَ لِلْأَمَةِ وَأُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ، وَالذِّمِّيَّةُ أَحَقُّ بِوَلَدِهَا مِنْ زَوْجِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلِ الْأَدْيَانَ وَيُخَافُ عَلَيْهِ أَنْ يَأْلَفَ الْكُفْرَ وَإِذَا أَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ أَنْ تُخْرِجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذَلِكَ إِلَّا أَنْ تُخْرِجَهُ إِلَى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيهِ وَعَلَى الرَّجُلِ أَنْ يُنْفِقَ عَلَى أَبَوَيْهِ وَأَجْدَادِهِ وَجَدَّاتِهِ إِذَا كَانُوا فُقَرَاءَ وَإِنْ خَالَفُوهُ فِي دِينِهِ وَلَا تَجِبُ نَفَقَةٌ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ إِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْأَبَوَيْنِ وَالْأَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِي نَفَقَةِ أَبَوَيْهِ أَحَدٌ

ترجمہ

جب بچے کے لئے اس کے رشتہ داروں میں کوئی عورت نہ ہو اور مرد اس بارے میں جھگڑ پڑیں۔ تو ان میں سے قریبی عصبہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اور اس بچے کے خود کھانا' خود پینا' خود پہننا' اور خود استنجا کرنا شروع کر دینے تک ماں اور نانی اس کی حقدار رہوں گی اور لڑکی ہو تو اسے حیض آنے تک حقدار رہوں گی اور لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک ماں اور نانی کے علاوہ اور عورتیں حقدار رہوں گی۔ اور جب لونڈی کو اس کے مالک نے آزاد کر دیا ہو اور یونہی جب ام ولد آزاد ہو گئی ہو تو اب وہ بچے کے حق میں آزاد عورت کی طرح ہی ہوگی اور آزادی سے پہلے لونڈی اور ام ولد کو تو بچے کا کوئی حق نہیں۔ جب تک بچہ مذاہب وادیان کو سمجھنے نہ لگے' اور اس پر کفر سے مانوس ہونے کا خطرہ نہ ہو' اس وقت تک مسلمان شوہر کی بجائے ذمیہ عورت بچے کی زیادہ حق دار ہوگی۔ جب مطلقہ اپنے بچے کو شوہر کے پاس سے لے جانا چاہے' تو یہ جائز نہیں۔ صرف اسی صورت میں جائز ہے جب وہ اسے اپنے شوہر کے پاس سے نکال کر کے جہاں اس کے شوہر نے اس سے نکاح کیا تھا اپنے اس وطن کی طرف لے جا رہی ہو۔ جب آدمی کے والدین' آباء واجداد اور نانیاں غریب ہوں تو آدمی کے لئے ان پر خرچ کرنا لازم ہے۔ گو وہ اس کے دین کے خلاف ہوں۔ داداؤں' نانیوں' بیٹوں' پوتوں' والدین اور بیوی کے نفقہ کے علاوہ دین کے اختلاف کے باوجود نفقہ واجب نہیں ہوتا' اور والدین کے نفقہ میں بچہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا۔

شرح

یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس (بیوی)

ایک انصاری عورت تھی جس سے ان کے بیٹے عمر بن عاصم پیدا ہوئے، پھر بعد میں عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو چھوڑ دیا، ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ قبا گئے تو اپنے بیٹے عاصم کو مسجد کے صحن میں کھیلتے ہوئے پایا تو اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیا اتنی دیر میں بچے کی نانی عمر رضی اللہ عنہ تک آ پہنچی اور بچے کو لینے کی کوشش کرنے لگی حتی کہ دونوں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔اور عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا بیٹا ہے، اور عورت کہنے لگی یہ بیٹا میرا ہے، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ اسے اس عورت کو دے دیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی بات بھی نہ کی۔امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو موطا میں روایت کیا ہے۔(767/2) سنن بیہقی (5/8)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع اور متصل دونوں طریق سے مشہور ہے اور اہل علم نے اسے قبول کا درجہ دیا ہے۔اور بعض روایات میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ماں زیادہ مہربان اور رحم کرنے والی اور نرم دل، زیادہ محبت کرنے والی، زیادہ لائق اور جب تک شادی نہ کر لے وہ بچے کی زیادہ حقدار ہے۔اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ماں زیادہ مہربان اور رحمدل ہوتی ہے، اسی علت اور سبب سے ماں چھوٹے بچے کی زیادہ حقدار ہے،

حق حضانت کے بعد بچے کے رہنے میں فقہی مذاہب

مدت حضانت پوری ہونے کے بعد بچہ کس کے پاس رہے گا؟ اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔عہد نبوی کے بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اختیار دیا تھا کہ وہ ماں باپ، جس کے ساتھ چاہے، رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض مقدمات میں یہی فیصلہ کیا تھا، اس بنا پر شوافع اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدت حضانت ختم ہونے کے بعد باپ بچے کو اپنے پاس رکھنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔اس لیے کہ اسی کو اس کی کفالت اور تعلیم وتربیت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔باپ کی یہ ولایت بچے کے بالغ ہونے تک ہے۔اس کے بعد اسے اختیار ہوگا کہ وہ جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔ملحوظ رہے کہ بچے کی صحیح ڈھنگ سے تعلیم اور دینی واخلاقی تربیت کس کے پاس ہوسکتی ہے۔اگر باپ لاابالی ہو، یا کسی بنا پر بچے کی تعلیم وتربیت سے قاصر ہو اور ماں اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتی ہو تو بچے کو اسی کے پاس رہنے دیا جائے گا۔

حق پرورش میں عرفی احوال سے متعلق فقہی بیان

امام علامہ قاضی خاں حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت کے لیے حق پرورش ہے اُس کے پاس لڑکے کو اُس وقت تک رہنے دیں کہ اب اسے اُس کی حاجت نہ رہے یعنی اپنے آپ کھاتا پیتا، پہنتا، استنجا کر لیتا ہو، اس کی مقدار سات برس کی عمر ہے اور اگر عمر میں اختلاف ہو تو اگر یہ سب کام خود کر لیتا ہو تو اُس کے پاس سے علیحدہ کر لیا جائے ورنہ نہیں اور اگر باپ لینے سے انکار کرے تو جبراً اُس کے حوالے کیا جائے اور لڑکی اُس وقت تک عورت کی پرورش میں رہے گی کہ حد شہوت کو پہنچ جائے اس کی مقدار نو برس کی عمر ہے اور اگر اس عمر سے کم میں لڑکی کا نکاح کر دیا گیا جب بھی اُسی کی پرورش میں رہے گی جس کی پرورش میں ہے نکاح کر دینے سے حق

پرورش باطل نہ ہوگا، جب تک مرد کے قابل نہ ہو۔(فتاوىٰ خانیہ فصل فی حضانت، ج ۵، ص ۱۹۶، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

سات برس کی عمر سے بلوغ تک لڑکا اپنے باپ یا دادا یا کسی اور ولی کے پاس رہے گا پھر جب بالغ ہوگیا اور سمجھ وال ہے کہ فتنہ یا بدنامی کا اندیشہ نہ ہو اور تادیب کی ضرورت نہ ہو تو جہاں چاہے وہاں رہے اور اگر اِن باتوں کا اندیشہ ہو۔ اور تادیب کی ضرورت ہو تو باپ دادا وغیرہ کے پاس رہے گا خود مختار نہ ہوگا مگر بالغ ہونے کے بعد باپ پر نفقہ واجب نہیں اب اگر اخراجات کا متکفل ہو تو تبرع و احسان ہے۔

یہ حکم فقہی ہے مگر نظر بحالِ زمانہ خود مختار نہ رکھا جائے، جب تک چال چلن اچھی طرح درست نہ ہولیں اور پورا وثوق نہ ہولے کہ اب اس کی وجہ سے فتنہ و عار نہ ہوگا کہ آج کل اکثر صحبتیں مخرب اخلاق ہوتی ہیں اور نوعمری میں فساد بہت جلد سرایت کرتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

لڑکی نو برس کے بعد سے جب تک کوآری ہے باپ دادا بھائی وغیرہم کے یہاں رہے گی مگر جبکہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اُسے اختیار ہے جہاں چاہے رہے اور لڑکی ثیب ہے مثلاً بیوہ ہے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اُسے اختیار ہے، ورنہ باپ دادا وغیرہ کے یہاں رہے اور یہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ چچا کے بیٹے کو لڑکی کے لیے حقِ پرورش نہیں یہی حکم اب بھی ہے کہ وہ محرم نہیں بلکہ ضرور ہے کہ محرم کے پاس رہے اور محرم نہ ہو تو کسی ثقہ امانت دار عورت کے پاس رہے جو اُس کی عفت کی حفاظت کر سکے اور اگر لڑکی ایسی ہو کہ فساد کا اندیشہ نہ ہو تو اختیار ہے۔(ردمختار، کتاب طلاق، باب حضانت)

لڑکا بالغ نہ ہوا مگر کام کے قابل ہوگیا ہے تو باپ اُسے کسی کام میں لگادے جو کام سکھانا چاہے اُس کے جاننے والوں کے پاس بھیج دے کہ اُن سے کام سیکھے نوکری یا مزدوری کے قابل ہو اور باپ اُس سے نوکری یا مزدوری کرانا چاہے تو نوکری یا مزدوری کرائے اور جو کمائے اُس پر صرف کرے اور بچ رہے تو اُس کے لیے جمع کرتا رہے اور اگر باپ جانتا ہے کہ میرے پاس خرچ ہوجائے گا تو کسی اور کے پاس امانت رکھ دے۔ مگر سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور دین کی ضروری باتیں سکھائی جائیں روزہ و نماز و طہارت اور بیع و اجارہ و دیگر معاملات کے مسائل جن کی روزمرّہ حاجت پڑتی ہے اور ناواقفی سے خلافِ شرع عمل کرنے کے جرم میں مبتلا ہوتے ہیں اُن کی تعلیم ہو اگر دیکھیں کہ بچہ کو علم کی طرف رجحان ہے اور سمجھ دار ہے تو علم دِین کی خدمت سے بڑھ کر کیا کام ہے اور اگر استطاعت نہ ہو تو تصحیح و تعلیمِ عقائد اور ضروری مسائل کی تعلیم کے بعد جس جائز کام میں لگائیں اختیار ہے۔

لڑکے پر پرورش کرنے والی کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہو جاتا جس کا اندازہ سات سال عمر ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا اور لڑکی پر اس کا حق لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک ہے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔(درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دهلی)

ہر ذی رحم محرم کے لئے نفقہ ہونے کا بیان

وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ إِذَا كَانَ صَغِيرًا فَقِيرًا أَوْ كَانَتْ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيرَةً أَوْ كَانَ ذَكَرًا زَمِنًا أَوْ أَعْمَى فَقِيرًا أَوْ مَجْنُونًا فَقِيرًا فَيَجِبُ ذٰلِكَ عَلَى قَدْرِ الْمِيرَاثِ فَيَجِبُ ذٰلِكَ عَلَى قَدْرِ الْمِيرَاثِ وَتَجِبُ نَفَقَةُ الِابْنِ الزَّمِنِ وَالِابْنَةِ الْبَالِغَةِ عَلَى الْأَبَوَيْنِ ثَلَاثًا عَلَى الْأَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْأُمِّ الثُّلُثُ وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّينِ،

ترجمہ

ہر ذی رحم محرم کے لئے جب وہ چھوٹا ہو نفقہ واجب ہوتا ہے۔ یا نادار ہوں یا عورت ہو تو بالغ مگر مفلس ہو یا کوئی مرد ہو وہ اپاہج ہو یا اندھا ہو اور غریب ہو۔ یہ نفقہ میراث کی مقدار کے مطابق واجب ہوگا۔ بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ والدین پر بطریق ثلاث واجب ہوگا۔ اور وہ اس طرح سے ہے کہ باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی واجب ہوگا۔ مگر اختلاف دین پائے جانے کی صورت میں ان کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔

والدین کے نفقہ کے احکام ومسائل

اصول یعنی باپ دادا دادی نانا نانی (خواہ اس کے اوپر کے درجہ کے ہوں) اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات کی ذمہ داری اولاد پر ہے بشرطیکہ اولاد خوشحال وتونگر ہو اور خوشحال وتونگر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اولاد مالی طور پر اس حیثیت ودرجہ کی ہو کہ اس کو صدقہ وزکوۃ کا مال لینا حرام ہو اگر تونگر اولاد میں مذکر ومؤنث یعنی بیٹا اور بیٹی دونوں ہوں تو اس نفقہ کی ذمہ داری دونوں پر برابر ہوگی۔

محتاج شخص کا نفقہ واجب ہونے کے سلسلے میں قرب وجزئیت کا اعتبار ہے نہ کہ ارث کا مثلاً اگر کسی محتاج شخص کی بیٹی اور پوتا دونوں مال دار ہوں تو اس کا نفقہ بیٹی پر واجب ہوگا باوجودیکہ اس شخص کی میراث دونوں کو پہنچتی ہے اسی طرح اگر کسی محتاج شخص کی نواسی اور بھائی دونوں مالدار ہوں تو اس کا نفقہ نواسی پر واجب ہوگا اگرچہ اس شخص کی میراث کا مستحق صرف بھائی ہوگا۔

ذوی الارحام کے نفقہ کے احکام ومسائل

ہر مالدار شخص پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم محتاج ہو یا نابالغ ہو یا مفلس عورت ہو یا اپاہج ومعذور ہو یا اندھا ہو یا طالب علم ہو اور یا جہل وبیوقوفی یا کسی اور عذر کی بنا پر کمانے پر قادر نہ ہو اور اگر وہ مالدار شخص ان لوگوں پر خرچ نہ کرے تو اس کو خرچ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ مقدار میراث کے اعتبار سے واجب ہوتا ہے۔

اور میراث کی مقدار کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی محتاجی وتنگدستی کی وجہ سے اپنے ذی رحم محرم رشتہ داروں سے نفقہ حاصل کرنے کا مستحق ہے اگر اس کو مردہ تصور کر لیا جائے اور اس کی میراث کو اس کے ان ذی رحم محرم وارثوں پر تقسیم کیا جائے تو جس وارث کے حصہ میں میراث کی جو مقدار آئے گی وہی مقدار اس کے نفقہ کے طور پر اس ذی رحم محرم پر واجب ہوگی مثلاً زید ایک محتاج و

تنگدست شخص ہے اس کے قریبی اعزاء ہیں صرف تین متفرق بہنیں ہیں یعنی ایک تو حقیقی بہن ہے ایک سوتیلی بہن ہے اور ایک اخیافی بہن ہے ان تینوں بہنوں پر زید کا نفقہ واجب ہے جس کو وہ تینوں اس طرح پورا کریں گی کہ زید کا پورا نفقہ پانچ برابر برابر حصوں میں کر کے تین خمس تو حقیقی بہن کے ذمہ ہوگا ایک خمس سوتیلی بہن کے ذمہ ہوگا اور ایک خمس اخیافی بہن کے ذمہ ہوگا مقدار کی یہ تقسیم بالکل اسی طرح ہے جس طرح زید کے ترکہ میں سے ان بہنوں کے حصہ کی میراث کی تقسیم ہوگی۔

نیز اس سلسلہ میں مقدار میراث کا درحقیقت ہر وقت متعین ومعلوم ہونا شرط نہیں ہے بلکہ محض وراثت کی اہلیت کا ہونا شرط ہے چنانچہ اگر زید (جومحتاج ومفلس ہے) کا ایک ماموں ہے اور ایک چچازاد بھائی ہے اور وہ دونوں ہی مالدار ہیں تو زید کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہوگا۔ جو شخص محتاج ومفلس ہو اس پر کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ والدین ہوں یا ذی رحم محرم رشتہ دار لیکن بیوی اور اولاد کا نفقہ اس پر ہر حال میں واجب رہے گا۔

دین ومذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر نفقہ واجب نہیں ہوتا لیکن بیوی والدین دادا دادی اور اولاد اور اولاد کی اولاد خواہ مذکر ہوں یا مؤنث یہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کا نفقہ دین ومذہب کے اختلاف کے باوجود واجب ہوتا ہے۔

محتاج باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نفقہ کے لئے اپنے لڑکے کا مال یعنی اشیاء منقولہ بیچ سکتا ہے لیکن عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ جیسے زمین وباغات کو بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا اسی طرح اس لڑکے پر اگر باپ کا نفقہ کے علاوہ کوئی اور دین یعنی قرض ومطالبہ ہو تو اس کے لئے لڑکے کی اشیاء منقولہ کو بھی بیچنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ نیز ماں کو اپنے لڑکے کا بھی کوئی مال خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ بیچنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اور صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک تو باپ کو بھی اشیاء منقولہ کے بیچنے کا اختیار نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے، یا تو جسمانی یا دماغی۔

حضرت علقمہ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا۔ پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت دوسرے کی رضامندی کے بغیر ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم وکریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا، اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی اصلاح ہے۔

سورۃ طلاق میں فرمایا آیت (فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ)65۔الطلاق:6) اگر عورتیں بچے کو دودھ پلایا کریں

تو تم ان کی اجرت بھی دیا کرو اور آپس میں عمدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو، چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اب دوسری کسی دایہ سے اُجرت چکا کر دودھ پلوا دیں۔ لوگو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور یاد رکھو کہ تمہارے اقوال وافعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

بچے کے حق حفاظت میں مذاہب اربعہ

جب بچہ سات برس کا ہو جائے تو اسے والدین میں سے کسی کے ساتھ رہنے کا اختیار دیا جائے گا، اور وہ جسے زیادہ پسند کرتا ہے اسے اختیار کر کے اس کے ساتھ رہے گا، لیکن بچی سات برس کی ہو جائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے بھی اختیار دیا جائے گا. امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ماں زیادہ حقدار ہے حتی کہ بچی کی شادی ہو جائے یا حیض آ جائے" امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اس کی ماں زیادہ حقدار ہے، حتی کہ بچی کی شادی ہو جائے اور خاوند دخول کر لے" اور امام احمد کہتے ہیں: "اس بچی کا باپ زیادہ حقدار ہے؛ کیونکہ باپ اس کی حفاظت زیادہ کر سکتا ہے۔

(الموسوعة الفقهية (17 / 314-317)

کافر کے لئے حق پرورش نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی مقدسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی، امام احمد، امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے قول میں بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کافر نہیں کر سکتا۔ (المغنی (41211/

اس لیے اگر آدمی کے مسلمان رشتہ دار بہت زیادہ دور رہائش پذیر ہوں تو بچوں کو ان کے پاس بھیجا دیا جائے گا، اگر ایسا کرنا ممکن نہیں تو پھر ان بچوں کو کسی مسلمان گھرانے کے سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور پرورش کر سکے۔

پرورش کرنے والے کی بعض شرائط: اسلام: کافر پرورش نہیں کر سکتا۔ عقل: مجنون اور پاگل اور مدہوش شخص کو پرورش کا حق نہیں۔ بلوغت: چھوٹی عمر والا بھی پرورش نہیں کر سکتا۔ حسن تربیت: یعنی وہ تربیت بھی اچھی کر سکتا ہو اس لیے گندی تربیت کرنے والے کو بھی پرورش کا حق حاصل نہیں۔

ابن قیم کا کہنا ہے: مسلمان کی کافر دو وجوہات سے پرورش نہیں کر سکتا۔ پہلی: اس لیے کہ پرورش کرنے والا اپنے دین کے مطابق بچے کی پرورش کرنے پر حریص ہوتا ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ بچہ اس کے دین پر بڑا ہو اور تربیت حاصل کرے تو اس طرح اس کے لیے بڑا اور عقل مند ہونے کے بعد اس دین سے نکلنا مشکل ہو جائے۔ اور بعض اوقات تو وہ اس بچے کی فطرت ہی تبدیل کر ڈالتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے تو اس طرح وہ اس فطرت کی طرف کبھی بھی نہیں لوٹتا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے: (ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، (لیکن) اس کے والدین اسے یہودی یا پھر عیسائی، یا پھر مجوسی بنا ڈالتے ہیں)۔ تو اس لیے خدشہ ہے کہ مسلمان بچے کو کہیں وہ یہودی یا پھر عیسائی نہ بنا ڈالے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ: یہ

حدیث تو والدین کے بارہ میں خاص ہے۔اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ: حدیث میں غالب چیز کا ذکر ہے اس لیے کہ اکثر اور غالب طور پر بچہ اپنے والدین کے درمیان ہی پرورش پاتا ہے لیکن اگر اس کے والدین نہ ہوں یا پھر ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو ان کی جگہ اس کے رشتہ دار بچے کے ولی بنتے ہوئے پرورش کرتے ہیں۔

دوسری: بلا شبہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں اور کفار کے مابین دوستی اور موالاۃ ختم کردی ہے، اور مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا دوست اور ولی بنایا ہے، اور اسی طرح کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کے دوست ولی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ختم کردہ موالات کے اسباب میں سے سب سے قوی سبب پرورش ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے مابین ختم کیا ہے۔

(زادالمعاد (459/5)

مفلس شخص پر نفقہ کے عدم وجوب کا بیان

وَلَا تَجِبُ عَلَى فَقِيرٍ وَإِذَا كَانَ لِلابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيهِ بِنَفَقَةِ أَبَوَيْهِ فَإِنْ بَاعَ أَبَوَاهُ مَتَاعَهُ فِي نَفَقَتِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا كَانَ لِلابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِي يَدِ أَبَوَيْهِ فَأَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي يَدِ أَجْنَبِيٍّ وَأَنْفَقَ عَلَيْهِمَا مِنْهُ بِغَيْرِ أَمْرِ الْقَاضِي ضَمِنَ وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَذَوِي الْأَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ الْقَاضِي فِي الِاسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ وَعَلَى الْمَوْلَى أَنْ يُنْفِقَ عَلَى عَبْدِهِ وَأَمَتِهِ فَإِنِ امْتَنَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اكْتَسَبَا وَأَنْفَقَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ أُجْبِرَ الْمَوْلَى عَلَى نَفَقَتِهِمَا أَوْ بَيْعِهِمَا،

ترجمہ

اور ایک غریب پر بھی نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ جب غائب بیٹے کا کچھ مال ہو۔تو اس مال سے اس کے والدین کے نفقہ کا حکم لگایا جائے گا۔اور والدین نے اپنے نفقہ کی خاطر بیٹے کا سامان بھی بیچ ڈالا۔تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جائز ہے لیکن جب وہ زمین بیچ دیں تو یہ جائز نہیں۔ جب غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضے میں تھا پس انہوں نے اس میں سے خرچ کرلیا تھا تو اب وہ اس کے ضامن نہیں ہوں گے لیکن جب مال کسی اجنبی کے پاس تھا' اور اس نے قاضی کے حکم کے بغیر ہی اس میں سے اس کے والدین پر خرچ کردیا تو وہ ضامن ہوگا۔ جب قاضی نے بچوں کے والدین کے' اور ذوی الارحام کے نفقہ کا فیصلہ کردیا تھا۔لیکن مدت گزرگئی تو وہ ساقط ہو جائے گا۔مگر صرف اس صورت میں ساقط نہ ہوگا جب قاضی انہیں اس کی ذمہ داری پر قرض لے کر گزارہ کرتے رہنے کی اجازت دے دے۔ آقا پر اپنے غلام اور نوکرانی 'لونڈی پر خرچ کرنا واجب ہے۔ جب وہ اس سے رکا رہے اور ان کا اپنا کمایا ہوا کچھ مال ہو تو وہ اس میں سے کچھ اپنے آپ پر خرچ کرلیں۔ جب ان کی اپنی کوئی کمائی وغیرہ نہ ہو تو ان کے مالک پر ان کے بیچ دینے پر زور دیا جائے گا۔

شرح

عورت نے قاضی کے پاس آ کر بیان کیا کہ میرا شوہر کہیں گیا ہے اور مجھے نفقہ کے لیے کچھ دے کر نہ گیا تو اگر کچھ روپے یا غلہ چھوڑ گیا ہے اور قاضی کو معلوم ہے کہ یہ اُس کی عورت ہے تو قاضی حکم دیگا کہ اُس میں سے خرچ کرے مگر فضول خرچ نہ کرے مگر یہ قسم لے لے کہ اُس سے نفقہ نہیں پایا ہے اور کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوئی ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور عورت سے کوئی ضامن بھی لے۔ (فتاویٰ خانیہ، کتاب نفقہ)

شوہر کہیں چلا گیا ہے اور نفقہ نہیں دے گیا مگر گھر میں اسباب وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو نفقہ کی جنس سے نہیں تو عورت اُن چیزوں کو بیچ کر کھانے وغیرہ میں نہیں صرف کر سکتی۔ (عالم گیری، کتاب طلاق، باب نفقہ)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جس مقدار پر رضامندی ہوئی یا قاضی نے مقرر کی عورت کہتی ہے کہ یہ ناکافی ہے تو مقدار بڑھادی جائے یا شوہر کہتا ہے کہ یہ زیادہ ہے اس سے کم میں کام چل جائے گا کیونکہ اب ارزانی ہے یا مقرر ہی زیادہ مقدار ہوئی اور قاضی کو بھی معلوم ہوگیا کہ یہ رقم زائد ہے تو کم کردی جائے چند مہینے کا نفقہ باقی تھا اور دونوں میں سے کوئی مرگیا تو نفقہ ساقط ہوگیا ہاں اگر قاضی نے عورت کو حکم دیا تھا کہ قرض لیکر صرف کرے پھر کوئی مرگیا تو ساقط نہ ہوگا۔ طلاق سے بھی پیشتر کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے مگر جبکہ اسی لیے طلاق دی ہو کہ نفقہ ساقط ہو جائے تو ساقط نہ ہوگا۔ (درمختار، کتاب طلاق، باب نفقہ)

یہاں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے: اگر کوئی شخص، یعنی اجنبی شخص قاضی کے فیصلے کے بغیر' غیر موجود شخص کا مال اس کے والدین پر خرچ کر دیتا ہے اور پھر اس پر تاوان کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے' اور وہ تاوان ادا کر دیتا ہے' تو اب وہ اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی وصولی نہیں کر سکتا' اگرچہ اس نے پہلے رقم ان والدین پر ہی خرچ کی تھی' کیونکہ اس اجنبی شخص کا غیر موجود شخص کے والدین پر یہ خرچ کرنا بطور احسان ہوگا' عطیے کے طور پر ہوگا اور کیونکہ غیر موجود شخص کے والدین نے اس عطیے کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے' تو اب قبضہ میں لیے جانے کے بعد عطیہ واپس نہیں ہو سکتا' اس لیے وہ اجنبی شخص اس غیر موجود شخص کے والدین سے کوئی بھی رقم واپس نہیں لے سکے گا۔

قریبی شہر میں حق حضانت والے کے رہنے میں مذاہب اربعہ

عام حالات میں بچے کو وہیں رکھنا ضروری ہے جہاں اس کے باپ کا قیام ہو۔ اس لیے کہ شریعت نے باپ کو بچے کی تعلیم و تربیت اور مجموعی خبر گیری کا ذمہ دار بنایا ہے اور اسے بچے کو دیکھنے کا بھی حق حاصل ہے۔ اس لیے ماں باپ میں سے کوئی بھی اگر دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ یہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا مسلک ہے۔ احناف کے نزدیک ماں بچے کے ساتھ کسی دوسرے قریبی شہر میں رہ سکتی ہے، جہاں باپ کی بہ آسانی آمد و رفت ہو سکتی ہو۔ اسی طرح وہ اسے کسی دور دراز شہر میں بھی لے جا سکتی ہے اگر وہ شہر اس کا وطن ہو۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ، کویت)

بچے کے ماں باپ میں سے کوئی ایک دوسری جگہ منتقل ہو رہا ہو تو بچہ کس کے پاس رہے؟ اس سلسلے میں یہ دیکھا جائے گا کہ بچہ کا

کس کے پاس رہنا زیادہ بہتر اور مفید ہے اور کس کے پاس وہ زیادہ محفوظ رہے گا۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس کی دوسرے شہر منتقلی کہیں دوسرے فریق کو پریشان کرنے اور اس کو بچے سے محروم کرنے کے مقصد سے تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو بچے کو اس کے ساتھ نہیں بھیجا جائے گا۔ (فقہ السنۃ،) جب خاوند اور بیوی کا ملک علیحدہ علیحدہ ہو اور بچہ بھی پرورش کی عمر (یعنی سات برس کی عمر سے چھوٹا) میں ہو تو صحیح اور اصل یہی ہے کہ پرورش کا حق ماں کو ہے۔ اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ ذیل فرمان ہے: (جب تک نکاح نہ کرلے تو اس کی زیادہ حقدار ہے) سنن ابوداؤد حدیث نمبر (1938)

یہ تو اصل کے اعتبار سے ہوا، لیکن یہاں ایک اور اصل اور قاعدہ ہے کہ پرورش بچے کی مصلحت پر مبنی ہے: تو اگر ماں یا پھر باپ کے ساتھ سفر میں بچے کو ضرر اور تکلیف ہو تو بچے کی پرورش کا مسئلہ والد کے حق میں ہوگا کہ بچے کو سفر کی وجہ سے تکلیف نہ ہو، اور اگر ماں کے ساتھ ایک ملک سے دوسرے ملک سفر میں بچے کو کوئی ضرر اور تکلیف نہیں ہوتی تو اصلا پرورش کا حق ماں کو ہی حاصل رہے گا۔

حق حضانت والے بچے کی مسافت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زمانہ پرورش میں باپ یہ چاہتا ہے کہ عورت سے بچہ لے کر کہیں دوسری جگہ چلا جائے تو اُس کو یہ اختیار حاصل نہیں اور اگر عورت چاہتی ہے کہ بچہ کو لے کر دوسرے شہر کو چلی جائے اور دونوں شہروں میں اتنا فاصلہ ہے کہ باپ اگر بچہ کو دیکھنا چاہے تو دیکھ کر رات آنے سے پہلے واپس آسکتا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ ہے تو خود بھی نہیں جاسکتی۔ یہی حکم ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں یا گاؤں سے شہر میں جانے کا ہے کہ قریب ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور شہر سے گاؤں میں بغیر اجازت نہیں لے جاسکتی، ہاں اگر جہاں جانا چاہتی ہے وہاں اُس کا میکا ہے اور وہیں اُس کا نکاح ہوا ہے تو لے جاسکتی ہے اور اگر اُس کا میکا ہے مگر وہاں نکاح نہیں ہوا بلکہ نکاح کہیں اور ہوا ہے تو نہ میکے لے جاسکتی ہے، نہ وہاں جہاں نکاح ہوا، ماں کے علاوہ کوئی اور پرورش کرنے والی لے جانا چاہتی ہو تو باپ کی اجازت سے لے جاسکتی ہے۔ مسلمان یا ذمی عورت بچہ کو دارالحرب میں مطلقاً نہیں لیجاسکتی، اگرچہ وہیں نکاح ہوا ہو۔ عورت کو طلاق دیدی اُس نے کسی اجنبی سے نکاح کرلیا تو باپ بچہ کو اُس سے لے کر سفر میں لے جاسکتا ہے جبکہ کوئی اور پرورش کا حقدار نہ ہو ورنہ نہیں۔ جب پرورش کا زمانہ پورا ہو چکا اور بچہ باپ کے پاس آ گیا تو باپ پر یہ واجب نہیں کہ بچہ کو اُس کی ماں کے پاس بھیجے نہ پرورش کے زمانہ میں ماں پر باپ کے پاس بھیجنا لازم تھا ہاں اگر ایک کے پاس ہے اور دوسرا اُسے دیکھنا چاہتا ہے تو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاسکتا۔ (درمختار، باب حضانت، ج ۵، ص ۲۷۰، بیروت)

•••———•••———•••

کتاب العتق

﴿یہ کتاب غلام آزاد کرنے کے بیان میں ہے﴾

کتاب العتاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ طلاق اور عتاق میں مشترکہ مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں اسقاط مشترک ہے۔ کیونکہ عتاق میں ملک رقبہ کا اسقاط ہے جبکہ طلاق میں ملک بضع کے منافع کا اسقاط ہے۔ جس چیز سے ذمے سے ملکیت ساقط ہوجائے اس کو ابراء کہتے ہیں اور جس چیز سے ملکیت قصاص ساقط ہوجائے اس کو عفو کہتے ہیں۔ لہٰذا اسقاط کی مختلف اقسام وانواع کا باہمی امتیاز کی رعایت کرنے کے لئے فرق کرنا ضروری ہے۔ اور یہاں بعض کی اضافت کل کی طرف کی گئی ہے۔

(فتح القدیر، ج ۱۰، ص ۳۵، بیروت)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف نے کتاب طلاق کے بعد کتاب عتاق کو بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان میں سرایت ولزوم کے طور پر اسقاط برابر ہے۔ جس طرح طلاق میں ہے۔ یہاں تک کہ اس میں تعلیق صحیح ہے۔ پس بعض اعتاق کل اعتاق کی طرح ہوگیا ہے۔ بہر حال افساد خواہ بطور حقیقت ملکیت میں ہو وہ عتق میں ثبوت کے بعد طلاق کی طرح فسخ کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۲۶۵، بیروت)

طلاق کی ترتیب جس کو حدیث میں بھی ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم وہ بھی ذکر کررہے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: لا طلاق ولا عتاق فی غلاق (مسند احمد: ۲۷۶۶)

زبردستی کی کوئی طلاق اور آزادی نہیں ہے۔ اور اکراہ زبردستی میں شامل ہے، کیونکہ مجبور ومکرہ شخص تصرف کا حق کھو بیٹھتا ہے۔

عتاق کا لغوی وشرعی مفہوم

عتاق کا لغوی معنی ہے۔ آزاد کرنا، جبکہ اصطلاح شرعی میں مالک کا کسی غلام کو اپنی ملکیت سے آزاد کردینے کا نام عتاق ہے۔ عتق اور عتیق کا معنی آزادی ہے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا لقب مبارک عتیق ہے۔ اور اس لقب مبارک کا سبب یہ ہے۔ کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، جب آپ کی ولادت شریفہ ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ آپ کو بیت اللہ شریف لے گئیں اور دعا کی: "اے اللہ انہیں موت سے آزاد کر کے میری خاطر زندگی عطا فرمادے" دعا قبول ہوئی اور آپ کا لقب مبارک عتیق ہوگیا۔ (مختصر تاریخ دمشق جلد 13، ص 35، شرح مواہب زرقانی، ج 1، ص 445)

آزاد کرنے کا بیان

اَلْعِتْقُ يَصِحُّ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ وَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهِ أَوْ لِأَمَتِهِ أَنْتَ حُرٌّ أَوْ عَتِيقٌ أَوْ مُعْتَقٌ أَوْ مُحَرَّرٌ أَوْ قَدْ حَرَّرْتُكَ أَوْ أَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى الْمَوْلَى الْعِتْقَ أَوْ لَمْ يَنْوِ وَكَذٰلِكَ إِذَا قَالَ: رَأْسُكَ حُرٌّ أَوْ وَجْهُكَ أَوْ رَقَبَتُكَ أَوْ بَدَنُكَ وَكَذَا إِذَا قَالَ لِأَمَتِهِ فَرْجُكِ حُرٌّ وَإِنْ قَالَ: لَا مِلْكَ لِي عَلَيْكَ وَنَوَى بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يَعْتِقْ وَكَذٰلِكَ كِنَايَاتُ الْعِتْقِ وَإِنْ قَالَ: لَا سُلْطَانَ لِي عَلَيْكَ وَنَوَى الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ وَإِنْ قَالَ: هٰذَا ابْنِي وَثَبَتَ عَلَى ذٰلِكَ عَتَقَ أَوْ هٰذَا مَوْلَايَ أَوْ يَا مَوْلَايَ عَتَقَ وَإِنْ قَالَ يَا ابْنِي أَوْ يَا أَخِي لَمْ يَعْتِقْ وَإِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَهُ لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هٰذَا ابْنِي عَتَقَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ قَالَ لِأَمَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ يَنْوِي الْحُرِّيَّةَ لَمْ تَعْتِقْ،

ترجمہ

آزاد عاقل بالغ سے اس کی ملک میں آزادی واقع ہو جاتی ہے۔ پس جب اس نے اپنے غلام یا لونڈی سے کہا کہ تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا میں نے تجھے آزاد کیا تو آقا اس کی آزادی کی نیت کرے نہ کرے وہ آزاد ہو جائے گا۔ یونہی جب اس نے کہہ دیا کہ تیرا سر تیری گردن یا تیرا بدن آزاد ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یا اپنی لونڈی سے یہ کہے کہ تیری شرم گاہ آزاد ہے جب یہ بھی کہے کہ تم پر میری ملک نہیں ہے۔ اس سے آزادی کی نیت کرے تب تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ جب نیت نہ کی تو آزاد نہیں ہوگی۔ آزادی کے تمام کنائی الفاظ کا یہی حکم ہوگا۔ جب اس نے کہہ دیا کہ تم پر میرا غلبہ نہیں اور اس سے آزادی کی نیت کرے بھی تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ اور جب اس نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس پر قائم رہا یا کہے یہ میرا مالک ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ جب کہے کہ اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو اس سے وہ آزاد نہیں ہوگا۔ جب کسی غلام سے کہے کہ اس سے اس جیسا پیدا نہیں ہو سکتا یہ میرا بیٹا ہے۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ آزاد ہو جائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک آزاد نہیں ہوگا۔ جب اپنی لونڈی سے طلاق کی نیت کرتے ہوئے کہے کہ تو آزاد ہے تو وہ آزاد نہ ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلام کے آزاد ہونے کی چند صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اوس کے مالک نے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے یا اس کے مثل اور کوئی لفظ جس سے آزادی ثابت ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ ذی رحم محرم اوس کا مالک ہو جائے تو ملک میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ سوم یہ کہ حربی کافر مسلمان غلام کو دارالاسلام سے خرید کر دارالحرب میں لے گیا تو وہاں پہنچتے ہی آزاد ہو گیا۔

طلاق کی طرح اس میں بھی بعض الفاظ صریح ہیں بعض کنایہ۔ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں بلکہ اگر کسی اور نیت سے کہے جب بھی آزاد ہو جائے گا۔ صریح کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تُو آزاد ہے۔ حُر ہے۔ اے آزاد۔ اے حُر۔ میں نے تجھ کو آزاد کیا، ہاں اگر

اس کا نام ہی آزاد ہے اور اے آزاد کہا یا نام حُر ہے اور اے حُر کہہ کر پکارا تو آزاد نہ ہوا اور اگر نام آزاد ہے اور اے حُر کہہ کر پکارا یا نام حُر ہے اور اے آزاد کہہ کر پکارا تو آزاد ہو جائے گا۔ یہ الفاظ بھی صریح کے حکم میں ہیں۔ نیت کی ضرورت نہیں، میں نے تجھے تجھ پر صدقہ کیا یا تجھے تیرے نفس کو ہبہ کیا، میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا ان میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ غلام قبول کرے۔

(درمختار، کتاب العتاق)

صریح محتاج نیت نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ

صاحب ہدایہ کے مذکورہ متن سے یہ قاعدہ فقہیہ اخذ ہوتا ہے کہ جہاں کلام میں صراحت مذکور ہو تو اس وقت کسی قسم کی نیت یا دلالت کی محتاجگی نہیں ہوتی کیونکہ صراحت میں خود اس قدر قوت ہے کہ وہ دلالت و نیت سے بے نیاز کر دینے والی ہے۔

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں قاعدہ فقہیہ

لا عبرة لدلالة فی مقابلة التصریح ۔ (الاشباه)

صراحت کے مقابلے میں دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی کلام میں صراحت پائی جا رہی ہو اور مخاطب من کل الوجوہ ادارک کر رہا ہو تو ایسی صورت میں کسی بھی دلالت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مشرکین کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدیں تعمیر کریں حالانکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کے اعمال اکارت جائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ (التوبہ ۱۷)

اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے، مساجد کو بنانے، اس کے مصالح کا انتظام کرنے اور ان کا نگران بننے سے روک دیا جائے کیونکہ لفظ تعمیر ان دونوں کو شامل ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۸۷ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اس نص صریح سے معلوم ہوا کہ مساجد کی تعمیر و ترقی کے لئے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز نہیں اگر چہ دلالت کا تقاضہ مفاد ہے جیسا کہ مفتی شفیع دیوبندی اور بدعقیدہ لوگوں نے کافروں سے چندہ وصول کرنا جائز قرار دیا ہے۔

اگر صراحت معدوم ہو تو دلالت معتبر ہوگی:

اگر کسی شخص نے گوشت خریدنے کے لئے وکیل بنایا اور وہ وکیل بنانے والا مسافر ہے اور راستے پر ٹھہرا ہوا ہے تو وکیل کے لئے یہ حکم ہوگا کہ وہ پکا ہوا گوشت لیکر آئے کیونکہ اس کے حال کی دلالت یہی ہے کہ وہ سفر میں ہے اور اگر وہ شخص مقیم ہے تو پھر گوشت خریدنے کے لئے اس نے جو وکیل بنایا ہے وہ کچا گوشت خرید کر لائے اور ان دونوں صورتوں میں عدم صراحت کی وجہ سے حکم دلالت کے مطابق ہوگا۔ (اصول شاشی)

غلام کوآزاد کی طرح کہنے کا بیان

وَإِنْ قَالَ لِعَبْدِهِ : أَنْتَ مِثْلَ الْحُرِّ لَمْ يَعْتِقْ وَإِنْ قَالَ : مَا أَنْتَ إِلَّا حُرٌّ عَتَقَ وَإِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ وَإِذَا أَعْتَقَ الرَّجُلُ بَعْضَ عَبْدِهِ عَتَقَ ذَلِكَ الْبَعْضُ وَسَعَى فِي بَقِيَّةِ قِيمَتِهِ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا يَعْتِقُ كُلُّهُ وَإِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَأَعْتَقَ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ عَتَقَ فَإِنْ كَانَ مُوسِرًا فَشَرِيكُهُ بِالْخِيَارِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيكَهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَإِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِيكُ بِالْخِيَارِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَيْسَ لَهُ إِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ أَوْ السِّعَايَةِ مَعَ الْإِعْسَارِ

ترجمہ

جب اپنے غلام سے کہے کہ تو آزاد کی طرح ہے تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔ جب کہے تو نہیں مگر آزاد تو اس سے وہ آزاد ہو جائے گا۔ جب بھی کوئی آدمی اپنے کسی ذی محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ جب کسی مالک نے اپنے کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور باقی حصہ کی آزادی کے لئے آقا کے لئے کمائی کرے گا۔ یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ پورا آزاد ہو جائے گا۔ جب کسی غلام میں دو آدمی شریک ہوں ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کرائے تو اس کا حصہ کا آزاد ہو جائے گا۔ اب جب آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اسے اختیار ہوگا کہ جب چاہے تو اسے آزاد کر دے چاہے تو اپنے شریک سے اپنے حصہ کی قیمت کا جرمانہ لے لے۔ اور جب چاہے تو غلام سے سعایت کرا لے یعنی یہ کہ وہ آزادی کے لئے اس کی خاطر کام کرے گا۔ صدقات جمع کرے گا۔ اور یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جرمانہ اس کے لئے صرف مالداری کی صورت میں ہی ہوگا۔ اور سعایت مفلس و غربت کی صورت میں ہوگی۔

شرح

علامہ ابن عابدین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر اس نے یوں کہا کہ میں نے تجھے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچا تو اب قبول کی ضرورت ہوگی اگر قبول کریگا تو آزاد ہوگا اور اتنے دینے پڑینگے۔ آزادی کو کسی ایسے جز کی طرف منسوب کیا جو پورے سے تعبیر ہے مثلاً تیرا سر۔ تیری گردن۔ تیری زبان آزاد ہے تو آزاد ہو گیا اور اگر ہاتھ یا پاؤں کو آزاد کہا تو آزاد نہ ہوا اور اگر تہائی، چوتھائی، نصف وغیرہ کو آزاد کیا تو اتنا آزاد ہو گیا اگر غلام کو کہا یہ میرا بیٹا ہے یا لونڈی کو کہا یہ میری بیٹی ہے اگرچہ عمر میں زیادہ ہوں یا غلام کو کہا یہ میرا باپ یا دادا ہے یا لونڈی کو کہا کہ یہ میری ماں ہے اگرچہ ان کی عمر اتنی نہ ہو کہ باپ یا دادا یا ماں ہونے کے قابل ہوں تو ان سب صورتوں میں آزاد ہیں اگرچہ اس نیت سے نہ کہا ہو۔ اور اگر کہا اے میرے بیٹے، اے میرے بھائی، اے میری بہن، اے میرے باپ تو بغیر نیت آزاد نہیں۔ کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تو میری ملک نہیں۔ تجھ پر مجھے راہ نہیں۔ تو میری ملک سے نکل گیا ان میں

بغیر نیت آزاد نہ ہوگا۔ اگر کہا تو آزاد کی مثل ہے تو اس میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔ (ردمحتار، کتاب عتاق)

دو آدمیوں کا کسی بیٹے کو خریدنے کا بیان

وَإِذَا اشْتَرَى رَجُلَانِ ابْنَ أَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيبُ الْأَبِ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ إِذَا وَرِثَاهُ وَالشَّرِيكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْتَقَ نَصِيبَهُ وَإِنْ شَاءَ اسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَإِذَا شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيكَيْنِ عَلَى الْآخَرِ بِالْحُرِّيَّةِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ مُوسِرَيْنِ كَانَا أَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ إِذَا كَانَا مُوسِرَيْنِ فَلَا سِعَايَةَ وَإِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعَى لَهُمَا وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُوسِرًا، وَالْآخَرُ مُعْسِرًا سَعَى لِلْمُوسِرِ وَلَمْ يَسْعَ لِلْمُعْسِرِ

ترجمہ

اور جب دو اشخاص نے آپس میں سے کسی ایک کے بیٹے کو خریدا تو باپ والا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اس پر کوئی جرمانہ بھی نہیں ہوگا۔ یونہی جب وہ دونوں اس کے وارث بنے ہوں تو بھی شریک کو اختیار ہوگا۔ جب چاہے تو اپنا حصہ آزاد کرالے۔ چاہے تو غلام سے سعایت کرالے جب دو شریکوں میں سے ہر ایک دوسرے پر آزادی کی گواہی دے دے۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غلام ان میں سے ہر ایک کے لئے اس کے حصہ میں سعایت کرے گا۔ وہ چاہے مالدار ہوں یا غریب۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب وہ مالدار ہوں تو پھر سعایت نہ ہوگی۔ جب وہ غریب ہو تو پھر وہ غلام دونوں کے لئے سعایت کرے گا۔ جب ایک مالدار اور دوسرا غریب ہو تو مالدار کے لئے تو سعایت کرے گا مگر غریب و نادار کے لئے نہیں کرے گا۔

بعض آزادی کے اعتبار کا بیان

حضرت ابوملیح (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہ ابن عمیر صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کا کوئی شریک نہیں ہے" اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 582)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہئے۔ لہٰذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا بایں طور کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

غلام سے سعایہ لینے متعلق فقہی تصریحات

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی غلام (مشترک) میں سے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تو اسے چھڑانا اس کے مال میں ہے اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو غلام کی درمیانی قیمت لگائی جائے گی اور دوسرے حصہ کے شرکاء کے حصوں کی قیمت کے برابر غلام سے مزدوری کرائی جائے گی بغیر اس پر مشقت ڈالے ہوئے امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ پھر غلام سے محنت مزدوری کروائی گئی بغیر مشقت ڈالے ہوئے اس پر۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 547)

احادیث سے واضح ہے کہ کسی غلام سے اتنا ہی کام اور وہی کام لیا جا سکتا ہے جو اس کی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے مطابق ہو۔ اگر وہ کوئی کام سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو مالک پر لازم ہے کہ وہ خود اس کی مدد کرے۔ ایسے مالک کو اللہ تعالیٰ بہت اجر سے نوازے گا۔

أخبرنا أبو يعلى قال حدثنا أبو خيثمة قال حدثنا عبد الله بن يزيد قال حدثني سعيد بن أبي أيوب قال حدثني أبو هانء قال حدثني عموو بن حريث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما خففت عن خادمك من عمله كان لك اجرا في موازينك. (صحيح ابن حبان، حديث (4314)

عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا، "جو اپنے خادم کے کام میں کمی کرتا ہے، اسے اس کا اجر اپنے اعمال کے وزن کے وقت ملے گا۔"

امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی غلام پر بوجھ لادنے سے متعلق ہوئے فرماتے ہیں:

قال شافعي: و معنى قوله "لا يكلف من العمل الا ما يطيق" يعني . . والله اعلم . .: الا ما يطيق الدوام عليه، لاما يطيق يوما اور يومين، او ثلاثه، و نحو ذلك ثم يعجز . و جملة ذلك ما لا يضر ببدنه الضرر البين، فان عمي او زمن، انفق عليه مولاه، و ليس له ان يسترضع الامة غير ولدها الا ان يكون فيها فضل عن ربه، او يكون ولدها يغتذى بالطعام، فيقيم بدنه، فلا باس به . (بغوى، شرح السنة، كتاب النكاح)

حضرت امام شافعی کہتے ہیں، اس ارشاد کہ "غلام پر کام کا اتنا ہی بوجھ لادا جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔" کا معنی یہ ہے، (اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے) کہ اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جس کا ہمیشہ کرتے رہنا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایک، دو یا تین دن کسی کام کو تو کر لے اور اس کے بعد (بیمار پڑ کر) اس سے عاجز آ جائے۔ اس میں وہ تمام کام شامل ہیں جن کے نتیجے میں اس کی صحت کو واضح نقصان پہنچ سکتا ہو جیسے وہ کسی کام کے نتیجے میں نابینا ہو جائے یا بیمار پڑ جائے۔

(بیماری کی صورت میں) مالک پر لازم ہے کہ وہ اس پر خرچ کرے۔ اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی لونڈی کو اپنے بچے کے علاوہ دوسرے کسی بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے سوائے اس کے کہ اس پر اپنے رب کا فضل ہو (یعنی ایک بچے کی

ضرورت سے زیادہ دودھ اترتا ہو)، یا پھر اس کا اپنا بچہ کچھ اور کھا کر نشو ونما پا رہا ہو (اور اس کا دودھ فالتو ہو گیا ہو) تو پھر کسی اور کے بچے کو دودھ پلانے میں حرج نہیں ہے۔

اللہ کی رضا کے لئے غلام کو آزاد کرنے کا بیان

فَإِنْ وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی أَوْ لِلشَّيْطَانِ أَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ وَعِتْقُ الْمُكْرَهِ ، وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَإِذَا قَالَ أَضَافَ الْعِتْقَ إِلٰی مِلْكٍ أَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا يَصِحُّ فِي الطَّلَاقِ وَإِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ إِلَيْنَا مُسْلِمًا عَتَقَ وَإِذَا أَعْتَقَ جَارِيَةً حَامِلًا عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا وَإِنْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ وَلَمْ تَعْتِقِ الْأُمُّ وَإِذَا أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلٰی مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ ذٰلِكَ عَتَقَ وَلَزِمَهُ الْمَالُ وَإِنْ قَالَ : إِنْ أَدَّيْتَ إِلَيَّ أَلْفًا فَأَنْتَ حُرٌّ صَحَّ وَلَزِمَهُ الْمَالُ وَصَارَ مَأْذُونًا أَحْضَرَ الْمَالَ أُجْبِرَ الْمَوْلٰی عَلٰی قَبْضِهِ وَعَتَقَ الْعَبْدُ وَوَلَدُ الْأَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ وَوَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوكٌ لِسَيِّدِهَا وَوَلَدُ الْحُرَّةِ مِنَ الْعَبْدِ حُرٌّ،

ترجمہ

جس نے اللہ تعالیٰ یا شیطان مردود یا بت کے لئے اپنا غلام آزاد کیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ مجبور اور نشہ میں بے خود کے آزاد کرنے سے بھی آزادی واقع ہو جاتی ہے۔ جب کوئی آزادی کو مالک یا شرط کی جانب منسوب کر دے تو یہ درست ہے۔ جیسے یہ طلاق میں درست ہوتا ہے۔ جب کسی حربی کا غلام دارالحرب سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آ جائے تو اب وہ آزاد ہوگا۔ جب کسی نے حاملہ لونڈی کو آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گی اور اس کا حمل بھی آزاد ہوگا۔ جب خاص کر کے حمل کو آزاد ہو تو حمل تو آزاد کیا ہو گا مگر اس کی ماں آزاد نہ ہوگی۔ جب کسی نے مال کے بدلے غلام کو آزاد کیا' اور اس غلام نے یہ قبول بھی کر لیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ وہ مال دینا اسے لازم ہوگا۔ جب کوئی غلام سے کہے' تو مجھے ایک ہزار روپے دیدے' تو' تو آزاد ہے' تو ایسا کر لینا صحیح ہوگا۔ مال اسے لازم ہو جائے گا۔ اور اجازت دیا گیا ہو جائے گا اس کے بعد جب وہ غلام مال پیش کر دے تو حاکم اس کے مالک کو مال لینے پر مجبور کرے گا۔ اور وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ لونڈی کا وہ بچہ جو اس کے مالک سے ہو وہ تو آزاد ہوگا مگر اس کا جو بچہ اس کے شوہر سے ہوگا وہ بھی اس کے مالک کا غلام ہوگا۔ اور آزاد عورت کا بچہ جو کسی غلام سے بھی ہو' تو وہ آزاد ہوگا۔

غلام کو آزاد کرنے پر گواہ بنانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے راستہ میں یہ شعر کہے درازی شب اور اس کی سختیوں سے شکایت ہے۔ مگر یہ کہ دار الکفر سے اس نے نجات دلائی پھر انہوں نے بیان کیا کہ میرا غلام راستے ہی سے بھاگ گیا جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو میں نے آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اس وقت میرا غلام آ نکلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہ یہ تیرا غلام ہے تو میں نے کہا وہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے اور میں نے اس کو آزاد کر دیا ابو کریب نے ابو اسامہ سے جو روایت کی اس میں یہ نہیں بیان کیا کہ وہ آزاد ہے۔ (صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2383)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب اسلام قبول کرنے کے ارادہ سے ابو ہریرہ نکلے اور ان کے ساتھ ان کا غلام بھی تھا ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا ہو گیا کچھ دنوں کے بعد وہ غلام آیا اس حال میں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تیرا غلام ہے جو تیرے پاس آیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ وہ آزاد ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ کر یہ شعر کہہ رہے تھے۔ درازی شب اور اس کی سختیوں سے شکایت ہے مگر یہ کہ دار الکفر سے اس نے نجات دلائی۔

(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2382)

حالانکہ آزادی کے لیے گواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اس لیے بیان کیا کہ باب کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے اپنے غلام کو آزاد کیا تھا۔ بعضوں نے کہا امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ غلام کو یوں کہنا وہ اللہ کا ہے اس وقت آزاد ہوگا جب کہنے والے کی نیت آزاد کرنے کی ہو اگر کچھ اور مطلب مراد رکھے تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ آزاد کرنے کے لیے بعض الفاظ تو صریح ہیں جیسے کہ وہ آزاد ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ بعضے کنایہ ہیں جیسے وہ اللہ کا ہے یعنی اب میری ملک اس پر نہیں رہی، وہ اللہ کی ملک ہو گیا۔

غلام و باندی کی شہادت میں مذاہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے، شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے، سوا اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (کیوں کہ اس میں مالک کی طرف داری کا احتمال ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم سب لونڈی غلام ہو، اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عادل اور ثقہ ہوں، گواہی مقبول ہے۔ مگر ائمہ ثلاثہ نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عادل ثقہ ہوں ثابت فرما رہے ہیں۔

مشترکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

اگر باندی دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے تو ان دونوں کا باندی سے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی شادی شدہ باندی سے جماع حرام ہے اور اس پر فقہاء اربعہ کا اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ المغنی میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں: اگر مالک اپنی لونڈی کی شادی کر دے تو مالک کا اس کے ساتھ جماع کرنا حرام ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں:

شادی شدہ لونڈی سے جماع کی تحریم میں کوئی شک وشبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے، وہ تو صرف خاوند کے لیے مباح ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ایک عورت دو مردوں کے لیے حلال نہیں اگر مالک نے اس سے جماع کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اسے تعزیر کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اور ایک جگہ پر ان کا قول ہے: امام احمد رحمہ اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور سنگسار نہیں کیا جائے گا، یعنی اسے کوڑوں کی صورت میں تعزیر لگائی جائے گی۔ (المغنی لابن قدامہ (497/9))

•••-----•••-----•••

كِتَابُ التَّدْبِيرِ

﴿یہ کتاب مدبر غلام کے بیان میں ہے﴾

کتاب تدبیر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ آزادی سے متعلق وہ احکام جو زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب انہوں نے آزادی سے متعلق موت سے متعلق ہونے والے احکام کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور اس کی وجہ مناسبت یعنی فقہی مطابقت ظاہر ہے۔اور مطابقت فقہی کی سب سے اچھی دلیل یہ ہے کہ یہ مقید ہے اور مقید مرکب ہوتا ہے اور مرکب ہمیشہ مفرد سے مؤخر ہوتا ہے کیونکہ اس سے سابق باب عتق معلق بہ حلف میں سارے مسائل جو مقید ہیں لیکن ان کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں غلام کی آزادی کے تمام مسائل کو موت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔اور اسی طرح تدبیر کا معنی امور کے بعد نظر کرنا ہے۔(فتح القدیر، ج ۱۰،ص ۲۸۱، بیروت)

مدبر غلام کا فقہی مفہوم

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدبر اس کو کہتے ہیں جس کی نسبت مولیٰ نے کہا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے یا یوں کہا کہ اگر میں مرجاؤں یا جب میں مروں تو تو آزاد ہے غرض اسی قسم کے وہ الفاظ جن سے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا ثابت ہوتا ہے۔(جوہرہ نیرہ، کتاب عتاق، باب تدبیر)

آزادی کو موت سے معلق کرنے کا بیان

إِذَا قَالَ الْمَوْلَى لِعَبْدِهِ إِذَا مِتُّ فَأَنْتَ حُرٌّ أَوْ أَنْتَ حُرٌّ عَنْ دُبُرٍ مِنِّي أَوْ أَنْتَ مُدَبَّرٌ أَوْ قَدْ دَبَّرْتُكَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا وَلَا يَجُوزُ لَهُ بَيْعُهُ وَلَا هِبَتُهُ وَلَا تَمْلِيكُهُ وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَسْتَخْدِمَهُ وَيُؤَاجِرَهُ وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً وَطِئَهَا وَلَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ الْمُدَبَّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ إِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ سَعَى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهِ فَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ يَسْتَغْرِقُ قِيمَتَهُ سَعَى فِي جَمِيعِ قِيمَتِهِ لِغُرَمَائِهِ وَوَلَدُ الْمُدَبَّرَةِ مُدَبَّرٌ فَإِنْ عَلَّقَ التَّدْبِيرَ بِمَوْتِهِ عَلَى صِفَةٍ مِثْلِ أَنْ يَقُولَ : إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هَذَا أَوْ سَفَرِي هَذَا أَوْ مِنْ مَرَضِ كَذَا فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يَعْتِقُ الْمُدَبَّرُ

ترجمہ

جب کسی آقا نے اپنے غلام سے کہہ دیا کہ جب میں مر جاؤں تو' تو آزاد ہے یا میرے بعد تو آزاد ہے یا تو مدبر ہے' یا میں نے تجھے مدبر کر دیا ہے۔ تو وہ مدبر ہو جائے گا۔ اب اس کی بیع کرنا اسے ہبہ کرنا' اور اسے اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں مگر اس کا مالک اس سے خدمت لے سکتا ہے' اور اسے مزدوری پر دے سکتا ہے۔ جب لونڈی ہو' تو اس سے وطی کر سکتا ہے' اور اس سے شادی کر سکتا ہے۔ جب آقا فوت ہو' تو مدبر اس کے تہائی مال سے آزاد ہو جائے گا۔ جب وہ تہائی مال سے نکل سکتا ہو' تو۔ جب مدبر کے علاوہ اس کا کوئی مال ہی نہ ہو' تو وہ اپنی قیمت کے دو تہائی میں کوشش کرے گا۔ جب آقا کے ذمہ اتنا قرض ہو کہ وہ اس کی قیمت کو بھی تباہ کر دے گا۔ تو وہ قرض خواہوں کے لئے اپنی ساری قیمت میں سعایت کرے گا۔ مدبر کا بچہ مدبر ہی ہوگا۔ جب آقا نے تدبیر کو اپنی موت کے ساتھ مزید کسی صفت کے ساتھ معلق کر دیا۔ مثال کے طور پر اس نے کہہ دیا کہ جب میں اپنی اس بیماری یا اس سفر یا فلاں بیماری میں فوت ہو گیا تو وہ مدبر نہیں۔ پس اسے بیچ دینا جائز ہوگا۔ اس کے بعد جب آقا وہ صفت جو اس نے ذکر کی تھی اس پر فوت ہو گیا تو وہ بھی مدبر کے آزاد ہونے کی طرح آزاد ہو جائے گا۔

مدبر کی اقسام کا فقہی بیان

مدبر کی دو قسمیں ہیں: مدبر مطلق۔ مدبر مقید۔ مدبر مطلق وہ جس میں کسی ایسے امر کا اضافہ نہ کیا ہو جس کا ہونا ضروری نہ ہو یعنی مطلقاً موت پر آزاد ہونا قرار دیا مثلاً اگر میں مروں تو تُو آزاد ہے اور اگر کسی وقتِ معین پر یا وصف کے ساتھ موت پر آزاد ہونا کہا تو مقید ہے مثلاً اس سال مروں یا اس مرض میں مروں کہ اُس سال یا اس مرض سے مرنا ضرور نہیں اور اگر کوئی ایسا وقت مقرر کیا کہ غالب گمان اس سے پہلے مر جانا ہے مثلاً بوڑھا شخص کہے کہ آج سے ۱۰۰ برس پر مروں تو تُو آزاد ہے تو یہ مدبر مطلق ہی ہے کہ یہ وقت کی قید بیکار ہے کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اب سے ۱۰۰ برس تک زندہ نہ رہے گا۔ (عالم گیری، کتاب عتاق)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اگر یہ کہا کہ جس دن مروں تو آزاد ہے تو اگر چہ رات میں مرے وہ آزاد ہوگا کہ دن سے مراد یہاں مطلق وقت ہے ہاں اگر وہ کہے کہ دن سے میری مراد صبح سے غروب آفتاب تک کا وقت ہے یعنی رات کے علاوہ تو یہ نیت اس کی مانی جائے گی مگر اب یہ مدبر مقید ہوگا۔ (درمختار، کتاب عتاق)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو مدبر کرے پھر مر جائے اور اس کا مال کچھ موجود ہو کچھ غالب ہو جس قدر موجود ہو اس کے ثلث میں سے مدبر کو روک رکھیں گے اور اس کی کمائی کو بھی جمع کرتے جائیں گے یہاں تک کہ جو مال غائب ہے وہ بھی نکل آئے پھر اگر مولیٰ کے کل مال کے ثلث میں سے مدبر آزاد ہو سکے گا تو آزاد ہو جائے اور مدبر کا مال اور کمائی اسی کو ملے گی اور جو ثلث میں سے کل آزاد نہ ہو سکے گا تو ثلث ہی کی مقدار آزاد ہو جائے گا اس کا مال اسی کے پاس رہے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آزادی کی جتنی وصیتیں ہیں صحت میں ہوں یا مرض میں ان میں رجوع اور تغیر کرسکتا ہے مگر تدبیر میں جب کسی کو مدبر کردیا اب اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس لونڈی کے آزاد کرنے کی وصیت کی اور اس کو مدبر نہ کیا تو اس کی اولاد اپنی ماں کے ساتھ آزاد نہ ہوگی اس لیے کہ مولیٰ کا اس وصیت کے بدل ڈالنے کا اختیار تھا نہ ان کی ماں کے لیے آزادی ثابت ہوئی تھی بلکہ یہ ایسا ہے کوئی کہے اگر فلانی لونڈی میرے مرنے تک رہے تو وہ آزاد ہے پھر وہ اس کے مرنے تک رہی تو آزاد ہو جائے گی مگر مولیٰ کو اختیار ہے کہ موت سے پیشتر اس کو یا اس کی اولاد کو بیچے تو آزادی کی وصیت اور تدبیر کی وصیت میں سنت قدیمہ کی رو سے بہت فرق ہے اگر وصیت مثل تدبیر کے ہوتی تو کوئی شخص اپنی وصیت میں تغیر وتبدل کا اختیار نہ رکھتا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے چند غلاموں کو صحت کی حالت میں مدبر کرے اور سوا ان کے کچھ مال نہ رکھتا ہو اگر اس نے اس طرح مدبر کیا کہ پہلے ایک کو پھر دوسرے کو تو جس کو پہلے مدبر کیا وہ ثلث مال میں سے آزاد ہو جائے گا پھر دوسرا پھر تیسرا اسی طرح جب تک ثلث مال میں گنجائش ہو اگر سب کو ایک ساتھ مدبر کیا ہے ایک ہی کلام میں تو ہر ایک ثلث آزاد ہو جائے گا جب سب کو بیماری میں مدبر کیا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1185)

حاملہ باندی کے حمل کے تابع ہونے میں اجماع اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ نے لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص کی باندی آزاد ہوئی تو اس کا حمل بھی اس کے تابع ہونے کے سبب بھی آزاد ہوگا۔ اسی پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ اور اس میں استثناء اگر کیا جائے تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح یہ مذکور ہے۔ خلافاً لِأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ وَالنَّخَعِيِّ وَالشَّعْبِيِّ وَعَطَاءٍ وَابْنِ سِيرِينَ ، وَقَوْلُهُمْ مَرْوِيٌّ عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ .

(فتح القدیر، ۱۰، ص ۹۲، بیروت)

حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ زبیر بن عوان نے ایک غلام خریدا کر آزاد کیا اس غلام کی اولاد ایک آزاد عورت سے تھی جب زبیر نے غلام کو آزاد کر دیا تو زبیر نے کہا اس کی اولاد میری مولی ہیں اور ان کی ماں کے لوگوں نے کہا ہمارے مولی ہیں دونوں نے جھگڑا کیا حضرت عثمان کے پاس آئے آپ نے حکم کیا کہ ان کی ولا زبیر کو ملے گی۔

حضر تسعید بن میتب سے سوال ہوا اگر ایک غلام کا لڑکا آزاد عورت سے ہو تو اس لڑکے کی ولاء کس کو ملے گی سعید نے کہا اگر اس لڑکے کا باپ غلامی کی حالت میں مر جائے تو ولا اس کی ماں کے موالی کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مثال اس کی یہ ہے ملاعنہ عورت کا لڑکا اپنی ماں کے موالی کی طرف منسوب ہوگا اگر وہ مر جائے گا وہی اس کے وارث ہوں گے اگر جنایت کرے گا وہی دیت دیں گے پھر اس عورت کا خاوند اقرار کر لے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کی ولاء باپ کے موالی کو ملے گی وہی وارث ہوں گے وہی دیت دیں گے مگر اس کے باپ پر حد قذف پڑے گی مالک نے اسی طرح کہا اگر عورت ملاعنہ عربی ہو اور خاوند اس کے لڑکے کا اقرار کر لے کہ میرا لڑکا ہے تو وہ لڑکا اپنے باپ سے ملا

دیا جائے گا۔ جب تک خاوند اقرار نہ کرے تو اس لڑکے کا ترکہ اس کی ماں اور اخیافی بھائی کو حصہ دے کر جو بچ رہے گا۔ مسلمانوں کا حق ہوگا اور ملاعنہ کے لڑکے کی میراث اس کی ماں کے موالی کو اس واسطے ملتی ہے کہ جب تک اس کے خاوند نے اقرار نہیں کیا نہ اس لڑکے کا نسب ہے نہ اس کا کوئی عصبہ ہے جب خاوند نے اقرار کر لیا نسب ثابت ہو گیا اپنے عصبہ سے مل جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس غلام کی اولاد آزاد عورت سے ہو اور غلام کا باپ آزاد ہو وہ اپنے پوتے یا ولاء کا مالک ہوگا جب تک باپ غلام رہے گا جب باپ آزاد ہو جائے گا تو اس کے موالی کو ملے گی اگر باپ غلامی کی حالت میں مر جائے گا تو میراث اور ولاء دادا کو ملے گی اگر اس غلام کے دو آزاد لڑکوں میں سے ایک لڑکا مر جائے اور باپ ان کا غلام ہو تو ولاء اور میراث اس کے دادا کو ملے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حاملہ لونڈی اگر آزاد ہو جائے اور خاوند اس کا غلام ہو پھر خاوند بھی آزاد ہو جائے وضع حمل سے پہلے یا بعد تو ولاء اس بچہ کی اس کی ماں کے مولیٰ کو ملے گی کیونکہ یہ بچہ قبل آزادی کے اس کا غلام ہو گیا البتہ جو حمل اس عورت کو بعد آزادی کے ٹھہرے گا اس کی ولاء اس کے باپ کو ملے گی جب وہ آزاد کر دیا جائے گا کہا مالک نے جو غلام اپنے مولیٰ کے اذن سے اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کی ولاء مولیٰ کو ملے گی غلام کو نہ ملے گی اگرچہ آزاد ہو جائے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1166)

مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ

مدبر وہ غلام جس کے لیے آقا کا فیصلہ ہو کہ وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اور حدیث کا مفہوم یہی بتلاتا ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ اس بارے میں امام قسطلانی نے چھ اقوال نقل کیے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں:

وقال النووی الصحیح ان الحدیث علی ظاهره و انه یجوز بیع المدبر بکل حال مالم یمت السید (قسطلانی) یعنی نووی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور ہر حال میں مدبر کی بیع جائز ہے جب تک اس کا آقا زندہ ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو مدبر بیچا جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے۔ ان کا استدلال قوی و مضبوط ہے لہٰذا ترجیح مذہب احناف کو ہے۔

•••———•••———•••

بَابُ الِاسْتِيلَادِ

﴿یہ باب ام ولد کے بیان میں ہے﴾

باب استیلاد کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باب استیلاد کی فقہی مطابقت باب تدبیر کے ساتھ اس طرح ہے کہ ان دونوں ابواب میں آزادی موت کے ساتھ مقید ہے۔لہٰذا ان دونوں اسباب کے اشتراک کی وجہ سے انہیں آپس میں ملا دیا ہے۔اور یہ دونوں ابواب استحقاق عقد کے اعتبار سے مطابق ہے۔البتہ باب تدبیر کے تقدم کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسب ہے۔کیونکہ اس میں آزادی لفظ ایجاب کے ساتھ ہے جبکہ اس باب میں استیلاد کے ساتھ ہے لہٰذا اس کو مقدم کر دیا ہے۔اور استیلاد مصدر ہے اس کو معنی بچہ طلب کرنا ہے۔(فتح القدیر، ج ۱۰،ص ۳۱۰، بیروت)

اس سے پہلے باب میں چونکہ آزادی کو مقید کرنا غلام کے ساتھ تھا اور اس میں باندی کے ساتھ ہے۔اور جنس غلامیت میں غلام باندی سے افضل ہے۔کیونکہ ماہیت غلام کا ماہیت باندی سے اعلیٰ ہونا واضح ہے لہٰذا افضل کو مقدم کرنا اولیٰ تھا تو اس کو مقدم کر دیا ہے اور ام ولد والے باب کو اس سے مؤخر ذکر کیا ہے۔

ام ولد ہونے کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے بچہ پیدا ہوا اور مولیٰ نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے خواہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس نے اقرار کیا یا زمانہ حمل میں اقرار کیا ہو کہ یہ حمل مجھ سے ہے اور اس صورت میں ضروری ہے کہ اقرار کے وقت سے چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو۔(درمختار، کتاب عتق۔باب استیلاد، ج ۵،ص ۲۴۸، بیروت)

استیلاد (ا) طلب بچہ کردن . فرزند خواستن . مادر فرزند کردن کنیزک را. امّ ولد کردن محبت کردن با کنیزک تا از وی فرزند آید۔(تاج المصادر بیہقی)

ولادت خواستن. (غیاث. (با کنیزک آرمیدن برای فرزند شدن. صحبت کردن با کنیزک تا از او فرزند باشد. (زوزنی) طلب الولد من الامة. (تعریفات جرجانی)

(اصطلاح فقہ) الاستیلاد در لغت مطلقاً بہ معنی طلب فرزند و شرعاً قرار دادن کنیز یست بنام مادر کودک (امّ وَلد) و این عمل بہ دو ثی صورت پذیرد: یکی دعویٰ کودک، مادر بودن کنیز را نسبت بخود، دیگر مالک بودن پدر مر کنیز را، یعنی کنیز، زر خرید پدر کودک باشد. کذا

فی جامع الرموز فی فصل التدبیر. (کشاف اصطلاحات الفنون)

دراثر نزدیکی مولی با اَمہ خود ولدی بوجود آمدن اگرچہ علقہ باشد. استیلاد موجب آن است کہ اختیارات مولی نسبت بمستولدہ محدود شود وجز در موارد مخصوص نتواند اور ابغیر منتقل کند مگر اینکہ انتقال سبب تسریع در آزادی او گردد. منظور از تحدید اختیارات آن است کہ مستولدہ پس از مرگ مولی از سہم الارث ولد خود آزاد شود۔

ام ولد ہونے کا شرعی ثبوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس مرد کی باندی سے اس کی اولاد ہو جائے تو وہ باندی اس کے (انتقال) بعد آزاد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 673)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت ابراہیم کی والدہ کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: اسے اس کے بچے نے آزاد کرا دیا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 674)

باندی کے ام ولد بننے کا بیان

إِذَا وَلَدَتْ الْأَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْ صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهَا وَلَا تَمْلِيكُهَا وَلَا هِبَتُهَا وَلَهُ وَطْؤُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَإِجَارَتُهَا وَتَزْوِيجُهَا وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِلَّا أَنْ يَعْتَرِفَ بِهِ فَإِنْ جَاءَتْ بَعْدَ ذَلِكَ بِوَلَدٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ بِغَيْرِ إِقْرَارٍ مِنْهُ فَإِنْ زَوَّجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهِيَ فِي حُكْمِ أُمِّهِ وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ وَلَا يَلْزَمُهَا السِّعَايَةُ لِلْغُرَمَاءِ إِذَا كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ وَإِذَا وَطِءَ الرَّجُلُ أَمَةَ غَيْرِهِ بِنِكَاحٍ فَوَلَدَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ ، وَإِذَا وَطِءَ الْأَبُ جَارِيَةَ ابْنِهِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَلَا قِيمَةُ وَلَدِهَا فَإِذَا وَطِءَ أَبُ الْأَبِ مَعَ بَقَاءِ الْأَبِ لَمْ يَثْبُتْ النَّسَبُ وَإِنْ كَانَ الْأَبُ مَيِّتًا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْ الْجَدِّ كَمَا يَثْبُتُ مِنْ الْأَبِ وَإِذَا كَانَتْ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ أَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَعَلَيْهِ نِصْفُ قِيمَتِهَا وَعَلَيْهِ نِصْفُ عُقْرِهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ قِيمَةِ وَلَدِهَا وَإِنْ ادَّعَيَاهُ جَمِيعًا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُمَا وَكَانَتْ الْأَمَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُمَا وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعُقْرِ قِصَاصًا بِمَالِهِ عَلَى الْآخَرِ ،

ترجمہ

جب لونڈی نے اپنے آقا سے بچے کو جنم دے دیا تو وہ ام ولد ہو جائے گی۔ اب اس کو بیچنا' اور کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہ ہو گا۔ مگر اس سے وطی کرنا اس سے خدمت کرانا' اسے مزدوری پر دینا' اور اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اور اس کے بچے کا نسب اس کے

مالک کے اقرار کرنے سے ہی ثابت ہوگا۔ اس کے بعد جب اس نے پھر کسی بچے کو جنم دیا تو اب اس کے آقا کے اقرار کے بغیر ہی اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ لیکن جب وہ انکار کر دے تو اس کے کہنے کے سبب اس کا نسب منتفی ہو جائے گا۔ جب اس نے اس کی شادی کرادی پس اس نے بچے کو جنم دیا تو وہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا۔ جب کوئی آقا فوت ہو جائے تو لونڈی تمام مال سے آزاد ہو جائے گی اور جب آقا کے ذمہ قرض ہو تو اس پر قرض خواہوں کے لئے کوئی سعایت نہ ہوگی۔ جب کسی اور آدمی نے لونڈی سے نکاح کے ساتھ وطی کر ڈالی۔ پس اس نے بچے کو جنم دیا اس کے بعد شوہر اس کا مالک بن گیا۔ تو وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ باپ پر اس کی قیمت تو ہوگی مگر حق مہر اور اس کے بچے کی قیمت نہیں ہوگی۔ جب باپ کے ہوتے ہوئے دادا نے وطی کر لی تو اس کا نسب دادا سے ثابت نہیں ہوگا۔ جب باپ فوت ہو چکا ہو تو پھر جیسے باپ سے نسب ثابت ہوتا ہے ایسے ہی دادا سے ثابت ہو جائے گا۔ جب کسی ایک لونڈی میں دو آدمی شریک ہوں۔ وہ بچے کو جنم دے۔ ان میں سے ایک دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بچہ ہے تو اس سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور وہ لونڈی اس آدمی کی ام ولد ہو جائے گی اور اس پر اس کا حق مہر اور اس کی نصف قیمت ہو گی۔ مگر اس کے بچے کی کچھ قیمت بھی نہیں ہوگی۔ جب دونوں نے دعویٰ کیا تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ لونڈی دونوں کی ام ولد ہو جائے گی اور ان میں سے ہر ایک پر نصف مہر لازم ہوگا۔ اور دونوں اس کے مال کے ساتھ مقاصہ کر لیں گے۔ یعنی اپنے اپنے حق کے لئے اس کے بدلے میں مثل کو روکنے والے طریقے پر معاملہ طے لیں گے۔

ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔ لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ ایسی لونڈی اپنے خاوند کی آزاد بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔ اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔ میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔ میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔ اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بیچیں گے۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خارجہ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔ انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔ اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حباب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے

اور فرمایا، "انہیں آزاد کردو۔ جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے آجایا کرو۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔"

(ابوداؤد، کتاب العتق، حدیث 3953)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروادیا ہے۔" (ابن ماجۃ، کتاب العتق، حدیث 2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔

(ابن ماجۃ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوۃ، کتاب العتق، حدیث 3394)

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔ (دارقطنی، کتاب المکاتب)

ام ولد کا وراثت میں شریک ہو جانے کا بیان

وَيَرِثُ الِابْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيرَاثَ ابْنٍ كَامِلٍ وَيَرِثَانِ مِنْهُ مِيرَاثَ أَبٍ وَاحِدٍ وَإِذَا وَطِءَ الْمَوْلَى جَارِيَةَ مُكَاتِبِهِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ فَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُكَاتَبُ يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ وَكَانَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَقِيمَةُ وَلَدِهَا وَلَا تَصِيرُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَإِنْ كَذَّبَهُ الْمُكَاتَبُ فِي النَّسَبِ لَمْ يَثْبُتْ،

ترجمہ

اور بچہ ان میں سے ہر ایک کی طرف سے بیٹے کی کامل میراث کا وارث ہوگا۔ اور وہ دونوں اس بچے کے ایک باپ کی میراث کے وارث ہوں گے۔ جب کسی مالک نے اپنے مکاتب غلام کی لونڈی سے وطی کر لی۔ پس اس نے بچے کو جنم دیا اور آقا نے اس کا دعویٰ بھی کیا۔ اب جب مکاتب اس کی تصدیق کرے گا تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ آقا پر اس لونڈی کا حق مہر اور بچے کی قیمت واجب ہو جائے گی اور لونڈی اس کی ام ولد نہیں ہوگی۔ جب مکاتب نے نسب میں اسے جھٹلا دیا تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

•••———•••———•••

کتاب المکاتب

﴿یہ کتاب مکاتب کے بیان میں ہے﴾

کتاب مکاتب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتاب اعتاق اور کتاب مکاتب کو ایک ساتھ بیان کرنے کی فقہی مطابقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے سبب سے غیر مال کے مقابلے میں مال حاصل کیا جاتا ہے مگر اعتاق کے مسائل مکاتب کی بہ نسبت زیادہ ہیں اسی سبب سے اعتاق کو مکاتب پر مقدم کیا گیا ہے۔(البنائیہ شرح الہدایہ، کتاب مکاتب، مکتبہ حقانیہ ملتان)

مکاتب کا لغوی فقہی مفہوم

مکاتب اس غلام یا لونڈی کو کہتے ہیں جس کو مالک یہ کہہ دے کہ اگر تو اتنا روپیہ اتنی قسطوں میں ادا کردے تو تو آزاد ہے۔لفظ مکاتب تاء کے زبر اور زیر ہر دو کے ساتھ منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں **والمکاتب بالفتح من تقع له الکتابة وبالکسر من تقع منه** یعنی زبر کے ساتھ جس کے لیے کتابت کا معاملہ کیا جائے اور زیر کے ساتھ جس کی طرف سے کتابت کا معاملہ کیا جائے۔تاریخ اسلام میں سب سے پہلے مکاتب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

مکاتبت کا فقہی مفہوم

مکاتبت اصطلاح شریعت میں غلام و آقا کے درمیان معاہدے کا نام ہے۔غلام اپنے آقا سے یہ کہے کہ میں کما کر اتنا مال تجھے دے دوں تو آزاد ہو جاؤں اور مالک اسے منظور کرے۔یہ مکاتب اگر چہ ابھی غلام رہے گا۔لیکن پیشہ یا تجارت اختیار کرنے کے باب میں خودمختار ہو جائے گا۔پھر اگر شرط پوری ہوگئی تو آزاد ہو جائے گا۔نہ پوری ہونے کی صورت میں غلام یا تو خود ہی مکاتبت فسخ کرالے ورنہ قاضی کرادے گا۔

مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کو ایک رقم معین کے ادا کرنے کے بعد آزادی کا حق حاصل ہو جاتا ہے،حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے غلاموں کو مکاتب بناتی تھیں؛لیکن قبل اس کے کہ پورا معاوضہ یعنی بدل کتابت ادا کریں اس سے کسی قدر رقم لے کر جلد سے جلد آزاد کردیتی تھیں۔(**موطا امام مالک کتاب العتق والولاء باب القطاعة فی الکتابة**)

کتاب مکاتب کے شرعی مأخذ کا بیان

غلاموں کی آزادی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان سے یہ شرط کر لی جائے کہ اتنی مدت میں وہ اس قدر رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں یہ حکم خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۔ (النور)

اگر تم کو غلاموں میں بھلائی نظر آئے تو ان سے مکاتبت کر لو۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے یہ حکم وجوبی نہیں سمجھا جاتا تھا؛ لیکن آقا کو معاہدہ مکاتبت کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عملاً اس حکم کو وجوبی قرار دیا؛ چنانچہ جب سیرین نے اپنے آقا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے اس کو منظور کرنے سے انکار کر دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلوا کر درے سے مارا اور قرآن مجید کی اس آیت کے رو سے ان کو معاہدہ کتابت کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المکاتب)

آقا کا غلام کو مکاتب یا باندی کو مکاتبہ بنانے کا بیان

إِذَا كَاتَبَ الْمَوْلَى عَبْدَهُ أَوْ أَمَتَهُ عَلَى مَالٍ شَرَطَهُ عَلَيْهِ وَقَبِلَ الْعَبْدُ ذَلِكَ صَارَ مُكَاتَبًا وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمَالَ حَالًّا ، وَيَجُوزُ مُؤَجَّلًا وَمُنَجَّمًا وَتَجُوزُ كِتَابَةُ الْعَبْدِ الصَّغِيرِ إِذَا كَانَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ ، وَالشِّرَاءَ فَإِذَا صَحَّتْ الْكِتَابَةُ خَرَجَ الْمُكَاتَبُ مِنْ يَدِ الْمَوْلَى وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ مِلْكِهِ وَيَجُوزُ لَهُ الْبَيْعُ ، وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ وَلَا يَجُوزُ التَّزْوِيجُ إِلَّا بِإِذْنِ الْمَوْلَى وَلَا يَهَبُ وَلَا يَتَصَدَّقُ إِلَّا بِالشَّيْءِ الْيَسِيرِ وَلَا يَتَكَفَّلُ ،فَإِنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ أَمَةٍ لَهُ دَخَلَ فِي كِتَابَتِهِ وَكَانَ حُكْمُهُ كَحُكْمِهِ وَكَسْبُهُ لَهُ ،

ترجمہ

جب کسی آقا نے کسی مال پر جس کی اس نے شرط لگائی اپنے غلام یا لونڈی کو مکاتب کر دیا۔ اور اس غلام یا لونڈی نے اسے قبول بھی کر لیا تو وہ مکاتب ہو جائیں گے' اور فوری طور پر یا قسط وار مال دینے کی شرط لگا لینا جائز ہے کم عمر غلام جو خرید و فروخت کی سوجھ بوجھ رکھتا ہو۔ اسے مکاتب کرنا بھی جائز ہے۔ جب کتابت درست ہو جائے' تو مکاتب غلام آقا کے قبضے سے نکل جاتا ہے۔ مگر اس کی ملک سے نہیں نکلتا' اور اس کے لئے خرید و فروخت اور سفر کرنا جائز ہوتا ہے' اور اس کے لئے شادی جائز نہیں ہوتی مگر آقا کی اجازت سے وہ بھی جائز ہو جاتی ہے' اور تھوڑی سی شئے کے علاوہ نہ تو ہبہ کر سکتا ہے' اور نہ صدقہ اور نہ ہی وہ کسی کا کفیل ہو سکتا ہے۔ جب اس کی لونڈی کے ہاں بچہ جنم لے تو وہ بھی کتابت میں داخل ہو جائے گی اور اس کا حکم باپ کے حکم سا ہوگا۔ اور اس کی کمائی مکاتب کی ہوگی۔

مکاتب بنانے کی شرعی حیثیت میں فقہی مذاہب کا بیان

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے فرماتا ہے جو غلاموں کے مالک ہیں کہ اگر ان کے غلام ان سے اپنی آزادگی کی بابت کوئی تحریر کرنی

چاہیں تو وہ انکار نہ کریں۔ غلام اپنی کمائی سے وہ مال جمع کر کے اپنے آقا کو دے دے گا اور آزاد ہو جائے گا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں یہ حکم ضروری نہیں فرض و واجب نہیں بلکہ بطور استحباب کے اور خیر خواہی کے ہے۔ آقا کو اختیار ہے کہ غلام جب کوئی ہنر جانتا ہو اور وہ کہے کہ مجھ سے اسی قدر روپیہ لے لو اور مجھے آزاد کر دو تو اسے اختیار ہے خواہ اس قسم کا غلام اس سے اپنی آزادگی کی بابت تحریر چاہے وہ اس کی بات کو قبول کر لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا غلام سیرین نے جو مالدار تھا ان سے درخواست کی کہ مجھ سے میری آزادی کی کتابت کر لو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، دربار فاروقی میں مقدمہ گیا، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور ان کے نہ ماننے پر کوڑے لگوائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے تحریر لکھوا دی۔ (بخاری)

عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں قول مروی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی تھا لیکن نیا قول یہ ہے کہ واجب نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے مسلمان کا مال بغیر اس کی دلی خوشی کے حلال نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ واجب نہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ کسی امام نے کسی آقا کو مجبور کیا ہو کہ وہ اپنے غلام کی آزادگی کی تحریر کر دے، اللہ کا یہ حکم بطور اجازت کے ہے نہ کہ بطور وجوب کے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مختار قول وجوب کا ہے۔ خیر سے مراد امانت داری، سچائی، مال اور مال کے حاصل کرنے پر قدرت وغیرہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم اپنے غلاموں میں جو تم سے مکاتب کرنا چاہیں، مال کے کمانے کی صلاحیت دیکھو تو ان کی اس خواہش کو پوری کر دو ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ لوگوں پر اپنا بوجھ ڈالیں گے یعنی ان سے سوال کریں گے اور رقم پوری کرنا چاہیں گے اس کے بعد فرمایا ہے کہ انہیں اپنے مال میں سے کچھ دو۔ یعنی جو رقم ٹھیر چکی ہے، اس میں سے کچھ معاف کر دو۔ چوتھائی یا تہائی یا آدھا یا کچھ حصہ۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ مال زکوۃ سے ان کی مدد کرو آقا بھی اور دوسرے مسلمان بھی اسے مال زکوۃ دیں تا کہ وہ مقرر رقم پوری کر کے آزاد ہو جائے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ پر برحق ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ابوامیہ نے مکاتبہ کیا تھا جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لیکر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں اللہ کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے۔ پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر

دیتے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ چوتھائی چھوڑ دو۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

درخواست مکاتبت پر قبول مولیٰ میں مذاہب اربعہ

مطلب فقہاء کے ایک گروہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جب کوئی لونڈی یا غلام مکاتبت کی درخواست کرے تو آقا پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ یہ عطاء، عمرو بن دینار، ابن سیرین، مسروق، ضحاک، عکرمہ، ظاہریہ، اور ابن جریر طبری کا مسلک ہے اور امام شافعی بھی پہلے اسی کے قائل تھے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب اور مندوب ہے۔

اس گروہ میں شعبی، مقاتل بن حیان، حسن بصری، عبدالرحمٰن بن زید، سفیان ثوری، ابوحنیفہ اور مالک بن انس جیسے بزرگ شامل ہیں، اور آخر میں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہو گئے تھے۔ پہلے گروہ کے مسلک کی تائید دو چیزیں کرتی ہیں۔ یک یہ کہ آیت کے الفاظ ہیں کَاتِبُوْهُمْ، ان سے مکاتبت کرلو۔ یہ الفاظ صاف طور پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ معتبر روایات سے ثابت ہے کہ مشہور فقیہ (محدث حضرت محمد بن سیرین کے والد سیرین نے اپنے آقا حضرت انس سے جب مکاتبت کی درخواست کی اور انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو سیرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے گئے۔ انہوں نے واقعہ سنا تو درہ لے کر حضرت انس پر پل پڑے اور فرمایا اللہ کا حکم ہے کہ مکاتبت کرلو (بخاری)۔ اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر کا ذاتی فعل نہیں بلکہ صحابہ کی موجودگی میں کیا گیا تھا اور کسی نے اس پر اظہار اختلاف نہیں کیا، لہٰذا یہ اس آیت کی مستند تفسیر ہے۔

دوسرے گروہ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف فکاتبوھم نہیں فرمایا ہے بلکہ فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا ارشاد فرمایا ہے، یعنی ان سے مکاتبت کرلو اگر ان کے اندر بھلائی پاؤ یہ بھلائی پانے کی شرط ایسی ہے جس کا انحصار مالک کی رائے پر ہے، اور کوئی متعین معیار اس کا نہیں ہے جسے کوئی عدالت جانچ سکے۔ قانونی احکام کی یہ شان نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے اس حکم کو تلقین اور ہدایت ہی کے معنی میں لیا جائے گا نہ کہ قانونی حکم کے معنی میں۔ اور سیرین کی نظیر کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ اس زمانے میں کوئی ایک غلام تو نہ تھا جس نے مکاتبت کی درخواست کی ہو۔ ہزار ہا غلام عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلافت راشدہ میں موجود تھے، اور بکثرت غلاموں نے مکاتبت کی ہے۔

ابن سیرین والے واقعہ کے سوا کوئی مثال ہم کو نہیں ملتی کہ کسی آقا کو عدالتی حکم کے ذریعہ سے مکاتبت پر مجبور کیا گیا ہو۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو ایک عدالتی فعل سمجھنے کے بجائے ہم اس معنی میں لیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے درمیان محض قاضی ہی نہ تھے بلکہ افراد ملت کے ساتھ ان کا تعلق باپ اور اولاد کا سا تھا۔ بسا اوقات وہ بہت سے ایسے معاملات میں بھی دخل دیتے تھے جن میں ایک باپ تو دخل دے سکتا ہے مگر ایک حاکم عدالت دخل نہیں دے سکتا۔

آقا کا غلام کی باندی کے ساتھ شادی کرنے کا بیان

فَإِنْ زَوَّجَ الْمَوْلَى عَبْدَهُ مِنْ أَمَتِهِ ثُمَّ كَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ مِنْهُ وَلَدًا دَخَلَ فِي كِتَابَتِهَا وَكَانَ كَسْبُهُ لَهَا

وَإِذَا وَطِءَ الْمَوْلَى مُكَاتَبَتَهُ لَزِمَهُ الْعُقْرُ وَإِنْ جَنَى عَلَيْهَا أَوْ عَلَى وَلَدِهَا لَزِمَتْهُ الْجِنَايَةُ وَإِنْ أَتْلَفَ مَالَهَا غَرِمَهُ وَإِذَا اشْتَرَى الْمُكَاتَبُ أَبَاهُ أَوْ ابْنَهُ دَخَلَ فِي كِتَابَتِهِ وَإِذَا اشْتَرَى أُمَّ وَلَدِهِ دَخَلَ وَلَدُهَا فِي الْكِتَابَةِ وَلَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهَا وَإِذَا اشْتَرَى ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَا وِلَادَةَ لَهُ لَمْ يَدْخُلْ فِي كِتَابَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

ترجمہ

جب کسی آقا نے اپنے غلام کی اپنی کسی لونڈی سے شادی کر دی اور انہیں مکاتب کر دیا پھر ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ بھی کتابت میں داخل ہوگا۔ اور اس کی کمائی ماں کے لئے ہوگی۔ اگر آقا نے اپنی مکاتب لونڈی سے وطی کرلی تو اس پر اس کا مہر لازم ہو جائے گا۔ اور جب اس نے لونڈی پر یا اس کے بچے پر کوئی جنایت (زیادتی وظلم) کیا۔ تو اسے اس کا جرمانہ ادا کرنا بھی لازم ہوگا۔ جب اس کا مال ضائع ہو کر دیا تو اس کا بھی جرمانہ دے گا۔ جب مکاتب نے اپنے باپ یا بیٹے کو خرید لیا تو وہ بھی اس کی کتابت میں داخل ہو جائیں گے۔ جب اس نے ام ولد کو اس کے بچے سمیت خرید لیا تو وہ بچہ کتابت میں داخل ہوگا۔ اور اس کے لئے اس ام ولد کو بیچنا جائز نہیں ہوگا۔ جب کسی نے اپنے کسی ایسے ذی محرم کو جس سے اس کا ولادت کا رشتہ نہیں ہے اسے خرید لیا۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کتابت میں داخل نہیں ہوگا۔

غلاموں میں اولاد کا والدین کے تابع ہونے کا بیان

حضرت امام ابراہیم نخعی نے ایسی صورت کے بارے میں فتویٰ دیا جس میں ایک شخص نے اپنی ام ولد کی شادی اپنے غلام سے کر دی تھی اور پھر اس غلام میں سے اس کی اولاد بھی پیدا ہوگئی تھی۔ انہوں نے کہا، "وہ اپنی ماں کے درجے پر ہوں گے۔ جب تک وہ غلامی کی حالت میں رہے گی، یہ بھی غلام رہیں گے اور جب وہ مکمل آزاد ہو جائے گی تو یہ بھی آزاد ہو جائیں گے۔ جب ماں کا آقا فوت ہوگا تو یہ سب کے سب آزاد ہو جائیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق، رقم ۲۰۹۹۶)

اس معاملے میں بھی کسی مرفوع حدیث کے نہ پائے جانے کا سبب بنیادی طور پر یہی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں پیش نہیں آیا جس میں کسی غلام یا لونڈی کے مالک نے ان کے بچوں کو آزاد کرنے سے انکار کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اس اصول کو مان لیا گیا ہے کہ غلاموں کے نابالغ بچے اپنے والدین کے تابع ہی ہوں گے۔ اگر ان بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین آزاد نہیں ہو پاتے، جس کا امکان عہد رسالت میں بہت ہی کم تھا، تو ان بچوں کو خود یہ اختیار حاصل ہو جائے گا کہ یہ مکاتبت کے ذریعے اپنی آزادی خرید سکیں۔ غلاموں کے بچوں کو اپنے والدین کی حالت پر برقرار رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اگر انہیں پیدائش کے وقت سے ہی آزاد کر دیا جاتا تو ان کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ ان بچوں کی کفالت ان کے والدین کی کفالت کے ساتھ ساتھ والدین کے آقاؤں کے ذمہ تھی۔ اگر ان بچوں کو پیدائش کے وقت ہی آزاد قرار دے دیا جاتا تو پھر ان کی کفالت کی ذمہ داری ان کے والدین کے آقاؤں پر کیسے عائد کی جاتی؟ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے والدین کے تابع ہی رہنے دیا گیا

اور بالغ ہونے پر اپنی آزادی خریدنے کا حق انہیں دے دیا گیا۔

مکاتب کا اقساط ادا کرنے سے عاجز آجانے کا بیان

وَإِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَنْ نَجْمٍ نَظَرَ الْحَاكِمُ فِي حَالِهِ فَإِنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ يَقْتَضِيهِ أَوْ مَالٌ يَقْدَمُ عَلَيْهِ لَمْ يَعْجَلْ بِتَعْجِيزِهِ وَانْتَظَرَ عَلَيْهِ الْيَوْمَيْنِ ، وَالثَّلَاثَةِ وَلَا يَزِيدُ عَلَى ذَلِكَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَجْهٌ وَطَلَبَ الْمَوْلَى تَعْجِيزَهُ عَجَّزَهُ وَفَسَخَ الْكِتَابَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يُعَجِّزُهُ حَتَّى يَتَوَالَى عَلَيْهِ نَجْمَانِ وَإِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَادَ إِلَى أَحْكَامِ الرِّقِّ وَكَانَ مَا فِي يَدِهِ مِنَ الاكْتِسَابِ لِمَوْلَاهُ فَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَلَهُ مَالٌ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَقُضِيَ مَا عَلَيْهِ مِنْ اكْتِسَابِهِ وَحُكِمَ بِعِتْقِهِ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ وَإِنْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً وَتَرَكَ وَلَدًا مَوْلُودًا فِي الْكِتَابَةِ سَعَى فِي كِتَابَةِ أَبِيهِ عَلَى نُجُومِهِ، فَإِذَا أَدَّى حَكَمْنَا بِعِتْقِ أَبِيهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَعَتَقَ الْوَلَدُ وَإِنْ تَرَكَ وَلَدًا مُشْتَرًى قِيلَ لَهُ إِمَّا أَنْ تُؤَدِّيَ الْكِتَابَةَ حَالَّةً وَإِلَّا رُدِدْتَ إِلَى الرِّقِّ وَإِذَا كَاتَبَ الْمُسْلِمُ عَبْدَهُ عَلَى خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ عَلَى قِيمَةِ نَفْسِهِ فَالْكِتَابَةُ فَاسِدَةٌ فَإِنْ أَدَّى الْخَمْرَ عَتَقَ وَلَزِمَهُ أَنْ يَسْعَى فِي قِيمَتِهِ لَا يَنْقُصُ مِنَ الْمُسَمَّى وَيُزَادُ عَلَيْهِ وَإِنْ كَاتَبَهُ عَلَى ثَوْبٍ لَمْ يُسَمِّ جِنْسَهُ لَمْ يَجُزْ وَإِنْ أَدَّاهُ لَمْ يَعْتِقْ إِنْ كَاتَبَهُ عَلَى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوفٍ فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ

ترجمہ

جب مکاتب قسط ادا کرنے سے عاجز ہو تو حاکم اس کی حالت میں غور وفکر کرے گا۔ جب اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جس کی ادائیگی کسی طور ہوسکتی ہو۔ یا اس کے پاس کچھ مال آنے والا ہو تو اس صورت میں وہ حاکم اسے عاجز قرار دینے میں جلدی نہیں کرے گا بلکہ دو تین دن انتظار کرے گا۔ جب کوئی صورت نہ ہو اور اس کا مالک اسے عاجز قرار دلوانا چاہتا ہو۔ تو حاکم اسے عاجز قرار دے کر کتابت فسخ کردے گا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اس پر دو قسطیں چڑھ جانے تک وہ اسے عاجز قرار نہیں دے گا۔ جب مکاتب عاجز ہوگیا تو غلامی کے حکم کی طرف لوٹ آئے گا۔ اور اس کے پاس جو کچھ کمائی ہوگی وہ اس کے آقا کی ہی ہوگی۔ جب مکاتب فوت ہوجائے' اور اس کا کچھ مال ہو' تو کتابت فسخ نہیں ہوگی اور جو کچھ اس کے ذمہ ہوا سے اس کے مال سے چکا دیا جائے گا۔ اور اس کی زندگی کے آخری حصہ میں اس کی آزادی کا حکم دیا جائے گا۔ اور جو جتنا مال باقی بچ جائے وہ اس کے ورثاء کی میراث ہوگی اور اس کی اولاد آزاد ہوجائے گی۔ جب اس نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو بلکہ کتابت کے زمانے میں پیدا ہونے والا بچہ چھوڑ گیا ہو' تو وہ اپنے باپ کی کتابت میں قسط وار سعایت کرے گا۔ جب وہ ادا کردے گا تو ہم اس کے باپ کی آزادی کا حکم اس کی موت سے پہلے ہی لگادیں گے' اور وہ بچہ بھی آزاد ہوجائے گا۔ جب وہ ایسا بچہ چھوڑ گیا۔ جسے اس نے کتابت کے زمانے میں خریدا تھا تو اسے کہا جائے گا کہ کتابت کا بدل فوراً ادا کردو۔ جب نہیں تو تجھے غلامی میں لوٹا دیا جائے گا۔ جب کسی مسلمان نے اپنے غلام کی شراب یا

خنزیر یا وہ ذات یعنی خود غلام کی قیمت پر کتابت کی تو یہ کتابت فاسد ہوگی۔اب جب وہ غلام شراب یا خنزیر دے دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔اور اپنی قیمت میں اس پر سعایت کرنا لازم ہوگا۔جو مقرر شدہ سے کم نہیں ہوگی بلکہ جب اس کی قیمت بڑھ گئی ہو تو زیادہ ہو جائے گی۔جب غلام کو غیر موصوف جانور پر مکاتب کر دیا تو یہ کتابت جائز ہو جائے گی۔جب جنس بیان کئے بغیر کسی کپڑے پر مکاتب کیا تو یہ کتابت جائز نہ ہوگی اور جب اس نے وہ کپڑا دے بھی دیا تو بھی وہ آزاد نہیں ہوگا۔

عدم ادائیگی کے سبب عقد کتابت کے ختم ہو جانے کا بیان

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو سو اوقیہ کے بدلے مکاتب کیا اور اس غلام نے سب اوقیے ادا کر دیئے مگر دس اوقیے ادا نہ کر سکا یا یہ فرمایا کہ "دس دینار ادا نہ کر سکا (یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس اوقیہ فرمایا تھا یا دس دینار کا ذکر کیا تھا) اور پھر وہ اس باقی کی ادائے گی سے عاجز ہو گیا تو وہ مکاتب (بدستور) غلام ہی رہے گا۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 586)

حضرت ابن مالک فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکاتب کا اپنے بدل کتابت کے کچھ حصے کی ادائے گی سے قاصر رہنا پورے بدل کتابت کی ادائیگی سے قاصر رہنا ہے لہٰذا ایسی صورت میں مالک کو اس کی کتاب فسخ کر دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور فسخ کتابت کے بعد وہ مکاتب بدستور غلام رہتا ہے، نیز حدیث کے الفاظ (فھو رقیق) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا جو کچھ حصہ مالک کو ادا کر دیا ہے وہ اس مالک ہی کی ملکیت رہے گا۔

اور حضرت ابن عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی مکاتب" دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے تو اس کو (اس دیت یا میراث کا) صرف اس قدر حصہ ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے۔(ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مکاتب کو دیت میں اس حصہ کے بقدر مال دیا جائے گا جو وہ اپنی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) میں سے ادا کر چکا تھا، اور اس حصہ کے بقدر قیمت دی جائے گی اور ابھی بطور غلام باقی ہے، اس روایت کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مکاتب کسی دیت یا کسی میراث کا حقدار ہو جائے تو اس دیت یا میراث میں سے اس کو اسی قدر ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاتا ہے کہ زید کسی شخص کا غلام تھا اس کے مالک نے اس کو مکاتب کیا، اور زید نے ابھی اپنے بدل کتابت میں سے آدھا ہی حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ اس کا باپ مر گیا جو ایک آزاد شخص تھا لیکن اس نے اپنے اس مکاتب بیٹے یعنی زید کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو اس صورت میں زید اپنے مرحوم باپ کی وراثت میں صرف آدھے حصے کا حقدار ہوگا۔یا دوسری صورت جس کو دوسروں نے بیان کیا ہے، یہ ہو کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت میں سے آدھا حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ کسی نے اس (زید) کو قتل کر دیا تھا، اس صورت میں قاتل اس

مکاتب کے آدھے آزاد حصہ کی دیت تو اس کے ورثاء کو ادا کرے گا اور اس کے آدھے غلام حصہ کی دیت جو اس کی قیمت کا بھی آدھا حصہ ہے، اس کے مالک کو ادا کرے مثلاً بکر نے اپنے غلام زید کو ایک ہزار کے بدلے مکاتب کیا ویسے زید نے غلام ہونے کی حیثیت سے سو روپے کی قیمت کا تھا، مکاتب ہونے کے بعد زید اپنے مالک بکر کو اپنے بدلے کتابت کے مقررہ ایک ہزار روپے میں سے پانچ سو روپے ہی ادا کر پایا تھا کہ کسی شخص نے اس کو قتل کر دیا، اس صورت میں قاتل زید کے ورثاء کو پانچ سو روپے ادا کرے گا جو اس کی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) کا نصف حصہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے مالک بکر کو پچاس روپے ادا کرے گا جو اس کی اصل قیمت کا نصف حصہ ہے۔

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکاتب اپنے بدل کتابت میں سے جو مقدار مالک کو ادا کر دے گا اس کے بقدر وہ آزاد ہو جائے گا اور جو مقدار ادا نہیں کرے گا اس کے بقدر غلام رہے گا چنانچہ اس حدیث پر صرف امام نخعی نے عمل کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے جس کو کسی مسلک کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا بلکہ یہ ان دونوں حدیثوں کے معارض بھی ہے جو اس سے پہلے بروایت حضرت عمرو ابن شعیب نقل ہو چکی ہیں جن سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ مکاتب کے ذمہ جب تک بدل کتابت کا کچھ حصہ بھی باقی رہے گا وہ غلام ہی رہے گا۔

ایک ہزار پر دو غلاموں کی مکاتبت کا بیان

وَإِنْ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ كِتَابَةً وَاحِدَةً عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ إِنْ أَدَّيَا عَتَقَا وَإِنْ عَجَزَا رُدَّا فِي الرِّقِّ وَإِنْ كَاتَبَهُمَا عَلَى أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ضَامِنٌ عَنِ الْآخَرِ جَازَتِ الْكِتَابَةُ وَأَيُّهُمَا أَدَّى عَتَقَا وَيَرْجِعُ عَلَى شَرِيكِهِ بِنِصْفِ مَا أَدَّى وَإِذَا أَعْتَقَ الْمَوْلَى مُكَاتَبَهُ عَتَقَ بِعِتْقِهِ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ وَإِذَا مَاتَ مَوْلَى الْمُكَاتَبِ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ، وَقِيلَ لَهُ: أَدِّ الْمَالَ إِلَى وَرَثَةِ الْمَوْلَى عَلَى نُجُومِهِ فَإِنْ أَعْتَقَهُ أَحَدُ الْوَرَثَةِ لَمْ يَعْتِقْ وَإِنْ أَعْتَقُوهُ جَمِيعًا عَتَقَ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ،

ترجمہ

جب ایک ہزار پر ایک ہی کتابت میں دو غلاموں کو مکاتب کر دیا۔ جب ادا کر دیں گے تو آزاد ہو جائیں گے۔ جب وہ اس سے عاجز رہے تو انہیں غلامی کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ جب اس شرط پر آزاد کیا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ضامن ہوگا تو یہ کتابت جائز ہوگی اور ان میں سے کسی نے بھی جب ادائیگی کر دی تو دونوں آزاد ہو جائیں گے اور ادائیگی کرنے والا جو اس نے ادا کیا ہے اس کا نصف اپنے شریک کار سے لے لے گا۔ جب کسی آقا نے اپنے مکاتب کو آزاد کر دیا تو وہ اس کے آزاد کرنے سے آزاد ہو جائے گا اور مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔ مکاتب کے مالک کے فوت ہو جانے سے کتابت فسخ نہیں ہوگی بلکہ اسے کہا جائے گا کہ قسطوں کے مطابق مال اس کے ورثاء کو ادا کرے۔ جب ورثاء سے کسی ایک نے اسے آزاد کر دیا تو آزادی نافذ نہ ہوگی جب سب نے اسے آزاد کر دیا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور اس سے مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔

مشترکہ مکاتبت سے متعلق بعض فقہی جزئیات کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ امر اتفاقی ہے کہ جو مکاتب دو آدمیوں میں مشترک ہوتو ایک شریک کو جائز نہیں کہ بغیر دوسرے شریک کی اذن کے اپنے حصے کی قطاعت کرے کیونکہ غلام اور اس کا مالک دونوں میں مشترک ہے ایک کونہیں پہنچتا کہ اس کے مال میں تصرف کرے بغیر دوسرے شریک کے پوچھے ہوئے اگر ایک شریک نے قطاعت کے بغیر دوسرے سے پوچھے ہوئے اور زر قطاعت وصول کرلیا بعد اس کے مکاتب کچھ مال چھوڑ کر مرگیا تو قطاعت کر چکا اس کو اس مکاتب کے مالک میں استحقاق نہ ہوگا نہ یہ ہو سکے گا کہ زر قطاعت کو پھیر دے اور اس مکاتب کو پھر غلام کرلے البتہ جو شخص اپنے شریک کے اذن سے قطاعت کرے پھر مکاتب عاجز ہو جائے اور قطاعت کرنے والا یہ چاہے کہ زر قطاعت پھیر کر اس غلام کا اپنے حصے کے موافق مالک ہو جائے تو ہو سکتا ہے۔ اگر مکاتب مرجائے اور مال چھوڑ جائے تو جس شریک نے قطاعت نہیں کی اس کا بدل کتابت ادا کر کے جو کچھ مال بچے گا اس کو دونوں شریک اپنے حصے کے موافق بانٹ لیں گے اگر ایک نے قطاعت کی اور دوسرے نے نہ کی اور دوسرے نے نہ کی بعد اس کے مکاتب عاجز ہو گیا تو جس نے قطاعت کی اس سے کہا جائے گا اگر تجھ کو منظور ہے تو جس قدر روپیہ تو نے قطاعت کا لیا ہے اس کا آدھا اپنے شریک کو پھیر دے غلام تم دونوں میں مشترت رہے گا ورنہ پورا غلام اس شخص کا ہو جائے گا جس نے قطاعت نہیں کی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو مکاتب دو آدمیوں میں مشترک ہو ایک آدمی ان میں سے قطاعت کرے دوسرے کے اذن سے پھر جس نے قطاعت نہیں کی وہ بھی اسی قدر غلام سے وصول کرے جتنا قطاعت کرنے والے نے وصول کیا ہے یا اس سے زیادہ بعد اس کے مکاتب عاجز ہو جائے تو قطاعت والا قطاعت نہ کرنے والے سے کچھ پھیر نہ سکے گا اگر دوسرے شریک نے قطاعت سے کم وصول کیا پھر غلام عاجز ہو گیا تو قطاعت والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو جتنی قطاعت زیادہ ہے اس کا نصف اپنے شریک کو دے کر غلام میں آدھم ساجھا کریں اگر نہ دے تو سارا غلام دوسرے شریک کا جائے گا اگر مکاتب مرجائے اور مال چھوڑ گیا اور قطاعت والے نے چاہا کہ جتنا زیادہ لیا ہے اس کا نصف اپنے شریک کو پھیر دے اور میراث میں شریک ہو جائے تو ہو سکتا ہے اور جس نے قطاعت نہیں کی وہ بھی مکاتب سے قطاعت کے برابر یا اس سے زیادہ وصول کر چکا ہے اس صورت میں میراث دونوں کے ملے گی کیونکہ ہر ایک نے اپنا حق وصول کرلیا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو مکاتب دو آدمیوں میں مشترک ہو ایک اس سے قطاعت کرے اپنے حق کے نصف پر دوسرے کے اذن سے پھر جس نے قطاعت نہیں کی وہ بھی مکاتب سے قطاعت سے کم وصول کرے بعد اس کے مکاتب عاجز ہو جائے تو قطاعت والا اگر چاہے جتنی قطاعت زیادہ ہے اس کا آدھا اپنے شریک کو دے کر غلام میں آدھم ساجھا کرلیں ورنہ اس قدر حصہ غلام کا دوسرے شریک کا ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کی شرح یہ ہے کہ مثلاً ایک غلام دو آدمیوں میں مشترک ہو دونوں مل کر اس کو

مکاتب کریں پھر ایک شریک اپنے نصف حق پر غلام سے قطاعت کر لے یعنی پورے غلام کے ربع پر بعد اس کے مکاتب عاجز ہو جائے تو جس نے قطاعت کی ہے اس سے کہا جائے گا کہ جس قدر تو نے زیادہ لیا ہے اس کا نصف اپنے شریک کو پھیر دے اور غلام میں آدھم ساجھا رکھ اگر وہ انکار کرے تو قطاعت والے کا ربع غلام بھی اس شریک کو مل جائے گا اس صورت میں اس شریک کے تین ربع ہوں گے اور اس کا ایک ربع۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مکاتب سے اس مولیٰ قطاعت کرے اور وہ آزاد ہو جائے اور جس قدر قطاعت کا روپیہ مکاتب پر رہ جائے وہ اس پر قرض ہے بعد اس کے مکاتب مر جائے اور وہ مقروض ہو لوگوں کا تو مولیٰ دوسرے قرض خواہوں کے برابر نہ ہوگا بلکہ اس مال میں سے پہلے اور قرض خواہ اپنا قرضہ وصول کریں گے۔ کہا مالک نے جو مکاتب مقروض ہو اس سے مولیٰ قطاعت نہ کرے ایسا نہ ہو کہ وہ غلام آزاد ہو جائے بعد اس کے سارا مال اس کا قرض خواہوں کو مل جائے مولیٰ کو کچھ نہ ملے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے اگر کوئی شخص اپنے غلام کو مکاتب کرے پھر اس سے سونے پر قطاعت کرے اور بدل کتابت معاف کر دے اس شرط سے کہ زر قطاعت فی الفور دے دے تو اس میں کچھ قباحت نہیں ہے اور جس شخص نے اس کو مکروہ رکھا ہے اس نے یہ خیال کیا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کا میعادی قرضہ کسی پر ہو وہ اس کے بدلے میں کچھ نقد لے کر قرضہ چھوڑ دے حالانکہ یہ قرض کی مثل نہیں ہے بلکہ قطاعت اس لیے ہوتی ہے کہ غلام جلد آزاد ہو جائے اور اس کے لیے میراث اور شہادت اور حدود لازم آ جائیں۔

اور حرمت عتاقہ ثابت ہو جائے اور یہ نہیں ہے کہ اس نے روپیوں کو روپیوں کے عوض میں یا سونے کو سونے کے عوض میں خریدا بلکہ اس کی مثال یہ ہے۔ ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا تو مجھے اس قدر اشرفیاں لا دے اور تو آزاد ہے پھر اس سے کم کر کے کہا اگر اتنے بھی لا دے تو بھی تو آزاد ہے۔ کیونکہ بدل کتابت دین صحیح نہیں ہے ورنہ جب مکاتب مر جاتا تو مولیٰ بھی اور قرض خواہوں کے برابر اس کے مال کا دعویٰ دار ہوتا ہے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1173)

ام ولد کی مکاتبت کے جواز کا بیان

وَإِذَا كَاتَبَ الْمَوْلَى أُمَّ وَلَدِهِ جَازَ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى سَقَطَ عَنْهَا مَالُ الْكِتَابَةِ وَإِنْ وَلَدَتْ مُكَاتَبَتُهُ مِنْهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَإِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَإِنْ كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهُ جَازَ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى وَلَا مَالَ لَهُ كَانَتْ بِالْخِيَارِ وَبَيْنَ أَنْ تَسْعَى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهَا أَوْ فِي جَمِيعِ مَالِ الْكِتَابَةِ تَسْعَى فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهَا وَإِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهُ صَحَّ التَّدْبِيرُ وَلَهَا الْخِيَارُ إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَإِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ مُدَبَّرَةً فَإِنْ مَضَتْ عَلَى كِتَابَتِهَا وَمَاتَ الْمَوْلَى وَلَا مَالَ لَهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِي ثُلُثَيْ مَالِ الْكِتَابَةِ وَإِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِي ثُلُثَيْ قِيمَتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا أَعْتَقَ الْمُكَاتَبُ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ لَمْ يَجُزْ وَإِنْ وَهَبَ عَلَى عِوَضٍ لَمْ يَصِحَّ

وَإِنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ جَازَ فَإِنْ أَدَّى الثَّانِي قَبْلَ أَنْ يَعْتِقَ الْأَوَّلُ فَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلَى وَإِنْ أَدَّى الثَّانِي بَعْدَ عِتْقِ الْأَوَّلِ عَتَقَ وَوَلَاؤُهُ لَهُ،

ترجمہ

اور آقا کا اپنی ام ولد کو مکاتب بنانا بھی جائز ہے۔ اس کے بعد جب آقا فوت ہو گیا تو ام ولد سے کتابت کا مال ساقط ہو جائے گا۔ جب اس نے اس آقا سے بچے کو جنم دے دیا تو اسے اختیار ہو گا چاہے تو کتابت پر ہی رہے جب چاہے اپنے آپ کو عاجز کر کے ام ولد ہی رہے۔ یہاں تک کہ آقا کے فوت ہونے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی۔ جب کسی نے اپنی مدبرہ کو مکاتبہ بنایا تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کے بعد جب آقا فوت ہو گیا' اور اسی مدبرہ کے علاوہ اور کوئی مال نہ رہا تو اس مدبرہ کو اپنی دو تہائی قیمت میں یا کتابت کے کل مال میں سعایت کرنے کا اختیار ہو گا۔ جب کسی نے اپنی مکاتبہ کو مدبرہ بنا ڈالا تو یہ تدبیر درست ہو گی اسے اختیار ہو گا چاہے' تو کتابت پر رہے چاہے' تو اپنے آپ کو عاجز کر کے مدبرہ ہی رہے۔ اس کے بعد جب وہ مکاتبہ رہی اور آقا فوت ہو گیا' اور اس کا' اور کوئی مال نہ تھا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے اختیار ہو گا چاہے' تو کتابت کے دو تہائی میں سعایت کر لے۔ جب چاہے' تو اپنی دو تہائی قیمت میں سعایت کر لے۔ مکاتب کا مال کے بدلے اپنے غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں۔ جب کسی عوض کے بدلے ہبہ کر لے' تو بھی درست نہیں۔ جب وہ اپنے غلام کو مکاتب بنا دے' تو یہ جائز ہے۔ پھر جب پہلے کی آزادی سے قبل ہی دوسرے نے ادائیگی کر دی تو اس کی ملکیت و میراث پہلے مکاتب کے آقا کی ہو گی۔ اگر دوسرے نے پہلے مکاتب کی آزادی کے بعد ادائیگی کی تو اس صورت میں اس کی ملکیت و میراث پہلے مکاتب کی ہو گی۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ مولیٰ اگر اپنے مرنے کے بعد اپنے غلام کا ایک حصہ جیسے ثلث یا ربع یا نصف آزاد کر جائے تو بعد مولیٰ کے مرجانے کے اسی قدر حصہ جتنا مولیٰ نے آزاد کیا تھا آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس حصے کی آزادی بعد مولیٰ کے مرجانے کے لازم ہوئی اور جب تک مولیٰ زندہ تھا اس کو اختیار تھا جب مر گیا تو موافق اس کی وصیت کے اسی قدر حصہ آزاد ہو گا اور باقی غلام آزاد نہ ہو گا اس واسطے کہ وہ غیر کی ملک ہو گا تو باقی غلام غیر کی طرف سے کیونکر آزاد ہو گا نہ اس نے آزادی شروع کی اور نہ ثابت کی اور نہ اس کے واسطے ولاء ہے بلکہ یہ میت کا فعل ہے اسی نے آزاد کیا اور اسی نے اپنے لیے ولاء ثابت کی تو غیر کے مالک میں کیونکر درست ہو گا البتہ اگر یہ وصیت کر جائے کہ باقی غلام بھی اس کے مال میں سے آزاد کر دیا جائے گا اور ثلث مال میں سے وہ غلام آزاد ہو سکتا ہو تو آزاد ہو جائے گا پھر اس کے شریکوں یا وارثوں کو تعرض نہیں پہنچتا کیونکہ ان کا کچھ ضرر نہیں۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیماری میں تہائی غلام آزاد کر دیا تو وہ ثلث مال میں سے پورا آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہ مثل اس شخص کے نہیں ہے جو اپنی تہائی غلام کی آزادی اپنی موت پر معلق کر دے اس واسطے کہ اس کی آزادی قطعی نہیں جب تک زندہ ہے رجوع کر سکتا ہے اور جس نے اپنے مرض میں تہائی غلام قطعاً آزاد کر دیا اگر وہ زندہ رہ گیا

تو کل غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ میت کا تہائی مال میں وصیت درست ہے جیسے صحیح سالم کا تصرف کل مالک میں درست ہے۔

موت کے بعد ام ولد کی آزادی میں مذاہب اربعہ

ام ولد وہ لونڈی ہے جو اپنے مالک کو جنے۔ اگر علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہی قول ہے اور امام احمد اور اسحاق بھی اسی طرف گئے ہیں۔ بعض علماء نے کہا وہ آزاد نہیں ہوتی اور اس کی بیع جائز ہے۔ ترجیح قول اول ہی کو حاصل ہے۔ قیامت کی نشانی والی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ اس لیے لائے تا کہ اشارہ ہو کہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور ام ولد کا بکنا یا اس کا اپنی اولاد کی ملک میں رہنا قیامت کی نشانی ہے۔

یعنی سلف اور خلف کا ام ولد کی آزادی اور اس کی بیع کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا عدم جواز ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ عہد رسالت میں پھر عہد صدیقی میں ام ولد کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کچھ مصالح کی بنا پر ان کی بیع کو ممنوع قرار دے دیا اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ وقتی فیصلہ ایک اجماعی مسئلہ بن گیا۔

مشترکہ باندی سے جماع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

اگر باندی دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے تو ان دونوں کا باندی سے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح کسی شادی شدہ باندی سے جماع حرام ہے اور اس پر فقہاء اربعہ کا اجماع ہے۔

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ المغنی میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں۔ کہ اگر مالک اپنی لونڈی کی شادی کر دے تو مالک کا اس کے ساتھ جماع کرنا حرام ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں۔ شادی شدہ لونڈی سے جماع کی تحریم میں کوئی شک وشبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے، وہ تو صرف خاوند کے لیے مباح ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ ایک عورت دو مردوں کے لیے حلال نہیں اگر مالک نے اس سے جماع کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اسے تعزیر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ایک جگہ پر ان کا قول ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور سنگسار نہیں کیا جائے گا، یعنی اسے کوڑوں کی صورت میں تعزیر لگائی جائے گی۔ (المغنی لابن قدامہ (497/9)

•••———•••———•••

كِتَابُ الْوَلَاءِ

﴿یہ کتاب ولاء کے بیان میں ہے﴾

کتاب ولاء کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتاب ولاء کو کتاب مکاتبت کے بعد بیان کرنے کی فقہی مطابقت یہ ہے کہ اس سے ملکیت رقبہ کے زائل ہونے کا اثر موجود ہے۔لہذا اس کی ترتیب کو ابواب کی مطابقت کے ساتھ بیان کرنا ضروری تھا تو اس اعتبار سے کتاب ولاء کو مؤخر کرنا لازم تھا تا کہ اثر اپنے مؤثر سے مقدم نہ ہو جائے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۳، ص ۱۲۲، کتاب ولاء، بیروت)

ولاء کی لغوی تشریح کا بیان

ولاء عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "و،ل،ی" ہے ولی کا مطلب ہے دوست، مددگار، حلیف، قریبی، حامی اسی سے ولاء کا لفظ بنا ہے جس کا مطلب ہے دوستی، قربت، محبت، نصرت، حمایت۔ جب یہ لفظ ال کے اضافے کے ساتھ الولاء کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو یہ ایک شرعی اصطلاح بن جاتی ہے جس کا مطلب یہ واضح کرنا ہے کہ مومن آدمی کو کس کس سے دوستی اور محبت کرنی چاہیے۔الولاء کا لفظ شرعی اصطلاح میں اس قدر جامع ہے کہ اردو کے کسی ایک لفظ کے ساتھ اس کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی مشکل ہے، ہم نے اس کی ترجمانی کے لیے "دوستی" کا لفظ منتخب کیا ہے لیکن اس دوستی سے مراد وہ سرسری تعلقات نہیں جو عارضی مفادات یا بعض دیگر وقتی اسباب کے تابع ہوتے ہیں بلکہ اس دوستی سے مراد وہ قلبی تعلق ہے جو ہمیشہ قائم رہے اور جس میں دلی محبت اور وفا کوٹ کوٹ کر بھری ہو سر سے خون کی ندیاں ہی کیوں نہ گزر جائیں لیکن اس دوستی میں ذرہ برابر فرق نہ آئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ہے۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2387)

شہاب کہتے تھے کہ سنت جاری ہے اس بات پر جب غلام آزاد ہو جائے اس کا مال اسی کو ملے گا۔امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام اور مکاتب جب مفلس ہو جائیں تو ان کے مالک اور ام ولد لے لیں گے مگر اولاد کو نہ لیں گے کیونکہ اولاد غلام کا مالک نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ غلام جب بیچا جائے اور خریدار اس کے مالک لینے کی طرف کرلے تو اولاد اس میں داخل نہ ہوگی۔

امام مالک نے کہا ہے غلام اگر کسی کو زخمی کرے تو اس دیت میں وہ خود اور مال اس کا گرفت کیا جائے گا مگر اس کی اولاد سے مواخذہ نہ ہوگا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1153)

یعنی ولاء کا معنی غلام یا لونڈی کا ترکہ جب وہ مرجائے تو اس کا آزاد کرنے والا اس کا وارث بنے۔ عرب میں غلام اور آقا کے اس تعلق کو بیع کرنے یا ہبہ کرنے کا رواج تھا۔ شارع نے اس سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ ولاء نسب کی طرح ہے جو کسی طور بھی زائل نہیں ہوسکتا۔ اس پر تمام فقہاء عراق اور حجاز کا اتفاق ہے۔ (حاشیہ، بخاری، کتاب العتاق)

آزاد کرنے والے کے لئے مملوک کی ولاء ہونے کا بیان

إِذَا أَعْتَقَ الرَّجُلُ مَمْلُوكَهُ فَوَلَاؤُهُ لَهُ وَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ تَعْتِقُ فَإِنْ شَرَطَ أَنَّهُ سَائِبَةٌ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَإِذْ أَدَّى الْمُكَاتَبُ عَتَقَ وَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلَى وَكَذَا إِنْ أُعْتِقَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلَى فَوَلَاؤُهُ لِوَرَثَةِ الْمَوْلَى وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ مُدَبَّرُوهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ وَوَلَاؤُهُمْ لَهُ وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ وَوَلَاؤُهُ لَهُ وَإِذَا تَزَوَّجَ عَبْدُ رَجُلٍ أَمَةً لِآخَرَ فَأَعْتَقَ مَوْلَى الْأَمَةِ الْأَمَةَ وَهِيَ حَامِلٌ مِنَ الْعَبْدِ عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا وَوَلَاءُ الْحَمْلِ لِمَوْلَى الْأُمِّ لَا يَنْتَقِلُ عَنْهُ أَبَدًا۔

ترجمہ

جب کسی آدمی نے اپنے غلام کو آزاد کیا تو اس کی میراث اسی کے لئے ہوگی۔ عورت جو آزاد کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔ جب اس نے اس کے سائبہ یعنی ولاء کے بغیر ہونے کی شرط کی تو یہ شرط باطل ہوگی اور ولاء (میراث وملکیت) آزاد کرنے والے کی ہی ہوگی۔ جب مکاتب نے ادائیگی کر دی تو وہ آزاد ہوگا۔ اور اس کی ولاء آقا کی ہوگی اور جب وہ آقا کے فوت ہوجانے کے بعد آزاد ہوا تو اب اس کی ولاء آقا کے ورثا کی ہوگی۔ جب آقا فوت ہوجائے تو اس مدبر اور اس کی ام ولد آزاد ہوجائیں گے۔ ان کی ولاء بہر حال اسی کی ہوگی۔ جب کوئی اپنے کسی ذی رحم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہوجائے گا۔ اور ولاء مالک کی ہوگی۔ جب کسی آدمی کے غلام نے ایک اور آدمی کی لونڈی سے شادی کر لی۔ اس کے بعد اس آقا نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا اور لونڈی اس غلام سے حاملہ تھی تو لونڈی اور اس کا حمل دونوں آزاد ہوں گے۔ اور حمل کی ولاء ماں کے مالک کی ہوگی۔ جو کسی وقت بھی اس سے منتقل نہیں ہوگی۔

حق ولاء کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن بریرہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ مکاتبت کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا کروں گی لہٰذا آپ میری مدد کیجئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا کہ اگر تمہارے مالکوں کو یہ پسند ہو کہ میں سب کے سب اوقیے ایک ہی مرتبہ میں انہیں دے دوں اور پھر تجھے آزاد کر دوں تو ایسا کر سکتی ہوں لیکن اس صورت میں حق ولاء مجھے حاصل ہوگا بریرہ یہ سن کر اپنے مالکوں کے پاس گئی اور ان کے سامنے یہ صورت رکھی مگر

انہوں نے اسے نامنظور کر دیا اور کہا کہ ہم صرف اس شرط کے ساتھ تجھے بیچ سکتے ہیں کہ حق ولاء ہمیں حاصل ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم اسے لیکر آزاد کردو اس کا حق ولاء تمہیں ہی حاصل ہوگا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہے یعنی مشروع نہیں ہیں جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے اگر چہ وہ سو شرطیں ہوں (یعنی جو شرط ناجائز ونامشروع ہے اسے چاہے کوئی سو بار ہی کیوں نہ عائد کرے وہ باطل ہی رہے گی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی)۔

اور خدا الٰہی کا حکم سب سے زیادہ اس لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کی شرط سب سے زیادہ مضبوط ہے یعنی بیع وشراء کے معاملات میں خدا نے جو احکام دیئے ہیں بہر صورت ان ہی کی تعمیل ضروری ہے اور خدا نے جو شرائط مقرر کی ہیں صرف انہی کا لحاظ ضروری ہے اپنی طرف سے عائد کردہ کوئی شرط بھی قابل عمل نہیں ہوگی جان لو حق ولاء اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے

(بخاری مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 103)

مکاتبت غلام اور اس کے مالک کے درمیان ایک خاص نوعیت کے معاہدہ کا اصطلاحی نام ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام کا مالک اسے اس شرط پر آزاد کرتا ہے کہ روپیہ کی اتنی مقدار اتنی مدت میں دینی ہوگی غلام اسے قبول ومنظور کر لیتا ہے چنانچہ غلام اگر روپیہ کی وہ مقدار اس متعینہ مدت میں ادا کر لیتا ہے تو اپنے مالک کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر وہ مقدار ادا نہیں کر پاتا تو پھر جوں کا توں اس کی غلامی میں رہتا ہے اس معاملہ کو مکاتبت یا کتابت اور اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔

ولاء آزاد کرنے کے اس حق کو کہتے ہیں جو غلام کے مالک کو حاصل ہوتا ہے یعنی اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو آزاد کر دے اور وہ آزادی ہی کی حالت میں مر جائے اور اپنے پیچھے کچھ مال واسباب چھوڑ جائے تو اس کے عصبہ نہ ہونے کی صورت میں اس کے تمام مال واسباب کا حق دار وہی ازاد کرنیوالا شخص ہوتا ہے یہی حق ولاء کہلاتا ہے۔

بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کا نام ہے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آنے سے پہلے ایک یہودی کی ملکیت میں تھی جب انہوں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ کتابت کی ہے کہ ہر سال ایک اوقیہ جو چالیس درہم کا ہوتا ہے دیا کروں گی اب میں آپ کے پاس اس لئے آئی ہوں کہ آپ میری مدد کریں اور مجھے اتنا دیدیں جو میں بدل کتابت کے طور پر اپنے مالکوں کو دیدوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر تمہارے مالکوں کو پسند ہو تو میں یہ کر سکتی ہوں کہ انہیں یہ نو اوقیہ یک مشت تمہاری قیمت کے طور پر انہیں دیدوں اور تمہیں خرید کر آزاد کردوں اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسے بیچنا خریدنا جائز ہے ظاہر ہے کہ اس صورت میں تمہاری طرف سے حق ولاء مجھے ہی حاصل ہوگا لیکن جب یہ بات بریرہ کے مالکوں کو پہنچی تو انہوں نے اس سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بریرہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرنا چاہتے تھے کہ بریرہ کا حق

ولاء انکو حاصل ہو چونکہ ان کی یہ شرط کہ بریرہ کو خرید کر آزاد تو کریں عائشہ رضی اللہ عنہا اور حق ولاء پہنچے ان کو بالکل نادانی کی بات تھی اور شرعی طور پر مطلقاً ناجائز اس لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا تذکرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور حدیث میں مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔

حق ولاء کو بیچنا یا اس کو ہبہ کرنا ناجائز ہے

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو بیچنے یا اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے (بخاری ومسلم)

یعنی مثلاً ایک شخص نے اپنے غلام کو آزاد کیا جس کی وجہ سے حق ولاء اس کے لئے ثابت ہو گیا اب اگر وہ یہ چاہے کہ اس حق ولاء کو کسی کے ہاتھ بیچ دے یا کسی کو ہبہ کر دے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ ولاء کوئی مال نہیں ہے کہ اس کو بیچا یا ہبہ کیا جا سکے اس بارے میں تمام علماء کا متفقہ طور پر یہی مسلک ہے۔

یعنی ولاء کا معنی غلام یا لونڈی کا ترکہ جب وہ مر جائے تو اس کا آزاد کرنے والا اس کا وارث بنے۔ عرب میں غلام اور آقا کے اس تعلق کو بیچ کرنے یا ہبہ کرنے کا رواج تھا۔ شارع نے اس سے منع کر دیا۔ اس لیے کہ ولاء نسب کی طرح ہے جو کسی طور بھی زائل نہیں ہو سکتا۔ اس پر تمام فقہاء عراق اور حجاز کا اتفاق ہے۔

ولائے موالاۃ وعتاقہ کی توضیح کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کا ایک حکم یہ بھی بیان کیا کہ جو شخص اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی اجازت کے بغیر دوسرے لوگوں سے سلسلہ موالات یعنی رابطہ دوستی قائم کرے وہ بھی لعنت کا مستحق ہوتا ہے! اس ضمن میں کچھ تفصیل ہے اس کو جان لینا چاہئے "ولاء" کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم تو "ولاء موالات" ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً اہل عرب کا یہ معمول تھا کہ کچھ لوگ آپس میں دوستی کا رشتہ قائم کر کے یہ عہد کرتے اور قسم کھاتے تھے کہ ہم دوسرے کے بھلے برے میں شریک رہیں گے، زندگی کے ہر مرحلہ پر ہر ایک دوسرے کا مدد ومعاون رہے گا، آپس میں ایک دوسرے کے دوست سے دوستی رکھیں گے اور دشمن کو دشمن سمجھیں گے۔ اسی کو "ولاء موالات" کہتے ہیں۔ ایام جاہلیت میں تو آپس کے عہد وپیمان کا تعلق صحیح وغلط، حق وناحق، ہر معاملہ سے ہوتا تھا، ایک شخص چاہے حق پر ہو چاہے ناحق پر، اس کے دوسرے ساتھی اس کی مدد ہر حال میں کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام کی روشنی نے عہد جاہلیت کی ظلمت کو ختم کیا تو مسلمانوں نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ ان کا ایک دوسروں کے ساتھ تعاون واشتراک صرف صحیح اور حق معاملہ تک محدود رہتا لیکن اس کے باوجود یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ اکثر اہل عجم، عرب میں آکر صحابہ سے اس کا سلسلہ قائم کرتے تھے۔

دوسری قسم "ولاء عتاقت" ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو آزاد کرتا ہے تو اس غلام پر یہ حق ولاء ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کے عصبہ (بیٹا پوتا وغیرہ) نہ ہونے کی صورت میں وہ آزاد کرنے والا اس کا وارث بن جاتا ہے لہٰذا ذوی الفروض (باپ دادا وغیرہ) سے جو کچھ بچتا ہے وہ اس کا مالک ہوتا ہے۔

اس تفصیل کو ذہن میں رکھ کر اب سمجھئے کہ حدیث میں مذکورہ "موالات" سے ولاء کی پہلی قسم بھی مراد ہو سکتی ہے، اس صورت میں اس حکم کے معنی یہ ہوں گے کہ جس شخص کے موالی یعنی مذکورہ بالا عہد و پیمان کے مطابق دوست اور رفقاء ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے ان دوستوں کی اجازت کے بغیر کسی اور جماعت کو اپنا موالی (دوست) نہ بنائے کیونکہ اس کی وجہ سے ایک طرح کی عہد شکنی بھی ہوتی ہے اور مسلمانوں کو قلبی اذیت اور روحانی تکلیف میں مبتلا کرنا بھی ہوتا ہے جو کسی مسلمان کے لئے قطعاً مناسب نہیں ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ "موالات" سے ولاء کی دوسری قسم مراد ہو، اس کے پیش نظر معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص اپنی آزادی کی نسبت آزاد کرنے والے کی بجائے کسی دوسرے کی طرف کرے تو وہ مستحق لعنت ہوتا ہے جیسا کہ اپنے باپ کی بجائے کسی غیر کی طرف اپنی نسبت کرنے والا شخص مستحق لعنت ہوتا ہے اس صورت میں "بغیر اذن موالیہ" کی قید اکثر کے اعتبار سے ہوگی کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر آزادی یافتہ غلام اپنے مالک سے اس بات کی اجازت چاہتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کی نسبت اس کی بجائے کسی دوسرے کی طرف کرے تو وہ اس کی اجازت نہیں دیتا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر مالک اجازت دے دے تو پھر غیر مالک کی طرف نسبت کرنا درست ہو جائے گا کیونکہ پھر جھوٹ کی صورت بن جائے گی جو ویسے بھی جائز نہیں ہے۔

آزادی کے بعد چھ ماہ سے پہلے بچے کو جنم دینے کا بیان

وَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَلَدًا فَوَلَاؤُهُ لِمَوْلَى الْأُمِّ فَإِنْ أَعْتَقَ الْعَبْدَ جَرَّ وَلَاءَ ابْنِهِ وَانْتَقَلَ عَنْ مَوْلَى الْأُمِّ إِلَى مَوْلَى الْأَبِ وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ بِمُعْتَقَةِ الْعَرَبِ فَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلَادًا فَوَلَاءُ أَوْلَادِهَا لِمَوَالِيهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَوَلَاءُ الْعَتَاقَةِ تَعْصِيبٌ فَإِنْ كَانَ لِلْمُعْتِقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَهُمْ أَوْلَى مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَمِيرَاثُهُ لِلْمُعْتِقِ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ فَمِيرَاثُهُ لِبَنِي الْمَوْلَى دُونَ بَنَاتِهِ ،

ترجمہ

اب جب اس نے اپنی آزادی کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں بچے کو جنم دے دیا تو اس کی ولاء ماں کے مالک کی ہوگی۔ اس کے بعد جب باپ آزاد کر دیا گیا تو اپنے بیٹے کی ولاء کو کھینچ لے گا۔ اور وہ ماں کے مالک سے باپ کے مالک کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

جس عجمی نے عرب کی آزاد کی گئی لونڈی سے شادی کی تو اس سے بچہ پیدا ہوا۔ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولاد کی ولاء لونڈی کے آقا کی ہوگی۔ لیکن امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے بچوں کی ولاء ان کے باپ کی ہوگی۔ اس لئے کہ نسب آباء کی جانب سے ہوتا ہے۔ آزاد ہونے والے آدمی کی ولاء قبضہ کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب آزاد ہونے والے کا کوئی نسبی رشتہ دار ہو تو ولاء کا وہی حقدار ہوگا۔ جب اس کا کوئی نسبی رشتہ دار نہ ہو تو اس کی میراث آزاد کرنے والے کے لئے ہی ہوگی۔ جب مالک فوت ہو جائے اس کے بعد آزاد ہونے والا بھی فوت ہو جائے تو اس کی میراث اس کے مالک کے بیٹوں کے

لئے تو ہوگی مگر بیٹیوں کے لئے نہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص عاقل بالغ کسی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اس نومسلم نے اس سے یا کسی دوسرے سے موالاۃ کی یعنی یہ کہا کہ اگر میں مرجاؤں تو میرا وارث تو ہے اور مجھ سے کوئی جنایت ہو تو دیت تجھے دینی ہوگی اس نے قبول کرلیا یہ موالاۃ صحیح ہے اس کا نام مولی الموالاۃ ہے اور دونوں جانب سے بھی موالاۃ ہوسکتی ہے یعنی ہر ایک دوسرے سے کہے کہ تو میرا وارث ہوگا اور میری جنایت کی دیت دے گا اور دوسرا قبول کرے۔ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ مولیٰ عرب میں سے نہ ہو۔ (درمختار، کتاب ولاء، بیروت)

عورتوں کے آزاد کردہ کے لئے میراث ہونے کا بیان

وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا مَا أَعْتَقْنَ أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقْنَ أَوْ كَاتَبْنَ أَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ أَوْ دَبَّرْنَ أَوْ دَبَّرَ مَنْ دَبَّرْنَ فَإِنْ تَرَكَ الْمَوْلَى ابْنًا وَأَوْلَادَ ابْنٍ آخَرَ فَمِيرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلابْنِ دُونَ بَنِي الِابْنِ وَالْوَلَاءُ لِلْكَبِيرِ وَإِذَا أَسْلَمَ رَجُلٌ عَلَى يَدِ رَجُلٍ وَوَالَاهُ عَلَى أَنْ يَرِثَهُ وَيَعْقِلَ عَنْهُ أَوْ أَسْلَمَ عَلَى يَدِ غَيْرِهِ وَوَالَاهُ فَالْوَلَاءُ صَحِيحٌ وَعَقْلُهُ عَلَى مَوْلَاهُ فَإِنْ مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ فَمِيرَاثُهُ لِلْمَوْلَى وَإِنْ كَانَ لَهُ وَارِثٌ فَهُوَ أَوْلَى مِنْهُ وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَنْتَقِلَ عَنْهُ بِوَلَايَةٍ إِلَى غَيْرِهِ مَا لَمْ يَعْقِلْ عَنْهُ الْأَعْلَى فَإِنْ عَقَلَ عَنْهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَتَحَوَّلَ بِوَلَائِهِ إِلَى غَيْرِهِ، وَلَيْسَ لِمَوْلَى الْعَتَاقَةِ أَنْ يُوَالِيَ أَحَدًا

ترجمہ

اور عورتوں کے لئے یا ان کے آزاد کردہ کے آزاد کئے گئے یا ان عورتوں کے مکاتب کے لئے یا ان کے مکاتب کے مکاتب کے لئے یا ان کے مدبر کے لئے یا ان کے مدبر کے مدبر کے لئے میراث ہوگی۔ یا وہ ان عورتوں کے آزاد کئے گئے کی میراث یا ان کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ کی ولاء (میراث) کھینچ لے گا۔

جب کسی آقا نے ایک بیٹا اور بیٹے کی ایک اولاد کو چھوڑا۔ تو آزاد ہونے والے کی میراث بیٹے کے لئے تو ہوگی۔ مگر بیٹے کی اولاد کے لئے نہیں ہوگی کیونکہ ولاء میراث بڑے کی ہی ہوتی ہے۔ جب کسی آدمی نے کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس سے موالات (یعنی میرے مرنے کے بعد تو میرے کل مال کا مالک ہوگا) کی کہ وہ اس کا وارث بنے گا۔ اور کسی زیادتی کا جرمانہ ادا کرے گا یا کسی اور کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس سے موالات کی تو یہ ولاء درست ہوگی۔ مگر تاوان (جرمانہ) اس کے مالک پر ہو گا۔ جب وہ فوت ہوجائے اور اس کا کوئی بھی وارث نہ ہو تو اس کی میراث اس کے مالک کی ہوگی۔ اگر اس کا کوئی وارث ہو تو وہ اس کے آقا سے اولیٰ ہوگا۔ اور آقا اپنی ولاء کسی اور کی جانب منتقل کرسکتا ہے۔ جب وہ اس کی جانب سے جرمانہ نہ دے چکا ہو۔ اگر وہ جرمانہ بھر چکا ہو تو پھر وہ اپنی ولاء کسی اور کی طرف منتقل نہیں کرسکے گا۔ اور کسی بھی مولیٰ سے آزاد ہونے والے کے لئے کسی سے

موالات کرنا جائز نہیں ہے۔

مالک مال کے لئے ملکیت ولاء ہونے کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مال کا وارث ہوتا ہے وہ ولاء کا بھی وارث ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 290)

آزاد شدہ غلام کے مال کو ولاء کہتے ہیں لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً زید کا باپ مر گیا پھر اس کے بعد اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام یا اس کے باپ کا آزاد کردہ غلام مرا تو اب یہ شخص یعنی زید اس کے مال کا وارث ہوگا کیونکہ جس طرح یہ اپنے باپ کی دیگر املاک کا وارث ہوتا ہے اسی طرح اپنے باپ کے ولاء کا بھی وارث ہے لیکن یہ حکم صرف عصبہ کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جو عصبہ وارث مثلاً بیٹا بنفسہ ہونے کی حیثیت سے میت کے مال کا وارث ہوتا ہے وہی عصبہ ولاء کا وارث ہوگا لہٰذا آزاد کرنیوالے کی بیٹی اپنے باپ کے ولاء کی وارث نہیں ہوگی کیونکہ اگرچہ وہ اپنے باپ کے مال کی وارث ہوتی ہے مگر عصبہ نہیں ہوتی بلکہ عصبہ بنفسہ تو صرف مرد ہوتے ہیں عورتیں عصبہ بنفسہ نہیں ہوتیں ہاں عورت ایسے آزاد شدہ غلام کے مال کی تو وارث ہوتی ہے جسے اس نے خود آزاد کیا ہو یا اس کو اس کے آزاد کردہ غلام نے آزاد کیا ہو۔

یہ بات پہلے ہو چکی ہے کہ آزاد شدہ غلام کے اگر عصبات نسبی نہیں ہوتے تو اس کا حق ولاء اس کو آزاد کرنیوالے کو پہنچتا ہے یعنی اس کے مرنے کے بعد اس کے آزاد کرنیوالا اس کی میراث کا مالک بنتا ہے۔ اس قاعدہ کے مطابق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام مر گیا اور اس کا کوئی نسبی وارث نہیں تھا تو اس کی میراث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنی چاہئے تھی لیکن انبیاء چونکہ کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ کوئی شخص انبیاء کا وارث ہوتا ہے اس لئے اس آزاد شدہ غلام کی میراث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں لی بیت المال کے مصرف میں دیدی۔

•••-----•••-----•••

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ

﴿یہ کتاب جنایات کے بیان میں ہے﴾

کتاب جنایات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے ولاء کے بعد جنایات کو بیان کیا ہے۔کیونکہ ولاء میں مال کی حفاظت کی جاتی ہے جبکہ جنایات میں جانوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔اور مال جانوں کی حفاظت کے لئے وسیلہ ہے۔پس اس کومقدم کردیا ہے۔اوراس کے اجزاء کے محاسن وہی ہیں جوحدود کے محاسن ہیں۔(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب جنایات، بیروت)

جنایات کے لغوی مفہوم کا بیان

جنایات جمع ہے جنایت کی۔جنایت کے معنی ہیں،قصور کرنا،جرم کرنا،اس سے قبل وہ ابواب گزرے ہیں جن میں جنایات کی سزائیں تاوان اور قصاص وغیرہ کے سلسلہ میں احادیث گزری ہیں،اس باب کا مقصد جنایات کی ان صورتوں کو بیان کرنا ہے جن میں معاوضہ اور تاوان واجب نہیں ہوتا۔

یہاں جنایت سے مراد وہ فعل ہے جس سے جان یا اعضاء کو نقصان پہنچایا جائے اس کے احکام کا تعلق حکومت سے ہے کہ وہی ان کا نفاذ کرتی ہے۔

قتل مؤمن کی حرمت کے شرعی ماخذ کا بیان

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُه جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَه وَاَعَدَّ لَه عَذَابًا عَظِيْمًا ۔(النساء،۹۳)

اور جو کوئی قتل کرے گا کسی مومن کو جان بوجھ کرتو اس کی اصل سزا جہنم ہے جس میں اسے ہمیشہ رہنا ہوگا اس پر اللہ کا غضب ہوا اوراس کی لعنت (وپھٹکار) بھی،اور اللہ نے اس کے لئے تیار کررکھا ہے ایک بڑا ہی ہولناک عذاب۔(کنزالایمان)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ۲ف سواس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک مومن کا جان بوجھ کر قتل کرنا کتنا بڑا اور کس قدر سنگین جرم ہے اوراس کا انجام کس قدر ہولناک ہے،کہ ایسے شخص کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑیگا۔اللہ کا اس پر غضب ہے اوراس کی لعنت وپھٹکار،اوراس کے لئے اللہ نے بڑا ہی ہولناک عذاب تیار کررکھا ہے۔اسی لئے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا لَزَوَالُ الدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِم۔یعنی ایک مسلمان

کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا ساری کے زوال اور اس کی ہلاکت وتباہی سے بھی کہیں بڑھ کر ہے (ترمذی کتاب الدیات)

اور سنن ترمذی ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آسمان اور زمین والے سب ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں گرائے گا، (ترمذی، کتاب الدیات، باب الحکم فی الدماء)

اور ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر کسی نے ایک آدھے کلمے سے بھی کسی مسلمان کے قتل میں مدد کی ہوگی تو وہ قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے مایوس ہے (سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات باب التغليظ في قتل مسلم ظلماً) سو قاتل عمد کی اصل سزا یہی ہے اور اس کے جرم کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے۔ آگے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی سچی توبہ پر اپنے فضل وکرم سے، اور اپنی شان کریمی کی بناء پر معاف فرما دے تو یہ اور بات ہے کہ اس کی رحمت وعنایت بہرحال بہت بڑی اور لامحدود ہے اور اس کی شان کرم واحسان بہت ہی بڑی ہے۔ اور اس کا صاف وصریح اعلان بھی یہی ہے کہ (اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا) 39 ۔ الزمر:53)

لیکن قتل مومن کے جرم کی اصل بہرحال سزا یہی ہے۔ سو ایک طرف مومن کی عظمت شان سے متعلق ان نصوص کریمہ کو بھی دیکھا جائے اور دوسری طرف خون مسلم کی اس ارزانی کو بھی جو آج دنیا ساری میں جگہ جگہ اور طرح طرح سے جاری ہے اور جس کے چرچے تمام ذرائع ابلاغ پر دن رات جاری رہتے ہیں۔ فالى الله المشتكىٰ وهو المستعان في كُلِّ حِيْنٍ وَّآنٍ،

(خزائن العرفان، نساء ۹۳)

قتل کی اقسام خمسہ کا بیان

اَلْقَتْلُ عَلَى خَمْسَةِ أَوْجُهٍ عَمْدٍ وَشِبْهِ عَمْدٍ وَخَطأٍ وَمَا أُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَأِ ، وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ فَالْعَمْدُ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِسِلَاحٍ أَوْ مَا أُجْرِيَ مُجْرَى السِّلَاحِ فِي تَفْرِيقِ الْأَجْزَاءِ كَالْمُحَرَّدِ مِنَ الْخَشَبِ ، وَالْحَجَرِ ، وَالنَّارِ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهُ وَمُوجَبُ ذَلِكَ الْمَأْثَمُ ، وَالْقَوَدُ وَلَا كَفَّارَةَ فِي قَتْلِ الْعَمْدِ عِنْدَنَا إِلَّا أَنْ يَعْفُوَ الْأَوْلِيَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ فِيهِ،

ترجمہ

قتل کی پانچ اقسام ہیں: قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطاء، قتل جاری مجریٰ خطاء اور قتل بالسبب ہے۔ قتل عمد تو یہ ہے کہ ہتھیار کے ساتھ یا جو چیز ہتھیار کے قائم مقام ہے اس کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی صورت میں مارنے کا قصد کرے۔ مثال کے طور پر جیسے دھاری دار لکڑی، پتھر اور آگ وغیرہ۔ اس کی سزا گناہ اور قصاص ہے۔ لیکن مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو قصاص نہیں ہوگا۔ گناہ بہرحال ہوگا۔ اور اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔

قتل کی اقسام کا فقہی بیان

فقہا کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں۔(۱) قتل عمد۔(۲) قتل شبہ عمد۔(۳) قتل خطاء۔(۴) قتل جاری مجری خطاء۔(۵) قتل بسبب۔

قتل عمد یہ ہے کہ مقتول کو کسی چیز سے مارا جائے جو اعضاء کو جدا کر دے (یا اجزاء جسم کو پھاڑ ڈالے) خواہ وہ ہتھیار کی قسم سے ہو یا پتھر، لکڑی، کھپاچ کی قسم سے کوئی تیز (دھاردار) چیز ہو اور مادہ آگ کا شعلہ ہو، صاحبین کے نزدیک قتل عمد کی تعریف یہ ہے کہ" مقتول بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے مارا جائے جس سے عام طور پر انسان کو ہلاک کیا جا سکتا ہے" قتل عمد کا مرتکب سخت گناہگار ہوتا ہے اور اس قتل کی سزا قصاص (یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دینا) ہے الا یہ کہ مقتول کے ورثاء اس کو معاف کر دیں یا دیت (مالی معاوضہ) لینے پر راضی ہو جائیں، اس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

قتل شبہ عمد۔ یہ ہے کہ مقتول کو مذکورہ بالا چیزوں (ہتھیار اور دھاردار چیز وغیرہ) کے علاوہ کسی اور چیز سے قصداً ضرب پہنچائی گئی ہو قتل کی یہ صورت بھی (باعتبار ترک عزیمت اور عدم احتیاط) گنہگار کرتی ہے، لیکن اس میں قصاص کی بجائے قاتل کے عاقلہ (برادری کے لوگوں) پر دیت مغلظہ واجب ہوتی ہے (دیت مغلظہ چار طرح کے سو اونٹوں کو کہتے ہیں، لیکن اگر ہلاکت واقع نہ ہو تو قصاص واجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے مرنے کی بجائے مضروب کا کوئی عضو کٹ گیا ہو تو مارنے والے کا بھی وہی عضو کاٹا جائے گا۔

قتل خطاء کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ "خطاء" کا تعلق "قصد" سے ہو، مثلاً ایک چیز کا شکار گمان کر کے تیر یا گولی کا نشان بنایا گیا مگر وہ آدمی نکلا یا کسی شخص کو حربی کافر سمجھ کر تیر یا گولی کا نشانہ بنایا مگر وہ مسلمان نکلا۔ دوسرے یہ کہ "خطا" کا تعلق "فعل" سے ہو مثلاً کسی خاص نشانہ پر تیر یا گولی چلائی گئی مگر وہ تیر یا گولی بہک کر کسی آدمی کے جا لگی۔"

قتل جاری مجریٰ خطاء کی صورت یہ ہے مثلاً ایک شخص سوتے میں کسی دوسرے شخص پر جا پڑا اور اس کو ہلاک کر ڈالا! قتل خطاء اور جاری مجریٰ خطاء میں کفارہ لازم آتا ہے اور عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، نیز ان صورتوں میں (باعتبار ترک عزیمت) گناہ بھی ہوتا ہے۔

قتل بسبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں کھدایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی تیسرا شخص اس کنویں میں گر کر یا اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر مر گیا۔ اس صورت میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ قتل کی پہلی چار قسمیں یعنی عمد، شبہ عمد، اور جاری مجریٰ خطاء میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے (اور وہ صورت کہ مقتول، قاتل کا مورث ہو) اور پانچویں قسم یعنی "قتل بسبب" میں قاتل، مقتول کی میراث سے محروم نہیں ہوتا

آلات قتل سے حکم قتل کا بیان

ایک مومن، مسلمان آدمی کو جان بوجھ کر (عمداً) قتل کرنے والے سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی مسلمان کو تلوار، خنجر جیسے کسی لوہے والی چیز سے قتل کرے یا کسی ایسے آلہ سے کہ جسے کاٹنے، ذبح کرنے یا مارنے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ یا کسی ایسی چیز کے ذریعے کہ جس کے استعمال سے معلوم ہوا کہ اس سے کسی کی موت واقع ہو جائے گی۔ جیسے کہ بھاری پتھر، اینٹ یا زہر یا ڈنڈا، لاٹھی یا پستول، ریوالور، گرنیڈ یا گولہ وغیرہ یا جدید اسلحہ جات میں سے کوئی بھی نئی چیز۔

قتل شبہ عمد کا بیان

وَشِبْهُ الْعَمْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِمَا لَيْسَ بِسِلَاحٍ وَلَا مَا أُجْرِيَ مَجْرَى السِّلَاحِ وَشِبْهُ الْعَمْدِ عِنْدَهُمَا أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِمَا لَا يَقْتُلُ غَالِبًا وَمُوجَبُ ذَلِكَ عَلَى الْقَوْلَيْنِ الْمَأْثَمُ، وَالْكَفَّارَةُ وَلَا قَوَدَ فِيهِ وَفِيهِ الدِّيَةُ الْمُغَلَّظَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ

ترجمہ

اور قتل شبہ عمد امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے ساتھ جو نہ ہتھیار ہو نہ ہتھیار کے قائم مقام ہو اس سے مارنے کا ارادہ کرے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک شبہ عمد یہ ہے کہ کسی ایسی شئے کے ساتھ مارنے کا ارادہ کرے۔ جس سے اکثر طور پر آدمی نہیں مرتا۔ اس کی سزا دونوں قولوں کے مطابق گناہ اور کفارہ ہے۔ اور اس میں قصاص نہیں بلکہ عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے۔

قصاص کو واجب کرنے والے قتل کا بیان

حضرت طاوس ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص لوگوں کے درمیان پتھراؤ میں یا کوڑوں اور لاٹھیوں کی اندھا دھند مار میں مار جائے (یعنی یہ نہ پتہ چلے) کہ اس کا قاتل کون ہے) تو یہ قتل (گناہ نہ ہونے کے اعتبار سے) قتل خطاء کے حکم میں ہوگا (کیونکہ وہ بلا قصد قتل مارا گیا ہے) اور اس کی دیت، قتل خطا کی دیت ہے اور جو شخص جان بوجھ کر مارا گیا تو اس کا قتل، قصاص کو واجب کرے گا اور جو شخص قصاص لینے میں حائل (مزاحم) ہو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے نہ اس کے نفل قبول کئے جائیں گے اور نہ فرض۔

(ابوداؤد، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 643)

لوگوں کے درمیان پتھراؤ کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید کسی ایسی جگہ گھر گیا جہاں دو مخالف گروہ آپس میں لڑ رہے تھے۔ اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر پتھراؤ ہو رہا تھا کہ اچانک ایک پتھر اس (زید) کے آ کر لگا۔ اور وہ مر گیا۔ گویا اگر کوئی شخص پتھر کی ضرب سے مر جائے بلکہ یوں کہے کہ یہاں "پتھر" کا ذکر محض اتفاقی ہے مراد یہ ہے کہ کسی بھی مثقل (بھاری) چیز کی ضرب سے مر

جائے تو یہ قتل قصاص کو واجب نہیں کرتا بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے اور دیت بھی وہ جو قتل خطاء میں واجب ہوتی ہے۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو قتل کو "شبہ عمد" کہتے ہیں،

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ "وہ قتل جو کسی غیر دھار دار چیز سے واقع ہوا ہو اگر چہ وہ کوئی ایسی چیز سے نہ ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو" لیکن صاحبین اور حضرت امام شافعی کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ وہ قتل جو بارادہ قتل کسی ایسی چیز سے ہوا ہو جس سے اکثر ہلاکت واقع نہ ہوتی ہو اور جو قتل کسی ایسی چیز سے ہوا جس سے اکثر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو قتل عمد میں داخل ہوگا، لہٰذا حدیث میں مذکورہ چیزیں یعنی پتھر اور لاٹھی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تو اپنے مطلق معنی پر محمول ہیں کہ خواہ وہ ہلکی ہوں یا بھاری جب کہ صاحبین اور حضرت امام شافعی کے نزدیک یہ چیزیں ہلکی (غیر مثقل) ہونے پر محمول ہیں گویا خلاصہ یہ نکلا کہ جو قتل مثقل (بھاری) چیز کے ذریعہ ہوا اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہوگا اور صاحبین اور حضرت امام شافعی کے نزدیک مذکورہ بالا تفصیل کا اعتبار کیا جائے گا۔

پتھر کے ذریعے قتل کرنے پر وجوب قصاص میں مذاہب اربعہ

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا (یعنی ایک پتھر پر اس کا سر رکھ کر دوسرے پتھر سے اس پر ضرب ماری) چنانچہ (جب لڑکی کا نزاعی بیان لیا گیا تو) اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ معاملہ کیا ہے، کیا فلاں شخص نے؟ کیا فلاں شخص نے؟ (یعنی جن جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لیا گیا) یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اس نے ایسا کیا ہے۔ پھر اس یہودی کو حاضر کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اس یہودی کا سر کچلنے کا حکم فرمایا اور اس کا سر پتھروں سے کچلا گیا۔"

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 628)

بظاہر یہ مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس یہودی نے لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچلا تھا اسی طرح اس یہودی کا بھی دو پتھروں کے درمیان کچلا گیا ہو، یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح اگر کوئی عورت کسی مرد کو قتل کر دے تو مقتول مرد کے بدلے میں اس عورت کو قتل کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مقتول عورت کے بدلے میں اس کے مرد قاتل کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر علماء کا یہی قول ہے، نیز یہ حدیث اس امر پر بھی دلالت ہے کہ ایسے بھاری پتھر سے کسی کو ہلاک کر دینا جس کی ضرب سے عام طور پر ہلاکت واقع ہو جاتی ہو، قصاص کا بموجب ہے۔ چنانچہ اکثر علماء اور تینوں ائمہ کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر پتھر کی ضرب سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس کی وجہ سے قصاص لازم نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جہاں تک اس یہودی سے قصاص لینے کا سوال ہے تو اس کا تعلق سیاسی اور وقتی مصالحی سے تھا۔

لاٹھی سے قتل کرنے کے سبب وجوب دیت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے روز خطبہ دیا اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا پھر فرمایا کہ اللہ کے علاوہ کوئی بندگی کے لائق نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر فرمایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے تمام لشکروں کو ہزیمت سے دوچار کیا راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہاں تک حفظ کیا تھا مسدد سے پھر دونوں راوی متفق ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آگاہ رہو، ہر وہ فضیلت اور ترجیح دور جاہلیت میں خون یا مال کی ذکر کی جاتی تھیں اور ان کا دعویٰ کیا جاتا تھا وہ سب میرے دونوں قدموں کے نیچے ہیں سوائے اس فضیلت کے جو حجاج کو پانی پلانے اور بیت اللہ کی خدمت کی تھی، پھر فرمایا کہ آگاہ رہو بے شک قتل خطاء کی دیت قتل شبہ عمد کے برابر ہوگی جبکہ کوڑے اور لاٹھی سے قتل ہو وہ دیت سو اونٹ ہیں ان میں چالیس اونٹنیاں وہ ہوں گی جن کے پیٹوں میں بچے ہوں مسدد کی حدیث زیادہ مکمل ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1144)

شبہ عمد کا حکم خطاء میں ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شبہ میں عمد یعنی خطاء کا مقتول وہ ہے جسے کوڑے یا لاٹھی سے قتل کیا جائے اس میں سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ دوسری سند سے یہی مضمون مروی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 785)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز کعبہ کی سیڑھی پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثناء کی فرمایا تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور لشکروں کو تنہا اس نے شکست دی غور سے سنو جسے کوڑے یا لاٹھی کے ذریعہ قتل کیا گیا اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہیں جن میں بچے ہوں غور سے سنو جاہلیت کی ہر رسم اور ہر خون میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے۔ سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانا میں، ان دونوں خدمتوں کو انہی لوگوں کے سپرد پہلے یہ خدمتیں تھیں۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 786)

قتل کی دوسری قسم شبہ عمد ہے۔ وہ یہ کہ قصداً قتل کرے مگر اسلحہ سے یا جو چیزیں اسلحہ کے قائم مقام ہوں ان سے قتل نہ کرے مثلاً کسی کو لاٹھی یا پتھر سے مار ڈالا یہ شبہ عمد ہے اس صورت میں بھی قاتل گنہگار ہے اور اس پر کفارہ واجب ہے اور قاتل کے عصبہ پر دیت مغلظہ واجب جو تین سال میں ادا کریں گے۔ دیت کی مقدار کیا ہوگی اس کو آئندہ ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شبہ عمد مار ڈالنے ہی کی صورت میں ہے۔ اور اگر وہ جان سے نہیں مارا گیا بلکہ اس کا کوئی عضو تلف ہو گیا مثلاً لاٹھی سے مارا اور اس کا ہاتھ یا انگلی ٹوٹ کر علیحدہ ہوگئی تو اس کو شبہ عمد نہیں کہیں گے بلکہ یہ عمد ہے اور اس صورت میں قصاص ہے۔ (درمختار، کتاب جنایات، بیروت)

قتل خطاء کی اقسام کا بیان

وَالْخَطَأُ عَلَى وَجْهَيْنِ خَطَأٌ فِي الْقَصْدِ وَهُوَ أَنْ يَرْمِيَ شَخْصًا يَظُنُّهُ صَيْدًا فَإِذَا هُوَ آدَمِيٌّ وَخَطَأٌ فِي الْفِعْلِ وَهُوَ أَنْ يَرْمِيَ غَرَضًا فَيُصِيبُ آدَمِيًّا وَمُوجَبُ ذَلِكَ الْكَفَّارَةُ، وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا مَأْثَمَ فِيهِ وَمَا أُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَأِ مِثْلُ النَّائِمِ يَنْقَلِبُ عَلَى رَجُلٍ فَيَقْتُلُهُ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْخَطَأِ.

ترجمہ

اور قتل خطاء کی آگے پھر دو اقسام ہیں۔ خطاء فی القصد اور خطاء فی الفعل۔ خطاء فی القصد تو یہ ہے کہ کسی کو شکار سمجھ کر کے تیر مار دے۔ مگر وہ آدمی ہو اور خطاء فی الفعل یہ ہے وہ تیر مارے تو نشانے پر ہی۔ مگر وہ کسی آدمی کے لگ جائے اس کی سزا کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیت بھی لیکن اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اور قتل جاری مجرائے خطاء کی مثال یہ ہے کہ سونے والا کسی دوسرے پر کروٹ لے کر گر پڑے۔ پس اس طرح وہ اسے قتل کر ڈالے۔ پس اس کا حکم قتل خطاء کا حکم ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور تیسری قسم قتل خطا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے گمان میں غلطی ہوئی، مثلاً اس کو شکار سمجھ کر قتل کیا اور شکار نہ تھا بلکہ انسان ہے یا حربی یا مرتد سمجھ کر قتل کیا حالانکہ وہ مسلم تھا دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے فعل میں غلطی ہوئی مثلاً شکار پر یا چاند ماری پر گولی چلائی اور لگ گئی آدمی کو کہ یہاں انسان کو شکار نہیں سمجھا بلکہ شکار ہی کو شکار سمجھا اور شکار ہی پر گولی چلائی مگر ہاتھ بہک گیا۔ گولی شکار کو نہیں لگی آدمی کو لگی۔ اسی کی یہ صورتیں بھی ہیں۔ نشانہ پر گولی لگ کر لوٹ آئی اور کسی آدمی کو لگی یا نشانہ سے پار ہو کر کسی آدمی کو لگی یا ایک شخص کو مارنا چاہتا تھا دوسرے کو لگی یا ایک شخص کے ہاتھ میں مارنا چاہتا تھا دوسرے کی گردن میں لگی یا ایک شخص کو مارنا چاہتا تھا مگر گولی دیوار پر لگی پھر ٹپا کھا کر لوٹی اور اس شخص کو لگی یا اس کے ہاتھ سے لکڑی یا اینٹ چھوٹ کر کسی آدمی پر گری اور مر گیا یہ سب صورتیں قتل خطا کی ہیں۔ (درمختار، کتاب جنایات، بیروت)

قتل خطاء کا حکم

اور قتل خطا کا حکم یہ ہے کہ قاتل پر کفارہ واجب ہے اور اس کے عصبہ پر دیت واجب جو تین سال میں ادا کی جائے گی۔ قتل خطا کی دونوں صورتوں میں اس کے ذمہ قتل کا گناہ نہیں۔ یہ تو ضرور گناہ ہے کہ ایسے آلہ کے استعمال میں اس نے بے احتیاطی برتی، شریعت کا حکم ہے کہ ایسے موقعوں پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

قتل خطاء کی صورتیں اور کفارہ

اس آیت میں قتل خطا کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ قتل خطا کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً تیر یا پتھر مارا تو شکار کو تھا لیکن وہ کسی مسلمان کو لگ گیا اور وہ مر گیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ماری تو کوئی چیز عمداً ہی تھی مگر مارنے والے کو ہرگز یہ گمان نہ تھا کہ وہ اس ہلکی

ی ضرب سے مر ہی جائے گا۔ تیسری یہ کہ لڑائی وغیرہ کسی ہنگامے میں کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر مار ڈالے۔ جیسا کہ جنگ احد میں شکست کے بعد مسلمانوں نے بدحواسی کے عالم میں سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے والد سیدنا یمان رضی اللہ عنہ کو کافر سمجھ کر مار ڈالا تھا۔ حالانکہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہی رہے کہ یہ تو میرے والد ہیں مگر اس افراتفری کے عالم میں کسی نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی آواز کو سنا ہی نہ تھا۔ اور چوتھی صورت جو آج کل بہت عام ہے، یہ کہ ٹریفک کے حادثہ میں کسی گاڑی کے نیچے آ کر، یا اس کی ضرب سے مارا جائے۔

قتل خطا کے احکام یا اس کے کفارہ کی صورتوں کا بیان

۱۔ اگر مقتول کے وارث مسلمان ہیں تو ایک غلام مومن (خواہ مرد ہو یا عورت) آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا بھی ادا کرنا ہوگا۔ خون بہا یا دیت سو اونٹ یا ان کی قیمت کے برابر رقم ہے۔ جو قاتل کے وارث مقتول کے وارثوں کو ادا کریں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ادائیگی دیت کی زیادہ سے زیادہ مدت تین سال تک ہے اور یہ دیت مقتول کے وارث چاہیں تو معاف بھی کر سکتے ہیں۔

اور اگر قاتل کو (آزاد کرنے کے لیے) غلام میسر نہ آئے تو وہ متواتر دو ماہ روزے بھی رکھے گا۔

واضح رہے کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد جنگ احد میں اجتماعی صورت میں کئی مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے جنہیں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان معاف کر دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل احد کی خطائیں معاف کر دی تھیں لہٰذا وہاں کفارے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

۲۔ اگر مقتول تو مومن ہو مگر دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا کفارہ صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر میسر نہ آئے تو دو ماہ کے متواتر روزے ہیں اور اس کی دیت نہ ہوگی۔

۳۔ اور اگر مومن مقتول کا تعلق کسی معاہد قوم سے ہو تو اس کے وہی احکام ہیں جو پہلی صورت کے ہیں۔

قصاص کے لغوی و فقہی مفہوم کا بیان

اصطلاح شریعت میں "قصاص کا مفہوم ہے، قاتل کی جان لینا، جس شخص نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دینا! یہ لفظ قص اور قصص سے "نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کے پیچھے پیچھے جانا، چونکہ مقتول کا ولی قاتل کا پیچھا پکڑتا ہے تا کہ اسے مقتول کے بدلے میں قتل کرائے اس لئے قاتل کی جان لینے کو قصاص کہا جاتا ہے، ویسے قصاصات کے معنی مساوات (برابری) کے بھی ہیں۔ "قصاص" پر اس معنی کا اطلاق اس طرح ہوتا ہے کہ جب قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیا جاتا ہے تو مقتول کا ولی اور قاتل یا مقتول اور قاتل برابر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قصاص میں قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو قاتل نے مقتول کے ساتھ کیا تھا۔

قصاص" کے معنی بدلہ و مکافات کے ہیں یعنی جس شخص نے جیسا کیا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی کرنا! مثلاً اگر کسی شخص نے کسی

شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی قتل کرنا اور اگر کسی شخص نے کسی شخص کو زخمی کیا ہے تو اس کے بدلہ میں اس کو بھی زخمی کرنا قصاص کہلاتا ہے قیامت کے دن، جان کا بدلہ جان، زخم اور تکلیف ہوگا اور دنیا میں جس نے جس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہوگا کہ خواہ اس کو آزردہ کیا ہو اور خواہ کوئی بھی جسمانی اور روحانی اذیت پہنچائی ہو اور وہ چیونٹی یا مکھی ہی کیوں نہ ہو، تو قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا اگر چہ وہ مکلف نہ ہو چنانچہ تمام حیوانات کو بھی قیامت کے دن اسی لئے اٹھایا جائے گا تا کہ ان کو بھی ایک دوسرے کا بدلہ دلوایا جا سکے مثلاً اگر کسی سینگ والی بکری نے کسی بے سینگ بکری کو مارا ہوگا تو اس دن اس کو قصاص یعنی بدلہ دینا ہوگا۔

رہن میں رکھے ہوئے غلام کو قتل کرنے کا بیان

وَإِذَا قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ لَمْ يَجِبْ الْقِصَاصُ حَتَّى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ، وَالْمُرْتَهِنُ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عَمْدًا فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ وَمَنْ قَطَعَ يَدَ غَيْرِهِ مِنْ الْمَفْصِلِ عَمْدًا قُطِعَتْ يَدُهُ، وَلَوْ كَانَتْ أَكْبَرَ مِنْ يَدِ الْمَقْطُوعِ وَكَذَلِكَ الرِّجْلُ وَمَارِنُ الْأَنْفِ، وَالْأُذُنُ، وَمَنْ ضَرَبَ عَيْنَ رَجُلٍ فَقَلَعَهَا فَلَا قِصَاصَ فِيهَا فَإِنْ كَانَتْ قَائِمَةً وَذَهَبَ ضَوْءُهَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ،

ترجمہ

جب رہن رکھا گیا غلام قتل کر دیا جائے، تو راہن اور مرتہن کے جمع ہونے تک قصاص واجب نہیں ہوگا۔ جس نے کسی کو قصداً زخمی کر دیا پس وہ بستر پر پڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہی ہو گیا تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔

جس نے ارادۃً جوڑ سے کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالا تو اس کے بدلے میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ ایسے ہی پاؤں، ناک کے حصے، اور کان کو کاٹ دینے پر بھی یہی حکم لگے گا۔ جس نے کسی کی آنکھ پر مارا، اور اسے نکال ہی دیا تو اس پر قصاص نہیں ہوگا۔

پھر جب اس کی آنکھ تو قائم رہی لیکن اس کی روشنی جاتی رہی تو اس صورت میں اس پر اس کے لئے قصاص ہوگا۔ اور اس کے لئے شیشہ گرم کیا جائے گا۔ اور اس کے چہرے پر گیلی روئی رکھ کر وہ شیشہ اس کی آنکھ کے سامنے رکھ جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھ کی روشنی بھی چلی جائے۔

شرح

اس بات پر تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد شخص کسی غلام کو قتل کر دے تو قاتل کو سخت سزا ضرور دی جائے۔ ان میں اختلاف اس بات پر ہے اس آزاد شخص کو غلام کے بدلے قصاص میں قتل کیا جائے گا یا نہیں۔ فقہاء کا ایک گروہ اس بات کی قائل ہے کہ اس آزاد شخص کو بھی غلام کے بدلے قصاص میں موت کی سزا دی جائے گی۔ دوسرے گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آزاد کو قتل تو نہیں کیا جائے گا البتہ سخت سزا ضرور دی جائے گی۔

آنکھ سے بینائی کے قصاص میں بینائی کو دور کرنے کا بیان

اور جب کسی نے کسی کی آنکھ پر ایسی ضرب لگائی کہ جس سے صرف روشنی جاتی رہی اور بظاہر آنکھ میں اور کوئی عیب نہیں ہے تو اس طرح قصاص لیا جائے گا کہ مارنے والے کی آنکھ کی روشنی زائل ہو جائے اور کوئی دوسرا عیب پیدا نہ ہو۔ (بزازیہ علی الھندیہ ص 390 جلد 6، عالمگیری ص 9 جلد 6، درمختار و شامی ص 486 جلد 5، تبیین الحقائق ص 111 جلد 6، بحرالرائق ص 303 جلد 8، فتح القدیر ص 270 جلد 8 وہدایہ، قاضی خان علی الھندیہ ص 483 جلد 3، مجمع الانہر ص 625 جلد 2، طحطاوی علی الدر ص 268 جلد 4، مبسوط ص 152 جلد 26، بدائع صنائع ص 308 جلد 7، درر غرر شرنبلالی ص 65 جلد (2)

اور اگر آنکھ نکال لی یا اس طرح مارا کہ اندر دھنس گئی تو قصاص نہیں ہے، کیوں کہ مماثلت نہیں ہوسکتی۔ (درمختار ص 486 جلد 5، عالمگیری ص 9 جلد 6، قاضی خاں علی الھندیہ ص 438 جلد 3، بحرالرائق ص 303 جلد 8، تبیین الحقائق ص 111 جلد 6، ہدایہ، فتح القدیر ص 270 جلد 8، مبسوط ص 152 جلد 26)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی، آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی، ناک کاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا، دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ہی حکم میں۔ جبکہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں، ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔ قاعدہ اعضا کا کٹنا تو جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے۔ جیسے ہاتھ، پیر، قدم، ہتھیلی وغیرہ۔ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں،

ہڈی میں قصاص کے ہونے نہ ہونے میں فقہی مذاہب

ان کی بابت حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ "ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لئے کہ وہ خوف وخطر کی جگہ ہے۔

ان کے برخلاف ابوحنیفہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں، بجز دانت کے اور امام شافعی کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابن عباس سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطاء، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور عمر بن عبدالعزیز بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد بھی۔ امام احمد سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل وہی حضرت انس والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے۔ لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ "ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار ماردی، جس سے اس کی کلائی کٹ گئی،

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آیا، آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اس کو لے لے اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا۔

دانت اور اس کی مماثلت والے زخم میں قصاص ہونے کا بیان

وَفِي السِّنِّ الْقِصَاصُ وَفِي كُلِّ شَجَّةٍ يُمْكِنُ فِيهَا الْمُمَاثَلَةُ الْقِصَاصُ وَلَا قِصَاصَ فِي عَظْمٍ إِلَّا فِي السِّنِّ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ شِبْهُ عَمْدٍ إِنَّمَا هُوَ عَمْدٌ أَوْ خَطَأٌ وَلَا قِصَاصَ بَيْنَ الرَّجُلِ، وَالْمَرْأَةِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ وَلَا بَيْنَ الْحُرِّ، وَالْعَبْدِ وَلَا بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ وَيَجِبُ الْقِصَاصُ فِي الْأَطْرَافِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ، وَالْكَافِرِ

ترجمہ

اور دانت میں اور ہر وہ زخم جس میں اس کی مماثلت ہوسکتی ہے قصاص ہے۔ مگر دانت کے علاوہ اور کسی ہڈی میں کوئی قصاص نہیں ہے اور جان کے علاوہ کسی چیز میں شبہ نہیں ہے۔ تو وہ عمد ہے یا خطا مرد اور عورت کے مابین جان کے ماسواء میں قصاص نہیں ہے اور نہ آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ دو غلاموں کے درمیان کوئی قصاص ہے۔ مگر مسلمان اور کافر کے درمیان اعضاء میں قصاص واجب ہے۔

شرح

حضرت محمد بن عبداللہ انصاری حمید انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ربیع بنت نضر نے ایک بچی کے دانت توڑ ڈالے تو اس کے آدمیوں نے اس سے دیت مانگی اور ربیع کے لوگوں نے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو قصاص کا حکم دیا انس بن نضر نے کہا کیا ثنیہ کے دانت توڑے جائیں گے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے انس! کتاب اللہ تو قصاص کا حکم دیتی ہے پھر وہ لوگ راضی ہو گئے اور معاف کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ اس کو پورا کر دیتا ہے فزاری نے بواسطہ حمید انس نقل کیا کہ وہ لوگ راضی ہو گئے اور دیت منظور کر لی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2542)

جوڑ سے ہاتھ کو کاٹ دینے کا بیان

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ أَوْ جَرَحَهُ جَائِفَةً وَإِنْ كَانَتْ يَدُ الْمَقْطُوعِ صَحِيحَةً وَيَدُ الْقَاطِعِ شَلَّاءَ أَوْ نَاقِصَةَ الْأَصَابِعِ فَالْمَقْطُوعُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ الْيَدَ الْمَعِيبَةَ وَلَا شَيْءَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْأَرْشَ كَامِلًا ،

ترجمہ

جس نے کسی کا جوڑ کے نصف سے ہاتھ کاٹ ڈالا یا پیٹ تک زخم لگا دیا پس وہ اس سے بری ہوگیا یعنی صحت پا گیا تو اس پر قصاص نہیں ہوگا۔ جس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ جب اس کا ہاتھ بالکل صحیح حالت میں تھا' اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہو یا اس کے ہاتھ کی انگلیاں ناقص ہوں تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا اسے اختیار ہوگا۔ جب چاہے' تو عیب دار ہاتھ کٹوا لے اس صورت میں اس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی شئے نہ ہوگی اور جب وہ چاہے' تو پوری دیت وصول کر لے۔

ہاتھ پاؤں کے قصاص میں مساوات ہونے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ہاتھ کو جوڑ پر سے کاٹ لیا ہے، اس کا قصاص لیا جائے گا، جس جوڑ پر سے کاٹا ہے اسی جوڑ سے اس کا بھی ہاتھ کاٹ لیا جائے۔ اس میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کا ہاتھ چھوٹا تھا اور اس کا بڑا ہے کہ ہاتھ ہاتھ دونوں یکساں ہیں۔

اور جب کلائی یا پنڈلی درمیان میں سے کاٹ دی یعنی جوڑ پر سے نہیں کاٹی بلکہ آدھی یا کم وبیش کاٹ دی اس میں قصاص نہیں کہ یہاں مماثلت ممکن نہیں اس طرح ناک کی ہڈی کل یا اس میں سے کچھ کاٹ دی یہاں بھی قصاص نہیں۔

اور اسی طرح جب پاؤں کاٹا یا ناک کا نرم حصہ کاٹا یا کان کاٹ دیا۔ ان میں قصاص ہے اور اگر ناک کے نرم حصہ میں سے کچھ کاٹا ہے تو قصاص واجب نہیں اور ناک کی نوک کاٹی ہے تو اس میں حکومت عدل ہے۔ کاٹنے والی کی ناک اس کی ناک سے چھوٹی ہے۔ تو جس کی ناک کاٹی ہے اسے اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت اور اگر کاٹنے والے کی ناک میں کوئی خرابی ہے مثلاً وہ اخشم ہے جسے بو محسوس نہیں ہوتی یا اس کی ناک کچھ کٹی ہوئی ہے یا اور کسی قسم کا نقصان ہے تو اس کو اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت لینے والا ہوگا۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب جنایات، بیروت)

قتل کے بدلے میں قصاص ہونے کی مختلف صورتوں کا بیان

وَأَمَّا الْقَتْلُ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ وَمُوجِبُ ذَلِكَ إذَا تَلِفَ فِيهِ آدَمِيٌّ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا كَفَّارَةَ فِيهِ وَوَاضِعُ الْحَجَرِ وَالْقِصَاصُ وَاجِبٌ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُونِ الدَّمِ عَلَى التَّأْبِيدِ،

وَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ ، وَالْحُرُّ بِالْعَبْدِ وَيَكُونُ الْقِصَاصُ لِسَيِّدِهِ وَالْعَبْدُ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَيُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ وَلَا يُقْتَلُ بِالْمُسْتَأْمَنِ وَيُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ ، وَالْكَبِيرُ بِالصَّغِيرِ ، وَالصَّحِيحُ بِالْأَعْمَى وَالزَّمِنِ وَلَا يُقْتَلُ الرَّجُلُ بِابْنِهِ وَلَا بِعَبْدِهِ وَلَا بِعَبْدِهِ وَلَا بِمُدَبَّرِهِ وَلَا بِمَكَاتِبِهِ وَلَا بِعَبْدِ وَلَدِهِ،

وَمَنْ وَرِثَ قِصَاصًا عَلَى أَبِيهِ سَقَطَ وَلَا يَسْتَوْفِى الْقِصَاصَ إِلَّا بِالسَّيْفِ وَإِذَا قَتَلَ الْمُكَاتَبُ عَمْدًا وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ إِلَّا الْمَوْلَى فَلَهُ الْقِصَاصُ ،

ترجمہ

رہ گیا قتل بالسبب تو وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی دوسرے کی ملک میں کنواں کھودرہا تھا یا پتھر رکھ رہا تھا۔ پس اس نے اسے قتل کرڈالا۔ اس صورت میں جب آدمی ضائع ہوجائے، تو اس کی سزا عاقلہ پر دیت ہوگی۔ مگر اس میں کفارہ نہیں ہوگا۔

ہر وہ ذات جس کے خون کی ہمیشہ حفاظت کی جاتی ہو۔ اسے قتل کرنے سے قصاص واجب ہوجاتا ہے۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب کوئی اسے قصداً قتل کردے۔ آزاد کے بدلے میں آزاد کو ہی قتل کیا جائے گا۔ اور غلام کے بدلے میں آزاد کو اور آزاد کے بدلے میں غلام کو اور غلام کے بدلے میں غلام کو قتل کیا جائے گا۔ اور ذمی کے بدلے میں تو مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ مگر امن حاصل کرنے والے کے بدلے میں نہیں، اور عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔ لیکن آدمی کو اپنے بیٹے، غلام، مدبر، مکاتب اور بیٹے کے غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ جب کوئی شخص اپنے باپ پر قصاص کا وارث ہوگیا تو وہ ساقط ہو جائے گا۔ اور قصاص کا مطالبہ صرف تلوار کے ساتھ ہی کیا جائے گا۔

جب کسی مکاتب کو ارادۃً قتل کردیا جائے۔ اس کے آقا کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو، تو اس کے لئے قصاص کا حق ہوگا یہ اس صورت میں ہوگا جب مکاتب نے کوئی مال نہ چھوڑا ہو۔ لیکن جب وہ کچھ مال چھوڑ گیا ہو کوئی اس کا وارث بھی ہو جو آقا کے علاوہ ہو، تو وہ جبکہ آقا کے ساتھ مل جائیں۔ پھر بھی انہیں قصاص کا حق نہیں ہوگا۔

مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کرنے میں مذاہب اربعہ

حضرت شعبی، ابوجحیفہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے کہا کہ امیر المومنین کیا آپ کے پاس کوئی ایسی تحریر ہے جو اللہ کتاب میں نہ ہو، حضرت علی نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور روح کو وجود بخشا۔ مجھے علم نہیں کہ کوئی ایسی چیز ہو جو قرآن میں نہ ہو۔ البتہ، ہمیں قرآن کی وہ سمجھ ضرور دی گئی ہے جو کسی انسان کو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے پھر کچھ چیزیں ہمارے پاس مکتوب بھی ہیں راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا وہ کیا ہیں حضرت علی نے فرمایا اس میں دیت ہے اور قیدیوں یا غلاموں کے آزاد کرنے کا ذکر ہے اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی روایت ہے حضرت علی کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، شافعی، احمد، اسحاق، کا یہی قول ہے کہ مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے مسلمان کو بطور قصاص قتل کیا جائے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1447)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی منقول کہ کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث حسن ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔

امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر بن خطاب سے منقول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ امام مالک، شافعی، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1448)

والدین کے لئے بیٹے کو قتل پر قصاص نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسجدوں میں حدود جاری نہ کی جائیں اور نہ اولاد کے (قتل کے) بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے (بلکہ باپ سے دیت (یعنی مالی معاوضہ لیا جائے)۔

(ترمذی، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 636)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، یا اسی قسم کے دوسرے جرائم حدود (یعنی ان کی شرعی سزائیں) مساجد میں جاری نہ کی جائیں، اسی طرح قصاص بھی اسی حکم میں داخل ہے کہ کسی قاتل کو بطور قصاص مسجد میں قتل نہ کیا جائے کیونکہ مسجدیں فرض نماز پڑھنے کے لئے ہیں یا فرض نماز کے توابع کے لئے ہیں جیسے نفل نمازیں یا ذکر و شغل اور دینی علوم کا پڑھنا پڑھانا۔

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ اگر باپ اپنی اولاد کو قتل کر دے تو اس کو مقتول اولاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اس بارے میں فقہی تفصیل یہ ہے کہ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو قتل کر دے تو اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ بیٹے کو بطور قصاص قتل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ماں باپ، بیٹے کو مار ڈالے تو اس میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں، امام ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد تو یہ فرماتے ہیں کہ باپ کو بطور قصاص قتل نہ کیا جائے، امام مالک کا قول یہ ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے مار ڈالا ہے تو اس صورت میں باپ کو بطور قصاص قتل کیا جا سکتا ہے اور اگر اس نے بیٹے کو تلوار سے ختم کیا ہے تو پھر اس سے قصاص نہ لیا جائے! یہ ملحوظ رہے کہ اس بارے میں ماں کا حکم بھی وہی ہے جو باپ کا ہے، نیز دادا دادی، اور نانی بھی ماں اور باپ کے حکم میں ہیں۔

قصاص میں بیٹے کے قتل ہونے کا بیان

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے اور وہ حضرت سراقہ ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے لیکن باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے تھے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 638)

یعنی اگر بیٹا اپنے باپ کو مار ڈالتا ہے تو باپ کو قصاص میں بیٹے کو قتل کر دیا جاتا ہے لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو مار ڈالتا ہے تو باپ

کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس سے خون بہا (خون کا مالی معاوضہ) لیا جاتا تھا۔

غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرنے میں فقہی مذاہب کا بیان

امام ابوحنیفہ امام ثوری امام ابن ابی لیلی اور داؤد کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت سعید بن جبیر حضرت ابراہیم نخعی حضرت قتادہ اور حضرت حکم کا بھی یہی مذہب ہے،

حضرت امام بخاری، علی بن مدینی، ابراہیم نخعی اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوری کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو نکٹا کرے ہم بھی اس کی ناک کاٹ دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے،

لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے اگر وہ خطاء سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم ہے۔

قصاص و دیت کے دارومدار میں برابری ہونے کا فقہی بیان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں اور ایک ادنی مسلمان بھی امان دے سکتا ہے اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے اور سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں (یعنی تمام مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں ایک ہاتھ کی مانند ہوتے ہیں کہ جس طرح کسی چیز کو پکڑنے یا سکون و حرکت کے موقع پر ایک ہاتھ کے تمام اجزاء میں کوئی مخالفت یا جدائی نہیں ہوتی، اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ غیروں کے مقابلے پر متحد و متفق رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں) اور خبردار! کافر کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذمی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے۔ ابوداؤد، نسائی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 641)

سب مسلمان برابر ہیں:" کا مطلب یہ ہے کہ قصاص اور خون بہا کے لینے دینے میں سب مسلمان برابر ہیں اور یکساں ہیں شریف اور رزیل میں، چھوٹے درجہ والا کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے، یا بڑی ذات والے کے خون بہا کی مقدار پوری دی جائے اور چھوٹی ذات والے کے خون بہا کی مقدار کم دی جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ اگر کوئی با حیثیت آدمی کسی کم حیثیت والے کو قتل کر دیتا تھا وہ تو قصاص میں اس کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس عوض میں اس کے قبیلے کے ان چند آدمیوں کو قتل کر دیا جاتا تھا جو زیردست ہوتے تھے۔

"اور ایک ادنیٰ مسلمان بھی امان دے سکتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں کا کوئی ادنیٰ ترین فرد جیسے غلام یا عورت کسی کافر کو امان دے دے تو سب مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کافر کو امان دیں اور اس کے جان و مال کی حفاظت کا جو عہد اس مسلمان کی طرف سے کیا گیا ہے اس کو نہ توڑیں۔

"اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے" اس جملہ کے دو مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان نے جو دار الحرب سے دور رہا ہے کسی کافر کو امان دے رکھی ہے تو ان مسلمانوں کے لئے جو دار الحرب کے قریب ہیں یہ جائز نہیں ہے کہ اس مسلمان کے عہد امان کو توڑ دیں۔ دوسرے معنی یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہو جائے، اور مسلمانوں کا امیر لشکر کے ایک دستہ کو کسی دوسری سمت میں بھیج دے اور پھر وہ دستہ مال غنیمت لے کر واپس آئے تو وہ مال غنیمت صرف اسی دستہ کا حق نہیں ہوگا، بلکہ وہ سارے لشکر والوں کو تقسیم کیا جائے گا۔

"جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جو کافر جزیہ (ٹیکس) ادا کر کے اسلامی سلطنت کا وفادار شہری بن گیا ہے اور اسلامی سلطنت نے اس کے جان و مال کی حفاظت کا عہد کر لیا ہے تو جب تک وہ ذمی ہے اور اپنے ذمی ہونے کے منافی کوئی کام نہیں کرتا اس کو مسلمان قتل نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کو ذمہ داری سمجھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قانون حکومت کی نظر میں ایک ذمی کے خون کی بھی وہی قیمت ہے جو ایک مسلمان کے خون کی ہے لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو ناحق قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اس کے قاتل مسلمان کو قتل کر دینا چاہئے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔

اس نکتہ سے حدیث کے اس جملہ " کافر کے بدلے میں مسلمان کو نہ مارا جائے" کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ یہاں "کافر" سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ ذمی! حاصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک کسی مسلمان کو حربی کافر کے قصاص میں تو قتل نہ کیا جائے لیکن ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان کو کسی کافر کے قصاص میں قتل نہ کیا جائے خواہ وہ کافر حربی ہو یا ذمی۔

غلام کے بدلے مالک کے قتل وعدم قتل میں فقہی مذاہب

حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے اسے قتل کریں گے اور جس نے اپنے غلام کے اعضاء (ناک، کان وغیرہ) کاٹے ہم بھی اس کے اعضاء کاٹیں گے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ بعض علماء، تابعین، اور ابراہیم نخعی کا یہی مذہب ہے۔ بعض اہل علم جن میں حضرت حسن بصری، اور عطاء بن ابی رباح بھی شامل ہیں فرماتے ہیں کہ آزاد اور غلام کے درمیان خون اور زخم میں قصاص نہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر مالک اپنے غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا لیکن اگر غلام کسی اور کا ہو تو اس کے بدلے آزاد کو بھی قتل کیا جائے سفیان ثوری کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1449)

حضرت حسن بصری (تابعی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سمرۃ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا" جوشخص اپنے غلام کوقتل کرے گا ہم اس کوقتل کردیں گے اور جوشخص (اپنے غلام کے) اعضاء کاٹے گا ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اورنسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ کہ جوشخص اپنے غلام کوخصی کرے گا ہم اس کوخصی کردیں گے۔ (مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 639)

جوشخص اپنے غلام کوقتل کردے گا ہم اس کوقتل کردیں گے دیں گے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورزجروتشدید اور تنبیہ فرمایا کہ لوگ اپنے غلاموں کو مارڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص نے سخت ترین ممانعت تنبیہ کے باوجود بھی جب چوتھی یا پانچویں بار شراب پی لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کوقتل کردو، لیکن جب وہ آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس کوقتل نہیں کیا۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں غلام سے مراد وہ شخص ہے جو غلام بھی رہا ہو، اور پھر آزاد کردیا گیا ہو، اگرچہ ایسے شخص کوغلام نہیں کہا جاتا لیکن اس کے سابق حال کے اعتبار سے اس کو یہاں غلام تعبیر کیا گیا۔

اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس آیت کریمہ (اَلْحرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی) 2۔البقرۃ: 178) کے ذریعہ منسوخ ہے! اس بارے میں جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے غلام کوقتل کردے تو اس کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس نے اپنے غلام کوقتل کردیا تو اس غلام کے بدلے میں اس کوقتل نہیں کیا جائے گا۔ امام اعظم کے سوا تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ آیت کریمہ (اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی) 2۔البقرۃ:178) کے بموجب کسی آزاد شخص کو نہ تو اپنے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے اور نہ کسی دوسرے کے بدلے میں۔ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت سفیان ثوری کا قول یہ ہے کہ مقتول غلام کے بدلے میں قاتل آزاد کوقتل کیا جائے خواہ وہ مقتول اس کا اپنا غلام ہو یا کسی دوسرے کا۔

اور جوشخص اعضاء کاٹے گا الخ" شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ "تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی آزاد کسی غلام کے اعضاء جسم کاٹ ڈالے تو اس کے بدلے میں اس آزاد کے اعضاء جسم نہ کاٹے جائیں" علماء کے اس اتفاق سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے" یا تو زجروتنبیہ پر محمول ہے یا منسوخ ہے۔

زخم کا سر کو دونوں جانبوں سے گھیر لینے کا بیان

وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا شَجَّةً فَاسْتَوْعَبَتِ الشَّجَّةُ مَا بَيْنَ قَرْنَيْهِ وَهِيَ لَا تَسْتَوْعِبُ مَا بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّاجِّ فَالْمَشْجُوجُ بِالْخِيَارِ اقْتَصَّ بِمِقْدَارِ شَجَّتِهِ يَبْتَدِءُ مِنْ أَيِّ الْجَانِبَيْنِ شَاءَ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْأَرْشَ كَامِلًا وَلَا قِصَاصَ فِي اللِّسَانِ وَلَا فِي الذَّكَرِ إِذَا قُطِعَ إِلَّا أَنْ يَقْطَعَ الْحَشَفَةَ وَإِذَا اصْطَلَحَ الْقَاتِلُ وَأَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ عَلَى مَالٍ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَوَجَبَ الْمَالُ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا

ترجمہ: جس نے کسی کو زخمی کیا پھر زخم نے اس کے سر کی دونوں طرفوں سے گھیر لیا مگر اس زخم نے زخم لگانے والے کے سر کی

دونوں طرفوں کو نہ گھیرا تو زخمی کو اختیار ہوگا چاہے تو قصاص لے لے اور اپنے زخم کی مقدار کے مطابق سر کی جس طرف سے پسند کرے شروع کرلے اور جب چاہے تو کامل دیت وصول کرلے۔ زبان اور عضو تناسل کے کاٹنے میں قصاص نہیں، مگر حشفہ کاٹنے میں قصاص ہوگا۔ جب کسی قاتل نے مقتول کے ورثاء کے ساتھ کچھ مال پر صلح کرلی تو قصاص ساقط ہوجائے گا۔ اور وہ مال کم ہو یا زیادہ واجب ہوگا۔

بعض اعضاء میں دیت ہونے کا فقہی بیان

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کتاب تحریر فرمائی اہل یمن کے واسطے اس میں فرض اور سنت اور دیت کی حالت تحریر تھی وہ تحریر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کے ہمراہ بھیجی وہ پڑھی گئی اہل یمن پر اس میں تحریر تھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو کہ خداوند قدوس کے نبی ہیں رحمت نازل ہو خداوند قدوس کی ان پر اور سلام شرجیل بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال اور حارث بن عبد کلال کو معلوم ہو جو کہ رئیس ہیں قبیلہ ذی رعین اور معافر اور ہمدان کے اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ جو شخص مسلمان کو بلاوجہ قتل کردے اور گواہان سے اس پر خون ثابت ہو (یا وہ شخص اقرار کرے) تو اس سے انتقام لیا جائے گا لیکن جس وقت مقتول کے ورثاء معاف کردیں معلوم ہو کہ جان کی دیت سو اونٹ ہیں اور ناک جس وقت پوری کاٹی جائے پوری دیت ہے (یعنی سو اونٹ ہیں) اس طریقہ سے زبان سے اور ہونٹوں اور فوطوں اور شرم گاہ اور پشت اور دو آنکھ کی پوری دیت ہے اور ایک پاؤں میں آدھی دیت واجب ہے لیکن دونوں پاؤں میں پوری دیت ہے اور جو زخم دماغ کے مغز تک پہنچ جائے اس میں آدھی دیت (اور ایک نسخہ میں ہے کہ تہائی دیت ہے) اور جو زخم پیٹ تک پہنچے اس میں تہائی دیت ہے اور جس زخم سے ہڈی ہٹ جائے اس میں پندرہ اونٹ ہیں اور ہر ایک انگلی میں ہاتھ یا پاؤں کی دس اونٹ ہیں اور دانت میں پانچ اونٹ دیت ہے اور جس زخم سے ہڈی کھل جائے اس میں پانچ اونٹ دیت ہے اور مرد کو قتل کیا جائے گا عورت کے عوض اور سونے والے لوگوں (یعنی سنار وغیرہ پر) ایک ہزار دینار دیت ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1157)

کان کاٹنے پر قصاص ہونے کا بیان

جب کسی کا پورا کان قصداً کاٹ دیا جائے تو قصاص ہے اور اگر کان کا بعض حصہ کاٹ دیا جائے اور اس میں برابری کی جا سکتی ہو تو بھی قصاص ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری ص10 جلد6، شامی ص486 جلد5، طحطاوی علی الدر ص268 جلد4)

اور جب کسی نے کسی کا کان قصداً کاٹا اور کاٹنے والے کا کان چھوٹا یا پھٹا ہوا یا چرا ہوا ہے اور جس کا کان کاٹا گیا اس کا کان بڑا یا سالم ہے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے وہ قصاص لے اور چاہے تو نصف دیت لے اور اگر جس کا کان کاٹا گیا ہے اس کا کان ناقص تھا تو انصاف کے ساتھ تاوان ہے۔ (شامی ص486 جلد5، عالمگیری ص10 جلد6، بحرالرائق ص303 جلد8 طحطاوی علی الدر ص468 جلد(4)

اور اگر کسی شخص نے کان کھینچا اور کان کی لو جدا کرلی تو اس میں قصاص نہیں۔ اس پر اپنے مال میں دیت ہے۔

(عالمگیری ص10 جلد6، بحرالرائق ص303 جلد8 طحطاوی علی الدر ص268 ج(4)

ہونٹ کاٹنے سے وجوب قصاص کا بیان

اور اگر کسی نے کسی کا پورا ہونٹ قصداً کاٹ دیا تو قصاص ہے، اوپر کے ہونٹ میں اوپر کے ہونٹ سے، اور نیچے کے ہونٹ میں نیچے کے ہونٹ سے قصاص لیا جائے گا اور اگر بعض ہونٹ کاٹ دیا تو قصاص نہیں ہے۔ (عالمگیری ص ۱۱ ج 6)

حرم میں قصاص لینے پر مذاہب فقہاء کا بیان

ابن خطل کے بارے میں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان تھا مگر پھر مرتد ہو گیا تھا اور اس نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔ جو اس کا خدمت گار تھا، نیز اس نے ایک پیشہ ور گانے والی لڑکی پال رکھی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام اور اسلام کے احکام و شعائر کی ہجو کرتی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اس بات سے حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی یہ استدلال کرتے ہیں کہ حرم مکہ میں قصاص اور حدود وسزائیں جاری کرنا جائز ہے، حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن خطل کے قتل کا حکم اس لئے دیا کہ وہ مرتد ہو گیا تھا، تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قصاص کے طور پر قتل کرایا تو پھر یہ کہا جائے گا کہ اس کا قتل اس خاص ساعت میں ہوا ہوگا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے زمین حرم مباح کر دی گئی تھی۔

اولیائے مقتول میں سے بعض کے معاف کر دینے کا بیان

وَإِنْ عَفَا أَحَدُ الشُّرَكَاءِ فِي الدَّمِ أَوْ صَالَحَ مِنْ نَصِيبِهِ عَلَى عِوَضٍ سَقَطَ حَقُّ الْبَاقِينَ مِنَ الْقِصَاصِ وَكَانَ لَهُمْ نَصِيبُهُمْ مِنَ الدِّيَةِ وَإِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ وَاحِدًا اُقْتُصَّ مِنْ جَمِيعِهِمْ وَإِذَا قَتَلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً فَحَضَرَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِينَ قُتِلَ بِجَمَاعَتِهِمْ وَلَا شَيْءَ لَهُمْ غَيْرُ ذٰلِكَ وَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قُتِلَ لَهُ وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِينَ

ترجمہ

جب کسی شریک نے خون معاف کر دیا یا اپنے حصے کی طرف سے کسی عوض پر صلح کر لی تو باقی لوگوں کے قصاص کا حق بھی ساقط ہو جائے گا۔ مگر دیت میں سے ان کا حصہ ہوگا جب کسی ایک جماعت نے ایک آدمی کو قتل کیا تو ان تمام سے قصاص لیا جائے گا۔ جب کسی ایک نے ایک جماعت کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد قتل ہونے والوں کے ورثاء آ گئے تو اسے ان سب کے لئے قتل کیا جائے گا۔ اور ان کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی شئے نہ ہوگی۔ جب ان میں سے کوئی ایک ہی آیا تو قاتل کو اس کی خاطر قتل کر دیا جائے گا۔ اور باقی لوگوں کا حق ساقط ہو جائے گا۔

قصاص میں تجزی نہ ہونے کا بیان

اور جب مقتول کے ورثاء میں سے مرد، عورت، ماں، دادی وغیرہ کسی ایک نے قصاص معاف کر دیا یا بیوی کا قصاص شوہر نے

معاف کر دیا تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اگر ورثاء میں سے کسی نے قصاص کے اپنے حق کے بدلے میں مال پر صلح کر لی یا معاف کر دیا تو باقی ورثاء کے قصاص کا حق ساقط ہو جائے گا اور دیت سے اپنا حصہ پائیں گے اور معاف کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ قصاص کے دو مستحق اشخاص میں سے ایک نے معاف کر دیا تو دوسرے کو نصف دیت تین سال میں قاتل کے مال سے ملے گی۔ (عالمگیری از کافی ص 21 ج (6)

مال پر صلح میں قاتل کی رضامندی کی شرط نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

امام مالک کا مشہور مذہب اور امام ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعی اور امام احمد کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

قاتل جماعت سے قصاص لینے کا بیان

حضرت سعید ابن مسیب راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب (خلیفۃ المسلمین) نے ایسے پانچ یا سات آدمیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا جنہوں نے فریب اور دھوکے سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اگر صنعاء والے سب اس شخص کو قتل کر دیتے یا قاتلوں کی مدد کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔ (مالک) امام بخاری نے بھی حضرت ابن عمر سے اسی مانند نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 646)

صنعاء یمن کا ایک مشہور شہر ہے جو آج کل اپنے ملک کا دار الحکومت بھی ہے، حضرت عمر نے "صنعاء کا ذکر کیا تو اس لئے کیا کہ جن قاتلوں کو انہوں نے قتل کیا تھا قصاص میں، وہ سب ہی صنعا کے ہی رہنے والے تھے، یا یہ کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے کلام میں "صنعا" مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر ایک شخص کو قتل کرنے میں کئی آدمی شریک ہوں تو قصاص میں ان سب کو قتل کر دینا چاہئے۔

ایک شخص کے قصاص میں قتل جماعت پر مذاہب اربعہ

چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صنعا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کرا دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے خلاف آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اعتراض نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمد سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کیے جائیں۔

حضرت معاذ حضرت ابن زبیر عبد الملک بن مروان زہری ابن سیرین حبیب بن ابی ثابت سے بھی یہ قول مروی ہے، ابن

المنذر فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کردے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کردے، اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کردے، حیل وحجت نہ کرے۔

قاتل کی موت کے سبب قصاص کے ساقط ہو جانے کا بیان

وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ فَمَاتَ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَإِذَا قَطَعَ رَجُلَانِ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا فَلَا قِصَاصَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَعَلَيْهِمَا نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِذَا قَطَعَ وَاحِدٌ يُمْنَى رَجُلَيْنِ فَحَضَرَا فَلَهُمَا أَنْ يَقْطَعَا يَمِينَهُ وَيَأْخُذَا مِنْهُ نِصْفَ الدِّيَةِ يَقْتَسِمَانِهَا نِصْفَيْنِ وَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا قَطَعَ يَدَهُ وَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ دِيَةٍ وَإِذَا أَقَرَّ الْعَبْدُ بِقَتْلِ الْعَمْدِ لَزِمَهُ الْقَوَدُ وَمَنْ رَمَى رَجُلًا عَمْدًا فَنَفَذَ مِنْهُ السَّهْمُ إِلَى آخَرَ فَمَاتَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ لِلْأَوَّلِ، وَالدِّيَةُ لِلثَّانِي عَلَى عَاقِلَتِهِ

ترجمہ

اور وہ آدمی جس پر قصاص واجب تھا فوت ہو گیا۔ تو وہ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ جب دو آدمیوں نے کسی ایک کا ہاتھ کاٹ ڈالا تو ان میں سے کسی پر بھی قصاص نہیں ہوگا بلکہ نصف دیت دونوں پر ہوگی۔ جب کسی ایک آدمی نے دو آدمیوں کے داہنے داہنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور ان دونوں نے اسے آلیا تو وہ دونوں یا تو اس کا ہاتھ کاٹیں گے یا نصف دیت اس سے لے کر آپس میں برابر بانٹ لیں گے۔ جب ان میں سے ایک آ گیا تو وہ اس کا ہاتھ کاٹ دے گا۔ اور دوسرا اس سے نصف دیت لے لے گا۔ جب کسی غلام نے قتل عمد کا اعتراف کر لیا تو اس پر قصاص لازم ہو جائے گا۔ وہ آدمی جس نے ارادۃً کسی کو تیر مارا۔ وہ تیر اس آدمی سے آر پار ہو کر ایک دوسرے آدمی کو بھی جا لگا۔ اور وہ دونوں ہی فوت ہو گئے۔ تو اس صورت میں پہلے آدمی کے لئے تو قصاص ہوگا۔ مگر دوسرے کے لئے اس کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔

سقوط محلیت ومعافی اولیاء کا ہم مقیس ہونے کا بیان

اس حکم کے تحت فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مقتول کے ورثاء میں سے ولی اقرب نے معاف کر دیا تو بالاجماع قصاص معاف ہو جائے گا اور اس طرح مکمل قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ قصاص میں اجزاء نہیں ہوتے اور دوسرے استدلال سے یہ قاعدہ ثابت ہو رہا ہے کہ قصاص مقتول کے جمیع ورثاء کے مطالبے پر تھا اور ان مطالبہ بھی حق تھا کیونکہ قصاص کا حکم نص سے ثابت ہے۔ اور یہ ان کا اجتماعی حق تھا لیکن ان میں سے جب کسی ایک نے بھی قاتل کو معاف کر دیا تو اجتماعیت ساقط ہو گئی جس کی وجہ سے قصاص

ساقط ہوگیا کیونکہ اجتماعیت کے سقوط کی وجہ باقی تمام ورثاء جو مطالبے پر اصرار کررہے ہیں وہ ضمنی ہوگئے اور قانون یہ ہے کہ جب اصل شیٔ یعنی اجتماعیت ساقط ہوگئی تو اس کے ضمن میں آنے والے باقی تمام افراد کا مطالبہ قصاص بھی ساقط ہوجائے گا۔

اسی طرح مذکورہ متن کا مسئلہ بھی ہے یعنی جب محل ہی فوت ہو چکا ہے تو قصاص کہاں سے لیا جائے گا لہٰذا سقوط محل کے سبب معافی اولیاء کی طرح قصاص ساقط ہوجائے گا۔

آدمی کا اس کے اپنے اقرار کی وجہ سے مواخذہ کیا جانے کا قاعدہ فقہیہ

المرء مواخذة باقراره ۔(ماخوذ من الاشباه)

آدمی کا اس کے اپنے اقرار کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے گا۔ اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک کر دیجے آپ نے فرمایا: تمہیں ہلاکت ہو جاؤ اور اللہ سے استغفار کرو اور توبہ کرو۔ انھوں نے پھر تھوڑی دیر بعد واپس آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پاک کر دیجئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح فرمایا حتی کہ چوتھی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمایا میں تم کو کس چیز سے پاک کروں انھوں نے کہا زنا سے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق پوچھا؟ کہ کیا ان کا دماغ خراب ہے انہوں نے کہا نہیں وہ کوئی پاگل نہیں ہے آپ نے فرمایا کیا اس نے شراب پی ہے ایک شخص نے کھڑے ہوکر ان کا منہ سونگھا تو شراب کی بد بو محسوس نہیں کی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں پھر آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ (مسلم ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب اقرار پر اتنا بڑا مواخذ کیا جا سکتا ہے تو عام اور اس سے کم درجے کے جرائم میں بھی اقرار پر مواخذہ کرنا بدرجہ اولی جائز ہے۔

•••———•••———•••

کتاب الدیات

﴿یہ کتاب دیات کے بیان میں ہے﴾

کتاب دیات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے قصاص کے احکام کو بیان کیا ہے اور اب یہاں سے دیت سے متعلق احکام کو بیان کررہے ہیں۔ کیونکہ قصاص اصل ہے اور دیت اس کا خلیفہ ہے۔ اور اس کا بدل ہے۔ پس اصل کو تقدم حاصل ہونے سے سبب پہلے ذکر کیا ہے جبکہ بدل وخلیفہ کو تاخر حاصل ہونے کے سبب بعد میں ذکر کیا ہے۔ اور یہی اس کی فقہی مطابقت ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، کتاب دیات، حقانیہ ملتان)

دیت کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

دیات، جمع ہے دیت کی جس کے معنی ہیں مالی معاوضہ گویا دیت اس مال کو کہتے ہیں جو جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص (مجروح) کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے! عنوان میں جمع کا لفظ "دیات" دیت کی انواع (قسموں) کے اعتبار سے لایا گیا ہے اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ دیت کی مختلف قسمیں ہیں مثلا ایک دیت تو وہ ہوتی ہے جو کسی کو جان سے مار ڈالنے کے بدلہ میں دی جاتی ہے اور ایک دیت وہ ہوتی ہے جو اعضاء کے نقصان کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ پھر نوعیت وحیثیت کے اعتبار سے بھی دیت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو مغلظہ کہلاتی ہے اور دوسری کو مخففہ کہتے ہیں۔

دیت مغلظہ تو یہ ہے کہ چار طرح کی سو اونٹنیاں ہوں یعنی پچیس بنت مخاض (جو ایک سال کی ہوکر دوسرے سال میں لگی ہو) پچیس بنت لبون (جو دو سال میں لگی ہوں) پچیس حقہ (جو تین سال کی ہوکر چوتھے سال میں لگی ہوں) اور پچیس جذعہ (جو چار سال کی ہوکر پانچویں سال میں لگی ہوں) یہ تفصیل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ابو یوسف کے مسلک کے مطابق ہے، حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک دیت مغلظہ یہ ہے کہ تین طرح کی اونٹنیاں ہوں یعنی تیس حقہ، تیس جذعہ، اور چالیس مثنہ (جو پانچ سال کی ہوکر چھٹے سال میں لگی ہوں) اور سب حاملہ ہوں۔ دیت مغلظہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل شبہ عمد کا مرتکب پایا گیا ہو۔

دیت مخففہ یہ ہے کہ اگر سونے کی قسم سے دیت دی جائے تو اس کی مقدار ایک ہزار دینار (اشرفی) ہے اور اگر چاندی کی قسم سے دی جائے تو دس ہزار درہم دیئے جائیں گے اور اگر اونٹ کی قسم سے دے تو پانچ طرح کے سو اونٹ دینے ہوں گے یعنی بیس ابن

مخاض (وہ اونٹ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوں) بیس بنت مخاض، بیس بنت لبون، بیس جذعہ دیت مخففہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل خطاء یا قتل جاری مجریٰ خطا اور یا قتل تسبیب کا مرتکب پایا گیا ہو۔

کتاب دیت کے شرعی ماخذ کا بیان

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔـا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔـا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ،(النساء، ۹۲)

اور مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس پر ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جائے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک مسلمان کا آزاد کرنا۔ (کنز الایمان)

ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان بھائی کا خون ناحق کرے صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کسی مسلمان کا جو اللہ کی ایک ہونے کی اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو، دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو، تیسرے دین اسلام کو چھوڑ دینے والا جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں البتہ امام یا نائب امام کو بہ عہدہ قضا کا حق ہے، اس کے بعد استثناء منقطع ہے، عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں،

اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابوجہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی، ان کا نام حارث بن زید عامری تھا، حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ کانٹا رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا، فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اتری دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا تلوار سونتی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ کلمہ پڑھا تھا، آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ یہ واقعہ صحیح حدیث میں

بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے، پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا، اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو، کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہوگا چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو،

امام ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں، ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کردوں، آپ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اسے آزاد کردو اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں،

یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں دریافت کیا میں کون ہوں؟ جواب دیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا اسے آزاد کردو۔ یہ ایماندار ہے پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے دوسرے خوں بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا یہ ان کے مقتول کا عوض ہے

یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ سو قسموں کے، بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔

یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے اس کے اپنے مال پر نہیں امام شافعی فرماتے ہیں میرے خیال میں اس امر میں کوئی بھی مخالف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، نساء ۹۲)

وہ مال جو قتل پر یا جانی نقصان لیتے دیتے ہیں

إِذَا قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلًا شِبْهَ عَمْدٍ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ وَدِيَةُ شِبْهِ الْعَمْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُف مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَاعًا إِلَى آخِرِهِ وَلَا يَثْبُتُ التَّغْلِيظُ إِلَّا فِي الْإِبِلِ خَاصَّةً فَإِنْ قَضَى بِالدِّيَةِ مِنْ غَيْرِ الْإِبِلِ لَمْ تَتَغَلَّظْ وَقَتْلُ الْخَطَأِ يَجِبُ فِيهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ ، وَالْكَفَّارَةُ عَلَى الْقَاتِلِ وَالدِّيَةُ فِي الْخَطَأِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَخْمَاسًا إِلَى آخِرِهِ وَمِنَ الْعَيْنِ أَلْفُ دِينَارٍ وَمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ آلَافِ

وَلَا تَثْبُتُ الدِّيَةُ إِلَّا مِنْ هَذِهِ الْأَنْوَاعِ الثَّلَاثَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .
وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : وَمِنَ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ وَمِنَ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ ، وَمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ

ترجمہ

جب کسی نے کسی آدمی کو شبہ عمد میں قتل کر دیا۔ تو اس کے عاقلہ پر دیتِ مغلظہ ہوگی اور قتل کرنے والے پر کفارہ بھی ہوگا۔ اور شبہ عمد کی دیت شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار طرح سے ایک سو اونٹ ہے۔ چار طرح سے ایسے کہ پچیس بنتِ مخاض اور پچیس بنتِ لبون، پچیس حقے، اور پچیس جذع ہوں گے، اور دیت مغلظہ اونٹوں میں ہی ہوتی ہے۔ جب اونٹوں میں دیت دینے کے علاوہ دیت دی تو وہ مغلظہ نہیں ہوگی۔

قتلِ خطاء میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے، اور قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ قتل خطاء کی دیت پانچ طرح کے سو اونٹ ہیں۔ بیس بنتِ مخاض، بیس ابن مخاض بیس بنت لبون، بیس حقے، اور بیس جذعے ہوں گے۔ سونے سے ایک ہزار دینار اور چاندی سے دس ہزار درہم ہوں گے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیت صرف انہی تین قسموں سے ثابت ہوتی ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تین قسموں کے علاوہ گائیوں سے دو سو گائیاں، بکریوں سے دو ہزار بکریاں اور حلوں سے دو سو حلے ہوں گے، اور ہر حلہ دو کپڑوں کا ہوگا۔

شرح

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے اسے مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے گا وہ چاہیں تو اسے قصاصاً قتل کر دیں اور چاہیں تو دیت لے لیں جو کہ ۳۰ حقے، ۳۰ جذعے اور ۴۰ حاملہ اونٹنیوں پر مشتمل ہوگی یہ قتل عمد کی دیت ہے اور جس چیز پر ان سے صلح ہو جائے وہ اس کے حقدار ہوں گے اور یہ سخت دیت ہے۔ قتل شبہ عمد کی دیت بھی قتل عمد کی دیت کی طرح ملغظ ہی ہے لیکن اس صورت میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ شیطان لوگوں کے درمیان دشمنی پیدا کر دیتا ہے اور بغیر کسی کینے کے یا اسلحہ کے خونریزی ہو جاتی ہے۔ اس کی علاوہ جس صورت میں بھی قتل ہوگا وہ شبہ عمد ہوگا اس کی دیت مغلظ ہوگی اور قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا یہ اشہر حرم میں حرمت کی وجہ سے اور پڑوس کی وجہ سے ہوگا۔ خطاء قتل ہونے والے کی دیت سو اونٹ ہے جن میں ۳۰ بنت مخاض ۳۰ بنت لبون ۳۰ حقے اور دس ابن لبون مذکر اونٹ شامل ہوں گے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر والوں پر اس کی قیمت چار سو دینار یا اس کے برابر چاندی مقرر فرماتے تھے اور قیمت کا تعین اونٹوں کی قیمت کے اعتبار سے کرتے تھے جب اونٹوں کی قیمت بڑھ جاتی تو دیت کی مقدار مذکور میں اضافہ فرما دیتے اور جب کم ہو جاتی تو اس میں بھی کمی فرما دیتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور باسعادت میں یہ قیمت چار سو دینار سے آٹھ سو دینار تک بھی پہنچی ہے اور اس کے برابر چاندی کی قیمت آٹھ ہزار درہم تک پہنچی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ بھی فرمایا کہ جس کی دیت گائے والوں پر واجب ہوتی ہوتو وہ دو سو گائے دے دیں اور جس کی بکری والوں پر واجب ہوتی ہو وہ دو ہزار بکریاں دے دیں ناک کے متعلق یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر اسے مکمل طور پر کاٹ دیا جائے تو پوری دیت واجب ہوگی اور اگر صرف نرم حصہ کاٹا ہو تو نصف دیت واجب ہوگی ایک آنکھ کی دیت نصف قرار دی ہے یعنی پچاس اونٹ یا اس کے برابر سونا چاندی یا سو گائے یا ہزار بکریاں، نیز ایک پاؤں کی دیت بھی نصف اور ایک ہاتھ کی دیت بھی نصف قرار دی ہے۔ دماغی زخم کی دیت تہائی مقرر فرمائی ہے یعنی ۳۳ اونٹ یا اس کی قیمت کے برابر سونا، چاندی، یا گائے بکری گہرے زخم کی دیت بھی تہائی مقرر فرمائی ہے ہڈی اپنی جگہ سے ہلا دینے کی دیت ۱۵ اونٹ مقرر فرمائی ہے اور کھال چیر کر گوشت نظر آنے والے زخم کی دیت پانچ اونٹ مقرر فرمائی ہے اور ہر دانت کی دیت پانچ اونٹ مقرر فرمائی ہے۔

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے کی ٹانگ پر سینگ دے مارا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ مجھے قصاص دلوایئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جلد بازی سے کام نہ لو پہلے اپنا زخم ٹھیک ہونے دو وہ فوری طور پر قصاص لینے کے لئے اصرار کرنے لگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قصاص دلوا دیا بعد میں قصاص لینے والا لنگڑا اور جس سے قصاص لیا گیا وہ ٹھیک ہو گیا۔

چنانچہ وہ قصاص لینے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر اور کہنے لگا یا رسول اللہ میں لنگڑا ہو گیا اور وہ صحیح ہو گیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس بات کا حکم نہ دیا تھا کہ جب تک تمہارا زخم ٹھیک نہ ہو جائے تم قصاص نہ لو لیکن تم نے میری بات نہیں مانی اس لئے اللہ نے تمہیں دور کر دیا اور تمہارا زخم خراب کر دیا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ جسے کوئی زخم لگے وہ اپنا زخم ٹھیک ہونے سے پہلے قصاص کا مطالبہ نہ کرے ہاں جب تک زخم ٹھیک ہو جائے پھر قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (مسند احمد: جلد سوم: حدیث نمبر 2522)

اقسام دیت کے جانوروں کا بیان

حضرت خشف بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے ابن مسعود سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت میں بیس اونٹنیاں ایک سالہ، بیس اونٹ دو سالہ، بیس اونٹ تین سالہ اور بیس اونٹ چار سالہ (کل سو اونٹ) دیت مقرر فرمائی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1419)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دیت صرف تین قسم کے مالوں سے ادا کی جائے گی۔ (۱) اونٹ ایک سو (۲) دینار ایک ہزار (۳) دراہم دس ہزار۔ قاتل کو اختیار ہے کہ ان تینوں میں سے جو چاہے ادا کرے۔ (عالمگیری از محیط ص 24 ج 6)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اونٹ سب ایک عمر کے واجب نہیں ہوں گے بلکہ مختلف العمر لازم آئیں گے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ خطا قتل کی صورت میں پانچ قسم کے اونٹ دیئے جائیں گے۔ بیس بنت مخاض یعنی اونٹ کا وہ مادہ بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور بیس ابن مخاض یعنی اونٹ کے وہ نر بچے جو دوسرے سال میں داخل ہو چکے ہوں اور بیس بنت لبون

یعنی اونٹ کا وہ مادہ بچہ جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور بیس حقے یعنی اونٹ کے وہ بچے جو عمر کے چوتھے سال میں داخل ہو چکے ہوں اور بیس جذعہ یعنی وہ اونٹنی جو پانچویں سال میں داخل ہو چکی ہے اور شبہ عمد میں، پچیس بنت مخاض اور پچیس بنت لبون اور پچیس حقے اور پچیس جذعے صرف یہ چار قسمیں دی جائیں گی۔ (عالمگیری ص24 ج6، درمختار وشامی ص504 ج5)

دیت میں مسلمان وذمی میں برابری کا بیان

وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ، وَالذِّمِّيِّ سَوَاءٌ وَفِي النَّفْسِ الدِّيَةُ، وَفِي الْمَارِنِ الدِّيَةُ وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَفِي الْعَقْلِ إِذَا ضَرَبَ رَأْسَهُ فَذَهَبَ عَقْلُهُ الدِّيَةُ وَفِي اللِّحْيَةِ إِذَا حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتْ الدِّيَةُ وَفِي شَعْرِ الرَّأْسِ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْيَدَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الرِّجْلَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْأُذُنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْأُنْثَيَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي ثَدْيَيْ الْمَرْأَةِ الدِّيَةُ، وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي كُلِّ أُصْبُعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ، وَالرِّجْلَيْنِ عُشْرُ الدِّيَةِ، وَالْأَصَابِعُ كُلُّهَا سَوَاءٌ وَكُلُّ أُصْبُعٍ فِيهَا ثَلَاثُ مَفَاصِلَ فَفِي أَحَدِهَا ثُلُثُ دِيَةِ الْأُصْبُعِ وَمَا فِيهَا مَفْصِلَانِ فَفِي أَحَدِهِمَا نِصْفُ دِيَةِ الْأُصْبُعِ وَفِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ وَالْأَسْنَانُ وَالْأَضْرَاسُ كُلُّهَا سَوَاءٌ وَمَنْ ضَرَبَ عُضْوًا فَأَذْهَبَ مَنْفَعَتَهُ فَفِيهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ كَمَا لَوْ قَطَعَهُ كَالْيَدِ إِذَا شُلَّتْ، وَالْعَيْنِ إِذَا ذَهَبَ ضَوْءُهَا

ترجمہ

مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔ جان میں ناک کے نرمہ میں زبان اور عضو تناسل میں اور جب سر پر کسی کے ضرب لگانے سے عقل جاتی رہی۔ تو اس میں بھی دیت ہوگی۔ ڈاڑھی جب مونڈھی گئی پھر دوبارہ آ گئی تو اس میں، سر کے بالوں میں، ابروؤں میں، دونوں آنکھوں میں، دونوں ہاتھوں میں، دونوں پاؤں میں، دونوں کانوں میں، دونوں ہونٹوں میں اور دونوں خصیوں میں بھی دیت ہو گی۔ عورت کے دونوں پستانوں میں بھی دیت ہے، اور ان اشیاء میں ہر ایک میں نصف دیت ہوگی۔ دونوں آنکھوں کی پلکوں میں بھی دیت ہے، اور ان چار میں سے ایک میں چوتھائی دیت ہوگی اور دونوں ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی کے بدلے میں دیت کا دسواں حصہ ہوگا۔ اور تمام انگلیاں برابر ہیں۔ ہر وہ انگلی جس میں تین گرہیں ہوں۔ پس اس کی ایک گرہ میں انگلی کی تہائی دیت ہوگی۔ جس انگلی میں دو گرہیں ہوں گی اس کی ایک گرہ میں انگلی کی نصف دیت ہوگی۔ ہر دانت میں پانچ اونٹ دیت ہے۔ دانت اور داڑھیں سب برابر ہیں۔ جس نے عضو پر مارا پس اس کی منفعت جاری رہی تو اس میں پوری دیت ہوگی۔ جس طرح اس کے کاٹ دینے میں پوری دیت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ہاتھ جب شل ہو جائے، اور آنکھ جب اس کی روشنی چلی جائے، تو اس کی منفعت جاتی رہتی ہے۔

ذمی کی دیت میں فقہاء شوافع کی مستدل احادیث کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1110)

حضرت عمرو بن شعیب، وہ اپنے والد سے، عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کافر کی دیت مسلمان کے نصف ہے یعنی مسلمان سے آدھی ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1111)

عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ یہودی یا نصرانی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت سے نصف ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ کوئی مسلمان کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا مگر جب مسلمان فریب سے اس کو دھوکہ دے کر مار ڈالے تو قتل کیا جائے گا۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1440)

یہودی و نصرانی کی دیت کے نصف ہونے کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی منقول کہ کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث حسن ہے حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس باب میں منقول حدیث بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے حضرت عمر بن خطاب سے منقول ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے۔ امام مالک، شافعی، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہودی اور عیسائی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1448)

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور مسلم، ذمی، مستامن سب کی دیت ایک برابر ہے اور "عورت کی دیتِ نفس، ما دون النفس میں مرد کی دیت کی نصف دی جائے گی" اور وہ جنایات جن میں کوئی دیت معین نہیں ہے بلکہ انصاف کے ساتھ تاوان دلایا جاتا ہے ان میں مرد و عورت کا تاوان برابر ہوگا۔ (شامی ص 505 جلد 5، عالمگیری ص 24 جلد 6)

اعضاء کی دیت کا فقہی بیان

1۔ ناک کے نرم حصہ کی دیت مکمل 100 اونٹ یا ایک ہزار دینار (سونا) 2۔ زبان کاٹ تو دیت مکمل 100 یا دس ہزار درہم (چاندی) 3۔ آلہ تناسل ضائع کر دیا دیت مکمل 100، 4۔ خصیے ضائع کر دیے، دیت مکمل 100، 5۔ حشفہ، آل تناسل کا سرا، دیت مکمل 100، 6۔ ضرب لگنے سے عقل زائل ہو جائے تو دیت مکمل 100، 7۔ ضرب لگنے سے قوت سماعت، دیت مکمل 100، 8۔

ضرب لگنے سے بصارت زائل، دیت مکمل 100۔ 9۔ ضرب لگنے سے شامہ (سونگھنے کی)، دیت مکمل 100۔ 10۔ ضرب لگنے سے ذائقہ زائل ہو جائے، دیت مکمل 100۔ 11۔ کسی کی داڑھی مونڈھ لی اور پھر بال نہ آگے، دیت مکمل 100۔ 12۔ سر کے بال مونڈھ لیے تو دیت مکمل 100۔ 13۔ دونوں ابرو مونڈھ دیے مکمل دیت 100۔ 14۔ ایک ابرو مونڈھ دیا نصف دیت 100۔ 15۔ دونوں آنکھوں۔ دونوں ہاتھوں۔ دونوں پاؤں 100، 100، 100 تین دیتیں۔ 16۔ دونوں ہونٹوں، دونوں کانوں، دونوں خصیوں کے کاٹنے پر 100، 100، 100، تین دیتیں۔

ان سب میں۔

17۔ اگر ایک ایک کاٹا تو نصف دیت یعنی 50 اونٹ۔ 18۔ عورت کے دو پستان کاٹنے پر دیت مکمل دیت 100 اونٹ ایک پر نصف یعنی 50 اونٹ۔ 19۔ عورت کے دونوں پستانوں کے سرے کاٹنے پر مکمل دیت۔ 20۔ ایک کاٹنے پر نصف دیت۔ 21۔ آنکھوں کی چار پلکیں کاٹنے پر پوری دیت۔ اور ایک پر چوتھائی؟ احتمال ہے کہ اس سے مراد بال ہوں یا، بال اگنے کی جگہ حکم سب کا یکساں ہے۔ 22۔ ہاتھ پاؤں کی ہر انگلی کی دیت دس اونٹ۔ 23۔ جن انگلیوں میں تین پورے ہیں ان میں سے ہر پورے کی دیت پوری انگلی کی دیت کی ایک تہائی۔ 3/10، جن میں دو پورے ہیں، ہر پورے کی دیت پانچ، پانچ اونٹ۔ 24۔ ہر دانت توڑنے کی دیت پانچ اونٹ۔ داڑھیں، دانت سب برابر ہیں۔

دس شجاج ہونے کا بیان

وَالشِّجَاجُ عَشَرَةٌ الْحَارِصَةُ ، وَالدَّامِعَةُ ، وَالدَّامِيَةُ ، وَالْبَاضِعَةُ ، وَالْمُتَلاحِمَةُ وَالسِّمْحَاقُ ، وَالْمُوضِحَةُ ، وَالْهَاشِمَةُ ، وَالْمُنَقِّلَةُ ، وَالْآمَّةُ فَفِي الْمُوضِحَةِ الْقِصَاصُ إِذَا كَانَتْ عَمْدًا وَلَا قِصَاصَ فِي بَقِيَّةِ الشِّجَاجِ وَمَا دُونَ الْمُوضِحَةِ فَفِيهَا حُكُومَةُ عَدْلٍ وَفِي الْمُوضِحَةِ إِذَا كَانَتْ خَطأً نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ وَفِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُ الدِّيَةِ وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَنِصْفُ عُشْرٍ وَفِي الْآمَّةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، إِنْ نَفَذَتْ فَهُمَا جَائِفَتَانِ فَفِيهِمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ

ترجمہ

زخم دس طرح کے ہیں۔ حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ، سمحاق، موضحہ، ہاشمہ، منقلہ اور آمہ زخم ہے۔ پس موضحہ زخم جب جان بوجھ کر ہو تو اس میں قصاص ہوگا۔ باقی زخموں میں قصاص نہیں ہے اور وہ زخم جو موضحہ سے کم ہوں۔ ان میں ایک انصاف پسند آدمی کا فیصلہ حتمی بات ہوگا۔ اور موضحہ زخم جب غلطی سے ہو تو اس میں دیت کا بیسواں حصہ ہوگا۔ اور ہاشمہ زخم میں دسواں حصہ اور منقلہ زخم میں دسواں اور بیسواں حصہ ہوں گے اور آمہ زخم میں تہائی دیت ہوگی۔ اور جائفہ زخم میں بھی تہائی دیت ہوگی۔ اس کے بعد جب یہ زخم آر پار ہو گیا تو یہ دو جائفے ہو جائیں گے اور ان میں دو تہائی دیت ہوگی۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر ہر موضحہ کی دیت پانچ پانچ اونٹ ہیں (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 813)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا تو خطبہ میں ارشاد فرمایا ہر ایک زخم جو ہڈی کھول دے اس میں پانچ اونٹ ہیں۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1156)

اس کی دس 10 قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ حارصہ: جلد کے اس زخم کو کہتے ہیں جس میں جلد پر خراش پڑ جائے مگر خون نہ چھلکے۔ دامعہ: سر کی جلد کے اس زخم کو کہتے ہیں جس میں خون چھلک آئے مگر بہے نہیں۔ دامیہ: سر کی جلد کے اس زخم کو کہتے ہیں جس میں خون بہہ جائے۔ باضعہ: جس میں سر کی جلد کٹ جائے۔ متلاحمہ: جس میں سر کا گوشت بھی پھٹ جائے۔ سمحاق: جس میں سر کی ہڈی کے اوپر کی جھلی تک زخم پہنچ جائے۔ موضحہ: جس میں سر کی ہڈی نظر آ جائے۔ ہاشمہ: جس میں سر کی ہڈی ٹوٹ جائے۔ منقلہ: جس میں سر کی ہڈی ٹوٹ کر ہٹ جائے۔ آمہ: وہ زخم جوام الدماغ، یعنی دماغ کی جھلی تک پہنچ جائے۔

ان کے علاوہ زخموں کی ایک قسم جائفہ بھی کی گئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ زخم جوف تک پہنچے اور یہ زخم پیٹھ، پیٹ اور سینے میں ہوتا ہے۔ اور اگر گلے کا زخم غذائی نالی تک پہنچ جائے تو وہ بھی جائفہ ہے۔

(عالمگیری ص28 ج6، شامی ص510 جلد5، بحرالرائق ص333 جلد8)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ موضحہ اور اس سے کم زخم اگر قصداً لگائے گئے ہوں تو ان میں قصاص ہے اور اگر خطاء ہوں تو موضحہ سے کم زخموں میں حکومت عدل ہے اور موضحہ میں دیت نفس کا بیسواں حصہ ہے اور ہاشمہ میں دیت نفس کا دسواں حصہ ہے اور منقلہ میں دیت نفس کا پندرہ فیصد حصہ اور آمہ اور جائفہ میں دیت کا تہائی حصہ ہے۔ ہاں اگر جائفہ آر پار ہو گیا تو دو تہائی دیت ہے۔ (عالمگیری ص29 جلد6، بحرالرائق ص334، جلد8، فتح القدیر ص312، جلد8، بدائع صنائع ص316، جلد7)

ایک ہاتھ کی انگلیوں پر نصف دیت ہونے کا بیان

وَفِي أَصَابِعِ الْيَدِ نِصْفُ الدِّيَةِ فَإِنْ قَطَعَهَا مَعَ الْكَفِّ فَفِيهَا نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِنْ قَطَعَهَا مَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ فَفِي الْأَصَابِعِ ، وَالْكَفِّ نِصْفُ الدِّيَةِ ، وَفِي السَّاعِدِ حُكُومَةٌ وَفِي الْأُصْبُعِ الزَّائِدَةِ حُكُومَةُ عَدْلٍ وَفِي عَيْنِ الصَّبِيِّ وَلِسَانِهِ وَذَكَرِهِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ صِحَّةَ ذَلِكَ حُكُومَةُ عَدْلٍ وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا مُوضِحَةً فَذَهَبَ عَقْلُهُ أَوْ شَعْرُ رَأْسِهِ دَخَلَ أَرْشُ الْمُوضِحَةِ فِي الدِّيَةِ وَإِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ أَوْ بَصَرُهُ أَوْ كَلَامُهُ فَعَلَيْهِ أَرْشُ الْمُوضِحَةِ مَعَ الدِّيَةِ

ترجمہ

ایک ہاتھ کی انگلیاں کٹنے میں نصف دیت ہے۔ جب انگلیاں ہتھیلی سمیت کٹیں تو اس صورت میں بھی نصف دیت ہی ہو

گی۔ جب کسی نے نصف کلائی تک انگلیاں کاٹ دیں تو انگلیوں میں ہتھیلی تک تو نصف دیت ہوگی۔ مگر کلائی میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اور زائد انگلی کی صورت میں بھی ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ بچے کی آنکھ زبان اور اس کے عضو خاص میں بھی جب ان کی صحت کا علم نہ ہو سکے ایک عادل کا فیصلہ ہی ہوگا۔ وہ جس نے کسی آدمی کے سر پر زخم لگا دیا۔ جس سے اس کی عقل یا سر کے بال ختم ہو گئے۔ تو اس صورت میں دیت میں موضحہ زخم کی دیت بھی داخل ہو جائے گی۔ جب اس کی قوتِ سماعت یا بینائی یا قوتِ گویائی بھی چلی گئی تو اس پر دیت کے ساتھ موضحہ کی دیت بھی واجب ہوگی۔

شرح

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انگلیاں برابر ہیں ہر ایک میں دس اونٹ ہیں۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1148)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انگلیوں میں (دیت) دس دس اونٹ ہیں (یعنی ہر ایک انگلی میں دس اونٹ ادا کرنا ہوں گے جو کہ مکمل دیت کا دسواں جزو ہے)۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1147)

ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کی دیت میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے ایک انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔ اس باب میں حضرت ابوموسیٰ اور عبداللہ بن عمرو سے بھی روایات منقول ہیں۔

حضرت ابن عباس کی حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1425)

ایک انگلی کو کاٹ دینے کا بیان

وَمَنْ قَطَعَ أُصْبُعَ رَجُلٍ فَشَلَّتْ أُخْرَى إِلَى جَانِبِهَا فَفِيهِمَا الْأَرْشُ وَلَا قِصَاصَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا عَلَيْهِ الْقِصَاصُ فِي الْأُولَى، وَالْأَرْشُ فِي الْأُخْرَى وَمَنْ قَلَعَ سِنَّ رَجُلٍ فَنَبَتَتْ فِي مَوْضِعِهَا أُخْرَى سَقَطَ الْأَرْشُ وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا شَجَّةً فَالْتَحَمَتْ وَلَمْ يَبْقَ لَهَا أَثَرٌ وَنَبَتَ الشَّعْرُ سَقَطَ الْأَرْشُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ عَلَيْهِ أَرْشُ الْأَلَمِ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا جِرَاحَةً لَمْ يُقْتَصَّ مِنْهُ حَتَّى يَبْرَأَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَلَيْهِ أُجْرَةُ الطَّبِيبِ وَثَمَنُ الدَّوَاءِ،

ترجمہ

وہ آدمی جس نے ایک آدمی کی انگلی کاٹ دی۔ اس کے بعد اس کے ساتھ والی انگلی بھی سوکھ گئی۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیت ہوگی، قصاص نہیں ہوگا۔ وہ آدمی جس نے کسی کا دانت اکھاڑ دیا، یا اس کی جگہ اور دانت نکل آیا تو دیت ساقط ہو

جائے گی۔ وہ آدمی جس نے کسی کو زخم لگا دیا پھر وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس کا نشان بھی نہ رہا وہاں بال اگ آئے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دیت ساقط ہو جائے گی۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر تکلیف اٹھانے کا جرمانہ ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پٹی کرنے والے کی اجرت ہوگی۔ وہ آدمی جس نے کسی کو زخمی کر دیا تو اس کے صحت یاب ہونے تک اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

شرح

انگلیاں اگر جوڑ پر سے کاٹی جائیں تو ان میں قصاص لیا جائے گا اور اگر جوڑ پر سے نہ کاٹی جائیں تو قصاص نہیں ہے۔ ہاتھ کی انگلی کے بدلے میں پیر کی انگلی اور پیر کی انگلی کے بدلے میں ہاتھ کی انگلی نہیں کاٹی جائے گی۔

اور داہنے ہاتھ کی انگلی کے بدلے میں بائیں ہاتھ کی اور بائیں ہاتھ کی انگلی کے بدلے میں دائیں ہاتھ کی انگلی نہیں کاٹی جائے گی۔ (عالمگیری ص12 جلد6، بزازیہ علی الھندیہ ص393 جلد6، طحطاوی علی الدر ص268 جلد4، بدائع صنائع ص297 جلد(7)

ناقص انگلیوں والے ہاتھ کے بدلے میں صحیح ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کسی نے چھٹی انگلی کو کاٹ دیا اور کاٹنے والے کے ہاتھ میں بھی چھٹی انگلی ہے تو بھی قصاص نہیں لیا جائے گا۔ (عالمگیری ص12 جلد6، بدائع صنائع ص303 جلد7، بحرالرائق ص306 جلد(8)

اگر ایسی ہتھیلی کاٹ دی جس کی گرفت میں حارج زائد انگلی تھی تو قصاص نہیں ہے۔ اور اگر گرفت میں انگلی حارج نہیں تھی تو قصاص لیا جائے گا۔ (عالمگیری عن المحیط ص12 جلد6، بدائع صنائع ص303 جلد(7)

اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ کی انگلی کاٹ لے جس سے اس کی ہتھیلی شل ہو جائے یا جوڑ سے انگلی کا ایک پورا کاٹ لے جس سے بقیہ انگلی یا ہتھیلی شل ہو جائے تو انگلی کا قصاص نہیں ہے۔ ہاتھ یا شل انگلی کی دیت ہے۔ (بدائع صنائع ص306 ج(7)

ہاتھ کاٹ دینے کے بعد اسی کو قتل کر دینے کا بیان

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ خَطَأً ثُمَّ قَتَلَهُ قَبْلَ الْبُرْءِ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ وَسَقَطَ أَرْشُ الْيَدِ وَكُلُّ عَمْدٍ سَقَطَ فِيهِ الْقِصَاصُ بِشُبْهَةٍ فَالدِّيَةُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ وَكُلُّ أَرْشٍ وَجَبَ بِالصُّلْحِ فَهُوَ فِي مَالِ الْقَاتِلِ وَإِذَا قَتَلَ الْأَبُ ابْنَهُ عَمْدًا فَالدِّيَةُ فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَكُلُّ جِنَايَةٍ اعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِي فَهِيَ فِي مَالِهِ وَلَا يَصْدُقُ عَلَى عَاقِلَتِهِ وَعَمْدُ الصَّبِيِّ، وَالْمَجْنُونِ خَطَأٌ، وَفِيهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ

ترجمہ

وہ آدمی جس نے کسی کا ہاتھ غلطی سے کاٹ ڈالا۔ پھر غلطی سے ہی اس آدمی کے صحت یاب ہونے سے قبل ہی اسے قتل کر ڈالا تو اس پر اس کی دیت ہو۔ مگر ہاتھ کی دیت ساقط ہو جائے گی۔ لیکن جب اس نے اسے اچھا ہو جانے کے بعد قتل کیا تو پھر اس پر دو دیتیں ہوں گی ایک جان کی دیت اور دوسری ہاتھ کی دیت ہوگی۔

ہر وہ قتل عمد جس میں شبہ کی بناء پر قصاص ساقط ہو جائے تو پس دیت قتل کرنے والے کے مال میں ہوگی۔ جو دیت صلح کرنے میں واجب ہو وہ بھی قاتل کے مال میں ہی ہوگی۔ جب باپ نے قصداً بیٹے کو مار ڈالا تو تین سال کے عرصہ میں اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ ہر وہ ظلم وزیادتی جس کی جنایت کرنے والا اعتراف کرے تو وہ جنایت اسی کے مال میں سے پوری ہوگی اور اس کے عاقلہ پر تصدیق نہیں کی جائے گی۔ بچے اور دیوانے کا عمد خطاء ہوگا۔ اور اس میں دیت ان کے عاقلہ پر ہوگی۔

راستے میں کنواں وغیرہ کھودنے کے سبب تلف جان کا بیان

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَتَلِفَ بِذَلِكَ إِنْسَانٌ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ وَإِنْ تَلِفَ فِيهَا بَهِيمَةٌ فَضَمَانُهَا فِي مَالِهِ فَإِنْ أَشْرَعَ فِي الطَّرِيقِ رَوْشَنًا أَوْ مِيزَابًا فَسَقَطَ عَلَى إِنْسَانٍ فَمَاتَ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَى حَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي مِلْكِهِ فَعَطِبَ فِيهَا إِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ وَالرَّاكِبُ ضَامِنٌ لِمَا وَطِئَتْ الدَّابَّةُ بِيَدِهَا أَوْ كَدَمَتْ وَلَا يَضْمَنُ مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ بِذَنَبِهَا فَإِنْ رَاثَتْ أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ وَهِيَ تَسِيرُ فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ وَالسَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا ، وَالْقَائِدُ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا دُونَ رِجْلِهَا

ترجمہ

وہ آدمی جس نے مسلمانوں کے راستے میں کوئی کنواں کھودا یا کوئی پتھر رکھ دیا جس سے کوئی جان سے ہاتھ دو بیٹھا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔ جب اس سے کوئی جانور ضائع ہو گیا تو اس کا جرمانہ اس کے مال میں سے ہی ہوگا۔ جب راستے کی طرف کوئی جنگلہ یا پرنالہ نکالا اس کے کسی آدمی پر گر جانے سے وہ آدمی ہلاک ہو گیا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔ جب کسی نے اپنی ملک میں کنواں کھودا کوئی آدمی اس میں گر کر فوت ہو گیا تو اس پر اس کا کوئی جرمانہ یا تاوان وغیرہ نہ ہوگا۔

سواری کا سوار جسے اس کی سواری کچل دے وہ اس کا جرمانہ بھرے گا۔ ایسے ہی جسے اس کی سواری ہاتھ مار دے یا منہ سے کاٹ کھائے تو وہ اس کا بھی ضامن ہوگا۔ لیکن جسے اس کی سواری نے ٹانگ ماری اس کا وہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ جب سواری نے رستے میں لید یا پیشاب کیا۔ اس سے کوئی ہلاک ہو گیا تو وہ اس کا بھی ذمہ دار یا ضامن نہیں ہوگا۔ سواری کو ہانکتے ہوئے جسے اس سواری کا ہاتھ لگ جائے تو اسے ہانکنے والا اس کا ضامن ہوگا۔ جبکہ پاؤں لگنے میں نہ ہوگا۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چوپایوں کا زخمی کرنا بلا قصاص ہے اور کنویں میں گر کر اور کان کھودنے میں مر جانے والے کا خون معاف ہے، اور رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1819)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب کسی نے راستے میں کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر پڑا اور بھوک پیاس یا وہاں کے تعفن کی وجہ سے دم گھٹ گیا اور مر گیا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

(عالمگیری ص45 ج6، شامی در مختار ص522 ج5، تبیین الحقائق ص145، ج6، بحر الرائق ص348 ج8، مبسوط ص15، ج27، خانیہ علی الھندیہ، ص461 ج3)

اور جب کسی نے راستے میں کنواں کھودا اس میں کسی نے گر کر خودکشی کر لی تو کنواں کھودنے والا ضامن نہیں ہے۔

(عالمگیری ص45 ج6، خانیہ علی الھندیہ ص461 ج3، مبسوط ص16، ج27، بحر الرائق ص348 ج8)

اور جب کسی نے کنویں کے قریب راستے پر پتھر رکھ دیا اور کوئی شخص اس میں پھنس کر کنوئیں میں گر پڑا تو پتھر رکھنے والا ضامن ہوگا اور اگر کسی نے پتھر نہیں رکھا تھا بلکہ سیلاب وغیرہ سے بہہ کر پتھر وہاں آ گیا تھا تو کنواں کھودنے والا ضامن ہوگا۔

(مبسوط ص17، ج27، عالمگیری ص45 ج6، خانیہ علی الھندیہ ص462 ج3، بحر الرائق ص349 ج8)

اور جب کسی شخص نے کنویں میں پتھر یا لوہا ڈال دیا۔ پھر اس میں کوئی گر پڑا اور پتھر یا لوہے سے ٹکرا کر مر گیا تو کنواں کھودنے والا ضامن ہوگا۔ (مبسوط ص18، ج27، عالمگیری ص45 ج6، بحر الرائق ص349 ج8)

کنواں کھودنے کے سبب نقصان جان پر دیت کا بیان

علامہ امام شمس الائمہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی نے راستے میں کنواں کھودا اس میں کوئی شخص گر گیا اور اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ پھر کنویں سے نکلا تو دو شخصوں نے اس کا سر پھاڑ دیا جس سے وہ بیمار ہو کر پڑا رہا پھر مر گیا تو اس کی دیت تینوں پر تقسیم ہو جائے گی۔ (مبسوط ص18 جلد 27، عالمگیری ص46 جلد 6)

اور جب کسی نے کنواں کھودنے کے لیے کسی کو مزدور رکھا۔ مزدور نے کنواں کھودا۔ اس کے بعد کوئی آدمی اس میں گر کر ہلاک ہو گیا۔ یہ کنواں اگر مسلمانوں کے ایسے عام راستے پر کھودا گیا تھا جس کو ہر شخص عام راستہ خیال کرتا تھا تو مزدور ضامن ہوگا۔ مستاجر نے اس کو یہ بتایا ہو کہ یہ عام راستہ ہے یا نہ بتایا ہو اسی طرح غیر معروف راستہ پر اگر کنواں کھودا گیا اور مستاجر نے مزدور کو یہ بتا دیا تھا کہ یہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے تو بھی مزدور ضامن ہوگا۔ اور اگر مزدور کو یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ عام راستہ مسلمانوں کا ہے تو مستاجر ضامن ہوگا۔ (عالمگیری ص46 ج6)

سواری کو ہانکنے والے کے ضامن ہونے کا بیان

وَمَنْ قَادَ قِطَارًا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا أَوْطَأَ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا وَإِذَا جَنَى الْعَبْدُ جِنَايَةً خَطَأً قِيلَ لِمَوْلَاهُ إِمَّا أَنْ تَدْفَعَهُ بِهَا أَوْ تَفْدِيَهُ فَإِنْ دَفَعَهُ مَلَكَهُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ وَإِنْ فَدَاهُ فَدَاهُ بِأَرْشِهَا فَإِنْ عَادَ فَجَنَى كَانَ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ حُكْمَ الْأُولَى فَإِنْ جَنَى جِنَايَتَيْنِ قِيلَ لِلْمَوْلَى: إِمَّا أَنْ تَدْفَعَهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَتَيْنِ يَقْتَسِمَانِهِ عَلَى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا وَإِمَّا أَنْ تَفْدِيَهُ بِأَرْشِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا فَإِنْ أَعْتَقَهُ

الْمَوْلَى وَهُوَ لَا يَعْلَمُ بِالْجِنَايَةِ ضَمِنَ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ أَرْشِهَا وَإِنْ بَاعَهُ أَوْ أَعْتَقَهُ بَعْدَ الْعِلْمِ بِالْجِنَايَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْأَرْشُ

ترجمہ

ایسے ہی سواری کو کھینچتے ہوئے کسی کو اس کا ہاتھ لگا تو اسے کھینچنے والا اس کا ضامن ہوگا۔ مگر پاؤں لگنے کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا۔ وہ آدمی جو اونٹوں کی قطار پکڑ کر لے جائے۔ تو جسے وہ اونٹ ماردیں وہ اس کا ضامن ہوگا۔ جب اس کے ہانکنے والا بھی ہوگا تو وہ جرمانہ ان دونوں پر ہوگا۔

جب کسی غلام نے غلطی سے کوئی ظلم وزیادتی کردی۔ تو اس کے مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کے بدلے میں غلام دے دو۔ یا اس کے بدلے میں جرمانہ ادا کردو۔ جب وہ غلام دے دے تو جنایت کا ولی اس غلام کا مالک ہوجائے گا۔ جب فدیہ دے تو وہ اس جرمانے کا فدیہ دے گا۔ اس کے بعد غلام نے جب پھر کوئی جنایت، ظلم وزیادتی کردی تو اس دوسری جنایت کا حکم پہلی کی طرح ہوگا۔ جب غلام نے دو جنایتیں کردیں۔ تو اس کے مالک سے کہا جائے گا کہ دونوں جنایتوں کے ولیوں کو غلام دے دو۔ جسے وہ اپنے اپنے حق کے مطابق تقسیم کرلیں گے یا پھر دونوں کے نقصان کا پورا پورا جرمانہ ادا کردو جب آقا نے غلام کو فروخت کردیا اور اسے غلام کی زیادتی کا علم نہ تھا تو غلام کی قیمت کا اور اس کے تاوان سے کم کا ضامن ہوگا۔ جب اس نے جنایت کا علم ہوجانے کے بعد اس غلام کو فروخت کردیا یا آزاد کردیا تو مالک پر دیت واجب ہوگی۔

شرح

ایک مرتبہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک نے دعویٰ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک گدھا تھا اور اس شخص کے پاس ایک بیل، اس کے بیل نے میرے گدھے کو مار ڈالا، حاضرین جلسہ میں سے ایک صاحب بولے کہ جانور بے زبان پر کیا ضمان وتاوان، حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تم ان دونوں میں تصفیہ کردو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فریقین سے سوال کیا، یہ دونوں رسی میں بندھے تھے یا کھلے تھے یا ایک بندھا تھا اور ایک کھلا تھا؟ فریقین نے جواب دیا گدھا بندھا تھا، مگر بیل چھوڑا ہوا تھا اور بیل کا مالک اس کے پاس تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا: بیل والے پر ضمان ہے، گدھے کی قیمت اس کے مالک کے حوالہ کردے، حضرت رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ پسند فرمایا اور یہی حکم جاری کیا۔ (شمس التواریخ)

جانور کے سبب ہونے والے نقصان میں ضمان کا بیان

پہلی صورت میں اگر جانور کا مالک جانور کے ساتھ نہ ہو تو وہ کسی نقصان کا ضامن نہیں ہوگا خواہ جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو اور ہاتھ پیر سے کسی کو کچل دے یا دُم یا پیر سے کسی کو نقصان پہنچائے یا کاٹ لے اور اگر جانور کا مالک اس کی رسی پکڑ کر آگے آگے چل رہا تھا یا پیچھے سے ہانک رہا تھا جب بھی مذکورہ بالا صورت میں ضامن نہیں ہے۔ (عالمگیری ص 50 ج 6، درمختار وشامی ص 530 ج 5،

تبیین الحقائق ص149 ج6، بحر الرائق ص357 ج8، عنایہ علی الفتح ص345 ج8، مبسوط ص5 ج(27)

اگر جانور کا مالک اپنی ملک میں سوار ہو کر چلا رہا تھا اور جانور نے کسی کو کچل کر ہلاک کر ڈالا تو مالک کے عاقلہ پر دیت ہے اور مالک پر کفارہ ہے اور وراثت سے بھی مالک محروم ہوگا۔ (عالمگیری ص50 ج6، درمختار و شامی ص530 ج5، تبیین الحقائق ص 149 ج6، بحر الرائق ص457 ج8، عنایہ علی الفتح القدیر ص345 ج8، مبسوط ص5 ج(27)

اگر مالک اپنی ملک میں سوار ہو کر جانور کو چلا رہا تھا اور جانور نے کسی کو کاٹ لیا یا لات ماری یا دم ماردی تو مالک پر ضمان نہیں ہے۔ (عالمگیری ص50 ج6، درمختار و شامی ص530 ج5، تبیین الحقائق ص149 ج6، بحر الرائق ص357 ج8، عنایہ علی فتح القدیر ص345 ج(8)

دوسری صورت یعنی اگر جنایت کسی دوسرے شخص کی زمین میں ہوئی اور یہ جانور مالک کے داخل کئے بغیر رسی تڑا کر اس کی زمین میں داخل ہو گیا تو مالک ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر مالک نے خود غیر کی زمین میں جانور کو داخل کیا تھا تو ہر صورت میں مالک ضامن ہوگا۔ خواہ جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو۔ مالک اس پر سوار ہو یا سوار نہ ہو۔ رسی پکڑ کر چلا رہا ہو یا پیچھے سے ہانک رہا ہو یہ حکم اس صورت میں ہے کہ مالک زمین کی اجازت کے بغیر جانور کے مالک نے اس زمین میں جانور کو داخل کیا ہو اور اگر صاحب زمین کی اجازت سے جانور کو داخل کیا تھا تو اس کا حکم وہی ہے جو اپنی زمین کا ہے۔ (عالمگیری ص50 ج6، تبیین الحقائق ص149 ج6، درمختار و شامی ص530 ج5، بحر الرائق ص357 ج8، عنایہ علی فتح القدیر ص345 ج(8)

اور جب شارع عام پر چلنے والا سوار اپنی سواری سے ہونے والے نقصان کا ضامن ہوگا۔ سوائے اس نقصان کے جو لات مارنے یا دم مارنے سے ہو۔ رسی پکڑ کر آگے چلنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں کچل دینے کی صورت میں راکب پر کفارہ اور حرمان میراث بھی ہے لیکن قائد پر نہیں ہے۔ (عالمگیری ص50 ج6، درمختار و شامی ص530 جلد 5، بحر الرائق ص357 ج8، تبیین الحقائق ص149، ج6، بدائع صنائع ص272، ج(7)

اور جب کسی جانور پر دو آدمی سوار ہیں ایک رسی پکڑ کر آگے سے کھینچ رہا ہے اور ایک پیچھے سے ہانک رہا ہے اور اس جانور نے کسی کو کچل کر ہلاک کر دیا تو چاروں پر دیت برابر تقسیم ہوگی اور دونوں سواروں پر کفارہ بھی ہے۔

اگر کسی شخص نے مسجد کے دروازے پر اپنا جانور کھڑا کر دیا تھا۔ اس نے کسی کو لات ماردی تو کھڑا کرنے والا ضامن ہے اور اگر مسجد کے دروازے کے قریب جانور کے باندھنے کی کوئی جگہ مقرر ہے اس جگہ کسی نے اپنا جانور باندھ دیا یا کھڑا کر دیا تھا تو اس کے کسی نقصان کا ضمان نہیں ہے لیکن اگر اس جگہ کوئی شخص اپنے جانور کو، سوار ہو کر یا ہانک کر یا آگے سے کھینچ کر چلا رہا تھا تو چلانے والا نقصان کا ضامن ہوگا۔ (عالمگیری ص50 ج6، درمختار و شامی ص530 ج5، بدائع صنائع ص272 ج(7)

دو بندوں کو باہمی ٹکرا کو فوت ہو جانے کے سبب دم ہدر کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو آدمی رسہ کشی کر رہے تھے کہ درمیان سے رسی ٹوٹ گئی اور دونوں گدی کے بل گر

کر مر گئے تو دونوں کا خون رائیگاں جائے گا اور اگر منہ کے بل گر کر مرے تو ہر ایک کی دیت دوسرے کے عاقلہ پر ہے۔ اور اگر ایک منہ کے بل گر کر مرا اور دوسرا گدی کے بل گر کر مرا تو گدی کے بل گرنے والے کا خون رائیگاں جائے گا اور منہ کے بل گرنے والے کی دیت گدی کے بل گرنے والے کے عاقلہ پر ہے۔ (درمختار وشامی ص532 ج5، بحرالرائق ص360 ج8، تبیین الحقائق ص151 ج6، بدائع صنائع ص273 ج(7)

اور جب دو آدمی رسہ کشی کر رہے تھے کہ کسی شخص نے درمیان سے رسی کاٹ دی اور دونوں رسہ کش گدی کے بل گر کر مر گئے تو دونوں کی دیت رسی کاٹنے والے کے عاقلہ پر ہے۔ (درمختار وشامی ص532 ج5، بحرالرائق ص360 ج8، تبیین الحقائق ص151 ج6، بدائع صنائع ص273 ج(7)

قطار میں باندھے گئے اونٹ کے روند ڈالنے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب اونٹوں کی قطار کو آگے سے چلانے والا پوری قطار کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ خواہ کتنی ہی بڑی قطار ہو جب کہ پیچھے سے کوئی ہانکنے والا نہ ہو اور اگر پیچھے سے ہانکنے والا بھی ہو تو دونوں ضامن ہوں گے اور اگر قطار کے درمیان میں تیسرا ہانکنے والا بھی ہے جو قطار کے برابر برابر چل کر ہانک رہا ہے اور کسی کی نکیل کو پکڑے ہوئے نہیں ہے تو تینوں ضامن ہوں گے۔ (عالمگیری ص53 ج6، قاضی خان علی الھندیہ ص456 ج3، درمختار وشامی ص533 ج5، بحرالرائق ص359 ج8، مبسوط ص3 ج27، تبیین الحقائق ص151 ج6)

اگر ایک آدمی نکیل پکڑ کر قطار کے آگے چل رہا ہے اور دوسرا قطار کے درمیان میں کسی اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل رہا ہے تو درمیان والے سے پیچھے کے اونٹوں کے نقصان کا ضمان صرف درمیان والے پر ہے اور درمیان والے سے آگے کے اونٹوں کے نقصان کا ضمان دونوں پر ہے اور اگر یہ دونوں جگہ بدلتے رہتے ہیں یعنی کبھی درمیان والا آگے اور آگے والا درمیان میں آجاتے ہیں تو ہر صورت میں نقصان کا ضمان دونوں پر ہوگا۔

ایک شخص قطار کے آگے آگے نکیل پکڑ کر چل رہا ہے اور دوسرا قطار کے درمیان میں نکیل پکڑ کر اپنے پیچھے والے اونٹوں کو چلا رہا ہے مگر اپنے آگے والوں کو ہانک نہیں رہا ہے تو درمیان والا پچھلے اونٹوں کے نقصان کا ضامن ہے اور اس سے آگے کے اونٹوں کے نقصان کا ضمان اگلے نکیل پکڑنے والے پر ہے۔

اور جب قطار کے درمیان میں کسی اونٹ پر کوئی شخص سوار تھا لیکن کسی کو ہانک نہیں رہا تھا تو اپنے سے اگلے اونٹوں کے ضمان میں وہ شریک نہیں ہوگا۔ لیکن اپنی سواری اور اپنے سے پچھلے اونٹوں کے نقصان میں شریک ہوگا جب کہ پچھلے اونٹ کی نکیل اس کے ہاتھ میں ہو۔ اور اگر یہ اپنے اونٹ پر سو رہا تھا یا صرف بیٹھا ہوا تھا اور نہ کسی اونٹ کو ہانک رہا تھا نہ کھینچ رہا تھا تو اپنے سے پچھلے اونٹوں کے نقصان کا بھی ضامن نہیں ہوگا۔ صرف اپنی سواری کے اونٹ سے ہونے والے نقصان کے ضمان میں شریک ہوگا۔

(عالمگیری ص53 ج6، بحرالرائق ص359 ج8، مبسوط ص4 ج27)

ایک شخص قطار کے آگے نکیل پکڑ کر چل رہا ہے اور دوسرا پیچھے سے ہانک رہا ہے اور تیسرا آدمی درمیان میں کسی اونٹ پر سوار ہے اور سوار کے اونٹ نے کسی انسان کو ہلاک کر دیا تو تینوں ضامن ہوں گے اور اسی طرح راکب سے پیچھے کے اونٹ نے اگر کسی کو ہلاک کر دیا تو بھی تینوں ضامن ہوں گے اور اگر سوار سے آگے کے کسی اونٹ نے کسی کو ہلاک کر دیا تو صرف ہانکنے والے اور آگے سے چلانے والے پر ضمان ہے سوار پر نہیں۔ (عالمگیری از محیط ص53 ج(6)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مالک نے راستے پر جانور چھوڑ دیا اور کسی شخص نے اس جانور کو لوٹانے کی کوشش کی مگر جانور نہ لوٹا اور اسی طرف چلتا رہا جس طرف مالک نے چلا کر چھوڑ دیا تھا پھر اس سے جنایت سرزد ہوئی تو اس نقصان کا ضامن جانور کا مالک ہوگا اور اگر روکنے والے کے روکنے سے جانور کچھ دیر ٹھہر کر پھر چلا اور اس سے کوئی نقصان ہوا تو کوئی ضامن نہیں ہوگا اور اگر روکنے والے کے روکنے سے پلٹا مگر ٹھہرا نہیں تو نقصان کا ضامن لوٹانے والا ہوگا۔ شارع عام پر چلنے والا سوار اپنی سواری سے ہونے والے نقصان کا ضامن ہوگا۔ سوائے اس نقصان کے جولات مارنے یا دم مارنے سے ہو۔ رسی پکڑ کر آگے چلنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں کچل دینے کی صورت میں راکب پر کفارہ اور حرمان میراث بھی ہے لیکن قائد پر نہیں ہے۔

اور جب کسی جانور پر دو آدمی سوار ہیں ایک رسی پکڑ کر آگے سے کھینچ رہا ہے اور ایک پیچھے سے ہانک رہا ہے اور اس جانور نے کسی کو کچل کر ہلاک کر دیا تو چاروں پر دیت برابر تقسیم ہوگی اور دونوں سواروں پر کفارہ بھی ہے۔ (عالمگیری بحوالہ محیط ص50 ج6، بحرالرائق، ص359 ج(8)

مدبر یا ام ولد کی جنایت کا بیان

وَإِذَا جَنَى الْمُدَبَّرُ أَوْ أُمُّ الْوَلَدِ جِنَايَةً ضَمِنَ الْمَوْلَى الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ أَرْشِ جِنَايَتِهَا فَإِنْ جَنَى جِنَايَةً أُخْرَى وَقَدْ دَفَعَ الْمَوْلَى الْقِيمَةَ لِلْأَوَّلِ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلا شَيْءَ عَلَيْهِ يَتْبَعُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى وَإِنْ كَانَ الْمَوْلَى دَفَعَ الْقِيمَةَ لِلْأَوَّلِ بِغَيْرِ قَضَاءٍ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الْمَوْلَى وَإِنْ شَاءَ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى

ترجمہ

جب مدبر یا ام ولد نے کوئی جنایت کردی تو مالک ان کی قیمت کا اور ان کے جرمانے سے کم کا ضامن ہوگا۔ جب ان میں سے کسی نے پھر جنایت کر دی اور آقا قاضی کے حکم سے اس کی پہلی جنایت والے کی قیمت ادا کر چکا تھا تو آقا پر کوئی شے واجب نہیں ہو گی۔ پس دوسری جنایت کا ولی پہلی جنایت کے ولی کا پیچھا کرے گا۔ اور جو کچھ اس نے لے رکھا ہے۔ وہ بھی اس میں شامل ہو جائے لیکن جب آقا نے قاضی کے حکم اور فیصلہ کے بغیر قیمت ادا کی تھی تو اس صورت میں دوسری جنایت کا ولی بااختیار ہوگا چاہے تو آقا کا دامن پکڑے۔ جب چاہے تو پہلی جنایت کے ولی کا پیچھا کرے۔

شرح

اگر حاملہ باندی کوڈرایا، دھمکایا، یاایسامارا کہ اس کاایسا حمل ساقط ہوگیا جوزندہ پیدا ہوتا تو غلام ہوتا تو اس کے زندہ رہنے کی صورت میں اس کی جو قیمت ہوتی مذکر میں اس کی قیمت کا بیسواں اور مؤنث میں قیمت کا دسواں مارنے والے کے مال میں نقد لازم آئے گا۔(6)(درمختاروشامی ص518 ج5، عالمگیری ص35 ج6، بحرالرائق ص342 ج8، تبیین الحقائق ص140 جلد6، فتح القدیر ص328 ج8)

اگر مذکورہ بالا صورت میں مذکر و مؤنث ہونے کا پتہ نہ چلے تو جس کی قیمت کم ہوگی وہ لازم ہوگی اور اگر باندی کے مالک اور ضارب 1))میں ساقط شدہ حمل کی قیمت کی تعیین میں اختلاف ہو تو ضارب کی بات مانی جائے گی۔(2)(شامی ص518 جلد5، عالمگیری ص35 جلد6، عنایہ ص328 جلد8)

اگر مذکورہ بالا صورت میں زندہ بچہ پیدا ہوا جس سے باندی میں کوئی نقص پیدا ہو کر اس کی قیمت گھٹ گئی تو ضارب پر جنین کی قیمت لازم ہوگی اور یہ قیمتِ اگر باندی کی قیمت میں جو کمی واقع ہوئی اس سے کم ہو تو اس کمی کو جنین کی قیمت میں اضافہ کر کے پورا کر دیا جائے گا۔(3)(درمختاروشامی ص518، جلد5)

مذکورہ بالا صورت میں باندی کے مردہ حمل گرا پھر باندی بھی مرگئی تو ضارب پر باندی کی قیمت تین سال میں واجب الادا ہوگی۔(4)(عالمگیری ص35 جلد6)

مذکورہ بالا صورت میں ضرب کے بعد مولیٰ نے حمل کو آزاد کر دیا۔اس کے بعد زندہ بچہ پیدا ہو کر مرگیا تو اس بچے کے زندہ ہونے کی صورت میں جو قیمت ہوتی وہ ضارب پر لازم ہوگی۔5))(عالمگیری ص35 جلد6، درمختاروشامی ص518 جلد5، تبیین ص141 ج6، بحرالرائق ص343 ج8، فتح القدیر ص329 ج8)

کسی نے غیر کی باندی سے زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوگئی پھر زانی اور اس کی بیوی نے کوئی تدبیر کر کے حمل گرادیا اس سے باندی مرگئی تو باندی کی قیمت، اور اگر حمل مردہ ساقط ہوا تھا تو غرہ اور اگر ساقط ہو کر مرا تو اس کی پوری قیمت واجب ہوگی اور اگر مضغہ تھا تو کچھ نہیں۔(بحرالرائق ص322 جلد8)

دیوار،سوار سے نقصان ہوجانے کا بیان

وَإِذَا مَالَ الْحَائِطُ إِلَى طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ فَطُولِبَ صَاحِبُهُ بِنَقْضِهِ وَأُشْهِدَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَنْقُضْهُ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ فِيهَا حَتَّى سَقَطَ ضَمِنَ مَا تَلِفَ فِيهِ مِنْ نَفْسٍ أَوْ مَالٍ وَإِنْ لَمْ يُطَالَبْ بِنَقْضِهِ حَتَّى تَلِفَ بِهِ إِنْسَانٌ أَوْ مَالٌ لَمْ يَضْمَنْ وَطُولِبَ صَاحِبُهُ وَيَسْتَوِي أَنْ يُطَالِبَهُ بِنَقْضِهِ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ وَإِنْ مَالَ إِلَى دَارِ رَجُلٍ فَالْمُطَالَبَةُ إِلَى مَالِكِ الدَّارِ خَاصَّةً وَإِذَا اصْطَدَمَ فَارِسَانِ فَمَاتَا فَعَلَى عَاقِلَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا دِيَةُ الْآخَرِ وَإِذَا قَتَلَ رَجُلٌ عَبْدًا خَطَأً فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ وَفِي الْأَمَةِ إِذَا زَادَتْ قِيمَتُهَا عَلَى الدِّيَةِ

خَمْسَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ وَفِي يَدِ الْعَبْدِ خَمْسَةُ آلَافٍ إِلَّا خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَكُلُّ مَا يُقَدَّرُ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ فَهُوَ مُقَدَّرٌ مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ

ترجمہ

جب کوئی دیوار مسلمانوں کے راستے کی طرف الٹ گئی جھک گئی۔ اس کے مالک سے اس کے اکھاڑنے' ادھیڑنے کا مطالبہ کیا گیا' اور اس بات پر گواہی قائم کرلی گئی اور اتنی مدت کہ جس میں اسے' توڑا جا سکتا تھا۔ اس نے اسے نہ توڑا۔ یہاں تک کہ وہ گر گئی۔ اس دیوار کے ادھیڑنے کا مطالبہ مسلمان نے کیا تھا یا ذمی نے اس کے گرنے سے جان یا مال میں سے جو نقصان ہوا ہو۔ دیوار کا مالک اس کا جرمانہ ادا کرے گا۔ جب وہ دیوار کسی مکان کی طرف جھکی ہو' تو خاص کر مالک مکان کو مطالبہ کا حق ہوگا۔ جب دو سوار آپس ٹکرا کر ہلاک ہو جائیں۔ تو ان میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر دوسرے کی دیت ہوگی۔ کسی نے غلطی سے کسی غلام کو مار ڈالا' تو اس پر اس غلام کی قیمت واجب ہوگی۔ جو دس ہزار درہموں سے زائد نہیں ہوگی۔ پھر جب اس کی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ ہو' تو قاتل پر دس کم دس ہزار درہم کا حکم لگایا جائے گا۔ اور لونڈی میں جب کہ اس کی قیمت زیادہ ہو' تو دیت سے دس درہم کم' پانچ ہزار درہم واجب ہوں گے۔ غلام کے ہاتھ میں اس کی آدھی قیمت ہوتی ہے۔ جو پانچ درہم کم پانچ ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی اور ہر وہ مقدار جو آزاد کی دیت سے مقرر کی گئی ہے۔ وہی غلام کی قیمت سے بھی مقرر ہوگی۔

دیوار کے سبب تلف جان پر ضمان کا بیان

اور یہ جاننا ضروری ہے کہ ایسی دیوار جو سلامی میں ہو یعنی ٹیڑھی ہو، اگر بناتے وقت اس کے بنانے والے نے ٹیڑھی بنائی پھر وہ کسی انسان پر گر گئی اور وہ مر گیا یا کسی کے مال پر گر پڑی اور وہ مال تلف ہو گیا تو دیوار کے مالک کو ضمان دینا ہوگا خواہ اس دیوار کو گرانے کا مطالبہ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، اور اگر اس دیوار کو سیدھا بنایا تھا مگر بعد میں ٹیڑھی ہوگئی مرور زمانہ کی وجہ سے،

پھر کسی انسان پر گر پڑی یا مال پر گر پڑی اور اس کو تلف کر گئی تو کیا دیوار کے مالک پر ضمان ہے؟ ہمارے علمائے ثلاثہ کے نزدیک اگر مطالبہ نقض سے پہلے گری ہے تو اس کا ضمان نہیں ہے، اور مطالبہ نقض سے اتنے بعد گری ہے جس میں اس کا گرانا ممکن تھا، مگر اس نے اس کو نہیں گرایا تو قیاس چاہتا ہے کہ ضمان نہ ہو۔ مگر استحسانا ضامن ہوگا۔

پھر جو جان تلف ہوئی اس کی دیت صاحب دیوار کے عاقلہ پر ہے۔ اور جو مال تلف ہوا اس کا ضمان دیوار کے مالک پر ہے۔ (3) (عالمگیری ص 36 ج 6، مبسوط ص 9 ج 27، تبیین الحقائق ص 147 ج 6، درمختار و شامی ص 526 ج 5، مجمع الانہر ص 657 ج 2، فتح القدیر وعنایہ ص 341 ج 8، بحر الرائق ص 354 ج 8)

دیوار کو گرانے کے مطالبہ کا برحق ہونے کا بیان

دیوار کے متعلق دیوار گرانے کا مطالبہ کرنا دیوار کے مالک سے یہی ملبہ ہٹانے کا مطالبہ ہے یہاں تک کہ اگر تقدم کے بعد دیوار

گر پڑے اور اس کے ملبے سے ٹکرا کر کوئی مر جائے تو دیوار کے مالک پر اس کی دیت لازم ہوگی۔ (5) (عالمگیری از ذخیرہ ص 36 ج 6، تبیین الحقائق ص 147 ج 6، عنایہ فتح القدیر ص 341 ج 8، درمختار و شامی ص 528 ج 5 بحر الرائق ص 354 ج 8، قاضی خاں علی الھندیہ ص 464 ج 3)

اور جب مکان کی زیریں منزل ایک شخص کی ہے اور بالائی دوسرے کی اور پورا مکان گراؤ ہے اور دونوں سے گرانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ پھر بالائی حصہ گرا اور اس سے کوئی آدمی ہلاک ہو گیا تو اس کا ضمان بالائی حصہ کے مالک پر ہے۔ (قاضی خان علی الھندیہ ص 467 ج 3)

اور جب مالکِ دیوار سے گراؤ دیوار کے اِنہدام کا مطالبہ کیا گیا اس نے نہیں گرائی اور مکان بیچ دیا تو مشتری ضامن نہیں ہوگا۔ ہاں اگر خریدنے کے بعد اس سے مطالبہ نقض کر لیا گیا تھا اور اس پر گواہ بنا لیے گئے تھے تو یہ ضامن ہوگا۔ (عالمگیری ص 37 ج 6، بحر الرائق ص 355 ج 8، ہدایہ فتح القدیر ص 342 ج 8)

مشترکہ دیوار کو گرانے پر مطالبہ کرنے کا بیان

کسی گراؤ دیوار کے پانچ مالک تھے۔ ان میں سے کسی ایک سے دیوار گرانے کا مطالبہ ہوا تھا اور وہ دیوار کسی آدمی پر گر پڑی جس سے وہ مر گیا تو جس سے مطالبہ ہوا تھا وہ دیت کے پانچویں حصے کا ضامن ہوگا۔ اور یہ پانچواں حصہ بھی اس کے عاقلہ سے لیا جائے گا اسی طرح کسی گھر میں اگر تین آدمی شریک ہیں ان میں سے ایک نے اس گھر میں اپنے دوسرے دونوں شریکوں کی اجازت کے بغیر کنواں کھودا، یا دیوار بنائی اور اس سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو اس کے عاقلہ پر دو تہائی دیت واجب ہوگی۔ (عالمگیری ص 38 ج 6، فتح القدیر وعنایہ ص 344 ج 8، درمختار و شامی ص 528 ج 5، بحر الرائق ص 355 ج 8، تبیین الحقائق ص 448 ج 6، مجمع الانہر ص 659 ج 6)

اور اگر کنواں یا دیوار اپنے شریکوں کے مشورے سے بنائی گئی تھی تو یہ جنایت متصور نہیں ہوگی۔ (عالمگیری از سراج الوہاج ص 38 ج 6)

کسی شخص نے صرف ایک بیٹا اور ایک مکان چھوڑا اور اس پر اتنا قرض تھا جو مکان کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ تھا اور اس مکان کی دیوار راستہ کی طرف گراؤ تھی۔ اس کے انہدام کا مطالبہ اس کے بیٹے سے کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اس کا مالک نہیں ہے، اور اگر اس کی طرف تقدم کے بعد دیوار گر پڑے تو باپ کے عاقلہ پر دیت ہوگی۔ بیٹے کے عاقلہ پر دیت واجب نہیں ہوگی۔

غلام مکاتب گراؤ دیوار کا مالک تھا، اس سے دیوار گرانے کا مطالبہ کیا گیا اور اس پر گواہ بھی بنا لیے گئے تو اگر غلام کے لیے دیوار کے انہدام کے امکان سے پہلے ہی دیوار گر پڑی تو غلام ضامن نہیں ہوگا۔ اور اگر تمکن کے بعد گری ہے تو ضامن ہوگا۔ اور یہ استحساناً ہے اور قتیل کے ولی کے لیے اپنی قیمت اور قتیل کی دیت سے کم کا ضامن ہوگا۔ اور اگر دیوار اس کے آزاد ہونے کے بعد گری ہے تو اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ اور اگر وہ غلام مکاتب زر کتابت ادا نہ کر سکا اور پھر غلامی میں لوٹ آیا، پھر دیوار گری تو دیت نہ

اس پر واجب ہے نہ اس کے مولا پر۔ اور اسی طرح اگر دیوار بیچ دی پھر گر پڑی تو کسی پر کچھ نہیں ہے۔ اور اگر بیچی نہ تھی کہ گر پڑی اور اس سے ٹکرا کر کوئی آدمی گر پڑا اور مر گیا تو یہ غلام ضامن ہوگا۔ اور اگر زر کتابت ادا کرنے سے عاجز رہا اور غلامی میں لوٹ آیا تو مولا کو اختیار ہے چاہے غلام اس کو دے دے چاہے فدیہ دے دے۔ اور اگر کوئی آدمی اس قتیل سے ٹکرا کر گر پڑا اور مر گیا تو صاحب دیوار پر ضمان نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری از شرح زیادات للعتابی ص 38 ج 6، در مختار و شامی ص 526 جلد 5)

گڑھے میں گر کر مرنے پر وجوب دیت کا بیان

روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ عہد رسالت میں حاکم بن کر یمن پہونچے تو وہاں یہ مقدمہ آپ کی عدالت میں دائر ہوا کہ ایک غار شیر کو شکار کرنے کے واسطے کھودا گیا تھا، اتفاقاً چار شخص اس غار پر ہو کر گزرے، ان میں ایک کا پاؤں پھسلا اور گرنے لگا تو دوسرے کو پکڑ لیا، پہلا شخص غار میں چلا تو اس کے ساتھ دوسرا بھی چلا، اس نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو پکڑا، آخر چاروں غار میں گر پڑے اور بقضائے الٰہی شیر بھی اس غار میں آ پہونچا، اس نے چاروں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر ڈالا، مرنے والے تو مر گئے، مگر ان کے اولیاء میں باہم تنازع ہوا، ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا اور دیت طلب کرنے لگے، آپ کے اجلاس میں دعویٰ پیش ہوا، آپ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان فیصلہ کئے دیتا ہوں، اگر تم اس پر راضی ہو جاؤ گے تو بہتر ہوگا، ورنہ تم لوگوں کو باہمی تکرار اور جنگ و جدال سے روکوں گا یہاں تک کہ تم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو اور حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے بارے میں حکم صادر ہو، میرا فیصلہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ گڑھا کھدوایا ہے، ان کے قبیلے والوں کو جمع کرو اور ان سے دیت بہ تفصیل ذیل لو، یعنی ایک ربع دیت ایک ثلث ایک نصف ایک دیت کامل جو شخص ان میں اول گرنے لگا تھا اس کی دیت تو ایک ربع ہے؛ کیونکہ اس کے پکڑنے سے تین آدمی ضائع ہوئے؛ لہٰذا اس کی دیت بھی بقدر تین ربع ساقط ہوگئی اور دوسرے کی دیت جس کو پہلے نے پکڑا تھا، ایک ثلث ہے؛ کیونکہ یہ باعث ہلاکت دو شخصوں کا ہوا، تیسرے کی نصف؛

کیونکہ اس نے ایک کو ہلاک کیا، چوتھے کی دیت کامل یہ کسی کے ہلاک ہونے کا سبب نہیں بنا، وہ لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کی تجویز بھی پیش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ پسند فرمایا اور اسی کے مطابق حکم دیا۔

(کنز العمال)

چوٹ کے سبب عورت سے بچہ گر جانے کا بیان

وَإِنْ ضَرَبَ رَجُلٌ بَطْنَ امْرَأَةٍ فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا فَعَلَيْهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ قِيمَتُهَا نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا وَإِنْ أَلْقَتْهُ مَيِّتًا ثُمَّ مَاتَتْ فَعَلَيْهِ دِيَةٌ وَغُرَّةٌ وَإِنْ مَاتَتْ ثُمَّ أَلْقَتْهُ مَيِّتًا فَلَا شَيْءَ فِي الْجَنِينِ وَمَا يَجِبُ فِي الْجَنِينِ مَوْرُوثٌ عَنْهُ وَفِي جَنِينِ الْأَمَةِ إِذَا كَانَ ذَكَرًا نِصْفُ عُشْرِ قِيمَتِهِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَعُشْرُ قِيمَتِهِ إِنْ كَانَ أُنْثَى وَلَا كَفَّارَةَ فِي الْجَنِينِ وَالْكَفَّارَةُ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ، وَالْخَطَأُ عِتْقُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ وَلَا يَجْزِي فِيهَا الْإِطْعَامُ

ترجمہ

اور جب کسی بندے نے عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی۔ عورت نے مردہ بچے کو گرا دیا' تو اس پر غرہ (یعنی غلام' لونڈی یا پانچ سو درہم) واجب ہوگا۔ اور غرہ دیت کا بیسواں حصہ ہوتا ہے۔ جب اس عورت نے زندہ بچے کو گرایا' اس کے بعد وہ مر گیا تو اس پر کامل دیت ہوگی۔ جب عورت نے مردہ بچہ گرایا۔ پھر اس کی ماں بھی فوت ہوگئی' تو اس پر دیت اور غرہ دونوں واجب ہوں گے۔ جب ماں فوت ہوگئی اس کے بعد اس نے مردہ بچے کو گرایا تو اس صورت میں اس پر کچھ نہیں ہوگا۔ جنین کے معاملہ میں جو کچھ واجب ہو۔ وہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔ لونڈی کا بچہ جب کہ وہ لڑکا ہو' تو اس میں اس پر اس کی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ جب زندہ ہو اور لڑکی تو پھر قیمت کا دسواں حصہ ہوگا۔ اور بچہ گرانے میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ نہ پائے' تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں گے۔

شرح

اور جب کسی نے کسی حاملہ عورت کو ایسا مارا، یا ڈرایا، یا دھمکایا، یا کوئی ایسا فعل کیا جس کی وجہ سے ایسا مرا ہوا بچہ ساقط ہوا جو آزاد تھا۔ اگر چہ اس کے اعضاء کی خلقت مکمل نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف بعض اعضاء ظاہر ہوئے تھے تو مارنے والے کے عاقلہ پر مرد کی دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم ایک سال میں واجب الاداہوں گے۔ ساقط شدہ بچہ مذکر ہو یا مؤنث اور ماں مسلمہ ہو یا کتابیہ یا مجوسیہ، سب کا ایک ہی حکم ہے۔ (شامی ودر مختار ص 516 جلد 5، تبیین الحقائق ص 139 ج 6)

حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹ کے بچہ میں جو اپنی ماں کے پیٹ میں مارا جائے ایک غرہ حکم فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس پر حکم فرمایا اس نے کہا کہ اس کا میں کس طریقہ سے تاوان ادا کروں کہ جس نے نہ تو کھایا اور نہ ہی پیا اور نہ اس نے شور مچایا نہ گفتگو کی۔ ایسے کا خون تو لغو ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا یہ تو کاہن ہے (یعنی کاہنوں جیسی باتیں بنا رہا ہے)۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1124)

•••-----•••-----•••

بَابُ القَسَامَةِ

﴿یہ باب قسامت کے بیان میں ہے﴾

باب قسامت کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے جنایت اور دیت کے بارے میں احکام کو بیان کیا ہے۔اس لئے کہ بعض اوقات جنایت کا علم ہو جاتا ہے۔اور بعض دفعہ جنایت کا پتہ بھی نہیں چلتا جس کے سبب پریشانی لاحق ہوتی ہے۔اور اسی پریشانی کو دور کرنے کے لئے قسامت کے احکام کو بیان کیا گیا ہے۔کسی بھی قتل وجنایت کے حل کی آخری صورت قسامت کی صورت میں ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسانی جان کی کتنی اہمیت ہے۔کہ احکام اسلام نے کسی انسان کے قتل ہو جانے کے بعد اس میں قصاص، دیت اور قسامت تک کے اسباب سے اس کا حل نکالا ہے۔

قسامت کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

قسامت ق کے زبر کے ساتھ قسم کے معنی میں ہے یعنی سوگند کھانا۔شرعی اصطلاح میں "قسامت" کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی آبادی ومحلہ میں یا اس آبادی ومحلہ کے قریب میں کسی شخص کا قتل ہو جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو حکومت واقعات کی تحقیق کرے اگر قاتل کا پتہ چل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس آبادی یا محلہ کے باشندوں میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے اس طرح کہ ان میں سے ہر آدمی یہ قسم کھائے کہ "خدا کی قسم! نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ اس کے قاتل کا مجھے علم ہے۔

قسامت کے حکم کا بیان

قسامت کا حکم یہ کہ اگر مقتول کے اولیاء نے قتل عمد کا دعویٰ کیا ہے اور اہل محلہ نے قسم کھائی کہ نہ انھوں نے قتل کیا ہے نہ ان کو قاتل کا علم ہے تو اہل محلہ پر دیت لازم ہوگی اور اگر اولیائے مقتول نے قتل خطا کا دعویٰ کیا ہے اور اہل محلہ نے قسم کھالی تو اہل محلہ کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی جس کو وہ لوگ تین سال میں ادا کریں گے اور انکار کی صورت میں ان کو قید کیا جائے گا۔حتی کہ قسم کھائیں۔

(درمختار وشامی ص550 ج5، ملتقی الابحر ص668 ج2، فتح القدیر ص388 ج8)

مفہوم قسامت میں فقہی مذاہب اربعہ

یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک ہے جس کی بنیاد یہ مشہور حدیث ہے کہ (البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر) چنانچہ اس باب کی تیسری فصل میں حضرت رافع ابن خدیج سے منقول روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کے نزدیک "قسامت" کا مفہوم یہ ہے کہ جس آبادی ومحلہ میں یا جس آبادی ومحلہ کے قریب میں لاش پائی گئی ہے اگر اس کے باشندوں اور مقتول کے درمیان کوئی عداوت ودشمنی رہی ہو یا کوئی ایسی علامت پائی گئی ہو۔ جس سے یہ ظن غالب ہو کہ اس آبادی ومحلہ کے لوگوں نے اس کو قتل کیا ہے جیسے اس آبادی یا محلہ میں لاش کا پایا جانا، تو مقتول کے وارثوں سے قسم لی جائے یعنی ان سے کہا جائے کہ وہ یہ قسم کھائیں کہ "خدا کی قسم! تم نے (یعنی اس آبادی یا محلہ کے لوگوں نے) اس کو قتل کیا ہے" اگر مقتول کے وارث یہ قسم کھانے سے انکار کردیں تو پھر ان لوگوں سے قسم لی جائے جن پر قتل کا شبہ کیا گیا ہے" چنانچہ اس باب کی پہلی حدیث جو حضرت رافع سے منقول ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قسامت میں قصاص واجب نہیں ہوتا اگرچہ قتل عمد کا دعویٰ ہو بلکہ اس میں دیت واجب ہوتی ہے خواہ قتل عمد کا دعویٰ ہو یا قتل خطاء کا۔ لیکن حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر قتل عمد کا دعویٰ ہو تو پھر قصاص کا حکم نافذ کرنا چاہئے اور حضرت امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے،

قسامت کے بارے میں ملحوظ رہنا چاہئے کہ قسامت کا یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں بھی رائج تھا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کو باقی رکھا اور اسی کے مطابق انصاریوں میں اس مقتول کا فیصلہ کیا جس کے قتل کا انہوں نے خیبر کے یہودیوں پر دعویٰ کیا تھا۔

محلے میں پائے جانے والے مقتول کا بیان

وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي مَحَلَّةٍ لَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ اُسْتُحْلِفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ فَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا فَإِذَا حَلَفُوا قُضِيَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ ،

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا تَجِبُ الدِّيَةُ مَعَ الْأَيْمَانِ وَلَا يَسْتَحْلِفُ الْوَلِيُّ ثُمَّ يَقْضِي لَهُ بِالْجِنَايَةِ فَإِنْ لَمْ يُكْمِلْ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ خَمْسِينَ كُرِّرَتْ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتَّى تَتِمَّ خَمْسِينَ يَمِينًا وَلَا يَدْخُلُ فِي الْقَسَامَةِ صَبِيٌّ وَلَا مَجْنُونٌ وَلَا امْرَأَةٌ وَلَا عَبْدٌ وَلَا مُدَبَّرٌ وَلَا مُكَاتَبٌ وَإِنْ وُجِدَ مَيِّتًا لَا أَثَرَ بِهِ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ وَكَذَلِكَ إِذَا كَانَ الدَّمُ يَسِيلُ مِنْ أَنْفِهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ فَمِهِ وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ أَوْ أُذُنَيْهِ فَهُوَ قَتِيلٌ،

ترجمہ

جب کوئی مقتول کسی محلہ میں پایا گیا، اور اس کے قاتل کا علم نہ ہوسکا تو پچاس آدمی جنہیں ولی پسند کرے ان سے قسم لی جائے گی۔ اس طرح کہ وہ کہیں کہ اللہ کی قسم ہم نے نہ تو اسے قتل کیا ہے، اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا علم ہے۔ جب وہ قسم اٹھالیں تو اہلِ محلہ پر دیت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ولی سے قسم نہیں لی جائے گی اور نہ ہی اس پر جنایت کا حکم لگایا جائے گا۔ جبکہ وہ قسم اٹھا بھی لے۔ جب ان میں سے کوئی قسم سے انکاری ہو، تو اس کے قسم دینے تک اسے قید کر دیا جائے گا۔ اگر اہل محلہ پورے نہ ہوں تو ان پر قسم دوبارہ

کرائی جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس اقسام پوری ہو جائیں۔ قسم کرانے میں بچہ، پاگل عورت اور غلام داخل نہیں ہوں گے۔ کوئی ایسا مردہ پایا گیا جس پر کوئی نشان وغیرہ نہیں تو قسم نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی دیت ہوگی۔ اگر اس کی ناک، مقام براز یا منہ سے خون بہہ رہا ہو تو بھی یہی حکم ہوگا۔ جب اس کی آنکھوں یا کانوں سے خون نکل رہا ہو تو وہ مقتول ہوگا۔

پچاس آدمیوں سے قسم لینے کا بیان

حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص (یعنی عبداللہ ابن سہل) خیبر میں قتل کر دیئے گئے چنانچہ ان کے ورثاء (یعنی ان کے بیٹے اور چچا زاد بھائی) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان) سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے مقتول کے بارے میں گواہی دیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہاں کوئی مسلمان تو موجود نہیں تھا البتہ یہود تھے (جو ظلم کرنے، فتنہ و فساد پھیلانے اور حیلہ گری میں بہت مشہور ہیں) وہ تو اس سے بھی بڑے کام کی جرأت رکھتے ہیں (جیسے انبیاء کو قتل کر دینا، کلام اللہ میں تحریف کرنا اور احکام خداوندی سے صریحا سرکشی کرنا) آپ نے فرمایا "اچھا تو ان میں پچاس آدمیوں کو منتخب کر لو اور ان سے قسمیں لو" لیکن مقتول کے ورثاء نے یہودیوں سے قسم لینے سے انکار کر دیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اتنے مکار ہیں کہ جھوٹی قسمیں کھا لیں گے) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقتول کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 688)

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کا ظاہری مفہوم حنفیہ کے اس مسلک کی واضح دلیل ہے کہ قسامت میں پہلے مدعا علیہ سے قسم لینی چاہئے۔

ملا علی قاری نے اس موقع پر تمام ائمہ کے مسلک کو نقل کرنے کے بعد حنفیہ مسلک کے دلائل بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

پہلے اولیائے مقتول سے قسم لینے کا بیان

حضرت سہل بن ابی حثمہ کو خبر دی کچھ لوگوں نے جو اس کی قوم کے معزز تھے کہ عبداللہ بن سہل اور محیصہ فقر اور افلاس کی وجہ سے خیبر کو گئے محیصہ کے پاس ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ عبداللہ بن سہل کو کسی نے قتل کر کے کنوئیں میں یا چشمے میں ڈال دیا ہے محیصہ یہ سن کر خیبر کے یہودیوں کے پاس آئے اور کہا قسم خدا کی تم نے اس کو قتل کیا ہے یہودیوں نے کہا قسم خدا کی ہم نے قتل نہیں کیا اس کو، پھر محیصہ اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے بیان کیا بعد اس کے محیصہ اور ان کے بھائی حویصہ جو محیصہ سے بڑے تھے۔

اور عبدالرحمن بن سہل (جو عبداللہ بن سہل مقتول کے بھائی تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے محیصہ نے چاہا کہ میں بات کروں کیونکہ وہی خیبر کو گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بزرگی کی رعایت کر۔ حویصہ نے پہلے بیان کیا پھر محیصہ نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو یہودی تمہارے قتل کی دیت دیں یا جنگ کریں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو اس بارے میں لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ قسم خدا کی ہم نے اس کو قتل نہیں کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حویصہ اور محیصہ اور عبدالرحمن سے کہا تم قسم کھاؤ کہ یہودیوں نے اس کو مارا ہے تو دیت کے حقدار ہو گے انہوں

نے کہا ہم قسم نہ کھائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا اگر یہودی قسم کھالیں کہ ہم نے نہیں مارا انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ مسلمان نہیں ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس سے دیت ادا کی سہل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس سو اونٹ بھیجے ان کے گھروں پر ان میں سے ایک سرخ اونٹنی نے مجھے لات ماری تھی۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1455)

پچاس قسموں کو پورا کرنے میں فقہی تصریحات کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ بشیر بن یسار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سہل انصاری اور محیصہ بن مسعود خیبر کو گئے اور عبداللہ بن سہل کو کسی نے مار ڈالا تو محیصہ اور ان کے بھائی حویصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو عبدالرحمٰن نے بات کرنی چاہی اپنے بھائی کے مقدمے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بزرگی کی رعایت کر تو حویصہ اور محیصہ نے قصہ بیان کیا عبداللہ بن سہل کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پچاس قسمیں کھاتے ہو (اس بات پر کہ فلاں شخص نے اس کو مار ڈالا ہے) اگر کھاؤ گے تو خون کا استحقاق (یا قاتل کا استحاق؟) تمہیں حاصل ہوگا انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہم کیونکر کھائیں) ہم اس وقت موجود نہ تھے نہ ہم نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہودی پچاس قسمیں کھا کر بری ہو جائیں گے انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وہ کافر ہیں ان کی قسمیں ہم کیونکر قبول کریں گے بشیر بن یسار نے کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے دیت ادا کی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے اور میں نے بہت سے اچھے عالموں سے سنا ہے اور اس پر اتفاق کیا ہے۔ اگلے اور پچھلے علماء نے کہا قسامت میں پہلے مدعیوں سے قسم لی جائے گی وہ قسم کھائیں (اگر وہ قسم نہ کھائیں تو مدعٰی علیہم سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالیں گے تو بری ہو جائیں گے) اور قسامت دو امروں میں ایک امر سے لازم ہوتی ہے یا تو مقتول خود کہے مجھ کو فلانے نے مارا ہے (اور گواہ نہ ہوں) یا مقتول کے وارث کسی پر اپنا اشتباہ ظاہر کریں اور گواہی کامل نہ ہو تو انہیں دو وجہوں سے قسامت لازم آئے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس سنت میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ پہلے قسم ان لوگوں سے لی جائے گی جو خون کے مدعی ہوں۔ خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی حارث سے جن کا عزیز خیبر میں مارا گیا تھا پہلے قسم کھانے کو فرمایا تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مدعی قسم کھالیں تو ان کے خون کا مدعیوں سے پچاس قسمیں لی جائیں گی جب وہ پچاس آدمی ہوں تو ہر ایک سے ایک ایک قسم لی جائے گی اور پچاس سے کم ہوں یا بعض ان میں سے قسم کھانے سے انکار کریں تو مکرر قسمیں لے کر قسمیں پچاس پوری کریں گے مگر جب مقتول کے وارثوں میں جن کو عفو کا اختیار ہے کوئی قسم کھانے سے انکار کرے گا تو پھر قصاص لازم نہ ہوگا بلکہ جب ان لوگوں میں جن کو عفو کا اختیار نہیں کوئی قسم کھانے سے انکار کرے تو باقی لوگوں سے قسم لیں گے اور

جن کوعفو کا اختیار ہے ان میں سے اگر کوئی ایک بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو باقی وارثوں کو بھی قسم نہ دیں گے۔ بلکہ اس صورت میں مدعیٰ علیہم کو قسم دیں گے ان میں سے پچاس آدمیوں کو پچاس قسمیں دیں گے اگر پچاس سے کم ہوں تو مکرر کر کے پچاس پوری کریں گے اگر مدعیٰ علیہ ایک ہی ہو تو اس سے پچاس قسمیں لیں گے جب وہ پچاس قسمیں کھالے گا بری ہو جائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک قوم کی قوم کو جس میں بہت آدمی ہوں خون کی تہمت لگے اور مقتول کے وارث ان سے قسم لینا چاہیں تو ہر شخص ان میں سے پچاس پچاس قسمیں کھائے گا یہ نہ ہوگا کہ پچاس قسمیں سب پر تقسیم ہو جائیں یہ میں نے اچھا سنا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قسامت مقتول کی عصبوں کی طرف ہوگی جو خون کے مالک ہیں انہی کو قسم دی جاتی ہے اور انہی کی قسم کھانے سے قصاص لیا جاتا ہے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1456)

عورت وغیر اہل پر قسامت نہ ہونے میں فقہی تصریحات کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ قسامت میں عورتوں سے قسم نہ لی جائے گا اور جو مقتول کی وارث صرف عورتیں ہوں تو ان کو قتل عمد میں نہ قسامت کا اختیار ہوگا نہ عفو کا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک شخص عمداً مارا گیا اس کے عصبہ یا موالی نے کہا کہ ہم قسم کھا کر قصاص لیں گے تو ہو سکتا ہے اگر چہ عورتیں معاف کر دیں تو ان سے کچھ نہ ہوگا بلکہ عصبے یا موالی ان سے زیادہ مستحق ہیں خون کے کیونکہ وہی قسم اٹھائیں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ البتہ عصبات یا موالی نے خون معاف کر دیا بعد حلف اٹھا لینے کے اور خون کے مستحق ہو جانے کے اور عورتوں نے عفو سے انکار کیا تو عورتوں کو قصاص لینے کا استحقاق ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قتل عمد میں کم سے کم دو مدعیوں سے قسم لینا ضروری ہے انہیں سے پچاس قسمیں لے کر قصاص کا حکم کر دیں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کئی آدمی مل کر ایک آدمی کو مار ڈالیں اس طرح کہ وہ سب کی ضربوں سے اسی وقت مرے تو سب قصاصاً قتل کیے جائیں گے اور جو بعد کئی دن کے مرے تو قسامت واجب ہوگی اس صورت میں قسامت کی وجہ سے صرف ایک شخص ان لوگوں میں سے قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ ہمیشہ قسامت سے ایک ہی شخص مارا جاتا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قتل خطاء میں بھی پہلی قسم خون کے مدعیوں پر ہوگی وہ پچاس قسمیں کھائیں گے اپنی حصے کے موافق ترکے میں سے اگر قسموں میں کسر پڑے تو جس وارث پر کسر کا زیادہ حصہ آئے وہ پوری قسم اس کے حصے میں رکھی جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مقتول کی وارث صرف عورتیں ہوں تو وہی حلف اٹھا کے دیت لیں گی اور اگر

مقتول کا وارث ایک ہی مرد ہو تو اسی کو پچاس قسمیں دیں گے اور وہ پچاس قسمیں کھا کر دیت لے لے گا یہ حکم قتل خطا میں ہے نہ کہ قتل عمد میں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1457)

عمد و خطاء کسی میں بھی غلام میں قسامت نہ ہونے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ جب غلام قصداً یا خطاء مارا جائے پھر اس کا مولیٰ ایک ایک گواہ لے کر آئے تو وہ اپنے گواہ کے ساتھ ایک قسم کھائے بعد اس کے اپنے غلام کی قیمت لے لے غلام میں قسامت نہیں ہے نہ عمد میں نہ خطا میں اور میں نے کسی اہل علم سے نہیں سنا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر غلام عمداً یا خطاء مارا گیا تو اس کے مولیٰ پر نہ قسامت ہے نہ قسم ہے اور مولیٰ کو قیمت کا اس وقت استحقاق ہوگا جب کہ وہ گواہ عادل لائے دو یا ایک لائے اور ایک قسم کھائے میں نے یہ اچھا سنا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1459)

گلہ گھونٹ کر قتل کرنے کے سبب معافی ہونے نہ ہونے کا بیان

امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گلا گھونٹ کر کسی کو قتل کرنے کا بار بار مرتکب ہو تو اس کے لیے معافی کی گنجائش ختم ہو جائے گی اور اسے قتل کرنا لازم ہوگا۔

اسحاق بن راہویہ اور فقہاے مالکیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو دھوکے سے کسی ویران جگہ پر لے جا کر قتل کر دے تو اس صورت کے حرابہ کے تحت آ جانے کی وجہ سے حق قصاص ریاست سے متعلق ہو جائے گا اور ورثا کو معافی کا اختیار نہیں ہوگا۔

فقہاے شافعیہ یہ قرار دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کے حکمران کو قتل کر دے تو اس کے لیے معافی کی کوئی گنجائش نہیں اور اسے لازماً قتل کیا جائے گا۔

مقتول کا سواری میں پائے جانے کا بیان

وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ عَلَى دَابَّةٍ يَسُوقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ دُونَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي دَارِ إنْسَانٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ ، وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ وَلَا يَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَهُمَا وَهِيَ عَلَى أَهْلِ الْخُطَّةِ دُونَ الْمُشْتَرِينَ ، وَلَوْ بَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ وَإِذَا وُجِدَ قَتِيلٌ فِي الدَّارِ فَالْقَسَامَةُ عَلَى رَبِّ الدَّارِ وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي سَفِينَةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَى مَنْ فِيهَا مِنْ الرُّكَّابِ ، وَالْمَلَّاحِينَ وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِهَا وَإِنْ وُجِدَ فِي الْجَامِعِ أَوْ الشَّارِعِ الْأَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيهِ وَلَمْ يُعْرَفْ قَاتِلُهُ فَالدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَإِنْ وُجِدَ فِي بَرِّيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدَرٌ

ترجمہ

اور جب مقتول سواری پر جسے کوئی ہانک رہا تھا پایا گیا۔ تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی نہ کہ محلے والوں پر۔ جب مقتول کے گھر میں پایا گیا تو گھر والے دیت پر ہوگی اور دیت اس کے عاقلہ پر ہونے کی صورت میں قسم کرانے میں مالکوں کے ہوتے ہوئے کرائے دار شامل نہیں ہوں گے۔ یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ قسامت اہل نظر پر ہوگی۔ نہ کہ خریداروں پر ہوگی۔ جبکہ ان میں سے ایک ہی باقی ہو۔ اگر مقتول کشتی میں پایا گیا تو جو کشتی میں ہیں یعنی سواریاں اور ملاح قسامت ان پر ہوگی۔ جب مسجد میں پایا گیا تو اہل محلہ پر قسامت ہوگی۔ جب جامع مسجد یا شارع پر پا گیا تو اس میں قسامت تو نہیں ہوگی۔ مگر دیت ہوگی اور وہ دیت بیت المال (سرکاری خزانے) پر ہوگی۔ جب ایسے جنگل میں پایا گیا جس کے قریب کوئی آبادی نہیں تو وہ بےکار ہی ہوگا اس کا کچھ نہیں ہو سکے گا۔

شرح

اگر کسی جانور کی پیٹھ پر مقتول پایا جائے اور اس جانور کا کوئی سائق یا قائد یا اس پر کوئی سوار ہے تو دیت اسی پر ہے، اور اگر سائق وقائد وراکب تینوں ہیں تو تینوں پر برابر برابر دیت واجب ہوگی۔ اور اگر جانور اکیلا ہے تو قسامت و دیت اس محلّہ کے لوگوں پر ہے جہاں اس جانور پر مقتول پایا گیا ہے۔

(عالمگیری ص82 ج6، تبیین الحقائق ص172 ج6، بحرالرائق ص393 ج8، درمختار وشامی ص553 ج5، مبسوط ص117 ج26، بدائع صنائع ص292 ج7)

اگر دو آبادیوں کے درمیان کسی جانور پر مقتول پایا جائے اور جانور اکیلا ہو تو جس بستی تک آواز پہنچ سکتی ہو اس کے رہنے والوں پر اور اگر دونوں جگہ آواز پہنچتی ہو تو دونوں بستیوں میں قریب والی کے باشندوں پر قسامت و دیت واجب ہوگی۔ (عالمگیری ص82 ج6، تبیین الحقائق ص172 ج6، بحرالرائق ص393 ج8، درمختار وشامی ص553 ج5)

مقتول کا دو دیہاتوں کے درمیان پائے جانے کا بیان

وَإِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلَى أَقْرَبِهِمَا الْقَسَامَةُ، وَالدِّيَةُ وَإِنْ وُجِدَ فِي وَسَطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدَرٌ وَإِنْ كَانَ مُحْتَبَسًا فِي الشَّاطِءِ فَهُوَ عَلَى أَقْرَبِ الْقُرَى مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ وَإِنِ ادَّعَى الْوَلِيُّ الْقَتْلَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهِ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ وَإِنِ ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمُ الْقَسَامَةُ، وَالدِّيَةُ وَإِنْ قَالَ الْمُسْتَحْلَفُ قَتَلَهُ فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللَّهِ مَا قَتَلْته وَلَا عَرَفْت لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ فُلَانٍ وَإِذَا شَهِدَ اثْنَانِ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلَى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ أَنَّهُ قَتَلَهُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا

ترجمہ

جب دو دیہاتوں کے درمیان پایا گیا تو قسامت اس دیہات پر ہوگی۔ جو ان میں سے زیادہ قریب ہے جب نہر فرات میں ایسی حالت میں پایا گیا کہ اس پر پانی بہہ رہا تھا تو وہ ضائع جائے گا۔ جب کنارے پر رکا ہوا پایا گیا تو جو گاؤں اس جگہ سے زیادہ قریب ہوگا۔ قسامت اس پر ہی ہوگی جب ولی نے خاص طور پر کسی ایک محلے دار پر قتل کا دعویٰ کیا تو بھی ان سے قسم لینا ساقط نہ ہوگا۔ جب محلے دار کے علاوہ کسی پر دعویٰ کیا تو محلے والوں سے قسامت ساقط ہو جائے گی۔ جب قسم طلب کرنے والا کہے کہ اسے فلاں نے قتل کیا ہے تو اس سے اس طرح قسم لی جائے گی کہ وہ یوں کہے کہ ''اللہ کی قسم میں نے نہ تو اسے قتل کیا ہے اور نہ مجھے فلاں آدمی کے علاوہ اس کے قاتل کا کوئی علم ہے''۔ جب محلے داروں میں سے دو آدمی محلے داروں کے علاوہ کسی ایک آدمی پر گواہی دے دیں کہ قتل اس نے کیا ہے۔ تو ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

شرح

اگر دو آبادیوں کے درمیان کسی جانور پر مقتول پایا جائے اور جانور اکیلا ہو تو جس بستی تک آواز پہنچ سکتی ہو اس کے رہنے والوں پر اور اگر دونوں جگہ آواز پہنچتی ہو تو دونوں بستیوں میں قریب والی کے باشندوں پر قسامت و دیت واجب ہوگی۔

(عالمگیری ص82 ج6، تبیین الحقائق ص172 ج6، بحرالرائق ص393 ج8، درمختار و شامی ص553 ج5)

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ

﴿یہ کتاب معاقل کے بیان میں ہے﴾

کتاب معاقل کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب معاقل کو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ جو قتل خطاء کو موجب یعنی دیت ہے وہ عاقلہ پر ہوتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ یہ پہچان کرائی جائے کہ وہ عاقلہ کون ہیں۔ پس ان کو جاننے کے لئے مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب معاقل کو بیان کیا ہے اور اس سے متعلق احکام کو بیان کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب معاقل، بیروت)

معاقل کے مفہوم کا بیان

الْمَعَاقِلُ جَمْعُ مَعْقُلَةٍ ، وَهِيَ الدِّيَةُ ، وَتُسَمَّى الدِّيَةُ عَقْلًا لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفَكَ : أَيْ تُمْسِكُ .

اور معاقل یہ معقلہ کی جمع ہے اور وہ دیت ہے اور دیت کا نام عقل رکھا گیا ہے کیونکہ یہ خونوں کو باندھنے والی ہے یعنی اس سے روک دینے والی ہے۔

عاقلہ کے فقہی مفہوم کا بیان

عاقلہ وہ لوگ کہلاتے ہیں جو قتل خطاء یا شبہ عمد میں ایسے قاتل کی طرف سے دیت ادا کرتے ہیں جو ان کے متعلقین میں سے ہے اور یہ دیت اصالۃً واجب ہوئی ہو اور اگر وہ دیت اصالۃً واجب نہ ہوئی ہو مثلاً قتل عمد میں قاتل نے اولیائے مقتول سے مال پر صلح کر لی ہو تو قاتل کے مال سے ادا کی جائے گی اور اگر باپ نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دیا ہو تو گو اصالۃً قصاص واجب ہونا چاہیے تھا مگر شبہ کی وجہ سے قصاص کے بجائے دیت واجب ہوگی جو باپ کے مال سے ادا کی جائے گی۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں عاقلہ پر دیت واجب نہ ہوگی۔

(درمختار وشامی، ص561، ج5، عالمگیری، ص83، ج6، بحرالرائق، ص399، ج8، فتح القدیر، ص402، ج8، تبیین الحقائق، ص176، ج6، بدائع صنائع، ص256، ج7، قاضی خان علی الھندیہ، ص448، ج(3)

عاقلہ پر لازم ہونے والی دیت کے احکام کا بیان

الدِّيَةُ فِي شِبْهِ الْعَمْدِ ، وَالْخَطَإِ وَكُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيوَانِ إنْ

كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ أَهْلِ الدِّيْوَانِ تُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فَإِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِي أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِ سِنِينَ أَوْ أَقَلَّ أُخِذَ مِنْهَا وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِ الدِّيْوَانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيلَتُهُ وَتُقَسَّطُ عَلَيْهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لَا يُزَادُ الْوَاحِدُ مِنْهُمْ عَلَى أَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِي كُلِّ سَنَةٍ دِرْهَمٌ وَدَانِقَانِ وَيُنْقَصُ مِنْهُمْ ،

ترجمہ

قتل شبہ عمد اور قتل خطاء میں دیت ہوگی اور ہر وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ وہ عاقلہ پر ہوتی ہے اور عاقلہ اہل دیوان ہوتے ہیں۔ جب قاتل اہل دیوان میں سے ہو تو تین سالوں میں ان کے وظائف سے دیت لی جائے گی۔ اس کے بعد جب وظائف تین سال سے کم یا زائد میں نکلیں تو جو اہل دیوان میں سے نہیں ان سے وصول کر لی جائے گی۔ اس کے عاقلہ اس کے کنبے والے ہوں گے ان پر تین سال میں کوئی قسط مقرر کر دی جائے گی۔ ایک سال میں ایک آدمی چار درہم سے زیادہ مقرر نہیں کئے جائیں گے اور یا وہ ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق (سات رتی کا وزن ہوتا ہے) ہوں گے اور چار درہموں سے کم بھی ہو سکتے ہیں۔

شرح

امام ابوالحسن فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عاقلہ اہل دیوان ہے اور جب قاتل بھی اہل دیوان سے ہے تو ان کے عطا کردہ میں سے تین سالوں میں دیت وصول کی جائے گی۔ اور اہل دیوان جھنڈے والے ہیں۔ اور وہ لشکری ہیں۔ جن کے نام رجسٹروں میں درج ہیں۔ اور یہ حکم ہمارے نزدیک ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دیت خاندان والوں پر واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں اسی طرح ہوتا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منسوخ ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ دیت صلہ ہے۔ اور صلے کے زیادہ لائق قریبی ہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا ہے۔ پس جب آپ نے رجسٹر بنوایا تو دیت کو اہل دیوان پر مقرر کر دیا ہے۔ اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا تھا۔ اور ان میں سے کسی نے بھی اس پر انکار نہ کیا پس یہ بھی منسوخ نہ ہوگا بلکہ حکمی طور پر ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ دیت اہل معاونت پر واجب ہے۔ اور مدد کی مختلف صورتیں ہیں۔ خواہ وہ سبب قرابت کا ہو معاہدے کا ہو یا ولاء کا ہو یا شمار کرنے کا ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں دیوانوں کے ساتھ مدد ہو گئی تھی۔ پس حکمی طور پر اتباع کرتے ہوئے آپ نے اہل دیوان پر دیت کو لازم کیا ہے۔ فقہاء نے یہ بات کہی ہے کہ اگر آج کسی قسم کا تناصر پیشہ کے سبب ہے تو اس کی عاقلہ اہل پیشہ ہوں گے۔ اور جب تناصر معاہدہ کی وجہ سے ہے۔ تو اس کی عاقلہ اہل معاہدہ ہوں گے۔ اور دیت صلہ ہے۔ مگر اس کو مال میں واجب کرنے سے جو صلہ ہے اس مال میں واجب کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ جو ان کے اصلی اموال ہیں۔

اور اس میں تین سال کا تقرر یہ حدیث سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ عطایا کو وصول کرنا آسانی کے سبب سے ہے۔ اور عطا سال میں ایک دفعہ نکالی جاتی ہے۔

اور جب عطایا تین سالوں سے زیادہ یا کم میں نکلی ہیں۔ تو مقصد حاصل کرنے کے لئے جتنی بھی دیت عطایا سے وصول کی

جائے گی امام قدوری علیہ الرحمہ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ کے بعد جب آئندہ سالوں کی عطایا ہے حتیٰ کہ قاضی کے فیصلے سے پہلے گزشتہ سالوں کی عطایا جمع ہیں۔اور پھر قاضی کے فیصلہ کے بعد بھی نکلی ہیں۔تو ان سے دیت نہ لی جائے گی۔کیونکہ اب وجوب قضاء کے سبب سے ہے۔(ہدایہ، کتاب معاقل، لاہور)

قبیلے والوں کے ساتھ دوسروں کو دیت میں شامل کرنے کا بیان

فَإِنْ لَمْ تَتَّسِعِ الْقَبِيلَةُ لِذَلِكَ ضُمَّ إِلَيْهَا أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ إِلَيْهَا وَيَدْخُلُ فِي الْعَاقِلَةِ الْقَاتِلُ فَيَكُونُ فِيمَا يُؤَدِّي كَأَحَدِهِمْ وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيلَةُ مَوْلَاهُ وَمَوْلَى الْمُوَالَاةِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَقَبِيلَتُهُ وَلَا تَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ أَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا ،وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي مَالِ الْجَانِي وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَلَا تَعْقِلُ الْجِنَايَةَ الَّتِي اعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِي إِلَّا أَنْ يُصَدِّقُوهُ وَمَنْ أَقَرَّ بِقَتْلٍ خَطَأً وَلَمْ يَرْتَفِعُوا إِلَى الْقَاضِي إِلَّا بَعْدَ سِنِينَ قُضِيَ عَلَيْهِ بِالدِّيَةِ فِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ مِنْ يَوْمِ يُقْضَى عَلَيْهِ وَلَا تَعْقِلُ مُلْزَمًا بِالصُّلْحِ وَإِذَا جَنَى الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ فَقَتَلَهُ خَطَأً كَانَتْ جِنَايَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ

ترجمہ

جب قبیلہ والوں کو اتنی توفیق واستطاعت نہ ہو تو قریب کے قبیلے والے بھی ساتھ ملا لئے جائیں گے۔اور عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی شامل ہوگا۔پس وہ بھی دیت کی ادائیگی میں عاقلہ میں سے ایک آدمی کی طرح ہی ہوگا۔آزاد ہونے والے سے عاقلہ اس کے آقا کے قبیلے والے ہوں گے موالات کے مولا کی طرف سے اس کا مولا مالک اور قبیلہ دیت دے گا۔اور عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم کے متحمل نہیں ہوتے بلکہ وہ دسویں حصے یا اس سے زیادہ کے متحمل ہوتے ہیں اور جو اس سے کم ہو وہ جنایت کرنے والے کے مال سے پورا ہوگا۔عاقلہ غلام کی جنایت کی دیت نہیں دیتے' اور نہ ایسی جنایت کی دیت دیتے ہیں۔جس کا کرنے والا اقرار کر لے مگر صرف اس صورت میں کہ وہ اس کی تصدیق کر دیں اور جو کچھ صلح کی وجہ سے لازم ہو اس کی دیت بھی وہ نہیں دیتے جب کسی آزاد نے کسی غلام پر غلطی سے کوئی زیادتی کر ڈالی تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

شرح

امام ابوالحسن فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب اہل قبیلہ زیادہ وسیع نہیں ہیں تو ان کے قریب ترین قبائل کو شامل کر لیا جائے گا یعنی وہ قبیلہ جو نسب کے اعتبار سے قریبی ہے۔اور یہ حکم آسانی کی وجہ سے ہے اور اس میں عصبات کی ترتیب کے مطابق اقرب سے اقرب کو ملایا جائے گا۔پس سب سے پہلے بھائی ہیں اور اس کے بعد بھتیجے ہیں اور اس کے بعد چچازاد کزن ہیں۔جبکہ باپ اور بیٹے جو ہیں تو ایک قول کے مطابق وہ بھی قرابت کے سبب عاقلہ میں داخل ہوں گے۔جبکہ دوسرے قول کے مطابق وہ داخل نہ ہوں گے۔کیونکہ ملانا یہ حرج کو دور کرنے کے سبب سے ہے۔تاکہ ہر ایک کو تین یا چار سے زائد نہ پہنچ سکے۔

كِتَابُ الْحُدُودِ

﴿یہ کتاب حدود کے بیان میں ہے﴾

کتاب حدود کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔مصنف علیہ الرحمہ جب کتاب المعاقل اوران کے احکام سے فارغ ہوئے ہیں۔اوردیت چونکہ عبادات وعقوبات کے درمیان پھرنے والی ہے۔(لہذا ماقبل بیان کردہ قسم اوراس کے کفارے کے بعد مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب الحدود کا بیان شروع کیا ہے کیونکہ اس کی کفارے مطابقت واضح ہے۔کیونکہ وہ بھی ایک طرح سزا ہے۔اوراس میں کفارے کا تعین ہے اوراس کے بعد کردہ حدود اللہ میں سزاؤں کا تعین ہے)۔(عنایہ شرح الہدایہ،۷،۱۲۸،بیروت)

کتاب الایمان میں قسم کا کفارہ بھی ایک قسم کے حکم کا لازم ہونا ہے اورقتل کے کفارے میں جنایت کے سبب ایک طرح سزا پائی جاتی ہے۔لہذا اسی کی مناسبت وموافقت کے سبب کتاب الحدود کواس کے ساتھ بیان کیا ہے تاکہ جنایات کبیرہ کے بارے میں بیان کردہ شرعی سزاؤں اورحدود کو بیان کیا جائے۔

حد کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

حد کی جمع حدود ہے۔لغت میں حد دو چیزوں کے درمیان فصل کرنیوالی چیز کو کہتے ہیں (محیط المحیط ج 1 ص 358) یا کسی چیز کے منتہی کو بھی حد کہتے ہیں۔(تاج العروس ج2 ص231)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حد کی تعریف یوں کی گئی ہے:لغت میں حد منع کرنے کو کہتے ہیں اورشریعت میں حد وہ سزا ہے جس کی مقدار معین ہے اورجو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب کی گئی ہے تاکہ لوگوں کوان جرائم سے باز رکھے۔تعزیر بھی حد نہیں کیونکہ اس کی مقدار متعین نہیں اورقصاص بھی حد نہیں کیونکہ وہ مقتول کے وارث کا حق ہے۔(درالمختار،کتاب الحدود،ص 4 ج166) چنانچہ حد شرعا اس سزا کو کہتے ہیں جو اللہ یا اس کے رسول کی جانب سے مقرر ہو۔

حدود حد کی جمع ہے اورحد کے اصل معنی ہیں ممنوع نیز اس چیز کو بھی حد کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اصطلاح شریعت میں "حدود" ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ اورسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے ثابت ہیں اورساتھ ہی متعین ہیں جیسے چوری،زنا،شراب نوشی کی سزائیں۔لفظ حد کے اصل معنی ممنوع یا حائل اگر پیش نظر ہوں تو واضح ہوگا کہ شرعی سزاؤں کو "حدود" اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ سزائیں بندوں کو گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہیں اوران کا خوف انسان اورجرم کے درمیان حائل رہتا

ہے

"حدود اللہ" محارم کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ایت (تلك حدود الله فلا تقربوها) اسی طرح مقادیر شرعی یعنی تین طلاقوں کا مقرر ہونا وغیرہ کے معنی میں بھی منقول ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ایت (تلك حدود الله فلا تعتدوها) لیکن واضح رہے کہ ان دونوں میں بھی "حدود" کا اطلاق اصل معنی "ممنوع" ہی کے اعتبار سے ہے کہ محارم کی قربت (یعنی ان سے نکاح وخلوت) بھی ممنوع ہے اور مقادیر شرعی سے تجاوز کرنا بھی ممنوع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ حد کی اصل یہ ہے کہ جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو کر ان کے اختلاط کو روک دے جیسے دو گھروں کے درمیان حد فاصل۔ زانی وغیرہ کی حد کو حد اس لیے کہا گیا کہ وہ زانی وغیرہ کو اس حرکت سے روک دیتی ہے۔ اس کتاب میں زنا اور چوری وغیرہ کی روایات میں جو ایمان کی نفی آئی ہے اس کے بارے میں حافظ صاحب فرماتے ہیں۔
والصحيح الذى قاله المحققون ان معناه لايفعل هذه المعاصى وهو كامل الايمان وانما تاولناه لحديث ابى ذر من قال لااله الا الله وان زنى و ان سرق الخ یعنی محققین علماء نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ وہ شخص کامل الایمان نہیں رہتا، یہ تاویل حدیث ابوذر کی بنا پر ہے جس میں ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا اگرچہ زنا یا چوری کرے۔ اور حدیث عبادہ میں زنا اور چوری کے بارے میں یوں ہے کہ جو شخص ان گناہوں کو کرے گا۔

اگر دنیا میں اس پر قائم ہوگئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جائے گی ورنہ وہ اللہ کی مرضی پر ہے چاہے معاف کر دے چاہے اسے عذاب کرے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الحدود)

گواہی اور اقرار سے زنا کے ثابت ہونے کا بیان

الزِّنَا يَثْبُتُ بِالْبَيِّنَةِ ، وَالْإِقْرَارِ فَالْبَيِّنَةُ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَةٌ مِنَ الشُّهُودِ عَلَى رَجُلٍ أَوْ امْرَأَةٍ بِالزِّنَا فَيَسْأَلُهُمُ الْإِمَامُ عَنِ الزِّنَا مَا هُوَ وَكَيْفَ هُوَ وَأَيْنَ زَنَى وَمَتَى زَنَى وَبِمَنْ زَنَى فَإِذَا بَيَّنُوا ذَلِكَ ، وَقَالُوا : رَأَيْنَاهُ وَطِئَهَا فِي فَرْجِهَا كَالْمِيلِ فِي الْمُكْحُلَةِ سَأَلَ الْقَاضِي عَنْهُمْ فَإِنْ عُدِّلُوا فِي السِّرِّ ، وَالْعَلَانِيَةِ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ

ترجمہ

زنا گواہی اور اقرار سے ثابت ہوتا ہے۔ بینہ یہ ہے کہ چار گواہ کسی مرد یا عورت پر زناء کی گواہی دیں۔ پس امام ان سے زناء کے بارے میں سوال کرے گا کہ زناء کیا ہوتا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے؟ کیا کیا؟ کب کیا؟ کس سے کیا؟ جب وہ اس کی وضاحت کر دیں اور کہیں ہم نے اسے فرج میں وطی کرتے ہوئے دیکھا۔ بالکل اس طرح جیسے سرمے دانی میں سرچو ہوتا ہے اس کے بعد قاضی نے ان کا حال معلوم کر لیا۔ پس انہیں پوشیدہ طور پر اور واضح طور پر عادل انصاف کرنے والا بنایا جائے گا۔ پھر قاضی ان کی گواہی کے مطابق حکم لگا دے گا۔

قاضی اہل شہادت احوال زنا معلوم کرے

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب گواہ گواہی دے لیں تو قاضی ان سے دریافت کریگا کہ زنا کس کو کہتے ہیں۔ جب گواہ اس کو بتالیں گے اور یہ کہیں کہ ہم نے دیکھا کہ اس کے ساتھ وطی کی جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو اون سے دریافت کریگا کہ کس طرح زنا کیا یعنی اکراہ و مجبوری میں تو نہ ہوا۔ جب یہ بھی بتالیں گے تو پوچھے گا کہ کب کیا کہ زمانہ دراز گزر کر بتایا تو نہ ہوئی۔ پھر پوچھے گا کس عورت کے ساتھ کیا کہ ممکن ہے وہ عورت ایسی ہو جس سے وطی پر حد نہیں۔ پھر پوچھے گا کہ کہاں زنا کیا کہ شاید دارالحرب میں ہوا ہو تو حد نہ ہوگی۔ جب گواہ ان سب سوالوں کا جواب دے لیں گے تو اب اگر ان گواہوں کا عادل ہونا قاضی کو معلوم ہے تو خیر ورنہ ان کی عدالت کی تفتیش کریگا یعنی پوشیدہ و علانیہ اس کو دریافت کریگا۔ پوشیدہ یوں کہ ان کے نام اور پورے پتے لکھ کر وہاں کے لوگوں سے دریافت کریگا اگر وہاں کے معتبر لوگ اس امر کو لکھ دیں کہ یہ عادل ہے اس کی گواہی قابل قبول ہے اس کے بعد جس نے ایسا لکھا ہے قاضی اسے بلا کر گواہ کے سامنے دریافت کریگا کیا جس شخص کی نسبت تم نے ایسا لکھا یا بیان کیا ہے وہ یہی ہے جب وہ تصدیق کرے گا تو اب گواہ کی عدالت ثابت ہوگئی۔

اب اس کے بعد اُس شخص سے جس کی نسبت زنا کی شہادت گزری قاضی یہ دریافت کریگا کہ تو محصن ہے یا نہیں (احصان کے معنی یہاں پر یہ ہیں کہ آزاد عاقل بالغ ہو جس نے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کی ہو)۔ اگر وہ اپنے محصن ہونے کا اقرار کرے یا اس نے تو انکار کیا مگر گواہوں سے اس کا محصن ہونا ثابت ہوا تو احصان کے معنے دریافت کرینگے یعنی اگر خود اس نے محصن ہونے کا اقرار کیا ہے تو اس سے احصان کے معنی پوچھیں گے اور گواہوں سے احصان ثابت ہوا تو گواہوں سے دریافت کرینگے۔ اگر اس کے صحیح معنے بتا دیے تو رجم کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس نے کہا میں محصن نہیں ہوں اور گواہوں سے بھی اس کا احصان ثابت نہ ہوا تو سو ۱۰۰ دُرے مارنے کا قاضی حکم دیگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود، بیروت)

اقرار کے سبب حکم حد کے ثابت ہو جانے کا بیان

وَالْإِقْرَارُ أَنْ يُقِرَّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلَى نَفْسِهِ بِالزِّنَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِي أَرْبَعَةِ مَجَالِسَ مِنْ مَجَالِسِ الْمُقِرِّ كُلَّمَا أَقَرَّ رَدَّهُ الْقَاضِي فَإِذَا تَمَّ إِقْرَارُهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ سَأَلَهُ الْقَاضِي عَنْ الزِّنَا مَا هُوَ كَيْفَ هُوَ وَأَيْنَ زَنَى وَبِمَنْ زَنَى فَإِنْ كَانَ الزَّانِي مُحْصَنًا رَجَمَهُ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى يَمُوتَ يُخْرِجُهُ إِلَى أَرْضٍ فَضَاءٍ وَتَبْتَدِئُ الشُّهُودُ بِرَجْمِهِ ثُمَّ الْإِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ فَإِنْ امْتَنَعَ الشُّهُودُ مِنْ الِابْتِدَاءِ سَقَطَ الْحَدُّ وَإِنْ كَانَ الزَّانِي مُقِرًّا ابْتَدَأَ الْإِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ وَيُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُحْصَنًا وَكَانَ حُرًّا فَحَدُّهُ مِائَةُ جَلْدَةٍ يَأْمُرُ الْإِمَامُ بِضَرْبِهِ بِسَوْطٍ لَا ثَمَرَةَ لَهُ ضَرْبًا مُتَوَسِّطًا وَيُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ وَيُفَرَّقُ الضَّرْبُ عَلَى أَعْضَائِهِ إِلَّا رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَفَرْجَهُ فَإِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهُ خَمْسِينَ كَذَلِكَ

ترجمہ

اور اقرار یہ ہے کہ ایک عاقل، بالغ آدمی خود اپنی ذات پر اپنی مجالس میں سے چار مجلسوں میں چار مرتبہ زناء کا اعتراف کرے۔ جب وہ اقرار کرلے تو قاضی اسے نہ مانے رد کردے۔ جب چار مرتبہ اس کا اقرار مکمل ہو جائے تو قاضی اس سے پوچھے کہ زناء کیا ہوتا ہے؟ کیسے ہوتا ہے؟ اس نے زناء کہاں کیا؟ اور کس سے کیا؟ جب وہ یہ بیان کردے تو اس پر حد لازم ہو جائے گی۔ پھر جب زناء کرنے والا شادی شدہ ہوگا تو وہ اس کے مرجانے تک اسے سنگسار کریں گے۔ پہلے امام کرے گا اس کے بعد عام لوگ کریں گے۔ جب گواہ ہی اسے سنگسار کرنے کا آغاز کرنے سے رک جائیں گے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ پھر جب زناء کرنے والا اقرار کرنے والا ہو تو امام اسے سنگسار کرنا شروع کرے گا۔ اس کے بعد باقی لوگ اسے سنگسار کریں گے۔ اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ جب شادی شدہ نہ ہو تو اس کی حد دو سو کوڑے ہوں گے۔ امام ایسا کوڑہ جس میں گرہ نہ ہو درمیانی ضرب سے مارنے کا حکم دے گا۔ اس کے کپڑے اتار لئے جائیں گے اور اس کے چہرے اور شرمگاہ کے علاوہ اس کے جسم پر مختلف جگہوں پر مارا جائے گا۔ جب وہ غلام ہو تو بالکل ایسے ہی اسے پچاس کوڑے لگیں گے۔

ثبوت حد میں اقرار کے حجت ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، زید بن خالد سے روایت کرتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیں، آپ نے فرمایا بیان کر اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری پر تھا اس کی بیوی کے ساتھ میرے بیٹے نے زنا کرلیا، ایک سو بکریاں اور ایک خادم میں نے فدیہ میں دیا پھر میں نے اہل علم سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے بیٹے کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، سو بکریاں اور خادم تو تمہیں واپس کئے جاتے ہیں اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن ہونا پڑے گا، اے شخص تو صبح اس کی بیوی کے پاس جا اگر اس نے اقرار کرلیا تو اس کو رجم کردو، وہ صبح اس عورت کے پاس گیا تو اس نے اقرار کرلیا تو اسے رجم کیا گیا۔ بخاری کہتے ہیں میں نے سفیان سے کہا کہ کیا زہری نے یہ بیان نہیں کیا کہ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ (کہ انہوں نے کہا میرے بیٹے پر رجم ہے) سفیان نے کہا مجھے اس زہری سے سننے میں شک ہے کبھی میں اس کو کہتا ہوں اور کبھی میں خاموش رہتا ہوں۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1743

ابن عباس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا کہ ایک کہنے والا کہے گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے، چنانچہ وہ ایک فرض کو چھوڑ کر گمراہ ہوں گے جو اللہ نے

نازل کیا ہے، خبردار رجم واجب ہے اس پر جس نے زنا کیا اور شادی شدہ ہو بشرطیکہ اس پر گواہی قائم ہو جائے یا حمل ہو جائے یا اقرار ہو، شعبان نے کہا کہ اس طرح میں نے یاد کیا ہے سن لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے، اور آپ کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1744)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے ہوئے فرما رہے تھے۔ بے شک اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا اس میں آیت رجم بھی ہے۔ ہم نے اسے پڑھا، یاد رکھا اور اسے سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (زانی کو) سنگسار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ لوگوں پر زمانہ دراز گزرے گا کہ کہنے والا کہے گا کہ ہم اللہ کی کتاب میں سنگسار کا حکم نہیں پاتے تو وہ ایک فریضہ کو چھوڑنے پر گمراہ ہوں گے جسے اللہ نے نازل کیا ہے حالانکہ جب شادی شدہ مرد، عورت زنا کریں جب ان پر گواہی قائم ہو جائے یا اعتراف کرلیں تو اللہ کی کتاب میں اسے سنگسار کرنا ثابت ہے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1925، حدیث متواتر)

حاکم مقر کے اقرار کی تردید کرے

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چھوٹے قد والا آدمی لایا گیا۔ اس پر ایک چادر تھی اس حال میں اس نے زنا کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دو مرتبہ رد فرمایا۔ پھر حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ہماری جماعت اللہ کے راستہ میں جہاد کرتی ہے تم میں سے کوئی پیچھے رہ جاتا ہے بکرے کی آواز کی طرح آواز نکالتا ہے اور کسی عورت کو تھوڑا سا دودھ دیتا ہے بے شک اللہ مجھے انہیں سے کسی پر جب قوت و قبضہ دے گا تو میں اسے عبرت بنا دوں گا یا ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لئے عبرت ہوگی راوی کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے سعید بن جبیر سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے اسے چار مرتبہ واپس کیا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1932)

ابن جعفر کی شبابہ نے دو مرتبہ کے لوٹانے میں موافقت کی ہے اور ابو عامر کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دو یا تین مرتبہ واپس کیا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی اسلم میں سے ایک آدمی جسے ماعز بن مالک کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں برائی کو پہنچا ہوں (زنا کیا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر حد قائم کر دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بار بار رد کیا۔ پھر آپ نے ان کی قوم سے پوچھا تو انہوں نہ کہا ہمیں اس میں کوئی بیماری معلوم نہیں لیکن اندازا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہے جس کہ بارے میں اسے گمان ہے کہ سوائے حد قائم کیے کے اس سے نہ نکلے گی۔ راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کر دیں اسے بقیع غرقد کی طرف لے چلے نہ ہم نے اسے باندھا اور نہ اس کے لیے گڑھا کھودا۔ ہم نے اسے ہڈیوں

ڈھیلوں اور ٹھکریوں سے مارا وہ بھاگا اور ہم بھی اس کے پیچھے دوڑے۔ یہاں تک کہ وہ حرہ کے عرض میں آ گیا اور ہمارے لیے رکا تو ہم نے اسے میدان حرہ کے پتھروں سے مارا۔ یہاں تک کہ اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا ہم جب بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو کوئی آدمی ہمارے اہل میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس کی آواز بکرے کی آواز کی طرح ہوتی ہے مجھ پر یہ ضروری ہے کہ جو بھی آدمی جس نے ایسا عمل کیا ہو اور وہ میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرتناک سزا دوں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے نہ مغفرت مانگی اور نہ اسے برا بھلا کہا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1935)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بالجزم یہ کہتے ہیں کہ: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو کوئی بھی گناہ کر بیٹھے اور اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا تو وہ اپنے آپ کو پردہ میں ہی رہنے دے اور اسے چاک مت کرے، انہوں نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ قصہ سے استدلال کیا ہے۔

اور اس میں یہ بھی ہے کہ: "جو کوئی برائی کر بیٹھے اور وہ اپنے کیے پر نادم ہو تو وہ جلد توبہ کر لے، اور کسی کو بھی اس کے متعلق مت بتائے اور اللہ کے پردہ کو چاک مت کرے، اور اگر اتفاق سے کسی کو اس کی خبر بھی ہو جائے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ برائی کرنے والے کو توبہ کرنے کا حکم دے، اور لوگوں سے اسے چھپائے جیسا کہ ماعز رضی اللہ عنہ کا عمر اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قصہ میں ہے۔ (فتح الباری (12/124)

رجم کی سزا کا فقہی بیان

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجیے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بارے میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اسی لئے اس کو سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کرونگا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس کو فرمایا تم اس شخص کی عورت کے پاس

جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کردو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کرلیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کردیا۔"
(بخاری ومسلم)

کتاب اللہ" سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم وسنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔ ایک سال کے لئے جلاوطن کردیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شدہ زناکار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کردیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ **الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة** (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ **فاعترفت فرجمها** چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کردیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے۔

جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر ومقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحۃ ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

چار مجالس پر شہادت کی مستدل حدیث

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی تشریف فرما تھے، اس شخص نے آواز دی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا جدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے اس طرح چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ کیا تو دیوانہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تو محصن ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کو سنگسار کردو۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو حضرت جابر ابن عبداللہ سے سنا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ حضرت جابر نے

کہا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد اس شخص کو مدینہ میں سنگسار کیا چنانچہ جب ہم نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے اور اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ ہم نے اس کو "حرہ" میں جا کر پکڑا مدینہ کا وہ مضافاتی علاقہ جو کالے پتھروں والا تھا حرہ کہلاتا تھا اور پھر اس کو سنگسار کیا تا آنکہ وہ مرگیا۔" (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 717)

اور امام بخاری کی ایک اور روایت میں جو حضرت جابر سے منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر کہ کیا تو محصن ہے؟ اس شخص کے جواب "ہاں" کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اس شخص کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگسار کیا گیا جب اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر پھر پکڑ لیا گیا اور سنگسار کیا گیا یہاں تک کہ مرگیا اس کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھلائی بیان کی یعنی اس کی تعریف وتوصیف کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی یا (وصلی علیہ) کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کی۔

اور اس نے چار مرتبہ اقرار کیا یعنی اس شخص نے چاروں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر اپنے جرم کا اقرار کر کے اور گویا ہر دفعہ میں تبدیل مجلس کر کے اس طرح چار مجلسوں میں چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے چاروں طرف سے آ کر اقرار کرنے سے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا کے ثبوت جرم کے لئے ملزم کا چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا شرط ہے۔

"کیا تو دیوانہ ہے؟" یعنی کیا تم پر دیوانگی طاری ہے کہ تم اپنے گناہ کا خود افشاء کر رہے ہو اور سنگساری کے ذریعہ خود اپنی ہلاکت کا باعث بن رہے ہو حالانکہ چاہئے تو یہ کہ تم خدا سے توبہ استغفار کرو اور آئندہ کے لئے ہر برائی سے بچنے کا پختہ عہد وعزم کرو۔ نووی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد اس شخص کے حال کی تحقیق تھا کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان اپنے کسی بھی ایسے جرم وگناہ کے اقرار پر مصر نہیں ہوتا جس کی سزا میں اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ وہ اسی میں اپنی راہ نجات دیکھتا ہے کہ اپنے جرم وگناہ پر شرمسار ونادم ہو کر خدا سے توبہ استغفار کرے اور اس کے ذریعہ اپنے گناہ کو ختم کرائے۔

حاصل یہ کہ یہ ارشاد جہاں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں مسلمان کی حالت کی تحقیق وتفتیش میں پوری پوری سعی کرنی چاہئے تا کہ فیصلہ میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے وہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی جرم کی سزا میں ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے اس کو جو بھی قانونی فائدہ پہنچایا جاسکتا ہو اس سے صرف نظر نہ کیا جائے، نیز یہ جملہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر کوئی دیوانہ یہ کہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کا اقرار کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔

"کیا تو محصن ہے؟" امام نووی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام وقت یا قاضی پر لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کے بارے میں تحقیق کرلے جو سزائے رجم (سنگساری) کے نفاذ کے لئے شرط ہیں جیسے محصن ہونا وغیرہ، خواہ زنا کا جرم خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہو یا گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہو، نیز اس ارشاد سے کنایۃ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے اقرار سے رجوع کرلے تو اس کو معافی دے کر زنا کی حد ساقط کردی جائے۔ "وہ بھاگ کھڑا ہوا۔"

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرد کو کسی بھی حد یا تعزیر میں مارا جائے تو کھڑا کر کے مارا جائے لٹکا کر نہ مارا جائے اور عورت کو بٹھا کر مارا جائے بلکہ اگر کسی عورت کو رجم کی سزا دی جا رہی ہو تو بہتر ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو (سینہ تک) گاڑ کر سنگسار کیا جائے کیونکہ اس میں اس کے ستر (پردہ پوشی) کی زیادہ رعایت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ کے لئے گڑھا کھدوایا تھا۔

"یہاں تک کہ ہم نے اس کو حرہ میں جا کر پکڑا" اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنگسار کیا جانے والا سنگساری کے دوران بھاگ کھڑا ہو تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے بشرطیکہ اس کے جرم زنا خود اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو اور اگر اس کا جرم زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو پھر اس کا پیچھا کیا جائے اور اس کو سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ اس کا بھاگنا دراصل اس کے رجوع (جرم سے انکار) کو ظاہر کرتا ہے اور یہ رجوع کارآمد نہیں ہوگا۔

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس جملہ (**فرجم بالمصلی**) (چنانچہ اس کو عیدگاہ میں سنگسار کیا گیا) میں مصلی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازے کی نماز پڑھی جاتی تھی، چنانچہ ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس جگہ جنازے اور عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہو اگر اس کو مسجد قرار نہ دیا گیا ہو تو وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتی کیونکہ جنازہ یا عیدین کی نماز پڑھنے کی جگہ کا وہی حکم ہوتا جو مسجد کا ہوتا ہم تو اس جگہ کو خون سے آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے اور اس کی تقدیس واحترام کے پیش نظر وہاں زانی کو سنگسار نہ کیا جاتا۔

مرجوم کی نماز جنازہ پڑھانے میں مذاہب اربعہ

امام مالک کے ہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ امام وقت اور اہل فضل نہ پڑھیں دوسرے لوگ پڑھ سکتے ہیں لیکن حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ ہر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے جو کلمہ گو اور اہل قبلہ ہو اگرچہ وہ فاسق وفاجر ہو یا اس پر حد قائم کی گئی ہو نیز ایک روایت میں امام احمد سے بھی یہی منقول ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کے تمام راویوں نے لفظ "صلی" کو صاد اور لام کے زبر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے جب کہ طبری کے نزدیک یہ لفظ صاد کے پیش یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ ہے نیز ابی شیبہ ابوداؤد اور امام نووی نے بھی اس طرح نقل کیا ہے لہٰذا اس بارے میں یہ بات کہنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ لفظ اصل میں تو صیغہ معروف ہی کے ساتھ ہے البتہ ماقبل کے الفاظ (ثم امر بہا) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس عورت کے جنازہ کو نہلانے کفنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کی تائید اس عبارت سے ہوتی ہے جو مسلم کی روایت میں ہے کہ حدیث (**امر بها النبی صلی الله علیه وسلم فرجمت ثم صلی علیها فقال له عمر تصلی علیها یا نبی الله وقد زنت**) یہ روایت صراحت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی

نماز پڑھی تھی۔

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حدیث (ثم امرهم يصلوا عليها) (یعنی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے قاضی عیاض نے کی وضاحت کی ہے کہ اگرچہ مسلم نے اپنی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاذ ابن مالک کے جنازے کی نماز پڑھنا ذکر نہیں کیا ہے لیکن بخاری نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جب مسلم کے اکثر راویوں نے لفظ "صلی" صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا تو یہاں صاحب مشکوۃ نے اس لفظ کو صیغہ مجہول کے ساتھ کیوں نقل کیا؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ اثبات، نفی پر مقدم ہوتا ہے اس اعتبار سے صاحب مشکوۃ کو یہ لفظ صیغہ معروف کے ساتھ کر کے اثبات کو ترجیح دینا چاہئے تھا لیکن جب انہوں نے معتمد صحیح نسخوں میں دیکھا کہ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے جنازے کی نماز پڑھی یا نہیں پڑھی تو انہوں نے لفظ صلی کو صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کرنے کو ترجیح دی تا کہ اس صورت میں دونوں ہی احتمال ملحوظ رہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صورت ابہام سے خالی نہیں ہے اس لئے اس بارے میں اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ جمہور کی متابعت اور نقل مشہور کی موافقت کے پیش نظر اس لفظ کو صیغہ معروف ہی کے ساتھ قبول کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی

بہر کیف یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حد، اس گناہ کو ختم کر دیتی ہے جس کی سزا میں اس کا نفاذ اجراء ہوتا ہے مثلاً اگر زید زنا کا مرتکب ہوا اور اس کے اس جرم کی سزا میں اس پر حد جاری کی جائے تو وہ زنا کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور آخرت میں اس سے اس زنا پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ایک بات اور نووی کہتے ہیں کہ (یہاں اس عورت کے بارے میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اور) بظاہر دوسری روایت پہلی روایت کے مخالف ہے کیونکہ دوسری روایت سے تو صراحۃ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو اس وقت سنگسار کیا گیا جب اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا اور وہ روٹی کھانے لگا تھا لیکن پہلی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کی ولادت کے بعد ہی سنگسار کر دیا گیا تھا، لہٰذا دوسری دوسری روایت کے صریح مفہوم کے پیش نظر پہلی روایت کی تاویل کرنی ضروری ہوئی تا کہ دونوں روایتوں کا مفہوم یکساں ہو جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے اور دونوں ہی روایتیں صحیح ہیں، پس تاویل یہ ہے کہ پہلی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس بچے کو دودھ پلانے کا ذمہ دار ہوں تو انہوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب کہ اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا، اور دودھ پلانے کا ذمہ دار ہونے سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں اس بچہ کی کفالت اور پرورش کی ذمہ داری لیتا ہوں اور اپنے اس مفہوم کو انہوں نے مجازاً دودھ پلانے سے تعبیر کیا

رجوع کے سبب سقوط حد کا بیان

فَإِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ عَنْ إِقْرَارِهِ قَبْلَ إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِ أَوْ فِي وَسَطِهِ قَبْلَ رُجُوعِهِ وَخَلّٰى سَبِيلَهُ وَيُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوعَ وَيَقُولُ لَهُ لَعَلَّكَ لَمَسْتَ أَوْ قَبَّلْتَ وَالرَّجُلُ ، وَالْمَرْأَةُ فِي ذٰلِكَ سَوَاءٌ

غَيْرَ أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا يُنْزَعُ عَنْهَا مِنْ ثِيَابِهَا إِلَّا الْفَرْوَ، وَالْحَشْوَ وَإِنْ حَفَرَ لَهَا فِي الرَّجْمِ جَازَ وَلَا يُقِيمُ الْمَوْلَى الْحَدَّ عَلَى عَبْدِهِ إِلَّا بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَإِذَا رَجَعَ أَحَدُ الشُّهُودِ بَعْدَ الْحُكْمِ قَبْلَ الرَّجْمِ ضُرِبُوا الْحَدَّ وَسَقَطَ الرَّجْمُ عَنِ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ فَإِنْ رَجَعَ بَعْدَ الرَّجْمِ جُلِدَ الرَّاجِعُ وَحْدَهُ وَضَمِنَ رُبْعَ الدِّيَةِ وَإِنْ نَقَصَ عَدَدُ الشُّهُودِ عَنِ الْأَرْبَعَةِ حُدُّوا ،

ترجمہ

پھر جب اقرار کرنے والا حد جاری ہونے سے قبل یا درمیان میں اپنے اقرار سے پھر جائے تو اس کا پھرنا قبول کیا جائے گا۔ اور اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور امام کے لئے اقرار کرنے والے کو رجوع کی تلقین کرنا مستحب ہے اور یہ کہنا بھی امام کے لئے مستحب ہے کہ شاید تو نے چھوا ہوگا یا بوسہ لیا ہوگا۔ مرد اور عورت اس معاملہ برابر ہیں۔ مگر اس صورت کے علاوہ کہ عورت کے کپڑے پوستین اور موٹے کپڑوں کے علاوہ اس کے باقی کپڑے نہیں اتارے جائیں گے اور عورت کو سنگسار کرنے کے لئے گڑھا کھودنا جائز ہے۔ کوئی مالک امام کی اجازت کے بغیر اپنے غلام اور لونڈی پر حد جاری نہیں کر سکتا۔ جب کوئی گواہ حکم لگا دینے کے بعد رجم کرنے سے قبل گواہی سے پھر جائیں تو گواہوں کو حد لگائی جائے گی اور جس پر انہوں نے گواہی دی تھی اس سے رجم ساقط ہو جائے گا۔ جب کوئی گواہ رجم کرنے کے بعد پھر گیا تو اس صورت میں صرف پھرنے والے کو حد لگائی جائے گی اور وہ چوتھائی دیت کا تاوان بھی ادا کرے گا۔ جب گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد لگائی جائے گی۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جب ماعز بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور زنا کا اقرار کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تو نے شاید چھوا ہوگا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، یا دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اس سے صحبت کی ہے؟ یعنی بغیر کنایہ کے (صراحۃ) دریافت کیا، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1741)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اس نے (یعنی میں نے) زنا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ اس طرف سے پھیر لیا وہ دوسری جانب سے گھوم کر یعنی تبدیل مجلس کر کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف منہ پھیر لیا اور وہ بھی پھر دوسری جانب سے گھوم کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے زنا کیا ہے! آخر کار چوتھی مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سنگساری کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس کو حرہ میں لایا گیا جو مدینہ کا کالے پتھروں والا مضافاتی علاقہ ہے اور اس کو پتھر مارے جانے لگے جب اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گذرا جس کے ہاتھ میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی تھی اس شخص نے اسی جبڑے کی ہڈی سے اس کو مارا

اور دوسرے لوگوں نے بھی دوسری چیزوں سے اس کا مارا تا آنکہ وہ مرگیا۔ جب صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا کہ وہ پتھروں کو چوٹ کھا کر اور موت کی سختی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا لیکن ہم نے اس کا پیچھا کر کے سنگسار کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟۔" (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 722)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر سن کر فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، بہت ممکن تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔

حدیث (یتوب فیتوب اللہ علیہ) کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے اس برے فعل سے رجوع کرتا (یعنی ندامت و شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا اور اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے ساتھ اس پر رجوع کرتا یعنی بنظر رحمت اس کی طرح متوجہ ہوتا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا۔"

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنے ارتکاب زنا کا خود اقرار کرے، اور پھر بعد میں یہ کہے کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا میں جھوٹ بولا ہے یا میں اب اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں تو اس صورت میں اس سے حد ساقط ہو جائے گی اسی طرح اگر وہ حد قائم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

نصابِ شہادت اور ثبوتِ شہادت میں گواہوں کی کیفیت

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اسلامی قانون میں جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی سخت رکھی گئی ہیں۔ اور ان سزاؤں کے اجراء میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم ہے۔ چونکہ زنا کی سزا اسلام میں انتہائی سخت ہے چنانچہ ثبوتِ زنا کے لیے سخت ترین شرائط عائد کی گئی ہیں۔ اس لیے صرف معمولی سا شبہ پیدا ہو جانے کی بناء پر حد ساقط ہو جاتی ہے۔ صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے کیونکہ عام معاملات میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لیے کافی ہے لیکن اسلام نے حدِ زنا کے ثبوت کے لیے شہادت کا با قاعدہ نصاب مقرر کیا ہے اور حد زنا کے لیے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت کی شرط اس قدر ضروری ہے کہ جس میں کوئی التباس نہ ہو۔ چنانچہ فقہائے امت نے قرآن وسنت کی روشنی میں عینی شہادت کے ضمن میں اس قدر سختی کی ہے کہ زنا پر گواہی دینے والے عادل چار ایسے شخص ہوں جو فاعل و مفعول کو اس حالت میں دیکھیں جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ چنانچہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زنا کے گواہوں میں گواہی کی کیفیت اور اس کے اظہار کے وقت بھی اس قدر احتیاط ہے کہا گر چاروں گواہ یکے بعد دیگرے آ کر مجلسِ قضا میں بیٹھیں اور ایک ایک نے اٹھ اٹھ کر قاضی کے سامنے شہادت دی تو گواہی قبول کر دی جائے گی اور اگر دار القضا کے باہر سب مجتمع تھے اور وہاں سے ایک ایک نے آ کر گواہی دی تو گواہی مقبول نہیں ہوگی اور ان گواہوں پر تہمت کی حد لگائی جائے گی۔ (ردمختار، کتاب الحدود)

احصان کے لئے شرائط کا بیان

وَشَرْطُ إِحْصَانِ الرَّجْمِ أَنْ يَكُوْنَ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً نِكَاحًا صَحِيْحًا وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلَى صِفَةِ الْإِحْصَانِ وَلَا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الْجَلْدِ، وَالرَّجْمِ وَلَا يُجْمَعُ فِي الْبِكْرِ بَيْنَ الْجَلْدِ، وَالنَّفْيِ إِلَّا أَنْ يَرَى الْإِمَامُ فِي ذَلِكَ مَصْلَحَةً فَيُعَزِّرُ بِهِ عَلَى مِقْدَارِ مَا يَرَاهُ فَإِنْ زَنَى الْمَرِيْضُ وَحَدُّهُ الرَّجْمُ رُجِمَ وَإِنْ كَانَ حَدُّهُ الْجَلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتَّى يَبْرَأَ وَإِذَا زَنَتِ الْحَامِلُ لَمْ تُحَدَّ حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدَ فَحَتَّى تَتَعَلَّى مِنْ نِفَاسِهَا وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الرَّجْمَ رُجِمَتْ فِي النِّفَاسِ وَإِذَا شَهِدُوا بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ وَلَمْ يَقْطَعْهُمْ عَنْ إِقَامَتِهِ بُعْدُهُمْ عَنِ الْإِمَامِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمْ إِلَّا فِي حَدِّ الْقَذْفِ خَاصَّةً وَمَنْ وَطِئَ أَجْنَبِيَّةً فِيْمَا دُوْنَ الْفَرْجِ عُزِّرَ،

ترجمہ

رجم کے لئے کسی کا محصن ہونا یہ ہوگا کہ زناء کرنے والا آزاد ہو، عقل مند ہو، بالغ ہو، مسلمان ہو اور اس نے کسی عورت سے نکاح صحیح کر کے اس سے جماع بھی کیا ہوا ہو۔ اس صورت میں وہ دونوں محصن ہوں گے۔

محصن میں کوڑے لگانے، اور رجم کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور کنوارے میں کوڑے لگانے، اور جلاوطن کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ لیکن امام اس میں کوئی بہتری دیکھ رہا ہو، تو پھر یہ صحیح ہوگا۔ پس امام اسے اپنی مرضی کے مطابق سزا دے گا۔ جب کسی مریض نے زناء کیا جس کی حد رجم کرنا ہے، تو اسے رجم کر دیا جائے گا۔ جب اس کی حد کوڑے ہوں تو اس کے صحت یاب ہونے تک اسے کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ جب حاملہ نے زناء کر لیا تو اسے وضع حمل تک حد نہیں لگائی جائے گی۔ جب اس کی حد سو کوڑے ہوں تو پھر اس کے نفاس سے پاک ہونے تک جب اس کی حد رجم کرنا ہو، تو پھر اسے حالت نفاس میں ہی رجم کر دیا جائے گا۔ جب گواہوں نے کسی پرانی حد میں گواہی دی کہ اس حد کو قائم کرنے سے ان کا امام سے دور ہونا مانع تھا تو خاص کر حد قذف کے علاوہ ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ جس نے اجنبیہ عورت سے اس کی فرج کے علاوہ اس سے وطی کر لی تو اسے سزا دی جائے گی۔ جس نے اپنے بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے وطی کر لی۔ جبکہ وہ یہ بھی کہتا ہو کہ مجھے علم تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے، تو بھی اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

احصان کی شرائط میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اہل علم کا اجماع ہے کہ رجم صرف محصن شادی شدہ کو ہی کیا جائے گا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "جو شادی شدہ ہو اور زنا کرے اس کو رجم کرنا حق ہے" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کسی بھی مسلمان شخص کا خون بہانا جائز نہیں، مگر تین اسباب میں سے ایک کی بنا پر: یا پھر وہ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے۔

احصان کی سات شرائط کا بیان

پہلی شرط: عورت کی شرمگاہ (قبل) میں وطی کرنا۔ اس شرط میں کوئی اختلاف نہیں؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "شادی شدہ کو شادی شدہ کے بدلے سوکوڑے اور رجم ہے" اور ثیابۃ: یعنی شادی شدہ ہونا قبل میں وطی سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس کا معتبر ہونا ضروری ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جماع کے بغیر نکاح سے محصن ہونا ثابت نہیں ہوتا، چاہے اس میں خلوت بھی ہوئی ہو، یا قبل کے بغیر وطء ہوئی ہو یا دبر میں وطئ ہوئی ہو یا پھر کچھ نہ ہوا ہو تو اسے محصن نہیں کہا جائے گا؛ کیونکہ اس سے عورت ثیب نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ کنوارہ پن سے خارج ہوتی ہے، جن کی حد سوکوڑے اور ایک برس جلاوطنی ہے، اس لیے کہ حدیث میں یہی وارد ہے۔

اور وطی میں یہ ضروری ہے کہ حشوہ یعنی عضو تناسل کا اگلا حصہ عورت کی شرمگاہ میں غائب اور داخل ہو؛ کیونکہ یہ وطی کی حد ہے جس کے ساتھ وطی کے احکام کا تعلق ہے۔

دوسری شرط: وہ نکاح میں ہو؛ کیونکہ نکاح کو احصان کا نام دیا جاتا ہے؛ اس کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے: (اور شادی شدہ عورت)۔

یہاں محصنات کا لفظ بولا گیا ہے، اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں کہ زنا اور وطء شبہ سے وطء کرنے والا محصن یعنی شادی شدہ شمار ہو، اور نہ ہی ہمارے علم میں ہے کہ لونڈی سے وطء کرنے والا شادی شدہ کہلاتا ہو، اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں؛ کیونکہ یہ نکاح نہیں، اور نہ ہی اس سے نکاح کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

تیسری شرط: وہ نکاح صحیح ہو، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے، جن میں عطاء، قتادہ، مالک، شافعی، اور اصحاب الرائے شامل ہیں۔

چوتھی شرط: آزادگی، ابوثور رحمۃ اللہ کے علاوہ باقی سب اہل علم کے ہاں یہ شرط پائی جاتی ہے۔

پانچویں اور چھٹی شرط: بلوغت، اور عقل، اگر بچے اور مجنون نے وطء کر لی اور پھر بالغ یا عقلمند ہو گیا تو وہ محصن شمار نہیں ہوگا، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے، اور امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

ساتویں شرط: وطی کی حالت میں ان دونوں میں کمال پایا جائے، وہ اسطرح کہ عقلمند اور آزاد مرد عقلمند اور آزاد عورت سے وطء کرے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول یہی ہے۔

اور امام مالک کہتے ہیں: اگر ان دونوں میں سے ایک کامل ہو تو وہ محصن ہوگا، لیکن بچہ نہیں جب وہ کسی بڑی عورت سے وطء کرے تو وہ اسے محصن نہیں کریگا۔ (المغنی ابن قدامہ (41/9))

حد رجم کے بارے میں فقہی مذاہب اربعہ

زنا کار یا تو کنوارا ہوگا یا شادی شدہ ہوگا یعنی وہ جو حریت بلوغت اور عقل کی حالت میں نکاح شرعی کے ساتھ کسی عورت سے ملا

ہو۔اور جمہور علماء کے نزدیک اسے ایک سال کی جلاوطنی بھی دی جائے گی۔ہاں امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ یہ جلاوطنی امام کی رائے پر ہے اگر وہ چاہے دے چاہے نہ دے۔جمہور کی دلیل تو بخاری مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ دو اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ایک نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا، میں نے اس کے فدیے میں ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دی۔

پھر میں نے علماء سے دریافت کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے بیٹے پر شرعی سزا سو کوڑوں کی ہے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اس کی بیوی پر رجم یعنی سنگ ساری ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! میں تم میں اللہ کی کتاب کا صحیح فیصلہ کرتا ہوں۔لونڈی اور بکریاں تو تجھے واپس دلوادی جائیں گی اور تیرے بچے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اے انیس تو اس کی بیوی کا بیان لے۔یہ حضرت انیس رضی اللہ عنہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص تھے۔اگر وہ اپنی سیاہ کاری کا اقرار کرے تو تو اسے سنگسار کر دینا۔چنانچہ اس بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے اقرار کیا اور انہیں رجم کر دیا گیا رضی اللہ عنہا۔اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کنورے پر سو کوڑوں کے ساتھ ہی سال بھر تک کی جلاوطنی بھی ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو وہ رجم کر دیا جائے گا۔

چنانچہ موطا مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ لوگو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔اس کتاب اللہ میں جرم کرنے کے حکم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے تلاوت کی، یاد کیا، اس پر عمل بھی کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رجم کیا۔مجھے ڈر لگتا ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے، ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے اس فریضے کو جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا، چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔کتاب اللہ میں رجم کا حکم مطلق حق ہے۔اس پر جو زنا کرے اور شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو، خواہ عورت ہو۔جب کہ اس کے زنا پر شرعی دلیل ہو یا حمل ہو یا اقرار ہو۔یہ حدیث بخاری و مسلم میں اس سے ہی مطول ہے۔مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ رجم یعنی سنگساری کا مسئلہ ہم قرآن میں نہیں پاتے، قرآن میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے۔یاد رکھو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رجم کیا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے، قرآن میں جو نہ تھا، عمر نے لکھ دیا تو میں آیت رجم کو اسی طرح لکھ دیتا، جس طرح نازل ہوئی تھی۔یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں رجم کا ذکر کیا اور فرمایا رجم ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔اگر لوگوں کے اس کہنے کا کھٹکا نہ ہوتا کہ عمر نے کتاب اللہ میں زیادتی کی جو اس میں نہ تھی تو میں کتاب اللہ کے ایک طرف آیت رجم لکھ دیتا۔عمر بن خطاب عبداللہ بن عوف اور فلاں اور فلاں کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔یاد رکھو تمہارے بعد ایسے لوگ آنے والے ہیں جو رجم کو اور شفاعت کو اور عذاب قبر کو جھٹلائیں گے۔اور اس بات کو بھی کہ کچھ لوگ جہنم سے اس کے بعد نکالے جائیں گے کہ وہ کوئلے

ہوں گے۔ مسند احمد میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رجم کے حکم کے انکار کرنے کی ہلاکت سے بچنا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے لائے ہیں اور اسے صحیح کہا ہے۔ ابو یعلی موصلی میں ہے کہ لوگ مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تمہاری تشفی کر دیتا ہوں۔ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ذکر کیا اور رجم کا بیان کیا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رجم کی آیت لکھ لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اب تو میں اسے لکھ نہیں سکتا۔ یا اسی کے مثل۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے، پس ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ رجم کی آیت پہلے لکھی ہوئی تھی پھر تلاوت میں منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا۔ واللہ اعلم۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی بیوی کے رجم کا حکم دیا، جس نے اپنے ملازم سے بدکاری کرائی تھی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز رضی اللہ عنہ کو اور ایک غامدیہ عورت کو رجم کرایا۔ ان سب واقعات میں یہ مذکور نہیں کہ رجم سے پہلے آپ نے انہیں کوڑے بھی لگوائے ہوں۔ بلکہ ان سب صحیح اور صاف احادیث میں صرف رجم کا ذکر ہے کسی میں بھی کوڑوں کا بیان نہیں۔ اسی لئے جمہور علماء اسلام کا یہی مذہب ہے۔

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں پہلے اسے کوڑے مارنے چاہئیں۔ پھر رجم کرنا چاہئے تاکہ قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو جائے جیسے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ کے پاس سراحبہ لائی گئی جو شادی شدہ عورت تھی اور زنا کاری میں آئی تھی تو آپ نے جمعرات کے دن تو اسے کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن سنگسار کرا دیا۔ اور فرمایا کہ کتاب اللہ پر عمل کر کے میں نے کوڑے پٹوائے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر کے سنگسار کرایا۔

مسند احمد، سنن اربعہ اور مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری بات لے لو، میری بات لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ نکال دیا۔ کنوارا کنواری کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی اور شادی شدہ کے ساتھ کرے تو رجم۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم کے ماتحت اس حد کے جاری کرنے میں تمہیں ان پر ترس اور رحم نہ کھانا چاہئے۔ دل کا رحم اور چیز ہے اور وہ تو ضرور ہوگا لیکن حد کے جاری کرنے میں امام کا سزا میں کمی کرنا اور سستی کرنا بری چیز ہے۔ جب امام یعنی سلطان کے پاس کوئی ایسا واقعہ جس میں حد ہو، پہنچ جائے، تو اسے چاہئے کہ حد جاری کرے اور اسے نہ چھوڑے۔ حدیث میں ہے آپس میں حدود سے درگزر کرو، جو بات مجھ تک پہنچی اور اس میں حد ہو تو وہ تو واجب اور ضروری ہو گئی۔ اور حدیث میں ہے کہ حد کا زمین میں قائم ہونا، زمین والوں کے لئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ بھی قول ہے کہ ترس کھا کر، مار کو نرم نہ کر دو بلکہ درمیانہ طور پر کوڑے لگاؤ، یہ بھی نہ ہو کہ ہڈی توڑ دو۔ تہمت لگانے والے کی حد کے جاری کرنے کے وقت اس کے جسم پر کپڑے ہونے چاہئیں۔ ہاں زانی پر حد کے جاری کرنے کے وقت کپڑے نہ ہوں۔ یہ قول حضرت حماد بن ابو سلیمان رحمۃ اللہ کا ہے۔ اسے بیان فرما کر آپ نے یہی جملہ آیت (ولا تاخذکم الخ)، پڑھا تو حضرت سعید بن ابی عروبہ نے پوچھا یہ حکم میں ہے کہاں حکم میں ہے اور کوڑوں میں یعنی حد

کے قائم کرنے میں اور سخت چوٹ مارنے میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی لونڈی نے جب زنا کیا تو آپ نے اس کے پیروں پر اور کمر پر کوڑے مارے تو حضرت نافعہ نے اسی آیت کا یہ جملہ تلاوت کیا کہ اللہ کی حد کے جاری کرنے میں تمہیں ترس نہ آنا چاہئے تو آپ نے فرمایا کیا تیرے نزدیک میں نے اس پر کوئی ترس کھایا ہے؟ سنو اللہ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا نہ یہ فرمایا ہے کہ اس کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ میں نے اسے طاقت سے کوڑے لگائے ہیں اور پوری سزا دی ہے۔ پھر فرمایا اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہے تو تمہیں اس حکم کی بجا آوری کرنی چاہئے اور زانیوں پر حدیں قائم کرنے میں پہلو تہی نہ کرنی چاہئے۔ اور انہیں ضرب بھی شدید مارنی چاہئے لیکن ہڈی توڑنے والی نہیں تا کہ وہ اپنے اس گناہ سے باز رہیں اور ان کی یہ سزا دوسروں کے لئے بھی عبرت بنے۔ رجم بری چیز نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بکری کو ذبح کرتا ہوں لیکن میرا دل دکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس رحم پر بھی تجھے اجر ملے گا۔ پھر فرماتا ہے ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا مجمع ہونا چاہئے تا کہ سب کے دل میں ڈر بیٹھ جائے اور زانی کی رسوائی بھی ہوتا کہ اور لوگ اس سے رک جائیں۔ اسے علانیہ سزا دی جائے، مخفی طور پر مار پیٹ کر نہ چھوڑا جائے۔ ایک شخص اور اس سے زیادہ بھی ہو جائیں تو جماعت ہوگئی اور آیت پر عمل ہو گیا اسی کو لے کر امام محمد کا مذہب ہے کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے۔

عطار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دو ہونے چاہئیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں چار ہوں۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تین یا تین سے زیادہ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چار اور اس سے زیادہ کیونکہ زنا میں چار سے کم گواہ نہیں ہیں، چار ہوں یا اس سے زیادہ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں پانچ ہوں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک جماعت ہو تا کہ نصیحت، عبرت اور سزا ہو۔ نصرت بن علقمہ رحمۃ اللہ کے نزدیک جماعت کی موجودگی کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ ان لوگوں کے لئے جن پر حد جاری کی جارہی ہے دعاء مغفرت و رحمت کریں۔

شہر بدری کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جا سکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ (اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ) 24۔ النور : 2) (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(فاعترفت فرجمها) چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحۃ ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر محصن کے بارے میں یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔ (بخاری مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 714)

"محصن" اس عاقل بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو اور اپنی بیوی سے ہم بستری کر چکا ہو غیر محصن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، جلاوطنی کے بارے میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہو چکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سر، منہ، اور ستر پر کوڑے نہ مارے جائیں۔

حضرت ابوسعید، عبداللہ بن ادریس، ہم سے یہ حدیث ابوسعید اشج نے بحوالہ عبداللہ بن ادریس نقل کی ہے پھر یہ حدیث ان کے علاوہ بھی اسی طرح منقول ہے محمد بن اسحاق بھی نافع ہے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کوڑے مارے اور جلاوطن بھی کیا۔ حضرت عمر نے بھی کوڑے مارے اور جلاوطن کی سزا بھی دی لیکن اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوڑے مارنے اور جلاوطن کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلاوطن کرنا ثابت ہے۔

حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد، عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا صحابہ کرام جن میں ابوبکر، عمر، علی، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر وغیرہ شامل ہیں کا اسی پر عمل ہے متعدد فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1479، حدیث متواتر)

مریض کے لئے حد قائم کرنے میں مہلت دینے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "لوگو! اپنے غلام لونڈیوں پر حد جاری کرو یعنی اگر وہ زنا کے مرتکب ہوں تو پچاس کوڑے مارو خواہ وہ محصن یعنی شادی شدہ ہوں یا غیر محصن۔ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد جاری کروں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں اس کی ولادت ہوئی ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مر جائے گی چنانچہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔"

(مسلم مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 721)

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ذکر کیا تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک کہ اس کا نفاس کا خون بند نہ ہو جائے اس وقت تک کے لئے اسے چھوڑ دو اس کے بعد اس پر حد جاری کرو اور اپنے بردوں غلام لونڈیوں پر حد جاری کیا کرو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کی سزا اور عورت اگر نفاس کی حالت میں ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ نفاس ایک طرح کا مرض ہے اور مریض کو اس کے اچھا ہونے تک مہلت دینی چاہئے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مریض، زنا کا مرتکب ہو اور اس کے محصن شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو رجم سنگساری کا سزاوار گردانا چکا ہو تو اس کو اسی مرض کی حالت میں رجم کیا جائے اور اگر اس کے غیر محصن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے جانے کا سزاوار گردانا گیا ہو تو پھر اس کو اس وقت تک کوڑے نہ مارے جائیں جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے ہاں اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے بچنے کی امید نہ کی جاتی ہو جیسے دق وسل وغیرہ یا وہ ناقص وضعیف الخلقت ہو تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ سزا پوری کرنے کے لئے اس کو کھجور کی کسی ایسی بڑی شاخ سے مارا جائے جس میں چھوٹی چھوٹی سوٹہنیاں ہوں اور وہ شاخ اس کو ایک دفعہ اس طرح ماری جائے کہ اس کی ایک ایک ٹہنی اس کے بدن پر لگ جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے پھیلی ہوئی شاخ استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ تلف کے خوف سے کوڑے مارنے کی حد نہ تو شدید گرمی میں جاری کی جائے اور نہ سخت جاڑے میں بلکہ اس کے لئے معتدل موسم کا انتظار کیا جائے۔

حاملہ پر حد وضع حمل کے بعد قائم کرنے کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت جہنیہ قبیلہ کی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس حال میں کہ وہ زنا سے حاملہ تھی اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں حد کے جرم کو پہنچی ہوں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر (حد) قائم کریں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ولی کو بلایا اور فرمایا کہ اسے اچھی طرح رکھنا۔ جب حمل وضع ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ پس اس نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کے بارے میں حکم دیا تو اس پر اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو اسے سنگسار کر دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا جنازہ پڑھاتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تحقیق! اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر مدینہ والوں میں ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کی جائے تو انہیں کافی ہو جائے اور کیا تم نے اس سے افضل توبہ پائی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے پیش کر دیا ہے۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1940، حدیث متواتر)

حضرت ابوعبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دیا تو فرمایا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد قائم کرو
خواہ وہ ان میں سے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک باندی نے زنا کیا آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے کوڑے لگاؤں لیکن اس نے ابھی قریب ہی زمانہ میں بچہ جنا تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے
اسے کوڑے مارے تو میں اسے مار دوں گا۔ لہٰذا میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا تو نے اچھا کیا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1957، حدیث متواتر)

علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمر فارق رضی اللہ عنہ ایسی سرزمین سے پناہ مانگتے تھے جہاں
علی رضی اللہ عنہ نہ ہوں، اور عمر فارق رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک پاگل عورت کو رجم کرنے کا حکم دے دیا، اسی طرح ایک حاملہ
عورت جس نے چھ ماہ بعد بچہ جن دیا اسے بھی رجم کرنے کا حکم دیا تو اس موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے ہے)۔
نیز علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے پاگل کو معاف کر دیا ہے تو اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اگر علی
رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (استیعاب، ج ۱، ص ۳۳۹)

شبہ کے سبب عدم وجوب حد کا بیان

وَلَا حَدَّ عَلَى مَنْ وَطِءَ جَارِيَةَ وَلَدِهِ أَوْ وَلَدِ وَلَدِهِ وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا حَرَامٌ وَإِذَا وَطِءَ جَارِيَةَ أَبِيهِ أَوْ أُمِّهِ أَوْ زَوْجَتِهِ أَوْ وَطِءَ الْعَبْدُ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ فَإِنْ قَالَ: عَلِمْتُ أَنَّهَا حَرَامٌ حُدَّ وَإِنْ قَالَ: ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا عَلَى قَاذِفِهِ أَيْضًا وَمَنْ وَطِءَ جَارِيَةَ أَخِيهِ أَوْ عَمِّهِ، وَقَالَ ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي حُدَّ وَمَنْ زُفَّتْ إِلَيْهِ غَيْرَ امْرَأَتِهِ، وَقَالَتْ النِّسَاءُ: إِنَّهَا زَوْجَتُكَ فَوَطِئَهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ وَمَنْ وَجَدَ امْرَأَةً عَلَى فِرَاشِهِ فَوَطِئَهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْحَدُّ وَمَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ أَوْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيُعَزَّرُ وَمَنْ وَطِءَ بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَمَنْ زَنَى فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي دَارِ الْبَغْيِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْنَا لَمْ يُقَمْ عَلَيْهِ الْحَدُّ

ترجمہ

جب کسی نے اپنے باپ، ماں یا بیوی کی لونڈی سے وطی کر لی یا کسی غلام نے اپنے مالک کی لونڈی سے وطی کر لی اور وہ یہ بھی کہے
کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو اسے حد لگائی جائے گی۔ جب کہے کہ میں اسے اپنے لئے حلال سمجھتا تھا تو پھر اسے حد نہیں
لگائی جائے گی۔ جس نے اپنے بھائی یا چچا کی لونڈی سے وطی کر لی اور کہا کہ میں اسے اپنے لئے حلال سمجھتا تھا تو اسے حد لگائی جائے
گی۔ وہ جس کی طرف سہاگ رات کو اس کی عورت کے علاوہ اور عورت بھیج دی گئی اور عورتوں نے کہا کہ یہ تیری بیوی اور اس نے اس

ہے صحبت کرلی تو اسے حد نہیں لگے گی۔ مگر اس پر مہر ہوگا۔ کسی نے اپنے بستر پر کوئی عورت پا کر اس سے وطی کرلی تو اس پر حد جاری ہو گی۔ جس نے کسی ایسی عورت سے شادی کی۔ جس سے اس کا نکاح حلال نہیں، اور اس سے وطی بھی کرلی تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر حد لگے گی۔ جس نے عورت کے ساتھ ناپسندیدہ مکروہ جگہ میں وطی کی یا قوم لوط علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا عمل کرلیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ زناء کی طرح ہی ہے۔ اس لئے اسے حد لگائی جائے گی جس نے چوپائے کے ساتھ وطی کر ڈالی تو اس پر حد نہیں ہوگی۔ جس نے دار الحرب میں یا باغیوں کی حکومت میں زناء کیا پھر ہمارے پاس آ گیا تو اس پر حد نہیں جاری ہوگی۔

شرح

فعل میں شبہہ ہونے کے آٹھ مقام ہیں۔ (۱) اپنے باپ کی باندی سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۲) اپنی ماں کی باندی سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۳) اپنی بیوی کی باندی سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۴) بیوی کو طلاق ثلاثہ دینے کے بعد اس کی عدت میں اس سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا (۵) مال کے بدلے بیوی کو طلاق بائنہ دے کر اس کی عدت میں اس سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۶) اپنی ام ولد کو آزاد کر کے اس کی عدت میں اس سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا (۷) غلام کا اپنے آقا کی باندی سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا (۸) مرتہن کا مرہونہ باندی سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا ہے۔ کتاب الحدود کی روایت کے مطابق ان تمام مواقع پر جب واطی یہ کہہ دے کہ میں نے اس لئے وطی کی تھی یہ عورت میرے لئے حلال تھی تو حد ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام تھی تو حد واجب ہو جائے گی۔

شبہ کے فائدہ سے ملزم کو بچانے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ اگر مسلمان (ملزم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم ومنصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث موقوف ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود)

اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو حد سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کا فائدہ ملزم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ ملزم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے

ہو؟

کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے زنا کے ارتکاب کے بجائے اس کا بوسہ لے لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھولیا ہو۔ اور اب تم اس کو اپنے اقرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو غرضیکہ اس سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں تاکہ وہ اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ بری ہو جائے، چنانچہ ماعز وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطاء سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا منشاء بھی مذکورہ بالا بات کو مبالغہ و تاکید کے ساتھ بیان کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ملزم کو بری کر دے اور اس کے اس فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگرچہ غلطی کے اعتبار سے دونوں ہی فیصلے محل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ ملزم کی برات میں بہر حال ایک مسلمان کی جان و عزت بچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو اپنی جان اور عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

شبہہ سے سقوط حدود پر اجماع کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہائے امصار و بلاد کا اس پر اجماع ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ شبہ وہ ہے جو ثابت تو نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو، علمائے احناف نے شبہ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) شُبْهَةٌ فِي الْفِعْلِ اس کو شُبْهَةُ الْإِشْتِبَاه بھی کہتے ہیں۔ (۲) شُبْهَةٌ فِي الْمَحَلِ (۳) شُبْهَةٌ فِي الْعَقْد

پہلی قسم شُبْهَةُ الاشْتِبَــاه کی صورت یہ ہے کہ جیسے کسی پر اس شے کی حلت و حرمت مشتبہ ہو جائے جیسے وہ یہ بدگمانی کرے اس کی بیوی کی لونڈی سے مجامعت و وطی کرنا حلال ہے یا اپنے باپ ماں یا دادا کی باندی سے وطی کرنا اس کے لیے جائز ہے یا یہ گمان کرے کہ اسے اپنی مطلقہ ثلثہ سے دوران عدت وطی کرنا جائز ہے۔ ان صورتوں میں اگر اس نے وطی کر لی تو اس پر حد قائم نہ ہوگی لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ مجھے اس کا علم تھا کہ یہ حرام ہیں تو اس پر حد قائم کر دی جائے گی۔

دوسری قسم شُبْهَةٌ فِي الْمَحَلِ کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی باندی، طلاق بالکنایہ سے مطلقہ، فروخت کردہ باندی جس کو ابھی خریدار کے قبضہ میں نہیں دیا ہے اور وہ باندی جو اپنی بیوی کے مہر میں دی لیکن ابھی اس کو بیوی کے قبضہ میں نہیں دیا ہے وغیرہا ان تمام صورتوں میں اگر وہ ان کے ساتھ وطی کریگا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی! اگرچہ وہ یہ اقرار کرے کہ میں ان کے حرام ہونے کو جانتا تھا۔

تیسری قسم شُبْهَةٌ فِي الْعَقْد کی صورتیں یہ ہیں کہ کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا بعد عقد نکاح اس سے وطی کی اگر وہ یہ کہے کہ مجھے اس کے حرام ہونے کا علم تھا تو فتویٰ اس پر ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی اور اگر اسے علم نہ تھا

حد قائم نہ ہوگی۔ایسے ہی اس عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔

اسی طرح شراب کو دوا کے طور پر پیا (بشرطیکہ معالج نے ضروری قرار دیا ہو) ان تمام صورتوں میں حد قائم نہ کی جائے گی۔ چونکہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اسی لئے حدود عورتوں کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتیں نہ کتابُ القاضِی اِلَی القاضِی سے اور نہ شَہادَت عَلَی الشَّہادَت سے نہ حالت نشہ میں حدود خالصہ کے اقرار سے کہ ان تمام صورتوں میں شبہات ہیں ان کے علاوہ شبہات کی اور صورتیں بھی ہیں۔ (الاشباہ والنظائر، ص ۱۰۹، ایچ ایم سعید کراچی)

مرد اپنی بیوی کی باندی سے زنا کرے تو کیا حکم ہے؟

امام ابوداؤد علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حبیب بن سالم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جسے عبدالرحمٰن بن حنین کہا جاتا تھا اپنی بیوی کی باندی سے جماع کر لیا تو اسے حضرت نعمان بن بشیر کے سامنے پیش کیا گیا وہ اس وقت کوفہ کے امیر تھے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کروں گا اگر تیری بیوی نے اس باندی کو تیرے لیے حلال کیا تھا تو تجھے سو کوڑے ماروں گا اور اگر اس نے اسے تیرے لیے حلال نہیں کیا تجھے پتھروں سے رجم کروں گا تو انہوں نے اسے پایا کہ اس کی بیوی نے باندی کو اس کے لیے حلال کر دیا تھا تو نعمان رضی اللہ عنہ نے اسے کوڑے مارے قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں حبیب بن سالم کو لکھا تو انہوں نے میری طرف سے یہ حدیث بیان کی۔

حضرت نعمان بن بشیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کی باندی سے جماع کرلے، فرمایا کہ اگر اس کی بیوی نے اس باندی کو اس کے لئے حلال کیا تھا تو سو کوڑے۔ اگر حلال نہیں کیا تھا تو اس کو رجم کروں گا۔

حضرت سلمہ بن محبق سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کی لونڈی سے بدکاری کی تھی فیصلہ فرمایا کہ اگر اس نے زنا بالجبر کیا ہے تو وہ لونڈی آزاد ہے اور مرد کو ویسی ہی لونڈی مالکہ اپنی بیوی کو دینا ہوگی اور اگر لونڈی کی رضا ورغبت سے بدکاری ہوئی تو وہ اسی کی ہو جائے گی اور زانی کے لیے مالکہ کو اس جیسی ایک لونڈی دینا ضروری ہوگا امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو یونس بن عبید نے اور عمرو بن دینار نے، منصور بن زاذان نے اور سلام نے حسن سے روایت کیا ہے اس معنی میں یونس اور منصور نے قبیصہ بن حریث کا ذکر نہیں کیا۔

منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لونڈی نے اپنی خوشی سے بدکاری کی تو وہ زانی کی ملک میں آ جائے گی اور زانی کے مال میں سے اس جیسی لونڈی (یا اس کی قیمت) مالکہ کو ملے گی۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ عدم اشتباہ کی صورت میں حد جاری کی جائے گی اور اشتباہ کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی

شب زفاف کسی دوسری عورت کے پاس جانے پر عدم حد کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نکاح کے بعد پہلی شب میں جو عورت رخصت کر کے اس کے یہاں لائی گئی اور

عورتوں نے بیان کیا کہ یہ تیری بی بی ہے اس نے وطی کی بعد کو معلوم ہوا کہ بی بی نہ تھی تو حد نہیں۔ (درمختار، کتاب الحدود)

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں یعنی جبکہ پیشتر سے یہ اس عورت کو نہ پہچانتا ہو جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے اور اگر پہچانتا ہے اور دوسری عورت اس کے پاس لائی گئی تو اون عورتوں کا قول کس طرح اعتبار کریگا۔ اسی طرح اگر عورتیں نہ کہیں مگر سسرال والوں نے جس عورت کو اس کے یہاں بھیج دیا ہے اُس میں بیشک یہی گمان ہوگا کہ اسی کے ساتھ نکاح ہوا ہے جبکہ پیشتر سے دیکھا نہ ہو اور بعض واقعے ایسے ہوئے بھی ہیں کہ ایک گھر میں دو براتیں آئیں اور رخصت کے وقت دونوں بہنیں بدل گئیں اس کی اس کے یہاں اس کی اس کے یہاں آ گئی لہٰذا یہ اشتباہ ضرور معتبر ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بہار شریعت، حصہ، حدود کا بیان)

لوطی کی حد میں مذاہب اربعہ

لواطت کرنے والے کی حد کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک لواطت پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہاں امام المسلمین جس قسم پر اور جس قدر مصلحت سمجھے بطور تعزیر سزا جاری کرسکتا ہے۔

امام شافعی کا ظاہر قول ہے کہ فاعل پر حد زنا جاری ہوگی اور مفعول پر سو کوڑے ہیں۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول یہ دونوں کو قتل کیا جائے گا، جیسا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس شخص کو قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔ (ترمذی، ابن ماجہ (امام مالک اور امام احمد کے نزدیک لواطت کرنے والے کو سنگسار کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو اس باب میں حضرت جابر اور ابوہریرہ سے بھی احادیث منقول ہیں اس حدیث کو ہم ابن عباس کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے اس حدیث کو عمرو بن ابی عمر سے روایت کیا ہے اور فرمایا قوم لوط کا سا عمل کرنے والا ملعون ہے قتل کا ذکر نہیں کیا اور یہ بھی مذکور ہے کہ چوپائے سے بدفعلی کرنے والا بھی ملعون ہے۔ عاصم بن عمرو بن سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے اور وہ ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔ اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کو عاصم کے علاوہ کسی اور نے بھی سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہو عاصم بن عمر حفظ کے اعتبار سے حدیث میں ضعیف ہیں لوطی عمل کرنے والے کی سزا کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اسے سنگسار کیا جائے خواہ وہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔ امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء و فقہاء تابعین، حسن بصری، ابراہیم نخعی اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر اسی طرح حد جاری کی جائے جس طرح زانی پر حد جاری کی جاتی ہے۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1498)

لواطت کا جرم سب جرائم سے بڑا، اور سب گناہوں سے سب سے زیادہ قبیح گناہ ہے، اور افعال میں سے غلط ہے، اس کے مرتکب افراد کو اللہ تعالیٰ نے وہ سزا دی ہے جو کسی اور امت کو نہیں دی، اور یہ جرم فطرتی گراوٹ، اور بصیرت کے اندھے پن، اور عقلی

کمزوری، قلت دین پر دلالت کرتا ہے، اور ذلت و پستی کی علامت، اور محرومی کا زینہ ہے، اللہ تعالیٰ سے ہم عافیت و معافی طلب کرتے ہیں. اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: اور جب لوط (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہا کیا تم ایسی فحاشی کرتے ہو جو تم سے قبل کسی نے بھی نہیں کی، یقیناً تم عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت والے کام کرتے ہو، بلکہ تم تو حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو، اس کی قوم کا جواب تھا کہ اسے تم اپنی بستی سے نکال باہر کرو یہ پاکباز لوگ بنے پھرتے ہیں، تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی، مگر اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی، اور ہم نے ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی، تو آپ دیکھیں کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا۔ (الاعراف (80-84)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان کچھ اس طرح ہے۔ تیری عمر کی قسم یقیناً یہ تو اپنی مدہوشی میں حیران پھرتے ہیں تو انہیں صبح کے وقت ایک چنگاڑ نے پکڑ لیا، اور ہم نے ان کی بستی کا اوپر والا حصہ نیچے کر دیا، اور ہم نے ان پر آسمان سے کنکروں کی بارش برسائی، یقیناً اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں، اور یہ باقی رہنے والی راہ ہے۔ (الحجر (72-76)

اس کے علاوہ کئی ایک آیات اور بھی ہیں. ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جسے قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

اور مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قوم لوط جیسا عمل کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے، اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، یہ تین بار فرمایا۔

اور صحابہ کرام کا لوطی عمل کرنے والے کو قتل کرنے پر اجماع ہے، لیکن اسے قتل کرنے کے طریقہ میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے بعض صحابہ کرام تو اسے جلا کر قتل کرنے کے قائل ہیں مثلاً علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ اور ان میں سے بعض کی رائے ہے کہ اسے اونچی جگہ سے گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہی ہے۔

اور بعض صحابہ کرام اسے پتھروں سے رجم کرنے کے قائل ہیں حتی کہ وہ ہلاک ہو جائے، یہ بھی ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور ان میں سے بعض کا قول ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہو، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ. اور کچھ کا قول ہے کہ: بلکہ زانی جیسی سزا دی جائے گی، اگر تو شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائے گا، اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے کوڑے مارے جائیںگے۔

اور بعض کا قول ہے کہ: اسے شدید قسم کی وہ تعزیر لگائی جائے گی جسے حکمران مناسب سمجھے. اس مسئلہ میں ابن قیم رحمہ اللہ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فقہاء کرام کے دلائل بیان کرنے کے بعد اس کا مناقشہ بھی کیا ہے، اور پہلے قول کی تائید کی ہے، انہوں نے اس فاحش اور منکر کام کا علاج اپنی کتاب "الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی" میں تفصیلاً بیان کیا ہے، یہاں ہم ان کی کلام کا کچھ حصہ ذکر کرتے ہیں: "اور جب لواطت سب فساد اور خرابیوں سے زیادہ بڑی تھی تو دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی سب

سزاؤں سے بڑی ہوئی۔ اس کی سزا میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا اس کی سزا زنا سے بڑی ہے یا کہ زنا کی سزا بڑی ہے، یا دونوں کی سزا برابر ہے؟ اس میں تین قول پائے جاتے ہیں: ابوبکر صدیق اور علی بن ابی طالب، اور خالد بن ولید، اور عبد اللہ بن زبیر، اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، اور امام مالک، اسحاق بن راہویہ، اور امام احمد اصح ترین روایت میں، اور امام شافعی اپنے ایک قول میں اس طرف گئے ہیں کہ اس کی سزا زنا سے زیادہ سخت ہے، اور ہر حالت میں اس کی سزا قتل ہے، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

جانور سے وطی کرنے والے پر عدم حد میں مذاہب اربعہ

جس چوپائے کے ساتھ لواطت کی گئی ہو اس جانور کو قتل کر دیا جائے گا، اور اس کا گوشت نہیں کھایا جائے گا، اور اگر وہ جنسی زیادتی کرنے والے شخص کی ملکیت ہو تو اس کی کوئی ضمان نہیں، لیکن اگر کسی دوسرے کی ملکیت ہو تو اسے اس جانور کی ضمان اور قیمت بھی ادا کرنا ہوگی۔ اور بدفعلی کرنے والے شخص کو تعزیر لگائیگی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اس میں درج ذیل حدیث وارد ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے تم کسی چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پاؤ تو اسے قتل کر دو، اور چوپایا بھی قتل کر دو" ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا: چوپائے کو قتل کیوں کیا جائے گا؟ تو انہوں نے فرمایا: اس سلسلہ میں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ سے کچھ نہیں سنا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا کہ اس کا گوشت کھایا جائے، یا اس سے نفع اٹھایا جائے، اور اس سے ایسی بدفعلی کی گئی ہو۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (1455) سنن ابوداود حدیث نمبر (4464) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2564) اس حدیث کو ابوداؤد اور طحاوی نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کے بعد کہا ہے: اور سفیان ثوری نے عاصم سے اور انہوں نے ابورزین سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ: "جو چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں" ہمیں یہ محمد بن بشار نے عبدالرحمن بن مہدی سے اور وہ سفیان ثوری سے بیان کیا ہے، اور پہلی حدیث سے یہ زیادہ صحیح ہے، اور اہل علم کے ہاں عمل بھی اسی پر ہے، اور امام احمد اور اسحاق کا قول بھی یہی ہے۔

جمہور فقہاء کا مسلک ہے کہ چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنے والے پر کوئی حد نہیں، لیکن اس پر تعزیر لگائی جائے گی، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: جو چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں۔

اور اس طرح کا قول توقیف سے ہی کہا جا سکتا ہے، اور اس لیے کہ سلیم الطبع اس کا انکار کرتی ہیں، تو حد لگانے کی دلیل نہیں لی جا سکتی۔ اور شافعیہ کا قول ہے: اسے زنا کی حد لگائی جائے گی، اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور شافعیہ کا ایک دوسرا قول یہ ہے: اسے مطلقاً قتل کیا جائے گا، چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ ہو۔ اور جمہور فقہاء (احناف، مالکیہ، شافعیہ) کا مسلک ہے کہ: چوپایا قتل نہیں کیا جائے گا، اور اگر قتل کر دیا جائے تو بغیر کسی کراہت کے کھانا جائز ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں اگر وہ کھائے جانے والے جانور میں سے ہو، اور ابو یوسف اور محمد نے اسے کھانے سے منع کیا ہے، ان کا کہنا ہے: اسے ذبح کر کے جلا دیا جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے، اور احناف نے اس سے زندہ یا مردہ نفع لینے کی کراہت بیان کی ہے۔

اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ: چوپایا قتل کیا جائے گا چاہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہو یا کسی دوسرے کی، اور چاہے کھایا جانے والا ہو یا نہ کھایا جانے والا۔ شافعیہ کے ہاں بھی یہی قول ہے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا مروی ہے: "جو چوپائے سے بدفعلی کرے اسے قتل کردو، اور چوپایا بھی قتل کردو۔ اور شافعیہ کے ہاں ایک اور قول بھی ہے: اگر کھایا جانے والا ہو تو اسے ذبح کیا جائے گا، اور اگر کھائے جانے والی جنس میں سے ہو تو انہوں نے اسے کھانے کی حرمت صراحت سے بیان کی ہے۔ (الموسوعة الفقهية (24/33) اور اگر انسان کسی چوپائے سے بدفعلی کرے تو اسے تعزیر لگائی جائے گی، اور جانور قتل کردیا جائے گا کیونکہ وہ حرام اور مردار ہے۔ اور اگر وہ جانور اس کی اپنی ملکیت ہو تو اس کا نقصان ہوگا، اور اگر کسی دوسرے کا ہو تو بدفعلی کرنے والا مالک کو اس کی قیمت ادا کریگا اور ایک قول یہ بھی ہے: جو چوپائے سے بدفعلی کرے اسے قتل کردیا جائے گا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تم جسے چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کردو، اور چوپایا بھی قتل کردو۔

اور اس عموم سے اہل علم نے یہ اخذ کرتے ہوئے کہا ہے: چوپائے کی فرج کسی بھی حالت میں حلال نہیں تو یہ لواطت کی طرح ہوگا۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے جب اہل علم کے ہاں یہ حدیث ضعیف ٹھہری تو وہ دو چیزوں میں سے ہلکی اور خفیف کی طرف مائل ہوئے، اور وہ چوپائے کا قتل ہے، لیکن آدمی کو قتل نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اس کی حرمت زیادہ عظیم ہے، لیکن آدمی کو اس معصیت کی وجہ سے تعزیر لگائی جائے گی۔ اور عام قاعدہ اور اصول ہے کہ: ہر اس معصیت و نافرمانی میں تعزیر واجب ہے جس میں حد نہ ہو، اور نہ ہی کفارہ ہو۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: چوپائے کو قتل کرنے کی علت میں فقہاء کا اختلاف ہے: اس لیے قتل کیا جائے گا کہ وہ فاعل کے لیے عار کا باعث ہے، اور جب اسے دیکھے گا تو اسے فعل یاد آئے گا۔

ابن بطہ سے ان کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے تم چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کردو، اور چوپائے کو قتل کردو۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چوپائے کا کیا قصور ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ اور یہ نہ کہا جائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ تا کہ وہ بدصورت مخلوق نہ جنے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے: تا کہ کھایا نہ جائے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی علت بیان کرتے ہوئے اسی طرح اشارہ کیا ہے۔ (المغنی ابن قدامہ (9/60)

•••-----•••-----•••

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ

﴿یہ باب شراب کی حد کے بیان میں ہے﴾

باب حد شراب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حد شراب کو حد زنا کے سے مؤخر ذکر کیا ہے کیونکہ زنا شراب کی بیماری سے بڑھ بیماری ومعصیت ہے۔ یہاں تک کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جان کے قتل کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے گویا زنا کرنا قتل نفس کی طرح ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ)

اور یہ زنا ایسا جرم ہے جو کسی دین میں بھی حلال نہیں ہے۔ یعنی اس کی حرمت اتنی عام ہے جس طرح فطرت بن گئی ہے۔ کیونکہ اسلام دین فطرت ہے۔ لہٰذا اسی سبب کے پیش نظر حد زنا کو مقدم اور حد شراب کو اس پر مؤخر ذکر کیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۷، ص ۲۵۲، بیروت)

خمر (شراب) کا فقہی مفہوم

قاموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ ومستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور کے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی چیز کا عرق وکاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے) یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ کھجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں خمر کے معنی ہیں ڈھانپنا چھپانا ،خلط کرنا اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم وشعور کی قوتوں کو خلط وخبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو خمر کہا گیا۔

احادیث کے مطابق حرمت شراب کا بیان

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی حد (سزا میں کھجور کی ٹہنیوں (چھڑیوں) اور جوتوں سے مارا (یعنی مارنے کا حکم دیا) اور حضرت ابوبکر نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔" (بخاری، مسلم) اور روایت میں حضرت انس ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی کی حد (سزا) میں چالیس کھجور کی

ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے یعنی مارنے کا حکم دیتے تھے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 763)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، زانی زنا نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو اور نہ شراب پینے والا شراب پیتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو، اور نہ چوری کرنے والا چوری کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو، اور نہ اچکا اچکنے کے وقت جب لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھاتے ہیں مومن رہتا ہے، اور ابن شہاب سے بواسطہ سعید بن مسیب و ابو سلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے مگر اس میں نہبہ کا لفظ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1690 حدیث متواتر)

شراب کی حرمت نازل ہونے پر صحابہ کرام کا عمل

حضرت عبداللہ یعنی ابن مبارک حضرت سلیمان تیمی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ”کہ اس دوران میں اپنے قبیلے کے لوگوں یعنی اپنے چچاؤں کے پاس کھڑا تھا اور میں لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ شراب کو حرام کر دیا گیا ہے جبکہ میں انکی خدمت کر رہا تھا میں انہیں تر کھجوروں سے بنائی گئی شراب پلا رہا تھا انہوں نے کہا کہ اسے الٹا دو تو میں نے اس کو الٹا دیا“۔ (نسائی جلد سوم ص ۵۸۰ حدیث نمبر ۵۴۴۵)

حضرت ابوطلحہ رضی الہ عنہ سے روایت ہے کہ ”میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی زیر نگرانی یتیموں کے لئے کچھ شراب خریدی تھی۔ (اور ابھی یہ حرام نہیں ہوئی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اسے بہا دو اور مٹکے توڑ دو“۔

(ترمذی شریف ص ۶۵۶ حدیث نمبر ۱۳۰۲)

شراب پینے والے پر حد جاری کرنے کا بیان

وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَأُخِذَ وَرِيحُهَا مَوْجُودٌ فَشَهِدَ عَلَيْهِ الشُّهُودُ بِذَلِكَ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ فَإِنْ أَقَرَّ بَعْدَ ذَهَابِ رِيحِهَا لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ سَكِرَ مِنَ النَّبِيذِ حُدَّ وَلَا حَدَّ عَلَى مَنْ وُجِدَ مِنْهُ رِيحُ الْخَمْرِ أَوْ تَقَيَّأَهَا وَلَا يُحَدُّ السَّكْرَانُ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّهُ سَكِرَ مِنَ النَّبِيذِ وَشَرِبَهُ طَوْعًا وَلَا يُحَدُّ حَتَّى يَزُولَ عَنْهُ السُّكْرُ

ترجمہ

جس نے شراب پی۔ اس کی بدبو ابھی آرہی تھی کہ وہ پکڑا گیا۔ گواہوں نے اس کے خلاف گواہی بھی دی یا اس نے خود اعتراف کرلیا اور بو بھی آرہی تھی تو اس پر حد جاری ہوگی۔ جب اس نے بدبو ختم ہونے کے بعد اقرار کیا تو اسے حد نہیں لگے گی۔ جو پینے کی وجہ سے نشے میں ہو اس پر حد لگے گی۔ جس سے شراب کی بدبو آرہی ہو یا جو شراب کی قے کرے اس پر حد نہیں لگے گی اور نشئی کو جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا یہ نشہ نبیذ کی وجہ سے ہے اور اس نے اپنی خوشی سے پی ہے۔ اسے نشے کے اترنے تک حد نہیں لگائی جائے گی۔

شرح

حضرت علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم حمص میں کہ (جو اک شہر کا نام ہے) مقیم تھے وہیں ایک مرتبہ ابن مسعود نے سورت یوسف کی قرات کی تو ایک شخص نے ان کی قرات سن کر کہا کہ یہ سورت اس طرح نازل نہیں کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں یہ سورۃ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پڑھی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سن کر فرمایا کہ تم نے خوب پڑھا۔ وہ شخص جب حضرت ابن مسعود سے گفتگو کر رہا تھا تو اچانک حضرت ابن مسعود نے اس کے منہ آتی ہوئی شراب کی بومحسوس کی حضرت ابن مسعود نے اس سے فرمایا تم شراب پیتے ہو؟ یعنی قرآن کے خلاف عمل کرتے ہو اور اس پر طرہ یہ کہ قرآن کریم کو یعنی اس کی قرات کو یا قرات کے لہجہ و طرز ادائیگی کو جھٹلاتے بھی ہو۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس پر حد جاری کی یعنی شراب پینے کی سزا کے طور پر اسے کوڑے مارے۔ (بخاری و مسلم)

اگر حضرت ابن مسعود کی قرات، قرات مشہورہ (یعنی متواترہ) تھی تو اس شخص نے اس قرت کی تکذیب کر کے کتاب اللہ کی تکذیب کی لہٰذا اس کے اس انکار اور تکذیب نے یقیناً اسے کفر کی حد میں داخل کر دیا تھا اور اگر ابن مسعود کی قرات قرات شاذ تھی تو ان کی اس قرات کی تکذیب کتاب اللہ کی تکذیب کو مستلزم نہیں تھی اس لئے کہا جائے گا کہ اس صورت میں ابن مسعود کا اس شخص سے یہ کہنا کہ تم کتاب اللہ کی تکذیب کرتے ہو۔ تغلیظا اور تہدیداً اور بظاہر یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس موقع پر حضرت ابن مسعود کسی قرات شاذ کے مطابق سورت یوسف پڑھ رہے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص کے مرتد ہو جانے کا حکم نہیں لگایا تھا بلکہ صرف شراب کی حد جاری کر دینے ہی پر اکتفا کیا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص سے یہ بات تغلیظاً ہی کہی کیونکہ قرات وقرآن کے اصل کلمہ کا انکار اور جھٹلانا کفر ہے نہ کہ لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کفر کو مستلزم ہے۔ حاصل یہ کہ اس شخص نے لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کیا تھا اصل قرآن یا اصل قرات کا انکار نہیں کیا تھا اسی لئے حضرت ابن مسعود نے اس پر صرف شراب کی حد جاری کی مرتد ہونے کی حد جاری نہیں کی۔ حدیث کے ظاہری مفہوم سے اک اور مسئلہ پر روشنی پڑ رہی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس شخص کو شراب پینے کی سزا دی یعنی اس پر حد جاری کر دی جب کہ شراب نوشی کا بظاہر واحد ثبوت اس کے منہ سے آنے والی بوتھی چنانچہ چنانچہ علماء کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے یعنی ان کے نزدیک شراب نوشی کا جرم منہ سے شراب کی بو آنے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لیکن حنفیہ اور شوافع دونوں کا مسلک یہ ہے کہ شراب نوشی کا جرم محض منہ سے شراب کی بو آنے سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی ایسے شخص شراب کی حد جاری کی جا سکتی ہے جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو اور اس کے علاوہ اس کی شراب نوشی کا اور کوئی ثبوت نہ ہو کیونکہ بسا اوقات ترش سیب اور امرود کی بو بعض شراب کی بو کے مشابہ ہوتی ہے۔ جہاں تک حضرت ابن مسعود کے اس واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارہ میں ان حضرات کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے خود شراب نوشی کا اقرار کیا ہو گا یا اس کی شراب نوشی پر گواہ قائم ہو گئے ہوں گے اس وجہ سے انہوں نے حد جاری کی۔

جائز نہیں ہے۔ جب اس نے تہمت لگانے کا اعتراف کرلیا اس کے بعد پھر اعتراف سے پھرنا چاہے تو اب اس کا یہ رجوع قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس کسی نے عربی کو اے نبطی کہہ دیا۔ اس پر حد نہیں لگے گی۔ جس نے کسی سے کہا اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو وہ تہمت لگانے والا شمار نہیں ہوگا۔ جب کسی نے کسی کو اس کے چچا' ماموں یا ماں کے شوہر کی طرف منسوب کردیا تو وہ بھی قاذف نہیں ہوگا۔ جس نے اپنی ملک کے علاوہ میں حرام کا ارتکاب کرتے ہوئے وطی کرلی تو اس پر تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگے گی۔ اور یونہی کسی بچے کی وجہ سے لعان کرنے والی عورت پر تہمت لگانے والے کو بھی حد نہیں لگے گی۔

جس نے لونڈی' غلام یا کافر پر زناء کی تہمت لگادی یا کسی مسلمان پر زناء کے علاوہ کوئی اور تہمت لگادی۔ پس اس نے اسے کہا اے فاسق' اے کافر یا اے خبیث کہا۔ تو اسے سزا دی جائے گی۔ جب اے گدھے' اے سور کہا تو پھر اسے سزا نہیں دی جائے گی۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت سے وطی کی گئی اُس میں مِلک کا شبہہ ہو تو حد قائم نہ ہوگی اگرچہ اوس کو حرام ہونے کا گمان ہو، جیسے اپنی اولاد کی باندی۔ جس عورت کو الفاظ کنایہ سے طلاق دی اور وہ عدت میں ہو، اگرچہ تین طلاق کی نیت کی ہو۔ بائع کا بیچی ہوئی لونڈی سے وطی کرنا جبکہ مشتری نے لونڈی پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ بیع اگر فاسد ہو تو قبضہ کے بعد بھی۔ شوہر نے نکاح میں لونڈی کا مہر مقرر کیا اور ابھی وہ لونڈی عورت کو نہ دی تھی کہ اوس لونڈی سے وطی کی۔ لونڈی میں چند شخص شریک ہیں، اون میں سے کسی نے اوس سے وطی کی۔ اپنے مکاتب کی کنیز سے وطی کی۔ غلام ماذون جو خود اور اوس کا تمام مال دَین میں مستغرق ہے، اُس کی لونڈی سے وطی کی۔ غنیمت میں جو عورتیں حاصل ہوئیں تقسیم سے پہلے اون میں سے کسی سے وطی کی بائع کا اوس لونڈی سے وطی کرنا جس میں مشتری کو خیار تھا یا اپنی لونڈی سے استبرا سے قبل وطی کی۔ یا اوس لونڈی سے وطی کی جو اس کی رضاعی بہن ہے یا اوس کی بہن اس کے تصرف میں ہے۔ یا اپنی اوس لونڈی سے وطی کی جو مجوسیہ ہے۔ یا اپنی زوجہ سے وطی کی جو مرتدہ ہوگئی ہے یا اور کسی وجہ سے حرام ہوگئی، مثلاً اس کے بیٹے سے اوس کا تعلق ہوگیا یا اوس کی ماں یا بیٹی سے اس نے جماع کیا۔ (ردمحتار، کتاب الحدود)

محدود فی القذف کی شہادت نہ قبول کرنے میں فقہ حنفی کی ترجیح

ایک بحث یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں 'اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا' کا استثناء 'اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ' سے متعلق ہے یا 'لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا' سے۔ دوسری تاویل ماننے کی صورت میں اس بات کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر قذف کا مرتکب توبہ واصلاح کرلے تو اس کی گواہی قابل قبول قرار دے دی جائے، تاہم احناف نے اسے فسق سے متعلق مانا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ دنیا میں قذف کے مرتکب کی گواہی قبول کرنے کی کسی حال میں کوئی گنجائش نہیں۔ ہماری رائے میں کلام میں تین قرینے ایسے ہیں جو احناف کی دلیل کو راجح قرار دیتے ہیں۔

ایک یہ کہ 'لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا' میں 'اَبَدًا' کی قید از روے بلاغت اس کے بعد کسی استدراک کی گنجائش ماننے میں مانع ہے۔ اگر قرآن مجید کو یہ کہنا ہوتا کہ توبہ کے بعد ان کی گواہی قبول کرلی جائے تو اصل حکم میں 'اَبَدًا' کی قید کا اضافہ کرنے کی

ضرورت نہیں تھی۔

دوسرے یہ کہ "اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" میں توبہ کا جواثر اور نتیجہ بیان کیا گیا ہے، وہ دنیوی سزا سے نہیں، بلکہ اخروی سزا سے متعلق ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پورا استدراک دراصل 'اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ' کے ساتھ متعلق ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس استدراک کو ردشہادت سے متعلق مانا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توبہ واصلاح کے متحقق ہوجانے کا فیصلہ ظاہر میں کیسے کیا جائے گا؟ اگر تو یہ فرض کیا جائے کہ قذف کا ارتکاب کرنے والے افراد لازماً ایسے ہوں گے جو اپنی ظاہری زندگی میں فسق وفجور میں معروف ہوں تو ان کی توبہ واصلاح کا کسی حد تک اندازہ ان کے ظاہری طرز زندگی میں تبدیلی سے کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے قذف کی سزا صرف ایسے افراد کے لیے بیان نہیں کی، بلکہ بظاہر بہت قابل اعتماد اور متقی افراد بھی اگر کسی پر زنا کا الزام لگائیں اور چار گواہ پیش نہ کرسکیں تو ان کے لیے بھی یہی سزا ہے۔ ایسے افراد کے ہاں توبہ اور اصلاح کا ظہور، ظاہر ہے کہ ان کے باطن میں ہوگا جس کا فیصلہ کرنے کا کوئی ظاہری معیار موجود نہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ایسے لوگ اگر توبہ و اصلاح کرلیں تو ان کی گواہی قبول کرلی جائے، عملی اعتبار سے ایک بے معنی بات قرار پاتی ہے۔

تعزیر کی سزا کا فقہی بیان

وَالتَّعْزِیْرُ اَکْثَرُہٗ تِسْعَۃٌ وَّثَلَاثُوْنَ سَوْطًا وَّاَقَلُّہٗ ثَلَاثُ جَلَدَاتٍ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ : یَبْلُغُ بِالتَّعْزِیْرِ خَمْسَۃً وَّسَبْعِیْنَ سَوْطًا وَاِنْ رَأَی الْاِمَامُ اَنْ یَّضُمَّ اِلَی الضَّرْبِ فِی التَّعْزِیْرِ الْحَبْسَ فَعَلَ وَاَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِیْرُ ثُمَّ حَدُّ الزِّنَا ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ وَمَنْ حَدَّہُ الْاِمَامُ اَوْ عَزَّرَہٗ فَمَاتَ فَدَمُہٗ ھَدَرٌ وَاِذَا حُدَّ الْمُسْلِمُ فِی الْقَذْفِ سَقَطَتْ شَھَادَتُہٗ وَاِنْ تَابَ وَاِنْ حُدَّ الْکَافِرُ فِی الْقَذْفِ ثُمَّ اَسْلَمَ قُبِلَتْ شَھَادَتُہٗ

ترجمہ

تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے اور کم سے کم تین کوڑے ہوتے ہیں۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تعزیر پچھتر کوڑوں تک بھی ہوسکتی ہے اور جب امام تعزیر میں کوڑے لگانے کے ساتھ ساتھ قید کرنا بھی مناسب سمجھے تو کرسکتا ہے۔ سب سے زیادہ شدت وسختی والی سزا تعزیر کی ہی ہے۔ پھر زناء کی حد ہے پھر شراب کی حد ہے اور اس کے بعد تہمت لگانے کی سزا آتی ہے۔ جسے امام نے سزا دی یا حد لگائی اور وہ فوت ہوگیا۔ تو اس کا خون معاف ہوگا جب کسی مسلمان پر زناء کی تہمت لگائی گئی تو وہ جبکہ توبہ بھی کرچکا ہو۔ اس کی گواہی ساقط ہوجائے گی۔ جب کسی کافر پر زناء کی تہمت لگائی گئی پھر وہ مسلمان ہوگیا تو اس کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

تعزیر کا فقہی مفہوم

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تعزیر بنا ہے عزر عزر کے معنی عظمت حقارت منع اور روک کے ہیں اور اصطلاح شرح میں غیر مقرر سزا کو تعزیر کہتے ہیں جو حاکم اپنی رائے سے قائم کرے خاوند کا اپنی بیوی کو باپ کا بچوں کو اور استاد کا شاگردوں کو سزا دینا تعزیر کہلاتا ہے نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بچوں سے ڈنڈا نہ ہٹاؤ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ استاد کا اپنے شاگردوں کو سزا دینا بطور تعزیر ہے نہ کہ بطور حد تو اب آیا تعزیر واجب ہے کہ نہیں تو حق یہ ہے کہ جن جرموں میں تعزیر کا حکم ہے۔ وہاں تعزیر دی جائے اور جن جرموں میں اس کا حکم نہیں وہاں واجب نہیں اور تعزیر مجرم کے لحاظ سے دی جائے مجرم سرکش کو تعزیر بھی سخت دی جائے۔ شریف آدمی اتفاقاً گناہ کر بیٹھے تو تعزیر معمولی کافی ہے۔ (مراۃ المناجیح، ج۵، ص۸۶، نعیمی کتب خانہ گجرات)

تعزیر کی اصل ہے عزر جس کے لغوی معنی ہیں منع کرنا، باز رکھنا، ملامت کرنا۔ اصطلاح شریعت میں اس لفظ (تعزیر) کا استعمال اس سزا کے مفہوم میں کیا جاتا ہے جو حد سے کم درجہ کی ہو اور تنبیہ اور تادیب کے طور پر کسی کو دی جائے اور اس سزا کو تعزیر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو اس فعل (گناہ وجرم) کے دوبارہ ارتکاب سے باز رکھتی ہے جس کی وجہ سے اسے وہ سزا (تعزیر) بھگتنی پڑی ہے۔

تعزیر کی تعریف اور اس کی سزا کا شرعی تعین

کسی گناہ پر بغرض تادیب جو سزا دی جاتی ہے اس کو تعزیر کہتے ہیں شارع نے اس کے لیے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے بلکہ اس کو قاضی کی رائے پر چھوڑا ہے جیسا موقع ہو اس کے مطابق عمل کرے تعزیر کا اختیار صرف بادشاہ اسلام ہی کو نہیں بلکہ شوہر بیوی کو، آقا غلام کو، ماں باپ اپنی اولاد کو، استاد شاگرد کو تعزیر کرسکتا ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ) تعزیر دینے کی بعض صورتیں یہ ہیں۔ قید کرنا، کوڑے مارنا، گوشمالی کرنا، کانوں کو مروڑنا، ترش روئی سے اس کی طرف غصہ کی نظر کرنا۔

•••–––––•••–––––•••

کتاب السرقۃ وقطاع الطریق

﴿یہ کتاب حد سرقہ وڈکیتی کے بیان میں ہے﴾

کتاب حد سرقہ وڈکیتی کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ چوری کی لغت میں تعریف یہ ہے کہ غیر کی چیز کو خفیہ اور پوشیدہ طریقے سے پکڑ لینا ہے۔ اور اسی سے ہے کہ چوری چھپے سن لے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ" اور شریعت نے اس میں جو زائد اوصاف بیان کیے ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۳۷۰، بیروت)

سرقہ کے معنی کا فقہی مفہوم

سرقہ سین کے زبر اور را کے زیر کے ساتھ چوری کے معنی میں ہے اور اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مکلف کسی کے ایسے محرز مال میں سے کچھ یا سب خفیہ طور پر لے لے جس میں نہ تو اس کی ملکیت ہو اور نہ شبہ ملکیت ہو۔

علامہ طیبی شافعی نے کہا ہے کہ قطع السرقۃ میں اضافت بحذف مضاف مفعول کی طرف ہے یعنی معنی کے اعتبار سے یہ عنوان یوں ہے باب قطع اہل السرقۃ ہے۔

اسلامی شریعت میں کسی کا قیمتی مال حرز سے نکال کر لے جانا بغیر کسی حق ملکیت یا اس کے شبہ کے سرقہ کہلاتا ہے اور سرقہ کرنے والے کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ چوری کے مال کی کم سے کم مالیت نصاب کہلاتی ہے، چنانچہ نصاب کے بقدر یا اس سے زائد مال کی چوری ہوگی تو حد سرقہ کی پہلی شرط پوری ہو جائے گی۔ چوری کے مال کا قیمتی ہونا ضروری ہے۔ مختلف فقہاء کے ہاں اس کی مختلف قیمتیں متعین کی گئیں ہیں تاہم کم از کم دس درہم پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قول مروی ہے کہ اگر چوری چوتھائی دینار کے برابر ہو تو اس پر حد جاری ہوگی، دوسری روایت میں پانچ درہم کی قیمت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ابوبکر وعمر کے زمانے میں ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا، پوچھا کہ ڈھال کی کیا قیمت ہوا کرتی تھی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پانچ درہم۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک چور نے کپڑا چرایا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس پر اعتراض کیا گیا کہ اس کپڑے کی مالیت دس درہم سے کم ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اس کپڑے کی مالیت کا اندازہ لگائیں جو آٹھ درہم بتایا گیا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم واپس لے لیا۔ اسلامی

شریعت کا ایک مصدقہ اصول ہے کہ بعد والا حکم ناسخ ہوتا ہے اور پہلے والے فیصلے کو منسوخ کر دیتا ہے چنانچہ نصاب کے بارے میں اگر چہ بہت سے اقوال ہیں لیکن دس درہم پر اکثریت کا اتفاق ہے کیونکہ خلافت راشدہ کے آخری زمانے میں اسی پر تعامل رہا۔ دس درہم کی فی زمانہ جو قیمت ہوگی وہ وقت کے لحاظ سے اس زمانے میں چوری کا نصاب ہوا کرے گی۔

حدیث کے مطابق چور کے لئے سخت وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس وقت زانی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایمان نہیں رہتا اسی طرح سے جو چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان اس کے ساتھ نہیں رہتا اور جس وقت (شرابی) شراب پیتا ہے تو اس وقت ایمان نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شخص لوٹ مار کرتا ہے کہ جس کی جانب لوگ دیکھیں تو وہ ایمان دار نہیں رہتا۔ (سنن نسائی: جلدسوم: حدیث نمبر 1174 حدیث متواتر، حدیث مرفوع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا خداند قدوس چور پر لعنت بھیجے وہ انڈے کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہ رسی کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے (یعنی معمولی سے مال کے واسطے ہاتھ کا کٹ جانا قبول اور منظور کرتا ہے جو کہ خلاف عقل ہے)۔ (سنن نسائی: جلدسوم: حدیث نمبر 1177)

چوری کے نصاب حد کا بیان

إِذَا سَرَقَ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ أَوْ مَا قِيمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوبَةً كَانَتْ أَوْ غَيْرَ مَضْرُوبَةٍ مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ وَجَبَ الْقَطْعُ وَالْحُرُّ وَالْعَبْدُ فِي الْقَطْعِ سَوَاءٌ وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِإِقْرَارِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً أَوْ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَإِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِي سَرِقَةٍ فَأَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ قُطِعَ وَإِنْ أَصَابَهُ أَقَلُّ لَمْ يُقْطَعْ وَلَا قَطْعَ فِيمَا يُوجَدُ تَافِهًا مُبَاحًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ كَالْخَشَبِ، وَالْحَشِيشِ، وَالْقَصَبِ، وَالسَّمَكِ، وَالصَّيْدِ، وَالطَّيْرِ وَلَا فِيمَا يُسْرِعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ كَالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ، وَاللَّبَنِ، وَاللَّحْمِ، وَالْبِطِّيخِ وَالْفَاكِهَةِ عَلَى الشَّجَرِ، وَالزَّرْعِ الَّذِي لَمْ يُحْصَد.

ترجمہ

جب عاقل، بالغ دس درہم یا وہ شے جس کی قیمت دس درہم ہو۔ وہ درہم سکہ دار ہوں یا سکہ دار نہ ہوں۔ وہ انہیں کسی ایسی محفوظ جگہ سے چرالے۔ جس میں کوئی شک نہ ہو تو اس کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا۔ اس معاملے میں غلام اور آزاد برابر ہیں۔ ہاتھ کاٹنا دو گواہوں کے گواہی دینے سے یا اس کے خود ایک مرتبہ اعتراف کر لینے سے واجب ہوگا۔ جب کسی چوری میں پوری ایک جماعت شامل ہو اور ان میں سے ہر ایک کو دس درہم ملیں تو اس صورت میں تو ان کے ہاتھ کٹیں گے۔ جب انہیں اس سے کم رقم ملے تو پھر ان کے ہاتھ نہیں کٹیں گے۔

جو اشیاء معمولی اور مباح دار الاسلام میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مثلاً لکڑی، گھاس، مچھلی اور شکار وغیرہ اور نہ ہی ایسی اشیاء میں ہاتھ کٹے گا جو جلد خراب ہو جاتی ہیں۔ مثلاً تر میوہ جات، دودھ، گوشت، تربوز، درختوں پر لگے میوے، اور وہ فصل جو کاٹی نہ گئی ہو۔

چوری کی حد کے لیے شرائط کا بیان

چوری پر سزا کی تنفیذ کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱، مال مسروق مال منقول ہو (یعنی چوری کا مال منتقل ہونے کے قابل ہو)۔

۲، شرعاً مال متقوم ہو (یعنی قیمت رکھنے والا مال ہو)۔ مال محرز ہو (جو مال حفاظت میں ہو)۔

۳، بقدر نصاب ہو (یعنی جس مال پر نصاب پورا ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہو)۔ (التشریع الجنائی 2/543)

یعنی وہ مال جس کو اٹھانے کی طاقت رکھتے ہوئے قیمتی بھی ہو اور جس کے بیچنے پر فائدہ بھی ہو سکے اور چوری کرتے وقت وہ مال کھلا ہو، کسی باڑ یا تالا شدہ مکان یا چوکیدارہ میں نہ ہو، ان میں سے اگر ایک شرط نہ پائی گئی تو حد ساقط ہو جائے گی۔

علامہ عبد الرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔

۴، حاکم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ چوری کا مال ایسا مال غنیمت نہ ہو جس میں چور کا بھی حصہ تھا یا مال بیت المال کا نہ ہو۔ اس لیے کہ بیت المال میں سارق کا بھی حصہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مال خمس (زمین سے نکلے ہوئے خزانہ اور مال غنیمت) میں چوری کرنے والے کے لیے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اسمیں اس کا بھی حصہ ہے۔ ۵، جبر کی صورت میں بھی سارق کا فعل موجب حد نہیں متصور ہوگا۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ 5/155)

نصاب سرقہ میں مذاہب فقہاء کا بیان

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے۔ گو اس کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالک کہتے ہیں تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت یا زیادہ کی کوئی چیز چنانچہ صحیح بخاری مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی۔ حضرت عثمان نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جبکہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمان کا فعل گویا صحابہ کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے۔

حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے پاؤ یا دینار کے تقرر میں۔

امام شافعی کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ۔ ان کی دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جواس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہئے مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار پھر اس سے اوپر میں۔ پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں اس لئے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔ پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن خطاب حضرت عثمان بن عفان حضرت علی بن ابی طالب بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز لیث بن سعد اوزاعی شافعی اسحاق بن راہویہ ابوثور داؤد بن علی ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔

ایک روایت میں امام اسحٰق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو اس سے کم میں نہیں۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہ سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔

امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت نو درہم تھی چنانچہ ابوبکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمر سے۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو مخالفت کرتے رہے ہیں اور حدود کے بارے میں اختیار پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر شافعی بعض فقہی مذاہب کے تائیدی دلائل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے علی ابن مسعود ابراہیم نخعی ابوجعفر باقر سے یہی مروی ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہریہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا انہیں جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن یہ جواب ٹھیک نہیں اس لئے تاریخ نسخ کا کوئی یقینی علم نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور افسوس کے اوپر چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا رذیل اور بیخوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

مذکور ہے کہ ابوالعلاء معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہوسکتا تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوا دیں یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے۔ لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علماء کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا پھر

جواب بھی مشہور کر دیے گئے۔

قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن وامان قائم ہوتا ہے، جو کسی کا ہاتھ بوجہ کاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے۔ پس یہ تو عین حکمت ہے اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا۔ یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے، اسی عضو پر سزا ہو۔ تاکہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہو جائے۔ اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے احکام میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے، اللہ اسے اپنا گناہ معاف فرما دیا کرتا ہے۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے، لہٰذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے، صرف امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ "جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں"۔

دارقطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ "ایک چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا، جس نے چادر چرائی تھی، آپ نے اس سے فرمایا، میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو، انہوں نے توبہ کی، آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی" (رضی اللہ عنہ)

ابن ماجہ میں ہے کہ "حضرت عمر بن سمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہو گئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے، فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرا لیا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے، اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا، تو نے میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا" (رضی اللہ عنہ)

ابن جریر میں ہے کہ "ایک عورت نے کچھ زیور چرا لیے، ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے پیش کیا، آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی"۔ اس پر آیت (فمن تاب) نازل ہوئی۔

مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہے لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری ومسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑی گھرانے کی عورت تھی، لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں، یہ واقعہ

غزوہ فتح میں ہوا تھا، بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے ہیں، وہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں، حضرت اسامہ نے جب اس کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا! اسامہ تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی، میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا، پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا)

"مسلم میں ہے ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی، پھر انکار کر جایا کرتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا" اور روایت میں ہے یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال کو ہوا تھا۔ کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمد للہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ، سچا حاکم، اللہ ہی ہے۔ جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا، جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ ۳۸)

چوری کی سزا اور اس کا نصاب

یہ بات تو عنوان ہی سے معلوم ہوگئی کہ اسلامی قانون چور کی سزا قطع ید ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن اس بارے میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نصاب سرقہ مال کی وہ مقدار جس پر قطع ید کی سزا دی جائے گی کم از کم دس درہم تقریباً ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور حضرت امام شافعی چوتھائی دینار سونا یا تین درہم چاندی اور یا اس قیمت کی کسی بھی چیز کو نصاب سرقہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں چوتھائی دینار چرانے والے کو قطع ید کی سزا دینا مذکور ہے اور اس وقت چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور ایک دینار کی مالیت بارہ درہم کے برابر تھی۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ: حدیث (لا قطع الا فی دینار او عشرة دراهم)

"ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر قطع ید نہیں ہے۔"

نیز ھدایہ کے قول کے مطابق اس بارے میں "اکثر" پر عمل کرنا "اقل" پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ معاملہ ایک انسانی عضو

کے کاٹنے کا ہے اور "اقل" میں عدم جنایت کا شبہ ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ایک ڈھال کی چوری پر دی گئی تھی چنانچہ حضرت امام شافعی کی طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ڈھال کی قیمت تین درہم تھی جب کہ حنفیہ کی طرف سے شمنی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی قیمت دس درہم تھی حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے ابن ابی شیبہ نے یہی نقل کیا ہے نیز کافی میں بھی یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس درہم تھی۔

نصاب سرقہ میں امام شافعی کی مستدل حدیث

حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔"

(بخاری و مسلم مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 744)

یہ حدیث حضرت امام شافعی کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ چوتھائی دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گویا ان کے نزدیک نصاب سرقہ کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار ہے ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے تحت بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو نقل کر کے امام ابوحنیفہ کے مسلک کو بڑی مضبوط دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

نصاب سرقہ میں امام مالک کی مستدل حدیث

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے چرانے پر جس کی قیمت تین درہم تھی، چور کا داہنا ہاتھ کٹوا دیا تھا۔" (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 745)

علامہ شمنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس روایت کے معارض ہے جو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی حضرت ابن عباس اور عمرو ابن شعیب سے بھی اسی طرح منقول ہے نیز شیخ ابن ہمام نے بھی ابن عمر اور ابن عباس سے یہی بات نقل کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور عینی نے ھدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر ابوحنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ قطع ید ہاتھ کاٹنے کی سزا اسی چور پر نافذ ہوگی جس نے کم سے کم دس درہم کے بقدر مال کی چوری کی ہو اس سے کم مالیت کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی جہاں تک ابن عمر کی روایت کا تعلق ہے جس سے اس ڈھال کی قیمت تین درہم متعین کی حالانکہ حقیقت میں وہ ڈھال دس درہم کی مالیت کی تھی جیسا کہ اکثر روایتوں سے ثابت ہوا اس موقع پر شیخ عبدالحق اور ملا علی قاری نے اپنی اپنی شرح میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

نصاب سرقہ میں امام اعظم ابوحنیفہ کی مستدل حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا ڈھال کی چوری کرنے کی وجہ سے جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی (یہ حدیث دلیل ہے حضرت امام ابوحنیفہ کی امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو محمد بن سلمہ اور سعدان بن یحییٰ نے ابن اسحاق سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 993 حدیث مرفوع)

نصاب سرقہ میں احناف کے مؤقف کی ترجیح کا بیان

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جحفہ یا ترس ڈھال کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا اور یہ دونوں (ڈھالیں) قیمت والی ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۱۱۹)

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ لہٰذا چوری کا نصاب کم از کم ڈھال ٹھہرا کیونکہ اس سے کم نصاب میں عدم حد کے سبب شبہ پیدا ہو گیا ہے اور قانون یہ ہے کہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا احناف کے مؤقف کے مطابق نصاب سرقہ کم از کم دس دراہم ہے۔

نصاب سرقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال چوری کرنے کے بدلے میں جس کی قیمت تین درہم تھی۔ اس باب میں حضرت سعد، عبداللہ بن عمرو، ابن عباس ابو ہریرہ، ام ایمن سے بھی روایات منقول ہیں۔ حضرت ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام کا اسی پر عمل ہے حضرت ابوبکر بھی ان میں شامل ہیں انہوں نے پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا حضرت عثمان اور حضرت علی سے منقول ہے کہ انہوں نے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا۔ حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید سے منقول ہے کہ پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔ بعض فقہاء تابعین کا اس پر عمل ہے۔

امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چیز چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چیز میں ہاتھ نہ کاٹا جائے یہ حدیث مرسل ہے اسے قاسم بن عبدالرحمٰن نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے لیکن قاسم کا ابن مسعود سے سماع نہیں۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1487)

نشہ آور چیزوں کی چوری پر عدم حد سرقہ کا بیان

وَلَا قَطْعَ فِي الْأَشْرِبَةِ الْمُطْرِبَةِ وَلَا فِي الطُّنْبُورِ وَكَذَا الدُّفُّ ، وَالْمِزْمَارُ وَلَا فِي سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ

وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ وَلَا فِي صَلِيبِ الذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ وَلَا فِي الشِّطْرَنْجِ وَلَا النَّرْدِ وَلَا قَطْعَ عَلَى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْحُرِّ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ وَلَا قَطْعَ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الْكَبِيرِ وَيُقْطَعُ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الصَّغِيرِ وَلَا قَطْعَ فِي الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا إِلَّا فِي دَفَاتِرِ الْحِسَابِ وَلَا قَطْعَ فِي سَرِقَةِ كَلْبٍ وَلَا فَهْدٍ وَلَا دُفٍّ وَلَا طَبْلٍ وَلَا مِزْمَارٍ وَيُقْطَعُ فِي السَّاجِ، وَالْقَنَا، وَالْآبَنُوسِ، وَالصَّنْدَلِ وَإِذَا اتُّخِذَ مِنَ الْخَشَبِ أَوَانِي أَوْ أَبْوَابٌ قُطِعَ فِيهَا وَلَا قَطْعَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا نَبَّاشٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ

ترجمہ

اور مست کرنے والی شرابوں میں' باجے میں' قرآن پاک کی چوری میں جبکہ اس پر سونے کا کام کیا گیا ہو' سونے چاندی کی صلیب میں' شطرنج میں اور نرد کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کم عمر آزاد بچہ جبکہ اس پر زیور بھی ہو اور بڑے غلام کو بھی چرانے والے کا ہاتھ نہیں کٹے گا۔ نابالغ غلام چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کسی دفتر کے حساب کو چرانے والے کے علاوہ کسی دفتر کو چرانے سے ہاتھ نہیں کٹے گا۔ کتا' چیتا' دف' ڈھول اور سارنگی چرانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ ساگوان یا ساگون' نیزے کی لکڑی' آبنوس اور صندل چرانے پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ جب لکڑی سے برتن اور دروازے بنالئے گئے تھے' تو اب ان کے چرانے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ خائن مرد اور خائنہ عورت' کفن چور اور جیب کترا کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

وہ اشیاء جن کی چوری پر قطع نہ ہوگا

دونوں ہاتھ نہیں بلکہ ایک ہاتھ۔ اور امت کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ پہلی چوری پر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ لاقطع علی خائن۔ اس سے معلوم ہوا کہ سرقہ کا اطلاق خیانت وغیرہ پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضہ میں کرلے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ایک ڈھال کی قیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دس درہم، بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ تین درہم، بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ پانچ درہم اور بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ایک چوتھائی دینار ہوتی تھی۔ اسی اختلاف کی بنا پر فقہا کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی دینار۔ اور ایک چوتھائی دینار در ہم کے برابر تھا)۔

(پھر بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے

کہ لا قطع فی ثمرۃ ولا کثر (پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔ لاقطع فی طعام (کھانے کی چوری میں قطع ید نہیں ہے۔)۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ لم یکن قطع السارق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الشیء التافه (حقیر چیزوں کی چوری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا کہ لا قطع فی الطیر (پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)۔ نیز سیدنا عمر و علی رضی اللہ عنہما نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا اور اس معاملہ میں بھی صحابہ کرام میں سے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ ان مآخذ کی بنیاد پر مختلف ائمہ فقہ نے مختلف چیزوں کو قطعِ ید کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترکاریاں، پھل، گوشت، پکا ہوا کھانا، غلہ جس کا ابھی کھلیان نہ کیا گیا ہے، کھیل اور گانے بجانے کے آلات وہ چیزیں ہیں کن کی چوری میں قطعِ ید کی سزا نہیں ہے۔ نیز جنگل میں چرتے ہوئے جانوروں کی چوری اور بیت المال کی چوری میں بھی وہ قطعِ ید کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے ائمہ نے بھی بعض چیزوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان چوریوں پر سرے سے کوئی سزا ہی نہ دی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ان جرائم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے شراب چرائی تو قطع نہیں ہاں اگر شراب قیمتی برتن میں تھی کہ اس برتن کی قیمت دس ۱۰ درم ہے اور صرف شراب نہیں بلکہ برتن چورانا بھی مقصود تھا، مثلاً بظاہر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ برتن بیش قیمت ہے تو قطع ہے۔ لہو ولعب کی چیزیں جیسے ڈھول، طبلہ، سارنگی، وغیرہ ہر قسم کے باجے اگر چہ طبل جنگ، چورایا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح سونے چاندی کی صلیب یا بت اور شطرنج نرد چورانے میں قطع نہیں اور روپے اشرفی پر تصویر ہو جیسے آج کل ہندوستان کے روپے اشرفیاں تو قطع ہے۔ مکان کا بیرونی دروازہ اور مسجد کا دروازہ بلکہ مسجد کے دیگر اسباب جھاڑ فانوس۔ ہانڈیاں۔ قمقمے۔ گھڑی، جانماز وغیرہ اور نمازیوں کے جوتے چورانے میں قطع نہیں مگر جو اس قسم کی چوری کرتا ہو اسے پوری سزا دی جائے اور قید کریں یہاں تک کہ سچی توبہ کرلے بلکہ ہر ایسے چور کو جس میں کسی شبہہ کی بنا پر قطع نہ ہو تعزیر کی جائے۔ (ردمحتار، کتاب الحدود)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے ہاتھی کے دانت یا اس کی بنی ہوئی چیز چورانے میں قطع نہیں اگر چہ صنعت کی وجہ سے بیش قیمت قرار پاتی ہو اور اونٹ کی ہڈی کی بیش قیمت چیز بنی ہو تو قطع ہے۔ شیر، چیتا وغیرہ درندہ کو ذبح کر کے ان کی کھال کو بچھونا یا جانماز بنالیا ہے تو قطع ہے ورنہ نہیں اور باز، شکرا، کتا، چیتا وغیرہ جانوروں کو چورایا تو قطع نہیں۔ مصحف شریف چورایا تو قطع نہیں اگر چہ سونے چاندی کا اس پر کام ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

مساجد کی حفاظت پر مامور پولیس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں یہ محکمہ اسی حالت میں قائم رہا، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں زیاد نے اس صیغہ کو نہایت ترقی دی، اس نے چار ہزار آدمی پولیس میں

بھرتی کیے جن کے افسر عبداللہ بن حصن تھے پانچ سو آدمی خاص طور پر مسجد کا پہرہ دیتے تھے اور وہاں سے کبھی نہیں ہٹتے تھے اس انتظام کا مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہوتا ہم اس کی وجہ سے ملک کے امن وامان میں اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی شخص اگر راستہ میں کوئی گری پڑی چیز پا جاتا تھا تو لا کر براہ راست اس کے مالک کے حوالے کرتا تھا، زیاد خود کہتا تھا کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی گم ہو جائے تو مجھ کو اس کے لینے والے کے نام کی خبر ہو جائے گی، ایک دن اس نے ایک گھر میں گھنٹے کی آواز سنی پوچھا تو معلوم ہوا کہ لوگ پہرہ دے رہے ہیں بولا اس کی ضرورت نہیں اگر کوئی مال چوری جائیگا تو میں اس کا ضامن ہوں۔ اس کے زمانے میں عشا کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص گھر سے نکلتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔ (تاریخ طبری، ص، ۷۷)

عرف میں غیر محفوظ چیزوں کی چوری پر عدم حد کا بیان

علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حقیر چیزیں جو عادۃً محفوظ نہ رکھی جاتی ہوں اور باعتبار اصل کے مباح ہوں اور ہنوز ، ان میں کوئی ایسی صنعت بھی نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے قیمتی ہو جائیں ان میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جیسے معمولی لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی، پرند، گیرو (لال مٹی)، چونا، کوئلے، نمک، مٹی کے برتن، پکی اینٹیں۔ اسی طرح شیشہ اگر چہ قیمتی ہو کہ جلد ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹنے پر قیمتی نہیں رہتا۔ اسی طرح وہ چیزیں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں جیسے دودھ، گوشت، تربوز، خربزہ، ککڑی، کھیرا، ساگ، ترکاریاں اور تیار کھانے جیسے روٹی بلکہ قحط کے زمانہ میں غلہ گیہوں، چاول، جو وغیرہ بھی اور تر میوے جیسے انگور، سیب، ناشپاتی، بہی، انار اور خشک میوے مین ہاتھ کاٹا جائے گا جیسے اخروٹ، بادام وغیرہ جبکہ محفوظ ہوں۔ اگر درخت پر سے پھل توڑے یا کھیت کاٹ لے گیا تو قطع نہیں، اگر چہ درخت مکان کے اندر ہو یا کھیت کی حفاظت ہوتی ہو اور پھل توڑ کر یا کھیت کاٹ کر حفاظت میں رکھا اب چورائے گا تو قطع ہے۔ (بہار شریعت، کتاب الحدود)

چور کو قید میں رکھنے کا بیان

محمد بن یحیٰ بن حبان کہتے ہیں کہ ایک غلام نے ایک آدمی کے باغ میں سے کھجور کا پودا چرا لیا اور اسے اپنے آقا کے باغ میں بو دیا اور وہ باغ والا اپنے پودے کو تلاش کرتا ہوا نکلا تو اسے اس کے باغ میں پایا۔ اس نے مروان بن حکم جو مدینہ کے امیر تھے سے اس معاملہ میں مدد چاہی تو مروان نے غلام کو قید کر لیا اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا تو غلام کا مالک حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا اور ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اسے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ کسی پھل یا پھول کے خوشہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو اس آدمی نے کہا کہ مروان نے میرے غلام کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ مروان کے پاس چلیں اور اسے بتلائیں کہ جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے تو حضرت رافع بن خدیج اس کے ساتھ چلے گئے یہاں تک کہ مروان کے پاس آ گئے اور اس سے رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ کسی پھل یا پھلوں کے گچھے کی چوری پر ہاتھ

نہیں کاٹا جائے گا۔تو مروان نے غلام کے بارے میں حکم دیا تو اسے چھوڑ دیا گیا امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ کثر کے معنی ہیں خوشہ کے ہیں۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 994)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اور وہ ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (درخت پر) لٹکے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا (کہ اسے توڑا جاسکتا ہے کہ نہیں بغیر اجازت کے) تو فرمایا کہ جس حاجت مند نے اسے (توڑ کر) کھالیا اور دامن میں انہیں جمع نہیں کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔اور جو (باغ میں سے) کچھ پھل وغیرہ (جمع کرکے) لے نکلے تو اس کے اوپر اتنے پھلوں کا دگنا ہے اور سزا الگ ہوگی اور جس نے پھلوں کو اس جگہ سے جہاں انہیں جمع کیا جاتا ہے (سکھانے وغیرہ کے لیے) چوری کرلیا اور اس کی مقدار ڈھال کی قیمت کے برابر ہوگئی تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 996)

میوے کی چوری پر عدم حد میں فقہی مذاہب

حضرت رافع ابن خدیج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درخت پر لگے ہوئے میوے اور کھجور کے سفید گابھے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔

(مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 747)

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھلوں اور کھجوروں کے خوشوں کی چوری کرنے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔بعض راوی، یحییٰ بن سعید سے وہ محمد بن یحییٰ بن صبان سے وہ اپنے چچا واسع بن صبان سے وہ رافع سے اور وہ نبی کریم سے اسی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں مالک بن انس اور کئی راوی یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے وہ محمد بن یحییٰ بن صبان سے وہ رافع بن خدیج سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اور اس میں واسع بن صبان کا ذکر نہیں کرتے۔(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1490)

یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی مستدل ہے وہ اس کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ تر میوہ پھل چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ وہ میوہ محرز ہو یا غیر محرز۔غیر محرز کی تعریف پیچھے گذر چکی ہے اسی پر گوشت دودھ اور ان چیزوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو دیرپا نہ ہوں اور جلدی ہی خراب و متغیر ہو جاتی ہوں کہ ان کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا امام اعظم علاوہ دوسروں نے ان سب چیزوں کی چوری میں قطع ید کی سزا کو واجب کیا ہے چنانچہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جو بہت معمولی اور حقیر ہوں اور جو دار السلام میں ہر شخص کے لئے مباح کے درجہ میں ہوں جیسے گھاس لکڑی نرسل مچھلی پرندہ ہڑتال اور چونا وغیرہ ان کی چوری کرنے والا بھی قطع ید کا سزاوار نہیں ہوگا۔

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان پھلوں میں سے کچھ اس وقت چرائے جب کہ ان کو درختوں سے توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو اور ان (چرائے ہوئے پھلوں) کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو وہ قطع ید کا سزاوار ہوگا۔" (ابوداؤد، نسائی)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ محرز نہیں ہے ہاں جب وہ پھل درخت پر سے توڑ لئے گئے اور ان کو خشک ہونے کے لئے کھلیان میں جمع کر دیا گیا تو اب ان کی چوری میں قطع ید کی سزا واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ محرز ہو گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے سوا جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ پھل جب تک خشک نہیں ہوا ہے اس کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے خواہ وہ پھل محرز ہو یا غیر محرز۔ اس حدیث کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حدیث میں "جب کہ ان کو توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو" کی قید کا تعلق ان پھلوں کے خشک ہو جانے کے بعد سے ہے جیسا کہ عرب میں رواج تھا (کہ جس طرح درخت سے پھلوں کو توڑ کر خشک ہونے کے لئے کھلیان وغیرہ میں پھیلا دیا جاتا ہے تھا اس طرح پھلوں کو ان کے خشک ہونے کے بعد کسی جگہ جمع بھی کر دیا جاتا تھا) اور حنفیہ کے نزدیک بھی ان پھلوں کی چوری میں قطع ید کی سزا جاری ہوگی جو خشک ہونے کے بعد کھلیان وغیرہ میں جمع کئے گئے ہیں۔ پھل جب تک خشک نہ ہوں اس وقت تک ان کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہوگی خواہ وہ درخت پر لگے ہوئے ہوں یا ان کو توڑ کر کھلیان وغیرہ میں جمع کر دیا گیا ہو جیسا کہ "ثمر" (تازہ پھل) کے بارے میں پچھلی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بات مدنظر رہنی چاہئے کہ یہ حدیث نہ صرف پچھلی حدیث (**لا قطع فی ثمر والا کثر**) کے مطلق مفہوم کے معارض ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد حدیث (**والا قطع فی الطعام**) (کھانے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے) کے بھی معارض ہے چونکہ حدود کے باب میں ضروری ہے کہ مسلمان کی جان اور اس کے اعضاء کے تحفظ کے پیش نظر حد جاری کرنے میں حتی الامکان احتیاط و رعایت کے تمام گوشوں کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایسے نکتہ و پہلو کو ترجیح دی جائے جس سے نفاذ حد کم سے کم قابل عمل رہے اس لئے ان احادیث کے تعارض کی صورت میں اس حدیث کو ترجیح دی جانی چاہئے جس کا مفہوم پھل کی چوری کے سلسلے میں بالکل مطلق ہے اس موقع پر بھی ملا علی قاری نے اپنی کتاب مرقات میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتاب سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

معمولی اشیاء کی چوری پر عدم حد میں مذاہب اربعہ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ایک ڈھال کی قیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دس درہم، بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ تین درہم، بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ پانچ درہم اور بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ ایک چوتھائی دینار ہوتی تھی۔ اسی اختلاف کی بنا پر فقہاء کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی دینار۔

(پھر جہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ **لا قطع فی ثمرة ولا کثر** (پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔ **لاقطع فی طعام** (کھانے کی چوری میں قطع ید نہیں ہے۔)۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ **لم یکن قطع السارق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الشیء التافه** (حقیر چیزوں کی چوری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا کہ **لا قطع فی الطیر** (پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)۔ نیز سیّدنا عمر و علی رضی اللہ عنہما نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا اور اس معاملہ میں بھی صحابہ کرام میں سے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ اِن مآ خذ کی بُنیاد پر مختلف ائمہ فقہ نے مختلف چیزوں کو قطعِ ید کے حکم سے مستثنٰی قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ترکاریاں، پھل، گوشت، پکا ہوا کھانا، غلہ جس کا ابھی کھلیان نہ کیا گیا ہے، کھیل اور گانے بجانے کے آلات وہ چیزیں ہیں کن کی چوری میں قطعِ ید کی سزا نہیں ہے۔ نیز جنگل میں چرتے ہوئے جانوروں کی چوری اور بیت المال کی چوری میں بھی وہ قطعِ ید کے قائل نہیں ہیں۔ اِسی طرح دُوسرے ائمہ نے بھی بعض چیزوں کو اس حکم سے مستثنٰی قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اِن چوریوں پر سرے سے کوئی سزا ہی نہ دی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ان جرائم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

خائن کے قطع ید میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچکے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 750)

اور صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) حضرت صفوان ابن امیہ مدینہ تشریف لائے اور مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو گئے اسی (دوران) ایک چور آیا اور اس نے ان کی وہ چادر (آہستہ سے کھینچ لی (اور بھاگنا چاہا) مگر صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے (اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (خود مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ چوری ثابت ہو جانے پر) اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، (یہ فیصلہ سن کر) حضرت صفوان (کو رحم آ گیا اور انہوں نے کہا کہ "اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لانے سے میرا یہ ارادہ نہیں تھا (کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو معاف فرمادیں) میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کردی۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چادر اس کو صدقہ کیوں نہ کردی تھی اور اس کو معاف کیوں نہیں کر دیا تھا۔" اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبداللہ ابن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد (حضرت صفوانؓ سے) اور دارمی نے حضرت ابن عباس سے نقل کی۔"

"خائن" اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی چیز بطور عاریت کے یا امانت رکھنے کے لئے دی جائے اور وہ اس کی چیزیں کچھ یا سب ہضم کر جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ چیز ضائع ہو گی ہے یا سرے سے اس کا انکار کر دے یعنی یہ کہے کہ وہ چیز مجھے نہیں دی گی ہے۔ اگر چہ ایسا شخص بہت گنہگار ہوتا ہے مگر قطع ید کا مستوجب نہیں ہوتا کیونکہ خائن جس چیز کو ہتھیاتا ہے وہ پوری طرح "محرز" یعنی محفوظ مال کے حکم میں نہیں ہوتی ہدایہ میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح لٹیرے اور اچکے کو بھی قطع ید کی سزا اس لئے نہیں دی جاتی کہ وہ غیر کا مال چھپ چھپا کر نہیں لیتے جیسا کہ پچھلی حدیث کی تشریح میں اس کی وضاحت کی گئی۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

"سر کے نیچے چادر رکھنے" کے بارے میں ھدایہ میں لکھا ہے کہ صحیح تر بات یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنے سر کے نیچے رکھنا "حرز" ہے حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کو پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا تھا اور اپنا حق کیوں نہیں چھوڑ دیا تھا اب جب تم اس کو میرے پاس لے آئے اور اس کا جرم ثابت ہو جانے پر میں نے اس کا ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دے دیا تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو گیا ہے اب اس معاملہ میں تمہارا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ یہ اللہ کا حق ہو گیا ہے لہٰذا تمہارے معاف کرنے سے اس کا جرم معاف نہیں ہوگا! اس سے معلوم ہوا کہ چور جب حاکم کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو پھر اسے کوئی بھی سزا سے نہیں بچا سکتا، خود مدعی اور صاحب مال کے معاف کرنے سے بھی اس کی سزا معاف نہیں ہوگی، ہاں حاکم کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے اس کو معاف کر دینا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنا دی جائے اور پھر اسے چوری کی ہوئی چیز کو اس کا مالک اس شخص (چور) کو ہبہ کر کے اس کے سپرد کر دے یا اس چیز کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن امام زفر امام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت امام ابو یوسف کا بھی ایک قول یہی ہے اور حضرت صفوان کی مذکور حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں تو یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح یہاں نقل کی گئی لیکن حاکم وغیرہ کی روایت میں اس طرح نہیں ہے بلکہ کچھ اضافہ وزیادتی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا اس اضافہ وزیادتی کی وجہ سے اضطراب واقع ہو گیا اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا موجب ہو جاتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب سرقہ، بتصرف)

کفن چور اور جیب کترے پر حد سرقہ نہ ہونے کا بیان

امانت میں خیانت کی یا مال لوٹ لیا یا اُچک لیا تو قطع نہیں۔ اسی طرح قبر سے کفن چرانے میں قطع نہیں اگر چہ قبر مقفل مکان میں ہو بلکہ جس مکان میں قبر ہے اُس میں سے اگر علاوہ کفن کے کوئی اور کپڑا وغیرہ چرایا جب بھی قطع نہیں بلکہ جس گھر میں میت ہو وہاں سے کوئی چیز چرائی تو قطع نہیں، ہاں اگر اس فعل کا عادی ہو تو بطور سیاست ہاتھ کاٹ دیں گے۔ ذی رحم محرم کے یہاں سے چرایا تو قطع نہیں اگر چہ وہ مال کسی اور کا ہو اور ذی رحم محرم کا مال دوسرے کے یہاں تھا وہاں سے چرایا تو قطع ہے۔ شوہر نے عورت

کے یہاں سے یا عورت نے شوہر کے یہاں سے یا غلام نے اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی زوجہ کے یہاں سے یا عورت کے غلام نے اس کے شوہر کے یہاں چوری کی تو قطع نہیں۔ اسی طرح تاجروں کی دوکانوں سے چرانے میں بھی قطع نہیں ہے جبکہ ایسے وقت چوری کی کہ اس وقت لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے۔ (درمختار، کتاب الحدود)

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے ابوذر"! میں نے عرض کیا" میں حاضر ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمانبردار ہوں، فرمایئے کیا ارشاد ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تم اس وقت کیا کروگے جب لوگوں کو موت) یعنی کوئی وبا اپنی لپیٹ میں لے لے گی (کیا اس وقت تم موت سے بھاگ کھڑے ہوگے یا صبر واستقامت کی راہ اختیار کروگے؟" اور گھر یعنی قبر کی جگہ ایک غلام کے برابر ہوجائے گی (یعنی اس وقت وبا کی وجہ سے اتنی کثرت سے اموات ہوں گی کہ ایک قبر کی جگہ ایک ایک غلام کی قیمت کے برابر خریدی جائے گی میں نے عرض کیا اس کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت میرا کیا ہوگا، آیا میں صبر واستقامت کی راہ اختیار کروں یا اپنا مسکن چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس وقت تم پر صبر لازم ہے" حضرت حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔" (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 757)

حضرت حماد ابن ابوسلیمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بظاہر بڑا لطیف نکتہ پیدا اور یہ استدلال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ قبر کو گھر" کہا ہے اس طرح گھر کی طرح قبر بھی" حرز" ہوئی جیسے اور کوئی شخص گھر میں سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص قبر میں سے کفن چرائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حماد کا یہ استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ "حرز" کے حکم میں ہوں جس پر" گھر" کا اطلاق ہوتا ہو مثال کے طور پر فرض کیجئے اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر میں سے کچھ مال چراتا ہے جس کا دروازہ بند نہ ہو یا جس میں کوئی نگہبان موجود نہ ہو تو متفقہ طور پر تمام علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس نے ایک گھر کے اندر سے مال چوری کیا ہے مگر اس گھر کے عدم محفوظ ہونے کی وجہ سے وہ" حرز" نہیں رہا، اور جب اس صورت میں "حرز" کی شرط نہیں پائی گئی تو اس پر قطع ید کی سزا بھی نافذ نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح" قبر" کو اگرچہ " گھر" فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ وہ" حرز" یعنی محفوظ نہیں ہے اس لئے اس میں سے کفن چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام محمد کا مسلک یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کفن چور پر نافذ نہیں ہوگی جب کہ تینوں ائمہ احنفیہ میں سے حضرت امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

لوٹنے والے پر عدم قطع ید کا بیان

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں ہے اور جو شخص لوگوں کو لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والا نہیں ہے)۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود)

لٹیرا (لوٹنے والا) اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کا مال زبردستی حاصل کرے اس طرح لوگوں کا مال لوٹنا اگرچہ چوری چھپے مال اڑانے سے بدتر ہے لیکن ایسے شخص پر چور کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ چور اس شخص کو کہتے ہیں جو چھپ چھپا کر لوگوں کا مال اڑائے۔

بیت المال کے چور پر عدم حد سرقہ کا بیان

وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَا مِنْ مَالٍ لِلسَّارِقِ فِيهِ شَرِكَةٌ وَمَنْ سَرَقَ مِنْ أَبَوَيْهِ أَوْ وَلَدِهِ أَوْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يُقْطَعْ وَكَذَا إِذَا سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْآخَرِ أَوِ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ أَوْ مِنِ امْرَأَةِ سَيِّدِهِ أَوْ زَوْجِ سَيِّدَتِهِ أَوِ الْمَوْلَى مِنْ مُكَاتَبِهِ وَكَذَا السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ ۔

ترجمہ

اور جو چور بیت المال سے چوری کرنے والا ہو۔ ان سب کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا نہ ایسے مال سے چوری کرنے والا کا ہاتھ کاٹا جائے گا جس میں کوئی چور شامل ہو۔ جس نے اپنے ماں باپ بیٹے اور ذی محرم کی کوئی شئے چرالی تو اس کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جب زوجین میں سے کسی نے دوسرے کی کوئی چیز چرالی یا غلام نے اپنے مالک کی یا اپنے مالک کی بیوی کی یا اپنی مالکہ کے شوہر یا پھر مالک نے اپنے مکاتب غلام کی کوئی شئے چرالی تو بھی یہی مذکور بالا حکم ہوگا۔ اور مال غنیمت سے چوری کرنے والے کا بھی وہی مذکورہ حکم ہوگا۔

شرح

اور جب کسی شخص نے بیت المال سے چوری کرڈالی تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ لوگوں کا مال ہے اور چور بھی عوام میں داخل ہے اور اسی طرح ایسے مال پر بھی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جس مال میں چور خود شریک ہو۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ذی رحم محرم کے یہاں سے چرایا تو قطع نہیں اگرچہ وہ مال کسی اور کا ہو، اور ذی رحم محرم کا مال دوسرے کے یہاں تھا وہاں سے چورایا تو قطع ہے۔ شوہر نے عورت کے یہاں سے یا عورت نے شوہر کے یہاں سے یا غلام نے اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی زوجہ کے یہاں سے یا عورت کے غلام نے اس کے شوہر کے یہاں چوری کی تو قطع نہیں۔ اسی طرح تاجروں کی دوکانوں سے چورانے میں بھی قطع نہیں ہے جبکہ ایسے وقت چوری کی کہ اس وقت لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے۔ (درمختار، کتاب الحدود)

سارق غلام کی حد میں مذاہب اربعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر غلام چوری کرے تو اس کو بیچ ڈالو اگرچہ نش کے بدلے میں اس کو بیچنا پڑے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

نش نون کے زبر اور شین کے ساتھ) نصف اوقیہ یعنی بیس درہم کو کہتے تھے مراد یہ ہے کہ چوری کرنے والے غلام کو بیچ ڈالو اگرچہ اس کو کتنی ہی کم قیمت میں کیوں نہ بیچنا پڑے کیونکہ چوری کا ارتکاب کر کے وہ عیب دار ہو گیا ہے اور عیب دار غلام کو اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور اکثر اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے خواہ وہ بھگوڑا ہو یا غیر بھگوڑا۔ اس بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چرائے یا کوئی غلام اپنے مالک یا اپنے مالک کی بیوی اور یا اپنی مالکہ کے خاوند کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ عام طور پر خاوند بیوی کو ایک دوسرے کے مال پر اور غلام کو اپنے آقا اور اس کے گھر والوں کے مال واسباب پر خود ان کی اجازت سے دسترس حاصل ہوتی ہے اس صورت میں حرز کی شرط پوری طرح نہیں پائی جاتی جو قطع ید کی سزا کے لئے ضروری ہے۔

حرز کی اقسام کا بیان

وَالْحِرْزُ عَلَى ضَرْبَيْنِ حِرْزٌ لِمَعْنًى فِيهِ كَالْبُيُوتِ ، وَالدُّورِ وَحِرْزٌ بِالْحَافِظِ وَإِنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْ حِرْزٍ أَوْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ يَحْفَظُهُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَطْعُ وَلَا قَطْعَ عَلَى مَنْ سَرَقَ مِنْ حَمَّامٍ أَوْ مِنْ بَيْتٍ أُذِنَ لِلنَّاسِ فِي دُخُولِهِ وَمَنْ سَرَقَ مِنْ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ وَلَا قَطْعَ عَلَى الضَّيْفِ إذَا سَرَقَ مِمَّنْ أَضَافَهُ وَإِذَا نَقَبَ اللِّصُّ الْبَيْتَ وَدَخَلَ فَأَخَذَ الْمَالَ وَنَاوَلَهُ آخَرَ خَارِجَ الْبَيْتِ فَلَا قَطْعَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ خَرَجَ فَأَخَذَهُ قُطِعَ وَكَذَلِكَ إنْ حَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ وَسَاقَهُ فَأَخْرَجَهُ وَإِذَا دَخَلَ الْحِرْزَ جَمَاعَةٌ فَتَوَلَّى بَعْضُهُمْ الْأَخْذَ قُطِعُوا جَمِيعًا ،

ترجمہ

حرز کی دو اقسام ہیں۔ ایک تو وہ جگہ ہے جو ہو ہی حفاظت کرنے کی مثلاً گھر، کمرہ وغیرہ اور ایک حرز محافظ کے ذریعے بنتا ہے۔ تو جس نے حرز سے یا غیر حرز سے کوئی شئے چرا لی۔ اس حال میں کہ اس کا مالک وہاں اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ تو چور کا ہاتھ کٹے گا۔ جس نے حمام سے یا ایسے گھر سے جہاں لوگوں کو عام آنے جانے کی اجازت ہے کوئی شئے چرا لی۔ تو اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جس نے مسجد میں سے مالک کے پاس ہوتے ہوئے بھی اس کا سامان چرا لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جب کوئی مہمان اپنے میزبان کی چیز چرا لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جب کسی چور نے کسی گھر میں نقب لگائی اور گھر میں داخل ہو کر وہاں سے سامان اٹھا کر دوسرا آدمی جو باہر تھا اسے پکڑا دیا تو ان میں سے کسی کا بھی ہاتھ نہیں کٹے گا۔ جب اس نے سامان راستے میں پھینکا پھر باہر نکل کر اٹھا کر لے گیا تو اس پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جب کوئی چور سامان گدھے پر لاد کر اسے ہانک دے پس یوں وہ اس سامان کو باہر نکال لائے۔ تو اس صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جب کسی مکان میں ایک جماعت داخل ہوئی ان میں سے کچھ

نے وہاں سے مال اٹھایا تو ہاتھ سب کا کاٹا جائے گا۔

شرح

حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی تیس درہم کی مالیت والی چادر پر سو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اسے اچک کر لے گیا مجھ سے۔ وہ آدمی پکڑا گیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان کہتے ہیں کہ پس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ہاتھ تیس درہم کی وجہ سے کاٹتے ہیں میں اس چادر کو اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور اس کی قیمت تاخیر سے لے لوں گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یہ میرے پاس لانے سے قبل ہی کیا ہوتا۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو زائدہ نے سماک عن حمید بن حجیر سے روایت کیا ہے۔ اس میں فرمایا کہ صفوان سو گئے اور اسے صفوان وطاؤس نے روایت کیا کہ صفوان سو رہے تھے کہ ایک چور آیا اور اس نے ان کے سر کے نیچے سے چادر چرالی۔ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس چور نے ان کے سر کے نیچے سے چادر کھینچ لی تو صفوان بن عبداللہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ صفوان مسجد میں سو گئے اور اپنی چادر کو تکیہ بنالیا پس ایک چور آیا اور اس نے چادر کو چرالیا پھر چور پکڑا گیا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 999)

چوری میں شرط حرز کا فقہی بیان

حرز حد سرقہ کی دوسری شرط ہے۔ حرز سے مراد وہ کم سے کم انتظامات ہیں جو مال کی حفاظت کے لیے کیے گئے ہوں۔ بغیر کسی حفاظتی تحویل کے موجود مال یا ساز وسامان کے ہتھیا لینے پر حد سرقہ جاری نہیں کی جائے گی۔ حرز کا تعین عرف ورواج کے مطابق ہوگا کیونکہ دیہاتوں میں معمولی اور چھوٹی دیوار کو بھی ملکیت کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے جبکہ شہروں میں اس سے زیادہ انتظام کی ضرورت ہوتی ہے، جانور کو باندھنا اور دیگر سواریوں کو تالا لگانا حرز ہوتا ہے، بصورت دیگر ساز وسامان اور مال کو لاوارث سمجھ لیا جاتا ہے۔

مکان کی چار دیواری حرز ہے اور اس سے مال نکال کر لے جانا سرقہ کی ذیل میں آتا ہے، کھونٹے سے بندھی ہوئی کشتی اور جانور اور تالا لگی سواری بھی حرز کے اندر شمار ہوں گے اور انہیں کھول کر لے جانے والا سرقہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ مالک کی نظر میں موجود شے بھی حرز میں سمجھی جاتی ہے جیسے ایک شخص کی سواری گھاس چر رہی ہو اور کسی کھونٹے سے بندھی نہ ہو لیکن مالک نے اس پر نظر رکھی ہو تو اس سواری کو لے جانے والا حد سرقہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ سونے والے کے نیچے دبی ہوئی چیز بھی حرز میں ہوگی لیکن قبر حرز نہیں ہوگی اور کفن نکالنے والا حد سرقہ کی ذیل میں نہیں آئے گا کیونکہ مردہ مالک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کھلے ہوئے جانور، کھلی ہوئی سواریاں اور عام سڑکوں، چوراہوں اور ویرانوں پر موجود ساز وسامان و مال واسباب پر ناجائز قبضہ کرنے

والے حد سرقہ کے اگر چہ مرتکب نہیں ہوں گے تاہم انہیں کوئی تعزیر دی جا سکے گی جو حد سرقہ یعنی ہاتھ کاٹنے سے شدید تر بھی ہو سکتی ہے۔

چور کا مکان میں نقب لگا کر چوری کرنے کا بیان

وَمَنْ نَقَبَ الْبَيْتَ وَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهِ فَأَخَذَ شَيْئًا لَمْ يُقْطَعْ وَإِنْ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي صُنْدُوقِ الصَّيْرَفِيِّ أَوْ فِي كُمِّ غَيْرِهِ فَأَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ وَيُقْطَعُ يَمِينُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحْسَمُ فَإِنْ سَرَقَ ثَانِيًا قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرَى فَإِنْ سَرَقَ ثَالِثًا لَمْ يُقْطَعْ وَخُلِّدَ فِي السِّجْنِ حَتَّى يَتُوبَ وَإِنْ كَانَ السَّارِقُ أَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرَى أَوْ أَقْطَعَ أَوْ مَقْطُوعَ الرِّجْلِ الْيُمْنَى لَمْ يُقْطَعْ وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ إِلَّا أَنْ يَحْضُرَ الْمَسْرُوقُ مِنْهُ فَيُطَالِبَ بِالسَّرِقَةِ فَإِنْ وَهَبَهَا مِنَ السَّارِقِ أَوْ بَاعَهَا مِنْهُ أَوْ نَقَصَتْ قِيمَتُهَا عَنِ النِّصَابِ لَمْ يُقْطَعْ وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ فِيهَا وَرَدَّهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ وَإِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ إِنْ كَانَتْ غَزْلًا فَسَرَقَهُ فَقُطِعَ فِيهِ فَرَدَّهُ ثُمَّ نُسِجَ فَعَادَ فَسَرَقَهُ قُطِعَ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے گھر میں نقب لگائی پھر ہاتھ ڈال کر کوئی شے اٹھالے تو اس کا ہاتھ نہیں کٹے گا۔ کسی نے سنار کے صندوقچے یا کسی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کے اس کا مال نکال لیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

چور کا دایاں ہاتھ جوڑ سے کاٹنے کے بعد داغ دیا جائے گا۔ جب دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ جب تیسری مرتبہ پھر چوری کرے تو اس پر قطع نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے قید میں ڈال دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے جب چور کا بایاں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا اس کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو تو اس پر قطع نہیں کیا جائے گا۔

چور کا ہاتھ جس کا مال چرایا گیا صرف اس کی موجودگی میں ہی کاٹا جائے گا۔ پس وہ چوری کی وجہ سے قطع ید کا مطالبہ بھی کرتا ہو۔ جب اس نے وہ مال چور کو ہبہ کر دیا یا اسے اس کے ہاتھ بیچ دیا یا اس مال کی قیمت نصاب سے کم ہو گئی تو چور کا ہاتھ نہیں کٹے گا۔

کسی آدمی نے کوئی چیز چرائی تو اس میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اس نے وہ چیز واپس کر دی۔ اس کے بعد اس نے پھر اسے چرالیا اور وہ چیز اپنی حالت پر قائم تھی تو اب اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگر وہ چیز اپنی حالت سے تبدیل ہو گئی تھی مثلاً اس نے سوت چوری کیا تھا جس میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا۔ پس اس نے وہ سوت واپس کر دیا تھا۔ پھر مالک نے اس سے کپڑا بن لیا تھا۔ اب جب اس نے کپڑا چرالیا تو اس پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

قطع ید میں امام شافعی کی مستدل حدیث اور اس کا محمل

حضرت ابوسلمہ حضرت ابوہریرہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا کہ "جب وہ چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے، پھر اگر چوری کرے تو اس کا (بایاں) ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اگر چوری کرے تو اس کا

(دایاں) پیر کاٹا جائے۔" (شرح السنہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 752)

پہلی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹنا اور پھر دوبارہ چوری کرنے پر بایاں پیر کاٹنا تو علماء کا متفقہ مسلک ہے لیکن پھر تیسری مرتبہ چوری کرنے پر بایاں ہاتھ کاٹنے اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹا جائے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا تا آنکہ وہ اسی میں مرجائے یا توبہ کرے امام اعظم کے اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ اول تو اس بات پر صحابہ کا اجماع و اتفاق ہو گیا تھا، دوم یہ کہ کسی شخص کو اس کے چاروں ہاتھ پیر سے محروم کر دینا گویا اس کو اپنے وجود کی بقاء کے سارے ذرائع و اسباب سے محروم کر دینا ہے جو اس کے حق میں "سزا" سے بڑھ کر ایک قسم کی "زیادتی" ہے جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ اصل میں یہ حدیث تہدید و سیاسی مصالح پر محمول ہے، دوسری بات یہ کہ محدثین نے اس کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے۔

چنانچہ طحاوی نے اس حدیث پر ان الفاظ میں طعن کیا ہے کہ میں نے صحابہ کے بہت سارے آثار و قضایا (اور نظائر و فیصلے) دیکھے لیکن انتہائی تلاش کے باوجود مجھے اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں مل سکی، علاوہ ازیں میں نے بہت سے حفاظ حدیث سے ملاقات کی وہ سب اس حدیث (کی واقفیت) سے انکار کرتے تھے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ پیر کاٹنے کے بارے میں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ گھٹنے کے پاس سے پاؤں کاٹا جائے۔

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوبارہ اس کو پھر لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ (اس کا بایاں پاؤں) کاٹ دیا گیا پھر تیسری مرتبہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا (اس کا بایاں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا تو فرمایا کہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دیا گیا، اور پھر جب پانچویں مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو مار ڈالو، چنانچہ ہم اس کو (پکڑ کر) لے گئے اور مار ڈالا، اس کے بعد ہم اس کی لاش کو کھینچتے ہوئے لائے اور کنویں میں ڈال کر اوپر سے پتھر پھینک دیئے (ابوداؤد، نسائی) اور بغوی نے شرح السنۃ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ "اس کا ہاتھ کاٹو اور پھر اس (ہاتھ کو داغ دو)۔"

"اور پھر اس کو داغ دو" کا مطلب یہ ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا گیا ہے اس کو گرم تیل یا گرم لوہے سے داغ دو تا کہ خون بند ہو جائے اگر داغا نہ جائے گا تو جسم کا تمام خون بہہ جائے گا اور چور ہلاک ہو جائے گا۔

خطابی فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایسا کوئی فقیہ و عالم نہیں ہے جس نے چور کو مار ڈالنا مباح رکھا ہو خواہ وہ کتنی ہی بار چوری کیوں نہ کرے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی حدیث (لا یحل دم امرء الا باحدی ثلث) کے ذریعہ منسوخ ہے،

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور کو مار ڈالنے کا حکم دیا وہ سیاسی وانتظامی مصالح کی بناء پر تھا ،چنانچہ امام وقت (حاکم) کو یہ حاصل ہے کہ وہ مفسدہ پردازوں، چوراچکوں اور ملکی امن وقانون کے مجرموں کی تعزیر میں اپنی رائے واجتہاد پر عمل کرے اور جس طرح چاہے ان کو سزا دے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ یہ شخص مرتد ہوگیا ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون مباح کر دیا اور اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا اولی ہے کہ وہ شخص چوری کو حلال جانتا تھا اس لئے بار بار اس کا ارتکاب کرتا تھا اسی وجہ سے اس کو اتنی سخت سزا دی گئی بہر کیف ان تاویلات میں سے کسی بھی ایک تاویل کو اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کو مار ڈالنے کے بعد اس کی لاش کو اس طرح کھینچ کر کنویں میں ڈال دینا ہرگز مباح نہ ہوتا

ہاتھ کو کلائی سے کاٹنے کا بیان

علامہ عبدالرحمٰن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ تمام ائمہ وفقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب چوری کرنے والے پر حد سرقہ واجب ہوجائے اور یہ جرم اس سے پہلی مرتبہ سرزد ہوا ہو اور اس کے اعضاء صحیح وسالم ہوں تو سب سے پہلے اس کا دایاں ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹ دیا جائے گا۔ اس کے ابلتے ہوئے پانی سے اس کا خون بند کر دیا جائے۔ اس حکم کا سبب یہ ہے کہ چوری ہاتھ ہی سے کی جاتی ہے جو کلائی اور پہنچے پر قائم ہے۔ (مذاہب اربعہ، ج۵ ص۱۹۲ مطبوعہ اوقاف پنجاب)

چور سے حد سرقہ کے ساقط ہونے کا بیان

وَإِذَا قُطِعَ السَّارِقُ ، وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ فِي يَدِهِ رُدَّتْ عَلَى صَاحِبِهَا وَإِنْ كَانَتْ هَالِكَةً لَمْ يَضْمَنْهَا وَإِنْ ادَّعَى السَّارِقُ أَنَّ الْعَيْنَ الْمَسْرُوقَةَ مِلْكُهُ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يُقِمْ بَيِّنَةً وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعُونَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الِامْتِنَاعِ فَقَصَدُوا قَطْعَ الطَّرِيقِ فَأُخِذُوا قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوا مَالًا وَلَا قَتَلُوا نَفْسًا حَبَسَهُمْ الْإِمَامُ حَتَّى يُحْدِثُوا تَوْبَةً

ترجمہ

جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور وہ چیز بالکل اسی طرح اس کے پاس ہی تھی تو چور وہ چیز واپس کرے گا۔ جب ضائع ہو چکی تھی تو وہ اس کا جرمانہ ادا نہیں کرے گا۔ جب چور چرائی گئی چیز کے بارے دعویٰ کر دے کہ وہ اسی کی ملکیت ہے جبکہ وہ اس پر گواہ نہ بھی قائم کر سکے تو بھی اس پر سے اس کے ہاتھ کا کاٹا جانا ساقط ہو جائے گا۔

ایک رہزن جماعت یا رہزن ایک ہی آدمی جو اس پر قادر ہے وہ نکلا پس انہوں نے رہزنی 'ڈکیتی کا قصد کیا۔ مگر وہ مال لینے یا خون کرنے سے قبل ہی گرفتار کر لئے گئے' تو امام ان کے بظاہر توبہ کر لینے تک انہیں قید میں ڈال دے گا۔

چور کو توبہ کرانے کے لئے قید میں ڈالنے کا بیان

دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ "ایک چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا، جس نے چادر چرائی تھی، آپ نے اس سے فرمایا، میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو، انہوں نے توبہ کی، آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی" (رضی اللہ عنہ)

ابن ماجہ میں ہے کہ "حضرت عمر بن سمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہوگئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے، فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرالیا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہوگیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے، اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا، تو نے میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا" (رضی اللہ عنہ)

ابن جریر میں ہے کہ "ایک عورت نے کچھ زیور چرالئے، ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے پیش کیا، آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہوگئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی"۔ اس پر آیت (فمن تاب) نازل ہوئی۔

مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہے لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑی گھرانے کی عورت تھی، لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں، یہ واقعہ غزوہ فتح میں ہوا تھا، بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے ہیں، وہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں، حضرت اسامہ نے جب اس کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزرا اور غصے سے فرمایا! اسامہ تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی، میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہوگئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا، پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا)

مسلم میں ہے ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی، پھر انکار کر جایا کرتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا" اور روایت میں ہے یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال کو ہوا تھا۔

ڈاکوؤں کو قتل کر دینے کا بیان

فَإِنْ أَخَذُوا مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ ، وَالْمَأْخُوذُ إِذَا قُسِمَ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا أَوْ مَا قِيمَتُهُ ذَلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَإِنْ قَتَلُوا وَلَمْ يَأْخُذُوا مَالًا قَتَلَهُمُ الْإِمَامُ حَدًّا حَتَّى لَوْ عَفَا عَنْهُمُ الْأَوْلِيَاءُ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَى عَفْوِهِمْ وَإِنْ قَتَلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ فَالْإِمَامُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتَلَهُمْ صَلْبًا وَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ وَيُصْلَبُونَ أَحْيَاءً ثُمَّ تُبْعَجُ بُطُونُهُمْ بِالرُّمْحِ إِلَى أَنْ يَمُوتُوا وَلَا يُصْلَبُونَ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَإِنْ كَانَ فِيهِمْ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِينَ، وَصَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ إِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا وَإِنْ بَاشَرَ الْفِعْلَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ أُجْرِيَ الْحَدُّ عَلَى جَمِيعِهِمْ ؛

ترجمہ

جب انہوں نے کسی مسلمان یا ذمی کا اتنا مال لے لیا تھا کہ جب وہ ان پر تقسیم ہوا تو ان میں سے ہر ایک کے حصے دس درہم یا اس سے زیادہ مال آ گیا یا ہر ایک کے حصے میں اتنی قیمت کی کوئی شئے آ گئی تو امام مخالف طرفوں سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے گا۔ اگر انہوں نے کسی کو قتل کر دیا مگر اس کا مال نہ لیا تو امام انہیں حد لگانے کے طریقے کے ساتھ قتل کرے گا۔ یہاں تک کہ جب ورثاء نے انہیں معاف بھی کریں تو امام ان کی معافی کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔

جب انہوں نے کسی کو قتل کیا' اور اس کا مال بھی لے لیا تو امام کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے' تو مخالف طرفوں سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے قتل کر دے یا انہیں سولی پر لٹکا دے۔ جب چاہے' تو انہیں قتل کر دے' جب چاہے' تو انہیں سولی پر دے دے۔ انہیں زندہ سولی دیا جائے گا۔ پھر نیزے کے ساتھ ان کے پیٹ پھاڑ دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی جان نکل جائے' اور وہ تین دن سے زائد سولی نہیں دیئے جائیں گے۔ جب ان میں کوئی بچہ' پاگل یا مقطوع علیہ کا کوئی ذی محرم ہو' تو باقی لوگوں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی اور انہیں قتل کرنا ورثاء کے اختیار میں ہوگا۔ وہ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں' چاہیں تو معاف کر دیں اور خون جبکہ کسی ایک نے کیا تو بھی حد سب پر ہی جاری ہوگی۔

شرح

اس متن میں چار قسم کی سزاؤں کو جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے اس طرح متعلق کیا جاتا ہے کہ (۱) اگر مجرم نے قتل تو کر دیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو تو اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا اور (۲) اگر قتل بھی کر دیا ہو اور مال بھی لوٹ لیا ہو تو اسے سولی پر لٹکایا

جائے گا۔ اور (۳) اگر صرف مال ہی چھینا ہو قتل نہ کیا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت میں کاٹے جائیں گے اور (۴) اگر ابھی قتل بھی نہ کیا اور مال بھی چھیننے سے پہلے گرفتار ہو جائے تو اسے جلاوطن کیا جائے گا۔

نیز قاضی جرم کی نوعیت کے لحاظ سے ان سزاؤں میں سے کسی دو کو اکٹھا بھی کر سکتا ہے اور کسی ایک میں کمی بیشی بھی کر سکتا ہے۔

شہر اور غیر شہر کی ڈکیتی کے ہونے میں مذاہب اربعہ

اس آیت (ویسعون فی الارض فسادا) سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ (ویسعون فی الارض فسادا) کے ہیں۔ مالک، اوزاعی، لیث، شافعی، احمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر، ان کی سزا یہی ہے کہ بلکہ امام مالک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا، نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم، بیواسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ نہیں، وہ کہتے ہیں کہ "محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے، کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے، راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے" جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے، راستوں کو پُر خطر بنا دے، امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے"۔ یہی قول اور بھی بہت سے فقہاء کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم اگر شکار کھیلے تو اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کام کرنے والے کے فدیئے میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔

قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دیں مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے، اسی طرح ایسے محارب، مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرح سے کاٹنا ہے یا جلاوطن کرنا۔ اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے، جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوتے ہوں تو قابل دار اور گردن زنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر راستے پُر خطر کر دیئے ہوں، لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلاوطنی ہے۔

•••———•••———•••

کتاب الاشربة

﴿یہ کتاب پینے والی چیزوں کے بیان میں ہے﴾

کتاب اشربہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب اشربہ کو حد سرقہ کے بعد بیان کیا ہے کیونکہ ان دونوں کو لفظی ومعنوی طور پر شعبہ ایک ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب اشربہ، بیروت)

خمر کی وجہ تسمیہ وشراب کا فقہی مفہوم

لغت میں پینے کی چیز کو شراب کہتے ہیں اور اصطلاح فقہا میں شراب اُسے کہتے ہیں جس سے نشہ ہوتا ہے، اس کی بہت قسمیں ہیں، خمر انگور کی شراب کو کہتے ہیں یعنی انگور کا کچا پانی جس میں جوش آ جائے اور شدت پیدا ہو جائے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں جھاگ پیدا ہو اور کبھی ہر شراب کو مجازاً خمر کہہ دیتے ہیں۔

قاموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ ومستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور کے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی چیز کا عرق وکاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد لیا جائے) یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ کھجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لغت میں "خمر" کے معنی ہیں "ڈھانپنا" چھپانا، خلط کرنا" اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم وشعور کی قوتوں کو خلط وخبط کر دیتی ہے اس لئے اس کو" خمر" کہا گیا۔

شراب کی معروف چار اقسام کا بیان

الْأَشْرِبَةُ الْمُحَرَّمَةُ أَرْبَعَةٌ : الْخَمْرُ وَهُوَ عَصِيرُ الْعِنَبِ إذَا غَلَى وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ وَالْعَصِيرُ إذَا طُبِخَ حَتَّى ذَهَبَ أَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ وَنَقِيعُ التَّمْرِ إذْ اشْتَدَّ وَغَلَى الزَّبِيبِ إذَا غَلَى وَاشْتَدَّ وَعَصِيرُ الْعِنَبِ إذَا طُبِخَ حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ حَلَالٌ وَإِنْ اشْتَدَّوَنَبِيذُ التَّمْرِ ، وَالزَّبِيبِ إذَا طُبِخَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَدْنَى طَبْخٍ فَهُوَ حَلَالٌ وَإِنْ اشْتَدَّ إذَا شَرِبَ مِنْهُ مَا يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ لَا يُسْكِرُهُ مِنْ غَيْرِ لَهْوٍ وَلَا طَرَبٍ وَلَا بَأْسَ بِالْخَلِيطَيْنِ وَنَبِيذُ الْعَسَلِ ، وَالْحِنْطَةِ ، وَالشَّعِيرِ ، وَالذُّرَةِ حَلَالٌ وَإِنْ لَمْ يُطْبَخْ

وَلَا بَأْسَ بِالْاِنْتِبَاذِ فِي الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُقَيَّرِ وَاِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَاءٌ صَارَتْ خَلًّا بِنَفْسِهَا اَوْ بِشَيْءٍ طُرِحَ فِيهَا وَلَا يُكْرَهُ تَخْلِيلُهَا،

ترجمہ

حرام شراب چار طرح کی ہے۔ خمر اور وہ انگور کا نچوڑ ہوتا ہے۔ جب اسے ابالیں، جوش دیں تو وہ تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے اور عصیر (شیرے) کو جب دو تہائی سے کم جلنے تک پکا لیا جائے اور نقیع تمر اور نقیع زبیب جب جوش مارے اور تیز ہو جائے اور نبیذ تمر اور نبیذ زبیب کو جب پکا لیا جائے ان میں سے ہر ایک کو تھوڑا سا پکانا تو حلال ہے۔ جبکہ وہ تیز ہو جائے جب وہ اس میں سے اتنی پیئے جس کے بارے اس کا غالب گمان ہو کہ وہ اسے نشہ نہیں لائے گی۔ لہو ولعب اور بے خودی کے علاوہ کھجور اور منقیٰ کے پانی کے آپس میں مل جانے سے کوئی حرج نہیں۔ شہد، انجیر، گندم، جَو اور جوار کی نبیذ جبکہ اسے جوش نہ بھی دیا گیا ہو وہ حلال ہے، اور انگور کے شیرے کو جب دو تہائی جل جانے تک پکا لیا گیا ہو، تو جبکہ وہ تیز بھی ہو جائے حلال ہوگا کدو کی تونبی سبز ٹھلیا، رال کے روغن والی ٹھلیا، اور خالی یا کھدی ہوئی لکڑی کے اندر نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ جب خمر خود بخود یا کوئی شئے ڈالنے سے سرکہ بن گئی ہو، تو وہ حلال ہوگی۔ اور خمر کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔

نشہ آور چیزوں کی اقسام کا بیان

جو چیزیں نشہ پیدا کرتی ہیں ان کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو شراب کی ہے جو انگور سے اس طرح بنتی ہے کہ انگور کا عرق نکال کر کسی برتن میں رکھ دیتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد وہ گاڑھا ہو جاتا ہے اور اس میں ابال پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ نشہ آور ہو جاتا ہے، صحیح تر اور مختار قول کے مطابق اس میں جھاگ کا پیدا ہونا شرط نہیں ہے اس کو عربی میں "خمر" کہتے ہیں۔

دوسری قسم یہ کہ انگور کے عرق کو قدرے جوش دے کر رکھ دیتے ہیں اس کو عربی میں "باذق" اور فارسی میں "بادہ" کہتے ہیں اور انگور کا وہ عرق جس کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا چوتھائی حصہ جل کر صرف تین چوتھائی حصہ رہ جاتا ہے۔ "طلا" کہلاتا ہے۔

تیسری قسم "نقیع التمر" ہے جس کو "سکر" بھی کہتے ہیں یعنی تر خرما کا وہ شربت جو گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے،

چوتھی قسم "نقیع الزبیب" ہے یعنی منقیٰ اور کشمش وغیرہ کا وہ شربت جس میں ابال اور جھاگ پیدا ہو جائے۔

ان چاروں قسموں میں سے پہلی قسم تو بلا کسی قید کے حرام ہے اور باقی تین قسمیں اس صورت میں بہ اتفاق حرام ہیں جب کہ ان کو جوش دے کر رکھ دیا جائے اور ان میں گاڑھا پن آ جائے کیونکہ اس صورت میں ان چیزوں میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے ہاں اگر ان میں مذکورہ چیزیں نہ پائی جائے تو ان کو حرام نہیں کہیں گے مثلاً کچھ دیر کے لئے پانی میں خرما بھگو کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ وہ پانی شربت کی طرح ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہ ہو تو اس کا پینا درست ہوگا۔

خمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور مجازاً گیہوں، جَو، کشمش، کھجور اور شہد کی شرابوں کے لیے بھی یہ الفاظ بولتے تھے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حُرمت کے اس حکم کو تمام اُن چیزوں پر عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ **کل مسکر خمر و کل مسکر حرام**۔ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ **کل شراب اس کر فھو حرام**۔ ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔ **وانا انھی عن کل مسکر**۔ اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جُمعہ کے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان کی تھی کہ **الخمر ما خامر العقل** خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔

انگور و کھجور سے بنائی جانے والی شراب کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شراب ان دو درختوں یعنی انگور اور کھجور سے بنتی ہے۔" (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 782)

مراد یہ ہے کہ اکثر انہی دو چیزوں سے شراب بنتی ہے، گویا یہاں حصر یعنی یہ ظاہر کرنا مراد نہیں ہے کہ شراب بس انہی دو چیزوں سے بنتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ کل مسکر خمر، یعنی ہر نشہ آور چیز شراب ہے چنانچہ اس ارشاد میں جو عمومیت ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروق نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر (کھڑے ہوکر) خطبہ دیا ارشاد فرمایا کہ "شراب کی حرمت نازل ہوگئی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے یعنی انگور سے، کھجور سے، گیہوں سے، جو سے، اور شہد سے، اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (بخاری)

علماء نے وضاحت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ اسکے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا کہ شراب کا انحصار انہی پانچ چیزوں میں نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ کسی بھی چیز سے بنا ہوا ہر وہ مشروب، شراب ہے جس میں نشہ ہو اور اس کے پینے سے عقل و شعور پر پردہ پڑ جاتا ہو۔

شراب کا سرکہ بن جانے کر حلال وحرام ہونے میں فقہی اختلاف کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر شراب (میں نمک و پیاز وغیرہ ڈال کر اس) کا سرکہ بنالیا جائے تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 788)

حنیفہ کہتے کہ اگر شراب، سرکہ میں تبدیل ہو جائے تو اس کو کھانے پینے کے مصرف میں لانا جائز ہوگا خواہ شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا گیا ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالے بغیر مثلاً زیادہ دن رکھے رہنے یا دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے خود بخود اس کا سرکہ بن گیا ہو۔ حضرت امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کا سرکہ بنایا تو وہ حلال نہیں ہے۔ اور اگر کچھ

ڈالے بغیر مثلاً دھوپ میں رکھ دینے کی وجہ سے اس کا سرکہ بن گیا ہو تو اس کے بارے میں ان کے دو قول ہیں جس میں سے صحیح قول یہ ہے کہ وہ شراب، شراب نہیں رہے گی بلکہ اس میں پاکی آجائے گی اور اس کو کھانے پینے کے کام میں لانا جائز ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول تو بلا کسی قید کے یہ فرمایا ہے کہ حدیث (نعم الادام الخل) (بہترین سالن، سرکہ ہے) لہٰذا جو چیز بھی سرکہ ہوگی اس کا استعمال حلال ہوگا، دوسرے جب شراب میں سے وہ بری خاصیت نکل گئی جس کی وجہ سے وہ حرام تھی اور اس میں اچھی خاصیت پیدا ہوگئی تو اب وہ ایک مباح چیز کے درجہ میں آگئی لہٰذا اس کا کھانا پینا حلال ہوگا جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حلال اس لئے نہیں فرمایا تھا کہ اس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا اور لوگوں نے بڑی طویل عادت کو ترک کرکے شراب سے منہ موڑا تھا، اور یہ ایک فطری بات ہے کہ انسان جس کو ایک طویل عادت کے بعد چھوڑتا ہے اس کی طرف اس کی طبیعت اور خواہش کا میلان کافی عرصہ تک رہتا ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت شیطان کی مداخلت سے خوف محسوس فرما کر کہ مبادا شیطان لعین کو اپنا حربہ آزمانے کا موقع مل جائے اور اس کے نتیجہ میں لوگ اس چیز کو شراب پینے کا وسیلہ بنالیں، آپ نے اس کو حلال نہیں فرمایا لیکن شراب کی حرمت پر طویل عرصہ گذر جانے اور شراب کی طرف لوگوں کے میلان کے ہلکے سے بھی شائبے کی جڑیں تک اکھڑ جانے کے بعد جب اس قسم کا کوئی خوف نہ رہا اور اس طرح وہ "مصلحت" ختم ہوگئی جس کی بناء اس کو حلال نہ فرمایا گیا تھا تو وہ حرمت زائل ہوگئی اور پھر شراب سے بنے ہوئے سرکہ کو استعمال کرنا بھی حلال ہوگیا۔ علاوہ ازیں صاحب ہدایہ نے ایک روایت بھی نقل کی ہے، جس کو بیہقی نے اپنی کتاب معرفت میں حضرت جابر سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ حدیث (خير خلكم خل خمركم)۔ (بیہقی) "یعنی تمہارے سرکوں میں بہترین سرکہ وہ ہے۔ جو شراب سے بنا ہو۔"

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی کہ سورت مائدہ نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم لڑکے کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو بہا دو۔ اس باب میں حضرت انس بن مالک سے بھی روایت ہے ابو سعید کی روایت حسن ہے اور کئی سندوں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے بعض علماء اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے شاید اس لیے کہ واللہ اعلم مسلمان شراب سے سرکہ بنانے کے لیے اپنے گھروں میں نہ رکھنے لگیں بعض اہل علم خود بخود سرکہ بن جانے والی شراب کو رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1283)

شرابوں میں نشہ ہونے یا نہ ہونے کا بیان

ان کے علاوہ پینے کے چار مشروب اور ہیں جن کا پینا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک حلال ہے بشرطیکہ ان کو معمولی طور پر اس طرح جوش دیا گیا ان میں نشہ پیدا نہ ہوا ہو اور اگر ان میں نشہ پیدا ہوگیا ہو تو یہ قسمیں بھی حرام ہوں گی، اسی طرح اگر ان کو جوش دیئے بغیر کافی عرصہ کے لئے رکھ دیا گیا ان میں جھاگ پیدا ہوگیا تب بھی ان کا پینا حرام ہوگا، ان چاروں میں سے ایک قسم تو "نبیذ" ہے

یعنی وہ مشروب جو خرما سے بنایا گیا ہو اور اس کو اس قدر جوش دیا گیا ہو، اگر اس میں گاڑھا پن بھی آ گیا ہو تو اس کا پینا جائز ہے۔
دوسری قسم "خلیط" ہے یعنی وہ شربت جو خرما اور منقی کو قدرے جوش دے کران سے نکالا گیا ہو۔
تیسری قسم: وہ نبیذ ہے جو شہد، گیہوں، جو اور جوار وغیرہ کو پانی میں قدرے جوش دے کر مشروب کی صورت میں بنائی گئی ہو۔
اور چوتھی قسم مثلث یمنی ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انگور کے عرق کو اتنا پکایا جاتا ہے کہ اس کا دو حصہ خشک ہو جاتا ہے اور ایک حصہ شراب کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔

ان چاروں چیزوں کے بارے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے پئے تو جائز ہے اور اگر لہو ولعب کے طور پر اور جنسی لذت کے لئے پئے تو حرام ہے لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے بھی ان کا پینا حرام ہے۔ چنانچہ حنفی مسلک میں اہل تحقیق کا فتوی حضرت امام محمد ہی کے قول پر ہے،

جیسا کہ یمنی شرح کنز میں لکھا ہے کہ "حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اور بدمست بنا دیتی ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے خواہ کسی طرح کا نشہ ہو کیونکہ ابن ماجہ اور دار قطنی کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز نشہ آور ہو وہ شراب ہے اور ساری نشہ آور چیزیں حرام ہیں، لہٰذا حنفیہ مسلک میں فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز "شراب" ہے اور حرام ہے خواہ وہ "مشروب" کی صورت میں ہو اور انگور یا کھجور یا منقی یا شہد سے بنے یا گیہوں، جو، باجرہ یا جوار سے بنے اور خواہ وہ کسی درخت کا عرق ہو جیسے تاڑی وغیرہ یا کوئی گھاس ہو بھنگ وغیرہ اسی طرح وہ ہر مقدار میں حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، نیز اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کی طلاق واقع ہو جائے خواہ شراب کا نشہ ہو یا نبیذ وغیرہ کا۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد نیز محدثین کرام کا مسلک یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو، اور اگرچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک وہ مشروب نجس و حرام اور شراب کے حکم میں ہے جب میں ابال، گاڑھا اور جھاگ پیدا ہو گیا ہو، اس کے علاوہ اور چیزیں جب تک کہ ان میں نشہ نہ ہو حرام نہیں ہے۔ لیکن حنفی مسلک کے احتیاط پسند مصنفین کے ہاں فتوی حضرت امام محمد ہی کے قول پر ہے جیسا کہ نہایہ، عینی، دیلمی، درمختار، الاشباہ والنظائر، فتاوی عالمگیری، فتاوی حمادیہ اور شرح مواہب الرحمٰن میں مذکور ہے بلکہ شرح وہبانیہ وغیرہ میں تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول بھی حضرت امام محمد کے مطابق ہی منقول ہے اس صورت میں یہ مسئلہ تمام ائمہ و مجتہدین کا متفقہ ہو جاتا ہے،

حد شراب ۸۰ اسی کوڑے ہونے میں مذاہب اربعہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ جو شخص اس جرم میں گرفتار ہو کر آتا تھا

اسے جُوتے، لات، مکّے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹے اور کھجور کے سَنٹے مارے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ۴۰ ضربیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس جُرم پر لگائی گئی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی ابتداءً کوڑوں ہی کی سزا رہی۔ پھر جب اُنہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جُرم سے باز نہیں آتے تو اُنہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے ۸۰ کوڑے سزا مقرر کی۔ اسی سزا کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کے بموجب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی، شراب کی حد قرار دیتے ہیں۔ مگر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ابن حنبل اور ایک دُوسری روایت کے مطابق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۴۰ کوڑوں کو قائل ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

شریعت کی رُو سے یہ بات حکومتِ اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزور قوت نافذ کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک شخص رُوَیشِد نامی کی دوکان اس بنا پر جلوا دی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دُوسرے موقع پر ایک پُورا گاؤں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اِس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہو رہا تھا۔

•••———•••———•••

کِتَابُ الصَّیْدِ وَالذَّبَائِحِ

﴿یہ کتاب شکار اور ذبائع کے بیان میں ہے﴾

کتاب صید کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شکار اور اشربہ ان دونوں کتابوں کو ایک ساتھ بیان کرنے کی فقہی مناسبت یہ ہے کہ جس طرح انسان اشربہ سے پینے سے مسرور ہوتا ہے اسی طرح شکار کے گوشت سے فائدہ اٹھا کر بھی مسرور ہوتا ہے۔ اور اشربہ کو مقدم کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں حرمت کا پہلو غالب ہے پس حرام بچنے کے لئے اس کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد کتاب صید کو بیان کیا گیا ہے۔ (البنائیہ شرح الہدایہ، کتاب صید، حقانیہ ملتان)

کتاب صید کے شرعی ماخذ کا بیان

یہی آیت ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ گو کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو لیکن اگر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے، اس بارے میں علماء کے تین قول ہیں ایک تو وہی جو مذکور ہوا، خواہ جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا ہو یا بھول کر، اس کی دلیل آیت

(فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ)

(5۔المائدہ:4)

ہے یعنی جس شکار کو تمہارے شکاری کتے روک رکھیں تم اسے کھالو اور اللہ کا نام اس پر لو، اس آیت میں اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کھلی نافرمانی ہے یعنی اس کا کھانا یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا، احادیث میں بھی شکار کے اور ذبیحہ کے متعلق حکم وارد ہوا ہے آپ فرماتے ہیں جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑے جس جانور کو وہ تیرے لئے پکڑ کر روک لے تو اسے کھا لے اور حدیث میں ہے جو چیز خون بہادے اور اللہ کا نام بھی اس پر لیا گیا ہو اسے کھالیا کرو، جنوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تمہارے لئے ہر وہ ہڈی غذا ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے، عید کی قربانی کے متعلق آپ کا ارشاد مروی ہے کہ جس نے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا وہ اس کے بدلے دوسرا جانور ذبح کرلے اور جس نے قربانی نہیں کی وہ ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھے پھر اللہ کا نام لے کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرے، چند لوگوں نے حضور سے پوچھا کہ بعض نومسلم ہمیں گوشت دیتے ہیں کیا خبر انہوں نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام بھی لیا یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا تم ان پر اللہ کا نام لو اور کھالو، الغرض اس

حدیث سے بھی یہ مذہب قوی ہوتا ہے کیونکہ صحابہ نے بھی سمجھا کر بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ لوگ احکام اسلام سے صحیح طور پر واقف نہیں ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں کیا خبر اللہ کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں؟ تو حضور نے انہیں بطور مزید احتیاط فرمادیا کہ تم خود اللہ کا نام لے لو تا کہ بالفرض انہوں نے نہ بھی لیا ہو تو یہ اس کا بدلہ ہو جائے، ورنہ ہر مسلمان پہ ظاہر احسن ظن ہی ہوگا، دوسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اگر چھوٹ جائے گو وہ عمداً ہو یا بھول کر، کوئی حرج نہیں۔ اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ فسق ہے اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور ہے جیسے اور آیت میں ہے،

(أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ) 6 . الانعام:145)

بقول عطا ان جانوروں سے روکا گیا ہے جنہیں کفار اپنے معبودوں کے نام ذبح کرتے تھے اور مجوسیوں کے ذبیحہ سے بھی ممکن کی گئی، اس کا جواب بعض متاخرین نے یہ بھی دیا ہے کہ (وانہ) میں واؤ حالیہ ہے۔ تو فسق فعلیہ حالیہ پر لازم آئے گا، لیکن یہ دلیل اس کے بعد کے جملے (وان الشیاطین) سے ہی ٹوٹ جاتی ہے اس لئے کہ وہ تو یقیناً عاطفہ جملہ ہے۔ تو جس اگلے واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے اگر اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملے کا عطف ناجائز ہوگا اور اگر اسے پہلے کے حالیہ جملے پر عطف ڈالا جائے تو جو اعتراض یہ دوسرے پروارد کر رہے تھے وہی ان پر پڑے گا ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہٹ سکتا ہے لیکن جوبات اور دعویٰ تھا وہ سرے سے باطل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ ابن عباس کا قول ہے مراد اس سے مردار جانور ہے جو اپنی موت آپ مر گیا ہو۔ اس مذہب کی تائید ابوداؤد کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے۔

شکار کا شکاری کتوں کے ساتھ جواز کا بیان

وَيَجُوزُ الِاصْطِيَادُ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ ، وَالْفَهْدِ الْمُعَلَّمِ ، وَالْبَازِي وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ وَتَعْلِيمُ الْكَلْبِ أَنْ يَتْرُكَ الْأَكْلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَتَعْلِيمُ الْبَازِي أَنْ يَرْجِعَ إِذَا دَعَوْته فَإِنْ أَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ أَوْ بَازَهُ أَوْ صَقْرَهُ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى عِنْدَ إِرْسَالِهِ فَأَخَذَ الصَّيْدَ وَجَرَحَهُ فَمَاتَ حَلَّ أَكْلُهُ فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْكَلْبُ أَوْ الْفَهْدُ لَمْ يُؤْكَلْ وَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْبَازِي أُكِلَ وَإِنْ أَدْرَكَ الْمُرْسِلُ الصَّيْدَ حَيًّا وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُذَكِّيَهُ فَإِنْ تَرَكَ تَذْكِيَتَهُ حَتَّى مَاتَ لَمْ يُؤْكَلْ ،وَإِنْ خَنَقَهُ الْكَلْبُ وَلَمْ يَجْرَحْهُ لَمْ يُؤْكَلْ،

ترجمہ

سکھائے گئے کتے' چیتے' باز اور دوسرے سکھائے ہوئے زخمی کرنے والے جانوروں کے ذریعے شکار کرنا جائز ہے اور کتے کا سکھایا ہوا ہونا یہ ہے کہ وہ تین مرتبہ کھانا چھوڑ دے' اور باز' شاہین کا سکھایا ہوا ہونا یہ ہے کہ جب تو اسے بلائے' تو وہ واپس آجائے کسی نے اپنا سکھایا ہوا کتا باز یا شکرا شکار پر چھوڑ دیا' اور اسے چھوڑتے وقت اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تھا۔ پس اس جانور نے شکار پکڑ کر کے زخمی کر دیا' اور وہ مر گیا۔ تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ جب اس سے کتے یا چیتے نے کھالیا تو پھر اسے نہیں کھایا جائے گا۔ اگر باز نے

اس سے کھالیا تو پھر اسے کھالیا جائے گا۔ جب چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اسے ذبح کرنا واجب ہوگا۔ جب اس نے اسے ذبح نہ کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو نہیں کھایا جائے گا۔ جب کتے نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ زخمی نہ کیا تو اسے بھی نہیں کھایا جائے گا۔

شکاری کتے وغیرہ کے بارے میں شرائط کا بیان

شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور ان شروط سے حلال ہے (۱) شکاری جانور سدھا ہوا ہو (۲) شکار پر چھوڑا جائے (۳) اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے یعنی کتے کو سکھلایا جائے کہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ گو شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً چلا آئے۔ اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب اس کے کہنے میں نہیں تو شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے۔ اسی کو حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جب اس نے آدمی کی تعلیم سیکھی تو گویا آدمی نے ذبح کیا" (۴) چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لو یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ ان چار شرطوں کی تصریح تو نص قرآنی میں ہوگئی۔ (۵) شرط جو امام ابوحنیفہ کے نزدیک معتبر ہے کہ شکاری جانور اگرچہ شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے۔ اس کی طرف لفظ "جوارح" اپنے مادہ "جرح" کے اعتبار سے مشعر ہے۔ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہوئی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔ ہاں اگر مرا نہ ہوا اور ذبح کر لیا جائے تو **وما اکل السبع الا ماذکیتم** کے قاعدہ سے حلال ہوگا۔

شکاری جانور کا کچھ شکار کھا لینے پر حرمت وحلت صید میں مذاہب اربعہ

اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر شکاری جانور نے، خواہ وہ درندہ ہو یا پرندہ شکار میں سے کچھ کھالیا تو وہ حرام ہوگا کیونکہ اس کا کھالینا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے شکار کو مالک کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پکڑا۔ یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو تب بھی وہ حرام نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر ایک تہائی حصہ بھی وہ کھالے تو بقیہ دو تہائی حلال ہے، اور اس معاملے میں درندے اور پرندے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ شکاری درندے نے اگر شکار میں سے کھالیا ہو تو وہ حرام ہوگا، لیکن اگر شکاری پرندے نے کھایا ہو تو حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ شکاری درندے کو ایسی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ وہ شکار کو مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے، لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم قبول نہیں کرتا۔ یہ مسلک امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شکاری پرندے کا شکار سرے سے جائز ہی نہیں ہے، کیونکہ اسے تعلیم سے یہ بات سکھائی نہیں جاسکتی کہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ مالک کے لیے پکڑ رکھے۔

حلال چیزوں کا طیبات میں داخل ہونے کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طلائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت سعید فرماتے ہیں یعنی ذبح کیے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل فرماتے ہیں ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہری سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔

امام مالک سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں فرمایا وطیبات میں داخل نہیں اور تمہارے لئے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سدھائے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہ تابعین ائمہ وغیرہ کا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ شکاری سدھائے ہوئے کتے، باز، چیتے، شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جاسکتا ہو اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کرلے، ان کے ذریعہ شکار کھیلنا حلال ہے،

لیکن حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں آیت (وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ) 5۔ المائدہ:4) پڑھا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ابن جریر میں مروی ہے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو تم ذبح کر کے کھالو ورنہ نہ کھاؤ،

شکاری کتوں کا ایک حکم ہونے میں مذاہب اربعہ

لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو، اس کا اور شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے، ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے، امام ابن جریر بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے کیے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا" جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھالے" امام احمد نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کرلیا ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے،

کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں، گدھا، عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا "شیطان ہے۔" دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔

شکاری حیوانات کو جوارح اس لئے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو، جیسے عرب کہتے ہیں (فلان جرح اہلہ خیرا) یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کے لئے بھلائی حاصل کرلی اور عرب کہتے ہیں (فلان لا جارح لہ فلاں) شخص کا کوئی کماؤ نہیں، قرآن میں بھی لفظ جرح کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے فرمان ہے آیت (وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ) 6۔

(الانعام:60) یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اور اسے بھی اللہ جانتا ہے۔
اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کیے جانے لگے تو لوگوں نے آ کر آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس امت کے قتل کا حکم آپ نے دیا ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ خاموش رہے اس پر یہ آیت اتری۔ پس آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بسم اللہ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑ لے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھالے۔
ابن جریر میں ہے "جبرائیل نے حضور سے اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپ نے فرمایا اے قاصد رب ہم تو تمہیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا! ہم اس گھر میں نہیں جاتے، جس میں کتا ہو، اس پر آپ نے حضرت رافع کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں،
ابورافع فرماتے ہیں، میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا، ایک بڑھیا کے پاس کتا تھا، جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور زاری اس کے سامنے بھونکنے لگا، مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑو، میں پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا، اب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے، ان سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت (یسألونک) الخ، نازل ہوئی۔
حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے۔ حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں، زہری ربیعہ اور مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے، اسی کی طرف امام شافعی اپنے پہلے قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی سے ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھالیا ہو تو جو باقی ہو اسے وہ کھا سکتا ہے۔
اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریر نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمان سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان کا قول نقل کرتے ہیں یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں، ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابوثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے، اس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگرچہ کتے نے کھالیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو، انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے، پوچھا اگر وہ زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا بلکہ گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو، انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھا پی

سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے ابوداود کی دوسری حدیث میں ہے جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو اس شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں سے کھا بھی لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے تو اسے کھالے۔

حضرت عدی نے پوچھا اگرچہ اس نے اس میں سے کھا لیا ہو فرمایا ہاں پھر بھی، ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھا لیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گزر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھا لیا تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدی والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابوثعلبہ والی حدیث میں۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح حدیثیں بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ استاذ ابوالمعالی جوینی نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس بارہ میں یہ وضاحت کرے تو الحمد للہ یہ وضاحت لوگوں نے کر لی۔

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدیؓ کی حدیث میں ہے، اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر پرندہ اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مارے نہیں پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو کھالے۔

ابراہیم نخعی، شعبی، حماد بن سلیمان یہی کہتے ہیں ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو شکاری جانور یا شکار حاصل کرنے والے خود شکار کرنے والے اور سدھائے ہوئے تمہارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام لے لیا ہو اسے تم کھالو۔ پھر فرمایا جسے کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے میں نے کہا گو اسے مار ڈالا ہو فرمایا گو مار ڈالا ہو لیکن یہ شرط ہے کہ کھایا نہ ہو میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں؟ تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے بھی شکار کیا کرتے ہیں اس میں سے کونسا حلال ہے؟ فرمایا جو تیر زخمی کرے اور تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو اسے کھالے، وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتائی اور باز میں نہیں بتائی، پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا۔

کلب معلم کے ساتھ غیر معلم کے شریک ہونے کا بیان

وَإِنْ شَارَكَهُ كَلْبٌ غَيْرُ مُعَلَّمٍ أَوْ كَلْبُ مَجُوسِيٍّ أَوْ كَلْبٌ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ لَمْ يُؤْكَلْ وَإِذَا رَمَى الرَّجُلُ سَهْمًا إِلَى صَيْدٍ فَسَمَّى اللَّهَ تَعَالَى عِنْدَ الرَّمْيِ أُكِلَ مَا أَصَابَهُ إِذَا جَرَحَهُ السَّهْمُ فَمَاتَ وَإِنْ أَدْرَكَهُ حَيًّا ذَكَّاهُ وَإِنْ تَرَكَ تَذْكِيَتَهُ حَتَّى مَاتَ لَمْ يُؤْكَلْ وَإِذَا وَقَعَ السَّهْمُ بِالصَّيْدِ

فَتَحَامَلَ حَتّٰى غَابَ عَنْهُ وَلَمْ يَزَلْ فِي طَلَبِهِ حَتّٰى أَصَابَهُ مَيِّتًا أُكِلَ وَإِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهِ فَأَصَابَهُ مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ وَإِنْ رَمٰى صَيْدًا فَوَقَعَ فِي الْمَاءِ لَمْ يُؤْكَلْ وَكَذٰلِكَ إِذَا وَقَعَ عَلٰى سَطْحٍ أَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّٰى مِنْهُ إِلَى الْأَرْضِ فَمَاتَ لَمْ يُؤْكَلْ وَإِنْ وَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ ابْتِدَاءً أُكِلَ

ترجمہ

اور جب سکھائے ہوئے کتے کے علاوہ کوئی کتایا مجوسی کا کتا جس پر اللہ کا نام نہیں لیا تھا یہ شریک ہو گئے تو تبھی اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا۔ کسی نے شکار پر تیر چلایا اور تیر چلاتے وقت اللہ کا نام ذکر کر دیا تھا تو جسے وہ تیر لگے اس شکار کو کھالیا جائے گا۔ مگر اس وقت جب اس تیر نے اسے زخمی کر دیا ہو اور وہ مر جائے جب اسے زندہ پائے تو اسے ذبح کرے گا۔ جب اس نے اسے ذبح کرنا چھوڑ دیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ جب شکار کو تیر لگا۔ اور وہ تیر برداشت کر کے غائب ہو گیا اور شکاری اس کی تلاش میں رہا۔ یہاں تک کہ اسے مردہ پایا تو اسے کھالیا جائے گا۔ جب اس نے اسے تلاش نہ کیا بلکہ بیٹھ رہا۔ اس کے بعد اسے مردہ پایا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ کسی نے شکار کو تیر مارا اور وہ پانی میں گر گیا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ یونہی جب چھت پر اور پہاڑ پر گر کر زمین پر گر گیا تو بھی اسے نہیں کھایا جائے گا۔ جب شروع سے ہی زمین پر گرا تو کھالیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مسلم یا کتابی نے بسم اللہ پڑھ کر شکاری جانور کو شکار پر چھوڑا تب مرا ہوا شکار حلال ہوگا، اگر مجوسی یا بت پرست یا مرتد نے چھوڑا تو حلال نہیں جس طرح ان کا ذبیحہ حلال نہیں اگر چہ انہوں نے بسم اللہ پڑھی ہو اور اگر جانور کو چھوڑا نہیں بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ شکار پر دوڑ پڑا اور پکڑ کر مار ڈالا یہ شکار حلال نہیں۔ یوہیں اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کسی نے چھوڑا یا خود ہی جا کر پکڑ لایا، یہ معلوم نہیں کہ کس نے مسلم نے یا مجوسی نے، تو جانور حلال نہیں۔ شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جانور حلال ہے، جس طرح ذبح کرتے وقت اگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو حلال ہے، حرام اُس وقت ہے جب قصداً نہ پڑھے۔

اور شکار پر چھوڑتے وقت قصداً بسم اللہ نہیں پڑھی بلکہ جب کتے نے جانور پکڑا اس وقت بسم اللہ پڑھی جانور حلال نہ ہوا کہ بسم اللہ پڑھنا اُس وقت ضروری تھا اب پڑھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (ردالمحتار، کتاب صید، بیروت)

معلم وغیر معلم کتوں کے شکار کا بیان

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سکھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر اپنا سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑ دو تو جو کچھ تمہارے لیے اٹھا لائے اسے کھاؤ اور اگر وہ خود (یعنی کتا) اس میں سے کھانے لگے تو مت کھاؤ کیونکہ اس نے شکار اپنے لیے پکڑا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہمارے کتے کے ساتھ کچھ اور کتے بھی شامل ہو جائیں تو کیا کیا جائے۔ فرمایا تم نے اپنے کتے کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ

پڑھی تھی دوسرے کتوں پر نہیں۔ سفیان کہتے ہیں کہ اس شکار کا کھانا صحیح نہیں۔ بعض صحابہ اور دوسرے علماء اس پر عمل ہے کہ جب شکار اور ذبیحہ پانی میں گر جائیں تو اسے کھانا صحیح نہیں۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کیے جانے والے جانور کا حلقوم کٹ جانے کے بعد وہ پانی میں گر کر مرے تو اس کا کھانا جائز ہے ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ کتا شکار سے کچھ کھائے تو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اگر کتا شکار سے کچھ کھائے تو اب اسے نہ کھاؤ۔ سفیان ثوری بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم اسنے اس کی اجازت دی اگرچہ کتے نے اس سے کھایا ہو۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1513)

شکاری جانور کو چھوڑتے وقت تسمیہ کہنے پر جمہور کا مذہب

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدی اور حضرت ابو ثعلبہ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمد وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لئے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔

جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے، ابن عباس سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بسم اللہ کہہ لے ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابو سلمہ کے ربیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا لوگ ہمارے پاس جو لوگ گوشت لاتے ہیں وہ تو مسلم ہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں آپ نے فرمایا تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھالو۔

مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر دو لقمے اس میں سے اٹھائے آپ نے فرمایا اگر یہ بسم اللہ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آجائے کہدے دعا (بسم اللہ اولہ واخرہ) یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔ دوسری سند سے یہ حدیث ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ جابر بن صبیح فرماتے ہیں۔ حضرت مثنی بن عبد الرحمن خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا ان کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت دعا (بسم اللہ اولہ اخرہ) کہہ لیا کرتے اور مجھ سے انہوں نے فرمایا کہ خالد بن امیہ بن مخشی صحابی کا فرمان ہے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ کھانا کھاتا رہتا ہے جس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو جب کھانے والا اللہ کا نام یاد کرتا ہے تو اسے قے ہو جاتی ہے اور جتنا اس نے کھایا ہے سب نکل جاتا ہے (مسند احمد وغیرہ)

اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ کہتے ہیں لیکن ابو الفتح ازدی فرماتے ہیں یہ دلیل لینے کے قابل راوی نہیں۔ حضرت

حذیفہ فرماتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی، جیسے کوئی اسے دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اعرابی کے ساتھ میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

(مسند، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانو نہ تو تمہارے لئے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ اس کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ مسند، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہوگے کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں اللہ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

شکاری جانور کے کچھ کھا لینے حکم میں مذاہب اربعہ

اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر شکاری جانور نے، خواہ وہ درندہ ہو یا پرندہ شکار میں سے کچھ کھا لیا تو وہ حرام ہوگا کیونکہ اس کا کھا لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس نے شکار کو مالک کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے پکڑا۔ یہی مسلک امام شافعی کا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اگر اس نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تب بھی وہ حرام نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اگر ایک تہائی حصہ بھی وہ کھا لے تو بقیہ دو تہائی حلال ہے، اور اس معاملے میں درندے اور پرندے کے درمیان کچھ فرق نہیں۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ شکاری درندے نے اگر شکار میں سے کھا لیا ہو تو وہ حرام ہوگا، لیکن اگر شکاری پرندے نے کھایا ہو تو حرام نہ ہوگا۔ کیونکہ شکاری درندے کو ایسی تعلیم دی جاسکتی ہے کہ وہ شکار کو مالک کے لیے پکڑ رکھے اور اس میں سے کچھ نہ کھائے، لیکن تجربہ سے ثابت ہے کہ شکاری پرندہ ایسی تعلیم قبول نہیں کرتا۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب کا ہے۔ اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شکاری پرندے کا شکار سرے سے جائز ہی نہیں ہے، کیونکہ اسے تعلیم سے یہ بات سکھائی نہیں جاسکتی کہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ مالک کے لیے پکڑ رکھے۔

تیر لگ کر پانی میں گرنے والے شکار میں فقہی مذاہب

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سکھائے ہوئے کتے کے شکار کا حکم پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر اپنا سکھایا ہوا کتا شکار پر چھوڑو تو جو کچھ تمہارے لیے اٹھا لائے اسے کھاؤ اور اگر وہ خود (یعنی کتا) اس میں سے کھانے لگے تو مت کھاؤ کیونکہ اس نے شکار اپنے لیے پکڑا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اگر ہمارے کتے کے ساتھ کچھ اور کتے بھی شامل ہو جائیں تو کیا کیا جائے۔ فرمایا تم نے اپنے کتے کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ پڑھی تھی دوسرے کتوں پر نہیں۔ سفیان کہتے ہیں کہ اس شکار کا کھانا صحیح نہیں۔ بعض صحابہ اور دوسرے علماء اس پر عمل ہے کہ جب شکار اور ذبیحہ پانی میں گر جائیں تو اسے کھانا صحیح نہیں۔

لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر ذبح کئے جانے والے جانور کا حلقوم کٹ جانے کے بعد وہ پانی میں گر کر مرے تو اس کا کھانا جائز ہے ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ کتا شکار سے کچھ کھائے تو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اگر کتا شکار سے کچھ کھائے تو اب اسے نہ کھاؤ۔ سفیان ثوری بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم نے اس کی اجازت دی اگرچہ کتے نے اس سے کھایا ہو۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1513)

غلیل و بندوق وغیرہ سے شکار کرنے کا بیان

وَمَا أَصَابَ الْمِعْرَاضَ بِعَرْضِهِ لَمْ يُؤْكَلْ وَإِنْ جَرَحَهُ أُكِلَ وَلَا يُؤْكَلُ مَا أَصَابَتْ الْبُنْدُقَةُ إِذَا مَاتَ مِنْهَا وَإِذَا رَمَى صَيْدًا فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ أُكِلَ الصَّيْدُ وَلَا يُؤْكَلُ الْعُضْوُ وَإِنْ قَطَعَهُ أَثْلَاثًا، وَالْأَكْثَرُ مِمَّا يَلِي الْعَجُزَ أُكِلَ الْجَمِيعُ وَلَا يُؤْكَلُ صَيْدُ الْمَجُوسِيِّ، وَالْمُرْتَدِّ، وَالْوَثَنِيِّ، وَالْمُحْرِمِ وَمَنْ رَمَى صَيْدًا فَأَصَابَهُ وَلَمْ يُثْخِنْهُ وَلَمْ يُخْرِجْهُ مِنْ حَيِّزِ الِامْتِنَاعِ فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلثَّانِي وَيُؤْكَلُ وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَثْخَنَهُ فَرَمَاهُ الثَّانِي فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ وَلَمْ يُؤْكَلْ

ترجمہ

اور وہ جسے لمبائی کے علاوہ چوڑائی کی جانب تیر لگا تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ جب اس نے اسے زخمی کر دیا تو کھالیا جائے گا۔ جس شکار کو غلہ لگے اور وہ اس سے مر جائے تو اسے بھی نہیں کھایا جائے گا۔ جب کسی نے شکار کو تیر مار کر اس کا کوئی عضو جدا کر دیا تو اس شکار کو کھالیا جائے گا۔ مگر اس کا وہ عضو نہیں کھایا جائے گا۔ جب اسے تیر نے تین ٹکڑے کر دیا تو جو پچھلے حصے سے سرین سے ملا ہوا ہو۔ جب وہ زیادہ ہو تو وہ سارا کھالیا جائے گا۔ اور مجوسی مرتد بت پرست اور محرم کا شکار نہیں کھایا جائے گا۔ کسی نے شکار کو تیر مارا وہ اسے لگا بھی مگر اس نے اسے سست نہ کیا اور اسے دفاعی حصار سے نہ نکالا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی نے اسے تیر مار کر ہلاک کر دیا تو وہ دوسرے کا ہوگا۔ جب پہلے شکاری نے اسے سست کر دیا تھا پھر دوسرے نے تیر مار کر کے اسے ہلاک کر دیا۔ اس صورت میں وہ پہلے کا ہوگا لیکن اسے کھایا نہیں جائے گا۔

شرح

حضرت عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تربیت یافتہ (یعنی سکھائے ہوئے) کتوں کو (شکار کے پیچھے) چھوڑتے ہیں!؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے کتے تمہارے لئے جو شکار پکڑ کر رکھیں۔ "میں نے عرض کیا" اگرچہ وہ کتے شکار کو مار ڈالیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہاں اگرچہ مار ڈالیں!" پھر میں نے عرض کیا

کہ "ہم شکار پر بغیر پر کا تیر چلاتے ہیں (اور اس کے ذریعہ شکار کر لیتے ہیں تو کیا وہ شکار کھانا درست ہے؟)" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شکار کو وہ تیر زخمی کر دے (یعنی اگر وہ تیر سیدھا جا کر نوک کی جانب سے شکار کو لگے اور وہ مر جائے) تو اس کو کھالو اور اگر وہ تیر (نوک کی جانب سے نہیں بلکہ) عرض یعنی چوڑائی کی جانب سے جا کر اس شکار کو (اس طرح) لگے (کہ وہ شکار کو زخمی نہ کرے) اور وہ مر جائے تو وہ وقیذ ہے اس کو نہ کھاؤ۔" (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 3)

معراض "اس تیر کو کہتے ہیں جو بے پر کا ہو۔ ایسا تیر سیدھا جا کر نوک کی طرف سے نہیں بلکہ چوڑائی کی طرف سے جا کر لگتا ہے۔ "وہ وقیذ ہے۔" اصل میں وقیذ اور موقوذ اس جانور کو کہتے ہیں جو غیر دھار دار چیز سے مارا جائے خواہ وہ لکڑی ہو یا پتھر یا اور کوئی چیز۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معراض یعنی بغیر پر کے تیر کے ذریعہ شکار کرنے کی صورت میں اگر وہ (معراض) اس شکار کو اپنی دھار کے ذریعہ مار ڈالے تو وہ حلال ہوگا اور اگر معراض نے اس کو اپنی چوڑائی کے ذریعہ مارا ہے تو وہ حلال نہیں ہوگا، نیز علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث معراض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ شکار حلال نہیں ہے جس کو بندقہ یعنی گولی اور غلہ کے ذریعہ مار ڈالا گیا ہو۔

اور وہ شکار جو معراض کے چوڑان کی طرف سے (چوٹ کھا کر) مرا ہو اس لئے حلال نہیں ہوتا کہ مذکورہ صورت میں شکار کا زخمی ہونا ضروری ہے تا کہ ذبح کے معنی متحقق ہو جائیں جب کہ معراض کا چوڑان شکار کو زخمی نہیں کرتا اسی لئے وہ شکار بھی حلال نہیں ہوتا، جو موٹی دھار کے بندقہ کے ذریعہ مار ڈالا گیا ہو۔ کیونکہ بندقہ ہڈی کو توڑ دیتا ہے زخمی نہیں کرتا اس لئے وہ معراض کے حکم میں ہوتا ہے ہاں اگر بندقہ میں ہلکی دھار ہو اور شکار اس کے ذریعہ مر گیا ہو تو وہ حرام نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں اس کی موت زخم کے ساتھ محقق ہوئی ہے۔

اگر کسی شخص نے شکار پر چھری یا تلوار پھینک کر ماری اور وہ شکار مر گیا تو وہ حلال ہوگا بشرطیکہ وہ چھری یا تلوار دھار کی طرف سے جا کر لگی ہو ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر شکار کے کوئی ایسا ہلکا پتھر پھینک کر مارا گیا ہو جس میں دھار ہو اور شکار کو زخمی کر دے تو اس شکار کو بھی کھایا جا سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں اس شکار کی موت زخم کے ذریعہ متیقن ہوگی جب کہ اگر شکار کو بھاری پتھر پھینک کر مارا گیا ہو تو اس کو کھانا جائز نہیں ہوگا اگر چہ وہ زخمی بھی کر دے کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ شکار اس پتھر کی چوٹ کے ذریعہ (جیسے ہڈی وغیرہ ٹوٹنے کی وجہ سے) مرا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اگر شکار کی موت اس کے زخمی ہو جانے کی وجہ سے واقع ہوئی ہو اور اس کا یقین بھی ہو تو اس کو کھایا جا سکتا ہے اور اگر اس کی موت چوٹ کے اثر سے واقع ہوئی اور اس کا یقین ہو تو اس شکار کو قطعاً نہ کھایا جائے اور اگر شک کی صورت ہو (کہ اس کا مرنا زخمی ہونے کی وجہ سے بھی محتمل ہو اور چوٹ کے اثر سے بھی محتمل ہو) تو بھی احتیاطاً اس کو نہ کھایا جائے۔

اور غلیل سے شکار کیا اور جانور مر گیا تو کھایا نہ جائے اگر چہ جانور مجروح ہو گیا ہو کہ غلیلہ کاٹتا نہیں بلکہ توڑتا ہے یہ موقوذہ ہے جس طرح تیر مارا اور اس کی نوک نہیں لگی بلکہ پٹ ہو کر شکار پر لگا اور مر گیا جس کی حدیث میں حرمت مذکور ہے۔ اور بندوق کا شکار

مرجائے یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا پتھر ابھی آلہ جارحہ نہیں بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑا کرتا ہے۔

اور دھاردار پتھر سے مارا اگر پتھر بھاری ہے تو کھایا نہ جائے کیونکہ اس میں اگر یہ احتمال ہے کہ زخمی کرنے سے مرا تو یہ احتمال بھی ہے کہ پتھر کے بوجھ سے مرا ہوا اور اگر وہ ہلکا ہے تو کھایا جائے کہ یہاں مرنا جراحت کی وجہ سے ہے۔ (ردالمحتار، کتاب صید، بیروت)

بندوق والے شکار کی ممانعت کا بیان

حضرت ابوثعلبہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی شخص کا مال لوٹنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی دانت والے درندہ کا کھانا اور نہ ہی مجثمہ (یعنی وہ جانور جس کو تیر سے یا بندوق وغیرہ کی گولیوں سے نشانہ بنایا جائے)۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 630)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے کتے کو شکار پر چھوڑو اور اللہ کا نام لے لو اپنے کتے کے ساتھ کوئی دوسرا کتا بھی پاؤ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اس جانور کو شک کتے نے شکار کیا ہے اور جب تم کسی شکار پر تیر چلاؤ، جو آر پار گذر جائے تو اسے کھالو، ورنہ مت کھاؤ اور چوڑائی سے لگنے والے تیر کا شکار مت کھاؤ الا یہ کہ اسے ذبح کرلو اور بندوق کی گولی کا شکار مت کھاؤ الا یہ کہ اسے ذبح کرلو۔ (مسند احمد: جلد ہشتم: حدیث نمبر 1188)

نافع نے کہا میں نے دو چڑیاں ماریں پتھر سے جرف میں ایک مرگئی اس کو پھینک دیا عبداللہ بن عمر نے اور دوسری کو دوڑے ذبح کرنے کو بسولے سے وہ مرگئی ذبح سے پہلے، اس کو بھی پھینک دیا عبداللہ بن عمر نے، قاسم بن محمد؛ اس جانور کو کھانا مکروہ جانتے تھے جو لاٹھی یا گولی سے مارا جائے، سعید بن مسیب مکروہ جانتے تھے ملے ہوئے جانور کا مارنا اس طرح جیسے شکار کو مارتے ہیں تیر وغیرہ سے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 950)

مجثمہ کا فقہی مفہوم

وہب بن خالد سے روایت ہے کہ مجھے ام حبیبہ بنت عرباض بن ساریہ نے اپنے والد کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر ہر دانتوں والے درندے، ہر پنجوں والے پرندے، پالتو گدھوں، مجثمہ اور خلیسہ کے کھانے سے منع فرمایا؛ اور حاملہ باندیوں کے ساتھ بچہ پیدا ہونے سے پہلے جماع کرنے سے بھی منع فرمایا۔ محمد بن یحیٰ کہتے ہیں کہ یہ قطعی ممانعت ہے۔ ابوعاصم سے مجثمہ کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا مجثمہ یہ ہے کہ شکار یا کسی اور چیز کو سامنے باندھ کر تیر چلائے جائیں پھر ان سے خلیسہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا خلیسہ وہ جانور ہے جسے کوئی شخص بھیڑیئے یا درندے وغیرہ سے چھین لے اور وہ اس کے ذبح کرنے سے پہلے ہی مرجائے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1518)

بندوق والے شکار کی اباحت کا بیان

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک بندوق سے شکار کرنا مباح ہے۔ اسی طرح مودودی نے لکھا

۴-

دوسرے پر قیمت لازم ہونے کا بیان

وَالثَّانِي ضَامِنٌ لِقِيمَتِهِ لِلْأَوَّلِ غَيْرَ مَا نَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ وَيَجُوزُ اصْطِيَادُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الْحَيَوَانِ وَمَا لَا يُؤْكَلُ وَذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ ، وَالْكِتَابِيِّ حَلَالٌ وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ الْمَجُوسِيِّ ، وَالْمُرْتَدِّ ، وَالْوَثَنِيِّ وَالْمُحْرِمِ وَإِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمْدًا فَالذَّبِيحَةُ مَيْتَةٌ لَا يَحِلُّ أَكْلُهَا وَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَتْ

ترجمہ

اور دوسرا پہلے کو اس کی قیمت کا جرمانہ ادا کرے گا۔ مگر وہ اس نقصان کے علاوہ ہوگا جو اس کے زخم نے کیا جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا بھی اور جس کا نہیں کھایا جاتا اس کا شکار کرنا بھی جائز ہے۔ مسلمان اور کتابی کا ذبح کیا ہوا حلال ہے۔ مگر مجوسی مرتد بت پرست اور محرم کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ جب ذبحہ کرنے والے نے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا چھوڑ دیا ذکر نہ کیا تو وہ ذبیحہ مردار ہوگا۔ اسے نہیں کھایا جائے گا لیکن جب بھول کر کے اس نے ذکر نہ کیا تو کھالیا جائے گا۔

شرح

اہلِ کتاب کا ذبیحہ حلال ہے، مگر اس میں چند اُمور کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اوّل: ذبح کرنے والا واقعتاً صحیح اہلِ کتاب بھی ہو، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قومی حیثیت سے یہودی یا عیسائی کہلاتے ہیں، مگر عقیدۃً دہریئے ہیں اور وہ کسی دین و مذہب کے قائل نہیں، ایسے لوگ شرعاً اہلِ کتاب نہیں، اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

دوم: بعض لوگ پہلے مسلمان کہلاتے تھے، پھر یہودی یا عیسائی بن گئے، یہ لوگ بھی اہلِ کتاب نہیں بلکہ شرعاً مرتد ہیں، اور مرتد کا ذبیحہ مردار ہے۔

سوم: یہ بھی ضروری ہے کہ ذبح کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر (بسم اللہ کے ساتھ) ذبح کیا ہو، اس کے بغیر بھی حلال نہیں، چہ جائیکہ کسی کتابی کا۔

چہارم: ذبح کرنے والے نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہو، آج کل مغربی ممالک میں مشین سے جانور کاٹے جاتے ہیں اور ساتھ میں بسم اللہ اللہ اکبر کی ٹیپ لگادی جاتی ہے، گویا بسم اللہ کہنے کا کام آدمی کے بجائے ٹیپ کرتی ہے، اور ذبح کا کام آدمی کے بجائے مشین کرتی ہے، ایسے جانور حلال نہیں بلکہ مردار کے حکم میں ہیں۔

یہودی کا ذبیحہ جائز ہونے کی شرائط

یہودی اگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہو اور اپنی کتاب کو مانتا ہو تو وہ اہلِ کتاب ہے، اس کا ذبیحہ جائز ہے، بشرطیکہ اللہ کے نام سے ذبح کرے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت میں تحقیقی بیان

حلال وحرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں، پھر یہود ونصاریٰ کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔

حضرت ابن عباس، ابوامامہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء، حسن، مکحول، ابراہیم نخعی، سدی، مقاتل بن حیان یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے، جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے، علماء اسلام کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے، کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک ومنزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی، میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دونگا، اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرمار ہے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، تینوں مذہب کے فقہاء نے مالکیوں پر اپنی سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو یہ غلط ہے کیونکہ چربی کو یہودی حرام جانتے ہیں لیکن مسلمان کے لئے حلال ہے لیکن یہ ایک شخص کا انفرادی واقعہ ہے۔ البتہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی، اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے، جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شانے کا گوشت پسند ہے، چنانچہ آپ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا، مجھ میں زہر ملا ہوا ہے،

آپ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ گیا، آپ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور بھی تھے، جو اسی کے اثر سے راہی بقاء ہوئے، جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا، جس کا نام زینب تھا، وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حلال جانتے ہو اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی، حضرت مکحول فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کیے جانور حلال کر دئے یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام الٰہی نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے

تھے بلکہ جس گوشت کو کھاتے تھے اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھالیتے تھے لیکن سامرہ اور صائبہ اور ابراہیم وشیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی اس سے مستثنیٰ تھے، جیسے کہ علماء کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنوتغلب، تنوخ بہرا، جذام لخم، عاملہ کے ایسے اور بھی ہیں کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی فرماتے ہیں قبیلہ بنوتغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ، اس لئے کہ انہوں نے تو نصرانیت سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی، ہاں سعید بن مسیب اور حسن بنوتغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کیئے ہوئے جانور کے کھالینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے،

مجوسیوں کے ذبیحہ کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

اور مجوسی ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود ونصاریٰ میں ملا دیا گیا ہے اور ان کا ہی تابع کر دیا گیا ہے، لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کیئے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔

ہاں ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کے خلاف ہیں، جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی ہے۔

یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے تو فرمایا کہ ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ، ممکن ہے ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہو جس میں حکم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں دوسرے یہ روایت مرسل ہے،

ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا۔ علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں، تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے، پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہو سکتا ہے، پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھا سکتا ہے بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو، لیکن زیادہ باوزن بات پہلی ہی ہے۔ یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کیئے ہوئے جانور تم کھالیتے ہو۔ یہ گویا اول بدل کے طور پر ہے،

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے ہیں کفن دیا جس کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس کو اپنا کرتا دیا تھا جب وہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کسی کو نہ کھلا اسے

اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے، ہوسکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو، فقہاء احناف کا مؤقف ہدایہ کے متن میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔

ترک تسمیہ میں سہو کی صورت حلت وحرمت پر اختلاف ائمہ اربعہ

مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ لیتا تو اللہ کا نام ہی لیتا۔ اس کی مضبوطی دارقطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ ذکر کرے تو کھالیا کرو کیونکہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے،

اسی مذہب کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش ہوسکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ نومسلموں کے ذبیحہ کے کھانے کی جس میں دونوں احتمال تھے آپ نے اجازت دی تو اگر بسم اللہ کا کہنا شرط اور لازم ہوتا تو حضور تحقیق کرنے کا حکم دیتے، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کہنا بوقت ذبح بھول گیا ہے تو ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ کہی جائے وہ حرام ہے اسی لئے امام ابو یوسف اور مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم اسے بیچنے کا حکم بھی دے تو وہ حکم جاری نہیں ہوسکتا کیونکہ اجماع کے خلاف ہے۔

امام ابوجعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ بھول کر نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ حرام کہا ہے انہوں نے اور دلائل سے اس حدیث کی بھی مخالفت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم کو اس کا نام ہی کافی ہے اگر وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا بھول گیا تو اللہ کا نام لے اور کھالے۔

یہ حدیث بیہقی میں ہے لیکن اس کا مرفوع روایت کرنا خطا ہے اور یہ خطا معقل بن عبید اللہ خرزمی کی ہے، ہیں تو یہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے مگر سعید بن منصور اور عبد اللہ بن زبیر حمیری اسے عبد اللہ بن عباس سے موقوف روایت کرتے ہیں۔ بقول امام بیہقی یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ شعبی اور محمد بن سیرین اس جانور کا کھانا مکروہ جانتے تھے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو گو بھول سے ہی رہ گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ سلف کراہیت کا اطلاق حرمت پر کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

ہاں یہ یاد رہے کہ امام ابن جریر کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان دو ایک قولوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جو جمہور کے مخالف ہوں اور اسے اجماع شمار کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بہت سے پرند ذبح شدہ آئے ہیں ان سے بعض کے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور بعض پر بھول سے رہ گئی ہے اور سب غلط ملط ہو گئے ہیں آپ نے فتویٰ دیا کہ سب کھالو، پھر محمد بن سیرین سے یہی سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جن پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا انہیں نہ کھاؤ۔

اس تیسرے مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطاء کو بھول کو اور جس کام پر زبردستی کی جائے اس کو معاف فرمادیا ہے لیکن اس میں ضعف ہے ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ بتایئے تو ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا نام ہر مسلمان کی زبان پر ہے (یعنی وہ حلال ہے) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے،

مردان بن سالم ابو عبداللہ شامی اس حدیث کا راوی ہے اوران پر بہت سے ائمہ نے جرح کی ہے، واللہ اعلم، میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس میں تمام مذاہب اوران کے دلائل وغیرہ تفصیل سے لکھے ہیں اور پوری بحث کی ہے، بظاہر دلیلوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے لیکن اگر کسی مسلمان کی زبان سے جلدی میں یا بھولے سے یا کسی اور وجہ سے نہ نکلے اور ذبح ہو گیا تو وہ حرام نہیں ہوتا۔

عام اہل علم تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں لیکن بعض حضرات کہتے ہیں اس میں اہل کتاب کے ذبیحہ کا استثناء کر لیا گیا ہے اوران کا ذبح کیا ہوا حلال جانور کھا لینا ہمارے ہاں حلال ہے تو گو وہ اپنی اصطلاح میں اسے نسخ سے تعبیر کریں لیکن دراصل یہ ایک مخصوص صورت ہے پھر فرمایا کہ شیطان اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر سے جب کہا گیا کہ مختار گمان کرتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے۔ شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ اس وقت مختار حج کو آیا ہوا تھا۔ ابن عباس کے اس جواب سے کہ وہ سچا ہے اس شخص کو سخت تعجب ہوا اس وقت آپ نے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک تو اللہ کی وحی جو آنحضرت کی طرف آئی اور ایک شیطانی وحی ہے جو شیطان کے دوستوں کی طرف آتی ہے۔ شیطانی وساوس کو لے کر لشکر شیطان اللہ والوں سے جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارا ہوا جانور تو کھالیں اور جسے اللہ مار دے یعنی اپنی موت آپ مر جائے اسے نہ کھائیں؟ اس پر یہ آیت اتری اور بیان فرمایا کہ وجہ حلت اللہ کے نام کا ذکر ہے لیکن ہے یہ قصہ غور طلب اولاً اس وجہ سے کہ یہودی از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں جانتے تھے دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہودی تو مدینے میں تھے اور یہ پوری سورت مکہ میں اتری ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث ترمذی میں مروی تو ہے لیکن مرسل طبرانی میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھالو اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریشیوں سے کہلوا بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ جھگڑیں اور کہیں کہ جسے تم اپنی چھری سے ذبح کرو وہ تو حلال اور جسے اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے خود ذبح کرے وہ حرام؟ یعنی میتہ از خود مرا ہوا جانور۔ اس پر یہ آیت اتری، پس شیاطین سے مراد فارسی ہیں اوران کے اولیاء قریش ہیں اور بھی اس طرح کی بہت سی روایتیں کئی ایک سندوں سے مروی ہیں لیکن کسی میں بھی یہود کا ذکر نہیں پس صحیح یہی ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہود مدینے میں تھے اور اس لئے بھی کہ یہودی خود مردار خوار نہ تھے۔ ابن عباس فرماتے ہیں جسے تم نے ذبح کیا یہ تو وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور جو از خود مر گیا وہ وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، انعام ۱۲۱)

وقت ذبح غیر خدا کا نام لینے کے سبب حرمت ذبیحہ پر مذاہب اربعہ

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اہل کتاب میں سے کوئی شخص ذبح کے وقت مسیح کا نام لے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ مالکیہ ذبیحہ کی حلت کے لیے شرط لگاتے ہیں کہ اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

شافعیہ مسلمان کے ذبیحہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور ذبح کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے لے اور اس سے اس کی نیت شرک کی ہو تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔

حنابلہ کہتے ہیں کہ نصرانی اگر ذبح کے وقت مسیح کا نام لے لے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ مذاہب اربعہ اس کی حرمت پر متفق ہیں تو وہ کن علما کی اکثریت ہے جو اسے حلال قرار دیتی ہے؟

ترک تسمیہ بطور سہو کی صورت میں حلت پر فقہی اختلاف

وہ مطلق حرام ہے جیسا کہ آیت و لا تاکلو الخ کے عموم سے واضح ہوتا ہے جو کہ تینوں شکلوں کو شامل ہے۔ مطلق حلال ہے۔ یہ امام شافعی کا مسلک ہے ان کے نزدیک متروک التسمیہ ذبیحہ ہر صورت میں حلال ہے، تسمیہ کا ترک خواہ عمداً ہوا ہو یا نسیاناً۔ بشرطیکہ اسے اہل الذبح نے ذبح کیا ہو۔ امام موصوف آیت کے عموم کو المیۃ اور اھل لغیر اللہ بہ والی آیات کے ساتھ خصوص میں تبدیل کر کے اس کی دلالت کو صرف اول الذکر دو شکلوں تک محدود کرتے ہیں،

تیسری شکل کے جواز میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہر مومن کے دل میں ہر حالت میں اللہ کا ذکر بھی موجودہء۔ اس پر عدم ذکر کی کبھی حالت طاری نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کا ذبیحہ بھی ہر صورت میں حلال ہے۔ اس کی حلت اس وقت حرمت میں تبدیل ہوگی جب کہ ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ بغیر تسمیہ کو فسق فرمایا ہے۔

بہر حال اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ جس جانور کو مسلمان نے ذبح کیا ہو اور اس پر ذکر اللہ ترک کر دیا ہو اس کا گوشت کھانا فسق کے حکم میں نہیں ہے۔ کیونکہ آدمی کسی اجتہادی حکم کی خلاف ورزی سے فسق کا مرتکب نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ بما لم یذکر اسم اللہ کا اطلاق صرف پہلی دو شکلوں پر ہوگا۔ اس کی تائید اگلی آیت شیاطین اپنے ساتھیوں کے ذہنوں میں اعتراضات القا کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑیں سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اولیا الشیاطین کا مجادلہ صرف دو مسئلوں پر تھا۔

پہلا مردار کے مسئلہ پر تھا۔ جس کے بارے میں وہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ جسے باز اور کتا مارے اُسے تم کھا لیتے ہو اور جسے اللہ مارے اُسے تم نہیں کھاتے۔

اس ارشاد کی رُو سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اطاعت کفار و مشرکین متروک التسمیہ طعام کھا لینے سے نہیں ہوگی بلکہ مردار کو مباح ٹھہرانے اور بتوں پر جانوروں کی قربانی دینے اور ذبح کرنے سے ہوگی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام عمداً ترک کیا تو اس کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر اس سے سہواً ترک ہوا ہے تو ذبیحہ حلال ہے۔ امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ آیت ولا تاکلو میں تینوں شکلیں داخل ہیں اور تینوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے لیکن سہواً۔ متروک التسمیہ ذبیحہ اس آیت کے حکم سے دو وجوہ سے خارج ہے۔ اولاً اس لیے کہ انہ لفسق کی ضمیر لم یذکر اسم اللہ کی جانب راجع ہے۔ کیونکہ یہ قریب ہے اور ضمیر کو قریبی مرجع کی جاب لوٹانا اولی ہے۔ پس بلاشبہ تسمیہ کو قصداً نظر انداز کرنے والا فاسق ہے۔ لیکن جو سہو کا شکار ہو گیا ہو وہ غیر مکلف ہے اور خارج از حکم ہے۔ اس لیے ایت کے یہ معنی ہوں گے کہ

جس جانور پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھائیں اور ناسی خود بخود حکم سے مستثنیٰ قرار پائے گا۔
دوسری دلیل امام صاحب یہ دیتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ اگر جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اُس کا گوشت کھالو۔ اللہ کا نام ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔

ذبح کے طریقے کا فقہی بیان

وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ، وَاللَّبَّةِ وَالْعُرُوقُ الَّتِي تُقْطَعُ فِي الذَّكَاةِ أَرْبَعَةٌ الْحُلْقُومُ وَالْمَرِيءُ وَالْوَدَجَانِ فَإِذَا قَطَعَهَا حَلَّ الْأَكْلُ وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَهَا فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا بُدَّ مِنْ قَطْعِ الْحُلْقُومِ، وَالْمَرِيءِ وَأَحَدِ الْوَدَجَيْنِ وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِاللِّيطَةِ، وَالْمَرْوَةِ وَبِكُلِّ شَيْءٍ أَنْهَرَ الدَّمَ إِلَّا السِّنَّ الْقَائِمَةَ، وَالظُّفُرَ الْقَائِمَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَحُدَّ الذَّابِحُ شَفْرَتَهُ وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّينِ النُّخَاعَ أَوْ قَطَعَ الرَّأْسَ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ وَتُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ فَإِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهَا فَإِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً حَتَّى قَطَعَ الْعُرُوقَ جَازَ وَيُكْرَهُ وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوقِ لَمْ تُؤْكَلْ وَمَا اسْتَأْنَسَ مِنَ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ وَمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ وَالْجَرْحُ،

ترجمہ

اور ذبح کرنا حلق اور سینے کی ہڈی سے درمیان سے ہوتا ہے۔ جو رگیں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔ حلقوم مرئی اور دو شہ رگیں ہیں۔ جب انہیں کاٹا تو کھانا حلال ہوگا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب اکثر کاٹ دیں تب بھی صحیح ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلقوم مرئی اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے۔ کھپچی پتھر اور ہر ایسی چیز جو خون جاری کردے اس سے ذبح کر لینا جائز ہے۔ مگر لگے ہوئے دانت اور ناخن کے علاوہ ذبح کرنے والے کا اپنی چھری کو تیز کر لینا مستحب ہے۔ کسی نے چھری حرام مغز تک پہنچادی یا سر ہی جدا کر دیا تو یہ مکروہ ہوگا۔ مگر اس کا ذبح کیا ہوا کھالیا جائے گا۔ جس نے بکری گدی کی جانب سے ذبح کی۔ جب وہ اتنی دیر زندہ رہی کہ اس نے رگیں کاٹ دیں تو یہ جائز ہوگی مگر مکروہ ہوگی جب رگیں کاٹنے سے قبل ہی مرگئی تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ جو جانور شکار سے مانوس ہو چکا ہو اس کی ذکاۃ یعنی اس کے شکار کیے گئے جانور کو پاکی کی خاطر ذبح کرنا ہوتا ہے۔ جو جانور وحشی ہوں انہیں نیزہ مار کر یا زخمی کر کے ذبح کرتے ہیں اور اونٹ میں نحر کرنا ہی مستحب ہے۔ جب ذبح کرے تو ہے یہ بھی جائز ہے۔

ذبح میں معروف چار رگوں کے کٹنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو رگیں ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔ حلقوم یہ وہ ہے جس میں سانس آتی جاتی ہے، مرّی اس سے کھانا پانی اوترتا ہے ان دونوں کے اغل بغل اور دو رگیں ہیں جن میں خون کی روانی ہے ان کو، ودجین کہتے

ہیں۔

پورا حلقوم ذبح کی جگہ ہے یعنی اوس کے اعلی، اوسط، اسفل جس جگہ میں ذبح کیا جائے جانور حلال ہوگا۔ آج کل چونکہ چمڑے کا نرخ زیادہ ہے اور یہ وزن یا ناپ سے فروخت ہوتا ہے اس لیے قصاب اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح چمڑے کی مقدار بڑھ جائے اور اس کے لیے یہ ترکیب کرتے ہیں کہ بہت اوپر سے ذبح کرتے ہیں اور اس صورت میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ذبح فوق العقدہ ہو جائے اور اس میں علما کو اختلاف ہے کہ جانور حلال ہوگا یا نہیں۔ اس باب میں قول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں اگر تین رگیں کٹ جائیں تو جانور حلال ہے ورنہ نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار، کتاب ذبائع، بیروت)

اور علماء کا یہ اختلاف اور رگوں کے کٹنے میں احتمال دیکھتے ہوئے احتیاط ضروری ہے کہ یہ معاملہ حلت وحرمت کا ہے۔ اور ایسے مقام پر احتیاط لازم ہوتی ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور ذبح کی چار رگوں میں سے تین کا کٹ جانا کافی ہے یعنی اس صورت میں بھی جانور حلال ہو جائے گا کہ اکثر کے لیے وہی حکم ہے جو کل کے لیے ہے اور اگر چاروں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹ جائے گا جب بھی حلال ہو جائے گا اور اگر آدھی آدھی ہر رگ کٹ گئی اور آدھی باقی ہے تو حلال نہیں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب ذبائع، بیروت)

ذبح کا لغوی وفقہی مفہوم

یہ ذبح اور ذکاۃ اسلام کے اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان سے مراد حلق کا اتنا حصہ کاٹ دینا ہے جس سے جسم کا خون اچھی طرح خارج ہو جائے۔ جھٹکا کرنے یا گلا گھونٹنے یا کسی اور تدبیر سے جانور کو ہلاک کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ خون کا بیشتر حصہ جسم کے اندر ہی رُک کر رہ جاتا ہے اور وہ جگہ جگہ جم کر گوشت کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ برعکس اس کے ذبح کرنے کی صورت میں دماغ کے ساتھ جسم کا تعلق دیر تک باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے رگ رگ کا خون کھنچ کر باہر آ جاتا ہے اور اس طرح پورے جسم کا گوشت خون سے صاف ہو جاتا ہے۔ خون کے متعلق ابھی اوپر ہی یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ حرام ہے، لہٰذا گوشت کے پاک اور حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ خون اس سے جدا ہو جائے۔

ذبح کرنے کا طریقہ

اور ذبح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار آلے سے اس کا گلا اس طرح کاٹا جائے کہ رگیں کٹ جائیں۔ ذبح کے علاوہ نحر بھی مشروع ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے جانور کے لبے پر چھری ماری جائے (اونٹ کو نحر کیا جاتا ہے) جس سے نرخرہ اور خون کی خاص رگیں کٹ جاتی ہے اور سارا خون بہہ جاتا ہے۔

جانور ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جانور کو پانی پلا کر بائیں پہلو پر لٹائیں (اس طرح کہ سر جنوب اور منہ قبلہ کی طرف رہے) یا اسی ترتیب سے ہاتھ میں پکڑیں پھر دائیں ہاتھ میں تیز چھری لے کر بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر قوت وتیزی کے ساتھ گلے پر گانٹھی سے نیچے چھری چلائیں اس انداز پر کہ چاروں رگیں کٹ جائیں لیکن سر جدا نہ ہو۔ (کاٹنا ختم ہوتے ہی جانور کو چھوڑ

ریں)۔

ذبح کی اقسام کا بیان

ذبح کی دواقسام ہیں ا۔ذبح اختیاری ۲۔ذبح اضطراری

ذبح اختیاری کی تعریف

وہ جگہ جو دو جبڑوں اور سینہ کی بلائی حصہ کی درمیانی جگہ مذبح ہے۔جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے اور وہاں پر ذبح کرنے کو ذبح اختیاری کہتے ہیں۔

ذبح اضطراری کی تعریف

اور جب جانور کو مذبح کی جگہ پر ذبح کرنا مشکل ہو تو پھر جانور کی کسی جگہ کو بھی زخمی کر دینا ذبح کے قائم مقام ہو جائے گا اسے ذبح اضطراری کہتے ہیں۔جس طرح شکاری جانوروں کا حال ہوتا ہے کہ تیر وغیرہ جہاں بھی لگ جائے وہ شکار درست ہوتا ہے (المبسوط، ج ۱۱،ص ۲۲۱،مطبوعہ بیروت)

ذبح کے لیے تذکیہ کی شرط کا بیان

دوسری قید قرآن مجید یہ بیان کرتا ہے کہ صرف وہی جانور حلال ہیں جس کا تذکیہ کیا گیا ہو۔سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے حرام کیا گیا تم پر مرا ہوا جانور اور گلا گھونٹا ہوا اور چوٹ کھایا ہوا اور گرا ہوا اور ٹکر کھایا ہوا اور جس کو درندے نے پھاڑا ہو، بجز اس کے جس کا تم نے تزکیہ کیا ہو۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس جانور کی موت تذکیہ سے واقع ہوئی ہو صرف وہی حرمت کے حکم سے مستثنٰی ہے، باقی تمام وہ صورتیں جن میں تذکیہ کے بغیر موت واقع ہو جائے، حرمت کا حکم ان سب پر جاری ہوگا۔تزکیہ کے مفہوم کی کوئی تشریح قرآن میں نہیں کی گئی ہے اور نہ لغت اس کی صورت متعین کرنے میں زیادہ مدد کرتی ہے۔اس لیے لامحالہ اس کے معنی متعین کرنے کے لیے ہم کو سنت کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔سنت میں اس کی دو شکلیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک شکل یہ ہے کہ جانور ہمارے قابو میں نہیں ہے، مثلاً جنگلی جانور ہے جو بھاگ رہا ہے یا اُڑ رہا ہے یا وہ ہمارے قابو میں تو ہے مگر کسی وجہ سے ہم اس کو باقاعدہ ذبح کرنے کا موقع نہیں پاتے۔اس صورت میں جانور کا تزکیہ یہ ہے کہ ہم کسی تیز چیز سے اس کے جسم کو اس طرح زخمی کر دیں کہ خون بہہ جائے اور جانور کی موت ہمارے پیدا کردہ زخم کی وجہ سے خون بہنے کی بدولت واقع ہو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت کا حکم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں جس چیز سے چاہو خون بہادو

(ابوداؤد۔نسائی)

دوسری شکل یہ ہے کہ جانور ہمارے قابو میں ہے اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ذبح کر سکتے ہیں۔اس صورت میں باقاعدہ

تذکیہ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ سنت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اونٹ اور اس کے مانند جانور کو نحر کیا جائے اور گائے بکری یا اس کے مانند جانوروں کو ذبح۔ نحر سے مراد یہ ہے کہ جانور کے حلقوم میں نیزے جیسی تیز چیز زور سے چبھوئی جائے تاکہ اس سے خون کا فوارہ چھوٹے اور خون بہہ کر جانور بالآخر بے دم ہو کر گر جائے۔ اونٹ ذبح کرنے کا یہ طریقہ عرب میں معروف تھا، قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے (فصل لربک وانحر) اور سنت نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقہ سے اونٹ ذبح کیا کرتے تھے۔ رہا ذبح تو اس کے متعلق احادیث میں حسب ذیل احکام وارد ہوئے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر بدیل بن ورقا خزاعی کو ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر بھیجا تاکہ منیٰ کے پہاڑی راستوں پر یہ اعلان کر دیں کہ ذبح کی جگہ حلق اور لبلبہ کے درمیان ہے (یعنی گردن کے اوپر سے نہیں کہ پہلے نخاع کٹ جائے بلکہ اندرونی حصہ سے جہاں نرخرہ واقعہ ہے۔ مصنف) اور ذبیحہ کی جان جلدی سے نہ نکال دو۔ (دار قطنی)

گردن کی رگوں کو کاٹنے میں مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے سختی سے منع فرمایا کہ ذبح کرتے ہوئے آدمی نُخاع تک کاٹ ڈالے۔ (طبرانی)

اسی مضمون کی روایت امام محمد نے سعید بن المسیب سے بھی روایت کی ہے جس کے الفاظ ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کہ بکری کو ذبح کرتے وقت نخاع تک کاٹ ڈالا جائے۔ ان احادیث کی بنا پر، اور عہد نبوی و عہد صحابہ کے معمول بہ عمل کی شہادتوں پر حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ذبح کے لیے حلقوم اور مری (غذا کی نالی) کو اور مالکیہ کے نزدیک حلقوم اور ودجین (گردن کی رگوں) کو کاٹنا چاہیے (الفقہ علی المذاہب اربعہ۔ جلد اول، ص ۴۲۵)

اضطراری اور اختیاری ذکات کی یہ تینوں صورتیں جو قرآن کے حکم کی تشریح کرتے ہوئے سنت میں بتائی گئے ہیں اس امر میں مشترک ہیں کہ ان میں جانور کی موت یکلخت واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے دماغ اور جسم کا تعلق آخری سانس تک باقی رہتا ہے، تڑپنے اور پھڑ پھڑانے سے اس کے جسم کے ہر حصہ کا خون کھچ کر باہر آ جاتا ہے اور صرف سیلان خون ہی اس کی موت کا سبب ہوتا ہے۔ اب چونکہ قرآن نے اپنے حکم کی خود کوئی تشریح نہیں کی ہے اور صاحب قرآن سے اس کی یہی تشریح ثابت ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ الا ماذکیتم سے یہی ذکات مراد ہے اور جس جانور کو یہ شرط ذکات پوری کیے بغیر ہلاک کیا ہو وہ حلال نہیں ہے۔

ناخنوں سے ذبح کرنے کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

وہ حبشیوں کی چھری ہے یہ گویا ناخن سے ذبح کرنے کی علت ہے، یعنی اگر ناخن کے ذریعہ ذبح کیا جائے گا تو اس میں حبشیوں کی مشابہت اختیار کرنا لازم آئے گا کیونکہ ناخن کے ذریعہ جانوروں کو چیر پھاڑ کر کھانا حبشیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ حبشی غیر

مسلم ہیں، جب کہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے طور طریقوں کو اختیار نہ کریں بلکہ ان کے خلاف کریں!

واضح رہے کہ دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے کی ممانعت تینوں آئمہ کے نزدیک مطلق ہے، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ ان دانتوں اور ناخنوں سے ذبح کرنا تو جائز نہیں ہے جو اپنی جگہ پر یعنی منہ اور انگلیوں میں ہوں ہاں جو دانت اور ناخن اپنی جگہ سے اکھڑ کر (منہ اور انگلیوں سے) الگ ہو چکے ہوں ان کے ذریعہ ذبح کرنا جائز ہے لیکن یہ جواز کراہت کے ساتھ ہے تاہم اس ذبیحہ کا گوشت کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تینوں آئمہ کی دلیل مذکورہ حدیث ہے جس میں دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے کی ممانعت کسی قید اور کسی استثناء کے بغیر منقول ہے، جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ انهر الدم بما شئت اور وافر الاوداج۔ اور جہاں تک حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں حضرت امام اعظم کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث بغیر اکھڑے ہوئے دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنے پر محمول ہے کیونکہ حبشیوں کا یہی طریقہ تھا۔

"تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ اگر گھر کا پالتو کوئی جانور جیسے اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ بھاگ کھڑا ہو تو وہ ذبح کے معاملہ میں وحشی جانور کے شکار کی مانند ہوگا کہ جس طرح وحشی جانور پر بسم اللہ پڑھ کر مثلاً تیر چلایا جائے تو وہ تیر اس جانور کے جسم کے جس حصہ پر بھی لگ کر اس کو ختم کر دے گا وہ ذبیحہ کے حکم میں ہو جائے گا، اسی طرح اس بھاگنے والے پالتو جانور کا سارا جسم اور اس کے سارے اعضاء بھی "ذبح کی جگہ" ہوں گے، چنانچہ بسم اللہ پڑھ کر اس پر چلایا جانے والا تیر اس کے جسم کے جس حصے میں لگ کر اس کو ختم کر دے گا اس کا گوشت حلال ہوگا۔ اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ اونٹ وغیرہ کنوئیں یا اس طرح کے کسی اور کھڈ وغیرہ میں گر پڑیں! یہاں خاص طور پر صرف اونٹ کا ذکر شاید اس لئے کیا گیا ہو کہ اس میں توحش بہت زیادہ ہوتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ "ذبح" کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم تو اختیاری ہے اور دوسری قسم اضطراری ہے اختیاری کی ایک صورت تو جانور کے لیہ اور لحیین کے درمیان کسی دھار دار چیز جیسے چھری وغیرہ سے جراحت کے ساتھ رگوں کو کاٹنے کی ہوتی ہے اور دوسری صورت نحر کے ساتھ یعنی اونٹ کے سینے میں نیزہ وغیرہ مارنے کی ہوتی ہے، اور اضطراری کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جانور کے جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کر کے مار دیا جائے۔

ناخن و دانت سے ذبح کی ممانعت میں احناف کی مؤید حدیث

حضرت عبایہ بن رافع اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس چھری نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھالو، بشرطیکہ ناخن اور دانت نہ ہو، ناخن تو حبشیوں کی چھری ہے، اور دانت ہڈی ہے، ایک اونٹ بھاگ گیا، جسے (تیر مار کر کسی نے) روکا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چوپایوں کی عادت بھی جنگلی جانوروں کی طرح ہے، اس لئے اگر تم پر ان میں سے کوئی غالب آ جائے تو اس کے

ساتھ یہی کرو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 471)

رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ یعنی (اس چیز سے ذبح کیا ہوا جانور) جو خون بہادے، مگر دانت اور ناخن نہ ہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 474)

پتھر سے بکری کو ذبح کرنے کا بیان

حضرت ابن کعب بن مالک نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ آپ کے والد نے بیان کیا کہ ان کی ایک لونڈی مقام سلع میں بکریاں چرایا کرتی تھی، اس نے ریوڑ میں ایک بکری کو دیکھا کہ مرنے کے قریب ہے، چنانچہ اس نے ایک پتھر توڑا اور اس بکری کو ذبح کر ڈالا، تو کعب نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب تک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خود جا کر یا کسی کو بھیج کر دریافت نہ کرالوں تم لوگ اس کو نہ کھاو، چنانچہ کعب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہوئے یا کسی کو بھیج کر دریافت کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 469)

تیز دھاری دار چیز سے ذبح ہو جانے کا بیان

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصاری اپنی اونٹنی چرا رہا تھا احد میں، یکا یک وہ مرنے لگی تو اس نے ایک دھاری دار لکڑی سے ذبح کر دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ اندیشہ نہیں اس کا گوشت کھاؤ۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 943)

جانور کے سامنے چھری کو تیز کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قربانی کے لیے) ایک ایسے سینگ دار دنبہ کے لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھا ہو (یعنی اس کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھا ہو (یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب) آپ کے لیے قربانی کے واسطے ایسا دنبہ لایا گیا (تو) فرمایا کہ "عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری لائی تو) پھر فرمایا کہ اسے پتھر پر (رگڑ کر) تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ نے چھری لی اور دنبے کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا کہ **اللھم تقبل من محمد و ال محمد و من امة محمد** (یعنی اے اللہ! اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما) پھر اسے ذبح کر دیا۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1428)

جب جانور کو ذبح کیا جا رہا ہو، اس کے سامنے چھری تیز کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک ایسے آدمی کو درے سے مارا تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ اسی طرح ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرتے وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے اس سے مراد صرف ثواب میں امت کو شریک کرنا تھا نہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی طرف سے قربانی کی تھی کیونکہ ایک دنبہ یا ایک بکری کی قربانی کئی آدمیوں کی طرف درست نہیں ہے۔

گائے اور بکری میں ذبح کے مستحب ہونے کا بیان

وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَإِنْ نَحَرَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ فَإِنْ ذَبَحَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً أَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً أَوْ شَاةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِينًا مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ أَشْعَرَ أَوْ لَمْ يُشْعِرْ،

ترجمہ

گائے اور بکری میں ذبح کرنا ہی مستحب ہے۔ اگر انہیں نحر کر لیا تو یہ بھی جائز تو ہوگا مگر مکروہ ہوگا۔ جس نے اونٹنی' گائے یا بکری ذبح کی اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا اس کے بال آ گئے ہوں یا ابھی نہ آئے ہوں اسے کھایا نہیں جائے گا۔

شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انہوں نے اس سے فرمایا کہ اس اونٹ کو کھڑا کر دو اور اس کا بایاں پاؤں باندھو اور اس طرح اونٹ کو نحر کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرو۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1184)

نحر کرنے کا فقہی مفہوم

اونٹ کے سینہ میں برچھی مارنے کو "نحر" کہتے ہیں اور گائے وغیرہ کا گلا چھری سے کاٹنا "ذبح" کہلاتا ہے لہٰذا اونٹ کو تو نحر کرنا افضل ہے اور گائے بیل، بھینس، بھیڑ اور بکری کو ذبح کرنا افضل ہے۔

نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا افضل ہے اور اگر کھڑا نہ کیا جا سکے تو پھر بٹھا کر نحر کرنا لٹا کر نحر کرنے سے افضل ہے۔ جو جانور ذبح کئے جاتے ہیں ان کو بائیں پہلو پر لٹا کر ذبح کرنا چاہئے۔

قرآن کریم سے بھی یہی ثابت ہے کہ اونٹ کو نحر کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ آیت (فصل لربك وانحر) (الکوثر)۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے نماز پڑھو اور نحر کرو۔ اس آیت کی تفسیر میں اونٹ کو نحر کرنا لکھا گیا ہے۔ ذبح کرنے کے بارے میں یہ آیت کریمہ ہے۔ (اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً) 2۔ البقرۃ:67)۔ یہ کہ گائے کو ذبح کرو۔

اونٹ کو ذبح نہیں کیا جاتا بلکہ کھڑے کھڑے اس کے سینہ میں خنجر مار دیتے ہیں اس کا نام نحر ہے اور یہی مسنون ہے۔ اونٹ کی ٹانگوں کو چاروں ٹانگوں کو بینڈ کر کے رسی باندھ دی جاتی ہے، آٹومیٹکلی وہ بیٹھ جاتا ہے اور اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ پھر

اُس کی ناک میں جو رسی بندگی ہوتی ہے اُس کو پکڑ کر اُس ہی دُم کے ساتھ باندھ دیتے ہیں جس سے اُس کی گردن ایک طرف چلی جاتی ہے اور وہ حرکت نہیں کر پاتا ہے۔ اُس کے بعد تین مختلف جگہوں سے چھری پھیر دیتے ہیں بچپن سے یہی طریقہ کار سُنا اور دیکھا لیکن اب معلومات میں اضافہ ہوا تو کسی کو بتانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوگی۔

ذبح ونحر کا مسنون طریقے کا بیان

پہلے چھری کو خوب تیز کر لیا جائے تا کہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ (صحیح مسلم) اور چھری جانور کی آنکھوں کے سامنے تیز نہ کی جائے بلکہ اس سے کہیں چھپا کر تیز کریں تا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے چھری تیز ہوتے دیکھ کر وہ اذیت نہ پائے۔
(مستدرک حاکم، معجم طبرانی کبیر واوسط، بیہقی، مصنف عبدالرزاق)

اُونٹ کو نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے تین ٹانگوں پر قبلہ رو (بخاری تعلیقاً و مالک و بیہقی موصولاً) کھڑا کیا جائے (ابج: وبخاری عن ابن عباس: قیاماً) اگلی بائیں ٹانگ اور ران کو باہم باندھ دیا جائے اور بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ کر اس کے سینے اور گردن کی جڑ کے درمیان والی، گڑھا نما جگہ میں نیزہ یا بَرچھا مارا جائے، جس سے اس کی رگِ جان کٹ جائے۔ (بخاری ومسلم) اور وہ زمین پر لگ جائے۔ (ابج)

اُونٹ میں مستحب تو نحر ہی ہے، لیکن اگر کوئی اسے ذبح کرتا ہے تو بھی جائز ہے۔
(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین امام نووی، المرعاۃ)

گائے (بھینس اور بھیڑ بکریوں) کو ذبح کیا جائے گا۔ (البقرۃ:) لیکن اگر کوئی گائے بھینس کو نحر کرتا ہے تو بھی حرج نہیں (المرعاۃ)

ہر جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رو کر لیں، اسے دائیں پہلو پر لٹا لینا چاہیئے۔ (بخاری تعلیقاً موقوفاً، موطا مالک وبیہقی موصولاً موقوفاً، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، ابن خذیمہ، مسند احمد، بیہقی، مرفوعاً) اور اس کے اوپر والے پہلو پر اپنا پاؤں رکھیں۔ (بخاری ومسلم)

ذبح کے سبب جنین کی حلت میں مذاہب فقہاء کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کے ذبح کرنے سے اس کے پیٹ کا بچہ (جنین) بھی حلال ہو جاتا ہے۔ اس باب میں جابر ابوامامہ، ابودرداء اور ابوہریرہ سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں نے ابوسعید سے منقول ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ ابوداک کا نام جبیر بن نوف ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1520)

جنین کے اعضاء مکمل ہونے یا نہ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے جب نحر کی جائے اونٹنی تو اس کے پیٹ کے بچے کی بھی زکاۃ ہو جائے گی بشرطیکہ

يُؤْكَلُ الْأَبْقَعُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَيُكْرَهُ أَكْلُ الضَّبُعِ ، وَالضَّبِّ ، وَالْحَشَرَاتِ كُلِّهَا وَلَا يَجُوزُ أَكْلُ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ ، وَالْبِغَالِ وَيُكْرَهُ أَكْلُ لَحْمِ الْفَرَسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْأَرَانِبِ وَإِذَا ذُبِحَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ لَحْمُهُ وَجِلْدُهُ إِلَّا الْآدَمِيَّ ، وَالْخِنْزِيرَ فَإِنَّ الذَّكَاةَ لَا تَعْمَلُ فِيهِمَا شَيْئًا وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ إِلَّا السَّمَكَ وَيُكْرَهُ أَكْلُ الطَّافِي مِنْهُ وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْجِرِّيثِ وَالْمَارْمَاهِي وَيَجُوزُ أَكْلُ الْجَرَادِ وَلَا ذَكَاةَ لَهُ

ترجمہ

اور کچلیوں والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کو کھانا جائز نہیں ہے۔ مگر کھیتی کے کوے کو کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ابقع ! ایسا کوا جو مردار کھاتا ہے۔ اسے نہیں کھایا جائے گا۔ بجو گوہ اور تمام زمینی کیڑے مکوڑے کھانا مکروہ ہے۔ گھریلو گدھے اور خچر کھانا بھی جائز نہیں ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ خرگوش کو جب ذبح کر لیا گیا ہو تو اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ آدمی اور سور کے علاوہ جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ اس کی کھال بھی پاک ہو جاتی ہے۔ آدمی اور سور کے علاوہ اس لئے کہ ان میں ذکاۃ (یعنی پاکی پاک کرنا) کچھ عمل نہیں کرتی ہے۔ مچھلی کے علاوہ کوئی دریائی جانور نہیں کھایا جائے گا۔ وہ مچھلی جو پانی کے اوپر تیر جائے اسے کھانا مکروہ ہے۔ البتہ بچھی اور بام مچھلی کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ٹڈی جس کو ذبح کرنے کی بھی حاجت نہیں اسے کھانا جائز ہے۔

لومڑی اور بھیڑیا کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس لیے حاضر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زمین کے کچھ جانوروں کی بابت دریافت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لومڑی کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا لومڑی کون کھاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھیڑیے کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا جس میں بھلائی اور خیر ہو وہ بھلا لومڑی کھائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 116)

بجو کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجو کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کون ہے جو بجو کھائے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 118)

کوے کو کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کون ہے جو کوا کھائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فاسق بتایا۔ بخدا! یہ پاکیزہ جانوروں میں سے نہیں۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 129)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سانپ فاسق ہے اور بچھو فاسق ہے۔ چوہا فاسق ہے اور کوا فاسق ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت قاسم سے پوچھا گیا کہ کیا کوا کھایا جا سکتا ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کو فاسق فرمانے کے بعد کون ہے جو اسے کھائے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 130)

دانہ خور کوا کہ صرف دانہ کھتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غراب زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالبا سرخ، وہ بالا تفاق جائز ہے، اور مردار خور کوا جسے غراب ابقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالا تفاق ناجائز ہے۔ اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا ہے اور موسم گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اس کے بولنے میں آواز عق عق پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اور اصح حل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں،

خشکی پر رہنے والے جانوروں کی حلت وحرمت کے قاعدہ

وہ تمام درندے جو نوک دار دانتوں سے شکار کرتے ہیں اور پھاڑ کر کھاتے ہیں وہ سب حرام ہیں اور اسی طرح وہ تمام پرندے جو ناخنوں سے شکار کرتے ہیں اور کھاتے ہیں وہ سب حرام ہیں۔

اس کا ثبوت یہ حدیث مبارکہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے درندے اور ہر ناخنوں سے (شکار کرنے) والے پرندے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۴۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

گھوڑوں، خچروں کا گوشت کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے، کہ گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو نہ کھائیں کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا "اور پیدا کیا ہم نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو سواری اور آرائش کے واسطے"، اور فرمایا باقی چوپاؤں کے حق میں "پیدا کیا ہم نے ان کو تاکہ تم ان پر سوار ہو اور ان کو کھاؤ" اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے "تاکہ لیں نام اللہ کا ان چوپاؤں پر جو دیا اللہ نے ان کو سو کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ فقیر اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 958)

گھوڑے کا گوشت کھانے میں دلیل اباحت کا بیان

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اس وقت ہم لوگ مدینہ میں تھے، پھر ہم لوگوں نے اس کو کھایا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 479)

گھوڑے کا گوشت کھانے کے اختلاف پر مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور نعمت بیان فرما رہا ہے کہ زینت کے لئے اور سواری کے لئے اس نے

گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کیے ہیں بڑا مقصد ان جانوروں کی پیدائش سے انسان کا ہی فائدہ ہے۔ انہیں اور چوپایوں پر فضیلت دی اور علیحدہ ذکر کیا اس وجہ سے بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی دلیل اس آیت سے لی ہے۔

جیسے امام ابوحنیفہ اور ان کی موافقت کرنے والے فقہا کہتے ہیں کہ خچر اور گدھے کے ساتھ گھوڑے کا ذکر ہے اور پہلے کے دونوں جانور حرام ہیں اس لئے یہ بھی حرام ہوا۔ چنانچہ خچر اور گدھے کی حرمت احادیث میں آئی ہے اور اکثر علماء کا مذہب بھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان تینوں کی حرمت آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں چوپایوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہیں تو کھاتے ہو پس یہ تو ہوئے کھانے کے جانور اور ان تینوں کا بیان کر کے فرمایا کہ ان پر تم سواری کرتے ہو پس یہ ہوئے سواری کے جانور۔

مسند کی حدیث میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے خچروں کے اور گدھوں کے گوشت کو منع فرمایا ہے لیکن اس کے راویوں میں ایک راوی صالح ابن یحیٰی بن مقدام ہیں جن میں کلام ہے۔ مسند کی اور حدیث میں مقدام بن معدی کرب سے منقول ہے کہ ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں تھے، میرے پاس میرے ساتھی گوشت لائے، مجھ سے ایک پتھر مانگا میں نے دیا۔ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں تھے لوگوں نے یہودیوں کے کھیتوں پر جلدی کر دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کردوں کہ نماز کے لئے آجائیں اور مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آئے پھر فرمایا کہ اے لوگو تم نے یہودیوں کے باغات میں گھسنے کی جلدی کی سنو معاہدہ کا مال بغیر حق کے حلال نہیں اور پالتو گدھوں کے اور گھوڑوں کے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک کچلیوں والا درندہ اور ہر ایک پنجے سے شکار کھیلنے والا پرندہ حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت یہود کے باغات سے شاید اس وقت تھی جب ان سے معاہدہ ہو گیا۔ پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو بیشک گھوڑے کی حرمت کے بارے میں تو نص تھی لیکن اس میں بخاری و مسلم کی حدیث کے مقابلے کی قوت نہیں جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو منع فرمادیا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔

اور حدیث میں ہے کہ ہم نے خیبر والے دن گھوڑے اور خچر اور گدھے ذبح کیے تو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر اور گدھے کے گوشت سے تو منع کر دیا لیکن گھوڑے کے گوشت سے نہیں روکا۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے مدینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ پس یہ سب سے بڑی سب سے قوی اور سب سے زیادہ ثبوت والی حدیث ہے اور یہی مذہب جمہور علماء کا ہے۔ مالک، شافعی، احمد، ان کے سب ساتھی اور اکثر سلف وخلف یہی کہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے گھوڑوں میں وحشت اور جنگلی پن تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے اسے مطیع کر دیا۔ وہب نے اسرائیلی روایتوں میں بیان کیا ہے کہ جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ان تینوں جانوروں پر سواری لینے کا جواز تو قرآن کے لفظوں سے ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر ہدیے میں دیا گیا تھا جس پر آپ

سواری کرتے تھے ہاں یہ آپ نے منع فرمایا ہے کہ گھوڑوں کو گدھیوں سے ملایا جائے۔ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ نسل منقطع نہ ہو جائے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم گھوڑے اور گدھی کے ملاپ سے خچر لیں اور آپ اس پر سوار ہوں آپ نے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو علم سے کورے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر نحل ۸)

خرگوش کو کھانے کی اباحت پر مؤید احادیث کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا، اس وقت ہم لوگ مرالظہر ان میں تھے، کچھ لوگ اس کے پیچھے دوڑے، لیکن تھک گئے، پھر میں نے اس کو پکڑا اور اس کو ابوطلحہ کے پاس لے کر آیا انہوں نے اس کو ذبح کیا اور اس کی دونوں رانیں یا اس کے دونوں کولہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبول فرمالیا۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 503)

حضرت محمد بن صفوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزرے، دو خرگوش لٹکائے ہوئے تو عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے یہ دو خرگوش پکڑے۔ مجھے لوہے کی کوئی چیز نہ ملی کہ ذبح کروں۔ تو میں نے سفید تیز دھار پتھر سے ان کو ذبح کیا۔ کیا میں کھالوں؟ فرمایا کھالو۔ (سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 125)

دریائی جانوروں کو ذبح کے بغیر کھانے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کا ایسا کوئی جانور نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے ذبح نہ کر دیا ہو۔ (دار قطنی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 34)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دریائی جانوروں کو بغیر ذبح کئے ہوئے کھانا حلال ہے، ان کو محض شکار کر لینا اور پانی میں سے زندہ نکال لینا ذبح کا حکم رکھتا ہے۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام دریائی جانور حلال ہیں، خواہ وہ خود سے مر جائیں اور خواہ ان کا شکار کیا جائے۔ لیکن جہاں تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے وہ یوں نہیں ہے، بلکہ مچھلی کے حلال ہونے پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اور مچھلی کے علاوہ دوسرے جانوروں کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔

چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ دریائی جانوروں میں سے مچھلی کے علاوہ اور کوئی جانور حلال نہیں ہے اور وہ مچھلی بھی حلال نہیں ہے جو سردی وگرمی کی آفت کے بغیر خود بخود مر کر پانی کے اوپر آ جائے اور الٹی تیرنے لگے۔ اور جو مچھلی سردی و گرمی کی آفت سے مر کر پانی کے اوپر آ جائے تو وہ حلال ہے۔

گھونسلے میں پائی جانے والی مچھلی کے کھانے میں مذاہب اربعہ

معراج الدرایہ میں ہے اگر پرندے کے گھونسلے میں مچھلی پائی جائے کھائی جائے، اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے

کیونکہ پرندے کی بیٹھ کی طرح ہے، اوران کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے اورہم کہتے ہیں بیٹھ تب بنے گی جب متغیر ہوجائے گی، اورچھوٹی مچھلی جس کو بغیر چاک کئے بھون لیا جاتا ہے شافعی حضرات فرماتے ہیں حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی ائمہ حلال کہتے ہیں۔ (ردالمختار کتاب الذبائح، داراحیاء التراث العربی بیروت)

جواہر الاخلاطی میں تصریح ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔ حیث قال السمك الصغار کلها مکروهة کراة التحریم هو الاصح ۔ جہاں کہیں کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں یہی صحیح ہے۔

(جواہر الاخلاطی، کتاب الذبائح)

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدا اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے۔ اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے ماہی سقنقور، حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نہیں معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی، بہر حال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی چاہئے۔

بحری شکار کے بارے میں فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ دریائی شکار سے مراد تازہ پکڑے ہوئے جانور اور طعام سے مراد ہے ان کا جو گوشت سکھا کر نمکین بطور توشے کے ساتھ رکھا جاتا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ پانی میں سے جو زندہ پکڑا جائے وہ صید یعنی شکار ہے اور جو مردہ ہو کر باہر نکل آئے وہ طعام یعنی کھانا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ بن عمرو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم اجمعین، حضرت عکرمہ، حضرت ابو سلمہ، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت حسن بصری رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے، خلیفہ بلافصل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پانی میں جتنے بھی جانور ہیں وہ سب طعام ہیں۔ (ابن ابی حاتم وغیرہ)

آپ نے ایک خطبے میں اس آیت کے اگلے حصے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو چیز سمندر پھینک دے وہ طعام ہے (ابن جریر) ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے ایک روایت میں ہے کہ جو مردہ جانور پانی نکال دے۔ سعید بن مسیب سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ جس زندہ آبی جانور کو پانی کنارے پر ڈال دے یا پانی اس سے ہٹ جائے یا وہ باہر مردہ ملے (ابن ابی حاتم)

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو ہیرہ نے ایک مرتبہ حضرت ابن عمر سے سوال کیا کہ سمندر نے بہت سی مردہ مچھلیاں کنارے پر پھینک دی ہیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم انہیں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ابن عمر نے جواب دیا نہیں نہ کھاؤ، جب واپس آئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عالی عنہ نے قرآن کریم کھول کر تلاوت کی اور سورہ مائدہ کی اس آیت پر نظر پڑی تو ایک آدمی کو دوڑایا اور کہا جاؤ کہدو کہ وہ اسے کھالیں یہی بحری طعام ہے،

امام ابن جریر کے نزدیک بھی قول مختار یہی ہے کہ مراد طعام سے وہ آبی جانور ہیں جو پانی میں ہی مر جائیں، بعض لوگوں نے اسے بقول ابو ہریرہ موقوف روایت کیا ہے، پھر فرماتا ہے یہ منفعت ہے تمہارے لئے اور راہ رو مسافروں کے لئے، یعنی جو سمندر

کے کنارے رہتے ہوں اور جو وہاں وارد ہوئے ہوں، پس کنارے رہنے والے تو تازہ شکار خود کھیلتے ہیں پانی جسے دھکے دے کر باہر پھینک دے اور مر جائے اسے کھا لیتے ہیں اور نمکین ہو کر دور دراز والوں کو سوکھا ہوا پہنچتا ہے۔ الغرض جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ پانی کا جانور خواہ مردہ ہی ہو حلال ہے اس کی دلیل علاوہ اس آیت کے امام مالک کی روایت کردہ وہ حدیث بھی ہے کہ حضور نے سمندر کے کنارے پر ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس کا سردار حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا، یہ لوگ کوئی تین سو تھے حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں میں بھی ان میں سے تھا ہم ابھی راستے میں ہی تھے جو ہمارے توشے تھے ختم ہو گئے، امیر لشکر کو جب یہ علم ہوا تو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو میرے پاس لاؤ چنانچہ سب جمع کر لیا اب حصہ رسدی کے طور پر ایک مقررہ مقدار ہر ایک کو بانٹ دیتے تھے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ہر دن ایک ایک کھجور ملنے لگی آخر میں یہ بھی ختم ہو گئی۔ اب سمندر کے کنارے پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ کنارے پر ایک بڑی مچھلی ایک ٹیلے کی طرح پڑی ہوئی ہے، سارے لشکر نے اٹھارہ راتوں تک اسے کھایا، وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی دو پسلیاں کھڑی کی گئیں تو اس کے نیچے سے ایک شتر سوار نکل گیا اور اس کا سر اس پسلی کی ہڈی تک نہ پہنچا،

یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا نام عنبر تھا ایک روایت میں ہے کہ یہ مردہ ملی تھی اور صحابہ نے آپس میں کہا تھا کہ ہم رسول اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس وقت سخت دقت اور تکلیف میں ہیں اسے کھا لو ہم تین سو آدمی ایک مہینے تک وہیں رہے اور اسی کو کھاتے رہے یہاں تک کہ ہم موٹے تازے اور تیار ہو گئے اس کی آنکھ کے سوراخ میں سے ہم چربی ہاتھوں میں بھر بھر کر نکالتے تھے تیرہ شخص اس کی آنکھ کی گہرائی میں بیٹھ گئے تھے، اس کی پسلی کی ہڈی کے درمیان سے سانڈنی سوار گزر جاتا تھا، ہم نے اس کے گوشت اور چربی سے مٹکے بھر لئے جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کی طرف سے روزی تھی جو اللہ جل مجدہ نے تمہیں دی کیا اس کا گوشت اب بھی تمہارے پاس ہے؟ اگر ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ، ہمارے پاس تو تھا ہی ہم نے حضور کی خدمت میں پیش کیا اور خود آپ نے بھی کھایا،

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ میں خود پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اس وجہ سے بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ دو واقع ہوں اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو ایک ہی ہے، شروع میں اللہ کے نبی بھی ان کے ساتھ تھے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم سمندر کے سفر کو جاتے ہیں ہمارے ساتھ پانی بہت کم ہوتا ہے اگر اسی سے وضو کرتے ہیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہمیں سمندر کے پانی سے وضو کر لینے کی اجازت ہے؟ حضور نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے،

امام شافعی امام احمد اور سنن اربعہ والوں نے اسے روایت کیا ہے امام بخاری امام ترمذی امام ابن خزیمہ امام ابن حبان وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے صحابہ کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کیا ہے، ابو داؤد ترمذی ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج یا عمرے میں تھے اتفاق سے

ٹڈیوں کا دل کا دل آ پہنچا ہم نے انہیں مارنا اور پکڑنا شروع کیا لیکن پھر خیال آیا کہ ہم تو احرام کی حالت میں ہیں انہیں کیا کریں گے؟ چنانچہ ہم نے جا کر حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دریائی جانوروں کے شکار میں کوئی حرج نہیں، اس کا ایک راوی ابوالمہزم ضعیف ہے، واللہ اعلم

ابن ماجہ میں ہے کہ جب ٹڈیاں نکل آتیں اور نقصان پہنچاتیں تو رسول کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ ان سب کو خاہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہلاک کر ان کے انڈے تباہ کر ان کا سلسلہ کاٹ دے اور ہماری معاش سے ان کے منہ بند کر دیے یا اللہ ہمیں روزیاں دے یقیناً تو دعاؤں کا سننے والا ہے، حضرت خالد نے کہا یا رسول اللہ آپ ان کے سلسلے کٹ جانے کی دعا کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایک قسم کی مخلوق ہے آپ نے فرمایا ان کی پیدائش کی اصل مچھلی سے ہے، حضرت زیاد کا قول ہے کہ جس نے انہیں مچھلی سے ظاہر ہوتے دیکھا تھا خود اسی نے مجھ سے بیان کیا ہے، ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے حرم میں ٹڈی کے شکار سے بھی منع کیا ہے۔

جن فقہا کرام کا یہ مذہب ہے کہ سمندر میں جو کچھ ہے سب حلال ہے ان کا استدلال اسی آیت سے ہے وہ کسی آبی جانور کو حرام نہیں کہتے حضرت ابوبکر صدیق کا وہ قول بیان ہو چکا ہے کہ طعام سے مراد پانی میں رہنے والی ہر ایک چیز ہے، بعض حضرات نے صرف مینڈک کو اس حکم سے الگ کر لیا ہے اور مینڈک کے سوا پانی کے تمام جانوروں کو وہ مباح کہتے ہیں کیونکہ مسند وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کے مارنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی آواز اللہ کی تسبیح ہے، بعض اور کہتے ہیں سمندر کے شکار سے مچھلی کھائی جائے گی اور مینڈک نہیں کھایا جائے گا اور باقی کی چیزوں میں اختلاف ہے کچھ تو کہتے ہیں کہ باقی سب حلال ہے اور کچھ کہتے ہیں باقی سب نہ کھایا جائے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ خشکی کے جو جانور حلال ہیں ان جیسے جو جانور پانی کے ہوں وہ بھی حلال ہیں اور خشکی کے جو جانور حرام ہیں ان کی مشابہت کے جو جانور تری کے ہوں وہ بھی حرام،

یہ سب وجوہ مذہب شافعی میں ہیں حنفی مذہب یہ ہے کہ سمندر میں مر جائے اس کا کھانا حلال نہیں جیسے کہ خشکی میں از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں کیونکہ قرآن نے اپنی موت آپ مرے ہوئے جانور کو آیت (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۔ الخ) 5 ۔ المائدہ: 3) میں حرام کر دیا ہے اور یہ عام ہے، ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جو تم شکار کر لو اور وہ زندہ ہو پھر مر جائے تو اسے کھا لو اور جسے پانی آپ ہی پھینک دے اور وہ مرا ہوا الٹا پڑا ہوا ہو اسے نہ کھاؤ،

لیکن یہ حدیث مسند کی رو سے منکر ہے صحیح نہیں، مالکیوں شافعیوں اور حنبلیوں کی دلیل ایک تو ہی عنبر والی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال کیے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی، یہ حدیث مسند احمد ابن ماجہ دار قطنی اور بیہقی میں بھی ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں اور یہی روایت موقوفاً بھی مروی

ہے، واللہ اعلم،
پھر فرماتا ہے کہ تم پر احرام کی حالت میں شکار کھیلنا حرام ہے، پس اگر کسی احرام والے نے شکار کرلیا اور اگر قصداً کیا ہے تو اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا اور گنہگار بھی ہوگا اور اگر خطا اور غلطی سے شکار کرلیا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے خواہ وہ احرام والے ہوں یا نہ ہوں۔ عطا قاسم سالم ابو یوسف محمد بن حسن وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں، پھر اگر اسے کھالیا تو عطا وغیرہ کا قول ہے کہ اس پر دو کفارے لازم ہیں لیکن امام مالک وغیرہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں کوئی کفارہ نہیں، جمہور بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں، ابو عمر نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح زانی کے کئی زنا پر حد ایک ہی ہوتی ہے،
حضرت ابو حنیفہ کا قول ہے کہ شکار کر کے کھانے والے کو اس کی قیمت بھی دینی پڑے گی، ابو ثور کہتے ہیں کہ محرم نے جب کوئی شکار مارا تو اس پر جزا ہے، ہاں اس شکار کا کھانا اس کے لئے حلال ہے لیکن میں اسے اچھا نہیں سمجھتا، کیونکہ فرمان رسول ہے کہ خشکی کے شکار کو کھانا تمہارے لئے حلال ہے جب تک کہ تم آپ شکار نہ کرو اور جب تک کہ خاص تمہارے لئے شکار نہ کیا جائے، اس حدیث کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے، ان کا یہ قول غریب ہے، ہاں شکاری کے سوا اور لوگ بھی اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض تو منع کرتے ہیں جیسے پہلے گزر چکا اور بعض جائز بتاتے ہیں ان کی دلدل وہی حدیث ہے جو اوپر ابو ثور کے قول کے بیان میں گزری، واللہ اعلم،
اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا جو احرام باندھے ہوئے نہیں پھر اس نے کسی احرام والے کو وہ جانور ہدیئے میں دیا تو بعض تو کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً حلال ہے خواہ اسی کی نیت سے شکار کیا ہو خواہ اس کے لئے شکار نہ کیا ہو، حضرت عمر حضرت ابو ہریرہ حضرت زبیر حضرت کعب احبار حضرت مجاہد، حضرت عطا، حضرت سعید بن جبیر اور کوفیوں کا یہی خیال ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ غیر محرم کے شکار کو محرم کھا سکتا ہے؟ تو آپ نے جواز کا فتوی دیا، جب حضرت عمر کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کے خلاف فتوی دیتا تو میں تیری سزا کرتا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی محرم کو اس کا کھانا درست نہیں، ان کی دلیل اس آیت کے عموم ہے۔
حضرت ابن عباس اور ابن عمر سے بھی یہی مروی ہے اور بھی صحابہ تابعین اور ائمہ دین اس طرف گئے ہیں۔ تیسری جماعت نے اس کی تفصیل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی غیر محرم نے کسی محرم کے ارادے سے شکار کیا ہے تو اس محرم کو اس کا کھانا جائز نہیں، ورنہ جائز ہے ان کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوا کے میدان میں یا ودان کے میدان میں ایک گورخر شکار کردہ بطور ہدیئے کے دیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا جس سے صحابی رنجیدہ ہوئے، آثار رنج ان کے چہرے پر دیکھ کر رحمۃ للعالمین نے فرمایا اور کچھ خیال نہ کرو ہم نے بوجہ احرام میں ہونے کے ہی اسے واپس کیا ہے، یہ حدیث بخاری ومسلم میں موجود ہے، تو یہ لوٹانا آپ کا اسی وجہ سے تھا کہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے یہ شکار خاص میرے لئے ہی کیا ہے اور جب شکار محرم کے لئے ہی نہ ہو تو پھر اسے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابو قتادہ کی حدیث میں ہے کہ

انہوں نے بھی جبکہ وہ احرام کی حالت میں نہ تھے ایک گورخر شکار کیا صحابہ جو احرام میں تھے انہوں نے اس کے کھانے میں توقف کیا اور حضور سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اسے اشارہ کیا تھا؟ یا اسے کوئی مدد دی تھی؟ سب نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا پھر کھالو اور خود آپ نے بھی کھایا یہ واقعہ بھی بخاری ومسلم میں موجود ہے،

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلی شکار کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اس حالت میں بھی کہ تم احرام میں ہو جب تک کہ خود تم نے شکار نہ کیا ہو اور جب تک کہ خود تمہارے لئے شکار نہ کیا گیا ہو، ابوداؤد ترمذی نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اشیائے اربعہ کی حرمت میں مذاہب اربعہ

وہ جانور جو گلا گھونٹ کر یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ لیکن فی الحقیقت یہ بھی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک تشریح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور اس طور پر ہلاک ہوئے ہوں وہ بھی مُردار کی تعریف میں آتے ہیں۔

فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں اور ان کے سوا ہر چیز کا کھانا جائز ہے۔ یہی مسلک حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عائشہ کا تھا۔ لیکن متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کے کھانے سے یا تو منع فرمایا ہے یا ان پر کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً پالتو گدھے، کچلیوں والے درندے اور پنجوں والے پرندے۔ اس وجہ سے اکثر فقہاء تحریم کو ان چار چیزوں تک محدود نہیں مانتے بلکہ دوسری چیزوں تک اسے وسیع قرار دیتے ہیں۔ مگر اس کے بعد پھر مختلف چیزوں کی حِلّت وحُرمت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ مثلاً پالتو گدھے کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی حرام قرار دیتے ہیں۔

لیکن بعض دُوسرے فقہا کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں ہے بلکہ کسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اس کی ممانعت فرما دی تھی۔ درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور مُردار خور حیوانات کو حنفیہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔ مگر امام مالک اور اَوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں۔ لیث کے نزدیک بلی حلال ہے۔

امام شافعی کے نزدیک صرف وہ درندے حرام ہیں جو انسان پر حملہ کرتے ہیں، جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ۔ عِکرِمہ کے نزدیک کوّا اور بجّو دونوں حلال ہیں۔ اسی طرح حنفیہ تمام حشرات الارض کو حرام قرار دیتے ہیں، مگر ابن ابی لیلیٰ، امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک سانپ حلال ہے۔

ان تمام مختلف اقوال اور ان کے دلائل پر غور کرنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ دراصل شریعت الٰہی میں قطعی حُرمت اُن چار ہی چیزوں کی ہے جن کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ ان کے سوا دُوسری حیوانی غذاؤں میں مختلف درجوں کی کراہت ہے۔ جن چیزوں کی کراہت صحیح روایات کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ حُرمت کے درجہ سے قریب تر ہیں۔

اور جن چیزوں میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے ان کی کراہت مشکوک ہے۔ رہی طبعی کراہت جس کی بنا پر بعض اشخاص بعض چیزوں کو کھانا پسند نہیں کرتے، یا طبقاتی کراہت جس کی بنا پر انسانوں کے بعض طبقے بعض چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں، یا قومی کراہت جس کی بنا پر بعض قومیں بعض چیزوں سے نفرت کرتی ہیں، تو شریعتِ الٰہی کسی کو مجبور نہیں کرتی کہ وہ خواہ مخواہ ہر اس چیز کو ضرور ہی کھا جائے جو حرام نہیں کی گئی ہے۔ اور اسی طرح شریعت کسی کو یہ حق بھی نہیں دیتی کہ وہ اپنی کراہت کو قانون قرار دے اور ان لوگوں پر الزام عائد کرے جو ایسی غذائیں استعمال کرتے ہیں جنہیں وہ ناپسند کرتا ہے۔

مردار کے اجزاء میں حکم حرمت پر فقہی مذاہب

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ مردار کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعی کا یہی مذہب ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ تو وہ پاک لیکن میت میں شامل کی وجہ سے جنس ہو جاتا ہے، اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہ کا مجوسیوں کا پنیر کھانا گو بطور اعتراض ان پر ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبی نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے اور کوئی بہنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بہنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی اور پنیر اور گورخر کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو، سور کی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی، دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ (البقرہ ۱۷۳)

•••-----•••-----•••

كِتَابُ الْأُضْحِيَةِ

﴿یہ کتاب قربانی کے بیان میں ہے﴾

کتاب اضحیہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ کتاب ذبائح کے بعد کتاب اضحیہ کو لائے ہیں کیونکہ ذبائح یہ عمومی طور پر ذبح کرنا ہے جبکہ قربانی خاص ذبیحہ کو کہتے ہیں۔ اور یہ اصول ہے کہ خاص عام کے بعد ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی فقہی مطابقت کے پیش نظر کتاب اضحیہ کو ذبائح کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۴، ص ۱۷۳، بیروت)

اضحیہ کی لغوی وشرعی تعریف

اضحیہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے عید الاضحیٰ کے دن ذبح کیا جاتا ہے۔ اضحیہ کے شرعی معنی ہیں: مخصوص جانور کا مخصوص وقت میں عبادت کی نیت سے ذبح کرنا۔ (تعریفات، ص ۸)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قربانی واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب اضحیہ)

وجوب اضحیہ کے شرعی مأخذ کا بیان

حضرت مخنف بن سلیم سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (حجۃ الوداع کے موقعہ پر) عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے اور عتیرہ ہے۔ اور کیا تم کو معلوم ہے کہ عتیرہ کس کو کہتے ہیں؟ یہ وہی ہے جس کو لوگ رجبیہ کہتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1022)

قربانی کے وجوب وعدم وجوب میں مذاہب اربعہ

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا نہ اس کی نظریں تمہارے مال پر ہیں بلکہ اس کی نگاہیں تمہارے دلوں پر اور تمہارے اعمال پر ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ خیرات وصدقہ سائل کے ہاتھ میں پڑے اس سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ قربانی کے جانور کے خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے اس سے پہلے اللہ کے ہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خون کا قطرہ الگ ہوتے ہی قربانی مقبول ہو جاتی ہے۔

عامر شعبی سے قربانی کی کھالوں کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا اللہ کو گوشت وخون نہیں پہنچتا اگر چاہو بیچ دو، اگر چاہو خود رکھ لو، اگر

چاہوراہ اللہ دے دو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کوتمہارے قبضے میں دیا ہے۔ کہ تم اللہ کے دین اوراس کی شریعت کی راہ پا کراس کی مرضی کے کام کرواورنا مرضی کے کاموں سے رک جاؤ۔ اوراس کی عظمت وکبریائی بیان کرو۔ جولوگ نیک کار ہیں، حدود اللہ کے پابند ہیں، شریعت کے عامل ہیں، رسولوں کی صداقت تسلیم کرتے ہیں وہ مستحق مبارکبادا ور لائق خوشخبری ہیں۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، ثوری کا قول ہے کہ جس کے پاس نصاب زکوٰۃ جتنا مال ہواس پرقربانی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط بھی ہے کہ وہ اپنے گھر میں مقیم ہو۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جسے وسعت ہواورقربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔ اس روایت میں غرابت ہےاورامام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے منکر بتاتے ہیں۔ ابن عمرفرماتے ہیں رسول اللہ صلی علیہ وسلم برابردس سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اورحضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ قربانی واجب وفرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مال میں زکوٰۃ کےسوااورکوئی فرضیت نہیں۔ یہ بھی روایت پہلے بیان ہوچکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام امت کی طرف سے قربانی کی پس وجوب ساقط ہوگیا۔

حضرت ابوشریحہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں حضرت ابوبکراورحضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ یہ دونوں بزرگ قربانی نہیں کرتے تھےاس ڈر سے کہ لوگ ان کی اقتدا کریں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں قربانی سنت کفایہ ہے، جب کہ محلے میں سے یا گلی میں سے یا گھر میں سے کسی ایک نے کرلی باقی سب نے ایسا نہ کیا۔ اس لئے کہ مقصود صرف شعار کا ظاہر کرنا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات میں فرمایا ہرگھروالوں پر ہرسال قربانی ہےاورعتیرہ ہے جانتے ہوعتیرہ کیا ہے؟ وہی جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنے پورے گھر کی طرف سے ایک بکری راہ اللہ ذبح کردیا کرتے تھےاورخود بھی کھاتے، اوروں کوبھی کھلاتے۔ پھرلوگوں نے اس میں وہ کرلیا جوتم دیکھ رہے ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

ہرمسلمان مقیم موسرپرقربانی کے وجوب کا بیان

اَلْأُضْحِيَّةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ مُوسِرٍ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى عَنْ نَفْسِهِ وَعَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ يَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً أَوْ يَذْبَحُ بَدَنَةً أَوْ بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْفَقِيرِ، وَالْمُسَافِرِ أُضْحِيَّةٌ وَوَقْتُ الْأُضْحِيَّةِ يَدْخُلُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَهْلِ الْأَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتَّى يُصَلِّيَ الْإِمَامُ صَلَاةَ الْعِيدِ فَأَمَّا أَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُونَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ

ترجمہ

ہر مسلمان، آزاد، مقیم، مالدار پر عید الاضحیٰ کے دن قربانی کرنا واجب ہے۔ جسے وہ اپنی طرف سے اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے ذبح کرے گا۔ وہ ہر آدمی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے گا۔ یا سات آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ یا گائے ذبح کرے گا۔ فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ قربانی کا وقت قربانی کے دن کی فجر کے طلوع کرنے سے شروع ہو جاتا ہے۔ مگر شہر والوں کے لئے امام کے لئے نماز عید پڑھ لینے تک اپنی قربانی کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ باقی رہا مسئلہ گاؤں، دیہات اور بستی والوں کا تو وہ طلوع فجر کے بعد ہی ذبح کر سکتے ہیں۔ ایک یوم نحر اور دو دن اس کے بعد تین دنوں تک قربانی کر لینا جائز ہے۔

وجوب قربانی کی شرائط کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قربانی واجب ہونے کے شرائط یہ ہیں۔ اسلام یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں، آقامت یعنی مقیم ہونا، مسافر پر واجب نہیں،

تونگری یعنی مالک نصاب ہونا یہاں مالداری سے مراد وہی ہے جس سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے وہ مراد نہیں جس سے زکوۃ واجب ہوتی ہے،

حریت یعنی آزاد ہونا جو آزاد نہ ہو اوس پر قربانی واجب نہیں کہ غلام کے پاس مال ہی نہیں لہذا عبادت مالیہ اوس پر واجب نہیں۔ مرد ہونا اس کے لیے شرط نہیں۔ عورتوں پر واجب ہوتی ہے جس طرح مردوں پر واجب ہوتی ہے اس کے لیے بلوغ شرط ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور نابالغ پر واجب ہے تو آیا خود اوس کے مال سے قربانی کی جائے گی یا اوس کا باپ اپنے مال سے قربانی کریگا۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ نہ خود نابالغ پر واجب۔ ہے اور نہ اوس کی طرف سے اوس کے باپ پر واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اور مسافر پر اگرچہ واجب نہیں مگر نفل کے طور پر کرے تو کر سکتا ہے ثواب پائے گا۔ حج کرنے والے جو مسافر ہوں اون پر قربانی واجب نہیں اور مقیم ہوں تو واجب ہے جیسے کہ مکہ کے رہنے والے حج کریں تو چونکہ یہ مسافر نہیں ان پر واجب ہوگی۔

(درمختار، ردالمحتار، کتاب اضحیہ، بیروت)

وجوب قربانی میں فقہی تصریحات کا بیان

خلاصہ یہ کہ اس پر قربانی کو واجب کرنے والی روایات کثیرہ متفق ہیں اور یہی متون اور شروح کے اطلاق کے موافق ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان جب اپنی رہائش لباس، ضروری سامان سے زائد مقدار نصاب کا مالک گھوڑے، ہتھیار اور غلام وغیرہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو تو قربانی واجب ہے، اور وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے۔

اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہ باعث احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، اگر تو اعتراض کرے کہ فقہاء کرام نے قربانی کے معیار وجوب کو صدقہ فطر کے معیار وجوب کی طرف پھیرا ہے اور تنویر میں قربانی کو صدقہ واجبہ کی حرمت کے معیار پر

لاگو کیا ہے جہاں انھوں نے کہا کہ صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہے جو اپنی اصل حاجت سے زائد نصاب والا ہو اگر چہ وہ نصاب نامی نہ ہو اور اسی نصاب سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہو جاتا ہے۔

اور درمختار میں مصارف زکوٰۃ کے باب میں کہا کہ زکوٰۃ غنی پر صرف نہ کی جائے غنی وہ ہے کہ اپنی اصلی حاجت سے فارغ قدر نصاب کا مالک ہو خواہ کوئی بھی مال ہو۔ اور ردالمحتار میں کہا کہ فتاوی میں مذکور ہے ایسے شخص کے متعلق جو دکانوں اور مکانوں کا مالک ہو جن کو کرایہ پر دیا ہو لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہیں کرتا تو وہ فقیر ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زکوٰۃ حلال ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال نہیں ہے۔ اور یونہی اگر انگور ہوں اور ان کی آمدن اسے کافی نہ ہو۔

قربانی کے واجب میں دلائل کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اضحیٰ کے دن عید منانے کا حکم ہوا ہے (یعنی دسویں ذی الحجہ کو) جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے عید قرار دیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میرے پاس محض عاریۃً ملی ہوئی اونٹنی یا بکری ہو تو کیا مجھ پر اس کی قربانی بھی واجب ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! بلکہ تو صرف اپنے بال اور ناخن کترلے اور مونچھیں کم کرادے اور زیر ناف کے بال مونڈ لے۔ بس اللہ کے نزدیک یہی تیری قربانی ہے۔

(سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1023)

حنفی مذہب میں قربانی ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو مقیم اور غنی ہو یعنی نصاب کا مالک ہو اگر چہ نصاب نامی نہ ہو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی سنت موکدہ ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ علیہ کا بھی مشہور اور مختار قول یہی ہے۔

بچے کے مال سے زکوٰۃ و قربانی کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان حنفی ملا علی قاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ مصنف کی یہ قید بیان کرنا کہ زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے اس سے مدبر، ام ولد اور مکاتب سے احتراز ہے۔ اور مکلّف کی قید سے یہ بیان کیا ہے کہ بچے اور مجنون پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

حضرت امام مالک و امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ ان دونوں پر زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ جس طرح ان پر بیوی پر نفقہ، فطرانہ اور عشر وغیرہ واجب ہیں اسی طرح زکوٰۃ بھی لازم ہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا کہ تم میں جو یتیم کا ولی ہو تو اس میں صدقہ کھانے کے لئے جاری کرے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے صغیر کے مال سے وجوب سے قول بیان کیا ہے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے مؤطا میں حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میری خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولایت میں یتیم تھے تو وہ ہمارے مالوں سے زکوٰۃ نکالا کرتیں تھیں۔

فقہاء احناف کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے۔

ولنا ما روى أبو داود، والنسائي، وابن ماجه، والحاكم وقال: على شرط مسلم، أنّ النبيّ صلى الله عليه وسلم قال: رُفِعَ القلمُ عن ثلاثة: عن النائمِ حتى يستيقظ، وعن الصبيّ حتى يَحْتَلِمَ، وعن المجنونِ حتى يَعْقِل ۔

اس سے ہمارا استدلال یہ ہے کہ سونے والے جاگنے تک اور بچے کے بالغ ہونے تک اور مجنون کے عقل مند ہونے تک ان سے احکام شرعیہ کا تکلف اٹھالیا گیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جس یتیم کے مال کا ولی ہو تو اسے چاہیے کہ اس میں سالوں کا حصہ رکھے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو وہ اس کو اطلاع کرے کہ اس پر اتنی مقدار میں زکوٰۃ ہے اگر وہ چاہے تو ادا کرے اور نہ چاہے تو ترک کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی استدلال کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ پہلے نمبر پر جو حدیث بیان ہوئی ہے حضرت امام احمد حنبل کے نزدیک اس کی سند صحیح نہیں ہے اور امام ترمذی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور دوسری دلیل میں انہوں نے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معارض ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول صحیح اور ترجیح یافتہ قرار پائے گا کیونکہ زکوٰۃ کی شرائط میں نیت ضروری ہے اور بچے اور مجنون کی نیت ثابت نہ ہوگی۔ اور ولی کی نیت اس لئے معتبر نہ ہوگی کیونکہ عبادات واجبہ میں غیر کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (قاعدہ فقہیہ)

(شرح الوقایہ، ج ۱، ص ۳۶۰، مکتبہ مشکوٰۃ الاسلامیہ)

گائے واونٹ میں سات آدمیوں کی شرکت پر مذاہب فقہاء

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی تو گائے اور اونٹ دونوں میں سات سات آدمی شریک ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اسحاق کا بھی یہی قول ہے اسحاق فرماتے ہیں۔ کہ اونٹ دس آدمیوں کے لئے بھی کافی ہے ان کی دلیل حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا حدیث ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1555)

اگر اونٹ یا گائے کی قربانی ہو تو اس میں حصہ ڈالا جا سکتا ہے، لیکن اگر بکری اور بھیڑ یا دنبہ کی قربانی کی جائے تو پھر اس میں حصہ نہیں ڈالا جا سکتا، اور ایک گائے یا ایک اونٹ میں سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حج یا عمرہ کی ھدی میں ایک اونٹ یا گائے میں سات افراد کا شریک ہونا سے ثابت ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: "ہم نے حدیبیہ میں رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک اونٹ اور ایک گائے سات سات افراد کی جانب سے ذبح کی تھی۔
(صحیح مسلم حدیث نمبر (1318)

اور ایک روایت میں ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: "ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا اور ایک اونٹ اور ایک گائے سات افراد کی جانب سے ذبح کی۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" گائے سات افراد کی جانب سے ہے، اور اونٹ سات افراد کی جانب سے۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر (2808)

امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں رقمطراز ہیں۔ ان احادیث میں قربانی کے جانور میں حصہ ڈالنے کی دلیل پائی جاتی ہے، اور علماء اس پر متفق ہیں کہ بکرے میں حصہ ڈالنا جائز نہیں، اور ان احادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک اونٹ سات افراد کی جانب سے کافی ہوگا، اور گائے بھی سات افراد کی جانب سے، اور ہر ایک سات بکریوں کے قائم مقام ہے، حتی کہ اگر محرم شخص پر شکار کے فدیہ کے علاوہ سات دم ہوں تو وہ ایک گائے یا اونٹ نحر کر دے تو سب سے کفائت کر جائے گا۔

قربانی کے وقت کا بیان

حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (یعنی بقر عید کے دن) ہمارے سامنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ "اس دن سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم (عید الاضحیٰ کی) نماز پڑھیں پھر گھر واپس جائیں اور قربانی کریں، لہٰذا جس آدمی نے اس طرح عمل کیا (کہ قربانی سے پہلے نماز و خطبے سے فراغت حاصل کر لی) اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا اور جس آدمی نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں ہے بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لیے جلدی ذبح کر لیا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1408)

مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے قربانی کر لینے سے قربانی کا ثواب نہیں ملتا بلکہ اس کا شمار اس گوشت میں ہو جاتا ہے جو عام طور پر گھر والے کھاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مشروع یہ ہے کہ پہلے عید قربان کی نماز پڑھی جائے اس کے بعد خطبہ پڑھا جائے اور سنا جائے پھر قربانی کی جائے چونکہ حدیث بالا میں قربانی کا وقت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس لیے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عید قربان کے دن طلوع فجر سے پہلے قربانی جائز نہیں۔ البتہ طلوع فجر کے بعد قربانی کا وقت شروع ہونے کے سلسلے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

چنانچہ حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جب آفتاب بقدر نیزہ بلند ہو جائے اور اس کے بعد کم از کم دو رکعت نماز اور دو مختصر خطبے کی بقدر وقت گزر جائے تو قربانی کا وقت شروع ہوتا ہے اس کے بعد قربانی کرنا جائز ہے خواہ بقر عید کی نماز ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ اس وقت سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے خواہ قربانی کرنے والا شہر میں رہتا ہو یا دیہات کا رہنا والا ہو، نیز امام شافعی کے نزدیک

قربانی کاوقت تیرہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قربانی کا وقت شہروالوں کے لیے عید قربان کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے اور دیہات والوں کے لیے طلوع فجر کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے۔ان کے ہاں قربانی کا آخری وقت بارہویں تاریخ کے آخر تک رہتا ہے۔

قربانی واجب ہے یا سنت: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے ہاں قربانی واجب نہیں بلکہ سنت ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے اگرچہ نصاب نامی نہ ہو۔

وقت سے پہلے قربانی کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس آدمی نے (قربانی کا جانور) نماز سے پہلے ذبح کیا تو گویا اس نے اپنے (محض کھانے کے) واسطے ذبح کیا (اس لئے اسے قربانی کا ثواب حاصل نہیں ہوا) جس آدمی نے نماز کے بعد ذبح کیا تو بلاشبہ اس کی قربانی ادا ہوگئی اور (اس طرح) اس نے مسلمانوں کے طریقے کو اپنایا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلداول: حدیث نمبر 1410)

جمہور علماء کا مسلک یہی ہے مگر تعجب ہے کہ اتنی واضح اور صحیح احادیث کے باوجود حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ نے نہ معلوم کیوں جمہور علماء کے مسلک کے خلاف یہ کہا کہ قربانی کا وقت شروع ہو جانے کی بعد قربانی کر لینی جائز ہے۔خواہ نماز ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو جیسا کہ ابھی پیچھے ان کا مسلک نقل کیا گیا ہے۔

نماز عید کے بعد قربانی کرنے کا قربانی کرنے کا بیان

حضرت براء رضی اللہ عنہ، روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میرے خالو حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز سے پہلے قربانی کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو گوشت کی بکری ہوئی حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک چھ ماہ کی بکری کا بچہ ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قربانی کر اور تیرے علاوہ یہ کسی کے لئے کافی نہیں پھر فرمایا جس آدمی نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کرلی تو گویا اس نے اپنے نفس کے لئے ذبح کی اور جس نے نماز کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی پوری ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو اپنالیا۔ (صحیح مسلم: جلدسوم: حدیث نمبر 572)

قربانی کے تین دن ہونے میں آثار کا بیان

آثار صحابہ: روایت مسولہ کے ضعیف ہونے کے بعد آثار صحابہ کی تحقیق درج ذیل ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: الاضحی یومان بعد یوم الاضحی قربانی والے دن کے بعد (مزید) دو دن قربانی (ہوتی) ہے۔ (موطا امام مالک ۲۴۹ وسندہ صحیح، السنن الکبری)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: النحر یومان بعد یوم النحر و افضلھا یوم النحر قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن طحاوی وسندہ حسن)
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الاضحی یومان بعدہ قربانی والے (اول) دن کے بعد دو دن قربانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن، وھو صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: النحر ثلاثۃ ایام قربانی کے تین دن ہیں۔ (احکام القرآن، وھو حسن)۔
تنبیہ: احکام القرآن میں حماد بن سلمہ بن کھیل عن حجۃ عن علی ہے۔ جبکہ صحیح حماد بن سلمہ بن کھیل عن حجیۃ عن علی ہے جیسا کہ کتب اسماء الرجال سے ظاہر ہے اور حماد سے مراد حماد بن سلمہ ہے۔
ان کے مقابلے میں چند آثار درج ذیل ہیں۔ حسن بصری نے کہا: عید الاضحیٰ کے دن کے بعد تین دن قربانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن وسندہ صحیح) عطا (بن ابی رباح) نے کہا: ایام تشریق کے آخر تک (قربانی ہے)۔ (احکام القرآن وسندہ حسن) عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: الاضحی یوم النحر و ثلاثۃ ایام بعدہ۔ قربانی عید کے دن اور اس کے بعد تین دن ہے۔ (السنن الکبری بیہقی وسندہ حسن)

امام شافعی اور عام علماء اہل حدیث کا فتویٰ یہی ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔ بعض علماء اس سلسلے میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔
ان سب آثار میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول راجح ہے کہ قربانی تین دن ہے، عید الاضحیٰ اور دو دن بعد۔ ابن حزم نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ نے فرمایا کہ قربانی تین دن ہیں۔ (المحلی)
اس روایت کی سند حسن ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (مطبوع) میں یہ روایت نہیں ملی۔ واللہ اعلم
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع کیا تھا، بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ ممانعت اس کی دلیل ہے کی قربانی تین دن ہے والا قول ہی راجح ہے۔
اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحت سے اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور آثار میں اختلاف ہے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔

اندھے، لنگڑے جانوروں کی قربانی کے عدم جواز کا بیان

وَلَا يُضَحَّى بِالْعَمْيَاءِ وَلَا الْعَوْرَاءِ وَلَا الْعَرْجَاءِ الَّتِي لَا تَمْشِي إِلَى الْمَنْسَكِ وَلَا بِالْعَجْفَاءِ وَلَا يَجُوزُ مَقْطُوعَةُ الْأُذُنِ أَوِ الذَّنَبِ وَلَا الَّتِي ذَهَبَ أَكْثَرُ أُذُنِهَا أَوْ ذَنَبِهَا فَإِنْ بَقِيَ أَكْثَرُ الْأُذُنِ أَوِ الذَّنَبِ جَازَ وَيَجُوزُ أَنْ يُضَحَّى بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِيِّ وَالثَّوْلَاءِ وَالْأُضْحِيَةُ مِنَ الْإِبِلِ، وَالْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ يُجْزِءُ

مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ الشَّيْءُ فَصَاعِدًا اِلَّا الضَّاْنُ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِءُ وَيَاْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْاُضْحِيَّةِ وَيَدَّخِرُ

ترجمہ

اندھے، کانے، اور ایسے لنگڑے جانور کی جو ذبح کرنے کی جگہ تک بھی چل کر نہ جا سکے قربانی کرنا جائز نہیں ہے اور دبلے جانور کی دم کٹے کی کان کٹے کی اور ایسے جانور کی بھی جس کے کان کا زیادہ حصہ یا دم کا زیادہ حصہ کٹا ہوا ہو قربانی جائز نہیں ہے۔ جب اکثر کان کا حصہ یا دم باقی ہو تو پھر جائز ہے۔ سینگوں کے بغیر جانور کی، خصی جانور کی، خارشیئے جانور کی اور دیوانے اور پاگل جانور کی قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ قربانی اونٹ گائے، اور بکری کی ہوتی ہے، اور ان کی طرف سے بھیڑ کے علاوہ ثنی یا اس سے بڑا کافی ہوگا۔ بھیڑ کے علاوہ اس لئے کہ اس سے جذع بھی کفایت کر جاتا ہے۔ قربانی کا گوشت فقیروں اور مالداروں دونوں کو کھلائے، اور جمع بھی کر سکتا ہے۔

اندھے جانور کی قربانی کے جائز نہ ہونے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور بھینگے جانور کی قربانی جائز ہے۔ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں اور کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو اس کی بھی قربانی ناجائز۔ اتنا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو اور لنگڑا جو قربان گاہ تک اپنے پاؤں سے نہ جا سکے اور اتنا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو اور جس کے کان یا دم یا چکی کٹے ہوں یعنی وہ عضو تہائی سے زیادہ کٹا ہو ان سب کی قربانی ناجائز ہے اور اگر کان یا دم یا چکی تہائی یا اس سے کم کٹی ہو تو جائز ہے جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں یا ایک کان نہ ہو اوس کی ناجائز ہے اور جس کے کان چھوٹے ہوں اوس کی جائز ہے۔ جس جانور کی تہائی سے زیادہ نظر جاتی رہی اوس کی بھی قربانی ناجائز ہے اگر دونوں آنکھوں کی روشنی کم ہو تو اس کا پہچاننا آسان ہے۔

اور صرف ایک آنکھ کی کم ہو تو اس کے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو ایک دو دن بھوکا رکھا جائے پھر اوس آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے جس کی روشنی کم ہے اور اچھی آنکھ کھلی رکھی جائے اور اتنی دور چارہ رکھیں جس کو جانور نہ دیکھے پھر چارہ کو نزدیک لاتے جائیں جس جگہ وہ چارے کو دیکھنے لگے وہاں نشان رکھ دیں پھر اچھی آنکھ پر پٹی باندھ دیں اور دوسری کھول دیں اور چارہ کو قریب کرتے جائیں جس جگہ اس آنکھ سے دیکھ لے یہاں بھی نشان کر دیں پھر دونوں جگہوں کی پیمائش کریں اگر یہ جگہ اوس پہلی جگہ کی تہائی ہے تو معلوم ہوا کہ تہائی روشنی کم ہے اور اگر نصف ہے تو معلوم ہوا کہ بہ نسبت اچھی آنکھ کی اس کی روشنی آدھی ہے۔ (درمختار، عالمگیری، کتاب اضحیہ، بیروت)

عیب زدہ جانوروں کی قربانی نہ ہونے کا بیان

حضرت عبید بن فیروز سے روایت ہے کہ میں نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا کہ قربانی کے لیے کس طرح کا جانور درست نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا کہ چار طرح کے جانور درست نہیں ہیں۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ میری انگلیاں آپ کی انگلیوں سے

چھوٹی ہیں اور میری انگلیوں کی پوریں بھی آپ کی انگلیوں کی پوروں سے چھوٹی اور حقیر ہیں۔

آپ نے فرمایا قربانی کے لیے چار طرح کے جانور درست نہیں ہیں ایک وہ جس کا کانا پن یا بھینگا پن بالکل ظاہر ہو۔ دوسرے وہ جو دیکھنے سے ہی بیمار لگتا ہو اور تیسرا وہ جس کا لنگڑا پن بالکل ظاہر ہو چوتھا وہ بوڑھا اور کمزور جانور جس کی ہڈی میں گودا نہ ہو۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے تو جانور بھی برا لگتا ہے جس کی عمر کم ہو۔ آپ نے فرمایا جو تجھے برا لگے تو اس کو رہنے دے مگر کسی دوسرے کو اس سے منع نہ کر۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 1036)

لنگڑے جانور کی قربانی کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گائے کی قربانی سات آدمیوں کے لئے راوی نے عرض کیا اگر وہ خریدنے کے بعد بچہ جنے فرمایا اس کو بھی ساتھ ذبح کرو۔ میں نے عرض کیا لنگڑی گائے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا اگر قربانی گاہ تک پہنچ جائے (تو جائز ہے) میں نے عرض کیا اگر اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو؟ فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ ہمیں حکم دیا گیا یا فرمایا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم کانوں اور آنکھوں کو اچھی طرح دیکھ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور سفیان ثوری اسے سلمہ کہیل سے نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1556)

بکری و جنس بکری کی عمر ایک سال ہونے کا بیان

حضرت برا رضی اللہ عنہ بن عازب سے روایت ہے کہ ان کے خالو حضرت ابو بردہ بن نیار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی ذبح ہونے سے پہلے اپنی قربانی ذبح کی اور انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ دن ہے کہ جس میں گوشت کی خواہش رکھنا مکروہ ہے اور میں نے اپنی قربانی جلدی کر لی ہے تاکہ میں اپنے گھر والوں اور ہمسایوں کو کھلاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو دوبارہ قربانی کر انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے پاس ایک کم عمر دودھ والی بکری ہے وہ گوشت کی دو بکریوں میں بہتر ہے تو آپ نے فرمایا یہی تیری دونوں قربانیوں میں بہتر ہے اور اب تیرے بعد ایک سال سے کم عمر کی بکری کسی کے لئے جائز نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 573)

قربانی میں گائے اور اونٹ کی عمروں کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مسنہ (یعنی بکری وغیرہ ایک سال کی عمر کی اور گائے دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کی عمر کا ہو) کے سوا قربانی کا جانور ذبح نہ کرو سوائے اس کے کہ اگر تمہیں (ایسا جانور نہ ملے) تو تم ایک سال سے کم عمر کا دنبے کا بچہ ذبح کر لو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 585)

جذعہ کی قربانی کرنے کا بیان

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیا تاکہ وہ اسے

صحابہ کرام میں بطریق قربانی کے تقسیم کردیں چنانچہ (انہوں نے تقسیم کردیا) تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا اور انہوں نے اس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کی قربانی تم کرلو" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے !دنبہ کا ایک بچہ ملا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کی قربانی کرلو۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1430)

عتود بکری کے اس بچہ کو فرماتے ہیں جو موٹا تازہ ہو اور ایک سال کی عمر کا ہو۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کے ایک سال کے بچہ کی قربانی جائز ہے چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "عتود" بکری کے اس بچے کو فرماتے ہیں جو چھ مہینہ سے زیادہ کا ہو اس صورت میں یہ حکم صرف عقبہ ابن عامر کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ دوسروں کے لیے عتود کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔ "جزعہ" کے بارہ میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے۔ یعنی دنبہ کا وہ بچے جو چھ مہینے سے زیادہ کا ہو۔

صرف دنبہ کی قربانی کے لئے چھ ماہ پر اجماع کا بیان

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر (قربانی) کے دن خطبہ دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی نماز سے پہلے جانور ذبح نہ کرے۔ براء کہتے ہیں کے میرے ماموں کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ ایسا دن ہے کہ لوگ اس دن گوشت سے جلدی اکتا جاتے ہیں میں نے یہ سوچ کر اپنی قربانی جلدی کرلی کہ اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کو کھلا دوں آپ نے حکم دیا کہ تم دوبارہ قربانی کرو۔ انہوں نے عرض کیا میرے پاس ایک بکری ہے جو دودھ بھی دیتی ہے لیکن اس کی عمر ایک سال سے کم ہے اس کے باوجود وہ گوشت میں دو بکریوں سے بہتر ہے کیا میں اسے ذبح کردوں آپ نے فرمایا ہاں یہ تیری اچھی قربانی ہے اور تیرے بعد کسی کے لئے (بکری کا) سال سے کم عمر کا بچہ جائز نہیں۔ اس باب میں حضرت جابر، جندب، انس، عویمر بن اشقر، ابن عمر اور ابوزید انصاری سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ شہر میں عید کی نماز ادا کرنے سے پہلے قربانی نہ کی جائے جب کہ بعض علماء گاؤں میں رہنے والوں کو طلوع فجر کے بعد قربانی کی اجازت دیتے ہیں۔ ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ چھ مہینے کا صرف دنبہ ہی قربانی میں ذبح کیا جا سکتا ہے بکری وغیرہ نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1561)

فقیہ زعفرانی کے قول کے مقدم ہونے کا بیان

ظہیریہ سے ہے کہ زمین اور آمدن والی ملکیت ہو تو متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختلاف کیا ہے۔ تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے ان کی قیمت کا اعتبار کیا اور ابوعلی الدقاق وغیرہ نے ان کی آمدن کا اعتبار کیا ہے اور پھر آمدن کے اعتبار والوں کا آپس میں اختلاف ہوا۔

ابوعلی الدقاق نے کہا اگر سال بھر کی آمدن حاصل ہو جائے تو قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے مہینے کا قول کیا ہے آمدن میں سے سال بھر میں دوسو درہم فاضل بچ جائیں یا اس سے زائد تو اس پر قربانی واجب ہے۔

اور ردالمحتار میں اسی کی مثل مذکور ہے اور انھوں نے ترجیح کو ذکر نہ کیا، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔

عبارت یہ ہے، اقول (میں کہتا ہوں) خانیہ میں اس پر جز فطرانہ کے متعلق کیا ہے اور انھوں نے اختلاف کو ذکر نہ کیا، جہاں انھوں نے فرمایا، جو ایک مکان اور تین جوڑے لباس سے زائد ہوں وہ غناء میں شمار ہوگا اھ، پھر فرمایا اگر اس کا مکان ہو جس میں رہائش پذیر نہیں اس کو کرایہ پر دیا ہو یا نہ دیا ہو تو اس کی قیمت کے اعتبار سے غناء میں شمار ہوگا، اور یوں اگر مکان میں رہائش پذیر ہو اور رہائش سے کچھ کمرے زائد ہوں تو زائد کی قیمت کو نصاب میں شمار کیا جائے گا اور اس نصاب سے صدقہ فطر اور قربانی زکوٰۃ لینے کی حرمت اقارب کا نفقہ کے احکام متعلق ہو جائیں گے۔

اور خزانۃ المفتین میں خانیہ کی اس کلام کو اس کی رمز "خ" کے ساتھ ذکر کیا اور یوں ہی بزازیہ نے متاخرین کے اقوال کو ذکر کیا اور زعفرانی کے قول کو دوسروں پر مقدم کیا کہ قیمت کا اعتبار ہے اور پھر کہا کہ امام ثانی (امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ) کے نزدیک زمینوں کی وجہ سے غنی قرار پائے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب اضحیہ، بیروت)

جذعہ کے بارے میں بعض فقہی اقوال کا بیان

حضرت عبداللہ بن ہشام اپنی اور اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے۔ (بخاری) اب قربانی کے جانور کی عمر کا بیان ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نہ ذبح کرو مگر مسنہ بجز اس صورت کے کہ وہ تم پر بھاری پڑ جائے تو پھر بھیڑ کا بچہ بھی چھ ماہ کا ذبح کر سکتے ہو۔ زہری تو کہتے ہیں کہ جزعہ یعنی چھ ماہ کا کوئی جانور قربانی میں کام ہی نہیں آسکتا اور اس کے بالمقابل اوزاعی کا مذہب ہے کہ ہر جانور کا جزعہ کافی ہے۔ لیکن یہ دونوں قول افراط والے ہیں۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اونٹ گائے بکری تو وہ جائز ہے جو ثنی ہو۔ اور بھیڑ کا چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔ اونٹ تو ثنی ہوتا ہے جب پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں لگ جائے۔ اور گائے جب دو سال پورے کر کے تیسرے میں لگ جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین گزار کر چوتھے میں لگ گیا ہو۔ اور بکری کا ثنی وہ ہے جو دو سال گزار چکا ہو اور جذعہ کہتے ہیں اسے جو سال بھر کا ہو گیا ہو اور کہا گیا ہے جو دس ماہ کا ہو۔

ایک قول ہے جو آٹھ ماہ کا ہو ایک قول ہے جو چھ ماہ کا ہو اس سے کم مدت کا کوئی قول نہیں۔ اس سے کم عمر والے کو حمل کہتے ہیں جب تک کہ اس کی پیٹھ پر بال کھڑے ہوں اور بال لیٹ جائیں اور دونوں جانب جھک جائیں تو اسے جذع کہا جاتا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، حج ۳۴)

تین دنوں کے بعد قربانی کا گوشت کھانے کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں کے

بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا ہے پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کھاؤ اور زادراہ بناؤ اور جمع کرو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 607)

حضرت عبداللہ بن واقد روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی بکر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن واقد نے سچ کہا ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرماتے ہوئے سنا آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر کچھ دیہاتی لوگ آگئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانیوں کا گوشت تین دنوں کی مقدار میں رکھو پھر جو بچے اسے صدقہ کردو پھر اس کے بعد صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگ اپنی قربانیوں کی کھالوں سے مشکیزے بناتے ہیں اور ان میں چربی بھی پگھلاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور اب کیا ہو گیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں کے بعد قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ان ضرورت مندوں کی وجہ سے جو اس وقت آگئے تھے تمہیں منع کیا تھا لہٰذا اب کھاؤ اور کچھ چھوڑ دو اور صدقہ کرو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 606)

قربانی کے گوشت کو صدقہ کرنے کا بیان

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ لَا يُنْقِصَ الصَّدَقَةَ مِنَ الثُّلُثِ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا أَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ آلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ، وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَذْبَحَ أُضْحِيَّتَهُ بِيَدِهِ إِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ وَيُكْرَهُ أَنْ يَذْبَحَهَا الْكِتَابِيُّ وَإِذَا غَلِطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أُضْحِيَّةَ الْآخَرِ أَجْزَأَ عَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا،

ترجمہ

مستحب یہ ہے کہ جو گوشت صدقہ کرے وہ ایک تہائی سے کم نہ ہو۔ اس کی کھال بھی صدقہ کردے یا اس سے کوئی ایسی شئے بھی بنا سکتا ہے جو گھر میں استعمال کی جائے۔ جب خود بہتر طور پر کر سکتا ہو تو اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا ہی افضل ہے۔ کسی کتابی نے قربانی کو ذبح کیا تو یہ مکروہ ہوگا۔ جب دو آدمیوں نے غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی ذبح کر ڈالی تو اس طرح بھی وہ دونوں کی طرف سے کفایت کر جائے گی۔ اور ان پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا۔

اپنے ہاتھ جانور ذبح کرنے کے مستحب ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبوں کی جو سینگوں والے (یعنی جن کے سینگ لمبے تھے یا یہ کہ سینگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور ابلق (یعنی سیاہ رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ و اللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ان کے پہلو (یا کلے) پر پاؤں رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1427)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ اگر وہ ذبح کے آداب جانتا ہو تو قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر اپنی طرف سے کسی دوسری آدمی سے ذبح کرائے اور خود وہاں موجود رہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا (یعنی بسم اللہ کہنا) حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور تکبیر کہنی (یعنی واللہ اکبر کہنا) علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ ویقول بسم اللہ واللہ اکبر میں اس طرف اشارہ ہے کہ لفظ واللہ اکبر واؤ کے ساتھ کہنا افضل ہے۔ ذبح کے وقت درود پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔

غلطی سے ایک دوسرے کی قربانی کر دینے کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو شخصوں نے غلطی سے یہ کیا کہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کی بکری ذبح کردی یعنی ہر ایک نے دوسرے کی بکری کو اپنی سمجھ کر قربانی کر دیا تو بکری جس کی تھی اوسی کی قربانی ہوئی اور چونکہ دونوں نے ایسا کیا لہٰذا دونوں کی قربانیاں ہوگئیں اور اس صورت میں کسی پر تاوان نہیں بلکہ ہر ایک اپنی اپنی بکری ذبح شدہ لے لے اور فرض کرو کہ ہر ایک کو اپنی غلطی اوس وقت معلوم ہوئی جب اوس بکری کو صرف کر چکا تو چونکہ ہر ایک نے دوسرے کی بکری کھا ڈالی لہٰذا ہر ایک دوسرے سے معاف کرالے اور اگر معافی پر راضی نہ ہوں تو چونکہ ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کا گوشت بلا اجازت کھا ڈالا گوشت کی قیمت کا تاوان لے لے اس تاوان کو صدقہ کرے کہ قربانی کے گوشت کے معاوضہ کا یہی حکم ہے۔

یہ تمام باتیں اس وقت ہیں کہ ہر ایک دوسرے کے اس فعل پر کہ اوس نے اس کی بکری ذبح کر ڈالی راضی ہو تو جس کی بکری تھی اوسی کی قربانی ہوئی اور اگر راضی نہ ہو تو بکری کی قیمت کا تاوان لے گا اور اس صورت میں جس نے ذبح کی اوس کی قربانی ہوئی یعنی بکری کا جب تاوان لیا تو بکری ذابح کی ہوگئی اور اسی کی جانب سے قربانی ہوئی اور گوشت کا بھی یہی مالک ہوا۔

دوسرے کی قربانی کی بکری بغیر اوس کی اجازت کے قصداً ذبح کردی اس کی دو صورتیں ہیں مالک کی طرف سے اس نے قربانی کی یا اپنی طرف سے، اگر مالک کی نیت سے قربانی کی تو اوس کی قربانی ہوگئی کہ وہ جانور قربانی کے لیے تھا اور قربان کر دیا گیا اس صورت میں مالک اوس سے تاوان نہیں لے سکتا اور اگر اوس نے اپنی طرف سے قربانی کی اور ذبح شدہ بکری کے لینے پر مالک راضی ہے تو قربانی مالک کی جانب سے ہوئی اور ذابح کی نیت کا اعتبار نہیں اور مالک اگر اس پر راضی نہیں بلکہ بکری کا تاوان لیتا ہے تو مالک کی قربانی نہیں ہوئی بلکہ ذابح کی ہوئی کہ تاوان دینے سے بکری کا مالک ہو گیا اور اوس کی اپنی قربانی ہوگئی۔

(در مختار، رد المحتار، کتاب اضحیہ، بیروت)

•••———•••———•••

کِتَابُ الْاَیْمَانِ

﴿یہ کتاب اَیمان کے بیان میں ہے﴾

کتاب الایمان کی فقہی مطابقت کا بیان

قسم سے متعلق احکام کو کتاب اضحیہ کے بعد بیان کیا گیا ہے کیونکہ ایک مکلف انسان قربانی میں ایک عبادت کی نیت کرتا ہے اور اس میں مضبوط ارادہ وقصد کرنے والا ہے۔ اور اسی مضبوط ارادہ وقصد کے بعد جب کسی کلام کو مزید زیادہ پختہ کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے قسم اٹھائی جاتی ہے۔ لہٰذا اسی کے موافق کتاب ایمان یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ بیان کر رہے ہیں۔

لفظ قسم کی لغوی تحقیق کا بیان

خلیل ابن احمد الفراہیدی لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں (ق س م) کا مادّہ دو معنی کے لئے آتا ہے، اگر سین کے سکون کے ساتھ (قَسْم) ہو تو اِسکا معنی "مال کے کسی حصّے کا جزء جزء کرنا، یا مال سے ہر ایک کے حصّے کو جدا کرنا" ہے، اور اس کی جمع "اَقسام" آتی ہے، لیکن اگر یہ مادّہ سین کے فتحہ کے ساتھ (قَسَم) ہو، تو پھر بھی اس کی جمع "اَقسام" ہی ہے، (جیسے: سَبَب و أسْبَاب)، اور اِس وقت اِسکا معنیٰ "قسم کھانا" ہیں۔ (کِتَابُ الْعَیْنِ، ج ۵، بیروت دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ ق، ص ۸۶)

اِس مادّہ (قَسَم) سے جو اَفعال، قَسَم کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں، وہ باب اِفعال (اَقْسَم)، باب مفاعلہ (قَاسَمَ) جیسے: (وَ قَاسَمَهُمَا اِنِّی لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ) (الاعراف، ۲۱) "اور (شیطان نے) اُن دونوں سے قَسم کھائی کہ میں تمھیں نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں"۔

یہاں یہ فعل بابِ مفاعلہ سے دو نفر کے درمیان مشترک نہیں ہے، بلکہ "سَافَرْتُ شَهْراً" (میں نے پورے ایک ماہ سفر کیا) کی طرح ہے، اور احتمالِ قوی یہ ہے کہ یہاں یہ فعل مبالغہ کے لئے آیا ہو، مبالغہ کی صورت میں آیت کا معنیٰ اِسطرح ہوگا، "اُس نے تاکیداً قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا یقیناً خیر خواہ اور ہمدرد ہوں"، لیکن اِس بات کا امکان بھی ہے کہ باب مفاعلہ "قَاسَمَهُمَا" اِس آیت میں طرفین کے لئے (مشترک) ہو، اور حضرت آدم وحوا کے شیطان کی بات سننے کی وجہ سے، یا اُسکی بات کو قبول کرنے کی وجہ سے، اور یا اُس سے قسم کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے یہ فعل استعمال ہوا ہو، نیز بابِ اِفتعال (اِقْتَسَمَ)، باب تفاعل (تَقَاسَمَ)، اور باب استفعال (اِسْتَقْسَمَ) بھی اِسی مادہ قَسم سے، قسم کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن قرآن کریم میں زیادہ تر باب اِفعال کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے۔

امام راغب اصفہانی "اِس لفظ کے بارے میں لکھتے ہیں، "قَسم کی اصل " قَسَامَة " ھے اور "قَسَامَة" اُس قسم کو کہتے ہیں کہ جسے مقتول کے ورثہ پر تقسیم کیا جاتا ہے، کیونکہ اُنھوں نے یہ دعویٰ کیا ہوتا ہے، مثلاً کہ زید نے عمرو کو مارا ہے، تو ضروری ہے کہ عمرو کے ورثہ میں سے ہرایک، قتل کا گواہ وشاہد نہ ہونے کی صورت میں، اپنے اِس دعوے پر قسم کھائے۔

(اَلْقَسَمُ فِی اللُّغَةِ وَ فِی الْقُرآنِ ، ص ۲۴)

قسم کی اقسام کا بیان

اَلْأَيْمَانُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَضْرُبٍ يَمِينِ غَمُوسٍ وَيَمِينٍ مُنْعَقِدَةٍ وَيَمِينِ لَغْوٍ فَالْغَمُوسُ هِيَ الْحَلِفُ عَلَى أَمْرٍ مَاضٍ يَتَعَمَّدُ الْكَذِبَ فِيهِ فَهَذَا الْيَمِينُ يَأْثَمُ بِهَا صَاحِبُهَا وَلَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا الِاسْتِغْفَارُ وَالْيَمِينُ الْمُنْعَقِدَةُ هِيَ الْحَلِفُ عَلَى الْأَمْرِ الْمُسْتَقْبَلِ أَنْ يَفْعَلَهُ أَوْ لَا يَفْعَلَهُ فَإِذَا حَنِثَ فِي ذَلِكَ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَيَمِينُ اللَّغْوِ أَنْ يَحْلِفَ عَلَى أَمْرٍ مَاضٍ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّهُ كَمَا قَالَ وَالْأَمْرُ بِخِلَافِهِ فَهَذِهِ الْيَمِينُ نَرْجُو أَنْ لَا يُؤَاخِذَ اللَّهُ بِهَا صَاحِبَهَا

ترجمہ

قسم کی تین اقسام ہیں۔ یمین غموس، یمین منعقدہ اور تیسری کی یمین لغو ہے۔ تو یمین غموس گزری ہوئی بات پر ارادۃً جھوٹ بولتے ہوئے قسم اٹھانے کو کہتے ہیں۔ اس میں قسم اٹھانے والا گنہگار ہوتا ہے۔ البتہ اس میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہوئے مغفرت کی دعامانگنے کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں۔ اور یمین منعقد آنے والے وقت میں کسی کام کے کردینے یا نہ کرنے پر قسم اٹھانے کو کہتے ہیں۔ جب کوئی اسے توڑدے، تو اس میں کفارہ لازم ہوگا۔ اور یمین لغو یہ گمان کرتے ہوئے کہ جیسے میں نے کہا ایسے ہی ہے۔ ماضی کے کسی کام پر قسم اٹھانے کا نام ہے مگر ہواس کے گمان کے خلاف ہی تو اسے یمین لغو کہیں گے۔ اس قسم میں ہم امید تو یہی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب قسم پر کوئی پکڑ نہ فرمائے گا۔

قسم کی اقسام کا فقہی بیان

قسم کی تین قسمیں ہیں۔ ۱غموس۔ ۲لغو۔ ۳منعقدہ۔

یمین غموس کی تعریف وحکم

"غموس" اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر جھوٹی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے "خدا کی قسم "میں نے یہ کام کیا تھا" حالانکہ واقعتاً "وہ کام نہیں کیا تھا یا یوں کہا جائے "خدا کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا تھا" حالانکہ واقعتاً وہ کام کیا گیا تھا! اسی طرح مثلاً زید نے یہ کہا کہ خدا کی قسم! خالد کے ذمہ میرے ہزارروپے ہیں۔ یا خدا کی قسم! میرے ذمہ خالد کے ہزارروپے نہیں ہیں حالانکہ حقیقت میں خالد کے ذمہ اس کے ہزارروپے نہیں ہیں یا اس کے ذمہ خالد کے ہزارروپے ہیں۔

غموس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح جھوٹی قسم کھانے والا شخص گنہگار ہوتا ہے۔لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ توبہ واستغفار ضروری ہوتا ہے

یمین لغو کی تعریف وحکم

"لغو" اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر کھائی جائے اور قسم کھانے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہہ رہا ہوں لیکن واقعہ کے اعتبار سے وہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے۔مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ "واللہ! یہ کام میں نے نہیں کیا تھا" حالانکہ اس شخص نے یہ کام کیا تھا مگر اس کو یہی گمان ہے کہ میں نے کام نہیں کیا ہے! یا اس شخص نے دور سے کسی شخص کو دیکھا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا۔بلکہ خالد تھا لیکن! یہ قسم اس شخص نے یہی گمان کر کے کھائی تھی کہ وہ زید ہے۔قسم کی اس نوعیت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کھانے والے کے بارے میں امید یہی ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

یمین منعقدہ کی تعریف وحکم

"منعقدہ" اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائی جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے خلاف کیا جائے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔مثلاً زید نے یوں کہا کہ ! خدا کی قسم، میں آنے والی کل میں خالد کو سو روپے دوں گا اب اگر اس نے آنے والی کل میں خالد کو سو روپے نہیں دیئے تو اس پر قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا۔منعقدہ قسم کی بعض صورتیں ایسی ہوتیں ہیں جن میں قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے فرائض کے کرنے یا گناہ کو ترک کرنے کی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم! میں ظہر کی نماز پڑھوں گا۔یا۔خدا کی قسم! میں زنا کرنا چھوڑ دوں گا ان صورتوں میں قسم کو پورا کرنا واجب ہے۔

بعض صورتیں ایسی ہوتیں ہیں، جن میں قسم کو پورا نہ کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے کوئی نادان کسی گناہ کو کرلے یا کسی واجب پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو توڑنا ہی واجب ہے۔اسی طرح منعقدہ قسم کی بعض صورتوں میں قسم کو توڑنا واجب تو نہیں ہوتا مگر بہتر ہوتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ "خدا کی قسم! میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کروں گا" تو اس قسم کو پورا نہ کرنا بہتر ہے ان کے علاوہ اور صورتوں میں محافظت قسم کے پیش نظر قسم کو پورا کرنا افضل ہے۔

وجوب کفارہ کے سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ "منعقدہ" قسم توڑنے پر بہر صورت کفارہ واجب ہوتا ہے۔قسم خواہ قصداً کھائی گئی ہو اور خواہ قسم کھانے والے کو قسم کھانے پر یا قسم توڑنے پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔

قسم کے کفارے کا فقہی بیان

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ بردہ کو آزاد کیا جائے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ان دونوں ہی صورتوں میں ان شرائط واحکام کو سامنے رکھا جائے جو کفارہ ظہار میں بردہ کو آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے سلسلے میں منقول ہیں اور یا دس مسکینوں کو پہننے کا کپڑا دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو ایسا کپڑا دیا جائے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے، لہٰذا اگر صرف پاجامہ دیا

جائے گا تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی قادر نہ ہو یعنی نہ تو بردہ آزاد کر سکتا ہو، نہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو، اور نہ دس مسکینوں کو لباس دے سکتا ہو تو پھر وہ تین روزے پے در پے رکھے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دے دینا جائز ہے، کافر کی قسم میں کفارہ واجب نہیں ہوتا اگر چہ وہ حالت اسلام میں اس قسم کو توڑے۔ اسی طرح چونکہ بچے، سوئے ہوئے شخص اور دیوانے کی قسم، سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتی اس لئے ان پر قسم توڑنے کا کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

قسم کے الفاظ کا فقہی بیان

عربی میں قسم کے لئے تین حروف ہیں۔ ا و۔ ۲ ب ۳ ت مثلاً یوں کہا جائے واللہ یا باللہ یا تاللہ ان تینوں کا مفہوم یہ ہے۔

میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، عربی زبان واسلوب کے مطابق بسا اوقات یہ حروف مقدر ہوتے ہیں یعنی لفظوں میں تو ان کا ذکر نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں ان کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے یوں کہا جائے **واللہ افعلہ** ۔ یہ معنی مفہوم کے اعتبار سے **و اللہ افعلہ** ہے۔

قسم باری تعالیٰ کی اسم ذات اللہ کے ساتھ یا اس کے دوسرے ناموں میں سے کسی اور نام مثلاً۔ رحمٰن، رحیم اور حق وغیرہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے اور ان ناموں میں سے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر ایسے ناموں کے ساتھ قسم کھائی جائے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی ذات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے علیم و حکیم وغیرہ تو ان میں نیت کی احتیاج ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ان صفات کے ساتھ قسم کھانا بھی صحیح ہے جن کے ساتھ عام طور پر قسم کھانے کا رواج ہو جیسے اللہ کی عزت و جلال کی قسم! اللہ کی بڑائی و بزرگی کی قسم اور اللہ کی عظمت و قدرت کی قسم! ہاں ان صفات کے ساتھ قسم کھانا صحیح نہیں ہوتا۔ جن کے ساتھ قسم کھانے کا عام طور پر رواج نہ ہو، جیسے رحمت، علم، رضا، غضب اور عذاب۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے جیسے باپ اور دادا کی قسم، قرآن کی قسم، انبیاء کی قسم، ملائکہ کی قسم کعبہ کی قسم، نماز روزہ کی قسم، مسجد حرام اور زم زم کی قسم اور دیگر تمام شعائر کی قسم یا اسی طرح بعض لوگ اس طرح قسم کھاتے ہیں اپنی جوانی کی قسم، اپنے سر کی قسم، تمہاری جان کی قسم، تمہاری قسم اپنی اولاد کی قسم، یہ سب ناجائز ہے، لیکن اگر اس طرح کی کوئی قسم کھائی جائے اور پھر اس کے خلاف کیا جائے تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا۔

عربی میں **لعمر اللہ** قسم ہے، اسی طرح "سوگند خدا" یا "خدا کی سوگند کھاتا ہوں" بھی قسم ہے، نیز عبد اللہ میثاق اللہ قسم کھاتا ہوں، حلف کرتا ہوں اور اشہد (اگر چہ اس کے ساتھ لفظ اللہ ذکر نہ کیا جائے) یہ سب بھی قسمیں ہیں۔

اسی طرح کہنا "مجھ پر نذر ہے" یا "مجھ پر یمین ہے" یا مجھ پر عہد ہے (اگر چہ اس کی اضافت اللہ کی طرف نہ کرے) بھی قسم ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں یا یہودی ہو جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں یا یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اللہ تعالیٰ سے بری ہوں تو اس طرح کہنے سے بھی قسم ہو جاتی ہے، اس کے خلاف کرنے سے قسم توڑنے کا حکم ثابت ہو جاتا ہے لیکن اپنے کہنے کے مطابق وہ کافر یا یہودی یا عیسائی نہیں ہو جاتا۔ خواہ اس فلاں کام کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہو یا

آئندہ زمانہ سے، بشرطیکہ اسے یہ علم ہو کہ اس طرح کہنا قسم ہے، ہاں اگر اس طرح کہتے وقت اس کے ذہن میں قسم کا تصور نہ ہو بلکہ واقعتاً کفر ہی کا تصور رکھتا ہو پھر اس صورت میں اس وجہ سے کہ اس نے خود کفر کو اختیار کیا ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ "اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو اس پر اللہ کا غضب ٹوٹے یا اس پر اللہ کی لعنت ہو" یا یوں کہے کہ اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو وہ زانی ہے، یا چور ہے، یا شرابی ہے، یا سود خور ہے، تو اس کو قسم نہیں کہیں گے، اسی طرح یہ کہنا "حقاً" یا "وحق اللہ" بھی قسم نہیں ہے، لیکن اس میں حضرت امام ابو یوسف کا اختلافی قول ہے۔

اسی طرح کہنا کہ "میں خدا کی سوگند کھاؤں یا۔ بیوی پر طلاق کی سوگند کھاؤں" بھی قسم نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی کسی مملوکہ چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیز اس پر حرام نہیں ہو جاتی۔ لیکن اس کو استعمال کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے اپنے اوپر روٹی کو حرام کرلیا ہے، اس طرح کہنے سے روٹی اس پر حرام نہیں ہو جاتی، لیکن اگر وہ اس کے بعد روٹی کھائے گا تو قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ تمام حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کا اطلاق کھانے پینے کی تمام چیزوں پر ہوگا یعنی اگر وہ کوئی حلال چیز کھائے گا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا، نیز اس پر فتویٰ ہے کہ اس طرح کہنے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اس نے

اس کی نیت نہ کی ہو، اسی طرح یوں کہنا کہ "حلال چیز مجھ پر حرام ہے" یا یہ کہنا کہ اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز بھی لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ" بھی ادا کرے تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی چونکہ وہ سرے سے قسم ہی نہیں ہوگی اس لئے اس کے خلاف کرنے سے کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

عامد و ناسی و مجبور کا قسم کھانے میں برابر ہونے کا بیان

وَالْعَامِدُ فِي الْيَمِينِ وَالنَّاسِي وَالْمُكْرَهُ سَوَاءٌ وَمَنْ فَعَلَ الْمَحْلُوفَ عَلَيْهِ عَامِدًا أَوْ نَاسِيًا أَوْ مُكْرَهًا فَهُوَ سَوَاءٌ وَالْيَمِينُ بِاللّٰهِ تَعَالَى أَوْ بِاسْمٍ مِنْ أَسْمَائِهِ كَالرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ أَوْ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ ذَاتِهِ كَقَوْلِهِ وَعِزَّةِ اللّٰهِ وَجَلَالِهِ وَكِبْرِيَائِهِ إِلَّا قَوْلَهُ وَعِلْمِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ يَمِينًا وَإِنْ حَلَفَ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ كَغَضَبِ اللّٰهِ وَسَخَطِهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآنِ وَالْكَعْبَةِ

ترجمہ

جان بوجھ کر، بھول کر یا مجبوراً قسم اٹھانے والا سب برابر ہیں۔ جب کوئی ایسا کام جس پر قسم اٹھائی جاتی ہے۔ جان بوجھ کر، بھول کر یا مجبوراً کرلیا۔ تو وہ بھی قسم اٹھانے والوں میں برابر ہے۔ قسم اللہ تعالیٰ کی یا اس کے نام کی اٹھائی جاتی ہے۔ مثلاً رحمٰن،

رحیم یا پھر اس کی ذات، صفت کے ساتھ قسم اٹھائی جاتی ہے۔ مثلاً قسم اللہ کی عزت کی، اس کی بزرگی کی اور اس کی بڑائی کی اس قول کے علاوہ کہ قسم اللہ کے علم کی، یہ قسم نہیں ہوگی۔ جب اللہ تعالیٰ کی کسی فعلی صفت کے ساتھ قسم کھائی۔ مثلاً قسم اللہ کے غضب کی، قسم اللہ کی ناراضگی کی، تو یوں کہنے والا قسم اٹھانے والا نہیں ہوگا۔ جب کسی نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم اٹھائی تو وہ بھی قسم اٹھانے والا نہیں ہوگا۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم، قرآن اور کعبہ شریف کی قسم اٹھانا ہے۔

شرح

علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص غلطی سے قسم کھا بیٹھا مثلاً کہنا چاہتا تھا کہ پانی لاؤ یا پانی پیوں گا اور زبان سے نکل گیا کہ خدا کی قسم پانی نہیں پیوں گا یا یہ قسم کھانا نہ چاہتا تھا دوسرے نے قسم کھانے پر مجبور کیا تو وہی حکم ہے جو قصداً اور بلا مجبور کیے قسم کھانے کا ہے یعنی توڑے گا تو کفارہ دینا ہوگا قسم توڑنا اختیار سے ہو یا دوسرے کے مجبور کرنے سے قصداً ہو یا بھول چوک سے ہر صورت میں کفارہ ہے بلکہ اگر بیہوشی یا جنون میں قسم توڑنا ہوا جب بھی کفارہ واجب ہے جب کہ ہوش میں قسم کھائی ہو اور اگر بے ہوشی یا جنون میں قسم کھائی تو قسم نہیں کہ عاقل ہونا شرط ہے اور یہ عاقل نہیں ہے۔

(تبیین الحقائق، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۴۲۳)

اور اس پر قسم کھائی اس ڈر سے کہ اگر قسم نہ کھائے گا تو کوئی ظالم اس کو مار ڈالے گا یا کوئی اور سزا دے گا اسی طرح ہر شخص جس پر زبردستی کی جائے اور وہ ڈرتا ہو تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کی مدد کرے ظالم کا ظلم اس پر سے دفع کرے اس کے بچانے کے لیے جنگ کرے اس کو دشمن کے ہاتھ میں نہ چھوڑ دے پھر اگر اس نے مظلوم کی حمایت میں جنگ کی اور اس کے بچانے کی غرض سے ظالم کو مار ہی ڈالا تو اس پر قصاص لازم نہ ہوگا (نہ دیت لازم ہوگی) اور اگر کسی شخص سے یوں کہا جائے تو شراب پی لے یا مردار کھا لے یا اپنا غلام بیچ ڈال یا اتنے قرض کا اقرار کرے (یا اس کی دستاویز لکھ دے) یا فلاں چیز ہبہ کر دے یا کوئی عقد توڑ ڈال نہیں تو ہم تیرے دینی باپ یا بھائی کو مار ڈالیں گے تو اس کو یہ کام کرنے درست ہو جائیں گے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس سے یوں کہا جائے تو شراب پی لے یا مردار کھا لے نہیں تو ہم تیرے بیٹے یا باپ یا محرم رشتہ دار، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ کو مار ڈالیں گے تو اس کو یہ کام کرنے درست نہ ہوں گے نہ وہ مضطر کہلائے گا پھر ان بعض لوگوں نے اپنے قول کا دوسرے مسئلہ میں خلاف کیا۔

کہتے ہیں کہ کسی شخص سے یوں کہا جائے ہم تیرے باپ یا بیٹے کو مار ڈالتے ہیں نہیں تو تو اپنا یہ غلام بیچ ڈال یا اتنے قرض کا اقرار کر لے یا فلاں چیز ہبہ کر دے تو قیاس یہ ہے کہ یہ سب معاملے صحیح اور نافذ ہوں گے مگر ہم اس مسئلہ میں استحسان پر عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں بیع اور ہبہ اور ہر ایک عقد اقرار وغیرہ باطل ہوگا ان بعض لوگوں نے ناطہ دار اور غیر ناطہ دار میں بھی فرق کیا ہے۔ جس پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو فرمایا یہ میری بہن ہے اللہ کی راہ میں دین کی رو سے اور ابراہیم نخعی نے کہا اگر قسم لینے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی

نیت معتبر ہوگی اور اگر قسم لینے والا مظلوم ہو تو اس کی نیت معتبر ہوگی۔ (تبیین الحقائق، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۲۲۳)

اللہ کے نام کے سوا کی قسم اٹھانے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے علاوہ کسی چیز کی قسم اٹھانا منع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اپنے باپ دادا کی قسم نہ اٹھایا کرو۔ جو شخص قسم اٹھانا چاہے اسے اللہ ہی کی قسم اٹھانی چاہئے یا وہ خاموش رہے۔ (ترمذی، حدیث ۱۵۳۵)

اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے، جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک یا کفر کیا (ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور حاکم نے صحیح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو شخص یوں کہے والات والعزی (مجھے لات وعزیٰ کی قسم) اسے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا اقرار کرنا چاہئے۔ (صحیح ترمذی، کتاب النذور والإیمان، باب ما جاء فی کراهية الحلف بغير ملة الإسلام۔ حدیث ۵۴۵)

قرآن مجید کی قسم اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے معانی کو سمیت خود صادر فرمایا ہے۔ کلام کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی قسم اللہ تعالیٰ کی صفت کی قسم ہے اور یہ جائز ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ! جس شخص کو قسم کھانا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا چپ رہے۔

(بخاری ومشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 591، مسلم)

باپ کی قسم کھانے سے منع کرنا مثال کے طور پر ہے، اصل مقصد تو یہ ہدایت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھایا کرو۔ بطور خاص "باپ" کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ باپ کی قسم بہت کھاتے ہیں! نیز عبداللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت وجلالت کے سبب چونکہ قسم اسی ذات کے ساتھ مختص ہے، اس لئے کسی غیر اللہ کو اللہ کے مشابہ نہ قرار دیا جائے، چنانچہ حضرت ابن عباس کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑ ڈالوں، اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اس کو پورا کروں۔ ہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا سوال ہے تو اس کو سزاوار ہے کہ وہ اپنی عظمت وجلالت کے اظہار کے لئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھائے۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں منقول ہوا ہے (افلح وابیہ) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کی قسم کھائی جب کہ یہ حدیث اس کے سراسر خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ کی قسم کھانا اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہوگا۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا، یا پھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باپ کی قسم قصداً نہ کھائی ہوگی بلکہ قسم کہ یہ الفاظ قدیم عادت کی بناء پر اضطراراً آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گئے ہوں گے۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپوں کی قسم کھاؤ" (مسلم)

ایام جاہلیت میں عام طور پر لوگ بتوں اور باپوں کی قسم کھایا کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو قبولیت اسلام کے بعد اس سے منع فرمایا تاکہ وہ اس بارے میں احتیاط رکھیں اور قدیم عادت کی بنا پر اس طرح کی قسمیں ان کی زبان پر نہ چڑھیں۔

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں یہ الفاظ ادا کرے "میں لات وعزیٰ کی قسم کھاتا ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے۔ اور جو شخص اپنے کسی دوست سے یہ کہے کہ آؤ ہم دونوں جوا کھیلیں تو اس کو چاہئے کہ وہ صدقہ وخیرات کرے۔" (بخاری ومسلم)

"وہ لا الہ الا اللہ کہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے۔ اس حکم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر لات و عزیٰ کے نام کسی نومسلم کی زبان سے سہواً نکل جائیں تو اس کے کفارہ کے طور پر کلمہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آیت (فان الحسنات یذھبن السیات ۔" (بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔"

پس اس صورت میں غفلت وسہو سے توبہ ہو جائے گی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کی زبان سے لات وعزیٰ کے نام ان بتوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں گے تو یہ صراحتاً ارتداد اور کفر ہے لہٰذا اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھے اس صورت میں معصیت سے توبہ ہوگی۔

"صدقہ وخیرات کرے" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دوست کو جوا کھیلنے کی دعوت دے کر چونکہ ایک بڑی برائی کی ترغیب دی ہے، لہٰذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس نے جس مال کے ذریعہ جوا کھیلنے کا ارادہ کیا تھا اسی مال کو صدقہ وخیرات کردے! اس سے معلوم ہوا کہ جب محض جوا کھیلنے کی دعوت دینے کا کفارہ یہ ہے کہ صدقہ وخیرات کرنے چاہیے تو یہ شخص واقعتاً کھیلے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔

حروف قسم کا بیان

وَالْحَلِفُ بِحُرُوفِ الْقَسَمِ وَحُرُوفُهُ الْوَاوُ كَقَوْلِهِ وَاللّٰهِ وَالْبَاءُ كَقَوْلِهِ بِاللّٰهِ وَالتَّاءُ كَقَوْلِهِ تَاللّٰهِ وَقَدْ تُضْمَرُ الْحُرُوفُ فَيَكُونُ حَالِفًا كَقَوْلِهِ اللّٰهِ لَأَفْعَلَنَّ كَذَا وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ إِذَا قَالَ : وَحَقُّ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ وَإِذَا قَالَ : أُقْسِمُ أَوْ أُقْسِمُ بِاللّٰهِ أَوْ أَحْلِفُ أَوْ أَحْلِفُ بِاللّٰهِ أَوْ أَشْهَدُ أَوْ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ فَهُوَ حَالِفٌ

ترجمہ

اور قسم حروف قسم کے ساتھ ہوتی ہے۔ حروف قسم میں سے ایک "واؤ" ہے۔ اس کی مثال جیسے واللہ اور ایک حرف "با" ہے

جیسے باللہ اور ''تا'' حرف قسم ہے۔ جیسے تاللہ کبھی یہ حروف پوشیدہ بھی ہوتے ہیں۔ پس ان سے قسم اٹھانے والا قسم اٹھانے والا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ کی قسم میں ضرور بضرور ایسا کروں گا ''اللہ لا فعل کذا'' امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی حق اللہ کہے تو وہ قسم اٹھانے والا نہیں ہوگا۔ مگر جب یہ کہے کہ میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں یا میں حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ تعالیٰ کا حلف اٹھاتا ہوں یا میں گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہوں تو پس وہ قسم اٹھانے والا ہو جائے گا۔

صریح وظاہر قَسَم کا فقہی مفہوم

وہ نوع جو قَسَم کے لئے وضع کیے گئے اَلفاظ کے ساتھ ہوتی ہے، اور وہ اَلفاظ جو قَسَم کے لئے وضع کیے گئے ہیں یا تو حرف ہیں، جیسے: (باء، تاء اور واؤ) اور یا وہ اَلفاظ فعل ہیں، جیسے:

(حَلَفَ، أَقْسَمَ، آلٰی وَ اِبْتَلٰی) اور یا وہ الفاظ اسم ھیں، جیسے: (یَمِیْن، أَیْمُن اور عَمْر).

لیکن وہ اَلفاظ جو فقط قَسَم کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں اور قَسَم کے علاوہ معنیٰ نہیں دیتے، وہ فقط فعلِ اُقْسِم اور اُحْلَفَ ھیں، اور قَسَم کے اَسماء میں سے لفظِ یَمِیْن اور اَیْمُن اُس وقت قَسَم کا معنیٰ دیتے ہیں، جب اِنکی اضافت لفظِ "اَللّٰہ" کی طرف ہو، لیکن اگر یہ لفظ "اَللّٰہ" کے غیر کی طرف مضاف ہوں، تو قرینہ کے ساتھ قَسَم پر دلالت کریں گے، کیونکہ اِن دونوں لفظوں (یَمِیْن وَ اَیْمُن) کے متعدد معنیٰ ہیں۔ (منشورات جامعۃ الفاتح، ۱۹۹۲ء، ص ۱۲۸)

اِسی طرح لفظِ "عَمْر" قَسَم کے لئے عین کے زبر (فَتْحہ) کے ساتھ آتا ہے، کیونکہ یہ صورت اِسکی دیگر دو صورتوں (عُمْر و عُمُر) کی نسبت خفیف اور آسان تر ہے، اور اِس لحاظ سے کہ زبان عرب میں قسم کا استعمال بہت زیادہ ہے، اسلئے لفظِ "عَمْر" کے لئے خفیف صورت کو اختیار کیا گیا ہے[۲]، یہ لفظ قرآنِ کریم میں اِسی صورت میں فقط ایک بار استعمال ہوا ہے: (لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ)۔ سورۂ حجر، آیت ۷۲ " اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپکی عمر اور زندگی کی قسم کہ یہ لوگ سخت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

بعض لغت شناس اِس بات کے قائل ہیں کہ لفظِ "عَمْر" لفظ "اَللّٰہ" کی طرف مضاف نہیں ہوتا، کیونکہ اِسکا معنیٰ "زندگی اور حیات" ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے "زندگی اور حیات" کوئی معنیٰ نہیں رکھتی ہے، کیونکہ وہ ایسی ذات ہے جس کا وجود اَزَلی ہے، اور یہ لفظ اُسکے لئے میں استعمال ہوتا ہے کہ جس کے لئے حیات کا ہونا اور پھر ختم ہو جانا، قابلِ تصوُّر ہو، لیکن اگر اِس لفظ "عَمْر" کا معنیٰ "بقاء اور دوام" قرار دیں، تو اِس صورت میں اِسکی اضافت ذاتِ پروردگارِ عالم کی طرف بلاشک وشبہ کوئی مانع نہیں رکھتی، اسلئے ہم اِس لفظ کا استعمال عربی اَشعار میں، لفظِ "اَللّٰہ" کی طرف اضافت کے ساتھ دیکھتے ہیں، جیسے:

اِذَا رَضِيَتْ عَلَيَّ بَنُو قُشَيْرٍ لَعَمْرُ اللّٰهِ أَعْجَبَنِي رِضَاهَا (ابو حیان اندلسی، اَلْبَحْرُ الْمُحِيْطُ فِي التَّفْسِيْرِ، ج۶، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ هجری، ص ۴۹۰)

"جب قبیلہ بنو قشیر مجھ سے راضی ہو جائے گا، تو اللہ کی بقاء و دوام کی قسم، اُن کا راضی ہونا مجھے تعجب میں ڈالے گا۔"

یہ لفظ "عَمر" زیادہ تر مخاطب کی ضمیر "کاف" اور یا متکلم کی ضمیر "یاء" کی طرف مضاف ہوتا ہے، اور اگر لامِ ابتداء، اِس لفظ پر داخل ہو، تو مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا ہے، کیونکہ یہ لام، کلام کی صدارت اور ابتداء چاہتا ہے، اور اگر یہ لفظ لام ابتداء سے خالی ہو تو پھر یا تو مبتداء یا خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا ہے، (اور مبتداء یا خبر میں سے کسی کو ترجیح حاصل نہیں ہے) اور یا یہ لفظ عاملِ جر کے حذف ہونے کی بناء پر منصوب ہوتا ہے، جسے اصطلاحاً "مَنْصُوْب بِنَزْعِ الْخَافِضِ" کہتے ہیں اور حقیقت میں "أُقْسِمُ بِعَمْرِكَ" تھا اور اس سے فعلِ قَسم اور حرفِ جر حذف ہو گئے ہیں۔(محمد المختار السلامی، اَلْقَسَمُ فِی اللُّغَةِ وَ فِی الْقُرآن، الطبعة الأولىٰ، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۹ء، ص۴۶)

بعض اِس بات کے قائل ہیں کہ صریح اور ظاہر قَسم وہ ہوتی ہے، جس میں فعلِ قَسم، حروفِ قَسم اور مُقْسَم بِہ (وہ چیز کہ جس کے ساتھ قسم کھائی گئی ہو) ذکر ہوئے ہوں، اور یا کم از کم اِن اُمور میں سے اکثر ذکر ہوئے ہوں، اِس طرح سے کہ فعلِ قَسم حذف ہو گیا ہو، اور واوِ قَسم اُس فعل کے حذف ہونے پر دلالت کرے، جیسے کہ قرآن کریم کی اکثر صریح اور ظاہر قسموں میں اِسی طرح سے ہے۔(منّاع القطان، مَبَاحِث فی عُلُوْمِ الْقُرآن، الطبعة الرابعة، بیروت، مؤسّسة الرسالة، ۱۳۹۶ق، ص ۲۹۳؛ شعبان محمد اسماعیل، اَلْمَدْخَلُ لِدِرَاسَةِ الْقُرآنِ وَ السُّنَّةِ وَ الْعُلُوْمِ الْإِسْلَامِيَّة، ج 1، الطبعة الأولىٰ، مصر، دار الانصار، ۱۴۰۰ق، ص۵۰۲)

نذر یا عہد کی قسم اٹھانے کا بیان

وَكَذَلِكَ إِنْ قَالَ : عَلَيَّ عَهْدُ اللَّهِ وَمِيثَاقُهُ فَهُوَ يَمِينٌ وَعَلَيَّ نَذْرٌ أَوْ نَذْرُ اللَّهِ عَلَيَّ وَإِنْ قَالَ : إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَأَنَا يَهُودِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ أَوْ مَجُوسِيٌّ أَوْ كَافِرٌ أَوْ مُشْرِكٌ كَانَ يَمِينًا وَإِنْ قَالَ : إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيْهِ غَضَبُ اللَّهِ أَوْ سَخَطُهُ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ وَكَذَلِكَ إِنْ قَالَ : إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَأَنَا زَانٍ أَوْ شَارِبُ خَمْرٍ أَوْ آكِلُ رِبًا أَوْ مَيْتَةً فَلَيْسَ بِحَالِفٍ

ترجمہ

اور اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ اللہ کے عہد کی اللہ کے پختہ وعدے کی مجھ پر نذر کی یا مجھ پر اللہ کی نذر کی قسم تو قسم ہو جائے گی۔ جب کوئی کہے کہ میں جب ایسا کروں تو میں یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں تو یہ قسم بھی ہو جائے گی۔ اگر کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب یا اس کی ناراضگی کی قسم تو اس طرح وہ قسم اٹھانے والا نہیں ہوگا۔ یونہی جب اس نے کہہ دیا کہ جب میں ایسا کروں تو میں زناء کرنے والا شراب پینے والا یا سود کھانے والا ہوں گا تو اس صورت میں بھی وہ قسم اٹھانے والا نہیں ہوگا۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ قسم نہیں اگر چہ ان کے بولنے سے گنہگار ہوگا جبکہ اپنی بات میں جھوٹا ہے اگر ایسا کروں

تو مجھ پر اللہ (عزوجل) کا غضب ہو۔اس کی لعنت ہو،اس کا عذاب ہو۔خدا کا قہر ٹوٹے، مجھ پر آسمان پھٹ پڑے، مجھے زمین نگل جائے۔مجھ پر خدا کی مار ہو، خدا کی پھٹکار ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ملے، مجھے خدا کا دیدار نہ نصیب ہو، مرتے وقت کلمہ نہ نصیب ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج ۲، ص ۵۴)

قسم کے کفارے کا بیان

وَكَفَّارَةُ الْيَمِينِ عِتْقُ رَقَبَةٍ يَجْرِي فِيهَا مَا يَجْرِي فِي الظِّهَارِ وَإِنْ شَاءَ كَسَا عَشَرَةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ وَاحِدٍ ثَوْبًا فَمَا زَادَ وَأَدْنَاهُ مَا تَجُوزُ فِيهِ الصَّلَاةُ وَإِنْ شَاءَ أَطْعَمَ عَشَرَةَ مَسَاكِينَ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى أَحَدِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ فَإِنْ قَدَّمَ الْكَفَّارَةَ عَلَى الْحِنْثِ لَمْ يَجُزْ وَمَنْ حَلَفَ عَلَى مَعْصِيَةٍ مِثْلُ أَنْ لَا يُصَلِّي أَوْ لَا يُكَلِّمَ أَبَاهُ أَوْ لَيَقْتُلَنَّ فُلَانًا فَيَنْبَغِي أَنْ يُحَنِّثَ نَفْسَهُ وَيُكَفِّرَ عَنْ يَمِينِهِ ،

ترجمہ

اور قسم کا کفارہ ایک غلام آزاد کرانا ہے۔اس میں وہی چیز کفایت کرے گی۔جو ظہار میں کفایت کرتی ہے جب چاہے تو دس مسکینوں کو ہر ایک کو ایک ایک کپڑا یا اس سے زائد کپڑے پہنا دے اور ادنیٰ درجہ کپڑے پہنانے کا یہ ہوگا کہ جو کپڑے وہ پہنائے ان میں نماز ہو جاتی ہو۔جب چاہے تو جیسے کفارۂ ظہار میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔ایسے ہی یہاں بھی دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔جب ان تین میں سے کسی کام پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو پھر مسلسل تین روزے رکھ لے۔جب کسی نے قسم توڑنے سے پہلے ہی کفارہ ادا کر دیا تو وہ کفارہ اسے کفایت نہیں کرے گا۔جس نے گناہ پر قسم کھائی۔مثال کے طور پر یوں کہا کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا اپنے باپ سے بات نہیں کروں گا یا فلاں کو میں ضرور قتل کر دوں گا تو اسے چاہئے کہ از خود قسم کو توڑتے ہوئے کفارہ ادا کرے گا۔

کفارہ قسم سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔کفارہ دس مسکینوں کا کھانا جو محتاج فقیر ہوں جن کے پاس بقدر کفایت کے نہ ہو اوسط درجے کا کھانا جو عموماً گھر میں کھایا جاتا ہو وہی انہیں کھلا دینا۔مثلاً دودھ روٹی، گھی روٹی، زیتون کا تیل روٹی، یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی خوراک بہت اعلیٰ ہوتی ہے بعض لوگ بہت ہی ہلکی غذا کھاتے ہیں تو نہ وہ ہو نہ یہ ہو، تکلف بھی نہ ہو اور بخل بھی نہ ہو، تنگی اور فراخی کے درمیان ہو، مثلاً گوشت روٹی ہے، سرکہ اور روٹی ہے، روٹی اور کھجوریں ہیں۔جیسی جس کی درمیانی حیثیت، اسی طرح قلت اور کثرت کے درمیان ہو۔

حضرت علی سے منقول ہے کہ صبح شام کا کھانا۔حسن اور محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ دس مسکینوں کو ایک ساتھ بٹھا کر روٹی گوشت کھلا دینا کافی ہے یا اپنی حیثیت کے مطابق روٹی کسی اور چیز سے کھلا دینا۔بعض نے کہا ہے ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں کھجوریں وغیرہ

دے دینا، امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ گیہوں تو آدھا صاع کافی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کا پورا صاع دے دے۔
ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجوروں کا کفارے میں ایک ایک شخص کو دیا ہے اور لوگوں کو بھی یہی حکم فرمایا ہے لیکن جس کی اتنی حیثیت نہ ہو وہ آدھا صاع گیہوں کا دے دے،
یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس کا ایک راوی بالکل ضعیف ہے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ دار قطنی نے اسے متروک کہا ہے اس کا نام عمر بن عبداللہ ہے، ابن عباس کا قول ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد گیہوں مع سالن کے دے دے، امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں لیکن سالن کا ذکر نہیں ہے اور دلیل ان کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رمضان شریف کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو ایک مکتل (خاص پیانہ) میں سے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اس میں پندرہ صاع آتے ہیں تو ہر مسکین کے لئے ایک مد ہوا۔ ابن مدویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے کفارے میں گیہوں کا ایک مد مقرر کیا ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں کیونکہ نضیر بن زرارہ کوفی کے بارے میں امام ابوحاتم رازی کا قول ہے کہ وہ مجہول ہے گو اس سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے واللہ اعلم،
پھر ان کے استاد عمری بھی ضعیف ہیں، امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ گیہوں کا ایک مد اور باقی اناج کے دو مد دے۔ واللہ اعلم (یہ یاد رہے کہ صاع انگریزی اسی روپے بھر کے سیر کے حساب سے تقریباً پونے تین سیر کا ہوتا ہے اور ایک صاع کے چار مد ہوتے ہیں واللہ اعلم، مترجم) یا ان دس کو کپڑا پہنانا،
امام شافعی کا قول ہے کہ ہر ایک کو خواہ کچھ ہی کپڑا دے دے جس پر کپڑے کا اطلاق ہوتا ہو کافی ہے، مثلاً کرتہ ہے، پاجامہ ہے، تہبد ہے، پگڑی ہے یا سر پر لپیٹنے کا رومال ہے۔
پھر امام صاحب کے شاگردوں میں سے بعض تو کہتے ہیں ٹوپی بھی کافی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ ناکافی ہے، کافی کہنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین سے جب اس کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہین اگر کوئی وفد کسی امیر کے پاس آئے اور وہ انہیں ٹوپیاں دے تو عرب تو یہی کہیں گے کہ قد کسوا انہیں کپڑے پہنائے گئے۔ لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں کیونکہ محمد بن زبیر ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ موزے پہنانے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں۔
امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ کم سے کم اتنا اور ایسا کپڑا ہو کہ اس میں نماز جائز ہو جائے مرد کو دیا ہے تو اس کی اور عورت کو دیا ہے تو اس کی۔

ابن عباس فرماتے ہیں عبا ہو یا شملہ ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک کپڑا ہو اور اس سے زیادہ جو ہو۔ غرض کفارہ قسم میں ہر چیز سوائے جانگئے کے جائز ہے۔ بہت سے مفسرین فرماتے ہیں ایک ایک کپڑا ایک ایک مسکین کو دے دے۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے ایسا کپڑا جو پورا کارآمد ہو مثلاً لحاف چادر وغیرہ نہ کہ کرتہ دوپٹہ وغیرہ ابن سیرن اور حسن دو دو کپڑے کہتے ہیں، سعید بن مسیّب کہتے ہیں عمامہ جسے سر پر باندھے اور عبا جسے بدن پر پہنے۔ حضرت ابوموسیٰ قسم کھاتے ہیں پھر اسے توڑتے ہیں تو دو کپڑے

بحرین کے دے دیتے ہیں۔ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر مسکین کے لئے ایک عبا، یہ حدیث غریب ہے، یا ایک غلام کا آزاد کرنا،

امام ابوحنیفہ تو فرماتے ہیں کہ یہ مطلق ہے کافر ہو یا مسلمان، امام شافعی اور دوسرے بزرگان دین فرماتے ہیں اس کا مومن ہونا ضروری ہے کیونکہ قتل کے کفارے میں غلام کی آزادی کا حکم ہے اور وہ مقید ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہے، دونوں کفاروں کا سبب چاہے جداگانہ ہے لیکن وجہ ایک ہی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم اسلمی کے ذمے ایک گردن آزاد کرنا تھی وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھ ایک لونڈی لئے ہوئے آئے۔حضور نے اس سیاہ فام لونڈی سے دریافت فرمایا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں پوچھا ہم کون ہیں؟ جواب دیا کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا اسے آزاد کرو یہ ایماندار عورت ہے۔پس ان تینوں کاموں میں سے جو بھی کرلے وہ قسم کا کفارہ ہو جائے گا اور کافی ہوگا اس پر سب کا اجماع ہے۔قرآن کریم نے ان چیزوں کا بیان سب سے زیادہ آسان چیز سے شروع کیا ہے اور بتدریج اوپر کو پہنچایا ہے۔پس سب سے سہل کھانا کھلانا ہے۔پھر اس سے قدرے بھاری کپڑا پہنانا ہے اور اس سے بھی زیادہ بھاری غلام کو آزاد کرنا ہے۔پس اس میں ادنی سے اعلی بہتر ہے۔اب اگر کسی شخص کو ان تینون میں سے ایک کی بھی قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھ لے۔

سعید بن جبیر اور حسن بصری سے مروی ہے کہ جس کے پاس تین درہم ہوں وہ تو کھانا کھلادے ورنہ روزے رکھ لے اور بعض متاخرین سے منقول ہے کہ یہ اس کے لئے ہے جس کے پاس ضروریات سے فاضل چیز نہ ہو معاش وغیرہ پونجی کے بعد جو فالتو ہو اس سے کفارہ ادا کرے،

امام ابن جریر فرماتے ہیں جس کے پاس اس دن کے اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے سے کچھ بچے اس میں سے کفارہ ادا کرے، قسم کے توڑنے کے کفارے کے روزے پے در پے رکھنے واجب ہیں یا مستحب ہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ واجب نہیں،

امام شافعی نے باب الایمان میں اسے صاف لفظوں میں کہا ہے امام مالک کا قول بھی یہی ہے کیونکہ قرآن کریم میں روزوں کا حکم مطلق ہے تو خواہ پے در پے ہوں خواہ الگ الگ ہوں تو سب پر یہ صادق آتا ہے جیسے کہ رمضان کے روزوں کی قضا کے بارے میں آیت (فعدة من ایام اخر) فرمایا گیا ہے وہاں بھی پے در پے کی یا علیحدہ علیحدہ کی قید نہیں اور حضرت امام شافعی نے کتاب الام میں ایک جگہ صراحت سے کہا ہے کہ قسم کے کفارے کے روزے پے در پے رکھنے چاہئیں یہی قول احناف اور حنابلہ کا ہے۔اس لئے کہ حضرت ابی بن کعب وغیرہ سے مروی ہے کہ ان کی قرأت آیت (فصیام ثلثه ایام متتابعات) ہے ابن مسعود سے بھی یہی قرأت مروی ہے، اس صورت میں اگرچہ اس کا متواتر قرأت ہونا ثابت نہ ہو۔

تاہم خبر واحد یا تفسیر صحابہ سے کم درجے کی تو یہ قرأت نہیں پس حکماً "یہ بھی مرفوع ہے۔ابن مردویہ کی ایک بہت ہی غریب

حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اختیار ہے آپ نے فرمایا ہاں، تو اختیار پر ہے خواہ گردن آزاد کر خواہ کپڑا پہنا دے خواہ کھانا کھلا دے اور جو نہ پائے وہ پے درپے تین روزے رکھنے۔ پھر فرماتا ہے کہ تم جب قسم کھا کر توڑ دو تو یہ کفارہ ہے لیکن تمہیں اپنی قسموں کی حفاظت کرنی چاہیے انہیں بغیر کفارے کے نہ چھوڑنا چاہیے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم شکر گزاری کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ ۸۹)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مایہ ناز کتاب "المغنی" میں رقمطراز ہیں۔ "غلہ قیمت کفارہ میں کفائت نہیں کرتی، اور نہ ہی لباس کی قیمت، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلہ ذکر کیا ہے لہٰذا اس کے بغیر کفارہ ادا نہیں ہوسکتا، اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے تین اشیاء کے مابین اختیار دیا ہے اور اگر اس کی قیمت دینا جائز ہوتی تو یہ اختیار ان تین اشیاء میں منحصر نہ ہوتا۔

(المغنی لابن قدمۃ المقدسی (256/11)

قسم کے روزوں میں عدم تسلسل میں فقہ مالکی وشافعی کا بیان

قسم کے کفارہ میں رکھے جانے والے تین روزے تسلسل کے ساتھ رکھنا واجب نہیں، اگر کسی شخص نے علیحدہ علیحدہ بھی رکھ لیے تو ادا ہو جائینگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق ذکر کیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تمہارا مؤاخذہ نہیں کرتا، لیکن اس پر مؤاخذہ فرماتا ہے کہ تم جن قسموں کو مضبوط کردو، اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا، یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا، ہے، اور جو کوئی نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ (المائدۃ (89)

ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "المحلی" میں کہتے ہیں: اگر چاہے تو تین روزے علیحدہ علیحدہ رکھنے سے ادا ہو جائینگے امام مالک، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تفریق سے تسلسل کو خاص نہیں کیا تو جس طرح بھی روزے رکھے جائیں ادا ہو جائینگے۔ (المحلی لابن حزم (345/6)

تمام مال صدقہ کرنے والے کفارے میں مذاہب اربعہ

یہ زیور ہی اس کا سارا مال اور پونجی ہو، تو اس زیور کا ایک تہائی حصہ صدقہ نکالنا کافی ہوگا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے. اور کچھ اہل علم نے سارا مال ہی صدقہ کرنا واجب قرار دیا ہے، جن میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: "جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو تو اس کا ایک تہائی حصہ ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا، امام زہری اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: زکوۃ والا مال سارا صدقہ کرے گا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: وہ اپنا سارا مال صدقہ کرے گا؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی نذر مانی ہو تو وہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرے" اور اس لیے بھی کہ وہ

اطاعت کی نذر ہے، لہٰذا اسے پورا کرنا لازم ہے، مثلاً نماز اور روزے کی نذر۔ اور اس کا ایک تہائی حصہ صدقہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ جب ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میری توبہ میں ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ کو فرمایا: تجھے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا ہی کافی ہو جائے "علامہ البانی نے مشکوٰۃ المصابیح حدیث نمبر (3439) کی تخریج میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: میری توبہ میں یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کرتا ہوں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا کچھ مال رکھ لو" متفق علیہ۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے: تیرے لیے ایک تہائی حصہ (کا صدقہ کرنا) کافی ہو جائے گا۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (340/11)

معنی یہ ہوا کہ: اگر نذر مانی ہوئی معین چیز سارے مال کو اپنے اندر سمو لے تو اس کا حکم اس شخص کا حکم ہو گا جس نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو، تو اس کے لیے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا کافی ہو گا۔

"سنت میں ہے کہ جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو اس کے لیے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا کافی ہو گا، کیونکہ سارا مال صدقہ کرنے میں ضرر ہے۔ (الفتاوی الکبری (188/6)

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: "اور جب کوئی شخص اپنے مال میں سے کوئی معین یا مقدار مثلاً ایک ہزار روپے صدقہ کرنے کی نذر مانے تو امام احمد سے روایت کیا جاتا ہے کہ: اس کا ایک تہائی دینا جائز ہے؛ کیونکہ اس نے مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے، تو اسے کے لیے ایک تہائی صدقہ کرنا کفائت کر جائیگا، سارے مال کی طرح ہے۔

اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ سارا ہی صدقہ کرے، کیونکہ اس نے وہ مال نذر مانا ہوا ہے، اور وہ فعل نیک و صالح اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہے، لہٰذا سب نذر والی اشیاء کی طرح اسے بھی پورا کرنا لازم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان کے عموم کی بنا پر بھی: وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ (الانسان 7)

اختلاف تو سارے مال میں ہے کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے، اور اس لیے بھی کہ سارا مال صدقہ کرنے میں ضرر لاحق ہوتا ہے، الا یہ کہ یہاں اگر نذر سارا مال ہی اپنے اندر سمو لے تو پھر اسی طرح ہو گا۔ (المغنی لابن قدامہ المقدسی (340/11)

نذر کا کفارہ قسم کے کفارے کی طرح ہونے کا بیان

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ جیسا ہے۔" (بوداؤد، ترمذی، نسائی مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 607) ۰

یہ حدیث اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی دلیل ہے اور حضرت امام شافعی کے مسلک کے برخلاف ہے۔

حضرت زہدم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جرم اور اشعریوں کے قبیلوں کے درمیان بھائی چارہ اور دوستی تھی

ہم ابوموسیٰ اشعری کے پاس تھے کہ ان کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا، بنی تیمم کا ایک شخص انکے پاس تھا جس کا رنگ سرخ تھا اس کو کھانے پر بلایا تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو نجاست کھاتے ہوئے دیکھا ہے تو میری طبیعت متنفر ہوگئی میں نے قسم کھائی کہ مرغی نہیں کھاؤں گا، انہوں نے کہا کہ اٹھ میں تجھ سے اس کی بابت حدیث بیان کروں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چند اشعریوں کے ساتھ سواری مانگنے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمہیں سوار نہیں کروں گا، اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مال غنیمت کے اونٹ آئے آپ نے ہمارے متعلق دریافت فرمایا کہ اشعری کہاں ہیں؟ اور ہمارے لئے پانچ اچھی اونٹنیوں کے دینے کا حکم دیا، جب ہم چلے تو ہم نے کہا کہ ہم نے یہ کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ ہم سواری نہیں دیں گے اور نہ ان کے پاس کوئی سواری ہے، جس پر ہمیں سوار کریں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو سواری عنایت کی شاید ہم قسم بھول گئے، خدا کی قسم اس صورت میں ہم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ہم لوگ آپ کے پاس واپس لوٹے تو ہم لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کے پاس سواری کی غرض سے آئے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ ہم لوگوں کو سواری نہیں دیں گے، اور نہ آپ کے پاس کوئی چیز ہے جس پر آپ سوار کریں، آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں سوار نہیں کیا لیکن اللہ نے تمہیں سوار کیا، بخدا میں کسی بات پر قسم کھاتا ہوں اور اس کے سوا دوسری بات میں بھلائی ہو تو میں اس صورت کو اختیار کرتا ہوں جو بہتر ہے اور میں قسم توڑ دیتا ہوں۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1570

امام ذھبی رحمہ اللہ تعالیٰ "الکبائر" میں لکھتے ہیں "مومنوں کے ہاں یہ بات فیصلہ شدہ اور مقرر ہے کہ: جس شخص نے بھی بغیر بیماری اور غرض (یعنی بغیر شرعی عذر) کے رمضان المبارک کا روزہ ترک کیا تو وہ شخص زانی اور شراب نوش سے بھی زیادہ شریر اور برا ہے، بلکہ اس کے اسلام میں ہی شک کرتے ہیں، اور اس کے زندیق اور منحرف ہونے کا گمان کرتے ہیں۔ (الکبائر للذھبی (64)

بعض لوگوں نے حلال چیزوں کو اپنے اُوپر حرام کر لینے کی قسم کھا رکھی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں قسم کا حکم بھی بیان فرمادیا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے بلا ارادہ قسم کا لفظ نکل گیا ہے تو اس کی پابندی کرنے کی ویسے ہی ضرورت نہیں، کیونکہ ایسی قسم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اور اگر جان بُوجھ کر کسی نے قسم کھائی ہے تو وہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے، کیونکہ جس نے کسی معصیت کی قسم کھائی ہو اسے اپنی قسم پر قائم نہ رہنا چاہیے

کافر نے حالت اسلام میں قسم کو توڑ دیا تو کفارہ نہ ہوگا

وَإِنْ حَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حَنِثَ فِي حَالِ الْكُفْرِ أَوْ بَعْدَ إِسْلَامِهِ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ وَمَنْ حَرَّمَ عَلَى نَفْسِهِ شَيْئًا مِمَّا يَمْلِكُهُ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ إِنْ اسْتَبَاحَهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَإِنْ قَالَ : كُلُّ حَلَالٍ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ غَيْرَ ذَلِكَ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِهِ وَإِنْ عَلَّقَ نَذْرَهُ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ رَجَعَ عَنْ ذَلِكَ وَقَالَ إِذَا قَالَ : إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيَّ حَجَّةٌ أَوْ صَوْمُ سَنَةٍ أَوْ صَدَقَةُ مَا أَمْلِكُ أَجْزَأَهُ عَنْ ذَلِكَ كَفَّارَةُ

يَمِينٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ ،

ترجمہ

جب کسی کافر نے قسم اٹھائی پھر کفر میں ہی یا اسلام لانے کے بعد اس قسم کو توڑ دیا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔ جس نے اپنی ملکیت کی شئے خود ہی اپنے آپ پر حرام کر لی تو وہ حرام نہیں ہوگی پھر جب اس نے اسے مباح سمجھا تو قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ جب کسی نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے۔ تو یہ اس کے کسی اور شئے کی نیت کرنے کے علاوہ کھانے پینے کی چیزوں پر محمول ہوگا۔ جس نے مطلقاً کوئی نذر مانی تو اس پر اسے پورا کرنا ضروری ہوگا۔ جب کسی نے نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دیا اور وہ شرط پائی گئی تو اس پر نذر کو پورا کرنا ضروری ہو جائے گا۔ ایک روایت ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے رجوع فرمایا تھا اور فرمایا کہ جب کوئی کہے کہ جب میں نے ایسا کیا تو مجھ پر حج کرنا یا مجھ پر ایک برس کے روزے رکھنا یا مجھ پر اپنی مملوکہ شئے کو صدقہ کرنا لازم ہوگا تو اس میں قسم کا کفارہ دے دینا کافی ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ایک قول یہی ہے۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص قسم کھائے اور قسم میں لات وعزی کا نام لے تو اسے لا الہ الا اللہ کہنا چاہیے اور جو شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اس کو صدقہ دینا چاہیے (تاکہ اس کے قولی گناہ کا کفارہ ہو جائے)۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1571)

صاحب فتاویٰ قاضی خان لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ "میں فلاں کو اس گھر میں داخل نہ ہونے دوں گا" تو اگر یہ گھر قسم کھانیوالے کی ملکیت ہو تو اس نے اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا، پس وہ شخص اس گھر میں داخل ہو گیا تو قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ گھر کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کی قسم پوری ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے حسب طاقت منع کرتا اور اگر وہ گھر قسم کھانے والے کی ملکیت نہ ہو تو اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا حتی کہ اگر وہ شخص اس مکان میں داخل ہو گیا تو حانث نہ ہوگا، (فتاویٰ قاضی خان، ج ۲، ص ۲۹۶ لکھنو)

گھر داخل نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا بیان

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا فَدَخَلَ الْكَعْبَةَ أَوْ الْمَسْجِدَ أَوْ الْبِيعَةَ أَوْ الْكَنِيسَةَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَلْبَسُ ثَوْبًا وَهُوَ لَابِسُهُ فَنَزَعَهُ فِي الْحَالِ لَمْ يَحْنَثْ وَكَذَلِكَ إذَا حَلَفَ لَا يَرْكَبُ هَذِهِ الدَّابَّةَ وَهُوَ رَاكِبُهَا فَنَزَلَ مِنْ سَاعَتِهِ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ لَبِثَ سَاعَةً حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ وَهُوَ فِيهَا لَمْ يَحْنَثْ بِالْقُعُودِ حَتَّى يَخْرُجَ ثُمَّ يَدْخُلَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَارًا خَرَابًا لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ فَدَخَلَهَا بَعْدَ مَا انْهَدَمَتْ وَصَارَتْ صَحْرَاءَ حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذَا الْبَيْتَ فَدَخَلَهُ بَعْدَمَا انْهَدَمَ لَمْ يَحْنَثْ ،

ترجمہ

جس نے قسم کھائی کہ وہ گھر داخل نہ ہوگا۔ پھر وہ کعبہ شریف' مسجد یا کلیسا میں چلا گیا تو وہ انث' قسم توڑنے والا نہیں ہوگا جس نے بات نہ کرنے کی قسم کھائی پھر نماز میں قرآن مجید پڑھا تو وہ بھی حانث نہیں ہوگا۔ جس نے جو کپڑے پہنے تھے ان کے بارے ہی قسم کھائی کہ میں یہ کپڑے نہیں پہنوں گا پھر ان کپڑوں کو فوراً اتار دیا تو وہ بھی حانث نہیں ہوگا۔ یونہی جس جانور پر سوار تھا قسم کھائی کہ میں اس جانور پر سوار نہیں ہوں گا۔ اور فوراً اس سے اتر گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ جب کچھ دیر ٹھہرا رہا تو حانث ہو جائے گا۔ جس گھر میں تھا اس کے بارے اس میں داخل نہ ہونے کی قسم کھالی تو وہاں بیٹھنے کے ساتھ اس گھر سے نکل کر کے دوبارہ داخل ہونے کے وقت تک حانث نہیں ہوگا۔ جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا۔ پھر اس کے گرائے جانے کے بعد اس میں چلا گیا تو حانث ہو جائے گا۔

شرح

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا، یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں ہیں کیونکہ پہلا معنی دوسرے معنی میں بھی موجود ہے (حالانکہ اقسام کا آپس میں ایک دوسرے کے مبائن ہونا ضروری ہے) لہٰذا یہ دو قسمیں علیحدہ علیحدہ نہ ہوئیں۔ ہاں مطلق خاموشی، اجنبی گفتگو، اور منافی گفتگو، ان تینوں صورتوں میں ترک متحقق ہو جاتا ہے مگر یہ ترک کی قسمیں نہیں ہیں کیونکہ ترک عدم کا نام ہے اور گفتگو یعنی تکلم وجودی چیز ہے تو وجودی چیز عدمی چیز کی قسم کیسے بن سکتی ہے، تو معلوم ہوا کہ ترک کا مصداق صرف نکلنے کا حکم نہ دینا ہے، اور وہ سکوت جس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ہو اور مقام کلام میں وہ کلام سے مقارن قرار پاتا ہے اور کوئی چیز اپنے مقارن کے ساتھ قسم نہیں بنتی۔ اس قیل وقال کا خاتمہ یوں ہو جاتا ہے کہ ترک سے متعلق جتنے مسائل گزرے ہیں ان میں علماء کرام نے منافی گفتگو، کے احتمال کو ذکر نہیں کیا، اور انہوں نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ "نہ نکلنے کا حکم" تو واضح ہو گیا کہ اس احتمال کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۳، کتاب الایمان)

بھائی کے گھر کھانا نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

زید نے قسم کھائی کہ میں اپنے بھائی کے گھر ہرگز کھانا نہ کھاؤں گا اگر کھاؤں تو فلاں چیز لازم آئے، اس کے بعد شادی کی تقریب میں لوگوں نے اس کو کھانے پر مجبور کیا تو اس نے کہا میں تمہارے کہنے پر کھانے کا تصور کر لیتا ہوں، یعنی حقیقتاً نہ کھاؤں گا صرف اپنے تصور میں کھاؤں گا کیونکہ میں نے کھایا نہیں لیکن کھانے والا سمجھا جاؤں گا۔ یہ واقعہ علاقہ کے علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اس بات پر قسم کے ٹوٹنے کا حکم دیا، اور اسکی دلیل اصول شاشی کے حاشیہ کی اس عبارت کو بنایا ہے جو اصول شاشی میں مقتضی کی بحث میں ہے۔ اصول شاشی کی عبارت یہ ہے کہ فرد مطلق میں تخصیص جاری نہیں ہوتی کیونکہ تخصیص کی بنیاد عموم پر ہے جبکہ مقتضی میں عموم نہیں ہوتا۔ (اصول الشاشی، ص ۲۰۰، مطبوعہ پشاور)

فصول کی عبارت یہ ہے: اگر اعتراض کیا جائے کہ کھانے ، کے قول کے بعد مطلق طعام کی بجائے خاص وصف والا طعام بطور مقتضی مراد لیا جائے تو کیسا ہے، (ہم جواب دیں گے کہ) ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مطلق پر ایک زائد وصف کا اضافہ ہے جو قدر حاجت سے زائد ہے اور مقتضی قدر حاجت سے زائد ثابت نہیں ہوسکتا جیسا کہ مقتضی میں تعمیم کی صفت ثابت نہیں ہوسکتی، جبکہ اس جواب میں بھی کلام ہے، کیونکہ لعل المراد سے آگے، قیل کے تحت، کہ، یہ عموم کے باب سے نہیں بلکہ جس چیز کے متعلق قسم کھائی ہے (محلوف علیہ) اس کا حصول ہے، کیونکہ اگر وہ کھانے کے لئے متصور ہوالخ، تو کیا اس عبارت کا سوال مذکور کے حانث ہونے سے تعلق ہے یا نہیں، اگر حضور پرنور اس عبارت کا مطلب مع شواہد، موافق اور نظائر فارسی میں مفصل طور پر بیان فرمادیں تو ہر طرح حجاب ختم ہو جائے گا اور اس بحث کی وضاحت ہو جائے گی ، فقط۔ (فصول الحواشی ،ص ۲۰۰، مطبوعہ پشاور)

فلاں کی بیوی سے کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

وَلَوْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ زَوْجَةَ فُلَانٍ فَطَلَّقَهَا فُلَانٌ ثُمَّ كَلَّمَهَا حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ عَبْدَ فُلَانٍ أَوْ لَا يَدْخُلُ دَارَ فُلَانٍ فَبَاعَ فُلَانٌ عَبْدَهُ أَوْ دَارِهِ فَكَلَّمَ الْعَبْدَ أَوْ دَخَلَ الدَّارَ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ صَاحِبَ هَذَا الطَّيْلَسَانِ فَبَاعَهُ ثُمَّ كَلَّمَهُ حَنِثَ وَكَذَلِكَ إِذَا حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ هَذَا الشَّابَّ فَكَلَّمَهُ وَقَدْ صَارَ شَيْخًا حَنِثَ وَكَذَلِكَ إِذَا حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمَ هَذَا الْحَمَلِ فَصَارَ كَبْشًا فَأَكَلَهُ حَنِثَ،

ترجمہ

اور جس نے فلاں کی بیوی سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی پھر اس آدمی نے اسے طلاق دے دی اور اس نے اس سے بات کی تو بھی یہ حانث ہو جائے گا۔ جس نے قسم کھائی کہ فلاں کے غلام سے کلام نہ کروں گا یا فلاں کے گھر داخل نہیں ہوں گا اس فلاں آدمی نے اپنا غلام یا مکان بیچ دیا۔ پھر اس نے غلام سے بات کی یا اس گھر چلا گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ جس نے قسم اٹھائی کہ اس چادر والے سے کلام نہیں کروں گا تو اس کے چادر بیچ دینے کے بعد بھی کلام کرنے سے حانث ہو جائے گا۔ یونہی جب اس نے قسم کھائی کہ اس جوان سے بات نہیں کروں گا۔ پھر اس نے اس کے بوڑھا ہو جانے کے بعد اس سے بات کی تو بھی وہ حانث ہو جائے گا۔

جس نے قسم کھائی کہ اس حمل کا گوشت نہیں کھائے گا۔ اور وہ مینڈھا ہو گیا' اور اس نے اس کا گوشت کھالیا تو حانث ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاعدہ کا محل وہ ہے جہاں قسم کا سبب بننے والی صفت کو قسم میں ذکر کیا گیا ہو اگر چہ وہ معرفہ کے طور پر مذکور ہو خواہ معرفہ اشارہ سے بنایا گیا ہو کیونکہ اشارہ حاضر چیز کی طرف ہوتا ہے باوجود یکہ حاضرین میں صفت کا ذکر لغو قرار پاتا ہے، اسی لئے اگر قسم کھائی کہ میں اس بچے سے بات نہ کروں گا تو اگر اس سے جوانی میں بات کی تو تب بھی حانث ہوگا،

تاہم وصف اگر قسم کا داعی ہوگا تو اس کے اعتبار کا بھی داعی ہوگا، جیسا کہ یہ بسر اور یہ رطب وغیرہ میں اور یہ دودھ، وغیرہ میں یہ صفات قسم کا داعی ہونے کے ساتھ قسم میں بھی معتبر ہیں، اگر ایسا نہ ہوتو پھر وصف داعی بھی ہوتو غیر معتبر ہونے کی صورت میں اس کی بقاء قسم کی بقاء کے لئے مدار نہیں بن سکتی کیونکہ قسمیں الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں اغراض پر مبنی نہیں ہوتیں۔

فرمایا حال کی تخصیص کرنے کی صورت یوں ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوتو کوئی اس کے بارے میں قسم کھائے کہ میں اس سے بات نہ کروں گا اور قسم میں اس کے کھڑے ہونے کی نیت کرے تو یہ نیت لغو ہوگی بخلاف جب یوں کہے کہ میں اس کھڑے شخص سے بات نہ کروں گا تو اس صورت میں قسم میں کھڑے ہونے کی نیت کا اعتبار عند اللہ ہوسکتا ہے اس سے واضح ہوا کہ دیانۃً یعنی عند اللہ، میں وصف داعی اور غیر داعی دونوں یکساں ہیں اس لئے نیت تخصیص ضروری ہے لیکن وصف کو ذکر کئے بغیر محض نیت کرنا دیانت میں بھی کارآمد نہیں ہے تو قضاء کیسے کارآمد ہوسکتی ہے، (فتح القدیر، کتاب الایمان)

اس کھجور سے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذِهِ النَّخْلَةِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الْبُسْرِ فَصَارَ رُطَبًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطَبًا لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطَبًا فَأَكَلَ بُسْرًا مُذَنَّبًا حَنِثَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا فَأَكَلَ السَّمَكَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ دِجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِإِنَاءٍ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَكْرَعَ فِيهَا كَرْعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ مَاءِ دِجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِإِنَاءٍ حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذِهِ الْحِنْطَةِ فَأَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الدَّقِيقِ فَأَكَلَ مِنْ خُبْزِهِ حَنِثَ وَلَوْ اسْتَفَّهُ كَمَا هُوَ لَمْ يَحْنَثْ

ترجمہ

جس نے قسم کھائی کہ اس کھجور سے نہیں کھاؤں گا تو اس کی قسم اس کے پھل پر واقع ہوگی۔ جس نے قسم کھائی کہ یہ کچی کھجور نہیں کھائے گا۔ اس کے پکنے پر اس نے اسے کھالیا تو حانث نہیں ہوگا۔ جس نے قسم کھائی کہ وہ پکی ہوئی کھجور نہیں کھائے گا پھر جو پک گئی تھی اسے دم کی طرف سے کھالیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ حانث ہوجائے گا۔ جس نے گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو وہ مچھلی کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ جس نے دریائے دجلہ سے نہ پینے کی قسم کھائی پھر اس سے برتن میں لے کر پیا تو وہ حانث ہوگا۔ جس نے قسم کھائی کہ یہ گندم نہیں کھائے گا۔ پھر اس نے روٹی کھالی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ مگر جس نے قسم کھائی کہ وہ یہ آٹا نہیں کھائے گا بعد میں اس آٹے کی روٹی کھالی تو وہ اس سے حانث ہوجائے گا۔ جب ویسے آٹا ہی کھاتا رہا تو حانث نہیں ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے آم وغیرہ کسی درخت کی نسبت کہا کہ اس میں سے کچھ نہ کھاؤں

گا تو اس کے پھل کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی کہ خود درخت کھانے کی چیز نہیں لہٰذا اس سے مراد اس کا پھل کھانا ہے۔ اسی طرح پھل کو نچوڑ کر جو نکلا وہ کھایا جب بھی قسم ٹوٹ گئی اور اگر پھل کو نچوڑ کر اس کی کوئی چیز بنالی گئی ہو جیسے انگور سے سرکہ بناتے ہیں تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹی اور اگر صورت مذکورہ میں تکلّف کر کے کسی نے اس درخت کا کچھ حصہ چھال وغیرہ کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹی اگر چہ یہ نیت بھی ہو کہ درخت کا کوئی جز نہ کھاؤں گا اور اگر وہ درخت ایسا ہو جس میں پھل ہوتا ہی نہ ہو یا ہوتا ہے مگر کھایا نہ جاتا ہو تو اس کی قیمت سے کوئی چیز خرید کر کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی کہ اس کے کھانے سے مُراد اس کی قیمت سے کوئی چیز خرید کر کھانا ہے۔

(درمختار، کتاب الایمان)

علامہ فخر الدین عثمان بن علی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص غلطی سے قسم کھا بیٹھا مثلاً کہنا چاہتا تھا کہ پانی لاؤ یا پانی پیوں گا اور زبان سے نکل گیا کہ خدا کی قسم پانی نہیں پیوں گا یا یہ قسم کھانا نہ چاہتا تھا دوسرے نے قسم کھانے پر مجبور کیا تو وہی حکم ہے جو قصداً اور بلا مجبور کیے قسم کھانے کا ہے یعنی توڑے گا تو کفارہ دینا ہوگا قسم توڑنا اختیار سے ہو یا دوسرے کے مجبور کرنے سے قصداً ہو یا بھول چوک سے ہر صورت میں کفارہ ہے بلکہ اگر بیہوشی یا جنون میں قسم توڑنا ہوا جب بھی کفارہ واجب ہے جب کہ ہوش میں قسم کھائی ہو اور اگر بے ہوشی یا جنون میں قسم کھائی تو قسم نہیں کہ عاقل ہونا شرط ہے اور یہ عاقل نہیں۔

(تبیین الحقائق، کتاب الایمان، ج ۴، ص ۴۲۴)

گوشت یا سالن وغیرہ نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سالن عموماً ہندوستان میں گوشت کو کہتے ہیں جس سے روٹی کھائی جائے اور بعض جگہ میں نے دال کو بھی سالن کہتے سنا اور عربی زبان میں تو سرکہ کو بھی ادام (سالن) کہتے ہیں۔ آلو، رتالو، اروی، ترئی، بھنڈی، ساگ، کدو، شلجم، گوبھی اور دیگر سبزیوں کو ترکاری کہتے ہیں جن کو گوشت میں ڈالتے ہیں یا تنہا پکاتے ہیں اور بعض گاؤں میں جہاں ہندو کثرت سے رہتے ہیں گوشت کو بھی لوگ ترکاری بولتے ہیں۔ قسم کھائی کہ کھانا نہیں کھائیگا اور کوئی ایسی چیز کھائی جسے عرف میں کھانا نہیں کہتے ہیں مثلاً دودھ پی لیا یا مٹھائی کھالی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (بہار شریعت، کتاب الایمان)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ نمک نہیں کھائیگا اور ایسی چیز کھائی جس میں نمک پڑا ہوا ہے تو قسم نہیں ٹوٹی اگر چہ نمک کا مزہ محسوس ہوتا ہو اور روٹی وغیرہ کو نمک لگا کر کھایا تو قسم ٹوٹ جائے گی ہاں اگر اس کے کلام سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ نمکین کھانا مراد ہے تو پہلی صورت میں بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ قسم کھائی کہ مرچ نہیں کھائیگا اور گوشت وغیرہ کوئی ایسی چیز کھائی جس میں مرچ ہے اور مرچ کا مزہ محسوس ہوتا ہے تو قسم ٹوٹ گئی، اس کی ضرورت نہیں کہ مرچ کھائے تو قسم ٹوٹے۔

(درمختار، کتاب الایمان)

قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائیگا تو مچھلی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور اونٹ، گائے بھینس، بھیڑ، بکری اور پرند وغیرہ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اگر ان کا گوشت کھایا تو ٹوٹ جائے گی، خواہ شوربے دار ہو یا بھنا ہوا یا کوفتہ اور کچا گوشت یا صرف شوربا کھایا تو

نہیں ٹوٹی۔اسی طرح کلیجی، تلی، پھیپڑا، دِل، گردہ، اوجھڑی، دُنبہ کی چکی کے کھانے سے بھی نہیں ٹوٹے گی کہ ان چیزوں کو عرف میں گوشت نہیں کہتے اور اگر کسی جگہ ان چیزوں کا بھی گوشت میں شمار ہو تو وہاں ان کے کھانے سے بھی ٹوٹ جائے گی۔

(درمختار، کتاب الایمان)

فلاں سے کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فُلَانًا فَكَلَّمَهُ وَهُوَ بِحَيْثُ يَسْمَعُ إِلَّا أَنَّهُ نَائِمٌ حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَأَذِنَ لَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ بِإِذْنِهِ حَتَّى كَلَّمَهُ حَنِثَ وَإِذَا اسْتَحْلَفَ الْوَالِي رَجُلًا لِيُعْلِمَهُ بِكُلِّ دَاعِرٍ خَبِيثٍ دَخَلَ الْبَلَدَ فَهُوَ عَلَى حَالِ وِلَايَتِهِ خَاصَّةً وَمَنْ حَلَفَ لَا يَرْكَبُ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَكِبَ دَابَّةَ عَبْدِهِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَوَقَفَ عَلَى سَطْحِهَا أَوْ دَخَلَ دِهْلِيزَهَا حَنِثَ فَإِنْ وَقَفَ عَلَى طَاقِ الْبَابِ بِحَيْثُ إِذَا غُلِقَ الْبَابُ كَانَ خَارِجًا لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الشِّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحْمِ دُونَ الْبَاذِنْجَانِ وَالْجَزَرِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الطَّبِيخَ فَهُوَ عَلَى مَا يُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الرُّءُوسَ فَيَمِينُهُ عَلَى مَا يُكْبَسُ فِي التَّنَانِيرِ وَيُبَاعُ فِي الْمِصْرِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ خُبْزًا فَيَمِينُهُ عَلَى مَا يَعْتَادُ أَهْلُ الْمِصْرِ أَكْلَهُ خُبْزًا فَإِنْ أَكَلَ الْقَطَائِفَ أَوْ خُبْزَ الْأَرْزِ بِالْعِرَاقِ لَمْ يَحْنَثْ

ترجمہ

اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ فلاں سے بات نہ کرے گا پھر اس سے اتنی آواز سے بات کی کہ جب وہ جاگ رہا ہوتا تو سن لیتا مگر وہ سویا ہوا تھا تو یہ قسم اٹھانے والا حانث ہو جائے گا۔

جس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس آدمی سے اس کی اجازت کے بغیر بات نہیں کرے گا۔اس نے اجازت دے دی تھی مگر اسے خبر نہ ہوئی تھی۔اسی حالت میں اس نے اس سے بات کی تو یہ حانث ہو جائے گا۔جب کسی حاکم نے کسی آدمی سے اس بات پر قسم کرائی کہ شہر میں جو شرارتی آئے مجھے اس کے بارے میں خبردار کرتے رہنا تو یہ قسم اس حاکم کے دورِ حکومت تک ہی خاص ہو گی۔جس نے قسم کھائی کہ وہ فلاں آدمی کی سواری پر سوار نہیں ہوگا۔اس کے بعد وہ اس کے غلام ماذون کی سوار پر سوار ہو گیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔جس نے قسم کھائی کہ اس گھر داخل نہیں ہوگا پھر اس کی چھت پر کھڑا ہوا یا اس کی دہلیز کے پار چلا گیا تو وہ حانث ہو جائے گا۔جب دروازے کی محراب پر اس طرح کھڑا ہوا کہ دروازہ بند کرنے سے یہ باہر ہی رہ جاتا ہو تو اس صورت میں حانث نہیں ہوگا۔جس نے بھنا ہوا گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو اس کی یہ قسم گوشت پر ہی ہوگی۔بینگن اور گاجر وغیرہ پر نہیں ہوگی۔جس نے پکایا ہوا نہ کھانے کی قسم اٹھائی تو یہ گوشت سے پکائی جانے والی چیز پر ہی محمول ہوگا۔جس نے سریاں نہ کھانے کی قسم کھائی تو اس کی یہ قسم تنور میں پکائی جانے والی اور شہر میں بیچی جانے والی سریوں پر ہوگی۔

جس نے روٹی نہ کھانے کی قسم کھائی تو اس کی یہ قسم اس روٹی پر ہوگی۔جسے کھانے کی شہر والوں کو عادت ہو۔پس جب اس

نے باداموں یا چاولوں کی روٹی عرق کے ساتھ کھالی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ زید سے بات نہ کروں گا جب تک فلاں شخص اجازت نہ دے اور اس نے اجازت دی مگر اسے خبر نہیں اور کلام کرلیا تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر اجازت دینے سے پہلے وہ شخص مرگیا تو قسم باطل ہوگئی یعنی اب کلام کرنے سے نہیں ٹوٹے گی کہ قسم ہی نہ رہی۔ اور اگر یوں کہا تھا کہ بغیر فلاں کی مرضی کے کلام نہ کروں گا اور اس کی مرضی تھی مگر اسے معلوم نہ تھا اور کلام کرلیا تو نہیں ٹوٹی۔ (درمختار، کتاب الایمان، ج ۵، ص ۶۲۴)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب کسی نے قسم کھائی کہ کلام نہ کروں گا، اور خاص نیت نہ کی، تو نماز پڑھنے میں قرأت کرنے، تسبیح وتہلیل کرنے پر قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور ابولیث فقیہ نے فرمایا اگر کسی نے فارسی زبان میں قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا، تو خارج از نماز قرأت کرنے اور تسبیح پڑھنے پر بھی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس عمل والے کو عرف میں قاری اور تسبیح پڑھنے والا کہا جاتا ہے کلام کرنے والا نہیں کہا جاتا، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ کافی میں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الایمان)

عرف عام کے مطابق اشیاء کے تعین کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر لفظ عام ہو تو عرف کے ذریعہ اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ سری نہ کھاؤں گا، تو قسم میں اگرچہ سری عام اور مطلق مذکور ہے لیکن عرف میں وہی سری مراد ہوتی ہے جس کو بھونا جاسکے اور بازار میں فروخت کیا جائے اس لئے عرف میں سری سے مراد چڑیا وغیرہ کی سری مراد نہ ہوگی، تو یہاں عرف نے سری میں تخصیص کردی تو جب مطلق سری ذکر کی جائے گی تو عرفاً خاص ہی مراد ہوگی اس کے برخلاف ایسی زیادتی جو لفظوں سے مذکور نہ ہو عرف کی وجہ سے وہ زیادتی پیدا نہیں ہوسکتی جیسے کوئی شخص اجنبی عورت کو کہے کہ "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے" تو یہاں اگر وہ یہ مراد لے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت میری منکوحہ ہو تو طلاق ہے، تو منکوحہ ہونا قسم کے الفاظ سے زائد چیز ہے، جس کو مراد نہیں لیا جاسکتا، اگرچہ عرف میں طلاق کے لئے منکوحہ ہونا ضروری ہے مگر عرف کلام میں غیر مذکور لفظ کو زائد نہیں کرسکتا اس لئے اجنبی عورت کے لئے یہ قسم لغو قرار پائے گی۔ (درمختار، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۷۰، بیروت)

خرید وفروخت نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَبِيعُ وَلَا يَشْتَرِي وَلَا يُؤَجِّرُ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ أَوْ لَا يُطَلِّقُ أَوْ لَا يُعْتِقُ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ فَجَلَسَ عَلَى بِسَاطٍ أَوْ حَصِيرٍ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى سَرِيرٍ فَجَلَسَ عَلَى سَرِيرٍ فَوْقَهُ بِسَاطٌ حَنِثَ وَإِنْ جَعَلَ فَوْقَهُ سَرِيرًا آخَرَ فَجَلَسَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَنَامُ عَلَى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهُ قِرَامٌ حَنِثَ فَإِنْ جَعَلَ فَوْقَهُ فِرَاشًا آخَرَ لَمْ يَحْنَثْ

ترجمہ

جس نے خرید وفروخت نہ کرنے کی یا کوئی شئے کرائے پر نہ دینے کی قسم کی۔ پھر کسی کو اپنا وکیل بنایا' اور اس نے یہ سب کام کردیئے' تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ جس نے شادی نہ کرنے' طلاق نہ دینے یا آزاد نہ کرنے کی قسم کھائی پھر اپنا وکیل بنالیا۔ اس نے یہ کام انجام دے دیئے' تو وہ حانث ہوجائے گا۔ جو زمین پر نہ بیٹھنے کی قسم کھا کر پھر بستر یا چٹائی پر بیٹھ گیا۔ تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ جس نے تخت پر نہ بیٹھنے کی قسم کھائی' پھر اس تخت پر کوئی بچھونا تھا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا تو حانث ہوجائے گا۔ جب اس تخت پر کوئی دوسرا تخت لگا کر بیٹھ گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ جب کسی نے بچھونے پر نہ سونے کی قسم کھائی پھر اس بچھونے پر کوئی چادر بچھی ہوئی ہونے کی صورت میں وہ اس پر سو گیا تو وہ حانث ہوگا لیکن جب اس بچھونے پر کوئی دوسرا بچھونا بچھا کر سویا تو حانث نہیں ہوگا۔

صادر کرنے والے کی جانب عقود کے رجوع کرنے کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بعض عقد اس قسم کے ہیں کہ ان کے حقوق اس کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے وہ عقد صادر ہوا اور اس میں وکیل کو اس کی حاجت نہیں کہ یہ کہے میں فلاں کی طرف سے یہ عقد کرتا ہوں جیسے خریدنا، بیچنا، کرایہ پر دینا کرایہ پر لینا۔ اور بعض فعل ایسے ہیں جن میں وکیل کو مؤکل کی طرف نسبت کرنے کی حاجت ہوتی ہے جیسے مقدمہ لڑانا کہ وکیل کو کہنا پڑیگا کہ یہ دعویٰ میں اپنے فلاں مؤکل کی طرف سے کرتا ہوں اور بعض فعل ایسے ہوتے ہیں جن میں اصل فائدہ اسی کو ہوتا ہے جو اس فعل کا محل ہے یعنی جس پر وہ فعل واقع ہے جیسے اولاد کو مارنا۔ ان تینوں قسموں میں اگر خود کرے تو قسم ٹوٹے گی اور اس کے حکم سے دوسرے نے کیا تو نہیں مثلاً قسم کھائی کہ یہ چیز میں نہیں خریدوں گا اور دوسرے سے خریدوائی یا قسم کھائی کہ گھوڑا کرایہ پر نہیں دونگا اور دوسرے سے یہ کام لیا یا دعویٰ نہ کرونگا اور وکیل سے دعوے کرایا یا اپنے لڑکے کو نہیں مارونگا اور دوسرے سے مارنے کو کہا تو ان سب صورتوں میں قسم نہیں ٹوٹی۔ اور جو عقد اس قسم کے ہیں کہ ان کے حقوق اس کے لیے نہیں جس سے وہ عقد صادر ہوں کہ یہ شخص محض متوسط ہوتا ہے بلکہ حقوق اس کے لیے ہوں جس نے حکم دیا ہے اور جو مؤکل ہے جیسے نکاح، غلام آزاد کرنا، ہبہ، صدقہ، وصیت، قرض لینا، امانت رکھنا، عاریت دینا، عاریت لینا، یا جو فعل ایسے ہوں کہ ان کا نفع اور مصلحت حکم کرنے والے کے لیے ہے جیسے غلام کو مارنا، ذبح کرنا، دَین کا تقاضا، دَین کا قبضہ کرنا، کپڑا پہننا، کپڑا سلوانا، مکان بنوانا تو ان سب میں خواہ خود کرلے یا دوسرے سے کرائے بہرحال قسم ٹوٹ جائے گی مثلاً قسم کھائی کہ نکاح نہیں کریگا اور کسی کو اپنے نکاح کا وکیل کردیا اس وکیل نے نکاح کردیا یا ہبہ وصدقہ و وصیت اور قرض لینے کے لیے دوسرے کو وکیل کیا اور وکیل نے یہ کام انجام دے دیے یا قسم کھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا اور دوسرے سے کہا اس نے پہنا دیا یا قسم کھائی کہ کپڑے نہیں سلوائے گا اس کے حکم سے دوسرے نے سلوائے یا مکان نہیں بنائیگا اور اس کے حکم سے دوسرے نے بنایا تو قسم ٹوٹ گئی۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الایمان)

بچھونے پر نہ سونے کی قسم اٹھانے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ اس بچھونے پر نہیں سوئے گا اور اس پر دوسرا بچھونا اور بچھا دیا اور اس پر سویا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر صرف چادر بچھائی تو ٹوٹ گئی۔ اس چٹائی پر نہ سونے کی قسم کھائی تھی اس پر دوسری چٹائی بچھا کر سویا تو نہیں ٹوٹی اور اگر یوں کہا تھا کہ بچھونے پر نہیں سوئے گا تو اگر چہ اس پر دوسرا بچھونا بچھا دیا ہو، ٹوٹ جائے گی، (بحرالرائق، کتاب الایمان)

قسم کے ساتھ اتصالی طور پر ان شاء اللہ کہنے کا بیان

وَمَنْ حَلَفَ يَمِينًا وَقَالَ : إِنْ شَاءَ اللَّهُ مُتَّصِلًا بِيَمِينِهِ فَلا حِنْثَ عَلَيْهِ وَإِنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنه إِنْ اسْتَطَاعَ فَهُوَ عَلَى اسْتِطَاعَةِ الصِّحَّةِ دُونَ الْقُدْرَةِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فُلانًا حِينًا أَوْ زَمَانًا أَوْ الْحِينَ أَوْ الزَّمَانَ فَهُوَ عَلَى سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَكَذَلِكَ الدَّهْرُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ أَيَّامًا فَهُوَ عَلَى ثَلاثَةِ أَيَّامٍ وَلَوْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ الْأَيَّامَ فَهُوَ عَلَى عَشَرَةِ أَيَّامٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا عَلَى أَيَّامِ أُسْبُوعٍ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ الشُّهُورَ فَهُوَ عَلَى عَشَرَةِ أَشْهُرٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا عَلَى اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا وَإِذَا حَلَفَ لَا يَفْعَلُ كَذَا تَرَكَهُ أَبَدًا وَإِنْ حَلَفَ لَيَفْعَلَنَّ كَذَا فَفَعَلَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً بَرَّ فِي يَمِينِهِ،

ترجمہ

اور جب کسی نے کسی کام کے بارے قسم کھاتے ہوئے اس کے ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ دیا تو وہ اس کام کے کرنے سے حانث نہیں ہوگا۔

جب کسی نے قسم کھائی کہ جب ہو سکے تو وہ ضرور اس کے پاس آئے گا تو اس کی یہ قسم قدرت پر نہیں بلکہ تندرستی پر محمول ہو گی۔ اگر قسم کھائی کہ ایک زمانے تک وہ اس سے بات نہیں کرے گا۔ تو یہ چھ ماہ پر محمول ہوگی۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک لفظ دہر کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر قسم کھائی کہ وہ کچھ دنوں تک اس سے بات نہیں کرے گا تو یہ قسم تین دنوں پر محمول ہوگی۔ جب قسم میں اس نے الایام کہہ دیا تھا۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قسم دس دنوں پر محمول ہوگی۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہفتہ یعنی سات دنوں پر محمول ہوگی۔ جب کسی نے قسم کھائی کہ وہ مہینوں اس سے بات نہیں کرے گا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دس ماہ پر محمول ہوگی۔ جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ مہینوں پر محمول ہوگی۔ جب قسم کھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس نے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے ایسے ہی جب اس نے قسم کھائی کہ وہ ایسا ضرور کرے گا۔ پھر ایک مرتبہ ایسا کر لیا تو قسم پوری ہو جائے گی۔

شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنی نوے بیویوں میں سے ہر ایک کے پاس رات میں جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک ایسا بچہ جنے گی جو شہسوار ہوں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، ان کے ساتھی نے کہا کہ انشاء اللہ کہیں لیکن انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا اور اپنی تمام بیویوں کے پاس گئے تو ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی جس نے ایک ناتمام بچہ جنا، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ کہتے (تو سب کے بچے پیدا ہوتے) اور شہسوار ہو کر اللہ کی راہ میں سب کے سب جہاد کرتے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1560)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف کھائے کہ اسے پھر بھی انشاء اللہ کہنے کا حق ہے گو سال بھر گزر چکا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کلام میں یا قسم میں انشاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب بھی یاد آئے کہہ لے گو کتنی مدت گزر چکی ہو اور گو اس کا خلاف بھی ہو چکا ہو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ اب اس پر قسم کا کفارہ نہیں رہے گا اور اسے قسم توڑنے کا اختیار رہے۔ یہی مطلب اس قول کا امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہی بالکل ٹھیک ہے اسی پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام محمول کیا جا سکتا ہے ان سے اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد انشاء اللہ کہنا بھول جانا ہے۔

بیوی کو اجازت کے ساتھ گھر سے باہر جانے پر معلق کرنے کا بیان

وَمَنْ حَلَفَ لَا تَخْرُجُ امْرَأَتُهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَأَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً أُخْرَى بِغَيْرِ إِذْنِهِ حَنِثَ أَوْ لَا بُدَّ مِنَ الْإِذْنِ فِي كُلِّ خُرُوجٍ وَإِنْ قَالَ إِلَّا أَنْ آذَنَ لَكَ فَأَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ ذَلِكَ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَتَغَدَّى فَالْغَدَاءُ هُوَ الْأَكْلُ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى الظُّهْرِ وَالْعَشَاءُ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ وَالسَّحُورُ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ وَإِنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهُ إِلَى قَرِيبٍ فَهُوَ دُونَ الشَّهْرِ وَإِنْ قَالَ إِلَى بَعِيدٍ فَهُوَ أَكْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ

ترجمہ

جس نے قسم کھائی کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی۔ اس نے اسے ایک مرتبہ اجازت دی وہ نکلی اور واپس آ گئی۔ اس کے بعد اس کی اجازت کے بغیر نکل گئی تو وہ حانث ہو جائے گا۔ اور ہر دفعہ نکلنے کے لئے اجازت ضروری ہو گی۔ جب اس نے یہ کہا کہ ''تو نہیں نکلے گی مگر میری اجازت سے'' پھر ایک دفعہ اسے اجازت دی بھی۔ اس کے بعد جب وہ بغیر اجازت کے بھی نکلے گی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ جس نے ناشتہ نہ کرنے کی قسم کھائی اور ناشتہ وہ طلوع فجر سے ظہر تک کے وقت کے دوران کا کھانا ہوتا ہے' اور عشائیہ نماز ظہر سے آدھی رات تک کے وقت کے درمیان کا کھانا ہے' اور سحری آدھی رات سے لے کر

طلوع فجر تک کے وقت میں کھانا ہے۔ جس نے سالن نہ کھانے کی قسم کھائی تو ہر وہ چیز جس سے روٹی تر کی جا سکتی ہو۔ وہ سالن ہے۔ جس نے قسم کھائی کہ وہ عنقریب اس کا قرض ضرور اتار دے گا تو اس کی یہ قسم ایک ماہ سے کم مدت پر محمول ہوگی۔ جب کچھ عرصے میں کہا تو یہ ایک مہینے سے زیادہ کی مدت پر محمول ہوگی۔

عموم نفی کی ضرورت میں ممانعت بھی عام ہوگی۔ قاعدہ فقہیہ

قسم قرض اور کفالت کی بقاء سے مقید ہوگی کیونکہ اجازت تب متصور ہو سکتی جبکہ اس کو روکنے کی ولایت حاصل ہو اور یہ ولایت قرض اور کفالت تک ہوتی ہے اور اسی طرح خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو میری اجازت کے بغیر نہ نکلے گی تو یہ قسم اس زوجیت کے وجود سے مقید ہوگی، اس کے برخلاف اگر خاوند یوں کہے کہ میری بیوی گھر سے باہر نہ نکلے گی، تو اس قسم میں اجازت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ قسم زوجیت کی بقاء سے مقید نہ ہوگی کیونکہ زوجیت کی ضرورت اجازت کی ولایت کے لئے تھی، اور یوں ہی غلام کے بارے میں اجازت سے مقید قسم اور غیر مقید قسم کا حال ہے، اسی قاعدہ کی بناء پر، اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس عورت کو طلاق ہوگی، اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو بائنہ یا مغلظہ طلاق دے دی پھر کسی عورت سے پہلی مطلقہ بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی اور یہ قسم بقائے زوجیت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ بیوی کو نکاح سے روکنے یا اجازت دینے کی ولایت نہیں ہوتی (لہٰذا قسم میں مذکور اجازت کیلئے ولایتِ اجازت ضروری نہ تھی۔ لہٰذا نکاح ختم ہونے سے اجازت کی شرط ختم ہوگی۔ (فتح القدیر، کتاب الایمان)

اس مکان میں نہ رہنے کی قسم اٹھانے کا بیان

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ مِنْهَا بِنَفْسِهِ وَتَرَكَ أَهْلَهُ وَمَتَاعَهُ فِيهَا حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ أَوْ لَيَقْلِبَنَّ هٰذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا انْعَقَدَتْ يَمِينُهُ وَحَنِثَ عَقِيبَهَا وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فُلَانًا دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهُ زُيُوفًا أَوْ نَبَهْرَجَةً أَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ وَجَدَهَا سَتُّوقَةً أَوْ رَصَاصًا حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَقْبِضُ دَيْنَهُ دِرْهَمًا دُونَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهُ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَقْبِضَ جَمِيعَهُ مُتَفَرِّقًا وَإِنْ قَبَضَ دَيْنَهُ فِي وَزْنَيْنِ لَمْ يَتَشَاغَلْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِعَمَلِ الْوَزْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَلَيْسَ ذٰلِكَ بِتَفْرِيقٍ وَمَنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّ الْبَصْرَةَ فَلَمْ يَأْتِهَا حَتّٰى مَاتَ حَنِثَ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ

ترجمہ

اور جس آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ پھر خود تو وہاں سے نکل گیا مگر بال بچوں کو اور مال اسباب سارا وہیں چھوڑ گیا تو وہ حانث ہو جائے گا۔ جس نے قسم کھائی کہ وہ ضرور آسمان پر چڑھے گا یا اس پتھر کو سونا بنا دے گا۔ تو یہ یمین منعقدہ ہوگی

اور ایسی قسم اٹھا لینے کے بعد وہ حانث ہو جائے گا۔ جس نے قسم اٹھائی کہ آج ہی وہ فلاں کا قرض ضرور چکا دے گا۔ پھر اس فلاں نے کچھ قرض کھوٹا پایا۔ جسے بیت المال والے نہ لیں یا عام تاجر نہ لیں یا کوئی دوسرا حق والا پایا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور جب بالکل ہی کھوٹا پایا یا ایسے کھوٹے سکے کہ جن پر چاندی کی پالش کی گئی تھی پائے' تو پھر بھی وہ حانث ہو جائے گا۔ جس نے اپنا قرض ایک ایکد رہم کر کے نہ لینے کی قسم کھائی پھر کچھ قرضہ وصول کر لیا تو وہ تھوڑا تھوڑا کر کے اپنا پورا قرض واپس لے لینے تک حانث نہیں ہوگا۔ جب دو مرتبہ وزن کر کے اپنا سارا قرض اس نے لے لیا' اور ان دو مرتبہ میں اس نے وزن کے علاوہ کوئی عمل نہیں کیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور یہ قرض تھوڑا تھوڑا کر کے لینا بھی قرار نہیں پائے گا۔ جس نے ضرور بضرور بصرہ جانے کی قسم کھائی مگر نہ گیا' یہاں تک کہ فوت ہو گیا' تو وہ اپنی زندگی کی آخری ساعتوں میں حانث ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قسم اس وقت صحیح ہوگی کہ جس چیز کی قسم کھائی ہو وہ زمانہ آئندہ میں پائی جاسکے یعنی عقلاً ممکن ہو اگر چہ عادۃً محال ہو مثلاً یہ قسم کھائی کہ میں آسمان پر چڑھوں گا یا اس مٹی کو سونا کر دوں گا تو قسم ہوگئی اور اسی وقت ٹوٹ بھی گئی۔ اسی طرح قسم کے باقی رہنے کی بھی یہ شرط ہے کہ وہ کام اب بھی ممکن ہو، لہٰذا اگر اب ممکن نہ رہا تو قسم جاتی رہی مثلاً قسم کھائی کہ میں تمھارا روپیہ کل ادا کروں گا اور کل کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تو اگر چہ قسم صحیح ہوگئی تھی مگر اب قسم نہ رہی کہ وہ رہا ہی نہیں، اس قاعدہ کے جاننے کے بعد اب یہ دیکھیے کہ اگر قسم کھائی کہ میں اس کوزہ کا پانی آج پیوں گا اور کوزہ میں پانی نہیں ہے یا تھا مگر رات کے آنے سے پہلے اس میں کا پانی گر گیا یا اس نے گرا دیا تو قسم نہیں ٹوٹی کہ پہلی صورت میں قسم صحیح نہ ہوئی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

•••——————•••——————•••

كِتَابُ الدَّعْوَى

﴿یہ کتاب دعویٰ کے بیان میں ہے﴾

کتاب دعویٰ کی فقہی مطابقت کا بیان

مشہور حنفی فقیہ محقق علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتاب دعویٰ کی فقہی مطابقت ایمان کے ساتھ واضح ہے اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ انسان غیر کے حق میں ایجاب کا ارادہ کرے۔ اور دعویٰ کی جمع دعاویٰ ہے۔ جس طرح فتویٰ کی جمع فتاویٰ ہے (ردمحتار، کتاب دعویٰ بتصرف، بیروت)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے جب کتاب الایمان کو بیان کیا تو انہوں دعویٰ کا بیان شروع کر دیا کیونکہ ایمان ہی دعویٰ کو لانے والی ہیں۔ لہٰذا سبب سبب کو لانے والا ہوا۔ (فتح القدیر، کتاب دعویٰ، بیروت)

دعویٰ کے فقہی مفہوم کا بیان

دعویٰ اُس قول کو کہتے ہیں جو قاضی کے سامنے اس لیے پیش کیا گیا جس سے مقصود دوسرے شخص سے حق طلب کرنا ہے۔ دعویٰ میں سب سے زیادہ اہم جو چیز ہے وہ مدعی و مدعیٰ علیہ کا تعین ہے اس میں غلطی کرنا فیصلہ کی غلطی کا سبب ہوتا ہے عام لوگ تو اُس کو مدعی جانتے ہیں جو پہلے قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کرتا ہے اور اس کے مقابل کو مدعیٰ علیہ۔ مگر یہ سطحی و ظاہری بات ہے بہت مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو صورۃً مدعی ہے وہ مدعیٰ علیہ ہے اور جو مدعیٰ علیہ ہے وہ مدعی ہے۔

مأخذ حدیث سے ثبوت دعویٰ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر تم لوگوں کو ان کے دعویٰ کے مطابق دے دیا جائے تو لوگ آدمیوں کے خون اور اموال کا دعویٰ کریں گے لیکن مدعی علیہ پر قسم ہے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر، 1977)

مدعی کو خصومت پر مجبور نہ کرنے کا بیان

الْمُدَّعِي مَنْ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ إذَا تَرَكَهَا وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ مَنْ يُجْبَرُ عَلَيْهَا إذَا تَرَكَهَا وَلَا تُقْبَلُ الدَّعْوَى حَتَّى يَذْكُرَ شَيْئًا مَعْلُومًا فِي جِنْسِهِ وَقَدْرِهِ فَإِنْ كَانَ عَيْنًا فِي يَدِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ كُلِّفَ إحْضَارَهَا لِيُشِيرَ إلَيْهَا بِالدَّعْوَى وَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيمَتَهَا وَإِذَا ادَّعَى عَقَارًا حَدَّدَهُ وَذَكَرَ

أَنَّهُ فِي يَدِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ وَإِنْ كَانَ حَقًّا فِي الذِّمَّةِ ذَكَرَ أَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ فَإِذَا صَحَّتْ الدَّعْوَى سَأَلَ الْقَاضِي الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَنْهَا فَإِنْ اعْتَرَفَ بِهَا قَضَى عَلَيْهِ بِهَا وَإِنْ أَنْكَرَ سَأَلَ الْمُدَّعِي الْبَيِّنَةَ فَإِنْ أَحْضَرَهَا قَضَى بِهَا وَإِنْ عَجَزَ عَنْ ذَلِكَ وَطَلَبَ يَمِينَ خَصْمِهِ اُسْتُحْلِفَ عَلَيْهَا

ترجمہ

مدعی وہ ہوتا ہے کہ جب وہ جھگڑا چھوڑ دے' تو اسے اس پر مجبور نہ کیا جائے' اور مدعیٰ علیہ وہ ہوتا ہے۔ جسے جھگڑے پر مجبور کیا جائے' اور دعویٰ چیز کی جنس اور اس کی مقدار بیان کر دینے تک قبول نہ ہوگا۔ جب وہ چیز بالکل اپنی اصل حالت میں مدعیٰ علیہ کے پاس ہو' تو اسے اس کے حاضر کرنے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ دعویٰ کے وقت اس کی طرف اشارہ کیا جا سکے جب وہ چیز موجود نہ ہو' تو وہ اس کی قیمت بیان کر دے۔ جب کسی نے زمین کا دعویٰ کیا تو وہ اس کی حدود بیان کرے گا۔ اور وہ اس طرح کہ جی وہ زمین مدعی علیہ کے قبضے میں ہے' اور وہ اس کا طالب ہے جب اس کے ذمہ میں حق کا دعویٰ ہو' تو پھر کہے کہ میں اس کا طالب ہوں۔

جب دعویٰ درست ہو جائے' تو اب قاضی مدعیٰ علیہ سے اس بارے میں سوال کرے گا۔ جب وہ اعتراف کرے' تو قاضی اس کے اقرار پر حکم جاری کرے گا۔ لیکن جب انکار کرے' تو قاضی مدعی سے دلیل مانگے گا۔ جب وہ بینہ دلیل پیش کر دے' تو قاضی اس بینہ کے مطابق حکم جاری کرے گا۔ جب مدعی بینہ سے عاجز ہو اور مدمقابل سے قسم چاہتا ہو' تو قاضی اس سے اس دعویٰ پر قسم دلوائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دعویٰ صحیح ہو گیا تو قاضی مدعیٰ علیہ سے اس دعوے کے متعلق دریافت کریگا کہ اس دعوے کے متعلق تم کیا کہتے ہو اور دعویٰ اگر صحیح نہ ہو تو مدعیٰ علیہ سے کچھ نہیں دریافت کریگا کیونکہ اُس پر جواب دینا واجب نہیں۔ اب مدعیٰ علیہ اقرار کریگا یا انکار اگر اقرار کر لیا بات ختم ہو گئی مدعی کے موافق فیصلہ ہوگا اور مدعیٰ علیہ کے انکار کی صورت میں مدعی کے ذمہ یہ ہے کہ وہ اپنے دعوے کو گواہوں سے ثابت کرے اگر ثابت کر دیا مدعی کے موافق فیصلہ کیا جائے گا اور گواہ پیش کرنے سے مدعی عاجز ہے اور مدعیٰ علیہ پر حلف دینے کو کہتا ہے تو اُس پر حلف دیا جائے گا بغیر طلب مدعی حلف نہیں دیا جائے گا کیونکہ حلف دینا مدعی کا حق ہے اُس کا طلب کرنا ضروری ہے اگر مدعیٰ علیہ نے قسم کھالی مدعی کا دعویٰ خارج اور قسم سے انکار کرتا ہے تو مدعی کا دعویٰ دلایا جائے گا۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

صحت دعویٰ کی شرائط کا بیان

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ (۱) جس چیز کا دعویٰ کرے وہ معلوم ہو۔ مجہول شے کا دعویٰ مثلاً فلاں کے ذمہ میں میرا کچھ حق ہے۔ قابلِ سماعت نہیں۔

(۲) دعویٰ ثبوت کا احتمال رکھتا ہو لہٰذا ایسا دعویٰ جس کا وجود محال ہے باطل ہے مثلاً کسی ایسے کو اپنا بیٹا بتاتا ہے کہ اُس کی عمر اس سے زائد ہے یا اُس عمر کا اس کا بیٹا نہیں ہو سکتا یا معروف النسب کو کہتا ہے یہ میرا بیٹا ہے قابلِ سماعت نہیں۔ جو چیز عادۃً محال ہے وہ بھی قابلِ سماعت نہیں مثلاً ایک شخص فقر و فاقہ میں مبتلا ہے سب لوگ اُسکی محتاجی سے واقف ہیں اغنیا سے زکاۃ لیتا ہے وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص کو میں نے ایک لاکھ اشرفی قرض دی ہے۔ وہ مجھے دلا دی جائے۔ یا کہتا ہے فلاں امیر کبیر نے میرے لاکھوں روپے غصب کر لیے وہ مجھ کو دلا دیے جائیں۔

(۳) خود مدعی اپنی زبان سے دعویٰ کرے بلا عذر اس کی طرف سے دوسرا شخص دعویٰ نہیں کر سکتا اگر مدعی زبانی دعویٰ کرنے سے عاجز ہے تو لکھ کر پیش کرے اور اگر قاضی اس کی زبان نہ سمجھتا ہو تو مترجم مقرر کرے۔

(۴) مدعیٰ علیہ یا اُس کے نائب کے سامنے اپنے دعوے کو بیان کرے اور اُس کے سامنے ثبوت پیش کرے۔

(۵) دعوے میں تناقض نہ ہو یعنی اس سے پہلے ایسی بات نہ کہی ہو جو اس دعوے کے مناقض ہو مثلاً پہلے مدعیٰ علیہ کی ملک کا خود اقرار کر چکا ہے اب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس اقرار سے پہلے میں نے یہ چیز اُس سے خرید لی ہے۔ نسب اور حریت میں تناقض مانع دعویٰ نہیں۔

(۶) دعویٰ ایسا ہو کہ بعد ثبوت خصم پر کوئی چیز لازم کی جاسکے یہ دعویٰ کہ میں اُس کا وکیل ہوں بیکار ہے۔

(بحر الرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دعویٰ صحیح ہو گیا تو مدعیٰ علیہ پر جواب دینا ہاں یا نہ کے ساتھ لازم ہے اگر سکوت کرے گا تو یہ بھی انکار کے معنے میں ہے۔ اس کے مقابلے میں مدعی کو گواہ پیش کرنے کا حق ہے یا گواہ نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ پر حلف ہے۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

جائداد غیر منقولہ کی حدود کو بیان کرنے کے حکم کا بیان

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جائداد غیر منقولہ کا دعویٰ ہو تو اُس کے حدود کا بیان کرنا ضروری ہے دعوے میں بھی اور شہادت میں بھی اگر یہ جائداد بہت مشہور ہو جب بھی اِس کے حدود کا بیان کرنا ضروری ہے گواہوں کو وہ مکان جس کے متعلق دعویٰ ہے معلوم ہے یعنی بعینہٖ اُس کو پہچانتے ہوں تو اُن کو حدود کا ذکر کرنا ضروری نہیں اور عقار (غیر منقولہ) میں یہ بھی بیان کرنا ہوگا کہ وہ کس شہر کس محلہ کس کوچہ میں ہے۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

تین حدوں کا بیان کرنا کافی ہے۔ یعنی مدعی یا گواہ چوتھی حد چھوڑ گیا دعویٰ صحیح ہے اور گواہی بھی صحیح اور اگر چوتھی حد غلط بیان کی یعنی جو چیز اُس جانب ہے اُس کے سوا دوسری چیز کو بتایا تو نہ دعویٰ صحیح ہے نہ شہادت کیونکہ مدعیٰ علیہ یہ کہے گا۔ کہ یہ چیز میرے پاس نہیں ہے پھر مجھ پر دعویٰ کیوں ہے۔ اور اگر مدعیٰ علیہ یہ کہے کہ یہ محدود میرے قبضہ میں ہے مگر تو نے حدود کے ذکر میں غلطی کی یہ بات قابلِ التفات نہیں یعنی مدعیٰ علیہ پر ڈگری نہ ہوگی ہاں دونوں نے بالاتفاق غلطی کا اعتراف کیا تو سرے سے مقدمہ کی سماعت

ہوگی (فتاویٰ قاضی خان، کتاب دعویٰ، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور اگر صرف دو ہی حدیں ذکر کیں تو نہ دعویٰ صحیح ہے نہ شہادت۔ رہی یہ بات کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ مدعی یا شاہد نے حد کے بیان میں غلطی کی ہے اس کا بیان خود اُس کے اقرار سے ہوگا مدعیٰ علیہ اُس کی غلطی پر گواہ نہیں پیش کریگا۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت، درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تین حدیں ذکر کردی ہیں۔ایک باقی ہے جب یہ صحیح ہے تو چوتھی جانب کہاں تک چیز شمار ہوگی اس کی صورت یہ کی جائے گی کہ تیسری حد جہاں ختم ہوئی ہے وہاں سے پہلی حد کے کنارہ تک ایک خطِ مستقیم کھینچا جائے اور اُس کو چوتھی حد قرار دیا جائے۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

راستہ حد ہوسکتا ہے اس کا طول وعرض بیان کرنا ضرور نہیں نہر کو حد قرار نہیں دے سکتے۔شہر پناہ کو حد قرار دے سکتے ہیں اور خندق کو نہیں۔ اگر یہ کہا کہ فلاں جانب فلاں شخص کی زمین یا مکان ہے اگر چہ اس شخص کے اس شہر یا گاؤں میں بہت مکان، بہت زمینیں ہیں جب بھی یہ دعویٰ اور شہادت صحیح ہے۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حدود میں جو چیزیں لکھی جائیں گی اُن کے مالکوں کے نام اور اُن کے باپ اور دادا کے نام لکھے جائیں یعنی فلاں بن فلاں بن فلاں اور اگر وہ شخص معروف ومشہور ہو تو فقط اُس کا ہی نام کافی ہے اگر کوئی جائداد موقوفہ کسی جانب میں واقع ہو تو اُس کو اِس طرح تحریر کیا جائے کہ پوری طرح ممتاز ہوجائے۔مثلاً اگر وہ واقف کے نام سے مشہور ہے تو اُسکا نام جن لوگوں پر وقف ہے اُن کے نام سے مشہور ہو تو اُن کے نام لکھے جائیں۔ (ردمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

قابض کی ملک مطلق میں شہادت کے عدم قبول کا بیان

وَإِنْ قَالَ : لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَطَلَبَ الْيَمِينَ لَمْ يُسْتَحْلَفْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يَرُدُّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعِي وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ صَاحِبِ الْيَدِ فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَإِذَا نَكَلَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَنْ الْيَمِينِ قَضَى عَلَيْهِ بِالنُّكُولِ وَلَزِمَهُ مَا ادَّعَى عَلَيْهِ وَيَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَقُولَ لَهُ : إنِّي أَعْرِضُ عَلَيْك الْيَمِينَ ثَلَاثًا فَإِنْ حَلَفْت وَإِلَّا قَضَيْت عَلَيْك بِمَا ادَّعَاهُ فَإِذَا كَرَّرَ عَلَيْهِ الْعَرْضَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَضَى عَلَيْهِ بِالنُّكُولِ وَإِذَا كَانَتْ الدَّعْوَى نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفْ الْمُنْكِرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْءِ فِي الْإِيلَاءِ وَالرِّقِّ وَالِاسْتِيلَادِ وَالْوَلَاءِ وَالنَّسَبِ وَالْحُدُودِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : يُسْتَحْلَفُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ إلَّا فِي الْحُدُودِ وَاللِّعَانِ

ترجمہ

جب مدعی کہے کہ میرے پاس بینہ موجود ہے اور قسم بھی چاہے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قسم نہیں لی جائے گی اور مدعی پر بھی قسم وارد نہ ہوگی۔قبضہ جمائے ہوئے آدمی کی طرف سے ملک مطلق میں بینہ (دلیل، گواہ) قبول نہیں کیا جائے

گا۔ جب مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کر دے تو قاضی اس پر انکار کے ساتھ ہی حکم لگا دے گا۔ اور اس پر جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہو۔ وہ اس پر لازم کر دے گا۔ اور قاضی کو تین مرتبہ یہ کہہ دینا مناسب ہے کہ میں تم پر قسم پیش کرتا ہوں۔ جب تو قسم کھالے تو بہتر ہے اور جب نہیں تو میں تم پر اس کے دعویٰ کا حکم لگا دوں گا جب وہ تین بار قسم پیش کرنے کا تکرار کر چکے تو اس کے انکار کی وجہ سے اس پر حکم جاری کر دے۔

جب نکاح کا دعویٰ ہو تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انکار کرنے والے سے قسم نہیں لی جائے گی اور نکاح، رجعت، ایلاء سے رجوع، غلامی، ام ولد کرنے، نسب، ولاء، حدود اور لعان میں قسم نہیں لی جائے گی۔ جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حدود اور لعان کے علاوہ ان تمام میں قسم لی جائے گی۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مدعیٰ علیہ نے انکار کیا اُس پر حلف دیا گیا حلف سے بھی انکار کر دیا خواہ یوں کہ اُس نے کہہ دیا میں حلف نہیں اٹھاؤں گا یا سکوت کیا اور معلوم ہے کہ یہ سکوت کسی آفت کی وجہ سے نہیں ہے مثلاً بہرا نہیں ہے کہ سنا ہی نہیں اور یہ انکار یا سکوت مجلسِ قاضی میں ہے تو قاضی فیصلہ کر دے گا اور بہتر یہ ہے کہ اس صورت میں تین مرتبہ اُس پر حلف پیش کیا جائے بلکہ قاضی کو چاہے کہ اُس سے پہلے ہی کہہ دے میں تجھ پر تین مرتبہ قسم پیش کروں گا اگر تو نے قسم کھالی تو تیرے موافق فیصلہ کروں گا ورنہ تیرے خلاف فیصلہ کر دوں گا۔ اور حلف سے انکار پر فیصلہ کر دیا گیا اب کہتا ہے میں قسم کھاؤں گا اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ فیصلہ جو ہو چکا، ہو چکا مگر جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے وہ اگر ایسی بات پر شہادت پیش کرنا چاہتا ہو جس سے فیصلہ باطل ہو جائے تو گواہ لیے جا سکتے ہیں۔ (بحر الرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

دعویٰ نکاح وغیرہ پر عدم قسم کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بعض دعوے ایسے ہیں کہ اُن میں منکر پر قسم نہیں ہے (۱) نکاح میں، مدعی مرد ہو یا عورت۔ (۲) رجعت میں، مرد نے اس سے انکار کیا یا عورت نے مگر عورت اس صورت میں منکر اُس وقت ہو سکتی ہے جب عدت گزر چکی ہو۔ (۳) ایلا میں فے۔ مدت ایلا گزرنے کے بعد کوئی بھی اس سے منکر ہو عورت ہو یا مرد۔ (۴) استیلا دیعنی ام ولد ہونے کا دعویٰ اس کی صورت یہ ہے کہ باندی ام ولد ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور مولے منکر ہے۔ (۵) رقیت یعنی وہ کہتا ہے میں فلاں کا غلام ہوں اور آقا منکر ہے یا اس کا عکس۔ (۶) نسب ایک نسب کا مدعی ہے دوسرا منکر۔ (۷) ولا۔ (۸) حد۔ (۹) لعان۔

اور جب عورت نے نکاح کا دعویٰ کیا مرد منکر ہے قسم اس صورت میں نہیں ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ لہٰذا قاضی فیصلہ بھی نہیں کر سکتا عورت قاضی سے کہتی ہے میں نکاح کر نہیں سکتی کہ میرا شوہر یہ موجود ہے اور یہ خود نکاح سے انکار کرتا ہے اب میں مجبور ہوں کیا کروں اسے یہ حکم دیا جائے کہ مجھے طلاق دیدے تا کہ میں دوسرے سے نکاح کر لوں۔ زوج کہتا ہے اگر میں طلاق دیتا ہوں تو نکاح کا اقرار ہوا جاتا ہے۔ قاضی حکم دے گا کہ تو یہ کہہ دے کہ اگر یہ میری عورت ہے تو اسے طلاق، اور اگر مرد مدعی نکاح ہے عورت منکر ہے شوہر

کہتا ہے میں اس کی بہن سے یا اس کے علاوہ چوتھی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں قاضی اس کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ جب یہ شخص خود مدعی نکاح ہے تو اس کی بہن سے یا چوتھی عورت سے کیونکر نکاح کر سکتا ہے بلکہ قاضی یہ کہے گا اگر تو نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے طلاق دیدے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

حدود وغیر حدود میں حلف لینے پر مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ حدود ولعان کے سوا سب میں حلف لیا جائے گا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ حد قذف اور قصاص میں حلف لیا جائے گا۔ اور باقی حدود میں حلف نہ لیا جائے گا۔ حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ تحالف صرف ان چیزوں میں جاری ہوتا ہے جو دو گواہوں سے ثابت ہوتی ہیں۔
(شرح الوقایہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

انکار کے سبب حلف ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حلف اسی سے لیا جائے گا جو انکار کرے گا۔ کیونکہ مذکورہ عبارت میں بیان کردہ اشیاء سے معارضہ کرنے والا وہی ہے۔ حضرت امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ جبکہ امام زفر، امام شافعی اور امام مالک علیہم الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں سے حلف لیا جائے گا۔ (شرح الوقایہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

معین چیز میں دو بندوں کے دعویٰ کرنے کا بیان

وَإِذَا ادَّعَى اثْنَانِ عَيْنًا فِي يَدِ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَكُلُّ وَاحِدٍ يَزْعُمُ أَنَّهَا لَهُ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ بِهَا بَيْنَهُمَا وَإِنْ ادَّعَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِكَاحَ امْرَأَةٍ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ لَمْ يُقْضَ بِوَاحِدَةٍ مِنَ الْبَيِّنَتَيْنِ وَرَجَعَ إِلَى تَصْدِيقِ الْمَرْأَةِ لِأَحَدِهِمَا وَإِنْ ادَّعَى اثْنَانِ عَلَى رَجُلٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعُمُ أَنَّهُ اشْتَرَى مِنْهُ هَذَا الْعَبْدَ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَ نِصْفَ الْعَبْدِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ فَإِنْ قَضَى بِهِ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا فَقَالَ أَحَدُهُمَا : لَا أَخْتَارُ لَمْ يَكُنْ لِلْآخَرِ أَنْ يَأْخُذَ جَمِيعَهُ وَلَوْ ذَكَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا تَارِيخًا فَهُوَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا وَإِنْ لَمْ يَذْكُرَا تَارِيخًا وَمَعَ أَحَدِهِمَا قَبْضٌ فَهُوَ أَوْلَى،

ترجمہ

اور جب دو آدمیوں نے ایک خاص چیز جو ایک تیسرے آدمی کے قبضے میں ہے اس کا دعویٰ کیا ان میں سے ہر ایک کہتا ہو کہ وہ چیز میری ہے اور دونوں نے بینہ بھی قائم کر دیا ہو تو اس چیز کا فیصلہ ان دونوں کے حق میں ہوگا۔ جب ان دونوں نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنی اپنی طرف سے بینہ بھی قائم کر دیا تو کسی کے بھی بینہ کے ساتھ فیصلہ نہیں ہوگا۔ اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے ہی عورت کی تصدیق کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اور جب دو میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ اس آدمی سے یہ غلام اس نے خریدا ہے اور دونوں نے بینہ بھی قائم کر دیا۔ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا۔ جب چاہے تو نصف قیمت کے بدلے میں نصف غلام لے لے جب چاہے تو چھوڑ دے جب قاضی نے اس غلام کا دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ پھر ایک کہنے لگا کہ میں یہ نہیں لینا چاہتا تو بھی دوسرے کے لئے سارا غلام لے لینا جائز نہ ہوگا۔ جب ان میں سے کسی نے تاریخ بتا دی تو غلام پہلی تاریخ بیان کرنے والے آدمی کا ہوگا۔ جب کسی نے بھی تاریخ نہ بتائی اور ان میں سے کسی کا قبضہ ہو تو جس کا قبضہ ہو وہی اولیٰ ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو شخصوں نے ایک معین چیز کے متعلق جو تیسرے کے قبضہ میں ہے دعویٰ کیا ہر ایک اُس شے کو اپنی ملک بتاتا ہے اور سبب ملک کچھ نہیں بیان کرتا اور نہ تاریخ بیان کرتا اور اپنے دعوے کو ہر ایک نے گواہوں سے ثابت کر دیا وہ چیز دونوں کو نصف نصف دلا دی جائے گی کیونکہ کسی کو ترجیح نہیں ہے۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

مثال کے طور یہ زید کے قبضہ میں مکان ہے عمرو نے پورے مکان کا دعویٰ کیا اور بکر نے آدھے کا اور دونوں نے اپنی ملک گواہوں سے ثابت کی اُس مکان کی تین چوتھائی عمرو کو دی جائے گی اور ایک چوتھائی بکر کو کیونکہ نصف مکان تو عمرو کو بغیر منازعت ملتا ہے اس میں بکر نزاع ہی نہیں کرتا نصف میں دونوں کی نزاع ہے یہ نصف دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اگر مکان انھیں دونوں مدعیوں کے قبضہ میں ہے تو مدعی کل کو نصف بغیر قضا ملے گا کیونکہ اس نصف میں دوسرا نزاع ہی نہیں کرتا اور نصف دوم اسی کو بطور قضا ملے گا کیونکہ یہ خارج ہے اور خارج کے گواہ ذوالید کے مقابل میں معتبر ہوتے ہیں۔

دو آدمیوں کا عورت سے نکاح ہونے کا دعویٰ کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو شخصوں نے ایک عورت کے متعلق دعویٰ کیا ہر ایک اُس کو اپنی منکوحہ بتاتا ہے اور دونوں نے نکاح کو گواہوں سے ثابت کیا تو دونوں جانب کے گواہ متعارض ہو کر ساقط ہو گئے نہ اس کا نکاح ثابت ہوا، نہ اُس کا اور عورت کو وہ لے جائے گا جس کے نکاح کی وہ تصدیق کرتی ہو بشرطیکہ اُس کے قبضہ میں نہ ہو جس کے نکاح کی تکذیب کرتی ہو یا اُس نے دخول نہ کیا ہو اور اگر اُس کے قبضہ میں ہو جس کی عورت نے تکذیب کی یا اس نے دخول کیا ہو دوسرے نے نہیں تو اسی کی عورت قرار دی جائے گی۔ یہ تمام باتیں اُس وقت ہیں جب کہ دونوں نے نکاح کی تاریخ نہ بیان کی ہو اور اگر نکاح کی تاریخ بیان کی ہو تو جس کی تاریخ مقدم ہے وہ حقدار ہے اور اگر ایک نے تاریخ بیان کی دوسرے نے نہیں تو جس کے قبضہ میں ہے یا جس کی تصدیق وہ عورت کرتی ہو وہ حقدار ہے۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

اور جب دو شخص نکاح کے مدعی ہیں اور گواہ ان میں سے کسی کے پاس نہ تھے۔ عورت اُس کو ملی جس کی اُس نے تصدیق کی اس کے بعد دوسرے نے گواہ سے اپنا نکاح ثابت کیا تو اس کو ملے گی کیونکہ گواہ کے ہوتے ہوئے عورت کی تصدیق کوئی چیز نہیں۔ اور ایک نے نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہ سے ثابت کیا اس کے لیے فیصلہ ہو گیا اس کے بعد دوسرا دعویٰ کرتا ہے اور گواہ پیش کرتا ہے اس کو رد

کردیا جائے گا ہاں اگر اس نے گواہوں سے اپنے نکاح کی تاریخ مقدم ثابت کردی تو اس کے موافق فیصلہ ہوگا۔ اور جب عورت مرچکی ہے اُس کے متعلق دو شخصوں نے نکاح کا دعویٰ کیا اور گواہوں سے ثابت کیا چونکہ اس دعوے کا محصل طلب مال ہے دونوں کو اُس کا وارث قرار دیا جائے گا اور شوہر کا جو حصہ ہوتا ہے اُس میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے اور دونوں پر نصف نصف مہر لازم ہوگا۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

مدعیان کا اختلاف نکاح وطلاق وعدت کا بیان

ایک شخص نے نکاح کیا دوسرا شخص دعویٰ کرتا ہے کہ یہ عورت میری زوجہ ہے مدعیٰ علیہ کہتا ہے تیری زوجہ تھی مگر تو نے طلاق دیدی اور عدت پوری ہوگئی اب اس سے میں نے نکاح کیا مدعیٰ طلاق سے انکار کرتا ہے اور طلاق کے گواہ نہیں ہیں۔ عورت مدعیٰ کو دلائی جائے گی اور اگر مدعیٰ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دی تھی مگر اُس سے پھر نکاح کرلیا اور مدعیٰ علیہ دوبارہ نکاح کرنے کا انکار کرتا ہے تو مدعیٰ علیہ کو دلائی جائے گی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

اور جب مرد کہتا ہے تیری نابالغی میں تیرے باپ نے مجھ سے نکاح کردیا عورت کہتی ہے میرے باپ نے جب نکاح کیا تھا میں بالغہ تھی اور نکاح سے میں نے ناراضی ظاہر کردی تھی اس صورت میں قول عورت کا معتبر ہے اور گواہ مرد کیا اور اگر مرد نے گواہوں سے ثابت کیا کہ میں نے اس عورت سے نکاح کیا ہے اور عورت کی بہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس مرد سے نکاح کیا ہے مرد کے گواہ معتبر ہوں گے عورت کے گواہ نامقبول ہیں۔ (فتاویٰ قاضی خان، احکام دعویٰ)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب مرد نے نکاح کا دعویٰ کیا عورت نے انکار کردیا مگر اس نے دوسرے کی زوجہ ہونے کا اقرار نہیں کیا ہے پھر قاضی کے پاس اُس مدعیٰ کی زوجہ ہونے کا اقرار کیا یہ اقرار صحیح ہے۔ اور اگر مرد نے دعویٰ کیا کہ اس عورت سے ایک ہزار مہر پر میں نے نکاح کیا ہے عورت نے انکار کردیا مرد نے دو ہزار مہر پر نکاح ہونے کا ثبوت دیا گواہ مقبول ہیں دو ہزار مہر پر نکاح ہونا قرار پائے گا۔ اور جب مرد نے نکاح کا دعویٰ کیا۔ عورت کہتی ہے میں اُس کی زوجہ تھی مگر مجھے اُس کی وفات کی اطلاع ملی میں نے عدت پوری کرکے اس دوسرے شخص سے نکاح کرلیا وہ عورت مدعیٰ کی زوجہ ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

دو بندوں کا خریداری کا دعویٰ کرنے کا بیان

فَإِنْ ادَّعَى أَحَدُهُمَا شِرَاءً وَالْآخَرُ هِبَةً وَقَبْضًا وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ وَلَا تَارِيخَ مَعَهُمَا فَالشِّرَاءُ أَوْلَى وَإِنْ ادَّعَى أَحَدُهُمَا الشِّرَاءَ وَادَّعَتْ امْرَأَةٌ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا عَلَيْهِ فَهُمَا سَوَاءٌ وَإِنْ ادَّعَى أَحَدُهُمَا رَهْنًا وَقَبْضًا وَالْآخَرُ هِبَةً وَقَبْضًا فَالرَّهْنُ أَوْلَى مِنْ الْهِبَةِ وَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجَانِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيخِ فَصَاحِبُ التَّارِيخِ الْأَبْعَدِ أَوْلَى فَإِنْ ادَّعَيَا الشِّرَاءَ مِنْ وَاحِدٍ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى تَارِيخَيْنِ فَالْأَوَّلُ أَوْلَى وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ مِنْ آخَرَ وَذَكَرَا تَارِيخًا فَهُمَا سَوَاءٌ وَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجُ

الْبَيِّنَةَ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَأَقَامَ صَاحِبُ الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلَى مِلْكٍ أَقْدَمَ تَارِيخًا كَانَ أَوْلَى وَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجُ وَصَاحِبُ الْيَدِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهَا بَيِّنَةً بِالنِّتَاجِ فَصَاحِبُ الْيَدِ أَوْلَى

ترجمہ

جب ایک نے خریدنے کا دعویٰ کیا' اور دوسرے نے ہبہ کرنے' اور قبضہ کرنے کا دعویٰ کیا' اور دونوں نے بینہ بھی قائم کر دیا۔ تاریخ کسی کے پاس بھی نہ ہو' تو ہبہ کرنے' اور قبضہ کرنے سے خریدنے والی بات اولیٰ ہوگی۔ جب ایک نے غلام خریدنے کا دعویٰ کیا' اور عورت نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے شادی کی ہوئی ہے۔ تو اس صورت میں دونوں برابر ہوں گے جب ایک نے رہن رکھنے' اور قبضے کا دعویٰ کیا' اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا تو رہن کا دعویٰ کرنے والا اولیٰ ہوگا۔

اور قبضہ کرنے والوں کے علاوہ دو آدمیوں نے مِلک اور تاریخ پر بینہ قائم کر دی تو پہلی تاریخ والا زیادہ حق دار ہوگا۔ جب ان میں سے ہر ایک نے ہی دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کر دیا' اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کر دی تو دونوں برابر ہوں گے۔ جب قبضہ کرنے والے کے علاوہ کسی نے مِلک کی تاریخ پر بینہ قائم کر دیا' اور قابض نے ایسی مِلک پر بینہ قائم کر دیا۔ جو اس تاریخ سے پہلے ہے' تو وہ قبضہ کرنے والا جس کی تاریخ پہلے ہے زیادہ حقدار ہوگا۔ جب قبضہ کرنے والے نے' اور غیر قابض دونوں نے ولادت پر بینہ قائم کر دیا تو جس کا قبضہ ہوگا وہ زیادہ حقدار ہوگا۔

مدعیاں کا ثبوت پیش کرنے پر خریداری میں نصف کی تقسیم کا بیان

اور ایک شخص کے پاس چیز ہے دو شخص مدعی ہیں ہر ایک یہ کہتا ہے کہ میں نے اس سے خریدی ہے اور اس کا ثبوت بھی دیتا ہے ہر ایک کو نصف نصف ... پر نصف نصف چیز کا حکم دیا جائے گا اور ہر ایک کو یہ بھی اختیار دیا جائے گا کہ آدھا ثمن دے کر آدھی چیز لے یا بالکل چھوڑ دے۔ فیصلہ کے بعد ایک نے کہا کہ آدھی لے کر کیا کروں گا چھوڑتا ہوں تو دوسرے کو پوری اب بھی نہیں مل سکتی کہ اُس کی نصف بیع فسخ ہو چکی اور فیصلہ سے قبل اُس نے چھوڑ دی تو یہ کل لے سکتا ہے۔

صورت مذکورہ میں اگر ہر ایک نے گواہوں سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ پورا ثمن ادا کر دیا ہے تو نصف ثمن بائع یعنی ذوالید سے واپس لے گا اور اگر صورت مذکورہ میں ذوالیدان دونوں میں سے ایک کی تصدیق کرتا ہے کہ میں نے اس کے ہاتھ بیچی ہے اس کا اعتبار نہیں۔ اسی طرح بائع اگر مشتری کے حق میں یہ کہتا ہے کہ یہ چیز میری تھی میں نے اس کے ہاتھ بیع کی ہے اور وہ چیز مشتری کے سوا کسی دوسرے کے قبضہ میں ہے تو بائع کی تصدیق بیکار ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو شخصوں نے خریدنے کا دعویٰ کیا اور دونوں نے خریداری کی تاریخ بھی بیان کی تو جس کی تاریخ مقدم ہے اُس کے موافق فیصلہ ہوگا اور اگر ایک نے تاریخ بیان کی دوسرے نے نہیں تو تاریخ والا اولیٰ ہے۔ اور اگر ذوالید اور خارج میں نزاع ہو دونوں ایک شخص ثالث سے خریدنا بتاتے ہوں اور دونوں نے تاریخ نہیں بیان کی یا دونوں کی ایک تاریخ ہے یا ایک ہی نے تاریخ بیان کی ان سب صورتوں میں ذوالید اولیٰ ہے۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

ملک مطلق میں حجت خارج کے افضل ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خارج کی حجت اس شخص کی حجت سے قوی ہے جو قابض ہے کیونکہ ملک مطلق ہے۔اور امام احمد علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ قابض کی دلیل زیادہ قوی ہے کیونکہ ان دونوں اعتضاد کے سبب قوت قابض کو ہی حاصل ہے۔ہمارے نزدیک گواہیاں اثبات کے لئے مشروع ہیں۔لہذا خارج کی گواہی زیادہ اثبات والی ہے۔(شرح الوقایہ، کتاب دعوی، بیروت)

بناوٹ ثوب میں عدم تکرر کا بیان

وَكَذَلِكَ النَّسْجُ فِي الثِّيَابِ الَّتِي لَا تُنْسَجُ إِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً وَكُلُّ سَبَبٍ فِي الْمِلْكِ لَا يَتَكَرَّرُ فَإِنْ أَقَامَ الْخَارِجُ بَيِّنَةً عَلَى الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَصَاحِبُ الْيَدِ بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ كَانَ صَاحِبُ الْيَدِ أَوْلَى وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْآخَرِ وَلَا تَارِيخَ مَعَهُمَا تَهَاتَرَتْ الْبَيِّنَتَانِ وَإِنْ أَقَامَ أَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ شَاهِدَيْنِ وَالْآخَرُ أَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ وَمَنْ ادَّعَى قِصَاصًا عَلَى غَيْرِهِ فَجَحَدَ اُسْتُحْلِفَ فَإِنْ نَكَلَ عَنْ الْيَمِينِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ لَزِمَهُ الْقِصَاصُ وَإِنْ نَكَلَ فِي النَّفْسِ حُبِسَ حَتَّى يُقِرَّ أَوْ يَحْلِفَ وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهُ الْأَرْشُ فِيهِمَا،

ترجمہ

اور اسی طرح ان کپڑوں کی بناوٹ جو صرف ایک دفعہ ہی بُنے جاتے ہیں اور وہ سبب جو مِلک میں مکرر نہیں ہوتا اس کا یہی حکم ہوگا۔جب قابض کے علاوہ کسی نے مِلک مطلق پر بینہ قائم کردیا' اور قابض نے اس سے خریدنے پر بینہ یعنی دلیل اور حجت قائم کردی تو قبضے والا زیادہ حقدار ہوگا۔جب ان میں سے ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر بینہ قائم کردیا' اور تاریخ دونوں کے پاس ہی نہ تھی تو دونوں کی دلیلیں ساقط ہوجائیں گی۔جب ایک مدعی نے دو اور دوسرے نے چار گواہ پیش کردیئے' تو بھی دونوں برابر ہوں گے۔

جس کسی نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی جب اس نے جان کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں قسم دینے سے انکار کردیا تو اس پر قصاص دینا لازم ہوگا۔جب قتل کے بارے انکار کیا تو اسے قسم کھانے یا اقرار کرلینے تک قید کردیا جائے گا۔صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں صورتوں میں اس پر دیت لازم ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور اگر ایک شخص کپڑا پہنے ہوئے ہے۔دوسرا اُس کا دامن یا آستین پکڑے ہوئے ہے قبضہ پہننے والے کا ہے۔ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے دوسرا لگام پکڑے ہوئے ہے سوار کا قبضہ ہے۔ایک شخص زین پر سوار ہے دوسرا اس کے پیچھے سوار ہے زین والا قابض ہے۔ایک شخص کا اونٹ پر سامان لدا ہوا ہے دوسرے کی صرف صراحی اُس پر لٹکی ہوئی

ہے سامان والا زیادہ حقدار ہے۔ بچھونے پر ایک شخص بیٹھا ہے دوسرا اُسے پکڑے ہوئے ہے دونوں برابر ہیں۔ جس طرح دونوں اُس پر بیٹھے ہوں یا دونوں زین پر سوار ہوں تو دونوں برابر قابض مانے جاتے ہیں اسی طرح ایک شخص کپڑے کو لیے ہوئے ہے دوسرے کے ہاتھ میں کپڑے کا تھوڑا حصہ ہے دونوں یکساں قابض ہیں اور ایک مکان میں دو شخص بیٹھے ہوئے ہیں تو محض بیٹھا ہونا قبضہ نہیں دونوں یکساں ہیں۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

سبب کے مکرر ہونے میں اصل کے معتبر ہونے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سبب کے مکرر ہونے نہ ہونے میں اصل کو دیکھا جائے گا تابع کو نہیں دیکھا جائے گا۔ دو بکریاں ایک شخص کے قبضہ میں ہیں ایک سفید دوسری سیاہ ایک شخص نے گواہوں سے ثابت کیا کہ یہ دونوں بکریاں میری ہیں اور اسی سفید بکری کا یہ سیاہ بکری بچہ ہے جو میرے یہاں میری ملک میں پیدا ہوا۔ ذوالید نے گواہوں سے ثابت کیا کہ یہ دونوں میری ملک ہیں اور اس سیاہ بکری کا یہ سفید بکری کا بچہ ہے جو میری ملک میں پیدا ہوا اس صورت میں ہر ایک کو وہ بکری دے دی جائے گی۔ جس کو ہر ایک اپنے گھر کا بچہ بتاتا ہے۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

انکار جان کے سبب قصاص کے عدم ثبوت پر مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی جان کا انکار کر دیا اور اس کو قید کر دیا گیا کہ وہ اقرار کرے یا حلف اٹھائے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ اور امام احمد علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔

حضرت امام مالک، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد علیہ الرحمہ کا مذہب یہ ہے کہ اس سے قصاص لیا جائے گا ہاں البتہ اس سے پہلے مدعی سے حلف لے لیا جائے گا۔ (شرح الوقایہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

تعداد شہادت پر ترجیح نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب ایک مدعی نے دو گواہ پیش کیے اور دوسرے نے چار گواہ پیش کر دئے تو پھر بھی دونوں برابر ہواں گے اس لئے کہ ہر دو گواہوں کی گواہی علت تامہ ہے جس طرح انفراد کی صورت میں دو کی گواہی علت تامہ ہے اور علت کی زیادتی سے ترجیح نہیں ہوتی بلکہ علت میں قوت کی بناء پر ترجیح ہوتی ہے

حضرت امام احمد اور امام شافعی کا قول جدید اور امام مالک کا مشہور قول یہی ہے۔ حضرت امام اوزاعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ ترجیح دی جائے اور امام شافعی کا قدیمی قول اور ایک روایت کے مطابق امام مالک علیہ الرحمہ کا قول یہی ہے۔ کیونکہ زیادہ گواہوں کی طرف قلوب مائل ہونے والے ہیں اور ان سے عدالت کی زیادہ توقع ہے۔ (شرح الوقایہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

مدعی کا گواہی پیش کرنے کا بیان

وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعِي : لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ قِيلَ : لِخَصْمِهِ أَعْطِهِ كَفِيلًا بِنَفْسِكَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ فَعَلَ وَإِلَّا

أُمِرَ بِمُلَازَمَتِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَرِيبًا عَلَى الطَّرِيقِ فَيُلَازِمُهُ مِقْدَارَ مَجْلِسِ الْقَاضِي فَإِنْ قَالَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ : هٰذَا الشَّيْءُ أَوْدَعَنِيهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ أَوْ رَهَنَهُ عِنْدِي أَوْ غَصَبْتُه مِنْهُ وَأَقَامَ بَيِّنَةً عَلَى ذٰلِكَ فَلَا خُصُومَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُدَّعِي وَإِنْ قَالَ : ابْتَعْتُه مِنْ فُلَانٍ الْغَائِبِ فَهُوَ خَصِيمٌ وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعِي : سُرِقَ مِنِّي وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ : أَوْدَعَنِيهِ فُلَانٌ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعِ الْخُصُومَةُ وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعِي : ابْتَعْتُه مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ : أَوْدَعَنِيهِ فُلَانٌ ذٰلِكَ بِعَيْنِهِ سَقَطَتِ الْخُصُومَةُ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ،

ترجمہ

اور جب مدعی کہے کہ میری دلیل موجود ہے تو مدمقابل سے کہا جائے گا کہ تین دن کے اندر اندر اپنی طرف سے ضامن کفیل حاضر کر دے۔ جب ضامن دے دے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے پڑنے کا حکم دے دیا جائے گا۔ لیکن جب مدعی علیہ آدمی کوئی مسافر ہو تو ایسے آدمی کو قاضی کچہری تک ہی ٹھہرائے رکھے گا۔

اور جب مدعی علیہ نے کہہ دیا کہ مجھے فلاں آدمی جو اس وقت موجود نہیں اس نے یہ چیز ودیعت یعنی امانت کے طور پر دی ہے یا میرے پاس رہن رکھی ہے یا میں نے اس سے غصب کی ہے اور اس پر کوئی دلیل بھی قائم کر دی تو اب اس کے بارے اس کے اور مدعی کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں رہے گا۔ جب اس نے کہا میں نے فلاں غائب آدمی سے خریدی ہے تو وہ آدمی اس کا مدمقابل ہی رہے گا۔ جب مدعی نے کہا کہ میری چیز چرائی گی ہے اور اس پر دلیل بھی قائم کر دی۔ قابض نے کہا کہ مجھے فلاں نے بطور امانت دی ہے اور اس پر کوئی حجت بھی قائم کر دی تو جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ جب مدعی کہے کہ میں نے فلاں سے خریدی ہے اور قابض کہے کہ مجھے تو فلاں آدمی نے بطور امانت دی ہے تو اس صورت میں دلیل قائم کیے بغیر ہی جھگڑا ختم ہو جائے گا۔

حالف کے فعل و متعلق فعل کا بیان

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی شخص پر حلف دیا جائے اس کی دو صورتیں ہیں حلف خود اُسی کے فعل کے متعلق ہے یا دوسرے کے فعل کے متعلق اگر اُسی کے فعل پر قسم دی جائے تو بالکل یقینی طور پر ہو اُس سے یہ کہلوایا جائے خدا کی قسم میں نے اس کام کو نہیں کیا ہے اور دوسرے کے فعل کے متعلق ہو تو علم پر قسم کھلائی جائے یعنی واللہ میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ اُس نے ایسا کیا ہے۔ ہاں اگر دوسرے کا فعل ایسا ہو جس کا تعلق خود اسی سے ہے تو اب علم پر قسم نہیں ہوگی بلکہ قطعی طور پر انکار کرنا ہوگا۔ مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ جو غلام میں نے خریدا ہے اُس نے چوری کی ہے اور اس کو گواہوں سے ثابت کیا اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ بائع کے یہاں بھی اُس نے چوری کی تھی لہٰذا اس عیب کی وجہ سے بائع پر واپس کیا جائے اور بائع منکر ہے زید بائع پر حلف دیتا ہے تو بائع کو یوں قسم کھانی ہوگی کہ واللہ اُس نے میرے یہاں نہیں چوری کی ہے اس صورت میں اگر چہ چوری کرنا غلام کا فعل ہے مگر چونکہ اس کا تعلق بائع سے ہے لہٰذا فعل کی قسم کھانی ہوگی یوں نہیں کہ میرے علم میں اُس نے چوری نہیں کی اور اگر دوسرے کے فعل سے اس کو

تعلق نہ ہو تو فعل کی قسم نہیں کھلائی جائے گی بلکہ یہ قسم کھائے گا کہ میرے علم میں یہ بات نہیں ہے مثلاً ایک چیز کے متعلق زید بھی کہتا ہے میں نے خریدی ہے اور عمرو بھی کہتا ہے میں نے خریدی ہے زید یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ چیز میں نے عمرو کے پہلے خریدی ہے اور گواہ موجود نہیں ہیں تو عمرو پر یہ قسم دی جائے گی خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ زید نے یہ چیز مجھ سے پہلے خریدی ہے۔ زید نے وارث پر ایک چیز کا دعویٰ کیا کہ یہ میری ہے وارث انکار کرتا ہے تو علم پر قسم کھائے گا اور اگر وارث نے دوسرے پر دعویٰ کیا تو وہ قطعی طور پر قسم کھائے گا۔ ایک شخص نے کوئی چیز خریدی یا کسی نے اُسے ہبہ کیا۔ اور دوسرا شخص اس چیز میں اپنی ملک کا دعویٰ کرتا ہے مگر اُس کے پاس کوئی گواہ نہیں اس مشتری یا موہوب لہ پر یمین ہے کہ منکر ہے اور یہ قطعی طور پر مدعی کی ملک سے انکار کریگا کیونکہ جب یہ خرید چکا ہے یا اس کو ہبہ کیا گیا تو یقیناً مالک ہوگیا۔ (بحر الرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانے کا بیان

وَالْيَمِينُ بِاللَّهِ تَعَالَى دُونَ غَيْرِهِ وَيُؤَكَّدُ بِذِكْرِ أَوْصَافِهِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِالطَّلَاقِ وَلَا بِالْعَتَاقِ وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُودِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ الْإِنْجِيلَ عَلَى عِيسَى وَالْمَجُوسِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي خَلَقَ النَّارَ وَلَا يَحْلِفُونَ فِي بُيُوتِ عِبَادَاتِهِمْ وَلَا يَجِبُ تَغْلِيظُ الْيَمِينِ عَلَى الْمُسْلِمِ بِزَمَانٍ وَلَا بِمَكَانٍ،

ترجمہ

قسم! اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی کی نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف ذکر کر کے تائید کی جاتی ہے۔ طلاق اور عتاق کے ساتھ قسم نہیں لی جائے گی۔ اور یہودی سے یوں قسم لی جائے گی کہ قسم کھا اللہ تعالیٰ کی جس نے موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر تورات نازل فرمائی اور نصرانی سے یوں! کہ قسم کھا اللہ کی جس نے عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر انجیل نازل کی اور مجوسی سے اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا جس نے آگ کو پیدا فرمایا' اور ان کے عبادت خانوں میں ان سے قسم نہیں لی جائے گی اور مسلمان پر زمان یا مکان کے ساتھ قسم پکی کرنا واجب نہیں ہوتا ہے۔

شرح

قسم اللہ عزوجل کی کھائی جائے غیر خدا کی قسم نہ کھائی جائے نہ کھلائی جائے اگر قسم میں تغلیظ (سختی کرنا) چاہیں تو صفات کا اضافہ کریں مثلاً واللہ العظیم۔ قسم ہے خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو عالم الغیب والشہادہ رحمٰن رحیم ہے اس شخص کا میرے ذمہ نہ یہ مال ہے جس کا دعویٰ کرتا ہے نہ اس کا کوئی جز ہے۔

تغلیظ میں اس سے کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے۔ الفاظِ مذکورہ پر الفاظ بڑھادے یا کم کردے قاضی کو اختیار ہے مگر یہ ضرور ہے کہ صفات کا ذکر بغیر حرف عطف ہو یہ نہ کہے واللہ والرحمٰن والرحیم کہ اس صورت میں عطف کے ساتھ جتنے اسماذکر کیے جائیں گے اُتنی قسمیں ہوجائیں گی اور یہ خلاف شرع ہے کیونکہ شرعاً اُس پر ایک یمین کا مطالبہ ہے۔ بعض فقہا یہ کہتے ہیں کہ جو شخص صلاح وتقویٰ

کے ساتھ معروف ہو اُس پر تغلیظ نہ کی جائے دوسروں پر کی جائے بعض یہ بھی کہتے ہیں مال حقیر میں تغلیظ نہ کی جائے اور مال کثیر میں تغلیظ کی جائے۔

قسم زمانی ومکانی کی تغلیظ میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قسم کو زمانے کے ساتھ سخت نہ کیا جائے۔زمانے کی مثال جس طرح عصر کے بعد کا وقت ہے اور مکانی تغلیظ سے مراد جس طرح منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔حضرت امام احمد اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمانی ومکانی دونوں طرح کی تغلیظ مستحب ہے۔اور اسی طرح حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس میں مال یا مال کا ارادہ نہ ہو۔(شرح الوقایہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

قسم کی ابتداء بائع یا مشتری سے ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاضی مشتری کی قسم سے شروع کرے گا یہ حضرت امام محمد کے نزدیک ہے اور حضرت امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے۔ایک دلیل کے مطابق امام شافعی کا قول بھی یہی ہے۔اور امام اعظم سے بھی ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے۔حضرت امام ابو یوسف پہلے اس بات کے قائل تھے کہ قاضی بائع کی قسم سے شروع کرے گا۔حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کا صحیح مذہب اسی طرح ہے۔(شرح الوقایہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

ایک ہزار کا غلام خریدنے کا دعویٰ کرنے کا بیان

وَمَنْ ادَّعَى أَنَّهُ ابْتَاعَ مِنْ هَذَا عَبْدَهُ بِأَلْفٍ فَجَحَدَهُ اُسْتُحْلِفَ بِاَللَّهِ مَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ فِي الْحَالِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاَللَّهِ مَا بِعْت وَيُسْتَحْلَفُ فِي الْغَصْبِ بِاَللَّهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْك رَدَّ هَذِهِ الْعَيْنِ وَلَا رَدَّ قِيمَتِهَا وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاَللَّهِ مَا غَصَبْت وَفِي النِّكَاحِ بِاَللَّهِ مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ فِي الْحَالِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاَللَّهِ مَا طَلَّقْتهَا وَإِذَا كَانَتْ دَارٌ فِي يَدِ رَجُلٍ ادَّعَاهَا اثْنَانِ أَحَدُهُمَا جَمِيعَهَا وَالْآخَرُ نِصْفَهَا وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَلِصَاحِبِ الْجَمِيعِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهَا وَلِصَاحِبِ النِّصْفِ رُبُعُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ هِيَ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا، وَلَوْ كَانَتْ الدَّارُ فِي أَيْدِيهِمَا سَلِمَ لِصَاحِبِ الْجَمِيعِ نِصْفُهَا عَلَى وَجْهِ الْقَضَاءِ وَنِصْفُهَا لَا عَلَى وَجْهِ الْقَضَاءِ ،

ترجمہ

اور جس نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس سے اس کا غلام ایک ہزار میں خریدا ہے۔مگر وہ انکار کر دے تو اس سے یوں قسم لی جائے گی وہ کہے! کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اب تک ہمارے درمیان بیع قائم نہیں ہوئی ہے اور یوں قسم نہیں لی جائے گی کہ اللہ کی قسم میں نے نہیں بیچا' اور غصب میں یوں قسم لیں گے وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم یہ اس چیز کو واپس لینے کا' اور اس کی قیمت لینے کا مستحق نہیں ہے۔اس

طرح قسم نہیں لے سکتے کہ اللہ کی قسم میں نے غصب نہیں کی اور نکاح میں اس طرح کہ اللہ کی قسم ہمارے درمیان اب تک نکاح قائم نہیں ہے' اور طلاق کے دعویٰ میں اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کہ یہ اب تک تم سے بائن نہیں ہے۔ اس کے سبب جو اس نے بیان کیا ہے' اور یوں قسم نہیں لی جائے گی کہ قسم اللہ کی میں نے اس سے نکاح نہیں کیا میں نے اسے طلاق نہیں دی۔ جب کوئی مکان ایک آدمی کے قبضے میں ہو اس کے بارے دو آدمی دعویٰ کریں ایک کل کا' اور دوسرا نصف کا دعویٰ کر رہا ہو اور دونوں اس پر دلیل بھی قائم کر دیں تو امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کل کا دعویٰ کرنے والے کے لئے تین چوتھائی اور نصف والے کے لئے ایک چوتھائی مکان ہو گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکان دونوں کے درمیان تین تہائی ہوگا۔ جب مکان دونوں کے قبضے میں ہو' تو کل کے مدعی کے لئے پورا مکان نصف فیصلے کی جہت سے اور نصف بغیر فیصلے کے ہوگا۔

شرح

اور جس چیز پر حلف دیا جائے وہ کیا ہے۔ بعض صورتوں میں سبب پر قسم کھلاتے ہیں بعض میں نہیں۔ اگر سبب ایسا ہو جو مرتفع ہو جاتا ہے تو حاصل پر قسم کھلائی جائے اور اگر مرتفع نہ ہو تو سبب پر قسم کھائے۔ اس کی چند صورتیں ہیں مدعی نے دَین کا دعویٰ کیا ہے یا عین میں مِلک کا دعویٰ ہے یا عین میں کسی حق کا دعویٰ ہے پھر ہر ایک میں مطلق کا دعویٰ ہے یا کسی سبب کا بیان ہے۔ اگر دین کا دعویٰ ہو اور سبب نہ ہو تو حاصل پر حلف دیں گے یعنی تمہارا میرے ذمہ میں کچھ نہیں ہے۔ عین حاضر میں ملک مطلق یا حق مطلق کا دعویٰ ہو تو حاصل پر حلف دیں گے مثلاً قسم کھائے گا کہ نہ یہ چیز فلاں کی ہے نہ اس کا کوئی جز ہے اور اگر دعوے کی بنا سبب پر ہو مثلاً کہتا ہے میرا اُس پر دَین ہے اس سبب سے کہ میں نے قرض دیا ہے یا اُس نے مجھ سے کوئی چیز خریدی ہے اُس کے دام باقی ہیں یا یہ چیز میری ملک ہے اس لیے کہ میں نے خریدی ہے یا مجھے فلاں نے ہبہ کی ہے یا اُس شخص نے غصب کر لی ہے یا اُس کے پاس امانت یا عاریت ہے ان سب صورتوں میں حاصل پر حلف دیں گے مثلاً بیع کا مدعی ہے اور وہ منکر ہے قسم یوں کھلائی جائے کہ میرے اور اُس کے درمیان میں بیع قائم نہیں یوں قسم نہ کھلائی جائے کہ میں نے بیچی نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے بیچ کر اقالہ کر دیا ہو تو بیع نہ کرنے پر قسم دینا مدعیٰ علیہ کے لیے مضر ہوگا۔ غصب میں یوں قسم کھائے اُس چیز کے رد کرنے کا مجھ پر حق نہیں یہ نہیں کہ میں نے غصب نہیں کی کیونکہ کبھی چیز غصب کر لیتے ہیں پھر ہبہ یا بیع کے ذریعہ سے مالک ہو جاتے ہیں۔ طلاق کے دعوے میں یہ قسم کھلائی جائے وہ میرے نکاح سے اس وقت باہر نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی بائن طلاق دے کر پھر تجدید نکاح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان سب صورتوں میں حاصل پر قسم دی جائے کیونکہ سبب پر قسم دینے میں مدعیٰ علیہ کا نقصان ہے۔ ہاں اگر حاصل پر قسم دینے میں مدعی کا ضرر ہو تو ایسی صورتوں میں سبب پر حلف دیا جائے مثلاً عورت کو تین طلاقیں دی ہیں وہ نفقہ عدت کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر شافعی ہے۔

جس کا مذہب یہ ہے کہ ایسی عورت کا نفقہ واجب نہیں ہے اگر حاصل پر قسم دی جائے گی تو بے شک وہ قسم کھا لے گا کہ مجھ پر نفقہ عدت واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کا آزاد یا دو مذہب یہی ہے یا جوار کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کیا اور مشتری شافعی المذہب ہے اُس

کا مذہب یہ ہے کہ جوار کی وجہ سے شفعہ کا حق نہیں ہے حاصل پر اگر حلف دیں گے تو وہ قسم کھالے گا کہ اس کو حق شفعہ نہیں ہے اور اس میں مدعی کا نقصان ہے لہٰذا اس کو یہ قسم دیں گے کہ خدا کی قسم جائدادِ مشفوعہ کو اُس نے خریدا نہیں۔

دوآدمیوں کا جانور کے بارے میں جھگڑنے کا بیان

وَإِذَا تَنَازَعَا فِي دَابَّةٍ وَأَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً أَنَّهَا نُتِجَتْ عِنْدَهُ وَذَكَرَا تَارِيخًا وَسِنُّ الدَّابَّةِ يُوَافِقُ أَحَدَ التَّارِيخَيْنِ فَهُوَ أَوْلَى وَإِنْ أَشْكَلَ ذَلِكَ كَانَتْ بَيْنَهُمَا وَإِذَا تَنَازَعَا فِي دَابَّةٍ أَحَدُهُمَا رَاكِبُهَا وَالْآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِلِجَامِهَا فَالرَّاكِبُ أَوْلَى وَكَذَلِكَ إِذَا تَنَازَعَا بَعِيرًا وَعَلَيْهِ حِمْلٌ لِأَحَدِهِمَا فَصَاحِبُ الْحِمْلِ أَوْلَى وَإِذَا تَنَازَعَا قَمِيصًا أَحَدُهُمَا لَابِسُهُ وَالْآخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِكُمِّهِ فَاللَّابِسُ أَوْلَى،

ترجمہ

اور جب دو آدمی ایک جانور کے بارے جھگڑیں اور ہر ایک اس پر دلیل بھی دے دے کہ وہ اس کے ہاں پیدا ہوا تھا' اور دونوں تاریخ بھی بتادیں تو جس کی تاریخ کے موافق اس کی عمر ہوگی وہی اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔ جب اس طرح بھی مشکل ہو جائے' تو وہ جانور دونوں میں مشترک ہوگا۔ جب دو آدمیوں نے ایک ایسی سواری' جانور کے بارے جھگڑا کیا کہ ان میں سے ایک اس پر سوار تھا دوسرے نے اس کی لگام پکڑی ہوئی تھی تو جو اس پر سوار تھا وہی اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔ یونہی جب ایک ایسے اونٹ کے بارے دو آدمی جھگڑے کہ ان میں سے ایک نے اس پر بوجھ لادرکھا تھا تو بوجھ لادنے والا ہی زیادہ حق دار ہوگا۔ یونہی جب ایک ایسی قمیض کے بارے میں جھگڑپڑنے سے کہ ان میں سے ایک نے اسے پہن رکھا تھا' اور دوسرے نے اسے آستینوں سے پکڑا ہوا تھا تو اس کا زیادہ حق دار پہننے والا ہی ہوگا۔

شئی واحد پر دو اشخاص کا دعویٰ کرنے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کے پاس ایک چیز ہے۔ دو شخصوں نے اُس پر دعویٰ کیا ہر ایک کہتا ہے چیز میری ہے اس نے غصب کرلی ہے یا میں نے اس کے پاس امانت رکھی ہے۔ اُس مدعیٰ علیہ نے ایک کے لیے اقرار کرلیا کہ اس کی ہے اور دوسرے کے لیے انکار کردیا۔ حکم ہوگا کہ چیز مقرلہ کو دیدے اب دوسرا شخص مدعیٰ علیہ سے حلف لینا چاہتا ہو نہیں لے سکتا کیونکہ اُس کے قبضہ میں چیز نہیں رہی وہ مدعیٰ علیہ نہیں رہا اس کو اگر خصومت کرنی ہو مقرلہ سے کرے کہ اب وہی قابض ہے اگر یہ شخص یہ کہے کہ اُس نے دوسرے کے لیے اس غرض سے اقرار کیا کہ اپنے سے یمین کو دفع کرے لہٰذا قسم دی جائے قاضی اس کی بات قبول نہ کرے۔ اور اگر دونوں کے لیے اُس نے اقرار کیا دونوں کو تسلیم کردی جائے گی اب ان میں سے اگر کوئی یہ چاہے کہ نصف باقی کے متعلق مدعیٰ علیہ پر حلف دیا جائے یہ بات نامقبول ہے اور اگر دونوں کے مقابل میں اُس نے انکار کیا تو دونوں کے مقابل میں حلف دیا جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

بیع وشراء میں اختلاف ہوجانے کا بیان

وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الْبَيْعِ فَادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ أَكْثَرَ مِنْهُ أَوْ اعْتَرَفَ الْبَائِعُ بِقَدْرٍ مِنَ الْمَبِيعِ وَادَّعَى الْمُشْتَرِي أَكْثَرَ مِنْهُ وَأَقَامَ أَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ قَضَى لَهُ بِهَا وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ كَانَتْ الْبَيِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّيَادَةِ أَوْلَى،

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ قِيلَ: لِلْمُشْتَرِي إِمَّا أَنْ تَرْضَى بِالثَّمَنِ الَّذِي ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَإِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ وَقِيلَ: لِلْبَائِعِ إِمَّا أَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي مِنَ الْمَبِيعِ وَإِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ فَإِنْ لَمْ يَتَرَاضَيَا اسْتَحْلَفَ الْحَاكِمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى دَعْوَى الْآخَرِ يَبْتَدِئُ بِيَمِينِ الْمُشْتَرِي فَإِذَا حَلَفَا فَسَخَ الْقَاضِي الْبَيْعَ بَيْنَهُمَا فَإِنْ نَكَلَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْيَمِينِ لَزِمَهُ دَعْوَى الْآخَرِ،

ترجمہ

اور جب بیچنے والے اور خریدنے والے کے درمیان اختلاف ہوجائے اور خریدنے والا جتنی قیمت کا دعویٰ کرے تو بیچنے والا اس سے زیادہ قیمت کا دعویدار ہوگا۔ یا وہ بیچی گئی اس چیز کی ایک مقدار کا دعویٰ کرے گا تو اس صورت میں پھر خریدنے والا اس سے زیادہ مقدار کا دعویٰ کرے گا تو ان میں سے جس کسی نے دلیل دے دی۔ اس کے حق میں فیصلہ ہوجائے گا۔ جب دونوں نے ہی دلیل دے دی تو زیادتی ثابت کرنے والی دلیل کا اعتبار کیا جائے گا۔ جب کسی کے پاس بھی دلیل نہ ہو تو خریدار سے کہا جائے گا کہ جتنی قیمت کا بائع نے دعویٰ کیا ہے تو اس پر راضی ہوجا جب نہیں تو پھر ہم بیع فسخ کردیں گے اور وہ اس بات پر راضی نہ ہوں تو حاکم ان میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لے گا ابتداء مشتری (خریدار) سے قسم لیتے ہوئے کرے گا۔ جب دونوں قسم اٹھالیں تو قاضی ان دونوں کے درمیان بیع فسخ کردے گا۔ جب ان میں سے کسی نے قسم دینے سے انکار کیا تو اسے دوسرے کا دعویٰ لازم ہوجائے گا۔

مدعیان کا دعویٰ کی تاریخ بتانے کا بیان

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دونوں نے دو شخصوں سے خریدنے کا دعویٰ کیا زید کہتا ہے میں نے بکر سے خریدی اور عمرو کہتا ہے میں نے خالد سے خریدی ان دونوں نے اگرچہ تاریخ بیان کی ہو اور اگرچہ ایک کی تاریخ دوسرے سے مقدم ہو ان میں کوئی دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں بلکہ دونوں نصف نصف لے سکتے ہیں۔ اور اگر کچی اینٹ اس کے قبضہ میں ہے۔ دوسرے شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ اینٹ میری ملک میں بنائی گئی ہے اور ذوالید ثابت کرتا ہے کہ میری ملک میں بنائی گئی ہے خارج کو ترجیح ہے اور اگر پکی اینٹ یا چونا یا گچ کرنے کے مسالے کے متعلق یہی صورت پیش آجائے تو ذوالید کو ترجیح ہے۔

(بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہرایک دوسرے کا نام لے کر کہتا ہے میں نے اُس سے خریدی ہے مثلاً زید کہتا ہے میں نے عمرو سے خریدی ہے اور عمرو کہتا ہے میں نے زید سے خریدی ہے چاہے یہ دونوں خارج ہوں یا ان میں ایک خارج ہو اور ایک ذوالید اور تاریخ کوئی بیان نہیں کرتا تو دونوں جانب کے گواہ ساقط اور چیز جس کے قبضہ میں ہے اُسی کے پاس چھوڑ دی جائے گی۔ پھر اگر دونوں جانب کے گواہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ چیز خریدی اور ثمن ادا کر دیا تو ادلا بدلا ہو گیا یعنی کوئی دوسرے سے ثمن واپس نہیں پائے گا۔ دونوں فریقوں نے صرف خریدنا ہی بیان کیا ہو یا خریدنا اور قبضہ کرنا دونوں باتوں کو ثابت کیا ہو دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی دونوں جانب کے گواہ ساقط اور اگر دونوں جانب کے گواہوں نے وقت بیان کیا ہے اور جائدادِ مُتنازع فیہا غیر منقولہ ہے اور بیع کے ساتھ قبضہ کو ذکر نہیں کیا ہے اور خارج کا وقت مقدم ہے تو ذوالید مستحق قرار پائے گا یعنی خارج نے ذوالید سے خرید کر قبل قبضہ ذوالید کے ہاتھ بیع کر دی اور قبضہ سے قبل بیع کر دینا غیر منقول میں درست ہے اور اگر ہرایک کے گواہ نے قبضہ بھی بیان کر دیا ہو جب بھی ذوالید کے لیے فیصلہ ہوگا کیونکہ قبضہ کے بعد خارج نے ذوالید کے ہاتھ بیع کر دی اور یہ بالا جماع جائز ہے اور اگر گواہوں نے تاریخ بیان کی اور ذوالید کی تاریخ مقدم ہے تو خارج کے موافق فیصلہ ہوگا یعنی ذوالید نے اُسے خرید کر پھر خارج کے ہاتھ بیع کر دیا۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

اور جب بکر نے دعویٰ کیا کہ میں نے عمرو سے یہ مکان ہزار روپے میں خریدا ہے اور عمرو کہتا ہے میں نے بکر سے ہزار روپے میں خریدا ہے اور وہ مکان زید کے قبضہ میں ہے زید کہتا ہے مکان میرا ہے میں نے عمرو سے ہزار روپے میں خریدا ہے اور سب نے اپنے اپنے دعوے کو گواہوں سے ثابت کیا مکان زید ہی کو دیا جائے گا ان دونوں کو ساقط کر دیا جائے گا۔

(بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

دو آدمیوں کا مدت یا خیار شرط میں اختلاف ہو جانے کا بیان

وَإِنْ اخْتَلَفَا فِي الْأَجَلِ أَوْ فِي شَرْطِ الْخِيَارِ أَوْ فِي اسْتِيفَاءِ بَعْضِ الثَّمَنِ فَلَا تَحَالُفَ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ هَذَا اخْتِلَافٌ فِي غَيْرِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَالْمَعْقُودِ بِهِ فَوْلُهُ وَالْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ يُنْكِرُ الْخِيَارَ وَالْأَجَلَ مَعَ يَمِينِهِ فَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيعُ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ فَلَا تَحَالُفَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ مَعَ يَمِينِهِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَتَحَالَفَانِ وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ عَلَى قِيمَةِ الْهَالِكِ وَإِنْ هَلَكَ أَحَدُ الْعَبْدَيْنِ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ أَنْ يَتْرُكَ حِصَّةَ الْهَالِكِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يَتَحَالَفَانِ وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ فِي الْحَيِّ وَقِيمَةِ الْهَالِكِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ

ترجمہ

جب مدت میں شرط خیار یا کچھ قیمت وصول کرنے میں اختلاف کریں۔ تو ان میں سے ایک دوسرے سے قسم نہیں لی جائے گا۔ اور خیار اور مدت کے انکاری کا قول اس کی قسم کے ساتھ مانا جائے گا۔ جب بیچی گئی چیز ہلاک ہوگئی۔ اس کے بعد

انہوں نے اس کی قیمت میں اختلاف کیا تو اب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قسم نہیں اٹھائیں گے اور قیمت میں خریدار کا قول معتبر ہوگا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے اور ہلاک ہونے والی چیز کی قیمت پر بیع فسخ ہو جائے گی۔

جب دو غلاموں میں سے ایک ہلاک ہو جائے۔ اس کے بعد اس کی قیمت میں اختلاف ہو جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قسم نہیں کھائیں گے مگر صرف اس صورت میں کہ بیچنے والا ہلاک ہونے والے غلام کی قیمت کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دونوں قسم اٹھائیں گے اور زندہ غلام میں بھی اور ہلاک ہونے والے میں بھی بیع فسخ ہو جائے گی۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔

ہلاکت مبیع کے بعد بائع و مشتری سے حلف لینے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان محمد حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی چیز مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی اور اس کی ہلاکت کے بعد اس کی قیمت میں اختلاف ہو جائے تو شیخین کے نزدیک حلف نہ لیا جائے۔ جبکہ امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک ایک روایت کے موافق انہوں نے بھی یہی کہا ہے۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں سے حلف لیا جائے گا۔ اور ہلاک کی قیمت پر بیع فسخ ہو چکی ہے اور امام شافعی سے ایک روایت، امام مالک سے ایک روایت اور امام احمد سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

(شرح الوقایہ، کتاب دعویٰ، بیروت)

مہر میں جھگڑا کرنے کا بیان

وَإِنْ اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي الْمَهْرِ فَادَّعَى الزَّوْجُ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِأَلْفٍ وَقَالَتْ : بِأَلْفَيْنِ فَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ بَيِّنَتُهُ وَإِنْ أَقَامَا جَمِيعًا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ تَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَلَمْ يُفْسَخْ النِّكَاحُ وَلَكِنْ يُحْكَمُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ فَإِنْ كَانَ مِثْلَ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ أَقَلَّ قَضَى بِمَا قَالَ الزَّوْجُ وَإِنْ كَانَ مِثْلَ مَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ أَوْ أَكْثَرَ قَضَى بِمَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ وَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ أَكْثَرَ مِمَّا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ وَأَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ قَضَى لَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ،

ترجمہ

اور جب زوجین مہر کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگیں۔ شوہر دعویٰ کرے کہ یہ شادی ایک ہزار پر ہوئی تھی۔ بیوی کہے کہ تو نے مجھ سے دو ہزار پر شادی کی تھی۔ تو ان میں سے جس نے بھی دلیل قائم کر دی۔ اس کی دلیل قبول ہوگی جب دلیل دونوں نے قائم کر دی۔ تو عورت کی دلیل کا اعتبار کیا جائے گا۔ جب کسی کے پاس بھی دلیل نہ ہو تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے۔ البتہ نکاح فسخ نہیں ہوگا لیکن مہر مثل کا حکم جاری کر دیا جائے گا۔ جب مہر مثل جتنے کا شوہر اعتراف کر رہا ہو۔ اتنا ہی ہو یا اس سے کم ہو تو اس صورت میں فیصلہ شوہر کے قول پر ہوگا۔ جب جتنے کا عورت نے دعویٰ کیا ہو۔ اتنا ہو یا زیادہ ہو تو فیصلہ عورت کے قول کے مطابق ہوگا۔ جب مہر مثل جتنے کا شوہر نے اعتراف کیا ہوا ہے اس سے زیادہ ہو اور

جتنے کا عورت نے دعویٰ کیا ہو اس سے کم ہو تو عورت کے لئے مہر مثل کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔

زوجین میں مہر کی کمی و بیشی کے اختلاف کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب زوجین میں مہر کی کمی بیشی میں اختلاف ہوا یا اس میں اختلاف ہوا کہ وہ کس جنس کا تھا دونوں میں جو گواہ پیش کرے اُس کے موافق فیصلہ ہوگا اور اگر دونوں نے گواہوں سے ثابت کیا تو دیکھا جائے گا کہ مہر مثل کس کی تائید کرتا ہے مرد کی یا عورت کی مثلاً مرد یہ کہتا ہے کہ مہر ایک ہزار تھا اور عورت دو ہزار بتاتی ہے تو اگر مہر مثل شوہر کی تائید میں ہے یعنی ایک ہزار یا کم تو عورت کے گواہ معتبر اور مہر مثل عورت کی تائید کرتا ہو یعنی دو ہزار یا زیادہ تو شوہر کے گواہ معتبر اور اگر مہر مثل کسی کی تائید میں نہ ہو بلکہ دونوں کے مابین ہو مثلاً ڈیڑھ ہزار تو دونوں کے گواہ بیکار اور مہر مثل دلایا جائے۔

اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تو تحالف ہے اور فرض کرو دونوں نے قسم کھالی تو اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوگا بلکہ یہ قرار پائے گا کہ نکاح میں کوئی مہر مقرر نہیں ہوا اور اس کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بخلاف بیع کہ وہاں ثمن کے نہ ہونے سے بیع نہیں رہ سکتی لہٰذا فسخ کرنا پڑتا ہے تحالف کی صورت میں پہلے کون قسم کھائے اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں بہتر یہ کہ قرعہ ڈالا جائے۔

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جس کا نام نکلے وہی پہلے قسم کھائے اور بعض کہتے ہیں کہ بہتر یہ کہ پہلے شوہر پر حلف دیا جائے اور قسم سے جو نکول کریگا اُس پر دوسرے کا دعویٰ لازم اور اگر دونوں نے قسم کھالی تو مہر کا مسمّٰی ہونا ثابت نہیں ہوا اور مہر مثل کو جس کے قول کی تائید میں پائیں گے اُسی کے موافق حکم دیں گے یعنی اگر مہر مثل اُتنا ہے جتنا شوہر کہتا ہے یا اُس سے بھی کم تو شوہر کے قول کے موافق فیصلہ ہوگا اور اگر مہر مثل اُتنا ہے جتنا عورت کہتی ہے یا اُس سے بھی زیادہ تو عورت جو کہتی ہے اُس کے موافق فیصلہ کیا جائے اور اگر مہر مثل دونوں کے درمیان میں ہو تو مہر مثل کا حکم دیا جائے۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

دو آدمیوں کا اجارے میں اختلاف ہونے کا بیان

وَإِذَا اخْتَلَفَا فِي الْإِجَارَةِ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا وَإِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ لَمْ يَتَحَالَفَا وَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ الْمُسْتَأْجِرِ مَعَ يَمِينِهِ وَإِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ اسْتِيفَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِيمَا بَقِيَ وَكَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَاضِي قَوْلَ الْمُسْتَأْجِرِ وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلَى وَالْمُكَاتَبُ فِي مَالِ الْكِتَابَةِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : يَتَحَالَفَانِ،

ترجمہ

جب دو آدمیوں کا وہ چیز جس پر عقد کیا گیا اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ تو وہ اقسام اٹھائیں گے اور اجارہ ختم کر

دیں گے جب اپنا پورا حق لے لینے کے بعد انہوں نے اختلاف کیا تو اس صورت میں وہ اقسام نہیں اٹھائیں گے' اور اعتبار مستاجر کے قول کا ہوگا۔ جب انہوں نے وہ چیز جس پر عقد ہو۔ اس سے کچھ حاصل کر لینے کے بعد اختلاف کیا تو دونوں اقسام اٹھائیں گے' اور جس قدر وہ چیز باقی ہوگی اس میں عقد فسخ ہو جائے گا۔ اور جس قدر چیز میں اجارہ ہو چکا تھا۔ اس کے بارے میں مستاجر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ جب آقا' اور مکاتب غلام کے درمیان مال کتابت میں اختلاف ہو گیا۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قسم نہیں اٹھائیں گے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دونوں قسم اٹھائیں گے' اور کتابت فسخ ہو جائے گی۔

شرح

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب دو شخصوں نے ایک چیز کے متعلق دعویٰ کیا ایک کہتا ہے میں نے اجارہ پر لی ہے دوسرا کہتا ہے میں نے خریدی ہے اگر مدعی علیہ نے مستاجر کے موافق اقرار کیا تو خریدار اُس کو حلف دے سکتا ہے اور اگر دونوں اجارہ ہی کا دعویٰ کرتے ہوں اور مدعی علیہ نے ایک کے لیے اقرار کر دیا تو دوسرا حلف نہیں دے سکتا۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

میاں بیوی کے درمیان سامان میں اختلاف ہونے کا بیان

وَإِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ وَمَا يَصْلُحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ وَمَا يَصْلُحُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَرَثَتُهُ مَعَ الْآخَرِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يَدْفَعُ لِلْمَرْأَةِ مَا يُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا وَالْبَاقِي لِلرَّجُلِ مَعَ يَمِينِهِ،

ترجمہ

اور جب زوجین گھریلو سامان میں اختلاف کر بیٹھیں' تو اس میں سے جو مردوں کے کام کا ہوگا وہ مرد کے لئے ہوگا۔ اور جو عورتوں کے کام کا ہوگا۔ وہ عورت کا ہوگا۔ اور جو دونوں کے قابل ہوگا وہ بھی مرد کا ہوگا۔ پھر ان میں سے ایک فوت ہو گیا تو بعد میں اس کے ورثاء نے پیچھے دوسرے کے ساتھ اختلاف کر دیا تو وہ جو سامان مردوں اور عورتوں دونوں کے کام کا ہوگا۔ اور زوجین میں سے جو زندہ ہوگا اس کی میراث ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو سامان جہیز میں دیا جاتا ہے وہ عورت کو دیا جائے گا۔ اور باقی شوہر کی قسم کے ساتھ شوہر کے لئے ہوگا۔

زوجین کا گھریلو سامان میں اختلاف ہو جانے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب زوجین کے درمیان سامانِ خانہ داری میں اختلاف ہوا اور گواہ نہیں ہیں کہ

شوہر کی ملک ثابت ہو یا زوجہ کی تو جو چیز مرد کے لیے خاص ہے جیسے عمامہ، چھڑی، اس کے متعلق قسم کے ساتھ مرد کا قول معتبر ہے۔ اور جو چیزیں عورت کے لیے مخصوص ہیں جیسے زنانے کپڑے اور وہ خاص چیزیں جو عورتوں ہی کے استعمال میں آتی ہیں ان کے متعلق قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہے اور وہ چیزیں جو دونوں کے کام کی ہیں جیسے لوٹا، کٹورا اور استعمال کے دیگر ظروف ان میں بھی مرد کا ہی قول معتبر ہے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کیے تو ان چیزوں کے بارے میں عورت کے گواہ معتبر ہیں اور اگر گھر کے ہی متعلق اختلاف ہے مرد کہتا ہے میرا ہے عورت کہتی ہے میرا ہے اس کے متعلق شوہر کا قول معتبر ہے۔ ہاں اگر عورت کے پاس گواہ ہوں تو وہ عورت ہی کا مانا جائے گا۔ یہ زن و شوہر کا اختلاف اور اُس کا یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ دونوں زندہ ہوں، اور اگر ایک زندہ ہے اور ایک مر چکا ہے اس کے وارث نے زندہ کے ساتھ اختلاف کیا تو جو چیز دونوں کے کام کی ہے اُس کے متعلق اُس کا قول معتبر ہوگا جو زندہ ہے۔ (درمختار، کتاب دعویٰ، بیروت)

علامہ ابن نجیم حنفی مصری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور مکان میں جو سامان ایسا ہے کہ عورت کے لیے خاص ہے مگر مرد اُس کی تجارت کرتا ہے یا بناتا ہے تو وہ سامان مرد کا ہے یا چیز مرد ہی کے کام کی ہے مگر عورت اُس کی تجارت کرتی ہے یا وہ خود بناتی ہے وہ سامان عورت کا ہے۔ اور جب زوجین کا اختلاف حالتِ بقاء نکاح میں ہو یا فرقت کے بعد دونوں کا ایک حکم ہے اسی طرح جس مکان میں سامان ہے وہ زوج کی ملک ہو یا زوجہ کی یا دونوں کی سب کا ایک ہی حکم ہے اور اختلافات کا لحاظ اُس وقت ہوگا جب عورت نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ چیز شوہر نے خریدی ہے اگر اُس کے خریدنے کا اقرار کرلے گی تو شوہر کی ملک کا اُس نے اقرار کرلیا اس کے بعد پھر عورت کی ملک ہونے کے لیے ثبوت درکار ہے۔ (بحرالرائق، کتاب دعویٰ، بیروت)

باندی کی بیع کے بعد بچے کی پیدائش ہو جانے کا دعویٰ

وَإِذَا بَاعَ الرَّجُلُ جَارِيَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ بَاعَهَا فَهُوَ ابْنُ الْبَائِعِ وَأُمُّهُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ فِيهِ وَيُرَدُّ الثَّمَنُ فَإِنِ ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ أَوْ بَعْدَهُ فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ أَوْلَى وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَلِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ دَعْوَى الْبَائِعِ فِيهِ إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِي وَإِنْ مَاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتِ الِاسْتِيلَادُ فِي الْأُمِّ فَإِنْ مَاتَتِ الْأُمُّ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ ثَبَتَ النَّسَبُ فِي الْوَلَدِ وَأَخَذَهُ الْبَائِعُ وَيَرُدُّ كُلَّ الثَّمَنِ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَرُدُّ حِصَّةَ الْوَلَدِ وَلَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْأُمِّ وَمَنِ ادَّعَى نَسَبَ أَحَدِ التَّوْأَمَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا مِنْهُ،

ترجمہ

اور جب کسی نے لونڈی فروخت کی۔ اس نے ایک بچے کو جنم دیا لونڈی کو فروخت کرنے والے نے دعویٰ کیا کہ یہ بچہ اس کا

ہے جب تو اس لونڈی نے جس دن اسے بیچا گیا تھا۔ اس دن سے لے کر کے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچے کو جنم دیا تو وہ بچہ لونڈی کو فروخت کرنے والے کا ہی ہوگا۔ اور اس بچے کی ماں اس کی ام ولد ہوگی اور بیع فسخ ہو جائے گی اور اس کی لی گئی قیمت واپس کر دی جائے گی۔ جب بائع کے دعویٰ کے ساتھ مشتری نے بھی دعویٰ کیا یا اس کے بعد دعویٰ کیا تو بائع کا دعویٰ زیادہ معتبر ہوگا۔ جب اس نے چھ ماہ سے زیادہ اور دو سال کے کم عرصہ میں بچے کو جنم دیا تو مشتری کی تصدیق کے بغیر بائع کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جب بچہ فوت ہو گیا اس کے بعد بائع نے اس کا دعویٰ کیا' اور لونڈی نے اسے چھ ماہ سے کم عرصے میں جنا تھا۔ تو پہلے میں اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اور نہ ماں میں ام ولد ہونا ثابت ہوگا۔ جب ماں فوت ہو گئی اس نے اس کے بعد بچے کا دعویٰ کیا' اور لونڈی نے اسے چھ ماہ سے کم عرصے میں جنم دیا تھا۔ تو بچے میں نسب ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ یعنی بائع اس بچے کو لے لے گا۔ اور ساری قیمت واپس کر دے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بائع بچے کا حصہ لوٹائے گا۔ مگر ماں کا حصہ نہیں لوٹائے گا۔ اور جس نے دو جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو دونوں بچوں کا اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

شرح

امام ابوالحسن فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی آدمی نے باندی کو بیچا پھر اس نے بچہ جنا اور بائع نے اس کا دعویٰ کر دیا تو اگر بیع کے دن سے چھ ماہ سے کم میں اگر باندی نے بچہ جنا ہو تو وہ بچہ بائع کا ہوگا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہوگی قیاس میں اس کا دعویٰ باطل ہوگا۔ حضرت امام زفر اور حضرت امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

•••------•••------•••

کتاب الشہادات

﴿یہ کتاب شہادات کے بیان میں ہے﴾

کتاب شہادات کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب دعویٰ کے بعد لانے کی مناسبت واضح ہے کیونکہ قاضی اپنا فیصلہ کرنے میں گواہی کا محتاج ہے جبکہ خصم انکار کرنے والا ہو۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۰، ص ۱۷۳، بیروت)

کتاب دعویٰ کے عقب میں کتاب شہادات لانے کی وجہ مناسبت یہ بھی ہے کہ گواہی بھی مجلس قضاء کی قاضی کی محتاج ہوتی ہے۔ کیونکہ عموی طور پر تمام قسم کے فیصلے قاضی کی مجلس میں پیش کیے جاتے ہیں جہاں ان کے ثبوت جس میں گواہی اور یمین وغیرہ اور دیگر قرائنی ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے جن میں سے اہم گواہی ہے۔ کیونکہ جب مدعی دعویٰ کرتا ہے تو اس کو گواہ پیش کرنے کا مکلف کیا جاتا ہے۔ لہٰذا قاضی کا دعویٰ سننے کے بعد جس چیز کی سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ضرورت سے واسطہ پڑتا ہے وہ گواہی ہے۔ پس ان موافقات کے سبب مصنف علیہ الرحمہ اور دیگر کتب فقہ میں کتاب دعویٰ کے بعد کتاب شہادات کو بیان کیا جاتا ہے۔

قضاء وشہادت کا معنی

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قضاء کی مجلس میں گواہی کے الفاظ کے ساتھ حق کو ثابت کرنے کے لئے سچی گواہی دینے کا نام شہادت ہے۔ اور ہر ایسا لفظ جو بھلائی کے معنی کے لئے ہو اور وہ قسم کے معنی میں نہ ہو تو وہ اس کا رکن ہوگا۔
(فتح القدیر، کتاب شہادات)

قضیہ اس نزاعی معاملے کو کہتے ہیں جو حاکم وقاضی کے پاس اس غرض سے لے جایا جائے کہ وہ فریقین کے درمیان کوئی حکم وفیصلہ کرے۔ اور "شہادت" گواہی دینے کو کہتے ہیں اور "گواہی" کا مطلب ہے "دو فریقوں میں سے ایک فریق کے مقابلہ پر دوسرے فریق کے حق کا اقرار واثبات کرنا۔

گواہ بنانے کی اہمیت کا بیان

اب رہی شہادت تو سعید بن مسیّب تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کرو، دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ (آیت فان امن الخ،) فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا، یہ بھی ذہن نشین رہے۔
جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف

ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید وفروخت کی جبکہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا، چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ذرا جلد نکل آئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا، لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے، انہوں نے قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے، اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر کہا حضرت یا تو گھوڑا اسی وقت نقد دے کر لے لو یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر رکے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلط کہتا ہے، میرے تیرے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے، اب لوگ ادھر اُدھر سے بیچ میں بولنے لگے، اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا، مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بدبخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے پیغمبر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے، لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو، اتنے میں حضرت خزیمہ آ گئے اور اعرابی کے اس قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے، حضرت خزیمہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت دی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج سے حضرت خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔ پس اس حدیث سے خرید وفروخت پر گواہی دو گواہوں کی ضروری نہ رہی، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی دو گواہ ہوں،

کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی، ایک تو وہ کہ جس کے گھر بد اخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے، دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت کے پہلے اسے سونپ دے، تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے، امام حاکم اسے شرط و بخاری و مسلم پر صحیح بتلاتے ہیں، بخاری مسلم اس لئے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ اشعری پر موقوف بتاتے ہیں۔

حکم شہادت کے شرعی ماخذ کا بیان

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ (المائدہ،۱۰۶)

اے ایمان والو! تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں کسی کو موت آئے، وصیت کرتے وقت تم میں کے دو معتبر شخص ہیں یا

غیروں میں کے دو جب تم ملک میں سفر کو جاؤ پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے، ان دونوں کو نماز کے بعد روکو، وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر تمہیں کچھ شک پڑے، ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں گے، اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی نہ چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں۔ (کنزالایمان)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شان نزول: مہاجرین میں سے بدیل جو حضرت عمرو بن العاص کے موالی میں سے تھے بقصد تجارت ملک شام کی طرف دو نصرانیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، ان میں سے ایک کا نام تمیم بن اوس داری تھا اور دوسرے کا عدی بن بداء، شام پہنچتے ہی بدیل بیمار ہو گئے اور انہوں نے اپنے تمام سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان میں ڈال دی اور ہمراہیوں کو اس کی اطلاع نہ دی، جب مرض کی شدت ہوئی تو بدیل نے تمیم وعدی دونوں کو وصیت کی کہ ان کا تمام سرمایہ مدینہ شریف پہنچ کر ان کے اہل کو دے دیں اور بدیل کی وفات ہوگئی، ان دونوں نے ان کی موت کے بعد ان کا سامان دیکھا، اس میں ایک چاندی کا جام تھا جس پر سونے کا کام بنا تھا اس میں تین سو مثقال چاندی تھی، بدیل یہ جام بادشاہ کو نذر کرنے کے قصد سے لائے تھے ان کی وفات کے بعد ان کے دونوں ساتھیوں نے اس جام کو غائب کر دیا اور اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے بدیل کا سامان ان کے گھر والوں کے سپرد کر دیا، سامان کھولنے پر فہرست ان کے ہاتھ آ گئی جس میں تمام متاع کی تفصیل تھی، سامان کو اس کے مطابق کیا تو جام نہ پایا اب وہ تمیم اور عدی کے پاس پہنچے اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا بدیل نے کچھ سامان بیچا بھی تھا؟ انہوں نے کہا نہیں، کہا کوئی تجارتی معاملہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا نہیں پھر دریافت کیا بدیل بہت عرصہ بیمار رہے اور انہوں نے اپنے علاج میں کچھ خرچ کیا؟ انہوں نے کہا نہیں، وہ تو شہر پہنچتے ہی بیمار ہو گئے اور جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا، اس پر ان لوگوں نے کہا کہ ان کے سامان میں ایک فہرست ملی ہے اس میں چاندی کا ایک جام سونے سے منقش کیا ہوا جس میں تین سو مثقال چاندی ہے، یہ بھی لکھا ہے تمیم وعدی نے کہا ہمیں نہیں معلوم، ہمیں تو جو وصیت کی تھی اس کے مطابق سامان ہم نے تمہیں دے دیا، جام کی ہمیں خبر بھی نہیں، یہ مقدمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش ہوا، تمیم وعدی وہاں بھی انکار پر جمے رہے اور قسم کھالی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (خازن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ پھر وہ جام مکہ مکرمہ میں پکڑا گیا، جس شخص کے پاس تھا اس نے کہا کہ میں نے یہ جام تمیم وعدی سے خریدا ہے، مالکِ جام کے اولیاء میں سے دو شخصوں نے کھڑے ہو کر قسم کھائی کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ احق ہے، یہ جام ہمارے مورث کا ہے۔ اس باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترمذی)

گواہی دینے کے لازم ہونے کا بیان

الشَّهَادَةُ فَرْضٌ يَلْزَمُ الشُّهُودَ أَدَاؤُهَا وَلَا يَسَعُهُمْ كِتْمَانُهَا إِذَا طَالَبَهُمُ الْمُدَّعِي وَالشَّهَادَةُ فِي الْحُدُودِ يُخَيَّرُ فِيهَا الشَّاهِدُ بَيْنَ السَّتْرِ وَالْإِظْهَارِ وَالسَّتْرُ أَفْضَلُ إِلَّا أَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يُشْهِدَ بِالْمَالِ فِي السَّرِقَةِ أَخَذَ وَلَا يَقُولُ : سَرَقَ وَالشَّهَادَةُ عَلَى مَرَاتِبَ مِنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزِّنَا يُعْتَبَرُ فِيهَا أَرْبَعَةٌ مِنْ

الرِّجَالِ وَلَا تُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَمِنْهَا الشَّهَادَةُ بِبَقِيَّةِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصُ يُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ وَلَا يُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةَ النِّسَاءِ وَمَا سِوَى ذٰلِكَ مِنَ الْحُقُوقِ يُقْبَلُ فِيهِ رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ سَوَاءٌ كَانَ الْحَقُّ مَالًا أَوْ غَيْرَ مَالٍ مِثْلُ النِّكَاحِ وَالْعَتَاقِ وَالطَّلَاقِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ

ترجمہ

گواہی فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہوتی ہے۔ جب مدعی انہیں طلب کرے، تو اس کے چھپانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ حدود کی گواہی میں گواہ کو چھپانے، اور ظاہر کرنے کا اختیار ہوتا ہے، اور ان میں چھپانا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

البتہ مال کی چوری میں گواہی واجب ہو جاتی ہے۔ پس وہ یوں کہے گا کہ اس نے لیا ہے یہ نہیں کہے گا کہ اس نے چرایا ہے، اور گواہی کے کچھ درجے ہیں۔ ان تمام میں سے زناء کی گواہی دینا ہے۔ اس میں چار مردوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اس میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہو گی اور ان مراتب میں سے باقی حدود اور قصاص کی گواہی دینا ہے۔ جس میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی اور یہاں بھی عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس کے علاوہ حقوق میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ وہ چاہے مال میں ہو یا مال کے علاوہ کسی اور چیز میں ہو مثلاً نکاح، طلاق، عتاق، وکالت اور وصیت وغیرہ میں۔

ادائے شہادت کے وجوب کی شرائط کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ادائے شہادت واجب ہونے کے لیے چند شرائط ہیں۔ (۱) حقوق العباد میں مدعی کا طلب کرنا اور اگر مدعی کو اس کا گواہ ہونا معلوم نہ ہو اور اس کو معلوم ہو کہ گواہی نہ دے گا تو مدعی کی حق تلفی ہوگی اس صورت میں بغیر طلب گواہی دینا واجب ہے۔

(۲) یہ معلوم ہو کہ قاضی اس کی گواہی قبول کرلے گا اور اگر معلوم ہو کہ قبول نہیں کریگا تو گواہی دینا واجب نہیں۔ (۳) گواہی کے لیے یہ معین ہے اور اگر معین نہ ہو یعنی اور بھی بہت سے گواہ ہوں تو گواہی دینا واجب نہیں جب کہ دوسرے لوگ گواہی دے دیں اور وہ اس قابل ہوں کہ اُن کی گواہی مقبول ہوگی۔ اور اگر ایسے لوگوں نے شہادت دی جن کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اس نے نہ دی تو یہ گنہگار ہے اور اگر اس کی گواہی دوسروں کی بہ نسبت جلد قبول ہوگی اگرچہ دوسروں کی بھی قبول ہوگی اور اُس نے نہ دی گنہگار ہے۔

(۴) دو عادل کی زبانی اس امر کا بطلان معلوم نہ ہوا ہو جس کی شہادت دینا چاہتا ہے مثلاً مدعی نے دَین کا دعویٰ کیا ہے جس کا یہ شاہد ہے مگر دو عادل سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ دَین ادا کر چکا ہے یا زوج نکاح کا مدعیہ اور گواہ کو معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دے چکا ہے یا مشتری غلام خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے اور گواہ کو معلوم ہوا ہے کہ مشتری اُسے آزاد کر چکا ہے۔ یا قتل کا دعویٰ ہے اور معلوم ہے کہ ولی معاف کر چکا ہے ان سب صورتوں میں دَین و نکاح و بیع و قتل کی گواہی دینا درست نہیں۔ اور اگر خبر دینے والے عادل نہ ہوں تو گواہ کو اختیار ہے گواہی دے اور قاضی کے سامنے جو کچھ سنا ہے ظاہر کر دے اور یہ بھی اختیار ہے کہ گواہی سے انکار کر دے۔ اور اگر خبر دینے

والا ایک عادل ہو تو گواہی سے انکار نہیں کر سکتا۔ نکاح کے دعوے میں گواہ سے دو عادل نے کہا کہ ہم نے خود معاینہ کیا ہے کہ دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا۔ یا گواہوں نے دیکھا ہے کہ مدعی اُس چیز میں اُس طرح تصرف کرتا ہے جیسے مالک کیا کرتے ہیں اور دو عادل نے ان کے سامنے یہ شہادت دی کہ وہ چیز دوسرے شخص کی ہے تو گواہی دینا جائز نہیں۔

(۵) جس قاضی کے پاس شہادت کے لیے بلایا جاتا ہے وہ عادل ہو۔

(۶) گواہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ مقر نے خوف کی وجہ سے اقرار کیا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے تو گواہی نہ دے مثلاً مدعٰی علیہ سے جبراً ایک چیز کا اقرار کرایا گیا تو اس اقرار کی شہادت درست نہیں۔

(۷) گواہ ایسی جگہ ہو کہ وہ کچہری سے قریب ہو یعنی قاضی کے یہاں جا کر گواہی دے کر شام تک اپنے مکان کو واپس آ سکتا ہو اور اگر زیادہ فاصلہ ہو کہ شام تک واپس نہ آ سکتا ہو تو گواہی نہ دینے میں گناہ نہیں اور اگر بوڑھا ہے کہ پیدل کچہری تک نہیں جا سکتا اور خود اُسکے پاس سواری نہیں ہے مدعی اپنی طرف سے اُسے سوار کر کے لے گیا اس میں حرج نہیں اور گواہی مقبول ہے اور اگر اپنی سواری پر جا سکتا ہو اور مدعی سوار کر کے لے گیا تو گواہی مقبول نہیں۔ (بحر الرائق، کتاب شہادات)

حدود کی گواہی میں پردہ رکھنے کا بیان

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنی اسلم میں سے ایک آدمی جسے ماعز بن مالک کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں برائی کو پہنچا ہوں (زنا کیا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر حد قائم کر دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بار بار رد کیا۔ پھر آپ نے ان کی قوم سے پوچھا تو انہوں نہ کہا ہمیں اس میں کوئی بیماری معلوم نہیں لیکن اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے جس کہ بارے میں اسے گمان ہے کہ سوائے حد قائم کیے کے اس سے نہ نکلے گی۔ راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کر دیں اسے بقیع غرقد کی طرف لے چلے نہ ہم نے اسے باندھا اور نہ اس کے لیے گڑھا کھودا۔ ہم نے اسے ہڈیوں ڈھیلوں اور ٹھکریوں سے مارا وہ بھاگا اور ہم بھی اس کے پیچھے دوڑے۔ یہاں تک کہ وہ حرہ کے عرض میں آ گیا اور ہمارے لیے رکا تو ہم نے اسے میدان حرہ کے پتھروں سے مارا۔ یہاں تک کہ اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا ہم جب بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو کوئی آدمی ہمارے اہل میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس کی آواز بکرے کی آواز کی طرح ہوتی ہے مجھ پر یہ ضروری ہے کہ جو بھی آدمی جس نے ایسا عمل کیا ہو اور وہ میرے پاس لایا جائے تو میں اسے عبرتناک سزا دوں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے نہ مغفرت مانگی اور نہ اسے برا بھلا کہا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1935)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بالجزم یہ کہتے ہیں کہ: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو کوئی بھی گناہ کر بیٹھے اور اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا تو وہ اپنے آپ کو پردہ میں ہی رہنے دے اور اسے چاک مت کرے، انہوں

نے ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ قصہ سے استدلال کیا ہے۔

اور اس میں یہ بھی ہے کہ: "جو کوئی برائی کر بیٹھے اور وہ اپنے کیے پر نادم ہو تو وہ جلد توبہ کر لے، اور کسی کو بھی اس کے متعلق مت بتائے اور اللہ کے پردہ کو چاک مت کرے، اور اگر اتفاق سے کسی کو اس کی خبر بھی ہو جائے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ برائی کرنے والے کو توبہ کرنے کا حکم دے، اور لوگوں سے اسے چھپائے جس طرح ماعز رضی اللہ عنہ کا عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قصہ میں ہے۔ (فتح الباری (12/124)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی مسلمان سے دنیاوی مصائب میں سے کوئی مصیبت دور کرے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن مصیبت دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی کریں گے۔ اللہ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہے اس باب میں حضرت عقبہ بن عامر اور ابن عمر سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابوہریرہ کی حدیث کو کئی راوی اعمش سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اعمش، ابوصالح سے وہ ابوہریرہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوعوانہ ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ اسباط بن محمد، اعمش سے وہ ابوہریرہ سے اور وہ نبی سے نقل کرتے ہیں ہم سے یہ حدیث عبید بن اسباط بن محمد اپنے والد کے واسطے سے اعمش سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1463)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حدود کی گواہی میں دونوں پہلو ہیں ایک ازالہ منکر و رفع فساد اور دوسرا مسلم کی پردہ پوشی کرنا، گواہ کو اختیار ہے کہ پہلی صورت اختیار کرے اور گواہی دے یا دوسری صورت اختیار کرے اور گواہی دینے سے اجتناب کرے اور یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے مگر جب کہ وہ شخص بیباک ہو۔ حدود شرعیہ کی محافظت نہ کرتا ہو۔

(درمختار، کتاب شہادات)

زنا کی شہادت سے مراد تو ایسی شہادت ہے جس میں وضاحت کے ساتھ فعل زنا کی شہادت ہو اور تہمت زنا کی شہادت سے مراد ایسے قرائن کی شہادت ہے جیسے کوئی یہ گواہی دے کہ میں نے فلاں اجنبی مرد اور عورت کو خلوت میں دیکھا ہے۔ یا بوس و کنار کرتے دیکھا ہے یا کوئی کسی کو ولد الزنا یا ولد الحرام کہے۔ ایسے مدعی کے لئے چار شہادتوں کا پیش کرنا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چار شہادتیں میسر آنا نہایت مشکل ہے۔ لہٰذا شہادتوں کے اس سخت نصاب اور پھر سخت سزا سے اصل مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی برائی دیکھ بھی لے تو اس کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ پردہ پوشی کرے اور مطلقاً اس کی تشہیر نہ کرے۔ یا پھر چار شہادتیں مہیا کر کے صرف حکومت کو مطلع کرے تاکہ حکومت ملزموں کا جرم ثابت ہو جانے پر انہیں سزا دے کر اس گندگی کا سد باب کرے۔ تیسری راہ اختیار کرنا یعنی عام لوگوں میں ایسی باتیں پھیلانا معاشرہ کے حق میں اور خود اس کے حق میں انتہائی خطرناک ہے۔

دوسری بات محصنت کے لفظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو مرد یا عورت پہلے ہی بدنام مشہور ہو چکے ہوں یا پہلے ہی سزا یافتہ ہوں

ان پر الزام لگانے سے نہ حد پڑے گی اور نہ ہی وہ غیر مقبول الشہادت قرار پائیں گے تاہم انہیں ایسے کام سے پرہیز کرنا چاہئے۔

یعنی خواہ ایسے لوگ اپنی بات یا دعویٰ میں حقیقتاً سچ ہوں مگر مکمل ثبوت فراہم نہ ہونے کے باعث جھوٹے قرار پا گئے ہوں تب بھی ایسے لوگ بدکردار ہیں۔ اللہ کے ہاں بھی اور لوگوں کے ہاں بھی۔ اور ان کی بدکرداری یہ ہے کہ اس فحاشی کی بات کو معاشرے میں پھیلانا شروع کر دیا۔ جسے وہ ثابت نہیں کر سکے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے راہ نجات پردہ پوشی میں ہی ہے۔

حدود کی گواہی میں اظہار واخفاء کی نوعیت کا بیان

البتہ حدود میں یعنی حدود کی گواہی میں دو پہلو ہیں ایک ازالہ منکر یعنی برائی کا ازالہ اور رفع فساد کہ معاشرہ میں فساد برپا نہ ہو اور دوسرا مسلمان کی پردہ پوشی۔ اس لیے حدود کی گواہی میں گواہ کو اظہار واخفاء کا اختیار ہے کہ پہلی صورت اختیار کرے اور گواہی دے تاکہ مجرم اپنی سزا کو پہنچے۔ یا دوسری صورت اختیار کرے اور گواہی دینے سے اجتناب و پرہیز برتے اور یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُس کی ستاری کرے گا (اور اُس کے جرائم پر پردہ ڈال دے گا۔

ہاں جس پر جرم ثابت ہو چکا وہ بیباک و بدلحاظ ہو۔ حدود شرعیہ کی محافظت نہ کرتا ہو اور مسلمان اس کے کرتوتوں سے نالاں ہوں اور اس کی غلط روی سے دوسروں کے اخلاق و عادات اور کردار کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلی صورت اختیار کرے تاکہ لوگ اس کی شرارتوں اور بدکرداریوں سے محفوظ رہیں۔ اور اسی طرح چوری میں مال لینے کی شہادت دینا واجب ہے تاکہ جس کا مال چوری ہو گیا ہے اُس کا حق تلف نہ ہو۔ اتنی احتیاط کر سکتا ہے کہ چوری کا لفظ نہ کہے۔ اتنا کہنے پر اکتفاء کرے کہ اُس نے فلاں شخص کا مال لیا یہ نہ کہے کہ چوری کی۔ اس طرح احیاء حق بھی ہو جاتا ہے اور پردہ پوشی بھی۔ (درمختار، ردالمختار)

حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی کے عدم قبول کا بیان

جمہور فقہا حدود اور قصاص کے معاملات میں خواتین کی گواہی کو قبول نہ کرنے پر متفق ہیں، جبکہ عطاء بن ابی رباح، حماد بن ابی سلیمان اور ابن حزم کی رائے میں تمام معاملات میں عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوگی، البتہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر سمجھی جائے گی۔ امام جعفر صادق سے بھی خواتین کی گواہی کی بنیاد پر زنا کی سزا دینے کی رائے مروی ہے۔ اسی طرح سیدنا علی سے قتل کے ایک مقدمے میں خواتین کی گواہی قبول کرنا ثابت ہے۔ بعض معاصر اہل علم نے بھی اس معاملے میں جمہور کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے حدود وقصاص میں خواتین کی گواہی کو قابل قبول قرار دیا یا کم از کم اس رائے کو قابل غور ضرور تسلیم کیا ہے۔ یاد رہے جو مؤقف جمہور فقہاء کا ہے وہی تمام اہل اسلام کا عمل ہے۔ جمہور فقہا کی طرف سے اپنے نقطہ نظر کے حق میں بنیادی طور پر حسب ذیل دلیلیں پیش کی گئی ہیں

ایک یہ کہ قرآن مجید نے زنا کے اثبات کے لیے 'اَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ' کی گواہی کو ضروری قرار دیا ہے جس سے مراد چار مرد گواہ ہیں۔ یہ استدلال اس نحوی قاعدے پر مبنی ہے کہ عربی زبان میں تین سے دس تک معدود اگر مذکر ہو تو اس کے لیے عدد مونث استعمال

کیا جاتا ہے۔ چنانچہ 'اربعۃ' کا مونث لایا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ 'شہداء' سے مراد مرد گواہ ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواتین کے بدکاری کا مرتکب ہونے کی صورت میں فرمایا ہے کہ 'فاستشهدوا عليهن اربعة منكم' یعنی ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو۔ چونکہ یہاں مشہود علیہ خواتین ہیں اور مشہود علیہ، خود شاہد نہیں ہوسکتا، اس لیے 'منکم' سے مراد بھی خواتین نہیں، بلکہ مرد ہی ہوسکتے ہیں۔

تیسری دلیل امام زہری کا یہ بیان ہے کہ 'مضت السنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتين من بعده ان لا تجوز شهادة النساء في الحدود' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دونوں خلفاء کے زمانے سے سنت یہ چلی آرہی ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ خواتین گواہی دیتے ہوئے نسیان اور ضلال کا شکار ہوسکتی ہیں، اس لیے ان کی گواہی میں شبہ پایا جاتا ہے اور چونکہ شریعت میں شبہات کی بنا پر حدود کو ٹال دینے کا حکم دیا گیا ہے، اس لیے خواتین کی گواہی کی بنا پر کسی کو زنا کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ (ابن قدامہ، المغنی ۱۰؍۱۷۰)

مالی وحکم مالی معاملات میں نصاب شہادت کا بیان

اور امام مالک نے امام زہری سے بیان کیا ہے: "یہ طریقہ اور سنت چل رہی ہے کہ حدود اور نکاح اور طلاق میں عورت کی گواہی جائز نہیں، اور جس میں مذکورہ شرط پائی جائے اسے بھی اس پر قیاس کرو۔

احناف کہتے ہیں: وہ معاملات جس میں دو مرد گواہ یا پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے وہ حدود اور قصاص کے معاملات کے علاوہ باقی معاملات ہیں، چاہے وہ مال ہو یا غیر مال، مثلاً نکاح، طلاق، آزادی، وکالت، وصیت اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرلو، تا کہ ایک بھول چوک کو دوسری یاد کرادے۔ (البقرۃ ۲۸۲)

اور جمہور نے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو صرف مال یا مال کے معنی والے معاملات میں ہی اقتصار کیا ہے، مثلاً بیع، اور حوالہ، ضمان، مالی حقوق، مثلاً اختیار، اور مدت وغیرہ۔

داور کچھ ایسے معاملات ہیں جس میں صرف عورتوں کی ہی گواہی قبول کی جاتی ہے، اور وہ ولادت اور رضاعت، اور پیدائش کے وقت بچے کا چیخنا، اور وہ چھپے عیوب جن پر اجنبی مرد مطلع نہیں ہوسکتا، اس میں صرف عورت کی گواہی ہی قبول کی جائے گی۔

لیکن ان امور کے ثبوت میں گواہوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے، کہ ان امور میں کتنی عورتوں کی گواہی ہو تو وہ معاملہ پایا ثبوت تک پہنچے گا، اس میں پانچ قول ہیں۔

اور کچھ ایسے معاملات بھی ہیں جس میں صرف ایک گواہ کی گواہی قبول کی جاتی ہے، چنانچہ رمضان المبارک کا چاند دیکھنے میں ایک عادل شخص کی گواہی قبول کی جائے گی، اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے: "لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی تو

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ (26/226-229)

ولادت و بکارت میں ایک عورت کی گواہی کا بیان

وَيُقْبَلُ فِي الْوِلَادَةِ وَالْبَكَارَةِ وَالْعُيُوبِ بِالنِّسَاءِ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَا بُدَّ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ مِنَ الْعَدَالَةِ وَلَفْظِ الشَّهَادَةِ فَإِنْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ: أَعْلَمُ أَوْ أَتَيَقَّنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: يَقْتَصِرُ الْحَاكِمُ عَلَى ظَاهِرِ عَدَالَةِ الْمُسْلِمِ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ فَإِنَّهُ يَسْأَلُ عَنِ الشُّهُودِ فَإِنْ طَعَنَ الْخَصْمُ فِيهِمْ سَأَلَ عَنْهُمْ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: لَا بُدَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْهُمْ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَمَا يَتَحَمَّلُهُ الشَّاهِدُ عَلَى ضَرْبَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهِ مِثْلُ الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ وَالنِّكَاحِ وَالْإِقْرَارِ وَالْغَصْبِ وَالْقَتْلِ وَحُكْمِ الْحَاكِمِ فَإِذَا سَمِعَ ذَلِكَ الشَّاهِدُ أَوْ رَآهُ وَسِعَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِهِ وَإِنْ لَمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ وَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ بَاعَ وَلَا يَقُولُ اشهدني،

ترجمہ

اور ولادت و پردۂ بکارت اور عورتوں کے وہ عیب جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے۔ ان میں صرف ایک عورت کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی۔ البتہ ان سب میں عادل و انصاف والا ہونا' اور لفظ شہادت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جب گواہ نے لفظ شہادت ذکر نہ کیا' اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا میں یقین رکھتا ہوں۔ تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حاکم ایک مسلمان آدمی کے ظاہری طور پر عادل ہونے پر ہی اکتفاء کرے گا۔ مگر حدود اور قصاص میں ایسا نہیں کرے گا بلکہ ان میں گواہوں کے بارے سوال کرے گا۔ جب مدعیٰ علیہ ان کے بارے طعنہ زنی کرے تو حاکم ان کے بارے معلومات حاصل کرے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے بارے میں خفیہ طور پر اور علانیہ طور پر دونوں طرح تحقیق کرنا ضروری ہے۔

اور وہ چیز جسے کسی گواہ نے دو طرح سے اٹھا رکھا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کا حکم اس کی ذات کے ساتھ ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال جیسے بیع' اعتراف' غصب' قتل اور حاکم کا حکم وغیرہ ہے پس جب گواہ نے انہیں خود دیکھا ہو یا سنا ہو' تو اسے جبکہ گواہ نہ بھی بنایا گیا ہو۔ اس کے لئے ان کی گواہی دینا جائز ہے' اور وہ کہے گا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچ دیا ہے یہ نہیں کہے گا کہ اس نے مجھے گواہ بنایا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ولادت و بکارت اور عورتوں کے وہ عیوب جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی

ان میں ایک عورت حرہ مسلمہ کی گواہی کافی ہے اور دو عورتیں ہوں تو بہتر اور بچہ زندہ پیدا ہوا، پیدا ہونے کے وقت رویا تھا اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے حق میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔مگر حق وراثت میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک عورت کی گواہی 39 39
کافی نہیں۔عورتوں کے وہ عیوب جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی اور ولادت کے متعلق اگر ایک مرد نے شہادت دی تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر کہتا ہے میں نے بالقصد اُدھر نظر کی تھی گواہی مقبول نہیں کہ مرد کو نظر کرنا جائز نہیں۔اور اگر یہ کہتا ہے کہ اچانک میری اُس طرف نظر چلی گئی تو گواہی مقبول ہے۔(ردمختار، کتاب شہادات)

قرآن وسنت کے مطابق عورت کی آدھی گواہی کا بیان

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى .(البقرہ، ٢٨٢)

اور دو گواہ کرلو اپنے مردوں میں سے پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس ایک کو دوسری یاد دلادے۔

قرآن پاک میں یہاں نص قطعی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی۔اس آیت سے نام نہاد گمراہ کن سکالر جو اسلام کے نام پر لوگوں کو گمراہ کررہے ہیں ان کو توبہ کرنی چاہیے کیونکہ وہ عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دیتے ہیں جس کے سبب اس قرآنی آیت کی مخالفت ضروری آتی ہے جو عذاب الٰہی کا سبب ہوگی۔پتہ نہیں عورت کی گواہی آدھی کہنے سے یہ لوگ کیوں آگ بگولہ ہوجاتے ہیں۔حالانکہ آگ سے شیطان بنا ہے۔اور یہ سراپا شیطان کے چیلے بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ہمیں ان کے شیطانی کردار سے کوئی غرض نہیں کیونکہ وہ جہنم میں جائیں یا جہاں جانا چاہیں جائیں لیکن خدا کے لئے ہماری مسلمان عوام سے گزارش ہے کہ وہ اس کے جہلاء سکالرز کے شر وفساد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

اسی طرح ایسے لوگوں کو قانون وراثت میں غور کرنے چاہیے کہ وہاں بھی مرد کی بہ نسبت آدھا حصہ دیا گیا ہے وہاں پر بھی ان لوگوں کو یہ قانون نافذ کرتے ہوئے مردوں کے برابر حصہ دینا چاہیے وہاں ان کو کیسے سمجھ آگیا ہے کہ عورت کا حصہ نصف ہے۔اور وہاں عورت کو نصف حصہ دینا عورت کے شرف کے خلاف نہیں ہے تو یہاں نصف گواہی ہونے کے سبب عورت کی عزت میں کیونکر کمی آئے گی۔بلکہ آدھی گواہی کے سبب عورت کو گھر میں پردہ رہنے کا اہتمام ہے اور یہی شیطان کو برداشت نہیں ہے۔کیونکہ جب عورت کثرت سے عدالتوں کی زینت بنے اور غیر محرموں کے آمنے سامنے آزادانہ طور پر آئے یہی شیطان اور اہل شیطان کو پسند ہے۔

شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل

حدیث کے الفاظ بالکل صاف صاف بیان کررہے ہیں کہ: عورت کی گواہی، مرد کی گواہی سے نصف ہے، یہ حدیث صرف ایک کتابِ حدیث میں درج ہوتی تو پھر بھی کسی کے لئے "مطالعے کی کمی" کہا جاسکتا مگر مسئلہ یہی ہے کہ یہ حدیث صحیحین کے علاوہ درج ذیل 10 کتب احادیث میں درج ہے۔

1 ۔ ابو داؤد ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان ونقصانه 2 ۔ ترمذی ، باب ما جاء فی استکمال الایمان وزیادته ونقصانه3 ۔ ابن ماجه ، باب فتنة النساء 4 ۔ مسند احمد ، جلد: 25 ۔ صحیح ابن خزیمه ، باب اسقاط فرض الصلاۃ عن الحائض ایام حیضها 6 ۔ سنن دارمی ، باب الحائض تسمع السجدۃ فلا تسجد 7 ۔ سنن بیهقی کبری ، باب الحائض تفطر فی شهر رمضان کتاب الصوم8 ۔ ابن حبان ، ذکر الزجر للنساء عن اکثار اللعن واکفار العشیر 9 ۔ مستدرك الحاکم ، جلد: 410 ۔ مجمع الزوائد ، باب الصدقة علی الاقارب وصدقة المراۃ علی زوجها ۔

حضرت ابو ہریرہ وزید بن خالد شبل سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ اس دوران ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند قدوس کی قسم دیتا ہوں ہمارا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ فرمائیں اللہ کی کتاب کے موافق ۔ پھر اس کا مخالف اٹھ کھڑا ہوا وہ اس سے زیادہ سمجھدار تھا اس نے عرض کیا سچ کہتا ہے کتاب اللہ کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرمائیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہہ دو ۔ اس نے کہا میرا لڑکا اس کے پاس مزدوری کا کام کرتا تھا تو اس کی بیوی سے زنا کر لیا ۔ میں نے ایک سو بکریاں اور ایک خادم دے کر اس کو چھڑا لیا ۔ کیونکہ مجھ سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے لڑکے پر رجم (یعنی پتھروں سے مار ڈالنا ہے) تو میں نے فدیہ ادا کر دیا پھر میں نے چند جاننے والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تمہارے لڑکے کو ایک سو کوڑے لگنے چاہئیں تھے اور ایک سال کے واسطے ملک بدر ہوتا ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کر دوں گا لیکن ایک سو بکریاں اور خادم تم اپنے لے لو اور تمہارے لڑکے کو ایک سو کوڑے لگیں گے اور صبح کو اس دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جا اگر وہ اقرار زنا کرے تو اس کو پتھروں سے مار ڈال ۔ چنانچہ صبح کے وقت انیس اس کے پاس پہنچے اس نے اقرار کر لیا انہوں نے اس کے اوپر پتھر برسائے ۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1715)

امام نسائی علیہ الرحمہ نے سنن نسائی میں اس حدیث پر فقہی باب قائم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عورت کو گواہی کے لئے عدالت میں جانے سے جس قدر ہو سکے دور رکھا جائے ۔ کیونکہ عورت چھپانے کی چیز ہے ۔

گواہی پر گواہی دینے کا بیان

وَمِنْهُ مَا لَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهِ مِثْلُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ وَكَذَلِكَ لَوْ سَمِعَهُ يُشْهِدُ شَاهِدًا عَلَى شَهَادَتِهِ لَمْ يَسَعْ السَّامِعَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى ذَلِكَ وَلَا يَحِلُّ لِلشَّاهِدِ إذَا رَأَى خَطَّهُ أَنْ يَشْهَدَ إلَّا أَنْ يَتَذَكَّرَ الشَّهَادَةَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَعْمَى وَلَا الْمَمْلُوكِ وَلَا الْمَحْدُودِ فِي الْقَذْفِ وَإِنْ تَابَ وَلَا شَهَادَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ وَوَلَدِ وَلَدِهِ وَلَا شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِأَبَوَيْهِ وَأَجْدَادِهِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ لِلْآخَرِ وَلَا شَهَادَةُ الْمَوْلَى لِعَبْدِهِ وَلَا لِمُكَاتَبِهِ وَلَا شَهَادَةُ الشَّرِيكِ لِشَرِيكِهِ فِيمَا هُوَ مِنْ شَرِكَتِهِمَا

ترجمہ

دوسری قسم وہ ہے جس کا حکم اس کی ذات کے ساتھ یعنی خود ثابت نہیں ہوتا ہے اس کی مثال جیسے کسی کی گواہی پر گواہی دے دینا ہے۔ پس جب کسی گواہ نے کسی اور کو گواہی دیتے ہوئے سن لیا ہو تو اس کے لئے اسے گواہ بنائے بغیر کسی کی گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ یوں ہی جب کوئی کسی کو کسی کی گواہی پر گواہی دیتے ہوئے سن لے تو سننے والے کے لئے اس پر گواہی دینے کی گنجائش اور وسعت نہیں ہوگی۔ کوئی گواہ جب اپنا لکھا ہوا دیکھ لے تو اس کے لئے گواہی کو خوب یاد کرنے کے بغیر گواہی دینا جائز نہیں ہوگا۔

اندھے آدمی کی غلام کی اور زناء کی تہمت میں آ کر کے سزا پانے والے کی گواہی جبکہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو قبول نہیں کی جائے گی۔ بیٹے اور پوتے کے لئے والد کی گواہی کے لئے والدین اور دادوں کے لئے بیٹے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ زوجین میں سے ایک کی دوسرے کے خلاف ایک آقا کی اپنے غلام اور مکاتب کے خلاف اور ایک شریک کی گواہی کسی دوسرے شریک کے خلاف اس چیز میں جس میں دونوں کی شراکت ہو قبول نہیں کی جائے گی۔

شہادت میں اصل علم و یقین ہے قاعدہ فقہیہ

الاصل فی الشهادة علم (الفروق ص ۱۳)

شہادت میں اصل علم و یقین ہے۔ اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ کسی بات کی گواہی اسی وقت دی جا سکتی ہے جبکہ وہ کسی ایسے طریقے سے معلوم ہو جس سے علم کامل حاصل ہو سکے۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی شہادت دینے کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: اے ابن عباس: صرف اس چیز پر گواہی دو جو تمہارے لئے سورج کی روشنی کی طرح روشن ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے سورج کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ حدیث صحیح السند ہے اور شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۹۹ مطبوعہ بیروت)

شہادت کی تعریف

کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے (میں گواہی دیتا ہوں) کے الفاظ کے ساتھ فیصلے کی مجلس میں سچی خبر دینا شہادت کہلاتا ہے۔ (فتح القدیر ج ۲ کتاب الشہادات مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر

شہادت کی اقسام:

شہادت کی تین اقسام ہیں۔ ۱۔ عینی شہادت ۲۔ سمعی شہادت ۳۔ شہادت علی شہادت

۱۔عینی شہادت۔

وہ شہادت جس میں گواہ آنکھوں سے دیکھے ہوئے کسی واقعہ کو بیان کرے یہی فیصلہ کن شہادت ہوتی ہے۔

۲سمعی شہادت۔

وہ شہادت جس کو گواہ کسی سے سن کر شہادت دے۔جن امور کا تعلق سننے والی اشیاء سے ہو ان میں سمعی شہادت اتنی ہی معتبر ہوتی ہے جتنی عینی شہادت معتبر ہوتی ہے۔

۳۔شہادت علی شہادت۔

وہ شہادت جس میں اصل گواہ اپنی شہادت پر کسی اور شخص کو گواہ بنائے۔تب یہ گواہ اصل کی شہادت دے سکتا ہے۔

(ہدایہ اخیرین ص۶۰۔۱۵۸،مطبوعہ المجتبائی دہلی)

حصول شہادت کے ذرائع:

۱۔عقل ۲۔حواس خمسہ ۳۔نقل متواتر ۴۔نظرواستدلال،

فقہاء مالکیہ نے ان چاروں ذرائع کی شہادت کو قبول کیا ہے۔اور نظرواستدلال کی وضاحت اس روایت سے کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ شہادت ہے جبکہ ایک شخص نے قئے کی اور اس میں شراب نکلی تو اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم گواہی دے سکتے ہو کہ اس نے شراب پی ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس نے شراب کی قئے کی ہے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس پر گہرائی کا کیا مطلب ہے ایسی بات نہیں ہے تمہارے پرودگار کی قسم: اس نے شراب پی کر قئے کی ہے۔

(الفروق ص۱۳ مطبوعہ تونس مصر)

غلام وباندی کی شہادت میں مذاہب اربعہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ غلام اگر عادل ہے تو اس کی گواہی جائز ہے،شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔ابن سیرین نے کہا کہ اس کی گواہی جائز ہے،سوا اس صورت کے جب غلام اپنے مالک کے حق میں گواہی دے (کیوں کہ اس میں مالک کی طرف داری کا احتمال ہے) حسن اور ابراہیم نے معمولی چیزوں میں غلام کی گواہی کی اجازت دی ہے۔ قاضی شریح نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تم سب لونڈی غلام ہو،اس لیے کسی کو کسی پر فخر کرنا جائز نہیں ہے۔امام احمد بن حنبل نے اسی کے موافق حکم دیا ہے کہ لونڈی غلام کی جب وہ عادل اور ثقہ ہوں، گواہی مقبول ہے۔مگر ائمہ ثلاثہ نے اس کو جائز نہیں رکھا۔حضرت امام بخاری رحمہ اللہ لونڈی غلاموں کی شہادت جب وہ عادل ثقہ ہوں ثابت فرمارہے ہیں۔

نابینا کی گواہی کے قبول میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نابینا کی گواہی مقبول نہیں ہے امام زفر فرماتے ہیں کہ جن چیزوں میں تسامع جاری ہے ان میں نابینا کی گواہی مقبول ہے اور اسی طرح امام اعظم سے بھی روایت ہے اس لئے کہ اس میں صرف سماع کی ضرورت ہے اور نابینا کی سماعت میں کوئی خلل نہیں ہے امام ابو یوسف اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ نابینا اگر تحمل شہادت کے وقت بینا ہو تو اس کی شہادت جائز ہے اس لئے کہ معائنہ سے اسے علم حاصل ہو چکا ہے اور ادائے شہادت قول کے ساتھ خاص ہے اور نابینا کی زبان عیب دار نہیں ہوتی۔ حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کا قول ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۷، ص ۱۰۵، بیروت)

مملوک کی شہادت کے قبول نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مملوک کی شہادت بھی جائز نہیں اس لئے کہ شہادت باب ولائیت میں سے ہے اور مملوک اپنی ذات کا ولی نہیں ہوتا اس لئے اس کو دوسرے پر بدرجہ اولی ولائیت ثابت نہیں ہوگی۔

حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے جبکہ حضرت امام احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مملوک و آزاد کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور یہی قول حضرت انس بن مالک اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور امام بتی اور امام اسحاق اور امام داؤد کا ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۷، ص ۱۰۸، بیروت)

حد قذف والے کی گواہی کے قبول ہونے کا بیان

حضرت سلیمان بن یسار وغیرہ سے سوال ہوا کہ ایک شخص کو حد قذف پڑی پھر اس کی گواہی درست ہے انہوں نے کہا ہاں جب وہ توبہ کرلے اور اس کی توبہ کی سچائی اس کے اعمال سے معلوم ہو جائے۔ ابن شہاب سے بھی یہ سوال ہوا انہوں نے بھی ایسا ہی کہا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی حکم ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا جو لوگ لگاتے ہیں نیک بخت بیبیوں کو پھر چار گواہ نہیں لاتے ان کو اسی کوڑے مارو پھر کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو وہی گنہگار ہیں مگر جو لوگ توبہ کریں بعد اس کے اور نیک ہو جائیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے پس جو شخص حد قذف لگایا جائے پھر توبہ کرلے اور نیک ہو جائے اس کی گواہی درست ہے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1309)

حد قذف والے کی گواہی میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہا ور محدود فی القذف کی گوائی بھی جائز نہیں اگر چہ اس نے توبہ کرلی ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محدودین کی گوائی کو قبول نہ کرو کبھی بھی اور اس لئے کہ ان کی گوائی قبول نہ کرنا تمامیت حد میں سے ہے۔

جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جب وہ توبہ کر لیتا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

(فتح القدیر، ج ۱۷، ص ۱۰۸، بیروت)

فرع واصل کا ایک دوسرے کے لئے گواہی دینے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فرع کی گواہی اصل کے لیے اور اصل کی فرع کے لیے یعنی اولاد اگر ماں باپ دادا دادی وغیرہم اصول کے حق میں گواہی دیں یا ماں باپ دادا دادی وغیرہم اپنی اولاد کے حق میں گواہی دیں یہ نامقبول ہے۔ ہاں اگر باپ بیٹے کے مابین مقدمہ ہے اور دادا نے باپ کے خلاف پوتے کے حق میں گواہی دی تو مقبول ہے اور اصل نے فرع کے خلاف یا فرع نے اصل کے خلاف گواہی دی تو مقبول ہے۔ مگر میاں بی بی میں جھگڑا ہے اور بیٹے نے باپ کے خلاف ماں کے موافق گواہی دی تو مقبول نہیں یہاں تک کہ اس کی سوتیلی ماں نے اس کے باپ پر طلاق کا دعویٰ کیا اور اس کی ماں زندہ ہے اور اس کے باپ کے نکاح میں ہے اس نے طلاق کی گواہی دی یہ مقبول نہیں کہ اس میں اس کی ماں کا فائدہ ہے۔ (درمختار، کتاب شہادات)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی جس کی گواہی بیٹے دیتے ہیں اور وہ شخص طلاق دینے سے انکار کرتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں ان کی ماں طلاق کا دعویٰ کرتی ہے یا نہیں اگر کرتی ہے تو بیٹوں کی گواہی قبول نہیں اور مدعی نہیں ہے تو مقبول ہے۔

اور جب بیٹوں نے یہ گواہی دی کہ ہماری سوتیلی ماں معاذ اللہ مرتدہ ہوگئی اور وہ منکر ہے اگر ان لڑکوں کی ماں زندہ ہے یہ گواہی مقبول نہیں اور اگر زندہ نہیں ہے تو دو صورتیں ہیں باپ مدعی ہے یا نہیں اگر باپ مدعی ہے جب بھی مقبول نہیں ورنہ مقبول ہے۔ اور جب ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی پھر نکاح کیا بیٹے یہ کہتے ہیں کہ تین طلاقیں دی تھیں اور بغیر حلالہ کے نکاح کیا باپ اگر مدعی ہے تو مقبول نہیں ورنہ مقبول ہے۔ (بحرالرائق، کتاب شہادات)

رشتہ داروں کی باہمی شہادت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خائن مرد وعورت کی گواہی یا کسی ایسے مرد وعورت کی گواہی جن پر حد جاری ہو چکی ہو یا کسی دشمن کی گواہی یا ایسے شخص کی گواہی جو ایک مرتبہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہے یا کسی کے ملازم کی اس کے حق میں گواہی اور ولاء یا قرابت میں تہمت زدہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی یعنی ان تمام مذکورہ اشخاص کی گواہی قابل قبل نہیں فزاری کہتے ہیں کہ قانع سے مراد تابع ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف یزید بن زیاد دمشقی کی روایت سے جانتے ہیں اور یہ ضعیف ہیں پھر یہ حدیث ان کے علاوہ کوئی راوی بھی زہری سے نقل نہیں کرتے۔

اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے ہمیں اس حدیث کا مفہوم کا علم نہی اور میرے نزدیک اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ اہل علم کا عمل اس طرح ہے کہ قریب کی قریب کے لئے شہادت جائز ہے ہاں باپ کی بیٹے کے لئے شہادت میں اختلاف ہے اس طرح بیٹے کی باپ کے لئے پس اکثر علماء ان دونوں کی ایک دوسرے کے لئے شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

لیکن بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ وہ دونوں عادل ہوں پھر بھائی کی بھائی کے لئے شہادت اور قرابت داروں کی آپ میں شہادت کے متعلق علماء میں کوئی اختلاف نہیں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی دشمن کی کسی پر شہادت کسی

صورت بھی جائز نہیں اگر چہ گواہ عادل ہی کیوں نہ ہوں ان کی دلیل عبدالرحمٰن سے منقول حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا صاحب عدوات کی گواہی جائز نہیں ہے۔(جامع ترمذی: جلددوم: حدیث نمبر 182)

بچوں کی باہمی گواہی کا بیان

حضرت ہشام بن عروہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر لڑکوں کی گواہی پر حکم کرتے تھے ان کے آپس کی مار پیٹ کے ،حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا کہ لڑکے لڑکر ایک دوسرے کو زخمی کریں تو ان کی گواہی درست ہے لیکن لڑکوں کی گواہی اور مقدمات میں درست نہیں ہے یہ بھی جب درست ہے کہ لڑلڑا کر جدانہ ہوگئے ہوں مکر نہ کیا ہو اگر جدا جدا چلے گئے ہوں تو پھر ان کی گواہی درست نہیں ہے مگر جب عادل لوگوں کو اپنی شہادت پر شاہد کر گئے ہوں۔(موطاامام مالک: جلداول: حدیث نمبر 1314)

بعض عائلی قوانین میں بیٹے کی گواہی کے قبول ہونے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیٹے کی گواہی باپ کے خلاف کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے جائز ہے بشرطیکہ وہ گواہی اس کے بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں نہ ہو کیونکہ یہ گواہی باپ کے خلاف ہے (نہ کہ اس کے حق میں جو نا جائز ہے) اور اگر وہ گواہی بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں ہوتو نا جائز ہے کیونکہ یہ شاہد کی شہادت اس کی ماں کے لئے ہوئی۔صاحب بحر نے اس پر مفصل کلام کیا اور اس سے ظاہر ہوا کہ یہی اصح اور شہادت کے بارے میں ان مسائل کثیرہ کے لئے معتمد علیہ ہے جو جامع کبیر سے منقول ہے۔(الاشباہ والنظائر)

بچوں کی گواہی کے عدم قبول پر مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بچوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب لوگوں کے مجمع عام میں وہ جرح کرے تو اس کی گواہی جائز ہے۔(فتح القدیر، ج ۱۷،ص ۱۰۹، بیروت)

شوہر بیوی کی باہمی شہادت کے عدم قبول پر مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور میاں بیوی میں کسی کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول نہ کی جائے گی جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ قبول ہوگی۔اور امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب وہی ہے جو احناف کا مذہب ہے۔ اور اسی طرح ابن ابی لیلیٰ، امام ثوری، امام نخعی علیہم الرحمہ بھی کہتے ہیں کہ گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں اور اس لئے بھی کہ زوجین کی منفعت عادتا متصل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔

آدمی کی گواہی کا اس کے بھائی کے لئے ہونے کا بیان

وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ لِأَخِيهِ وَعَمِّهِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مُخَنَّثٍ وَلَا نَائِحَةٍ وَلَا مُغَنِّيَةٍ وَلَا مُدْمِنِ الشُّرْبِ

عَلَى اللَّهْوِ وَلَا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّيُوْرِ وَلَا مَنْ يُغَنِّي لِلنَّاسِ وَلَا مَنْ يَأْتِي بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ الَّتِي يَتَعَلَّقُ بِهَا الْحَدُّ وَلَا مَنْ يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَلَا آكِلِ الرِّبَا وَلَا الْمُقَامِرِ بِالنَّرْدِ وَالشِّطْرَنْجِ وَلَا مَنْ يَفْعَلُ الْأَفْعَالَ الْمُسْتَقْبَحَةَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ الصَّالِحِ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ إِلَّا الْخَطَّابِيَّةَ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الذِّمَّةِ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ مِلَلُهُمْ

ترجمہ

اور آدمی کی گواہی اپنے بھائی اور چچا کے لئے قبول کر لی جائے گی۔ البتہ ہیجڑے کی رونے والی کی' گانے والی کی اور لہو ولعب کے طریقے کے ساتھ ہمیشہ شراب پینے والے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ پرند بازی اور لوگوں کے لئے گانے والے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ایسے گناہ کبیرہ جن سے حد متعلق ہو جاتی ہے ایسے گناہ کرنے والے کی گواہی بغیر تہبند کے حمام داخل ہونے والے کی سود کھانے والی کی اور نرد اور شطرنج کھیلنے والے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی اور ذلیل کام کرنے والی کی گواہی بھی قبول نہیں ہوگی۔ مثلاً رستے میں پیشاب کر دینا' اور رستے میں کھانا وغیرہ کھانے والے کی اور بزرگوں کو برا بھلا کہنے والے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ اہل ہواء میں سے خطابیہ لوگوں کے علاوہ باقی کی گواہی قبول ہو جاتی ہے' اور ذمیوں میں سے جبکہ ان کے مذہب مختلف بھی ہوں ان کے بعض کی بعض پر گواہی قبول کر لی جائے گی۔

گواہی پر گواہی دینے سے پہلے تحقیق کرنے کا بیان

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (حجرات ،۶)

اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بیجانے ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ اصولی ہدایت دی کہ جب کوئی اہمیت رکھنے والی خبر، جس پر کوئی بڑا نتیجہ مترتب ہوتا ہو، تمہیں ملے تو اس کو قبول کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ خبر لانے والا کیسا آدمی ہے۔ اگر وہ کوئی فاسق شخص ہو، یعنی جس کا ظاہر حال ہی بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے، تو اس کی دی ہوئی خبر پر عمل کرنے سے پہلے تحقیق کر لو کہ امر واقعہ کیا ہے۔ اس حکم ربانی سے ایک اہم شرعی قاعدہ نکلتا ہے جس کا دائرہ اطلاق بہت وسیع ہے۔ اس کی رو سے مسلمانوں کی حکومت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی کاروائی ایسے مخبروں کی دی ہوئی خبروں کی بنا پر کر ڈالے جن کی سیرت بھروسے کے لائق نہ ہو۔ اسی قاعدے کی بنا پر محدثین نے علم حدیث میں جرح و تعدیل کا فن ایجاد کیا تا کہ ان لوگوں کے حالات کی تحقیق کریں جن کے ذریعہ سے بعد کی نسلوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پہنچی تھیں، اور فقہاء نے قانون شہادت میں یہ اصول قائم کیا کہ کسی ایسے معاملہ میں جس

سے کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہو، یا کسی انسان پر کوئی حق عائد ہوتا ہو، فاسق کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ اس امر پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ عام دنیوی معاملات میں ہر خبر کی تحقیق اور خبر لانے والے کے لائق اعتماد ہونے کا اطمینان کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ آیت میں لفظ نَبَأ استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق ہر خبر پر نہیں ہوتا بلکہ اہمیت رکھنے والی خبر پر ہوتا ہے اس لیے فقہاء کہتے ہیں کہ عام معاملات میں یہ قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کسی کے ہاں جاتے ہیں اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ اندر سے کوئی آ کر کہتا ہے کہ آ جاؤ۔ آپ اس کے کہنے پر اندر جا سکتے ہیں قطع نظر اس سے کہ صاحب خانہ کی طرف سے اذن کی اطلاع دینے والا فاسق ہو یا صالح۔ اسی طرح اہل علم کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جن لوگوں کا فسق جھوٹ اور بد کرداری کی نوعیت کا نہ ہو، بلکہ فساد عقیدہ کی بنا پر وہ فاسق قرار پاتے ہوں، ان کی شہادت بھی قبول کی جا سکتی ہے اور روایت بھی۔ محض ان کے عقیدے کی خرابی ان کی شہادت یا روایت قبول کرنے میں مانع نہیں ہے۔

ذمی پر حربی کی گواہی کی عدم قبولیت کا بیان

وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْحَرْبِيِّ عَلَى الذِّمِّيِّ وَإِنْ كَانَتْ الْحَسَنَاتُ أَغْلَبَ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالرَّجُلُ مِمَّنْ يَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَإِنْ أَلَمَّ بِمَعْصِيَةٍ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَقْلَفِ وَالْخَصِيِّ وَوَلَدِ الزِّنَا وَشَهَادَةُ الْخُنْثَى جَائِزَةٌ وَإِذَا وَافَقَتْ الشَّهَادَةُ الدَّعْوَى قُبِلَتْ وَإِنْ خَالَفَتْهَا لَمْ تُقْبَلْ وَيُعْتَبَرُ اتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ فِي اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى فَإِنْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِأَلْفٍ وَالْآخَرُ بِأَلْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : تُقْبَلُ بِالْأَلْفِ

ترجمہ

اور ذمی پر حربی کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ جب کسی کی برائیوں پر اس کی نیکیوں کا غلبہ ہو اور وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور پرہیز بھی کرتا ہو۔ جبکہ وہ صغیرہ گناہ کرتا ہو تو بھی اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ وہ آدمی جس کا ختنہ کیا گیا ہو۔ خصی آدمی حرامی اور ہیجڑے کی گواہی بھی جائز ہے۔

جب گواہی دعویٰ کے مطابق ہو تو قبول کر لی جائے گی جب مطابق نہ ہو تو نہیں قبول کی جائے گی۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لفظ اور معنی میں گواہی کے متفق ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ جب ایک نے ہزار کی دوسرے نے دو ہزار کی گواہی دی تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہزار کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

اہل ذمہ کی گواہی میں فقہی تصریحات

بعض لوگوں نے اس آیت کے عزیز حکم کو منسوخ کہا ہے لیکن اکثر حضرات اس کے خلاف ہیں اثنان خبر ہے، اس کی تقدیر

شہداۃ اثنین ہے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے یا دلالت کلام کی بنا پر فعل محذوف کر دیا گیا ہے یعنی ان یشہد اثنان ، ذواعدل صفت ہے، منکم سے مراد مسلمانوں میں سے ہونا یا وصیت کرنے والے کے اہل میں سے ہونا ہے، من غیر کم سے مراد اہل کتاب ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ منکم سے مراد قبیلہ میں اور من غیر کم سے مراد اس کے قبیلے کے سوا، شرطیں دو ہیں ایک مسافر کے سفر میں ہونے کی صورت میں موت کے وقت وصیت کے لیے غیر مسلم کی گواہی چل سکتی ہے، حضرت شریح سے بھی مروی ہے؛

امام احمد بھی یہی فرماتے ہیں اور تینوں امام خلاف ہیں، امام ابوحنیفہ ذمی کافروں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے پر جائز مانتے ہیں، زہری کا قول ہے کہ سنت جاری ہو چکی ہے کہ کافر کی شہادت جائز نہیں نہ سفر میں نہ حضر میں۔

ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری ہے جس کی موت کے وقت اس کے پاس کوئی مسلمان نہ تھا یہ ابتدائے اسلام کا وقت تھا جبکہ زمین کافروں سے بھری تھی اور وصیت سے ورثہ بٹتا تھا، ورثے کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے، پھر وصیت منسوخ ہو گئی ورثے کے احکام اترے اور لوگوں نے ان پر عمل درآمد شروع کر دیا، پھر یہ بھی کہ ان دونوں غیر مسلموں کو وصی بنایا جائے گا یا گواہ؟

اس گواہی کی نسبت اللہ کی طرف اس کی عزت وعظمت کے اظہار کے لئے ہے بعض نے اسے قسم کی بنا پر مجرور پڑھا ہے لیکن مشہور قرأت پہلی ہی ہے وہ ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ اگر ہم شہادت کو بدلیں یا الٹ پلٹ کریں یا کچھ حصہ چھپالیں تو ہم بھی گنہگار، پھر اگر یہ مشہور ہو یا ظاہر ہو جائے یا اطلاع مل جائے کہ ان دونوں نے مرنے والے کے مال میں سے کچھ چرالیا یا کسی قسم کی خیانت کی۔

اولیان کی دوسری قرأت اولان بھی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کسی خبر صحیح سے پتہ چلے کہ ان دونوں نے کوئی خیانت کی ہے تو میت کے وارثوں میں سے جو میت کے زیادہ نزدیک ہوں وہ دو شخص کھڑے ہوں اور حلیفہ بیان دیں کہ ہماری شہادت ہے کہ انہوں نے چرایا اور یہی زیادہ حق زیادہ صحیح اور پوری سچی بات ہے، ہم ان پر جھوٹ نہیں باندھتے اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم، یہ مسئلہ اور قسامت کا مسئلہ اس بارے میں بہت ملتا جلتا ہے، اس میں بھی مقتول کے اولیاء قسمیں کھاتے ہیں، تمیم داری سے منقول ہے کہ اور لوگ اس سے بری ہیں صرف میں اور عدی بن بداء اس سے متعلق ہیں،

یہ دونوں نصرانی تھے اسلام سے پہلے ملک شام میں بغرض تجارت آتے جاتے تھے ابن سہم کے آقا بذیل بن ابومریم بھی مال تجارت لے کر شام کے ملک گئے ہوئے تھے ان کے ساتھ ایک چاندی کا جام تھا، جسے وہ خاص بادشاہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لئے لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً وہ بیمار ہو گئے ان دونوں کو وصیت کی اور مال سونپ دیا کہ یہ میرے وارثوں کو دے دینا اس کے مرنے کے بعد ان دونوں نے وہ جام تو مال سے الگ کر دیا اور ایک ہزار درہم میں بیچ کر آدھوں آدھ بانٹ لئے باقی مال واپس لا کر بذیل کے رشتہ داروں کو دے دیا، انہوں نے پوچھا کہ چاندی کا جام کیا ہوا؟ دونوں نے جواب دیا ہمیں کیا خبر؟ ہمیں تو جو دیا تھا وہ ہم نے تمہیں دے دیا۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے اور اسلام نے مجھ پر اثر کیا، میں مسلمان ہوگیا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ انسانی حق مجھ پر رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں میں پکڑا جاؤں گا تو میں بدیل کے وارثان کے پاس آیا اور اس سے کہا پانچ سو درہم جو تو نے لے لئے ہیں وہ بھی واپس کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس سے قسم لی جائے اس پر یہ آیت اتری اور عمرو بن عاص نے اور ان میں سے ایک اور شخص نے قسم کھائی عدی بن بداء کو پانچ سو درہم دینے پڑے (ترمذی)

ایک روایت میں ہے کہ عدی جھوٹی قسم بھی کھا گیا تھا اور روایت میں ہے کہ اس وقت ارض شام کے اس حصے میں کوئی مسلمان نہ تھا، یہ جام چاندی کا تھا اور سونے سے منڈھا ہوا تھا اور مکے میں سے جام خریدا گیا تھا جہاں سے ملا تھا انہوں نے بتایا تھا کہ ہم نے اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے، اب میت کے دو وارث کھڑے ہوئے اور قسم کھائی، اسی کا ذکر اس آیت میں ہے ایک روایت میں ہے کہ قسم عصر کی نماز کے بعد اٹھائی تھی ابن جریر میں ہے کہ ایک مسلمان کی وفات کا موقعہ سفر میں آیا، جہاں کوئی مسلمان اسے نہ ملا تو اس نے اپنی وصیت پر دو اہل کتاب گواہ رکھے، ان دونوں نے کوفے میں آ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری کے سامنے شہادت دی وصیت بیان کی اور ترکہ پیش کیا حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ واقعہ پہلا ہے پس عصر کی نماز کے بعد ان سے قسم لی کہ نہ انہوں نے خیانت کی ہے، نہ جھوٹ بولا ہے، نہ بدلا ہے، نہ چھپایا ہے، نہ الٹ پلٹ کیا ہے بلکہ سچ وصیت اور پورا ترکہ انہوں نے پیش کر دیا ہے آپ نے ان کی شہادت کو مان لیا، حضرت ابو موسیٰ کے فرمان کا مطلب یہی ہے کہ ایسا واقعہ حضور کے زمانے میں تمیم اور عدی کا ہوا تھا اور اب یہ دوسرا اس قسم کا واقع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ، ۱۰۶)

ایک نے ہزار جبکہ دوسرے نے پندرہ سو کا دعویٰ کر دیا

فَإِنْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِأَلْفٍ وَالْآخَرُ بِأَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ وَالْمُدَّعِي يَدَّعِي أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ الشَّهَادَةُ بِأَلْفٍ وَإِذَا شَهِدَ بِأَلْفٍ وَقَالَ آخَرُ: قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ بِأَلْفٍ وَلَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ مَعَهُ آخَرُ وَيَنْبَغِي لِلشَّاهِدِ إِذَا عَلِمَ ذَلِكَ أَنْ لَا يَشْهَدَ بِأَلْفٍ حَتَّى يُقِرَّ الْمُدَّعِي أَنَّهُ قَبَضَ خَمْسَمِائَةٍ وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّ زَيْدًا قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَشَهِدَ آخَرَانِ أَنَّهُ قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوفَةِ وَاجْتَمَعُوا عِنْدَ الْحَاكِمِ لَمْ يَقْبَلْ الشَّهَادَتَيْنِ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الشَّهَادَةَ عَلَى جُرْحٍ وَلَا نَفْيٍ وَلَا يَحْكُمُ بِذَلِكَ وَلَا يَجُوزُ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يُعَايِنْهُ إِلَّا النَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالدُّخُولَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِي فَإِنَّهُ يَسَعُهُ أَنْ يَشْهَدَ بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ إِذَا أَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَثِقُ بِهِ

ترجمہ

جب ایک نے ایک ہزار کی اور دوسرے نے پندرہ سو کی گواہی دی اور مدعی دعویٰ بھی پندرہ سو کا ہی کر رہا ہو تو ان میں سے ایک ہزار والے کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ جب دو نے ایک ہزار کی گواہی دی اور وہ اسے پانچ سو ادا کر چکا تھا تو ان دونوں

کی ایک ہزار کی گواہی قبول کر لی جائے گی اور اس کا یہ کہنا کہ وہ پانچ سو ادا کر چکا ہے اس کے ساتھ دوسرے کے گواہی دینے کے علاوہ نہیں سنا جائے گا۔ گواہ کو جب اس بات کا علم ہو تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ مدعی کے پانچ سو وصول کر لینے کا اقرار کر لینے تک گواہی نہ دے جب دو گواہ زید کے عید الاضحیٰ کے دن مکہ میں مارے جانے کی گواہی دیں اور دوسرے دو گواہ عید الاضحیٰ کے دن ہی زید کے کوفہ میں مارے جانے کی گواہی دیں۔ سب حاکم کے پاس اکٹھے ہوں تو حاکم ان دونوں گروہوں کی گواہی قبول نہیں کرے گا۔ جب ایک گواہی پہلے ہوئی ہو۔ حاکم اس پر حکم بھی دے چکا ہو پھر بعد میں دوسری گواہی آئے' تو اب حاکم اس کو قبول نہیں کرے گا۔ اور نہ قاضی جرح کے ہونے نہ ہونے پر گواہی سنے گا۔ اور نہ ہی اس پر حکم جاری کرے گا۔ مگر جس کا مستحق ہونا ثابت ہو جائے اس پر وہ حکم جاری کر دے گا۔ ایسی چیز جسے گواہ نے دیکھا نہ ہو۔ اس کے بارے میں گواہی دینا گواہ کے لئے جائز نہیں ہے۔ مگر نسب' موت' نکاح' دخول اور قاضی کی ولایت اس میں نہیں آئے گی کیونکہ ان کے بارے میں گواہ کو جب کسی قابل اعتماد آدمی نے خبر دے رکھی ہو' تو وہ ان کے بارے میں گواہی دے سکتا ہے۔

شرح

اور جب ایک نے گواہی دی ایک ہزار کی دوسرے نے ایک ہزار اور ایک سو کی اور مدعی کا دعویٰ گیارہ سو کا ہو تو ایک ہزار کی گواہی مقبول ہے کہ دونوں اس میں متفق ہیں اور اگر دعویٰ صرف ہزار کا ہے تو نہیں مگر جب کہ مدعی کہہ دے کہ تھا تو ایک ہزار ایک سو مگر ایک سو اس نے دیدیا یا میں نے معاف کر دیا جس کا علم اس گواہ کو نہیں تو اب قبول ہے۔ اور اگر گواہ نے ایک ہزار ایک سو کی جگہ گیارہ سو کہا تو اختلاف ہو گیا کہ لفظا دونوں مختلف ہیں۔

شبہ کے سبب ساقط ہونے والے حق میں گواہی دینے کا بیان

وَالشَّهَادَةُ عَلَى الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ حَقٍّ لَا يَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ وَلَا تُقْبَلُ فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ وَيَجُوزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلَى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلَى شَهَادَةِ وَاحِدٍ وَصِفَةُ الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُولَ شَاهِدُ الْأَصْلِ لِشَاهِدِ الْفَرْعِ : اشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِي أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ أَقَرَّ عِنْدِي بِكَذَا وَأَشْهَدَنِي عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ لَمْ يَقُلْ أَشْهَدَنِي عَلَى نَفْسِهِ جَازَ وَيَقُولُ شَاهِدُ هَذَا الْفَرْعِ عِنْدَ الْأَدَاءِ : أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا أَشْهَدَنِي عَلَى شَهَادَتِهِ أَنَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا أَقَرَّ عِنْدَهُ بِكَذَا وَقَالَ لِي : اشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِي بِذَلِكَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُودِ الْفَرْعِ إِلَّا أَنْ يَمُوتَ شُهُودُ الْأَصْلِ أَوْ يَغِيبُوا مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا أَوْ يَمْرَضُوا مَرَضًا لَا يَسْتَطِيعُونَ مَعَهُ حُضُورَ مَجْلِسِ الْحَاكِمِ فَإِنْ عَدَّلَ شُهُودُ الْأَصْلِ شُهُودَ الْفَرْعِ جَازَ وَإِنْ سَكَتُوا عَنْ تَعْدِيلِهِمْ جَازَ وَيَنْظُرُ الْحَاكِمُ فِي حَالِهِمْ

ترجمہ

ہر ایسا حق جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہوتا ہو۔ اس میں گواہی پر گواہی دینا جائز ہے۔ البتہ حدود اور قصاص میں گواہی پر گواہی

قبول نہیں کی جائے گی۔ اور دو گواہوں کی گواہی پر دو گواہوں کا گواہی دینا جائز ہے۔ گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے: کہ اصل گواہ فرعی گواہ سے کہے کہ تو میری گواہی پر گواہ ہو جا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے روبرو اس طرح کا اقرار کیا ہے۔ اور مجھے اپنی ذات پر گواہ بنایا ہے۔ جبکہ اس نے اَشْهِدْنِی عَلٰی نَفْسِہٖ نہ بھی کہا ہو پھر بھی جائز ہوگا۔ اور فرعی گواہ گواہی کے وقت کہے گا: کہ میں گواہی دیتا ہوں: کہ فلاں نے اس کے پاس اس طرح کا اقرار کیا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ تو میری گواہی پر گواہ ہو جا۔ پس میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ اصل گواہوں کے فوت ہو جانے یا تین دن یا تین دن سے زیادہ کی مسافت پر غائب ہونے کے علاوہ فرعی گواہوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ یا یہ وجہ ہو کہ اصل گواہ اتنے بیمار ہوں کہ وہ حاکم کے پاس حاضر نہ ہو سکتے ہوں۔ جب عادل حضرات اصل گواہوں کو فرعی گواہ ٹھہرائیں تو جائز ہے۔ اور جب وہ ان کے انصاف پسند ہونے سے ان کی تعدیل سے خاموش رہیں تو یہ بھی جائز ہے۔ اور قاضی ان کے حالات میں غور وخوض کرے گا۔

حدود وقصاص میں شہادت پر گواہی نہ دینے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ان چیزوں میں جو شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ جس طرح حدود اور قصاص ہے۔

حضرت امام احمد اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے جبکہ صحیح قول ہے کہ امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو اقوال ہیں۔ اور امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ (فتح القدیر، ج ۱۷، ص ۲۸۶، بیروت)

دو گواہوں کی شہادت پر گواہی دینے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور دو گواہوں کی گواہی پر دو گواہوں کی گواہی دینا جائز ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے جو امام مالک کا مذہب نقل کیا ہے اس کے مطابق جائز ہے جبکہ فقہاء مالکیہ کی کتب میں جو امام مالک کا مذہب ہے اس کے مطابق جائز نہیں ہے۔ اور امام احمد، بصری، اسحاق، عثمان بتی، ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک جائز ہے۔

کیونکہ فرع اصل کے قائم مقام ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ چار سے کم پر جائز نہیں ہے۔ ہر اصلی گواہ پر دو گواہ ہونے چاہئے اس لئے کہ ہر دو گواہ فرع ایک اصلی گواہ کے قائم مقام ہے لہٰذا یہ دو عورتوں کی طرح ہو گیا ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان ہے کہ ایک مرد کی گواہی پر دو مردوں سے کم کی گواہی جائز نہیں ہے اور اس لئے کہ اصل گواہ کی گواہی نقل کرنا حقوق میں سے ہے۔ (فتح القدیر، ج ۱۷، ص ۲۹۰، بیروت)

انکار اصل کے سبب فروع کی شہادت کو قبول نہ کرنے کا بیان

وَإِنْ أَنْكَرَ شُهُودُ الْأَصْلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ الْفُرُوعِ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ فِي شَاهِدِ الزُّورِ : أُشَهِّرُهُ فِي السُّوقِ وَلَا أُعَزِّرُهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : نُوجِعُهُ ضَرْبًا وَنَحْبِسُهُ

ترجمہ

جب اصل گواہوں نے گواہی دینے سے انکار کر دیا تو فرعی گواہوں کی گواہی بھی قبول نہیں ہوگی۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ میں اس کی بازار میں تشہیر کروں گا مگر اسے سزا نہیں دوں گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ہم اسے سخت سزا دیں گے اور اس کے بعد اسے قید کر دیں گے۔

وہ امور جن کی وجہ سے فرع کی شہادت باطل ہو جاتی ہے

(۱) اصلی گواہ نے گواہی دینے سے منع کر دیا۔ (۲) اصلی گواہ خود قابل قبول شہادت نہ رہا مثلاً فاسق ہو گیا گونگا ہو گیا اندھا ہو گیا۔ (۳) اصل گواہ نے شہادت سے انکار کر دیا مثلاً ہم واقعہ کے گواہ نہیں یا ہم نے اُن لوگوں کو گواہ نہیں بنایا یا ہم نے گواہ بنایا مگر یہ ہماری غلطی ہے۔ (۴) اگر اصول خود قاضی کے پاس فیصلہ کے قبل حاضر ہو گئے تو فروع کی شہادت پر فیصلہ نہیں ہوگا۔

شاہد اصل نے دوسروں کو اپنے قائم مقام گواہ کر دیا اس کے بعد اصل ایسی حالت میں ہو گیا کہ اُس کی گواہی جائز نہیں اس کے بعد پھر ایسے حال میں ہوا کہ اب گواہی جائز ہے مثلاً فاسق ہو گیا تھا پھر تائب ہو گیا اس کے بعد فرع نے شہادت دی یہ گواہی جائز ہے۔ اسی طرح اگر دونوں فرع نا قابل شہادت ہو گئے پھر قابل شہادت ہو گئے اور اب شہادت دی یہ بھی جائز ہے۔ اور قاضی نے اگر فرع کی شہادت اس وجہ سے رد کی ہے کہ اصل متہم ہے تو نہ اصل کی قبول ہوگی نہ فرع کی اور اگر اس وجہ سے رد کی کہ فرع میں تہمت ہے تو اصل کی شہادت قبول ہو سکتی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب شہادات)

•••————•••————•••

كِتَابُ الرُّجُوعِ عَنِ الشَّهَادَةِ

﴿یہ کتاب شہادت سے رجوع کرنے کے بیان میں ہے﴾

کتاب شہادت سے رجوع کرنے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس فصل کی کتاب شہادات میں سابقہ بیان کردہ احکام سے مناسبت واضح ہے اور خاص طور جھوٹی گواہی کی فصل کے بعد لانے میں اس کی مطابقت یہ ہے۔ کبیرہ گناہ سے بچنا ہے۔ اور بقیہ مطابقت یہ ہے کہ رجوع ہمیشہ ثبوت حکم کے بعد ہوا کرتا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۱۱،ص ۳۸، بیروت)

شہادت سے رجوع کرنے کا فقہی مفہوم

علامہ رضی الدین محمد بن محمد سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شہادت رجوع کرنے کا معنی یہ ہے کہ گواہ یہ کہے کہ میں نے جس کو ثابت کیا ہے اس سے رجوع کرتا ہوں۔ اور اس کا رکن یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں نے جس کی گواہی دی اس سے رجوع کرتا ہوں یا پھر میں نے وہ جھوٹی گواہی دی تھی۔ (محیط رضوی، احکام شہادات)

گواہوں کا اپنی گواہی سے رجوع کر لینے کا بیان

إِذَا رَجَعَ الشُّهُودُ عَنْ شَهَادَتِهِمْ قَبْلَ الْحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ فَإِنْ حُكِمَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ رَجَعُوا لَمْ يُفْسَخِ الْحُكْمُ وَوَجَبَ عَلَيْهِمْ ضَمَانُ مَا أَتْلَفُوهُ بِشَهَادَتِهِمْ وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوعُ إِلَّا بِحَضْرَةِ الْحَاكِمِ وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِمَالٍ فَحَكَمَ بِهِ الْحَاكِمُ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا لِلْمَشْهُودِ عَلَيْهِ وَإِنْ رَجَعَ أَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ وَإِنْ شَهِدَ بِالْمَالِ ثَلَاثَةٌ فَرَجَعَ أَحَدُهُمْ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فَإِنْ رَجَعَ آخَرُ ضَمِنَ الرَّاجِعَانِ نِصْفَ الْمَالِ،

ترجمہ

جب گواہ حکم جاری ہونے سے پہلے ہی اپنی گواہی سے پھر جائیں۔ تو ان کی گواہی ساقط ہو جائے گی۔ اور ان پر کوئی جرمانہ بھی نہیں ہوگا۔ جب وہ حکم جاری کر چکا تھا۔ اس کے بعد گواہ اپنی گواہی سے مکر گئے' پھر گئے' تو حاکم کا حکم فسخ نہیں ہوگا۔ اور انہوں نے گواہی سے جو نقصان کیا ہوگا۔ اس کا ان پر جرمانہ واجب ہوگا۔ اور گواہی سے رجوع' پھر جانا: صرف حاکم کی موجودگی میں ہی درست ہوگا۔ جب دو گواہوں نے مال کی گواہی دی اور حاکم نے ان کی گواہی کے مطابق حکم جاری کر دیا اس کے بعد وہ اپنی

گواہی سے پھر گئے، تو جس پر گواہی ہوئی تھی اس کے لئے ان دونوں کو مال کا تاوان ادا کرنا پڑے گا۔ جب ان میں سے ایک پھرا تو وہ نصف مال کا تاوان ادا کرے گا۔ جب مال کی گواہی تین آدمیوں نے دی تھی اس کے بعد ایک ان میں سے اس گواہی سے پھر گیا۔ تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ جب اس کے بعد ایک اور پھر گیا تو اب وہ دونوں پھرنے والے نصف مال کا تاوان ادا کریں گے۔

شرح

اوراگر فیصلہ سے قبل رجوع کیا ہے تو قاضی اس کی گواہی پر فیصلہ ہی نہیں کریگا کیونکہ اس کے دونوں قول متناقض ہی، معلوم کونسا قول سچا ہے اوراس صورت میں گواہ پر تاوان واجب نہیں کہ اُس نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا ہے جس کا تاوان دے۔

اوراگر فیصلہ کے بعد رجوع کیا تو جو فیصلہ ہو چکا وہ توڑا نہیں جائے گا بخلاف اُس صورت کے کہ گواہ کا غلام ہونا یا محدود فی القذف ہونا ثابت ہو جائے کہ یہ فیصلہ ہی صحیح نہیں ہوا اوراس صورت میں مدعی نے جو کچھ لیا ہے واپس کرے اوراس صورت میں گواہوں پر تاوان نہیں کہ یہ غلطی قاضی کی ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی شہادت پر فیصلہ کیا جو قابلِ شہادت نہ تھے۔ اور رجوع کے لیے شرط یہ ہے کہ مجلس قاضی میں رجوع کرے خواہ اُسی قاضی کی کچہری میں رجوع کرے جس کے یہاں شہادت دی ہے یا دوسرے قاضی کے یہاں لہٰذا اگر مدعیٰ علیہ جس کے خلاف اُس نے گواہی دی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ گواہ نے غیر قاضی کے پاس رجوع کیا اوراس پر گواہ پیش کرنا چاہتا ہے یا اُس گواہ رجوع کرنے والے پر حلف دینا چاہتا ہے یہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ اُس کا دعویٰ ہی غلط ہے۔ ہاں اگر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس نے کسی قاضی کے پاس رجوع کیا ہے یا رجوع کا اقرار غیر قاضی کے پاس کیا ہے اور وہ کہتا ہے مجھے تاوان دلایا جائے۔ کیونکہ اُس کی غلط گواہی سے میرے خلاف فیصلہ ہوا ہے اور رجوع یا اقرار رجوع پر گواہ پیش کرنا چاہتا ہے تو گواہ لیے جائیں گے۔ (درمختار، کتاب شہادات)

اور جب فیصلہ کے بعد گواہوں نے رجوع کیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے گواہ اُس کو تاوان دیں کہ اُس کا جو کچھ نقصان ہوا ان گواہوں کی بدولت ہوا ہے مدعی سے وہ چیز نہیں لی جا سکتی کہ اُس کے موافق فیصلہ ہو چکا ان کے رجوع کرنے سے اُس پر اثر نہیں پڑتا۔

مال کی شہادت سے رجوع کرنے پر ضمان میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دو گواہوں نے مال کی گواہی دی پھر انہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو وہ دونوں مشہود علیہ کے لئے مال کے ضامن ہوں گے اس لئے کہ تعدی کے طور پر سبب مہیا کرنا ضمان کا سبب ہے جس طرح کنواں کھودنے والا اور مذکورہ گواہوں نے بھی تعدی کے طور پر مال تلف کرنے کا سبب مہیا کیا ہے۔ یہی مذہب امام مالک، امام احمد اورامام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ ان دونوں پر ضمان نہ ہوگا کیونکہ وہ دونوں مسبب ہیں۔

(فتح القدیر، ج ۷، ص ۳۲۹، بیروت)

شہادت سے رجوع کرنے والی عورت پر ضمان کا بیان

وَإِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ فَرَجَعَتْ امْرَأَةٌ ضَمِنَتْ رُبُعَ الْحَقِّ وَإِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا نِصْفَ الْحَقِّ وَإِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَعَشْرُ نِسْوَةٍ فَرَجَعَ ثَمَانٍ فَلا ضَمَانَ عَلَيْهِنَّ فَإِنْ رَجَعَتْ أُخْرَى كَانَ عَلَى النِّسْوَةِ رُبُعُ الْحَقِّ فَإِنْ رَجَعَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ كَانَ عَلَى الرَّجُلِ سُدُسُ الْحَقِّ وَعَلَى النِّسْوَةِ خَمْسَةُ أَسْدَاسِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : عَلَى الرَّجُلِ النِّصْفُ وَعَلَى النِّسْوَةِ النِّصْفُ وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَى الْمَرْأَةِ بِالنِّكَاحِ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا فَلا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا ،

ترجمہ

جب ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی بعد میں ان میں سے ایک عورت پھر گئی تو وہ چوتھائی حق کا جرمانہ ادا کرے گی۔ جب دونوں عورتیں پھر گئیں تو وہ نصف حق کا تاوان ادا کریں گی۔ جب ایک مرد اور دس عورتیں گواہی دیں بعد میں ان میں آٹھ پھر جائیں تو ان پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا۔ جب ایک اور پھر جائے: تو اب ان عورتوں پر چوتھائی حق کا نقصان بھرنا واجب ہو جائے گا۔ جب مرد اور عورتیں سارے ہی گواہی سے پھر گئے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد پر حق کا چھٹا حصہ وارد ہوگا۔ اور عورتوں پر پانچ حصے واجب ہوں گے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نصف حق مرد پر اور نصف ہی عورتوں پر بھی واجب ہوگا۔ جب دو مردوں نے کسی عورت کے نکاح کے ساتھ اس کے مہر مثل کی مقدار کی یا اس سے زیادہ مقدار کی گواہی دی۔ بعد میں دونوں اس سے پھر گئے۔ تو وہ زیادتی کے ضامن نہیں ہوں گے۔ جب انہوں نے مہر مثل سے کم مقدار کی گواہی دی۔ اس کے بعد وہ اس سے پھر گئے۔ تو بھی ان پر نقصان کا جرمانہ نہیں ہوگا۔

رجوع کرنے والے مردوں یا عورتوں کے ضمان کا فقہی بیان

اور تاوان کے بارے میں اعتبار اُس کا ہوگا جو باقی رہ گیا ہو اُس کا اعتبار نہیں جو رجوع کر گیا مثلاً دو گواہ تھے ایک نے رجوع کیا نصف تاوان دے اور تین گواہ تھے ایک نے رجوع کیا کچھ تاوان نہیں کہ اب بھی دو باقی ہیں اور اگر ان میں سے پھر ایک رجوع کر گیا تو نصف تاوان دونوں سے لیا جائے گا اور تیسرا بھی رجوع کر گیا تو تینوں پر ایک ایک تہائی۔ ایک مرد، دو عورتیں گواہ تھیں ایک عورت نے رجوع کیا چوتھائی تاوان اس کے ذمہ ہے اور دونوں نے رجوع کیا تو دونوں پر نصف اور اگر ایک مرد، دس عورتیں گواہ تھیں ان میں آٹھ رجوع کر گئیں تو کچھ تاوان نہیں اور نویں بھی رجوع کر گئی تو اب ان نو پر ایک چوتھائی تاوان ہے اور سب رجوع کر گئے یعنی ایک مرد اور دسوں عورتیں تو چھٹا حصہ مرد اور باقی پانچ حصے دسوں عورتوں پر یعنی بارہ حصے تاوان کے ہوں گے ہر ایک عورت ایک ایک حصہ دے اور مرد، دو حصے۔ دو مرد اور ایک عورت نے گواہی دی تھی اور سب رجوع کر گئے تو عورت پر تاوان نہیں کہ ایک عورت گواہ ہی نہیں۔

اور فیصلہ کے بعد گواہوں نے رجوع کیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا ہے گواہ اُس کو تاوان دیں کہ اُس کا جو کچھ نقصان ہوا ان گواہوں کی بدولت ہوا ہے مدعی سے وہ چیز نہیں لی جاسکتی کہ اُس کے موافق فیصلہ ہو چکا ان کے رجوع کرنے سے اُس پر اثر نہیں پڑتا۔ اور تاوان کے بارے میں اعتبار اُس کا ہوگا جو باقی رہ گیا ہو اُس کا اعتبار نہیں جو رجوع کر گیا مثلاً دو گواہ تھے ایک نے رجوع کیا نصف تاوان دے اور تین گواہ تھے ایک نے رجوع کیا کچھ تاوان نہیں کہ اب بھی دو باقی ہیں اور اگر ان میں سے پھر ایک رجوع کر گیا تو نصف تاوان دونوں سے لیا جائے گا اور تیسرا بھی رجوع کر گیا تو تینوں پر ایک ایک تہائی۔ ایک مرد، دو عورتیں گواہ تھیں ایک عورت نے رجوع کیا چوتھائی تاوان اس کے ذمہ ہے اور دونوں نے رجوع کیا تو دونوں پر نصف اور اگر ایک مرد، دس عورتیں گواہ تھیں ان میں آٹھ رجوع کر گئیں تو کچھ تاوان نہیں اور نویں بھی رجوع کر گئی تو اب ان نو پر ایک چوتھائی تاوان ہے اور سب رجوع کر گئے یعنی ایک مرد اور دسوں عورتیں تو چھٹا حصہ مرد اور باقی پانچ حصے دسوں عورتوں پر یعنی بارہ حصے تاوان کے ہوں گے ہر ایک عورت ایک ایک حصہ دے اور مرد، دو حصے۔ دو مرد اور ایک عورت نے گواہی دی تھی اور سب رجوع کر گئے تو عورت پر تاوان نہیں کہ ایک عورت گواہ ہی نہیں۔

مہر کی گواہی دینے کے بعد رجوع کرنے کا بیان

وَإِنْ شَهِدَا بِأَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا النُّقْصَانَ وَكَذَلِكَ إِذَا شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ بِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا أَوْ أَقَلَّ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ شَهِدَا بِأَكْثَرَ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الزِّيَادَةَ وَإِنْ شَهِدَا بِبَيْعٍ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ شَهِدَا بِأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ ضَمِنَا النُّقْصَانَ وَإِنْ شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ وَإِنْ كَانَ بَعْدَ الدُّخُولِ لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ عَبْدَهُ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا قِيمَتَهُ وَإِنْ شَهِدَا بِقِصَاصٍ ثُمَّ رَجَعَا بَعْدَ الْقَتْلِ ضَمِنَا الدِّيَةَ وَلَا يُقْتَصُّ مِنْهُمَا

ترجمہ

اور جب دو مرد کسی آدمی پر کسی عورت کے ساتھ اس کے مہر مثل کی مقدار پر یا اس سے کم مقدار پر نکاح کرنے کی گواہی دیں۔ جب مہر مثل سے زیادہ مقدار کی گواہی دینے کے بعد وہ پھر جائیں، تو وہ زیادتی کا تاوان ادا کریں گے۔ جب دو گواہوں نے مثلی قیمت کے ساتھ یا اس سے زیادہ قیمت کے بدلے میں بیع ہونے کی گواہی دی پھر وہ دونوں پھر گئے۔ تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔ جب ان کی گواہی کم قیمت پر تھی۔ تو اس صورت میں وہ ضامن ہوں گے۔ جب دو آدمیوں نے کسی پر گواہی دی کہ اس نے صحبت سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ بعد میں وہ پھر گئے۔ تو وہ نصف مہر کے ضامن ہوں گے۔ جب ان کی گواہی صحبت سے بعد کی تھی تو پھر وہ نصف مہر کے ضامن نہیں ہوں گے۔ جب دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر گئے، تو انہیں اس غلام کی قیمت کا جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ جب انہوں نے قصاص میں گواہی

دی تھی پھر قتل ہو جانے کے بعد وہ اپنی اس گواہی سے پھر گئے تو اب وہ دیت کا جرمانہ ادا کریں گے۔ مگر ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

شرح

اور نکاح کی شہادت دی اس کی تین صورتیں ہیں مہر مثل کے ساتھ یا مہر مثل سے زاید یا کم کے ساتھ۔ اور تینوں صورتوں میں مدعی نکاح مرد ہے یا عورت یہ کل چھ صورتیں ہوئیں۔ مرد مدعی ہے جب تو رجوع کرنے کی تینوں صورتوں میں تاوان نہیں۔ اور عورت مدعی ہے اور مہر مثل سے زیادہ کے ساتھ نکاح ہونا گواہوں نے بیان کیا ہے تو جتنا مہر مثل سے زائد ہے وہ تاوان میں واجب ہے باقی دو صورتوں میں کچھ تاوان نہیں۔

اور جب گواہوں نے عورت کے خلاف یہ گواہی دی کہ اس نے اپنے پورے مہر پر یا اُس کے جز پر قبضہ کر لیا پھر رجوع کیا تو تاوان دینا ہوگا۔

اور جب قبل دخول طلاق کی شہادت دی اور قاضی نے طلاق کا حکم دے دیا اس کے بعد گواہوں نے رجوع کیا تو نصف مہر کا تاوان دینا پڑے گا۔

طلاق کی شہادت پر گواہوں کے رجوع کرنے کا بیان

اور جب دو گواہوں نے گواہی دی کہ مرد نے عورت کو طلاق سپرد کر دی اور دو نے یہ گواہی دی کہ عورت نے اپنے کو طلاق دے دی پھر یہ سب رجوع کر گئے تو تاوان اُن پر ہے جو طلاق دینے کے گواہ ہیں اُن پر نہیں جو سپرد کرنے کے گواہ ہیں۔ اسی طرح شہود احصان پر رجوع کرنے سے دیت واجب نہیں کہ رجم کی علت زنا ہے اور احصان محض شرط ہے۔ (درمختار، کتاب شہادات)

اور جب عورت نے دعویٰ کیا کہ شوہر سے دس روپے ماہوار نفقہ پر میری مصالحت ہوگئی ہے شوہر کہتا ہے پانچ روپے ماہوار پر صلح ہوئی ہے عورت نے گواہوں سے دس روپے ماہوار پر صلح ہونا ثابت کیا اور قاضی نے فیصلہ دے دیا اس کے بعد گواہ رجوع کر گئے اگر عورت ایسی ہے کہ اس جیسی کا نفقہ دس روپے یا زیادہ ہونا چاہیے جب تو کچھ نہیں اور اگر ایسی نہیں ہے تو جو کچھ زیادہ اس گذشتہ زمانہ میں دیا گیا مثلاً پانچ روپے کی حیثیت تھی اور دلائے گئے دس روپے تو ماہوار پانچ روپے زیادہ دیے گئے لہٰذا فیصلہ کے بعد سے اب تک جو کچھ شوہر سے زیادہ لیا گیا ہے۔ اُس کا تاوان گواہوں پر ضروری ہے۔ اور قاضی نے شوہر پر دس روپے ماہوار نفقہ کے مقرر کر دیے ایک برس کے بعد عورت نے مطالبہ کیا کہ آج تک مجھ کو میرا نفقہ نہیں وصول ہوا ہے شوہر نے دو گواہ پیش کر دیے جنھوں نے شہادت دی کہ شوہر نے برابر ماہ بماہ نفقہ ادا کیا ہے قاضی نے اس گواہی کے موافق فیصلہ کر دیا پھر گواہ رجوع کر گئے اُن کو اس پوری مدت کے نفقہ کا تاوان دینا ہوگا۔ اولاد یا کسی محرم کا نفقہ قاضی نے مقرر کر دیا اور اُس میں یہی صورت پیش آئی تو اُس کا بھی وہی حکم ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء، بیروت)

فروعی گواہوں کے رجوع پر ضمان وعدم ضمان کا بیان

وَإِذَا رَجَعَ شُهُودُ الْفَرْعِ ضَمِنُوا وَإِنْ رَجَعَ شُهُودُ الْأَصْلِ وَقَالُوا : لَمْ نُشْهِدْ شُهُودَ الْفَرْعِ عَلَى شَهَادَتِنَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ وَإِنْ قَالُوا : أَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا ضَمِنُوا وَإِنْ قَالَ شُهُودُ الْفَرْعِ : كَذَبَ شُهُودُ الْأَصْلِ أَوْ غَلِطُوا فِي شَهَادَتِهِمْ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَى ذَلِكَ وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ بِالزِّنَا وَشَاهِدَانِ بِالْإِحْصَانِ فَرَجَعَ شُهُودُ الْإِحْصَانِ لَمْ يَضْمَنُوا وَإِذَا رَجَعَ الْمُزَكُّونَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوا وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِالْيَمِينِ وَشَاهِدَانِ بِوُجُودِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوا فَالضَّمَانُ عَلَى شُهُودِ الْيَمِينِ خَاصَّةً

ترجمہ

جب فروعی گواہ پھریں تو انہیں نقصان بھرنا پڑے گا۔ جب اصل گواہ پھر جائیں اور کہیں کہ ہم نے فروعی گواہوں کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنایا تھا۔ تو ان پر کوئی جرمانہ نہیں ہوگا۔ جب اس طرح کہیں کہ ہم نے غلطی کرتے ہوئے انہیں گواہ بنادیا تھا۔ تو انہیں جرمانہ دینا ہوگا۔ جب فروعی گواہ کہیں کہ اصل گواہوں نے جھوٹ بولا ہے یا اصل گواہوں نے گواہی میں خطاء کی ہے تو اس طرف کوئی توجہ نہیں کی جائے گی۔ جب چار آدمیوں نے زناء کی گواہی دی اور دو نے محصن ہونے کی گواہی دی۔ اس کے بعد محصن ہونے کی گواہی دینے والے پھر گئے تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔ جب کچھ افراد گواہوں کی پاکی ان کا عادل ہونا ظاہر کرنے والے ان کی عدالت سے پھر جائیں۔ تو انہیں نقصان بھرنا پڑے گا۔ جب دو گواہوں نے قسم کی اور دو نے شرط پائے جانے کی گواہی دی۔ اس کے بعد سب ہی اپنی گواہی سے پھر گئے تو تاوان بالخصوص قسم کی گواہی دینے والوں کو ادا کرنے پڑے گا۔

شرح

اور جب اصلی گواہوں نے دوسرے لوگوں کو اپنے قائم مقام کیا تھا فروع نے رجوع کیا تو ان پر تاوان واجب ہے اور اگر فیصلہ کے بعد اصلی گواہوں نے یہ کہا کہ ہم نے فروع کو اپنی گواہی پر شاہد بنایا ہی نہ تھا یا ہم نے غلطی کی کہ ان کو گواہ بنایا تو اس صورت میں تاوان واجب نہیں نہ اصول پر نہ فروع پر۔ یوہیں اگر فروع نے یہ کہا کہ اصول نے جھوٹ کہا یا غلطی کی تو تاوان نہیں۔ اور اگر اصول و فروع سب رجوع کر گئے تو تاوان صرف فروع پر ہے اصول پر نہیں۔ (درمختار، کتاب شہادات)

•••——————•••——————•••

كِتَابُ آدَابِ الْقَاضِي

﴿یہ کتاب ادب قاضی کے بیان میں ہے﴾

کتاب ادب قاضی کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب بیوع اور وہ قرض جن سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں ان کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے اس کتاب کو شروع کیا ہے جس کے ذریعے بیوع وقرضوں کے سبب پیدا ہونے والے جھگڑوں کو ختم کیا جاسکے اور ایسے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے قاضی کے پاس جانا ہوگا لہٰذا ان کتاب کے بعد متصل ہی کتاب ادب قاضی کو بیان کیا جارہا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱۰،ص ۲۰۰، بیروت)

اب اس کتاب میں منصب قضاء کا بیان ہوگا اور اس سلسلہ میں بطور خاص دونوں کا ذکر کیا جائے گا ایک تو یہ قاضی اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی صرف اسلامی قانون کے مآخذ یعنی کتاب وسنت اور اجتہاد کو رہنما بنائے اور اس کا کوئی فیصلہ وحکم ان چیزوں کے خلاف نہیں ہونا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ منصب قضاء اپنی اہمیت وعظمت اور اپنی بھرپور ذمہ داریوں کے اعتبار سے اتنا اونچا ہے کہ صرف یہ کہ ہر شخص کو اس تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے، بلکہ جہاں تک ہوسکے اس منصب کو قبول کرنے سے ڈرنا اور اجتناب کرنا چاہئے۔

کتاب الامارۃ والقضاء سے اس کتاب جو حصہ شروع ہورہا ہے اور اس میں جو مسائل بیان کئے جائیں گے وہ اس دعوی کی واضح دلیل ہیں کہ اسلام اور حکومت وسیاست دو متضاد چیزیں نہیں ہیں ان احادیث میں امیر وخلیفہ قاضی ومنصف، عوام اور رعایا، ملک وفوج اور نظم مملکت کے دیگر گوشوں سے متعلق جو ہدایات واحکام بیان کئے جائیں گے ان سے واضح ہوگا کہ حکومت وسیاست بھی اسلام کا ایک موضوع ہے۔ تحکیم

ادب قاضی کا فقہی مفہوم

ادب کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے اچھا سلوک اور اچھے اخلاق سے پیش آنا اور تمام اخلاقی عادات کو اپناتے ہوئے لوگوں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا ہے۔ جبکہ قاضی کا ادب یہ ہے کہ جس چیز کو شریعت اچھا کہے یہ بھی اس کو اچھا کہے جس طرح انصاف کو عام کرنا اور ظلم کو دور کرنا ہے۔ حدود سے تجاوز نہ کرنا اور شرعی احکام کے مطابق چلنا اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرنا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب ادب قاضی)

قضاء کی تعریف کا بیان

قضا کا لغوی معنی فیصلہ کرنا، ادا کرنا اور انجام دینا ہے۔ اس سے مراد وہ اصول اور قوانین فطرت ہیں۔ جن کے تحت یہ کارخانہ قدرت اپنے وقت پر معرض وجود میں لایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ صادر فرما دیا کہ اگر کوئی شخص نیکی کرے گا تو اس کے نتائج بھی نیک ہوں گے اور برائی کے ثمرات بھی ویسے ہی برے ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ. اس نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے۔ علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لوگوں کے جھگڑوں اور منازعات کے فیصلہ کرنے کو قضاء کہتے ہیں۔ (درمختار، کتاب قضاء)

ولایت قاضی کے صحیح ہونے کا بیان

لَا تَصِحُّ وِلَايَةُ الْقَاضِي حَتَّى يَجْتَمِعَ فِي الْمُوَلَّى شَرَائِطُ الشَّهَادَةِ وَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الِاجْتِهَادِ وَلَا بَأْسَ بِالدُّخُولِ فِي الْقَضَاءِ لِمَنْ يَثِقُ مِنْ نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ فَرْضَهُ وَيُكْرَهُ الدُّخُولُ فِيهِ لِمَنْ يَخَافُ الْعَجْزَ عَنْهُ وَلَا يَأْمَنُ عَلَى نَفْسِهِ الْحَيْفَ فِيهِ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَطْلُبَ الْوِلَايَةَ وَلَا يَسْأَلَهَا وَمَنْ قُلِّدَ الْقَضَاءَ يُسَلَّمُ إلَيْهِ دِيوَانُ الْقَاضِي الَّذِي قَبْلَهُ وَيَنْظُرُ فِي حَالِ الْمَسْجُونِينَ، فَمَنْ اعْتَرَفَ مِنْهُمْ بِحَقٍّ أَلْزَمَهُ إيَّاهُ وَمَنْ أَنْكَرَ لَمْ يَقْبَلْ قَوْلَ الْمَعْزُولِ عَلَيْهِ إلَّا بِبَيِّنَةٍ فَإِنْ لَمْ تَقُمْ بَيِّنَةٌ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَخْلِيَتِهِ حَتَّى يُنَادِيَ عَلَيْهِ وَيَسْتَظْهِرَ فِي أَمْرِهِ،

ترجمہ

جس بندے کو قاضی بنایا جا رہا ہو۔ جب تک اس میں شہادت کے تمام شرائط جمع نہ ہوں اس کا قاضی (جج، جسٹس) ہونا درست نہیں ہو سکتا۔ اور اس کا اہل اجتہاد میں سے ہونا بھی ضروری ہے۔ جسے اپنے آپ پر عہدہ قضاۃ کے فرائض کو انجام دے لینے کا اعتماد ہو۔ ایسے آدمی کے لئے جج' قاضی ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جسے ان سے عاجز ہو جانے کا ڈر ہو۔ اس کے لئے قاضی ہونا مکروہ ہے۔ اور وہ بھی جو اپنے آپ پر ظلم کرنے سے مطمئن نہ ہو۔ اور عہدۂ قضاۃ کے لئے درخواست دینا' اور اس کا سوال کرنا درست اور مناسب نہیں ہے۔ جس نے عہدۂ قضاۃ کو قبول کر لیا۔ تو اس سے پہلے قاضی کا دفتر اب اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اب وہ قیدیوں کے بارے میں غور و خوض کرے گا۔ پس ان میں سے جو تو حق کا اقرار کر لے گا اس پر تو وہ اسے لازم کر دے گا۔ لیکن جو انکار کرے گا اس کے بارے وہ عہدہ سے اتار دیئے جانے والے قاضی کی بات بغیر دلیل کے قبول نہیں کرے گا۔ جس پر دلیل قائم نہ ہو۔ تو اس کی منادی کرانے تک اسے رہا کرنے میں جلدی نہیں کرے گا۔ اس کے معاملہ میں انتظار کرے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قضاء کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اہل ہو اور فاسق شہادت کا اہل ہے لہٰذا وہ قضاء کا

اہل ہے لیکن اس کو قضاء پر مقرر نہ کیا جائے اس کو قضاء پر مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا، جیسا کہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہ گار ہوگا، اسی پر فتویٰ دیا جائے، اور فتاویٰ قاعدیہ میں اس کو قاضی کے ظن غالب سے مقید کیا ہے کہ فاسق کی شہادت صدق پر مبنی ہے، اس کو محفوظ کرو۔ (درمختار، شرح تنویر الابصار، کتاب قضاء)

اگر قاضی نے فاسق کی شہادت قبول کر کے فیصلہ دے دیا تو نافذ ہو جائے گا لیکن قاضی گنہگار ہوگا۔ فتاویٰ قاعدیہ میں ہے یہ تب ہوگا جب قاضی کو ظن غالب ہو کہ فاسق سچا ہے، یہ محفوظ کرنے کے قابل ہے۔ (دررالاحکام، کتاب قضاء)

فاسق جج کو معزول کرنے کا بیان

حضرت عبادہ ابن صامت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ کے روبرو ان امور کا عہد کیا کہ "ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے) سنیں گے (اور ہر قسم کے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی) اطاعت کریں گے تنگی اور سخت حالات میں بھی اور آسان وخوش آئند زمانہ میں بھی، خوشی کے موقع پر بھی اور ناخوشی کی حالت میں ہم پر ترجیح دی جائے گی (تو ہم صبر کریں گے۔ ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے ہم (جب زبان سے کوئی بات کہیں کے تو) حق کہیں گے خواہ ہم کسی جگہ ہوں (اور کسی حال میں ہوں) اور ہم اللہ کے معاملے میں (یعنی دین پہنچانے اور حق بات کہنے میں) کسی ملامت کرنے والے شخص کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (ہم نے اس بات کا عہد کیا کہ ہم امر کو جگہ سے نہیں نکالیں گے۔" (چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امر کو اس کی جگہ سے نہ نکالو) ہاں اگر تم صریح کفر دیکھو جس پر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کی صورت میں دلیل ہو (اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں امر کو اس کی جگہ سے نکالنے کی اجازت ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 806)

ہم پر ترجیح دی جائے گی" کا مطلب یہ ہے کہ ہم انصار نے یہ بھی عہد کیا کہ اگر ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے گی ہم صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔ ایک روایت میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تھا کہ (میرے بعد تم لوگوں سے ترجیحی سلوک ہوگا یعنی بخشش وانعام اور اعزاز مناصب کی تقسیم کے وقت تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح وتفصیل دی جائے گی ایسے موقع پر تم لوگ صبر کرنا" چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی ثابت ہوئی کہ خلفاء راشدین کے زمانے کے بعد جب امراء کا عہد حکومت شروع ہوا تو انصار کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا گیا اور انصار نے بھی آپ کے ارشاد کی تعمیل میں اور اپنا عہد نباہتے ہوئے اس ترجیحی سلوک کے خلاف شکوہ شکایت کرنے کی بجائے صبر وتحمل کی راہ کو اختیار کیا۔

"ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے" کا مطلب یہ ہے کہ ہم امارت وحکومت کی طلب وخواہش نہیں کریں گے ہم پر جس شخص کو امیر وحاکم بنا دیا جائے گا ہم اس کو معزول نہیں کریں گے اور اپنے امیر وحاکم کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے کوئی شورش پیدا نہیں کریں گے۔

روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر امیر وحاکم کے قول وفعل میں صریح کفر دیکھو تو اس کو معزول کر دینے کی اجازت

ہے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا واجب ہوگا۔

اس ارشاد گرامی سے یہ واضح ہوا کہ امام یعنی سربراہ مملکت کو معزول کرنے کی اسی صورت میں اجازت ہے جب کہ وہ صریح طور پر کفر کا مرتکب ہو اور اس کا کفر قرآن وحدیث کی روشنی میں اتنے واضح طور پر ثابت ہو کہ اس امام کے لئے کفر کی کوئی بھی تاویل کرنا ممکن نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر امام فسق فجور میں مبتلا ہو جائے تو اس کو معزول کیا جاسکتا ہے یہی مسئلہ ہر قاضی وامیر کا ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں ان ائمہ کے اختلافی اقوال کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک تو فاسق شخص اس بات کا اہل نہیں ہوگا کہ اس کو ولایت (کسی کا ولی ہونے) کی ذمہ داری سونپی جائے جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ فاسق، ولایت کا اہل ہوسکتا ہے چنانچہ ان کے نزدیک فاسق باپ کے لئے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے۔

فرمانبرداری بقدر طاقت

اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے (یعنی اس بات کا عہد کرتے) کہ ہم (آپ کی ہدایات کو توجہ سے سنیں گے اور (آپ کے احکام کی) اطاعت کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرماتے کہ" ان امور میں جن کو تم طاقت رکھتے ہو۔" (بخاری ومسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو اپنے ارشاد کے ذریعہ صحابہ کو یہ رخصت (یعنی آسانی وسہولت) عطا فرمائی کہ تم سے جس قدر فرمانبرداری ہو سکے اس قدر کرو۔ یا یہ ارشاد اسی بات کی تاکید وتشدید کے لئے تھا کہ تم جتنی فرمانبرداری کرسکو اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی یا قصور واقع نہ ہونا چاہئے۔

قاضی کے لئے فیصلہ کے استدلالی اسلوب کا بیان

حضرت عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ ایک دن لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت باتیں کیں۔ انہوں نے فرمایا ایک دور ایسا تھا کہ ہم کسی بات کا حکم نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ہم حکم کرنے کے لائق تھے پھر خداوند قدوس نے ہماری تقدیر میں لکھا تھا کہ ہم اس درجہ کو پہنچ گئے کہ جس کو تم دیکھ رہے ہو پس اب آج کے دن سے جس شخص کو تمہارے میں سے فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کو چاہیے کہ وہ خداوند قدوس کی کتاب کے مطابق حکم دے اگر وہ فیصلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حکم دے اور وہ فیصلہ کتاب اللہ اور پیغمبروں کے فیصلوں میں بھی نہ ہو تو نیک لوگوں کے فیصلوں کے مطابق فیصلے دے۔

نیک حضرات سے اس جگہ مراد حضرات خلفاء راشدین اور حضرت صحابہ کرام ہیں اور اگر وہ کام ایسا ہو جو کہ خداوند قدوس کی کتاب میں مل سکے اور نہ ہی اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام میں ملے اور نہ ہی نیک حضرات کے فیصلوں میں تو تم اپنی عقل وفہم سے کام لو اور یہ نہ ہو کہ میں ڈرتا ہوں اور میں اس وجہ سے خوف محسوس کرتا ہوں کہ حلال (بھی) کھلا ہوا یعنی ظاہر ہے اور

حرام (بھی) کھلا ہوا ہے اور دونوں (یعنی حرام وحلال) کتاب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے معلوم ہوتے ہیں البتہ ان دونوں کے درمیان بعض ایسے کام ہیں کہ جن میں شبہ ہے تو تم اس کام کو چھوڑ دو جو کام تم کو شک وشبہ میں مبتلا کرے حضرت امام نسائی نے فرمایا کہ یہ حدیث جید ہے یعنی یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1701)

اجتہاد وقیاس کے برحق ہونے کا بیان

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان (معاذ) کو (قاضی وحاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ "میں کتاب اللہ (قرآن کریم) کے موافق فیصلہ کرونگا۔" فرمایا "اگر تمہیں وہ مسئلہ (صراحۃ) کتاب اللہ میں نہ ملا؟" انہوں نے کہا "پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کے موافق فیصلہ کروں گا" فرمایا "اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی نہ ملا؟" انہوں نے کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کرونگا اور (اپنے اجتہاد وحقیقت رسی میں) کوتاہی نہیں کروں گا۔" (یا وہ روای جنہوں نے یہ حدیث معاذ سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک معاذ کے سینے پر مارا (تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہو، اور فرمایا) تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول (یعنی معاذ) کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے (اللہ) اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد، داری، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 864)

میں اپنی عقل سے اجتہاد کرونگا" کا مطلب یہ ہے کہ میں اس قضیہ کا حکم ان مسائل پر قیاس کے ذریعہ حاصل کروں گا جو نصوص یعنی کتاب وسنت میں مذکور ہیں بایں طور کہ کتاب وسنت میں اس قضیہ کے مشابہ جو مسائل مذکور ہیں ان کے مطابق اس قضیہ کا حکم وفیصلہ کروں گا۔ مظہر نے بھی اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے۔ کہ پہلے میں غور وفکر کروں گا کہ میرے سامنے جو قضیہ پیش ہوا ہے کہ جس کا کوئی حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں ہے وہ کون سے ایسے مسئلہ سے مشابہ ہے جو کتاب وسنت میں مذکور ہے جب میں ان دونوں کے درمیان مشابہت پاؤں گا تو اس کا وہی حکم وفیصلہ کروں گا جو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں مذکور مسئلہ کا ہے، چنانچہ ائمہ مجتہدین کے یہاں اپنی قیاس پر بہت سے مسائل کا استنباط کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان ائمہ مجتہدین نے قیاس کی علت وبنیاد میں اختلاف کی ہے مثلاً گیہوں کے ربوا (سود) کے حرام ہونے کے بارے میں نص (یعنی صریح حکم) جب کہ تربوز کے بارے میں ایسی نص نہیں ہے۔ لہذا حضرت امام شافعی نے تربوز کو گیہوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کے ربوا کو بھی حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک گیہوں کے ربوا کے حرام ہونے علت اس کا کھائی جانے والی چیز ہے" اس لئے گیہوں کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے اس کا ربوا بھی حرام ہوگا۔ جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک گیہوں کے ربوا کے حرام ہونے کی علت چونکہ اس کا کیل (یا موزون) ہونا ہے اس لئے انہوں نے گیہوں پر چونے کو قیاس کیا اور یہ مسئلہ اخذ کیا کہ چونے کا ربوا بھی حرام ہے۔

بہر حال یہ حدیث قیاس واجتہاد کے مشروع ہونے کی علت کی بہت مضبوط دلیل ہے اور اصحاب ظواہر (غیر مقلدین) کے

مسلک کے خلاف ہے جو قیاس واجتہاد کے منکر ہیں۔

سابقہ دیوان قاضی کے لئے جمع کرنے کا بیان

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ شریح (مکہ کے قاضی) سے ایک آدمی (نام نامعلوم) نے کہا تم اس مقدمہ میں گواہی دو۔ انہوں نے کہا تو بادشاہ کے پاس جا کر کہنا تو میں وہاں دوں گا۔ اور عکرمہ کہتے ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا اگر تو خود اپنی آنکھ سے کسی کو زنا یا چوری کا جرم کرتے دیکھے اور تو امیر ہو تو کیا اس کو حد لگا دے گا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آخری تیری گواہی ایک مسلمان کی گواہی کی طرح ہوگی یا نہیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا بے شک سچ کہتے ہو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر لوگ یوں نہ کہیں کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں اپنی طرف سے بڑھا دیا تو میں رجم کی آیت اپنے ہاتھ سے مصحف میں لکھ دیتا۔ اور ماعز اسلمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چار بار زنا کا اقرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا اور یہ منقول نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اقرار پر حاضرین کو گواہ کیا ہو۔ اور حماد بن ابی سلیمان (استاد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا اگر زنا کرنے والا حاکم کے سامنے ایک بار بھی اقرار کرلے تو وہ سنگسار کیا جائے گا اور حکم بن عتیبہ نے کہا، جب تک چار بار اقرار نہ کرلے سنگسار نہیں ہوسکتا۔ (بخاری رقم الحدیث، ۷۱۷۰)

اس کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا، باب کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر قاضی خود عہدہ قضا حاصل ہونے کے بعد یا قبل ایک امر کا گواہ ہو تو کیا اس کی بنا پر فیصلہ کرسکتا ہے یعنی اپنی شہادت اور واقفیت کی بنا پر، اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو خود اپنے علم یا گواہی پر فیصلہ کرنا درست نہیں بلکہ ایسا مقدمہ بادشاہ وقت یا دوسرے قاضی کے پاس رجوع ہونا چاہئے اور اس قاضی کو مثل دوسرے گواہوں کے وہاں گواہی دینا چاہئے۔

عقل وفہم کے ادراک سے فیصلہ کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو خواتین ایک جگہ تھیں اور ان دونوں کا ایک ایک بچہ تھا اس دوران ایک بھیڑیا آ گیا اور ایک کے بچے کو وہ اٹھا کرلے گیا جس کے بچے کو وہ لے گی وہ دوسری خاتون سے کہنے لگی کہ تیرا بچہ لے گیا اور وہ کہنے لگی کہ تیرا بچہ (بھیڑیا) لے گیا۔ پھر دونوں حضرت داؤد کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے عرض کیا فیصلہ کرانے کے لیے۔ انہوں نے ان میں سے بڑی خاتون کو بچہ دلوانے کا حکم کیا اس کے بعد وہ دونوں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے عرض کیا انہوں نے فرمایا تم ایک چاقو چھری لاؤ۔ میں بچے کو دو حصوں میں بانٹ دوں گا (یعنی اس بچہ کے دو ٹکڑے کر دوں گا) یہ بات سن کر چھوٹی عورت نے کہا تم ایسا نہ کرو خداوند قدوس تم پر رحم فرمائے وہ بڑی ہی عورت کا بچہ ہے۔ حضرت سلیمان نے یہ بات سن کر وہ بچہ اس چھوٹی عورت کو دلوا دیا حضرت ابوہریرہ نے فرمایا چھری کا نام سکین ہم نے کبھی نہیں سنا تھا ہم لوگ تو اس کو مدیہ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1706)

اوقاف کی آمدنی میں غور وفکر کرنے کا بیان

وَيَنْظُرُ فِي الْوَدَائِعِ وَفِي ارْتِفَاعَاتِ الْوُقُوفِ فَيَعْمَلُ عَلَى مَا تَقُومُ بِهِ الْبَيِّنَةُ أَوْ يَعْتَرِفُ بِهِ مَنْ هُوَ فِي يَدِهِ وَيَجْلِسُ الْحَاكِمُ جُلُوسًا ظَاهِرًا فِي الْمَسْجِدِ وَلَا يَقْبَلُ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ أَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُهُ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِمُهَادَاتِهِ وَلَا يَحْضُرُ دَعْوَةً إِلَّا أَنْ تَكُونَ عَامَّةً،

ترجمہ

اور اوقاف کی آمدنیوں میں بطور امانت رکھی گئی اشیاء میں غور وخوض کرے گا۔ پس جو کچھ دلیل سے ثابت ہو۔ اس کے مطابق عمل کرے گا۔ یا پھر وہ اشیاء جس آدمی کے قبضے میں ہوں وہ اقرار کرلے۔ نیا قاضی عہدہ سے اتارے گئے قاضی کی بات نہیں مانے گا۔ مگر صرف اس صورت میں کہ وہ اشیاء جس آدمی کے قبضے میں ہوں۔ وہ اقرار کرے کہ جس قاضی کو اتارا گیا ہے یہ چیزیں اس نے اس کے سپرد کی تھیں۔ اب یہ قاضی اس کی بات مان لے گا۔ اور حکم جاری کرنے کے لئے مسجد میں جلسہ عام کرے گا۔ اور ذی رحم محرم اور وہ آدمی جس کی اسے قاضی ہونے سے پہلے بھی ہدیہ دینے کی عادت تھی۔ ان کے علاوہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرے گا۔ اور دعوت عام کے علاوہ کسی دعوت میں بھی نہیں جائے گا۔

شرح

اس متن میں مصنف علیہ الرحمہ نے یہ اوقاف سے حاصل ہونے والی اشیاء سے متعلق قاضی کے غور وفکر کرنے کا بیان کیا ہے۔ اور اس مسئلہ کی دلیل سابقہ مسئلہ میں اقرار سے متعلق قاعدہ فقہیہ میں گزر چکی ہے۔ البتہ اس کی مسئلہ کی نقیض سے اس کا استدلال ایک دوسرے قاعدہ فقہیہ سے بھی ہے جو حسب ذیل ہے۔

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہوجائے تو اس کا اقرار باطل ہوجائے گا

اذا ظهر كذبه بيقين فبطل ا لاقرار ، (ماخوذ من الہدایہ ج ۲ ص ۴۱۱)

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہوجائے تو اس کا اقرار باطل ہوجائے گا۔

بہت سے احکام ہیں جہاں اقرار کو شرعا قبول کرلیا جاتا ہے لیکن جب کسی اقرار کا جھوٹا ہونا یقین کے ساتھ ظاہر ہوجائے تو اس وقت وہ سابقہ اقرار باطل ہوجاتا ہے کیونکہ ظاہر ہونے والا یقینی ثبوت اقرار سے قوی ہوتا ہے۔

اس کا ثبوت اس حکم سے مستنبط ہے۔

ترجمہ: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الاحقاف ،۱۵)

اس آیت مبارکہ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کو بیان کیا گیا ہے جو اڑھائی سال ہے جبکہ دوسری آیت میں دودھ پلانے کی مدت ''حولین کاملین''، یعنی دو سال بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ، ۲۳۳)
اس سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے۔
اگر کسی عدت والی عورت نے یہ اقرار کیا کہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہے پھر چھ ماہ سے پہلے ہی اس نے بچے کو جنم دیا، تو نسب ثابت ہوگا (ہدایہ، ۴۱۱) اس مسئلہ کی دلیل یہی قاعدہ ہے کہ جب اس کا اقرار ظاہری یقین و دلیل کی وجہ سے باطل ہوا تو اثبات نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔
اس طرح ولادت بچہ کی وجہ سے عورت پر حد بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ اس قدر قوی قرینہ ہے کہ دلیل نقلی سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔

مسجد میں قسم اٹھوانے کی اباحت میں فقہی مذاہب اربعہ

مروان بن حکم نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ایک مقدمے کا فیصلہ منبر پر بیٹھے ہوئے کیا اور (مدعیٰ علیہ ہونے کی وجہ سے) ان سے کہا کہ آپ میری جگہ آ کر قسم کھائیں۔ لیکن زید رضی اللہ عنہ اپنی ہی جگہ سے قسم کھانے لگے اور منبر کے پاس جا کر قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ مروان کو اس پر تعجب ہوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اشعث بن قیس سے فرمایا تھا کہ دو گواہ لا ورنہ اس (یہ ودی) کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص جگہ کی تخصیص نہیں فرمائی۔ (صحیح بخاری، کتاب شہادات)
مثلاً مدعی کہے کہ مسجد میں چل کر قسم کھاؤ تو مدعیٰ علیہ پر ایسا کرنا ضروری نہیں۔ حنفیہ کا یہی قول ہے اور حنابلہ بھی اس کے قائل ہیں اور شافعیہ کے نزدیک اگر قاضی مناسب سمجھے تو ایسا حکم دے سکتا ہے گو مدعی اس کی خواہش نہ کرے۔ مروان کے واقعہ کو امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں وصل کیا ہے۔ زید بن ثابت اور عبداللہ بن مطیع میں ایک مکان کی بابت جھگڑا تھا۔ مروان اس وقت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ اس نے زید کو منبر پر جا کر قسم کھانے کا حکم دیا۔ زید نے انکار کیا اور زید کے قول پر عمل کرنا بہتر ہے، مروان کی رائے پر عمل کرنے سے۔ لیکن حضرت عثمان سے بھی مروان کی رائے کے مطابق منقول ہے کہ منبر کے پاس قسم کھائی جائے، امام شافعی نے کہا، مصحف پر قسم دلانے میں قباحت نہیں۔

منصب کے سبب ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت کا بیان

حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنی اسد کے ایک شخص کو صدقہ کی وصولی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیلدار بنایا، ان کا نام ابن الاتبیہ تھا۔ جب وہ لوٹ کر آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ آپ لوگوں کا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں دیا گیا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، سفیان ہی نے یہ روایت بھی کی کہ پھر آپ منبر پر چڑھے پھر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا، اس عامل کا کیا حال ہوگا جسے ہم تحصیل کے لیے بھیجتے ہیں پھر وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ میرا ہے۔ کیوں نہ وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر بیٹھا رہا اور دیکھا ہوتا کہ اسے ہدیہ دیا جاتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عامل جو چیز بھی (ہدیہ کے طور پر) لے گا اسے قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر اونٹ ہوگا تو

وہ اپنی آواز نکالتا آئے گا، اگر گائے ہوگی تو وہ اپنی آواز نکالتی آئے گی، بکری ہوگی تو وہ بولتی آئے گی، پھر آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے۔ یہاں تک کہ ہم نے آپ کے دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھی اور آپ نے فرمایا کہ میں نے پہنچا دیا! تین مرتبہ یہی فرمایا۔ سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ یہ حدیث ہم سے زہری نے بیان کی اور ہشام نے اپنے والد سے روایت کی، ان سے ابوحمید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرے دونوں کانوں نے سنا اور دونوں آنکھوں نے دیکھا اور زید بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ کیوں کہ انہوں نے بھی یہ حدیث میرے ساتھ سنی ہے۔ سفیان نے کہا زہری نے یہ لفظ نہیں کہا کہ میرے کانوں نے سنا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حدیث میں خوار کا لفظ ہے یعنی گائے کی آواز یا جوار کا لفظ جو لفظ تجارون سے نکلا ہے جو سورۃ مومنون میں ہے یعنی گائے کی آواز نکالتے ہوں گے۔ (بخاری، رقم الحدیث ۷۱۷۴)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فقہائے بزرگ اصحاب سے ہیں۔ عہد صدیقی میں انہوں نے قرآن کو جمع کیا اور عہد عثمانی میں نقل کیا۔ 56 سال کی عمر میں سنہ 45ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

قاضی کے لئے دعوت میں عدم شرکت کا بیان

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دعوت خاصہ قبول کرنا قاضی کے لیے جائز نہیں دعوت عامہ قبول کر سکتا ہے مگر جس کا مقدمہ قاضی کے یہاں ہو اُس کی دعوت عامہ کو بھی قبول نہ کرے دعوت خاصہ وہ ہے کہ اگر معلوم ہو جائے کہ قاضی اس میں شریک نہ ہوگا تو دعوت ہی نہ ہوگی اور عامہ وہ ہے کہ قاضی آئے یا نہ آئے بہر حال لوگوں کی دعوت ہوگی کھانا کھلایا جائے گا مثلاً دعوتِ ولیمہ۔ (ردمختار، کتاب قضاء)

قاضی جنازہ وعیادت کے لئے جانے کا بیان

وَيَشْهَدُ الْجَنَائِزَ وَيَعُودُ الْمَرْضَى وَلَا يُضَيِّفُ أَحَدَ الْخَصْمَيْنِ دُونَ خَصْمِهِ فَإِذَا حَضَرَا سَاوَى بَيْنَهُمَا فِي الْمَجْلِسِ وَالْإِقْبَالِ وَلَا يُسَارِرُ أَحَدَهُمَا وَلَا يُشِيرُ إِلَيْهِ وَلَا يُلَقِّنُهُ حُجَّةً فَإِذَا ثَبَتَ الْحَقُّ عِنْدَهُ وَطَلَبَ صَاحِبُ الْحَقِّ حَبْسَ غَرِيمِهِ لَمْ يُعَجِّلْ بِحَبْسِهِ وَأَمَرَهُ بِدَفْعِ مَا عَلَيْهِ فَإِنْ امْتَنَعَ حَبَسَهُ فِي كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهُ بَدَلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِي يَدِهِ كَثَمَنِ الْمَبِيعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ أَوْ الْتَزَمَهُ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ وَلَا يَحْبِسُهُ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ إذَا قَالَ : إنِّي فَقِيرٌ وَيَحْبِسُهُ شَهْرَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ يَسْأَلُ عَنْهُ فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ مَالٌ خَلَّى سَبِيلَهُ وَلَا يَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهِ ،

ترجمہ

اور قاضی جنازے میں حاضر ہو اور بیمار پرسی کرے اور دو مخالفوں میں سے کسی ایک کی تنہا مہمان نوازی نہ کرے۔ پھر جب بھی وہ آئیں تو بیٹھنے اور توجہ دینے میں برابری برتے۔ اور کسی ایک کے ساتھ کوئی سرگوشی نہ کرے۔ اور نہ کسی کو کوئی اشارہ

کرے۔اور نہ کسی کو کوئی دلیل سکھائے۔ جب اس کے نزدیک حق ثابت ہو جائے اور حق والا جسے اس نے قرض دیا ہوا ہے اس کے قید کرنے کا مطالبہ کرے تو اسے قید کرنے میں جلدی نہ کرے گا۔ بلکہ اسے وہ قرض ادا کردینے کا حکم دے گا۔ جب وہ ادا نہ کررہا ہو تو اسے ہر ایسے قرض میں قید کردے گا۔ جو اسے اس کے ہاتھ میں کوئی مال آنے کی وجہ سے لازم ہوا ہو۔ مثال کے طور پر حق مہر اور کفالت اس کے علاوہ کسی بات میں وہ اسے قید نہیں کرے گا۔ جب وہ کہے کہ میں مفلس ہوں۔ تو وہ اسے قید نہیں کرے گا مگر جب قرض خواہ ثابت کردے کہ اس کے پاس مال ہے تو اس صورت میں اسے قید کیا جاسکتا ہے۔ اسے دو تین مہینے قیدی رکھنے کے بعد وہ پھر اس کے مال کے بارے میں پوچھ گچھ کرے گا۔ جب مال سامنے نہ آئے تو اسے رہا کردے گا اور مقروض اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہیں ہوگا۔

اسلامی حقوق کی ادائیگی میں قاضی کے لئے اباحت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک) مسلمان کے (دوسرے) مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار کی عیادت کرنا (۳) جنازہ کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 3)

مذکورہ بالا پانچوں چیزیں فرض کفایہ ہیں۔ سلام کرنا سنت ہے اور وہ بھی حقوق اسلام میں سے ہے مگر سلام کرنا ایسی سنت ہے جو فرض سے بھی افضل ہے کیونکہ اسے کرنے سے نہ صرف یہ کہ تواضع وانکساری کا اظہار ہوتا ہے بلکہ یہ اداء سنت واجب کا سبب بھی ہے۔

بیمار کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ جانے کے حکم سے اہل بدعت مستثنیٰ ہیں۔ یعنی روافض وغیرہ کی نہ تو عیادت کی جائے اور نہ ان کے جنازہ کے ساتھ جایا جائے۔

"دعوت قبول کرنے" سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی مدد کے لئے بلائے تو اس کی درخواست قبول کی جائے اور اس کی مدد کی جائے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ "دعوت قبول کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مہمانداری اور ضیافت کے لئے مدعو کرے تو اس کی دعوت کو قبول کر کے اس کی طرف سے دی گئی ضیافت میں شرکت کی جائے بشرطیکہ ضیافت کسی بھی حیثیت سے ایسی نہ ہو جس میں شرکت گناہ کا باعث ہو جیسا کہ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو ضیافت محض از راہ مفاخرت اور نام و نمود کی خاطر ہو اس میں شرکت نہ کی جائے چنانچہ سلف یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور پہلے زمانہ کے علماء کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ ایسی ضیافت کو ناپسند کرتے تھے۔

"چھینکنے والے کا جواب دینے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر چھینکنے والا "الحمد للہ" کہے تو اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہا جائے شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اسلام کے ان تمام حقوق کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے خواہ نیک مسلمان ہوں یا بد۔ یعنی ایسے مسلمان ہوں جو گنہگار تو ہوں مگر مبتدع (بدعتی) نہ ہوں اس احتیاط اور امتیاز کو مدنظر رکھا جائے کہ بشاشت یعنی خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور مصافحہ

کرنا صرف نیک مسلمان ہی کے ساتھ مختص ہونا چاہئے فاجر یعنی ایسے بد اور گنہگار مسلمان کے ساتھ جو علی الاعلان معصیت وگناہ میں مبتلا رہتا ہے بشاشت ومصافحہ ضروری نہیں ہے۔

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔اور قاضی جنازہ میں جاسکتا ہے مریض کی عیادت کے لیے بھی جائے گا مگر وہاں دیر تک نہ ٹھہرے نہ وہاں اہل مقدمہ کو کلام کا موقع دے۔(فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

مدعی اور مدعی علیہ دونوں سے برابر سلوک کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمان (عدالتی ضابطہ) جاری فرمایا کہ مدعی اور مدعاعلیہ دونوں حاکم کے روبرو بیٹھیں۔"(احمد، وابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 908)

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ قاضی (حاکم عدالت) کے لئے اس سے دشوار اور سخت ترین مرحلہ کوئی نہیں ہے کہ جب اس کے سامنے مقدمہ پیش ہوتو وہ دونوں فریق یعنی مدعاعلیہ کے درمیان پوری برابری رکھے۔

اور قاضی کے پاس جب مدعی ومدعی علیہ دونوں فریق مقدمہ حاضر ہوں تو دونوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے، نظر کرے تو دونوں کی طرف نظر کرے، بات کرے تو دونوں سے کرے، ایسا نہ کرے کہ ایک کی طرف مخاطب ہو دوسرے سے بے توجہی رکھے ، اگر ایک سے بکشادہ پیشانی بات کرے تو دوسرے سے بھی کرے، دونوں کو ایک قسم کی جگہ دے، یہ نہ ہو کہ ایک کو کرسی دے اور دوسرے کو کھڑا رکھے یا فرش پر بٹھائے، اُن میں کسی سے سرگوشی نہ کرے، نہ ایک کی طرف ہاتھ یا سر یا ابرو سے اشارہ کرے، نہ ہنس کر کسی سے بات کرے۔اجلاس میں ہنسی مذاق نہ کرے، نہ ان دونوں سے، نہ کسی اور سے۔علاوہ کچہری کے بھی کثرت مزاح سے پرہیز کرے۔دونوں فریق میں سے ایک کی طرف دل جھکتا ہے، اور قاضی کا جی چاہتا ہے کہ یہ اپنے ثبوت ودلائل اچھی طرح پیش کرے تو یہ جرم نہیں کہ دل کا میلان اختیاری چیز نہیں ہاں جو چیزیں اختیاری ہوں اُن میں اگر یکساں معاملہ نہ کرے تو بے شک مجرم ہے۔(فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

نفقہ زوجہ کے سبب شوہر کو قید کرنے کا بیان

وَيُحْبَسُ الرَّجُلُ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ وَلَا يُحْبَسُ وَالِدٌ فِي دَيْنِ وَلَدِهِ وَيُحْبَسُ إِذَا امْتَنَعَ مِنَ الْإِنْفَاقِ عَلَيْهِ وَيَجُوزُ قَضَاءُ الْمَرْأَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ

ترجمہ

اور بیوی کے نفقہ یعنی خرچہ واخراجات وغیرہ کے معاملے میں شوہر کو بھی قید کردیا جائے گا۔البتہ باپ کو بیٹے کے قرض میں قید نہیں کیا جائے گا۔مگر جب وہ بیٹا اپنے باپ پر خرچ نہ کرتا ہو تو اس صورت میں اسے بھی قید کردیا جائے گا۔حدود وقصاص کے علاوہ باقی ہر معاملہ میں عورت کا قاضی ہونا بھی جائز ہے۔

عورتوں کے لئے قاضی بننے میں مذاہب اربعہ

ایسے تمام مناصب جن میں ہر کس وناکس کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی ضرورت پیش آتی ہے، شریعتِ اسلامی نے ان کی ذمہ داری مردوں پر عائد کی ہے، اور عورتوں کو اس سے سبکدوش رکھا ہے۔

انہی ذمہ داریوں میں سے ایک جج اور قاضی بننے کی ذمہ داری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں بڑی فاضل خواتین موجود تھیں، مگر کبھی کسی خاتون کو جج اور قاضی بننے کی زحمت نہیں دی گئی، چنانچہ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ عورت کو قاضی اور جج بنانا جائز نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو کسی معاملے میں اس کا فیصلہ نافذ ہی نہیں ہوگا، امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک حدود وقصاص کے ماسوا میں اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے گا، مگر اس کو قاضی بنانا گناہ ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں ہے۔

والمرأة تقضي في غير حد وقود وان اثم المولّي لها لخبر البخاري لن يفلح قومٌ ولّوا أمرهم امرأة ۔ (شامی طبع جدید)

اور عورت حد وقصاص کے ماسوا میں فیصلہ کرسکتی ہے، اگرچہ اس کو فیصلے کے لئے مقرر کرنے والا گناہگار ہوگا، کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کردیا۔

ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کی جانب ہونے کا بیان

وَيُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي فِي الْحُقُوقِ إِذَا شَهِدَ بِهَا عِنْدَهُ فَإِنْ شَهِدُوا عَلَى خَصْمٍ حُكِمَ بِالشَّهَادَةِ وَكُتِبَ بِحُكْمِهِ وَإِنْ شَهِدُوا بِغَيْرِ حَضْرَةِ خَصْمٍ لَمْ يُحْكَمْ وَلَا يَقْبَلُ الْكِتَابَ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ وَيَجِبُ أَنْ يَقْرَأَهُ عَلَيْهِمْ لِيَعْرِفُوا مَا فِيهِ ثُمَّ يَخْتِمُهُ بِحَضْرَتِهِمْ وَيُسَلِّمُهُ إِلَيْهِمْ وَإِذَا وَصَلَ إِلَى الْقَاضِي لَمْ يَقْبَلْهُ إِلَّا بِحَضْرَةِ الْخَصْمِ فَإِذَا سَلَّمَهُ الشُّهُودُ إِلَيْهِ نَظَرَ إِلَى خَتْمِهِ فَإِنْ شَهِدُوا أَنَّهُ كِتَابُ فُلَانٍ الْقَاضِي سَلَّمَهُ إِلَيْنَا فِي مَجْلِسِ حُكْمِهِ وَقَرَأَهُ عَلَيْنَا وَخَتَمَهُ فَضَّهُ حِينَئِذٍ وَقَرَأَهُ عَلَى الْخَصْمِ وَأَلْزَمَهُ مَا فِيهِ وَلَا يُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ وَلَيْسَ لِلْقَاضِي أَنْ يَسْتَخْلِفَ عَلَى الْقَضَاءِ إِلَّا أَنْ يُفَوَّضَ إِلَيْهِ ذَلِكَ، وَإِذَا رُفِعَ إِلَى الْقَاضِي حُكْمُ حَاكِمٍ آخَرَ أَمْضَاهُ إِلَّا أَنْ يُخَالِفَ الْكِتَابَ أَوِ السُّنَّةَ أَوِ الْإِجْمَاعَ أَوْ يَكُونَ قَوْلًا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ، وَلَا يَقْضِي الْقَاضِي عَلَى غَائِبٍ إِلَّا أَنْ يَحْضُرَ مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ

ترجمہ

ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام تمام حقوق میں قبول کرلیا جائے گا۔ جب وہ اس کے اوپر خط کی گواہی دے۔ اب

جب اس نے مدعیٰ علیہ کی موجودگی میں گواہی دی۔ تو وہ اس گواہی پر اپنا حکم جاری کر دے گا۔ اور اپنے حکم کو تحریر بھی کر دے گا۔ جب مدعیٰ علیہ کی عدم موجودگی میں گواہی دی تو پھر وہ حکم جاری نہیں کرے گا۔ بلکہ گواہی تحریر کر دے گا۔ تا کہ جس قاضی کی طرف اسے لکھا گیا ہے اس پر حکم جاری کر سکے۔ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کے بغیر خط قبول نہیں کیا جائے گا۔ پھر وہ مہر لگا کر کے اسے ان کے حوالے کر دے گا اور جب یہ خط قاضی کے پاس پہنچے گا تو وہ اسے مدعیٰ علیہ کی موجودگی کے بغیر قبول نہیں کرے گا۔ جب گواہ وہ خط قاضی کو دے دیں گے۔ تو اس کی مہر دیکھے گا پس جب وہ گواہی دے دیں گے کہ یہ خط فلاں قاضی نے اپنی مجلس قضاۃ میں ہمیں دیا تھا۔ اور ہمارے سامنے اسے پڑھا بھی تھا۔ اور اس پر مہر بھی لگائی تھی۔ تو اب قاضی اسے کھول کر کے مدعیٰ علیہ کے سامنے پڑھے گا۔ اور جو اس میں ہوگا وہ اس پر لازم کر دے گا۔ البتہ حدود اور قصاص میں ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام قبول نہیں کیا جائے گا۔ عہدۂ قضاۃ پر کسی قاضی کے لئے اپنا کوئی نائب مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر صرف اس صورت میں کہ جب اسے یہ سونپ دیا گیا ہو۔ اس وقت وہ ایسا کر سکتا ہے۔ جب قاضی کے پاس کسی حاکم کا حکم فیصلے کے لئے لایا جائے تو وہ اسے بحال کر دے گا۔

لیکن جب وہ کتاب وسنت یا اجماع کے خلاف ہوگا یا وہ حکم کوئی ایسا قول ہوگا جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ تو اس صورت میں وہ اسے بحال نہیں کرے گا۔ اور قاضی کسی غائب آدمی پر اس کے قائم مقام کی موجودگی کے بغیر کوئی حکم جاری نہیں کرے گا۔

لکھنے کی اہمیت کا بیان

لکھنے کے فوائد ہیں کہ اس سے انصاف کے تقاضے پورے ہونگے، گواہی بھی درست رہے گی (کہ گواہ اگر فوت ہو جائے) یا غائب ہو جائے تو اس صورت میں تحریر کام آئے گی، اور شک وشبہ سے بھی فریقین محفوظ رہیں گے۔ شک پڑنے کی صورت میں تحریر دیکھ کر شک دور کیا جا سکتا ہے۔

یہ وہ خرید وفروخت ہے جس میں ادھار ہو یا سودا طے ہو جانے کے بعد بھی انحراف کا خطرہ ہو ورنہ اس سے پہلے نقد سودے کو لکھنے سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے بعض نے بیع سے مکان دکان، باغ یا حیوانات کی بیع مراد لی ہے۔ ان کو نقصان پہنچانا یہ ہے کہ دور دراز کے علاقے میں ان کو بلایا جائے کہ جس سے ان کی مصروفیات میں حرج یا کاروبار میں نقصان ہو یا ان کو جھوٹی بات لکھنے یا اس کی گواہی دینے پر مجبور کیا جائے۔

شرعی معاملات میں ایک قاضی کو دوسرے قاضی کو خط لکھنے کا بیان

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ فلاں شخص کا خط ہے۔ اور کون سی گواہی اس مقدمہ میں جائز ہے اور کون سی ناجائز اور حاکم جو اپنے نائبوں کو پروانے لکھے۔ اسی طرح ایک ملک کا قاضی دوسرے ملک کے قاضی کو، اس کا بیان اور بعض لوگوں نے کہا حاکم جو پروانے اپنے نائبوں کو لکھے ان پر عمل ہو سکتا ہے۔ مگر حدود شرعیہ میں نہیں ہو سکتا (کیوں کہ ڈر ہے کہ پروانہ جعلی نہ ہو) پھر خود ہی کہتے ہیں کہ قتل خطا میں پروانے پر عمل ہو سکتا ہے کیوں کہ وہ اس کی رائے پر مثل مالی دعووں کے ہے حالانکہ قتل خطا مالی

دعووں کی طرح نہیں ہے بلکہ ثبوت کے بعد اس کی سزا مالی ہوتی ہے تو قتل خطا اور عمد دونوں کا حکم ایک رہنا چاہئے۔ (دونوں میں پروانے کا اعتبار نہ ہونا چاہئے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملوں کو حدود میں پروانے لکھے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز نے دانت توڑنے کے مقدمہ میں پروانہ لکھا اور ابراہیم نخعی نے کہا ایک قاضی دوسرے قاضی کے خط پر عمل کرلے جب اس کی مہر اور خط کو پہچانتا ہو تو یہ جائز ہے اور شعبی مہری خط کو جو ایک قاضی کی طرف سے آئے جائز رکھتے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور معاویہ بن عبدالکریم ثقفی نے کہا میں عبدالملک بن یعلیٰ (بصرہ کے قاضی) اور ایاس بن معاویہ (بصریٰ کے قاضی) اور حسن بصری اور ثمامہ بن عبداللہ بن انس اور بلال بن ابی بردہ (بصریٰ کے قاضی) اور عبداللہ بن بریدہ (مرو کے قاضی) اور عامر بن عبیدہ (کوفہ کے قاضی) اور عباد بن منصور (بصریٰ کے قاضی) ان سب سے ملا ہوں۔ یہ سب ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام بغیر گواہوں کے منظور کرتے۔ اگر فریق ثانی جس کو اس خط سے ضرر ہوتا ہے یوں کہے کہ یہ خط جعلی ہے تو اس کو حکم دیں گے کہ اچھا اس کا ثبوت دے اور قاضی کے خط پر سب سے پہلے ابن ابی لیلیٰ (کوفہ کے قاضی) اور سوار بن عبداللہ (بصریٰ کے قاضی) نے گواہی چاہی اور ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے کہا، ہم سے عبیداللہ بن محرز نے بیان کیا کہ میں نے موسیٰ بن انس بصری کے پاس اس مدعی پر گواہ پیش کئے کہ فلاں شخص پر میرا اتنا حق آتا ہے اور وہ کوفہ میں ہے پھر میں ان کا خط لے کر قاسم بن عبدالرحمٰن کوفہ کے قاضی کے پاس آیا۔ انہوں نے اس کو منظور کیا اور امام حسن بصری اور ابوقلابہ نے کہا وصیت نامہ پر اس وقت تک گواہی کرنا مکروہ ہے جب تک اس کا مضمون نہ سمجھ لے ایسا نہ ہو وہ ظلم اور خلاف شرع ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو خط بھیجا کہ یا تو اس شخص (یعنی عبداللہ بن سہل) مقتول کی دیت دو جو تمہاری بستی میں مارا گیا ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور زہری نے کہا اگر عورت پردے کی آڑ میں ہو اور آواز وغیرہ سے تو اسے پہچانتا ہو تو اس پر گواہی دے سکتا ہے ورنہ نہیں۔ (بخاری رقم الحدیث، ۷۱۶۲)

اعیان منقولہ میں قبول خط پر فقہی مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اعیان منقولہ میں خط کو قبول نہ کیا جائے گا جس طرح گدھا، کپڑا اور غلام ہیں۔ کیونکہ ان میں اشارہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حکمی خط تو غلام میں بھی قبول کرلیا جاتا ہے جبکہ باندی میں نہیں اس لئے غلام میں بھاگ جانے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے جبکہ باندی میں اندیشہ نہیں ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ قاضی کا خط ان سب چیزوں میں قبول کرلیا جائے گا جو منتقل ہونے والی اور پھر جانے والی ہیں اور متاخر فقہاء مشائخ کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے۔

حضرت امام مالک، امام احمد اور ایک قول کے مطابق امام شافعی علیہم الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

(فتح القدیر، ج ۱۶، ص ۳۸۸، بیروت)

دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دینے کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کہ دو عورتوں کو ایک عورت کے قائم مقام کرنا عورت کے نقصان کے سبب ہے، جیسے صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو صدقہ کرو اور بکثرت استغفار کرتی رہو، میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی، ایک عورت نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل دین کی کمی کے، مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں دین کی عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔ گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں۔

حضرت امام شافعی کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے، گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہئے۔ دو عورتیں مقرر ہونے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ اگر ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے کی فتذکر کی دوسری قرأت فتذکر بھی ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر شہادت مرد کے کر دے گی انہوں نے مکلف کیا ہے، صحیح بات پہلی ہی ہے۔

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ پر گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہئے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے، یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں، کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ خاموش نہ رہے،

چنانچہ حضرت ابو مجلز مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ بننے کے لئے بلائے جاؤ تو تمہیں اختیار ہے خواہ گواہ بننا پسند کرو یا نہ کرو یا نہ جاؤ لیکن جب گواہ ہو چکو پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا، صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں،

بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی، اور روایت میں آیا ہے کہ ان سے گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے تو یاد رہے (مذمت جھوٹی گواہی دینے والوں کی اور تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے) اور یہی ان مختلف احادیث میں تطبیق ہے،

حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں آیت دونوں حالتوں پر شامل ہے، یعنی گواہی دینے کے لئے بھی اور گواہ رہنے کے لئے

بھی انکار نہ کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے کسمساؤ نہیں بلکہ مدت وغیرہ بھی لکھ لیا کرو۔ ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور بغیر شک وشبہ فیصلہ ہوسکتا ہے۔ پھر فرمایا جبکہ نقد خرید وفروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں، لہٰذا کتابت کی شرط تو ہٹالی گئی، اب رہی شہادت تو سعید بن میتب تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو، ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کرلیا کرو، دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ (آیت فان امن الخ،) فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا، یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید وفروخت کی جبکہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا،

چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ذرا جلد نکل آئے اور وہ آہستہ آہستہ آرہا تھا، لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے، انہوں نے قیمت لگانی شروع کی یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے، اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر کہا حضرت یا تو گھوڑا اسی وقت نقد دے کر لے لو یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر رکے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلط کہتا ہے، میرے تیرے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے، اب لوگ ادھر اُدھر سے بیچ میں بولنے لگے، اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لایئے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا، مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بدبخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے پیغمبر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے، لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو، اتنے میں حضرت خزیمہ آگئے اور اعرابی کے اس قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے، حضرت خزیمہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج سے حضرت خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔ پس اس حدیث سے خرید وفروخت پر گواہی دو گواہوں کی ضروری نہ رہی، لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی دو گواہ ہوں، کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی، ایک تو وہ کہ جس کے گھر بداخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے، دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت کے پہلے اسے سونپ دے، تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے،

امام حاکم اسے شرط بخاری ومسلم پر صحیح بتلاتے ہیں، بخاری مسلم اس لئے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ اشعری پر موقوف بتاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ کاتب کا چاہئے کہ جو لکھا گیا وہی لکھے اور گواہ کو چاہئے کہ واقعہ کیخلاف گواہی نہ دے اور گواہی کو چھپائے، حسن قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے ابن عباس یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے

مثلاً انہیں بلانے کے لئے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر، بقرہ ۲۸۲)

ایک گواہی وقسم سے فیصلہ کرنے میں مذاہب اربعہ

اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم نے (ایک قضیہ میں) ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ صادر فرمایا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 888)

حدیث کا ظاہری مفہوم یہ بتاتا ہے کہ اگر مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کر سکے تو اس (مدعی) سے دوسرے گواہ کے بدلے ایک قسم لے لی جائے اور اس قسم کو ایک گواہ کا قائم مقام قرار دے کر اس کا دعویٰ تسلیم کرلیا جائے چنانچہ حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد تینوں کا یہی مسلک ہے۔

لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے جس طرح قرآن کریم سے ثابت ہے، اور چونکہ قرآن کے حکم کو خبر واحد کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے اس روایت کی بناء پر ایسے مسلک کی بنیاد صحیح نہیں ہوسکتی جو قرآن کے حکم کے منافی ہو درآنحالیکہ اس رویت کے بارے میں یہ احتمال بھی ہے جب مدعی اپنا دعویٰ لے کر آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم کی خدمت میں آیا ہو اور وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں صرف ایک گواہ پیش کرسکا ہو تو چونکہ وہ اپنے ثبوت شہادت کی تکمیل نہ کرسکا اور آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم نے صرف ایک گواہ کے وجود کے وجود کا اعتبار نہیں کیا اس لئے مدعا علیہ کو قسم کھانے کا حکم دیا مدعا علیہ کے قسم کھانے کے بعد آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم نے اس قضیہ کا فیصلہ دیا۔ اسی کو راوی نے "ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ دینے سے تعبیر کیا۔

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ ائمہ کا یہ اختلاف بھی اس صورت میں ہے جب کہ قضیہ کا تعلق کسی مالی دعویٰ سے ہو اگر دعویٰ کا تعلق مال کے علاوہ کسی اور معاملہ سے ہو تو اس صورت میں متفقہ طور پر تمام ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ گواہ اور قسم (یعنی مدعی) کی طرف سے مثلاً ایک گواہ پیش کرنے اور ایک قسم کھانے کا اعتبار نہ کیا جائے۔

غائب شخص کے خلاف فیصلہ نہ کرنے کا بیان

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاضی کے لیے یہ درست نہیں کہ غائب کے خلاف فیصلہ کرے خواہ وہ شہادت کے وقت غائب ہو یا بعد شہادت و بعد تزکیہ شہود غائب ہوا ہو چاہے وہ مجلس قاضی سے غائب ہو یا شہر ہی میں نہ ہو یہ اُس وقت ہے کہ حق کا ثبوت گواہوں سے ہوا ہو۔ اور اگر خود مدعی علیہ نے حق کا اقرار کرلیا ہو تو اس صورت میں فیصلہ کے وقت اُس کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ اور جب مدعی علیہ غائب ہے مگر اُس کا نائب حاضر ہے نائب کی موجودگی میں فیصلہ کرنا درست ہے اگرچہ مدعی علیہ کی عدم موجودگی میں ہو مثلاً اُس کا وکیل موجود ہے تو فیصلہ صحیح ہے کہ یہ حقیقۃً اُس کا نائب ہے یا مدعی علیہ مرگیا ہے مگر اُس کا وصی موجود ہے یا نابالغ مدعی علیہ ہے اور اُس کے ولی مثلاً باپ یا دادا کی موجودگی میں فیصلہ ہوا یا وقف کا متولی کہ یہ واقف کا قائم مقام ہے اس کی موجودگی میں فیصلہ درست ہے۔ (ردمختار، کتاب قضاء)

حدود وقصاص میں قاضی کے خط کے قبول نہ ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور حدود وقصاص میں ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کی جانب قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں بدلیت کا شبہہ ہے پس یہ شہادت علی شہادت کی طرح ہو جائے گا۔ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے جبکہ ان کے دوسرے قول کے مطابق قبول کیا جائے گا اور یہ مذہب امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کا ہے ان ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ شہادت پر اعتماد کرتے ہیں۔ (فتح القدیر، ج ١٦، ص ٤٠٧، بیروت)

قضاء قاضی کے ظاہراً وباطناً نفاذ کی شرطیں

قضاء قاضی کے ظاہراً وباطناً نفاذ کی کچھ شرطیں بھی ہیں اور اسی طرح اُسے مطلق اور آزاد نہیں چھوڑا گیا ہے کہ جس معاملے میں جو شخص چاہے۔ جو بھی دعویٰ کر دیا اور جھوٹے گواہ پیش کر دے تو اس کے تعلق سے قضاء قاضی کا ظاہراً وباطناً نفاذ ہوگا۔ قضاء قاضی کے ظاہراً وباطناً نفاذ کی شرطیں یہ ہیں۔

اولا

قاضی کا وہ فیصلہ عقود یا فسوخ سے متعلق ہو یعنی کا دعویٰ کا عقد ہو، مثلا یہ دعویٰ کہ میں نے اس سے نکاح کیا تھا یا فسخ کا دعویٰ ہو۔ مثلا کوئی عورت دعویٰ کرے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ لہٰذا اگر عقود وفسوخ کا دعویٰ نہ ہو تو قضاء قاضی باطناً نافذ نہیں ہوگی۔

ثانیا

املاک مرسلہ کا دعویٰ نہ ہو۔ املاک مرسلہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے بارے میں اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے لیکن ملکیت میں آنے کا سبب بیان نہ کرے ایسی املاک کا املاک مرسلہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص املاک مرسلہ کا دعویٰ کرے اور قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دے تو قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہوگی باطناً نافذ نہیں ہوگی۔

ثالثاً

معاملہ انشاء کا احتمال رکھتا ہو۔ یعنی اس بات کا احتمال ہو کہ وہ عقد اب قائم کر دیا جائے۔ مثلاً نکاح اور اگر وہ معاملہ انشاء کا احتمال نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا۔ باطناً نافذ نہ ہوگا مثلاً میراث کا دعویٰ۔ میراث ایک مرتبہ ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس میں دوبارہ انشاء کا احتمال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ مکان مجھے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا اور مدعی علیہ انکار کر دے اور مدعی اس پر جھوٹا بینہ پیش کر دے اور قاضی اس بینہ کے مطابق مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نافذ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ میراث کے اندر انشاء ممکن نہیں ہے۔

رابعا

وہ معاملہ "" محل قابل للعقد "" ہو یعنی اگر اس محل میں ہی عقد قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ نہ ظاہرا نافذ ہوگا اور نہ باطنا۔ مثلاً کوئی شخص کسی محرم عورت کے بارے میں دعویٰ کرے کہ یہ میری منکوحہ ہے۔ تو اس صورت میں اگر وہ مدعی گواہ پیش کردے اور قاضی فیصلہ بھی کردے تب بھی اس کا فیصلہ ظاہرا اور باطنا کسی طرح بھی نافذ نہیں ہوگا کیونکہ محل قابل للعقد ہی نہیں ہے۔

خامسا: قاضی نے فیصلہ بینہ کی بنیاد پر یا مدعی کے نکول عن الیمین کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو۔ تب قاضی کا فیصلہ باطنا نافذ ہوگا۔ لیکن اگر قاضی نے مدعی علیہ کی یمین کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہو تو اس صورت مین قاضی کا فیصلہ ظاہرا نافذ ہوگا۔ باطنا نہیں۔ بہر حال ان مذکورہ شرائط کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک قضاء قاضی ظاہرا و باطنا نافذ ہوگا۔

کسی شخص نے کسی عورت کے خلاف منکوحہ ہونے کا دعویٰ کر دیا اور قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا تو آپ کہتے ہیں کہ یہ عورت ظاہرا تو اس کی منکوحہ ہے لیکن باطنا اس کی منکوحہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں نکاح نہیں ہوا اور عورت پر واجب ہے کہ اس فیصلے کے بعد وہ اس شخص کو اپنے اوپر قدرت نہ دے اس لئے کہ حقیقت میں وہ اس کی منکوحہ نہیں ہے اور اگر وہ عورت اس شخص کو اپنے اوپر قدرت دیتی ہے اور حق زوجیت ادا کرنے کی اجازت دیتی ہے تو وہ خود گناہ گار ہوتی ہے اور اگر حق زوجیت ادا کرنے نہیں دیتی تو شوہر کو قاضی کی حمایت حاصل ہے۔ اس لئے کہ شوہر جا کر قاضی کی عدالت میں یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہ عورت حق زوجیت ادا کرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ اب قاضی شوہر کے حق میں ہی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر وہ عورت شوہر کے پاس سے بھاگ جاتی ہے تو قاضی اس کو پکڑوا کر دوبارہ شوہر کے پاس بھیج دے گا۔ اس طرح وہ عورت ایک عذاب میں مبتلا ہو جائے گی اور اس کے پاس مخلصی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اگر شوہر نے اس سے زبردستی وطی کر لی اور بچہ پیدا ہو گیا تو آپ کہیں گے کہ وہ بچہ ظاہرا ثابت النسب ہے حقیقتا ثابت النسب نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر میں وہ اپنے باپ کا وارث ہے باطنا وارث نہیں۔ اور اسی حالت میں جب کہ وہ عورت اس مدعی کے پاس تھی اگر اس عورت نے کسی اور سے نکاح کر لیا تو اس صورت میں قاضی اس کو زانیہ قرار دے گا اور اس کا وہ نکاح زنا میں شمار ہوگا۔ لیکن باطنا وہ نکاح درست ہے اور اس دوسرے شوہر سے اگر اس کے بچے ہو گئے تو وہ بچے ظاہرا ثابت النسب نہیں اور باطنا ثابت النسب ہیں۔

یہی معاملہ وراثت وغیرہ کا بھی ہوگا۔ آپ کہیں گے کہ ایک بچہ ظاہرا وارث ہے اور دوسرا باطنا وارث ہے۔

شیخ ظاہر الکوثری نے بھی اس مسئلہ پر تانیب الخطیب میں اچھا کلام کیا ہے۔ لیکن تفصیل کے خوف سے اس کو نظر انداز کرتا ہوں۔ یہ ساری باتیں مولانا تقی عثمانی کے درس ترمذی سے مستفاد ہیں۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیلی کلام میں نے مولانا تقی عثمانی کا ہی دیکھا ہے جو نہایت عام فہم بھی ہے۔ آگے بھی کچھ باتیں مولانا تقی عثمانی صاحب کے حوالہ سے بیان کی جائیں گی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ظاہراً و باطناً قاضی کے نفاذ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو جھوٹا دعویٰ اور جھوٹے پیش کرنے کا گناہ نہیں ہوگا بلکہ سخت گناہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز کا ملکیت میں آنا الگ چیز ہے اور اس ملکیت سے استفادہ الگ شے ہے۔ قضاء قاضی کی بناء پر وہ عورت مدعی کی منکوحہ تو بن جائے گی لیکن کیا اس سے مدعی کے لئے استفادہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہوگا۔ تو امام صاحب کے نقطہ نظر اور قواعد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس کے لئے قضاء قاضی کی بناء پر منکوحہ بننے والی خاتون سے استمتاع جائز نہیں ہے۔ اس کی مثالیں یہ ہیں۔

ایک شخص نے بیع فاسد کے ذریعہ ایک جاریہ خریدی اور اس بیع کے نتیجہ میں اس شخص کی ملکیت ثابت ہوگئی اور وہ محل ملک میں آ گیا لیکن انتفاع کرنا اس جاریہ سے حلال نہیں بلکہ اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ بیع کو فسخ کرے اور از سر نو صحیح طریقے سے بیع کرے تب اس جاریہ سے انتفاع کرنا حلال ہوگا۔

اسی طرح کوئی عورت کسی کی بیوی ہے اور صحیح طور پر بیوی ہے لیکن حالت حیض میں ہے اس صورت میں بھی محل "مملوک" ہے لیکن اس حالت میں انتفاع حلال نہیں۔ یہی صورت حالت احرام وحج کی ہے۔

لہٰذا جب حنفیہ کہتے ہیں کہ قضاء قاضی باطناً نافذ ہوگی تو اس کے معنی یہی ہیں کہ محل مملوک ہو گیا اور محل مملوک ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بچہ ثابت النسب ہوگا اور اس شخص پر حد زنا جاری نہیں ہوگی لیکن اس شخص کے لئے انتفاع حلال نہیں اس لئے کہ اس نے یہ ملکیت خبیث طریقہ سے حاصل کیا ہے۔ اور جو چیز خبیث کسب سے ملکیت میں آئے اس سے انتفاع بھی طیب نہیں ہوگا۔

غائب پر فیصلہ کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فرمایا: قاضی کسی غائب پر فیصلہ نہ کرے مگر جب اس کا قائم مقام موجود ہو جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک غائب پر فیصلہ کرنا جائز ہے کیونکہ دلیل موجود ہے اور وہ گواہی ہے پس حق ظاہر ہو گیا ہے اور یہی مذہب امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہی پر عمل کرنا خصومت کو ختم کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اور انکار کے بغیر خصومت ختم نہ ہوگی اور انکار پایا نہیں جا رہا۔ کیونکہ خصم کی جانب سے اقرار اور انکار دونوں کا احتمال ہے پس قضاء مشتبہ ہو جائے گی کیونکہ ان دونوں کے احکام مختلف ہیں۔ (فتح القدیر، ج ۱۶، ص ۳۳۲، بیروت)

فیصلہ کروانے کے لئے ثالث بنانے کا بیان

وَإِذَا حَكَّمَ رَجُلَانِ رَجُلًا لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا وَرَضِيَا بِحُكْمِهِ جَازَ إِذَا كَانَ الْمُحَكَّمُ بِصِفَةِ الْحَاكِمِ وَلَا يَجُوزُ تَحْكِيمُ الْكَافِرِ وَالْعَبْدِ الذِّمِّيِّ وَالْمَحْدُودِ فِي قَذْفٍ وَالْفَاسِقِ وَالصَّبِيِّ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ

الْمُحَكَّمَيْنِ أَنْ يَرْجِعَ مَا لَمْ يَحْكُمْ عَلَيْهِمَا فَإِذَا حَكَمَ لَزِمَهُمَا وَإِذَا رُفِعَ ذَٰلِكَ الْحُكْمُ إِلَى الْقَاضِي فَوَافَقَ مَذْهَبَهُ أَمْضَاهُ وَإِنْ خَالَفَهُ أَبْطَلَهُ وَلَا يَجُوزُ التَّحْكِيمُ فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ وَإِذَا حَكَّمَا فِي دَمِ الْخَطَأِ فَقَضَى الْحَاكِمُ بِالدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ لَمْ يَنْفُذْ حُكْمُهُ وَحُكْمُ الْحَاكِمِ لِأَبَوَيْهِ وَوَلَدِهِ وَزَوْجَتِهِ بَاطِلٌ وَيَجُوزُ أَنْ يَسْمَعَ الْبَيِّنَةَ وَيَقْضِيَ بِالنُّكُولِ،

ترجمہ

اور جب دو آدمی کسی کو اپنے درمیان فیصلہ کرنے والا چن لیں اور اس کے فیصلے پر راضی ہو جائیں تو یہ جائز ہے۔ مگر اس وقت جب یہ سب حاکم کے طریقے پر ہی ہو۔ کافر ذمی غلام زناء کی تہمت میں سزا پانے والے کو فاسق (نافرمان) اور بچے کو اپنے درمیان فیصلہ کرنے والا بنانا جائز نہیں ہے۔ اور فیصلہ کرنے والا بنانے والوں میں سے ہر فیصلہ کرنے والے کے لئے ان پر کوئی حکم جاری نہ ہونے سے قبل اپنے فیصلے سے رجوع کر لینا جائز ہے۔ جب اس نے حکم کر دیا۔ تو ان پر اس کا حکم لازم ہو جائے گا۔ جب اس کا حکم قاضی کے پاس لایا جائے گا۔ جب تو وہ اس کے مذہب کے مطابق ہوگا۔ تو وہ اسے بحال کر دے گا۔ جب مذہب کے خلاف ہوگا تو وہ اسے باطل کر دے گا۔ حدود اور قصاص میں کسی کو اپنا فیصلہ کرنے والا بنانا جائز نہیں۔ جب کسی کو اپنے درمیان دم خطاء میں فیصلہ کرنے والا بنالیا اور اس نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ اور فیصلہ کرنے والے کے لئے دلیل کو سننا جائز ہے اور انکار کرنے پر وہ فیصلہ کر دے گا۔ اور حاکم کا اپنے ماں باپ اولاد اور بیوی کے لئے حکم جاری کرنا باطل ہے۔

تحکیم کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تحکیم کے معنی حَکَم بنانا یعنی فریقین اپنے معاملہ میں کسی کو اس لیے مقرر کریں کہ وہ فیصلہ کرے، اور نزاع کو دور کر دے اسی کو پنچ اور ثالث بھی کہتے ہیں۔ تحکیم کا رکن ایجاب و قبول ہے یعنی فریقین یہ کہیں کہ ہم نے فلاں کو حکم بنایا اور حکم قبول کرے اور اگر حکم نے قبول نہ کیا پھر فیصلہ کر دیا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا ہاں اگر انکار کے بعد پھر فریقین نے اُس سے کہا اور اب قبول کر لیا تو حکم ہو گیا۔ (درمختار، کتاب قضاء)

تحکیم کے شرعی ماخذ کا بیان

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا (النساء، 35)

اور اگر تم کو میاں بی بی کے جھگڑے کا خوف ہو، تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا، بیشک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔

(کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور تم دیکھو کہ سمجھانا، علیحدہ سونا، مارنا کچھ بھی کارآمد نہ ہوا اور دونوں کی نااتفاقی رفع نہ ہوئی۔ کیونکہ اقارب اپنے رشتہ داروں کے خانگی حالات سے واقف ہوتے ہیں اور زوجین کے درمیان موافقت کی خواہش بھی رکھتے ہیں اور فریقین کو ان پر اطمینان بھی ہوتا ہے اور ان سے اپنے دل کی بات کہنے میں تامل بھی نہیں ہوتا ہے۔ جانتا ہے کہ زوجین میں ظالم کون ہے۔ پنچوں کو زوجین میں تفریق کردینے کا اختیار نہیں۔ (خزائن العرفان، نساء، ۳۵)

تحکیم کے بارے میں فقہی تصریحات

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ اس صورت کو بیان فرمایا کہ اگر نافرمانی اور کج بحثی عورتوں کی جانب سے ہو اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے؟ پس علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم وزیادتی کس طرح سے ہے؟ اس ظالم کو ظلم سے روکے، اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصب مقرر کردے اور دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کردیں یعنی خواہ الگ کرادیں خواہ میل ملاپ کرا دیں لیکن شارع نے تو اسی امر کی طرف ترغیب دلائی ہے کہ جہاں تک ہوسکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔

اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی بہت ہو تو اس کی عورت کو اس سے الگ کرلیں اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر دونوں پنچ اس امر پر متفق ہوں گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہیں اور اس فیصلہ کے بعد ایک کا انتقال ہوگیا تو جو راضی تھا وہ اس کی جائیداد کا وارث بنے گا لیکن جو ناراض تھا اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا (ابن جریر)

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منصف مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل ملاپ کرنا چاہو تو میل ملاپ ہوگا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ عقیل بن ابو طالب نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ نے نکاح کیا تو اس نے کہا تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ یہ فرماتے تیری بائیں جانب جہنم میں اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کرلیتیں ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور واقعہ بیان کیا خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا پنچ مقرر کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تو فرماتے تھے ان دونوں میں علیحدگی کرادی جائے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بنو عبد مناف میں یہ علیحدگی میں ناپسند کرتا ہوں، اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل رضی اللہ عنہا کے گھر آئے دیکھا تو دروازہ بند۔

اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں یہ دونوں لوٹ گئے

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے لوگ بھی، علی رضی اللہ عنہ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور انہیں منصف مقرر کر دیا پھر دونوں پنچوں سے کہا جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اتفاق کرا دو اور اگر چاہو تو الگ الگ کرا دو یہ سن کر عورت نے تو کہا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو جدائی کی صورت میں مرد کہنے لگا مجھے جدائی نا منظور ہے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں اللہ کی قسم تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

منصفین کے اختیار میں مذاہب اربعہ

پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں،

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے بھی یہی قول مروی ہے، ہاں احمد ابوثور اور داؤد کا بھی یہی مذہب ہے ان کی دلیل (اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا) 4۔النسآء:35) والا جملہ ہے کہ ان میں تفریق کا ذکر نہیں، ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بیشک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا اس میں کسی کو پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے چاہے ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کو بنائے ہوئے وکیل ہوں گے، جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش یا ناخوش بہر صورت اس کا فیصلہ قطعی ہوگا آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں،

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا نیا قول یہ بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، لیکن مخالف گروہ کہتا ہے کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خاوند کو کیوں فرماتے؟ کہ جس طرح عورت نے دونوں صورتوں کو ماننے کا اقرار کیا ہے اور اسی طرح تو بھی نہ مانے تو تو جھوٹا ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

(تفسیر ابن کثیر، نساء ۳۵)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فریقین کا عاقل ہونا شرط ہے۔ حریت و اسلام شرط نہیں یعنی غلام اور کافر کو بھی کسی کا حکم بنا سکتے ہیں۔ حکم کے لیے ضروری ہے کہ وقت تحکیم و وقت فیصلہ وہ اہل شہادت سے ہو فرض کرو جس وقت اُس کو حکم بنایا اہل

شہادت سے نہ تھا مثلاً غلام تھا اور وقت فیصلہ آزاد ہو چکا ہے اس کا فیصلہ درست نہیں یا مسلمانوں نے کافر کو حکم بنایا اور وہ فیصلہ کے وقت مسلمان ہو چکا ہے اس کا فیصلہ نافذ نہیں۔ اور ذمیوں نے ذمی کو حکم بنایا یہ تحکیم صحیح ہے اگر حکم فیصلہ کے وقت مسلمان ہو گیا ہے جب بھی فیصلہ صحیح ہے۔ اور اگر فریقین میں سے کوئی مسلمان ہو گیا اور حکم کافر ہے تو فیصلہ صحیح نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

حکم ایسے کو بنائیں جس کو طرفین جانتے ہوں اور اگر ایسے کو حکم بنایا جو معلوم نہ ہو مثلاً جو شخص پہلے مسجد میں آئے وہ حکم ہے یہ تحکیم ناجائز اور اس کا فیصلہ کرنا بھی درست نہیں۔ (درمختار، کتاب قضاء)

جس کو پنچ بنایا ہے وہ بیمار ہو گیا یا بیہوش ہو گیا یا سفر میں چلا گیا پھر اچھا ہو گیا یا ہوش میں ہو گیا یا سفر سے واپس ہوا اور فیصلہ کیا یہ فیصلہ صحیح ہے۔ اور اگر اندھا ہو گیا پھر بینائی واپس ہوئی اس کا فیصلہ جائز نہیں۔ اور اگر مرتد ہو گیا پھر اسلام لایا اس کا فیصلہ بھی ناجائز ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

قاضی کے مذہب کے خلاف ثالث کا فیصلہ

حکم نے جو فیصلہ کیا اُس کا مرافعہ قاضی کے پاس ہوا اگر یہ فیصلہ قاضی کے مذہب کے موافق ہو تو اسے نافذ کر دے اور مذہب قاضی کے خلاف ہو تو باطل کر دے اور قاضی کا فیصلہ اگر دوسرے قاضی کے پاس پیش ہوا تو اگر چہ اس کے مذہب کے خلاف ہے اختلافی مسائل میں قاضی اول کے فیصلہ کو باطل نہیں کر سکتا جبکہ قاضی اول نے اپنے مذہب کے موافق فیصلہ کیا ہو۔ اسی طرح قاضی نے اگر حکم کے فیصلہ کا امضا کر دیا تو اب دوسرا قاضی اس فیصلہ کو نہیں توڑ سکتا کہ یہ تنہا حکم کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ قاضی کا بھی ہے۔

(درر الاحکام، کتاب قضاء)

فریقین نے حکم بنایا پھر فیصلہ کرنے کے قبل قاضی نے اُس کے حکم ہونے کو جائز کر دیا اور حکم نے رائے قاضی کے خلاف فیصلہ کیا یہ فیصلہ جائز نہیں جبکہ قاضی کو اپنا قائم مقام بنانے کی اجازت نہ ہو اور اگر اُسے نائب و خلیفہ مقرر کرنے کی اجازت ہے اور اُس نے حکم ہونے کو جائز رکھا تو اگر چہ حکم کا فیصلہ رائے قاضی کے خلاف ہو قاضی اس فیصلہ کو نہیں توڑ سکتا۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

*

•••———•••———•••

كِتَابُ الْقِسْمَةِ

﴿یہ کتاب تقسیم کے بیان میں ہے﴾

کتاب تقسیم کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے کتاب ادب قاضی کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد مملکت میں ملکی اداروں اور ان کے عملہ کی تنخواہوں کی تقسیم اور دیگر امور کی تقسیم کے احکام کو بیان کیا ہے کیونکہ یہ امور بھی انصاف طلب اور عدالت سے بھی متعلق ہوتے ہیں لہٰذا ان کو کتاب ادب قاضی کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

تقسیم کرنے کا بیان

يَنْبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يُنَصِّبَ قَاسِمًا يَرْزُقُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِيَقْسِمَ بَيْنَ النَّاسِ بِغَيْرِ أَجْرٍ فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ نَصَّبَ قَاسِمًا يَقْسِمُ بِالْأَجْرِ وَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَدْلًا مَأْمُونًا عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ وَلَا يُجْبِرُ الْقَاضِي النَّاسَ عَلَى قَاسِمٍ وَاحِدٍ وَلَا يَتْرُكُ الْقُسَّامَ يَشْتَرِكُونَ وَأُجْرَةُ الْقِسْمَةِ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ عَلَى قَدْرِ الْأَنْصِبَاءِ وَإِذَا حَضَرَ الشُّرَكَاءُ عِنْدَ الْقَاضِي وَفِي أَيْدِيهِمْ دَارٌ أَوْ ضَيْعَةٌ ادَّعَوْا أَنَّهُمْ وَرِثُوهَا عَنْ فُلَانٍ لَمْ يَقْسِمْهَا الْقَاضِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حَتَّى يُقِيمُوا الْبَيِّنَةَ عَلَى مَوْتِهِ وَعَدَدِ وَرَثَتِهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَقْسِمُهَا بِاعْتِرَافِهِمْ وَيَذْكُرُ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ أَنَّهُ قَسَمَهَا بِقَوْلِهِمْ،

ترجمہ

حاکم کو تقسیم کرنے کے لئے ایک آدمی مقرر کرنا چاہئے۔ جس کی تنخواہ وہ بیت المال سے دے گا۔ تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اجرت کے بغیر تقسیم کا کام سرانجام دے۔ جب حاکم یہ نہ کر سکے تو اجرت لے کر تقسیم کرنے والا آدمی ہی مقرر کر دے گا۔ اور اس تقسیم کار کے لئے انصاف پسند، امانت دار اور معاملات تقسیم کو جاننے والا ہونا ضروری ہے۔ اور قاضی لوگوں کو ایک ہی تقسیم کرنے والے پر (راضی رہنے پر) مجبور نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی وہ مشترکہ طور پر تقسیم کرنے والے چھوڑے گا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقسیم کرنے کی مزدوری حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے ہوگی۔ جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حصوں کے حساب سے ہوگی۔ جب کسی میراث میں شریک لوگ قاضی کے پاس آئیں اور ان کے قبضہ میں مکان یا زمین ہو اور وہ دعویدار ہوں کہ ہم

فلاں کی طرف سے اس کے وارث ہیں۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے فوت ہونے پر اور اس کے ورثاء کی تعداد پر ان کے دلیل قائم کر دینے تک اس مکان یا زمین کو ان کے درمیان تقسیم نہیں کرائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقسیم کرا دے گا۔ اور تقسیم کے رجسٹر میں لکھ دے گا۔ کہ ان کے کہنے پر تقسیم کرائی ہے۔

مشترکہ مال کی وراثت میں تقسیم کا بیان

وَإِذَا كَانَ الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ مِمَّا سِوَى الْعَقَارِ ادَّعَوْا أَنَّهُمْ وَرِثُوهُ قَسَمَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا وَإِنْ ادَّعَوْا فِي الْعَقَارِ أَنَّهُمْ اشْتَرَوْهُ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ وَإِنْ ادَّعَوْا الْمِلْكَ وَلَمْ يَذْكُرُوا كَيْفَ انْتَقَلَ إِلَيْهِمْ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ بِاعْتِرَافِهِمْ وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيبِهِ قَسَمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمْ يَنْتَفِعُ وَالْآخَرُ يَتَضَرَّرُ لِقِلَّةِ نَصِيبِهِ فَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيرِ قَسَمَ وَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِيلِ لَمْ يَقْسِمْ وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَتَضَرَّرُ لَمْ يَقْسِمْ إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا وَيَقْسِمُ الْعُرُوضَ إِذَا كَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ وَلَا يَقْسِمُ الْجِنْسَانِ بَعْضُهُمَا فِي بَعْضٍ إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا يَقْسِمُ الرَّقِيقَ وَلَا الْجَوَاهِرَ،

ترجمہ

اگر زمین کے علاوہ کوئی مشترکہ مال ہو اور وہ اس کے میراث ہونے کا دعویٰ کریں۔ تو قاضی اسے سب کے قول کے مطابق تقسیم کرا دے گا۔ جب زمین کے بارے دعویدار ہوں۔ کہ یہ ہم نے خریدی ہے تو اسے بھی ان کے درمیان تقسیم کرا دے گا۔ جب وہ اس کی ملک کا دعویٰ کریں جبکہ نہ بھی بتائیں کہ یہ ان کے پاس کیسے آئی۔ پھر وہ اسے ان کے درمیان تقسیم کرا دے گا۔

جب شرکاء میں سے ہر ایک اپنے حصے سے نفع حاصل کر سکتا ہو۔ تو ایک کے مطالبہ پر بھی تقسیم کر دی جائے گی۔ جب ایک نفع اٹھا سکتا ہو مگر دوسرے کا اپنے حصے کی کمی کی وجہ سے نقصان ہوتا ہو۔ تو جب زائد حصے والا مطالبہ کرے تب تو تقسیم کر دی جائے گی لیکن جب کم حصے والا مطالبہ کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔ جب سب کا نقصان ہوتا ہو تو ان سب کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کرے گا۔

سامان کی اقسام

جب ایک ہی قسم کا سامان ہوگا تو تقسیم کر دے گا۔ لیکن جب دو قسم کا سامان ہو تو اس کے بعض کو بعض میں ان کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کرے گا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک غلاموں اور جواہر کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غلاموں کو تقسیم کر دیا جائے گا۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں تنازعہ ہوا (کہ ان دونوں میں سے ہر ایک

اس جانور کو اپنی ملکیت کہتا تھا) اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قسم کھانے پر قرعہ ڈال لو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ قسم کھا کر کہے کہ یہ جانور میرا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 898)

حمام و پن چکی کی عدم تقسیم کا بیان

وَلَا يُقْسَمُ حَمَّامٌ وَلَا بِئْرٌ وَلَا رَحًا إِلَّا أَنْ يَتَرَاضَى الشُّرَكَاءُ وَإِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَفَاةِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِي أَيْدِيهِمْ وَمَعَهُمْ وَارِثٌ غَائِبٌ قَسَمَهَا الْقَاضِي بِطَلَبِ الْحَاضِرِينَ وَنَصَبَ لِلْغَائِبِ وَكِيلًا يَقْبِضُ نَصِيبَهُ وَإِذَا كَانُوا مُشْتَرِينَ لَمْ يُقْسِمْ مَعَ غَيْبَةِ أَحَدِهِمْ وَإِنْ كَانَ الْعَقَارُ فِي يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ أَوْ شَيْءٌ مِنْهُ لَمْ يُقْسِمْ وَإِنْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ لَمْ يُقْسِمْ وَإِذَا كَانَتْ دُورٌ مُشْتَرَكَةٌ فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ قُسِمَتْ كُلُّ دَارٍ عَلَى حِدَتِهَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: إِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ لَهُمْ قِسْمَةَ بَعْضِهَا فِي بَعْضٍ قَسَمَهَا وَإِذَا كَانَتْ دَارٌ وَضَيْعَةٌ أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ قَسَمَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى حِدَتِهِ

ترجمہ

حمام، کنویں اور پن چکی کو تمام شرکاء کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ جب قاضی کے پاس دو وارث حاضر ہو۔ پس وہ وفات پر اور تعداد ورثاء پر دلیل قائم کر دیں۔ اور مکان ان کے قبضے میں ہو اور ان کے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی شریک ہو جو فی الوقت موجود نہ ہو۔ تو قاضی ان حاضر دو ورثاء کے مطالبے پر اسے تقسیم کر دے گا۔ اور غائب آدمی کی طرف سے ایک شخص کو وکیل مقرر کر دے گا۔ جو اس کے حصے پر قبضہ کر لے گا۔ جب کوئی زمین جو وارث موجود نہ ہو اس کے قبضے میں ہو یا اس کا کچھ حصہ ہی اس کے قبضے میں ہو۔ تو بھی قاضی اسے ان کے درمیان تقسیم نہیں کرے گا۔ اس صورت میں جبکہ ایک وارث حاضر ہو تو بھی تقسیم نہیں کرے گا۔ جب ایک شہر میں کچھ مشترکہ مکان ہوں تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائے گا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب ان کے لئے بعض کو بعض میں تقسیم کرنا بہتر ہو فائدہ بخش ہو۔ تو ایسے ہی تقسیم کر دے گا۔ جب مکان اور زمین ہو یا مکان اور دکان ہو تو ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کرے گا۔

تقسیم کرنے کے طریقے کا بیان

وَيَنْبَغِي لِلْقَاسِمِ أَنْ يُصَوِّرَ مَا يَقْسِمُهُ وَيُعَدِّلَهُ وَيَذْرَعَهُ وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيبٍ عَنِ الثَّانِي بِطَرِيقِهِ وَشِرْبِهِ حَتَّى لَا يَكُونَ لِنَصِيبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيبِ الْآخَرِ تَعَلُّقٌ ثُمَّ يَكْتُبُ أَسْمَاءَهُمْ وَيَجْعَلُهَا قُرْعَةً ثُمَّ يُلَقِّبُ نَصِيبًا بِالْأَوَّلِ وَالَّذِي يَلِيهِ بِالثَّانِي وَالَّذِي يَلِيهِ بِالثَّالِثِ وَعَلَى هَذَا ثُمَّ يُخْرِجُ الْقُرْعَةَ فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا فَلَهُ السَّهْمُ الْأَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ السَّهْمُ الثَّانِي وَلَا يُدْخِلُ فِي الْقِسْمَةِ

الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ إِلَّا بِتَرَاضِيهِمْ فَإِنْ قَسَمَ بَيْنَهُمْ وَلِأَحَدِهِمْ مَسِيلٌ فِي مِلْكِ الْآخَرِ أَوْ طَرِيقٌ وَلَمْ يَشْتَرِطْ فِي الْقِسْمَةِ فَإِنْ أَمْكَنَ صَرْفُ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ عَنْهُ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَطْرِقَ وَيُسَيِّلَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فُسِخَتْ الْقِسْمَةُ

ترجمہ

تقسیم کرنے والے کو چاہئے کہ جس چیز کی تقسیم کی جانے لگی ہو اس کا نقشہ تیار کر لے اور اسے برابر کر کے اس کی پیائش کرے۔ اور عمارت کی قیمت لگالے اور ہر ایک کا حصہ اس کے راستے اور پانی کی نالی کے باقی کے حصوں سے علیحدہ کردے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے حصے کا دوسروں کے حصوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہے۔ ان کے نام لکھ کر کے قرعہ بنالے۔ ایک کے حصے کو اول کے نام کے ساتھ ڈالے۔ اس کے برابر والے کے حصے کو ثانی کے نام اور اس کے برابر والے کے حصے کو ثالث کے نام کے ساتھ ڈال دے۔ پھر قرعہ اندازی کرے گا۔ جس کے نام اول کا قرعہ نکلے گا اس کا پہلا حصہ ہوگا۔ اور یونہی جس کے نام ثانی کا قرعہ نکلے گا اس کا دوسرا حصہ ہوگا۔ اور درہم اور دینار ان کی رضامندی کے بغیر تقسیم میں داخل نہیں ہوں گے۔ اب جب مکان کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ اس دوران کسی کی نالی یا کسی کا راستہ دوسرے کی ملک میں واقع ہوگیا۔ حالانکہ تقسیم کرنے میں اس بات کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی تھی۔ اب جب راستے یا نالی کو اس کی طرف سے ہٹالینا ممکن ہو۔ تو اس کے لئے دوسرے کے حصے میں راستہ یا نالی نکالنا جائز نہیں ہوگا۔ جب ایسا ممکن نہ ہو تو یہ تقسیم ہی فسخ ہو جائے گی۔

کئی منزلہ مکان کی تقسیم کا بیان

وَإِنْ كَانَ سُفْلٌ لَا عُلْوَ لَهُ وَعُلْوٌ لَا سُفْلَ لَهُ وَسُفْلٌ لَهُ عُلْوٌ قَوَّمَ كُلَّ وَاحِدٍ عَلَى حِدَتِهِ وَقَسَمَ بِالْقِيمَةِ وَلَا يَعْتَبِرُ بِغَيْرِ ذَلِكَ وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَقَاسِمُونَ فَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا وَإِنْ ادَّعَى أَحَدُهُمَا الْغَلَطَ وَزَعَمَ أَنَّهُ أَصَابَهُ شَيْءٌ فِي يَدِ صَاحِبِهِ وَقَدْ أَشْهَدَ عَلَى نَفْسِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ لَمْ يُصَدَّقْ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَإِنْ قَالَ : اسْتَوْفَيْتُ حَقِّي ثُمَّ قَالَ : أَخَذْتُ بَعْضَهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ خَصْمِهِ مَعَ يَمِينِهِ وَإِنْ قَالَ : أَصَابَنِي إِلَى مَوْضِعِ كَذَا وَلَمْ يُسَلِّمْهُ إِلَيَّ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى نَفْسِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ وَكَذَّبَهُ شَرِيكُهُ تَحَالَفَا وَفُسِخَتْ الْقِسْمَةُ وَإِذَا اسْتَحَقَّ بَعْضُ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ لَمْ تُفْسَخْ الْقِسْمَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيَرْجِعُ بِحِصَّةِ ذَلِكَ مِنْ نَصِيبِ شَرِيكِهِ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ تُفْسَخُ ،

ترجمہ

جب کوئی ایسا نچلا مکان ہو۔ جس پر بالا خانہ نہ ہو یا کوئی ایسا بالا خانہ ہو جس کے ساتھ کوئی نچلا مکان نہ ہو۔ یا نچلا مکان اور بالا خانہ دونوں ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ قیمت لگا کر ہی انہیں تقسیم کیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ کا کوئی اعتبار

نہیں کیا جائے گا۔ جب تقسیم کرانے والے کا اختلاف ہو جائے اور تقسیم کرنے والے اس بات کی گواہی بھی دیں تو ان کی بات قبول کر لی جائے گی۔ جب ان میں سے ایک تقسیم میں خطاء کا دعویدار ہو اور کہے کہ میرا کچھ حصہ کسی اور کے قبضے میں ہے۔ حالانکہ اس نے خود اپنا حصہ وصول کر لینے کا بھی اقرار کر لیا ہو تو دلیل کے علاوہ اس کی بات کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ جب کہے کہ میں نے اپنا حصہ لے لیا ہے۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے اپنے حصے میں سے کچھ لیا ہے۔ تو اس کے مدمقابل سے قسم لیتے ہوئے اس کی بات کا ہی اعتبار کیا جائے گا۔ جب وہ کہے کہ میرا حصہ تو فلاں جگہ تک پہنچتا ہے۔ اور تقسیم کارنے مجھے وہاں تک نہیں دیا۔ اور اس نے ابھی پورا حق لے لینے کا اقرار نہیں کیا تھا۔ اس کے مدمقابل نے اس کی بات کو جھوٹ قرار دے دیا۔ تو اب دونوں اقسام کھائیں گے۔ اور تقسیم فسخ ہو جائے گی۔ جب ان میں ایک خاص کے حصے کا کوئی اور مستحق قرار پا جائے۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقسیم فسخ نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ اپنے شریک کے حصے میں سے اتنے کے ساتھ رجوع کرے گا۔ یعنی اپنے شریک کے حصے میں سے اتنا ہی لے لے گا۔ جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تقسیم فسخ ہو جائے گی۔

ملکیت میں اختیار تصرف کے جواز کا قاعدہ فقہیہ

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہر شخص اپنی ملک میں جو تصرف چاہے کر سکتا ہے دوسرے کو منع کرنے کا اختیار نہیں مگر جبکہ ایسا تصرف کرے کہ اس کی وجہ سے پڑوس والے کو کھلا ہوا ضرر پہنچے تو یہ اپنے تصرف سے روک دیا جائے گا مثلاً اس کے تصرف کرنے سے پڑوس والے کی دیوار گر جائے گی یا پڑوسی کا مکان قابل انتفاع نہ رہے گا مثلاً اپنی زمین میں دیوار اُٹھا رہا ہے جس سے دوسرے کا روشندان بند ہو جائے گا اُس میں بالکل اندھیرا ہو جائے گا۔ (فتاویٰ شامی، کتاب قضاء)

کوئی شخص اپنے مکان میں تنور گاڑنا چاہتا ہے جس میں ہر وقت روٹی پکے گی جس طرح دوکانوں میں ہوتا ہے یا اجرت پر آٹا پیسنے کی چکی لگانا چاہتا ہے یا دھوبی کا پاٹا رکھوانا چاہتا ہے جس پر کپڑے دھلتے رہیں گے ان چیزوں سے منع کیا جا سکتا ہے کہ تنور کی وجہ سے ہر وقت دھواں آئے گا جو پریشان کریگا چکی اور کپڑے دھونے کی دھمک سے پڑوسی کی عمارت کمزور ہوگی اس لیے ان سے مالک مکان کو منع کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب قضاء)

اور جب کوئی شخص بالاخانہ پر کھڑکی بناتا ہے جس سے پڑوس والے کے مکان کی بے پردگی ہوگی اس سے روکا جائے گا، اسی طرح چھت پر چڑھنے سے منع کیا جائے گا جب کہ اس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہو۔ دو مکانوں کے درمیان میں پردہ کی دیوار تھی گر گئی جس کی دیوار ہے وہ بنائے اور مشترک ہو تو دونوں بنوائیں تا کہ بے پردگی دور ہو۔

ہمسائے کی مدد کے لئے تصرف میں اباحت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے پڑوسی سے اس کی دیوار پر لکڑی رکھنے کی اجازت مانگے تو وہ اسے منع نہ کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی

تو لوگوں نے اپنے سر جھکائے آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں اسے منہ پھیرتے دیکھتا ہوں اللہ کی قسم میں یہ حدیث تمہارے کندھوں پر ماروں گا۔

اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور مجمع بن جاریہ سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم سے منقول ہے کہ پڑوسی کو اپنی دیوار پر لکڑی رکھنے سے منع کرنا جائز ہے امام مالک کا یہی قول ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1378)

اور اگر اوپر کی عمارت گر چکی ہے صرف نیچے کی منزل باقی ہے اس کے مالک نے اپنی عمارت قصداً گرادی کہ بالا خانہ والا بھی بنوانے سے مجبور ہو گیا نیچے والے کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی عمارت بنوائے تاکہ بالا خانہ والا اس کے اوپر عمارت طیار کرلے اور اگر اُس نے نہیں گرائی ہے بلکہ اپنے آپ عمارت گر گئی تو بنوانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ اس نے اُس کو نقصان نہیں پہنچایا ہے بلکہ قدرتی طور پر اُسے نقصان پہنچ گیا پھر اگر بالا خانہ والا یہ چاہتا ہے کہ نیچے کی منزل بنا کر اپنی عمارت اوپر بنائے تو نیچے والے سے اجازت حاصل کرلے یا قاضی سے اجازت لے کر بنائے اور نیچے کی تعمیر میں جو کچھ صرفہ ہوگا وہ مالک مکان سے وصول کرسکتا ہے اور اگر نہ اُس سے اجازت لی نہ قاضی سے حاصل کی خود ہی بنا ڈالی تو صرفہ نہیں ملے گا بلکہ عمارت کی بنانے کے وقت جو قیمت ہوگی وہ وصول کرسکتا ہے۔ (درمختار، کتاب قضاء)

قبضہ کے سبب حصہ پانے کا بیان

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا (یعنی ہر ایک نے کہا۔ اونٹ میرا ہے) اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں) دو دو گواہ پیش کئے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔" (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت نیز نسائی وابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا۔"

(ابوداؤد)

اس اونٹ کو ان دونوں میں آدھوں آدھ تقسیم کر دیا۔" کے بارے میں خطابی کہتے ہیں کہ شاید وہ اونٹ دونوں کے قبضے میں ہوگا۔ اور ملا علی قاری کہتے ہیں کہ۔ یا وہ اونٹ کسی ایسے تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہوگا جو اس اونٹ کے بارے میں ان دونوں سے کوئی تنازعہ رکھتا تھا۔ پہلی روایت میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ دونوں مدعی اپنے اپنے گواہ رکھتے تھے جب کہ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے؟ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ دونوں روایتوں میں مذکورہ قضیے الگ الگ ہوں، اور یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہ رکھتا ہوں اور دوسری روایت میں حقیقت حکم کا بیان ہے کہ جب دونوں نے گواہ پیش کئے تو دونوں کی گواہیاں باہم متعارض ہونے کی بنا پر ساقط قرار پائیں لہٰذا وہ دونوں ہی ایسے دو مدعیوں کی مانند

ہوئے جو گواہ نہ رکھتے ہوں۔ اس اعتبار سے "ان دونوں میں کسی کے پاس گواہ نہیں تھے۔" کے معنی یہ ہونگے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس بھی اس طرح کے گواہ نہیں تھے جن کو دوسرے کے گواہوں پر ترجیح دی جا سکتی ہو۔

"اس اونٹ کو ان دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا" کے بارے میں ابن ملک کہتے ہیں کہ یہ ارشاد گرامی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر دو آدمی کسی ایک چیز کی ملکیت کا دعویٰ کریں اور ان میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا ان میں سے ہر ایک کے پاس گواہ ہوں اور وہ چیز دونوں کے قبضے میں ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے بھی قبضے میں نہ ہوں تو اس چیز کو ان دونوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا جائے۔

•••———•••———•••

كِتَابُ الْإِكْرَاهِ

﴿یہ کتاب اکراہ کے بیان میں ہے﴾

کتاب اکراہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قسمت اور اکراہ ان دونوں میں تغیر وتبدیلی واقع ہوتی ہے۔قسمت کے حکم میں اسفل کی جانب سے اعلیٰ کے لئے مال کی اباحت ثابت ہو جاتی ہے جبکہ پہلے وہی مال حرام تھا۔اور اکراہ میں مجبور شخص کی عدم پسند اور رضامندی نہ ہونے کی وجہ سے تبدیلی ہو جاتی ہے۔پس دونوں کے ایک ساتھ بیان کیا اور ان میں قسمت کو تقدم اس سبب سے حاصل ہے وہ موالات کے عقد میں مشروع ہے۔اور اس کو اچھا بھی سمجھا جاتا ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۱۳،ص ۱۵۰، بیروت)

اکراہ کے شرعی ماخذ کا بیان

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ .(النحل،۱۰۶)

جو ایمان لا کر اللہ کا منکر ہو سوا اس کے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا عذاب ہے۔(کنز الایمان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ پہلی آیت کے درمیان جن لوگوں کا استثناء کیا ہے یعنی وہ جن پر جبر کیا جائے اور ان کے دل ایمان پر جمے ہوئے ہوں، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بہ سبب مار پیٹ اور ایذاؤں کے مجبور ہو کر زبان سے مشرکوں کی موافقت کریں لیکن ان کا دل وہ نہ کہتا ہو بلکہ دل میں اللہ پر اور اس کے رسول پر کامل اطمینان کے ساتھ پورا ایمان ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے جب کہ آپ کو مشرکین نے عذاب کرنا شروع کیا جب تک کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہ کریں۔پس بادل ناخواستہ مجبوراً اور کرھاً آپ نے ان کی موافقت کی، پھر اللہ کے نبی کے پاس آ کر عذر بیان کرنے لگے۔پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

شعبی، قتادہ اور ابو مالک بھی یہی کہتے ہیں۔ابن جریر میں ہے کہ مشرکوں نے آپ کو پکڑا اور عذاب دینے شروع کئے، یہاں تک کہ آپ ان کے ارادوں کے قریب ہو گئے۔پھر حضور علیہ السلام کے پاس آ کر اس کی شکایت کرنے لگے تو آپ نے پوچھا تم اپنے دل کا حال کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے، جما ہوا ہے۔آپ نے فرمایا اگر وہ پھر لوٹیں تو تم بھی لوٹنا۔

بیہقی میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے ہے اس میں ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے کیا پھر آپ کے پاس آ کر اپنا یہ دکھ بیان کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے اذیت دینا ختم نہیں کیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہہ لیا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے نہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ ایمان پر مطمئن۔ فرمایا اگر وہ پھر کریں تو تم بھی پھر کر لینا۔ اسی پر یہ آیت اتری۔

پس علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جس پر جبر و کراہ کیا جائے، اسے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے ان کی موافقت کرلے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی ان کی نہ مانے جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھایا کہ مشرکوں کی ایک نہ مانی حالانکہ وہ انہیں بدترین تکلیفیں دیتے تھے یہاں تک کہ سخت گرمیوں میں پوری تیز دھوپ میں آپ کو لٹا کر آپ کے سینے پر بھاری وزنی پتھر رکھ دیا کہ اب بھی شرک کرو تو نجات پاؤ لیکن آپ نے پھر بھی ان کی نہ مانی صاف انکار کر دیا اور اللہ کی توحید احد احد کے لفظ پتھر رکھ دیا کہ اب بھی رشک کرو تو نجات پاؤ لیکن آپ نے پھر بھی ان کی نہ مانی صاف انکار کر دیا اور اللہ کی توحید احد احد کے لفظ سے بیان فرماتے رہے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ "واللہ اگر اس سے بھی زیادہ تمہیں چبھنے والا کوئی لفظ میرے علم میں ہوتا تو میں وہی کہتا اللہ ان سے راضی رہے اور انہیں بھی ہمیشہ راضی رکھے۔" اسی طرح حضرت حبیب بن زیاد انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب ان سے مسیلمہ کذاب نے کہا کہ کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا میرے رسول اللہ ہونے کی بھی گواہی دیتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں نہیں سنتا۔ اس پر اس جھوٹے مدعی نبوت نے ان کے جسم کے ایک عضو کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا پھر یہی سوال جواب ہوا۔ دوسرا عضو جسم کٹ گیا یونہی ہوتا رہا لیکن آپ آخر دم تک اسی پر قائم رہے، اللہ آپ سے خوش ہو اور آپ کو بھی خوش رکھے۔

مسند احمد میں ہے کہ جو چند لوگ مرتد ہو گئے تھے، انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلوا دیا، جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذاب سے تم عذاب نہ کرو۔ ہاں بیشک میں انہیں قتل کرا دیتا۔ اس لئے کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا ابن عباس کی ماں پر افسوس۔ اسے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے بھی وارد کیا ہے۔

مسند میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ جواب ملا کہ یہ ایک یہودی تھا، پھر مسلمان ہو گیا اب پھر یہودی ہو گیا ہے۔ ہم تقریباً دو ماہ سے اسے اسلام پر لانے کی کوشش میں ہیں، تو آپ نے فرمایا واللہ میں بیٹھوں گا بھی نہیں جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو۔ یہی فیصلہ ہے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو اپنے دین سے لوٹ جائے اسے قتل کر دو یا فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی ہے لیکن الفاظ اور ہیں۔ پس افضل و اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین پر قائم اور ثابت قدم رہے گو

اسے قتل بھی کر دیا جائے۔

چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن حذافہ سہمی صحابی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ آپ کو رومی کفار نے قید کرلیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دیا، اس نے آپ سے کہا کہ تم نصرانی بن جاؤ میں تمہیں اپنے راج پاٹ میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی شہزادی تمہاری نکاح میں دیتا ہوں۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو کیا اگر تو اپنی تمام بادشاہت مجھے دے دے اور تمام عرب کا راج بھی مجھے سونپ دے اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دین محمد سے پھر جاؤں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ تجھے اختیار ہے چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا اور تیر اندازوں نے قریب سے بحکم بادشاہ ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم چھیدنا شروع کیا بار بار کہا جاتا تھا کہ اب بھی نصرانیت قبول کرلو اور آپ پورے استقلال اور صبر سے فرماتے جاتے تھے کہ ہرگز نہیں آخر بادشاہ نے کہا اسے سولی سے اتارلو، پھر حکم دیا کہ پیتل کی دیگ یا پیتل کی کی بنی ہوئی گائے خوب تپا کر آگ بنا کرلائی جائے۔ چنانچہ وہ پیش ہوئی بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کی بابت حکم دیا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلمان قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا وہ مسکین اسی وقت چرمر ہو کر رہ گئے۔ گوشت پوست جل گیا ہڈیاں چمکنے لگیں، رضی اللہ عنہ۔ پھر بادشاہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دیکھو اب بھی ہماری مان لو اور ہمارا مذہب قبول کرلو، ورنہ اسی آگ کی دیگ میں اسی طرح تمہیں بھی ڈال کر جلا دیا جائے گا۔ آپ نے پھر بھی اپنے ایمانی جوش سے کام لیکر فرمایا کہ ناممکن کہ میں اللہ کے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں چرخی پر چڑھا کر اس میں ڈال دو، جب یہ اس آگ کی دیگ میں ڈالے جانے کے لئے چرخی پر اٹھائے گئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں، اسی وقت اس نے حکم دیا کہ رک جاؤ انہیں اپنے پاس بلالیا، اس لئے کہ اسے امید بندھ گئی تھی کہ شاید اس عذاب کو دیکھ کر اب اس کے خیالات پلٹ گئے ہیں میری مان لے گا اور میرا مذہب قبول کر کے میرا داماد بن کر میری سلطنت کا ساجھی بن جائے گا لیکن بادشاہ کی یہ تمنا اور یہ خیال محض بے فائدہ نکلا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں صرف اس وجہ سے رویا تھا کہ آج ایک ہی جان ہے جسے راہ حق میں اس عذاب کے ساتھ میں قربان کر رہا ہوں، کاش کہ میرے روئیں روئیں میں ایک ایک جان ہوتی کہ آج میں سب جانیں راہ اللہ اسی طرح ایک ایک کر کے فدا کرتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو قید خانہ میں رکھا کھانا پینا بند کر دیا، کئی دن کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اس بھوک پر بھی اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا اور اسے نہ کھانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اس حالت میں یہ میرے لئے حلال تو ہو گیا ہے لیکن میں تجھ جیسے دشمن کو اپنے بارے میں خوش ہونے کا موقعہ دینا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا اچھا تو میرے سر کا بوسہ لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھ کے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیتا ہوں آپ نے اسے قبول فرمالیا اس کے سر کا بوسہ لے لیا اور بادشاہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اور آپ کے تمام

ساتھیوں کو چھوڑ دیا جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ یہاں سے آزاد ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا ہر مسلمان پر حق ہے کہ عبداللہ بن حذافہ (رضی اللہ عنہ) کا ماتھا چومے اور میں ابتدا کرتا ہوں یہ فرما کر پہلے آپ نے ان کے سر پر بوسہ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر نحل ۱۰۶)

مجبوری کے حکم کے ثابت ہو جانے کا بیان

اَلْإِكْرَاهُ يَثْبُتُ حُكْمُهُ إِذَا حَصَلَ مِمَّنْ يَقْدِرُ عَلَى إِيقَاعِ مَا تَوَعَّدَ بِهِ سُلْطَانًا كَانَ أَوْ لِصًّا وَإِذَا أُكْرِهَ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ مَالِهِ أَوْ عَلَى شِرَاءِ سِلْعَةٍ أَوْ عَلَى أَنْ يُقِرَّ لِرَجُلٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ أَوْ يُؤَاجِرَ دَارَهُ وَأُكْرِهَ عَلَى ذَلِكَ بِالضَّرْبِ الشَّدِيدِ أَوْ بِالْقَتْلِ أَوْ بِالْحَبْسِ فَبَاعَ أَوِ اشْتَرَى فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الْبَيْعَ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَهُ وَرَجَعَ بِالْمَبِيعِ وَإِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَقَدْ أَجَازَ الْبَيْعَ وَإِنْ كَانَ قَبَضَهُ مُكْرَهًا فَلَيْسَ بِإِجَازَةٍ وَعَلَيْهِ رَدُّهُ إِنْ كَانَ قَائِمًا فِي يَدِهِ وَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ ضَمِنَ قِيمَتَهُ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُكْرَهِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ إِنْ شَاءَ

ترجمہ

کوئی آدمی بادشاہ ہو چاہے چور ہو جس بات کی اس نے دھمکی دی ہو۔ جب وہ اس کے واقع کر دینے پر قدرت رکھنے والا ہو گا۔ تو اکراہ (مجبور کرنے) کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ جب کسی کو قید کرنے کی دھمکی دینے کے ساتھ اپنا مال بیچ دینے پر کوئی سامان خریدنے پر کسی کے لئے ایک ہزار درہم کا اعتراف کرنے پر اپنا مکان کرائے پر دینے پر قتل کرنے پر یا سخت مارنے پر مجبور کر دیا گیا۔ پس اس نے بیچ ڈالا یا خرید لیا۔ تو اسے اختیار ہو گا۔ کہ چاہے تو بیع کو جائز رکھے چاہے تو توڑ دے۔ اور مبیع واپس لے لے۔ اب جب اس نے قیمت پر خوشی خوشی قبضہ کیا ہو تو یہ ایسے ہی ہو گا جیسے اس نے مبیع اس نے مبیع کو جائز کر دیا ہے۔ جب مجبوراً قبضہ کیا تو یہ اس کی جانب سے اجازت نہ ہو گی۔ اور قیمت جب اس کے پاس ہو تو اسے واپس کرنی پڑے گی۔ جب مبیع خریدار کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے اور وہ مجبور نہ ہو تو وہ بائع کے لئے اس کی قیمت کا تاوان ادا کرے گا۔ اور جسے مجبور کیا گیا تھا وہ جب چاہے تو مجبور کرنے والے سے تاوان لے سکتا ہے۔

کسی شخص کو مردار کھانے پر مجبور کرنے کا بیان

وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَى أَنْ يَأْكُلَ الْمَيْتَةَ أَوْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ فَإِذَا أُكْرِهَ عَلَى ذَلِكَ بِضَرْبٍ أَوْ حَبْسٍ أَوْ قَيْدٍ لَمْ يَحِلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يُكْرَهَ عَلَيْهِ بِأَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ فَإِذَا خَافَ ذَلِكَ وَسِعَهُ أَنْ يُقْدِمَ عَلَى مَا أُكْرِهَ عَلَيْهِ وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ بِاللَّهِ تَعَالَى أَوْ سَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَبْسٍ أَوْ قَيْدٍ أَوْ ضَرْبٍ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ بِإِكْرَاهٍ حَتَّى يُكْرَهَ بِأَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ فَإِذَا خَافَ ذَلِكَ وَسِعَهُ أَنْ يُظْهِرَ مَا أَمَرُوهُ بِهِ فَإِذَا أَظْهَرَ ذَلِكَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ

بِالْإِيمَانِ فَلَا إِثْمَ وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى إِتْلَافِ مَالِ مُسْلِمٍ بِأَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ وَسِعَهُ أَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ وَلِصَاحِبِ الْمَالِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ وَإِنْ أُكْرِهَ بِقَتْلٍ عَلَى قَتْلِ غَيْرِهِ لَا يَسَعُهُ قَتْلُهُ بَلْ يَصْبِرُ حَتّٰى يُقْتَلَ فَإِنْ قَتَلَهُ كَانَ آثِمًا وَيُعَزَّرُ وَالْقِصَاصُ عَلَى الَّذِي أَكْرَهَهُ إِنْ كَانَ الْقَتْلُ عَمْدًا،

ترجمہ

جب کسی کو مار دینے کے دھمکی کے ساتھ مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کر دیا گیا تو اس کے لئے حلال نہیں ہوگا۔ مگر اس صورت میں خلال نہ ہوگا کہ جب اسے کسی نے ایسی دھمکی دی ہو۔ جس میں اس کی جان جانے کا خطرہ ہو۔ یا اپنے کسی عضو کے ضائع کر دیئے جانے کا خطرہ ہو۔ جب یہ خوف ہو تو پھر جائز ہوگا۔ کہ وہ جس اقدام پر مجبور کیا گیا ہے وہ کر گزرے۔ پس جب اس نے اس حد تک صبر کیا کہ جس بات کی انہوں نے اسے دھمکی دی تھی۔ انہوں نے وہ اس پر واقع کر دی مگر اس نے کھایا نہیں تو وہ گنہگار ہو گا۔ جب اسے قید کر دیئے یا مار دیئے کی دھمکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے یا نبی علیہ التحیۃ والثناء کو سبّ وشتم کرنے (برا بھلا کہنے) پر مجبور کیا جائے تو یہ اکراہ نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اسے ایسی دھمکی کے ساتھ مجبور کیا جائے۔ جس میں اس کی جان کے چلے جانے یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ جب ایسا ہو تو پھر اس کے لئے توریہ کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنا کہ جس امر کا انہوں نے اسے حکم دیا وہ وہی کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ توریہ کر رہا ہو جب وہ ایسا ظاہر کر دے گا۔ مگر اس کا دل ایمان سے مطمئن ہوگا۔ تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ جب اس نے صبر کیا۔ مگر کفر کا اظہار نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو اسے اس بات کا اجر ملے گا۔

جب اسے کسی مسلمان کا مال ضائع کرنے پر کسی ایسی دھمکی کے ساتھ مجبور کر دیا گیا جس میں اس کے جان جانے یا کوئی عضو ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کے لئے ایسا کر ڈالنا جائز ہوگا۔ اور مال کا مالک مجبور کرنے والے سے اپنے مال کا جرمانہ وصول کرے گا۔ جب قتل کی دھمکی سے ہی کسی دوسرے کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا۔ تو اس کے لئے اس آدمی کو قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ صبر کرے گا یہاں تک کہ خود اسے قتل کر دیا جائے۔ جب اس نے آگے دوسرے آدمی کا قتل کر ہی دیا تو گنہگار رہوگا۔ اور جبکہ قتل ارادۃً تھا۔ اس کا قصاص مجبور کرنے والے پر ہوگا۔

اکراہ کی اقسام کا بیان

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اکراہ کی دو قسمیں ہیں ایک تام اور اس کو مُلجی بھی کہتے دوسری ناقص اس کو غیر مُلجی بھی کہتے ہیں۔ اکراہ تام یہ ہے کہ مار ڈالنے یا عضو کاٹنے یا ضرب شدید کی دھمکی دی جائے ضرب شدید کا مطلب یہ ہے کہ جس سے جان یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً کسی سے کہتا ہے کہ یہ کام کر، ورنہ تجھے مارتے مارتے بیکار کر دوں گا۔ اکراہ ناقص یہ ہے کہ جس میں اس سے کم کی دھمکی ہو مثلاً پانچ جوتے ماروں گا یا پانچ کوڑے ماروں گا یا مکان میں بند کر دوں گا یا ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دوں گا۔ (فتاوی شامی، کتاب اکراہ، بیروت)

اکراہ کی شرائط کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اکراہ کی شرائط یہ ہیں۔(۱) مکرِہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی وہ دھمکی دیتا ہو، (۲) مکرَہ یعنی جس کو دھمکی دی گئی اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں گا تو جس کی دھمکی دے رہا ہے اسے کر گزرے گا، (۳) جس چیز کی دھمکی ہے وہ جان جانا ہے یا عضو کاٹنا ہے یا ایسا غم پیدا کرنا ہے جس کی وجہ سے وہ کام اپنی خوشی و رضامندی سے نہ ہو، (۴) جس کو دھمکی دی گئی وہ پہلے سے اس کام کو نہ کرنا چاہتا ہو اور اس کا نہ کرنا خواہ اپنے حق کی وجہ سے ہو مثلاً اس سے کہا گیا کہ تو اپنا مال ہلاک کر دے یا بیچ دے اور یہ ایسا کرنا نہیں چاہتا یا کسی دوسرے شخص کے حق کی وجہ سے اس کام کو نہیں کرنا چاہتا مثلاً فلاں شخص کا مال ہلاک کر۔ یا حق شرع کی وجہ سے ایسا نہیں کرنا چاہتا مثلاً شراب پینا، زنا کرنا۔ (درمختار، کتاب اکراہ، بیروت)

شرط سوم میں بیان کیا گیا کہ ایسا غم پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے رضامندی سے کام کرنا نہ ہو یہ اکراہ کا ادنیٰ مرتبہ ہے اور اس میں سب لوگوں کی ایک حالت نہیں ہے شریف آدمی کے لیے سخت کلامی ہی سے یہ بات پیدا ہو جائے گی اور کمینہ آدمی ہو تو جب تک اسے ضرب شدید کی نوبت نہ آئے معمولی طور پر مارنے اور گالی دینے کی بھی اسے پرواہ نہیں ہوتی۔ (درمختار، کتاب اکراہ، بیروت)

اکراہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایسا کرو ورنہ تمہارا مال لے لوں گا یا حاکم نے کہا یہ مکان میرے ہاتھ بیچ کر دو ورنہ تمہارے فریق کو دلا دوں گا۔ (فتاویٰ شامی، کتاب اکراہ، بیروت)

شراب و مردار کھانے پر مجبور کرنے کا بیان

اور جب کسی شخص کو معاذ اللہ شراب پینے یا خون پینے یا مردار کا گوشت کھانے یا سوئر کا گوشت کھانے پر اکراہ کیا گیا اگر وہ اکراہ غیر ملجی ہے یعنی حبس و ضرب کی دھمکی ہے تو ان چیزوں کا کھانا پینا جائز نہیں ہے البتہ شراب پینے میں اس صورت میں حد نہیں ماری جائے گی کہ شبہہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے اور اگر وہ اکراہ ملجی ہے یعنی قتل یا قطع عضو کی دھمکی ہے تو ان کاموں کا کرنا جائز بلکہ فرض ہے اور اگر صبر کیا ان کاموں کو نہیں کیا اور مار ڈالا گیا تو گنہگار رہا کہ شرع نے ان صورتوں میں اس کے لیے یہ چیزیں جائز کی تھیں جس طرح بھوک کی شدت اور اضطرار کی حالت میں یہ چیزیں مباح ہیں۔ ہاں اگر اس کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ اس حالت میں ان چیزوں کا استعمال شرعاً جائز ہے اور ناواقفی کی وجہ سے استعمال نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو گناہ نہیں۔ یو ہیں اگر استعمال نہ کرنے سے کفار کو غیظ و غضب میں ڈالنا مقصود ہو تو گناہ نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب اکراہ، بیروت)

ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ نکلا ٹوٹتا ہے نہ ایذاءدہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہیے مردار نہ کھائے، پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے، حضرت عباد بن شرحبیل غزی کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا

پیٹا اور میری چادر چھین لی، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کردو اور ایک وسق یا آدھا وسق غلہ اسے دے دو، (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے)

ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان سے میں کچھ کھالے لیکر نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطراب اور بیبسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے بیبسی اور اضطرار ہٹ جائے، یہ بھی مروی ہے کہ تین لقموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش ہے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کے کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو، یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

اضطراری حالت میں کلمہ کفر کہنے کی رخصت

اگر کوئی مسلمان مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر یا جان کے خطرہ کے وقت منہ سے کوئی کلمہ کفر کہہ دے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر بدستور قائم ہو تو اس بات کی رخصت ہے ورنہ اصل حکم یا عزیمت یہی ہے کہ اس وقت بھی اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے اور وہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے۔ چنانچہ دور مکی میں مسلمانوں پر قریش مکہ کی طرف سے جو مظالم وشدائد ڈھائے جاتے رہے ان میں اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عزیمت پر ہی عمل پیرا رہے۔ وہ مصائب جھیلتے رہے مگر ان کے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی حتیٰ کہ بعض صحابہ نے اپنی جانیں تک قربان کردیں۔ لے دے کے ایک مثال سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی ہمیں ملتی ہے۔ عمار رضی اللہ عنہ خود ان کے باپ یاسر اور ان کی ماں سمیہ سب ابوجہل سردار قریش مکہ کے غلام تھے۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے والد کو شہید کیا گیا اور ابوجہل لعین نے ان کی والدہ کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر انہیں شہید کردیا۔ ان حالات میں آپ نے مجبور ہو کر وہ سب کچھ کہہ دیا جو کافر آپ سے کہلوانا چاہتے تھے پھر اسی وقت آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایسے اور ایسے حالات میں آپ کو برا بھلا کہا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر کیا" آپ نے فرمایا "اپنے دل کی کیفیت بتاؤ" سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کہنے لگے "میرا دل تو پوری طرح ایمان پر مطمئن ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اچھا اگر پھر تم سے وہ ایسا ہی سلوک کریں تو تم پھر اس رخصت سے فائدہ اٹھا لینا" اسی سلسلہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (بخاری۔ کتاب الاکراہ۔ باب قول اللہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان)

یعنی جو لوگ اسلام لانے کے بعد پیش آمدہ مصائب سے گھبرا کر اپنی سابقہ کفر کی آرام طلب زندگی کو ترجیح دینے لگیں اور کسی قسم کا دنیوی نقصان بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوں اور انہیں وجوہ کی بنا پر برضاء ورغبت پھر کفر کی راہ اختیار کرلیں۔ تو ایسے لوگ فی الواقع عذاب عظیم کے مستحق ہیں۔

حضرت خبیب بن عدی کا جذبہ عشق اور تصور جان جاناں

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ جن کا ذکر "شہید کے مراتب و درجات اور حیات" کے عنوان میں پر گزرا۔ جب کہ کفار ان کو شہید کرنے کے لئے مکہ سے موضع تنعیم کی طرف لے جا رہے تھے۔ تو اثنائے راہ کفار ان سے کہنے لگے کہ اس وقت تو تمہاری خواہش یہ ہوگی کہ تمہارے بجائے اس دار پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے اور تم اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ ہوتے۔ اس پر حضرت خبیب نے فرمایا کہ "خدا کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پاؤں میں ایک کانٹا چبھے اور میں گھر میں سلامت بیٹھا رہوں۔" اس پر کفار برانگیختہ ہوئے اور آپ کے ساتھ طرح طرح کی سختیاں اور بیہودگیاں کیں اور آپ کو قتل کرنے پر آمادہ ہوئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اس سنگین ماحول میں اپنے آقا و مولیٰ، جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد اور تصور میں مستغرق تھے اور اپنے محبوب آقا کے دربار عالی میں اپنی دلی کیفیت کو پہنچانے کے لئے پروردگار عالم جل جلالہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ "اے خدا! میں اس جگہ دشمنوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں موجود نہیں جو میرا پیغام تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ اے خدا! تو ہی میرا سلام بارگاہ رسالت میں پہنچا دے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں بمقام مدینہ منورہ ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا کہ یکا یک حضور پر وحی کے آثار و علامات ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "رحمۃ اللہ علیہ" اور فرمایا کہ خبیب کو قریش نے شہید کر دیا اور یہ جبرئیل امین ہیں جو اُن کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں۔

(مدارج النبوۃ، از شیخ عبدالحق دہلوی، جلد:۲، ص:۲۴۵)

حالت مجبور والے قتل پر قصاص میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری مصری لکھتے ہیں کہ شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب ایک بندے نے کسی کو ناحق قتل کرنے پر مجبور کیا ہے اور اس نے مجبور ہو کر اس کو قتل کر دیا ہے تو مجبور کرنے والے پر قصاص کا حکم ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے سبب سے قتل ہوا ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مجبور کرنے والے اور قتل کرنے والے دونوں پر قصاص ہوگا۔ احناف کے نزدیک مجبور کرنے والے پر قصاص ہوگا اور جان کے خوف سے ڈرتے ہوئے قتل کرنے والے پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ (مذاہب اربعہ، جلد پنجم، ص ۳۵۸، اوقاف پنجاب)

طلاق پر شوہر کو مجبور کرنے کا بیان

وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى طَلَاقِ امْرَأَتِهِ أَوْ عِتْقِ عَبْدِهِ فَفَعَلَ ذَلِكَ وَقَعَ مَا أُكْرِهَ عَلَيْهِ وَيَرْجِعُ عَلَى الَّذِي أَكْرَهَهُ بِقِيمَةِ الْعَبْدِ وَيَرْجِعُ بِنِصْفِ مَهْرِ الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَ قَبْلَ الدُّخُولِ وَإِنْ أَكْرَهَهُ عَلَى الزِّنَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يُكْرِهَهُ السُّلْطَانُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا يَلْزَمُهُ الْحَدُّ وَإِذَا أُكْرِهَ عَلَى الرِّدَّةِ لَمْ تَبِنْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ ،

ترجمہ

جب اپنی بیوی کوطلاق دینے پر یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کر دیا۔ گیا پس اس نے ایسا کر دیا تو وہ کام جس پر اسے مجبور کیا گیا تھا۔ وہ واقع ہو گیا اور وہ مجبور کرنے والے سے غلام کی قیمت اور جب طلاق صحبت سے قبل دی تھی تو بیوی کا نصف حق مہر بھی لے لے گا۔ جب زناء پر مجبور کیا گیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بادشاہ کے مجبور کرنے کے علاوہ اس پر حد جاری ہوگی' واجب ہوگی۔ جب کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حد واجب نہیں ہوگی۔ جب کسی کو مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اس کی عورت بائنہ نہیں ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نکاح وطلاق وعتاق پر اکراہ ہوا یعنی دھمکی دے کر ایجاب یا قبول کرالیا یا طلاق کے الفاظ کہلوائے یا غلام کو آزاد کرایا تو یہ سب صحیح ہو جائیں گے اور غلام کی قیمت مکرِہ سے وصول کرسکتا ہے اور طلاق کی صورت میں اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو نصف مہر وصول کرسکتا ہے اور مدخولہ ہے تو کچھ نہیں۔ (درمختار، کتاب اکراہ، بیروت)

اور جب خود زوجہ نے شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کیا اور اکراہ ملجی ہے تو عورت شوہر سے کچھ نہیں لے سکتی اور غیر ملجی ہے تو نصف مہر لے سکتی ہے۔ (فتاوی شامی، کتاب اکراہ، بیروت)

جو چیز ضرورت کے تحت مباح ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی مباح قاعدہ فقہیہ

ما ابیح للضرورة یقدر بقدرها .(الاشباه والنظائر ،ص ۴۳)

جو چیز ضرورت کے تحت مباح ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی مباح ہوتی ہے۔

اس قاعدہ کا ثبوت سابقہ قاعدہ میں غیر باغ ولا عاد کہ ضرورت مند سرکشی کرنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ اگر حالت مجبوری میں جان بچانا فرض تھا اور مردار کھانا جائز ہوا تو ایسی صورت میں اس پر لازم ہے کہ وہ صرف اس قدر مردار کھائے جس سے اس کی جان بچ جائے۔ اس سے زیادہ کھانا اس کے لئے ہرگز جائز نہیں۔

اسی طرح یہ آیت مقدسہ بھی ہے۔

من كان منكم مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر .(البقره)

تم میں سے جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ (روزوں کی تعداد) دوسرے دنوں میں پوری کرے۔

اس آیت میں مریض یا مسافر کو جو رخصت ملی ہے کہ وہ شرعی رخصت ہے لہذا مریض یا مسافر حالت مرض یا سفر میں افطار کرسکتا ہے جیسے ہی وہ مرض یا سفر سے خلاصی پائے گا فوراً اس پر روزہ کی فرضیت والا حکم لوٹ آئے گا۔ کیونکہ ضروریات اتنی ہی مقدار مباح ہوتی

ہیں جس قدر ضرورت ہوتی ہے۔کیونکہ مریض کے تندرست ہونے کے بعد اس کے لئے بالکل جائز نہیں کہ وہ روزہ نہ رکھے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے جب بارش ہونے لگی تو آپ نے فرمایا: تم میں سے جس کا دل چاہے وہ اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھ لے۔(صحیح مسلم، ج۱ص ۲۴۳،قدیمی کتب خانہ کراچی)

جماعت کے بارے میں اصل یہ ہے کہ اس کو ترک کرنا منع ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے تحت اس کا ترک مباح قرار دیا لہٰذا ترک جماعت عذر شرعی کے وقت بقدر ضرورت مباح ہوگی۔

مہر معاف کروانے پر مجبور کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب شوہر نے عورت کو دھمکی دی کہ مہر معاف کردے یا ہبہ کردے ورنہ تجھے ماروں گا اس نے ہبہ کردیا یا معاف کردیا اگر شوہر اس کے مارنے پر قادر ہے تو ہبہ اور معاف کرنا صحیح نہیں اور اگر یہ دھمکی دی کہ ہبہ کر دے ورنہ طلاق دے دوں گا یا دوسرا نکاح کرلوں گا تو یہ اکراہ نہیں اس صورت میں ہبہ کرے گی تو صحیح ہوجائے گا۔

اور جب شوہر نے عورت کو اس کے باپ ماں کے یہاں جانے سے روک دیا کہ جب تک مہر نہ بخشے گی جانے نہیں دوں گا یہ بھی اکراہ کے حکم میں ہے کہ اس حالت میں بخشنا صحیح نہیں۔(درمختار، کتاب اکراہ، بیروت)

اور جب کسی نے اپنی بیوی مریضہ کو اپنے والدین کے ہاں جانے سے روکا اور کہا تو مجھے مہر ہبہ کرے تو جانے دوں گا تو بیوی نے مہر ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ یہ مجبور کی طرح ہے اور اس سے ایک درپیش مسئلہ کا جواب معلوم ہوگیا کہ بیٹی کا نکاح کردیا جب بیٹی رخصتی کے لئے تیار ہوئی تو باپ نے روک لیا اور کہا تو یہ گواہی بنادے کہ میں نے والد سے اپنی والدہ کی وراثت کا حصہ وصول کرلیا ہے۔بیٹی نے مجبوراً اپنے اقرار پر گواہ بنادئے تو بیٹی کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مجبور کی طرح تھی،اور مفتی روم ابو سعود نے یہی فتویٰ دیا مصنف نے شرح منظومہ تحفۃ الاقران میں اس کو ذکر کیا ہے۔(درمختار، کتاب اکراہ، بیروت کتاب الاکراہ)

ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے منع کرنا تا کہ مہر ہبہ کرنے پر آمادہ ہو تو یہ مجبوری ہوگی اور بیوی نے ہبہ کردیا تو باطل ہوگا،اور مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ سید امام کی ملتقط میں فقیہ ابوجعفر سے منقول ہے کہ جس نے مہر ہبہ کئے بغیر بیوی کو اس کے والدین سے روک رکھا ہو اور اس نے ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہوگا،اور اسی طرح خلاصہ اور بزازیہ میں ہے اور یونہی تاتارخانیہ میں ینابیع سے نقل کیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(فتاوی خیریہ، کتاب الاکراہ، دارالمعرفۃ بیروت)

•••———•••———•••

كِتَابُ السِّيَرِ

﴿یہ کتاب سیر کے بیان میں ہے﴾

کتاب سیر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سیر سیرت کی جمع ہے اور وہ امور میں طریقے کا نام ہے جبکہ اصطلاح شرع میں وہ طریقہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے ساتھ مغازی میں خاص ہو۔ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب سیر کتاب اکراہ پر کو مقدم کیا ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حکم کے اعتبار سے حسن لغیرہ ہے اور یہی غیر مامور بہ کے فعل کی طرف لے جانے والا ہے البتہ اکراہ کا معاملہ اکثر مسلمانوں کے ساتھ پیش آتا ہے یا خاص طور پر جس طرح بیماری کی مجبوری ہے۔ جبکہ سیر کا معاملہ کفار کے ساتھ پیش آتا ہے۔ پس مسلمانوں کی تقدیم اولیٰ ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۷، ص ۴۳۴، بیروت)

سیر کا لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

لفظ سیر جو ہے یہ سیرت کی جمع ہے اور وہ امور میں طریقے کا نام ہے جبکہ اصطلاح شرع میں وہ طریقہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے ساتھ مغازی میں خاص ہو۔

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں مغرب میں ہے۔ کہ سیرت کی اصل حالت سیر ہے لیکن شریعت کی زبان میں غزوات کے معاملات کے غلبہ کے سبب اس کو سیرت سے متعلق کر دیا گیا ہے اور یہ اسی طرح متعلق ہے جس طرح مناسک امور حج سے متعلق ہیں اور مغازی مغزات کی جمع ہے۔ اور یہ دشمن سے غزوہ کرنا قتل کے ارادے سے ہے اور اسی کو غزوہ، غزات اور مغزات کہتے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۴۳۴، بیروت)

جہاد کے لغوی واصطلاحی معنی کا بیان

امام راغب اصفہانی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جہد اور جہاد کے لغوی معنی ہیں مشقت اٹھانا اور طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا "(الجهاد استفراغ الوسع فى مدافعة العدو) ۔ جہاد کا مطلب ہے، انتہائی قوت سے حملہ آور دشمن کی مدافعت کرنا۔"

اصطلاح شریعت میں "جہاد کا مفہوم ہے۔" کفار کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں اپنی طاقت خرچ کرنا بایں طور کہ خواہ اپنی جان کو پیش کیا جائے یا اپنے مال کے ذریعہ مدد کی جائے اور خواہ اپنی عقل وتدبیر (یعنی اپنی رائے اور مشوروں کا) تعاون دیا جائے۔ یا محض اسلامی لشکر میں شامل ہو کر اس کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور یا ان کے علاوہ کسی بھی طریقے سے دشمنان اسلام کے مقابلے

میں اسلامی لشکر کی معانت وحمایت کی جائے۔ (المفردات، بتصرف)

جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش صرف کر دینا۔ یہ محض جنگ کا ہم معنی نہیں ہے۔ جنگ کے لیے تو قِتَال کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جہاد اس سے وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور اس میں ہر قسم کی جدو جہد شامل ہے۔ مجاہد وہ شخص ہے، جو ہر وقت اپنے مقصد کی دُھن میں لگا ہو، دماغ سے اس کے لیے تدبیریں سوچے، زبان وقلم سے اسی کی تبلیغ کرے، ہاتھ پاؤں سے اسی کے لیے دَوڑ دُھوپ اور محنت کرے، اپنے تمام امکانی وسائل اس کو فروغ دینے میں صَرف کر دے، اور ہر اس مزاحمت کا پُوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے جو اس راہ میں پیش آئے، حتیٰ کہ جب جان کی بازی لگانے کی ضرورت ہو تو اس میں بھی دریغ نہ کرے۔ اس کا نام ہے جہاد۔ اور جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اس غرض کے لیے کیا جائے کہ اللہ کا دین اس کی زمین پر قائم ہو اور اللہ کا کلمہ سارے کلموں پر غالب ہو جائے۔ اس کے سوا اور کوئی غرض مجاہد کے پیشِ نظر نہ ہو۔

جہاد کی فرضیت کفایہ کا بیان

اَلْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِينَ فَإِنْ لَمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيعُ النَّاسِ بِتَرْكِهِ وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ عَلَيْنَا وَإِنْ لَمْ يَبْدَءُونَا وَلَا يَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُونٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا أَقْطَعَ فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ وَجَبَ عَلَى جَمِيعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ ،

ترجمہ

جہاد ایک فرض کفایہ ہے۔ جب کچھ لوگوں نے کر لیا تو باقی لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ جب کسی نے بھی نہ کیا تو اس کے ترک سے گنہگار سبھی ہوں گے اور کفار کے ساتھ جبکہ انہوں نے ابتداء نہ بھی کی ہو ان کے ساتھ لڑنا فرض ہے۔ بچے، غلام، عورت، اندھے، اپاہج اور لولے پر جہاد واجب نہیں ہے۔ جب کسی شہر پر دشمن چڑھائی کر آئے، تو تمام مسلمانوں پر دفاع کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکلیں گے۔

احادیث کے مطابق فرضیت جہاد کا بیان

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا۔ کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا میں نے عرض کیا پھر کون سا فرمایا اپنے والدین کی خدمت کرنا میں نے عرض کیا کہ پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں پوچھا اگر میں آپ سے زیادہ پوچھتا تو آپ اور زیادہ مجھے بتا دیتے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 51)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی ہاں جہاد اور نیک نیتی کا ثواب ملتا ہے اگر تم جہاد کے لئے طلب کئے جاؤ تو فوراً کمربستہ ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 52)

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دربار رسول اللہ میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ سب لوگوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا وہ مومن جو اپنی جان سے اور اپنے مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہو، پھر صحابہ نے عرض کیا، اس کے بعد کون؟ فرمایا وہ مومن جو پہاڑ کے کسی درے میں رہتا ہو، اور وہیں خدا کی عبادت کرتا ہو، اور لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھتا ہو۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 55)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو اللہ اس شخص کو خوب پہچانتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کی مثال اس کی سی ہے جو روزانہ روزہ کر رکھتا ہو، اور تمام رات نماز پڑھتا ہو، اللہ اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ اگر اس کو موت دے گا، تو اسے جنت میں داخل کر دے گا، یا غازی بنا کر اسے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ زندہ لوٹائے گا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 56)

جہاد میں بعض لوگوں کی رخصت کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بچوں اور عورتوں پر اور غلام پر فرض نہیں۔ اسی طرح بالغ کے ماں باپ اجازت نہ دیں تو نہ جائے۔ اسی طرح اندھے اور اپاہج اور لنگڑے اور جس کے ہاتھ کٹے ہوں ان پر فرض نہیں اور مدیون کے پاس مال ہو تو دین ادا کرے اور جائے ورنہ بغیر قرض خواہ بلکہ بغیر کفیل کی اجازت کے نہیں جاسکتا۔ اور اگر دین میعادی ہو اور جانتا ہے کہ میعاد پوری ہونے سے پہلے واپس آ جائے گا تو جانا جائز ہے۔ اور شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو وہ بھی نہ جائے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں اور وہ لوگ موجود نہیں ہیں تو کسی دوسرے شخص سے کہہ دے کہ جن کی جن کی امانت ہے دیدینا تو اب جاسکتا ہے۔ (بحر الرائق، کتاب سیر، ج ۵، ص ۱۲۱)

سب پر جہاد فرض ہونے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کفار ہجوم کر آئیں تو اس وقت فرض عین ہے یہاں تک کہ عورت اور غلام پر بھی فرض ہے اور اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ عورت اپنے شوہر سے اور غلام اپنے آقا سے اجازت لے بلکہ اجازت نہ دینے کی صورت میں بھی جائیں اور شوہر و آقا پر منع کرنے کا گناہ ہوا۔ اسی طرح ماں باپ سے بھی اجازت لینے کی اور مدیون کو دائن سے اجازت کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ مریض بھی جائے ہاں جب پرانا مریض ہے کہ جانے پر قادر نہ ہو تو اس کو رخصت ہے۔

(بحر الرائق، کتاب سیر، ج ۵، ص ۱۲۱)

مسلمانوں کا دارالحرب میں داخل ہوکر جہاد کرنے کا بیان

43 43 وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُونَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوا مَدِينَةً أَوْ حِصْنًا دَعَوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوهُمْ كَفُّوا عَنْ قِتَالِهِمْ وَإِنْ امْتَنَعُوا دَعَوْهُمْ إِلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ فَإِنْ بَذَلُوهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْهِمْ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُقَاتِلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ دَعْوَةُ الْإِسْلَامِ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَدْعُوَهُمْ وَإِنْ امْتَنَعُوا قَاتَلُوهُمْ

ترجمہ

جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہوں اور کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں۔ تو وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں گے۔ جب وہ قبول کرلیں گے تو وہ انہیں قتل کرنے سے رک جائیں گے۔ جب وہ قبول نہ کریں تو پھر وہ انہیں جزیہ کی ادائیگی کی طرف دعوت دیں۔ اگر وہ ادا کرنے لگیں تو ان کے لئے وہی ہوگا جو مسلمانوں پر ہے۔ جسے دعوت اسلام نہ پہنچی ہو اسے اسلام کی دعوت دینے سے قبل اس کے ساتھ لڑنا جائز نہیں۔

انکار اسلام اور انکار جزیہ پر جنگ کرنے کا بیان

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (اگر وہ اسلام اور جزیہ قبول نہ کریں تو) تم ان سے اللہ کا نام لے کر لڑو اور جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کو قتل کر ڈالو۔ لڑو لیکن وعدہ خلافی مت کرو۔ اور نہ مال غنیمت میں چوری کرو اور نہ مثلہ کرو (مثلہ قتل کے بعد ناک کان کاٹ لینا) اور نہ بچوں کو قتل کرو۔ (سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 848)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وفات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور اہل عرب میں سے جنہیں کافر ہونا تھا وہ کافر ہو گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا تھا کہ مجھے لوگوں سے لڑنے کا حکم اس وقت تک ہوا ہے کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے قائل ہو جائیں پس جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا قائل ہو جائے گا وہ مجھ سے اپنا جان و مال بچالے گا ہاں حق پر ضرور اس کے جان و مال سے تعرض کیا جائے گا باقی اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں ضرور اس شخص سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوۃ کی فرضیت میں فرق جانتا ہے کیونکہ جس طرح نماز جسم کا حق ہے اسی طرح زکوۃ مال کا حق ہے اللہ کی قسم اگر وہ لوگ ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دیا کرتے تھے اور مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم جب میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کشادہ کر دیا ہے تو میں بھی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے۔ (صحیح مسلم: جلداول: حدیث نمبر 127)

موجود دور میں جہاد سے پہلے دعوت اسلام میں فقہی مذاہب

عطاء بن سائب، ابوبختری کہتے ہیں کہ سلمان فارسی کی قیادت میں ایک لشکر نے فارس کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا تو لوگوں نے عرض کیا اے ابوعبداللہ ان پر دھاوا نہ بول دیں۔ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا مجھے ان کو اسلام کی دعوت دے لینے دو جس طرح میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت اسلام دیتے سنا ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں تم ہی میں سے ایک فارسی آدمی ہوں تم دیکھ رہے ہو کہ عرب میری اطاعت کر رہے ہیں۔ پس اگر تم اسلام قبول کرلو تو تمہارے لیے بھی وہی کچھ ہوگا جو ہمارے لیے ہے اور تم پر بھی وہی باتیں لازم ہوں گی جو ہم پر لازم ہے اور اگر تم اپنے دین پر قائم رہو گے تو ہم تمہیں اسی پر چھوڑیں گے لیکن تمہیں ذلت قبول کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں جزیہ دینا ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ سلمان نے یہ تقریر فارسی زبان میں کی اور پھر یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ انکار کرو گے تو یہ تمہارے لیے بہتر نہیں ہے ہم تم لوگوں کو آگاہ کرنے کے بعد جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو تمہیں جزیہ دے دیں بلکہ ہم جنگ کریں گے۔ لشکر والوں (یعنی مسلمانوں) نے کہا اے ابوعبداللہ۔ کیا ہم ان سے لڑائی نہ لڑیں۔ آپ نے فرمایا نہیں راوی کہتے ہیں آپ نے وہیں تین دن تک اسی طرح اسلام کی دعوت دی پھر فرمایا جہاد کے لئے بڑھو۔ پس ہم ان کی طرف بڑھے اور وہ قلعہ فتح کرلیا۔ اس باب میں حضرت بریدہ نعمان بن مقرن، ابن عمر اور ابن عباس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ہم اس حدیث کو صرف عطاء بن سائب کی روایت سے جانتے ہیں۔ (امام ترمذی کہتے ہیں) میں نے امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابوالبختری نے حضرت سلمان کو نہیں پایا کیونکہ حضرت علی سے بھی ان کا سماع ثابت نہیں اور حضرت سلمان، حضرت علی سے پہلے فوت ہوگئے تھے۔ صحابہ کرام اور دیگر اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ لڑائی سے پہلے اسلام کی طرف بلایا جائے۔ اسحاق بن ابراہیم کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر انہیں پہلے دعوت دی جائے تو یہ اچھا ہے اور رعب کا باعث ہے۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ کہ اس دور میں دعوت اسلام کی ضرورت نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں مجھے علم نہیں کہ آج بھی کسی کو دعوت اسلام کی ضرورت ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ دشمن کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ لڑی جائے جب تک کہ وہ جلدی نہ کریں اور اگر انہیں دعوت نہ دی گئی تو انہیں پہلے ہی دعوت اسلام پہنچ چکی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1605)

حضرت ابن عون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نافع سے جنگ کے وقت مشرکین کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق لکھ کر پوچھا تو انہوں نے مجھے جواب میں لکھا کہ یہ طریقہ ابتدائے اسلام میں تھا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کیا اس حال میں کہ وہ غافل تھے اور ان کے جانور پانی پی رہے تھے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ان لوگوں کو قتل کرڈالا جو لڑنے کے قابل تھے اور باقی ماندہ لوگوں کو گرفتار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دن جویریہ بنت الحارث کو پایا (جو بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں) یہ حدیث مجھ سے عبداللہ بن عمرو نے بیان کی جو اس لشکر میں

شریک تھے۔(سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 868)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کی نماز کے وقت حملہ کیا کرتے تھے اور اذان کی طرف کان لگائے رہتے تھے اگر وہاں سے اذان کی آواز آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حملہ سے رک جاتے نہیں تو حملہ کرتے۔(سنن ابوداؤد: جلددوم: حدیث نمبر 869)

پہلے دعوت اسلام دینے کے مستحب ہونے کا بیان

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَلَا يَجِبُ ذَلِكَ فَإِنْ أَبَوْا اسْتَعَانُوا عَلَيْهِمْ بِاللَّهِ تَعَالَى وَنَصَبُوا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيقَ وَحَرَّقُوهُمْ وَأَرْسَلُوا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوا شَجَرَهُمْ وَأَفْسَدُوا زَرْعَهُمْ وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ فَإِنْ تَتَرَّسُوا بِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ بِالْأُسَارَى لَمْ يَكُفُّوا عَنْ رَمْيِهِمْ وَيَقْصِدُونَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ إِذَا كَانَ عَسْكَرٌ عَظِيمٌ يُؤْمَنُ مَعَهُمْ وَيُكْرَهُ إِخْرَاجُ ذَلِكَ فِي سَرِيَّةٍ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهَا،

ترجمہ

اور جسے اسلام دعوت پہنچ چکی ہو اسے اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے۔مگر یہ واجب نہیں ہے۔جب انہوں نے انکار کر دیا ہو تو اللہ سے مدد مانگتے ہوئے وہ ان سے لڑیں گے۔اور وہ ان پر منجنیقیں لگا دیں گے۔اور انہیں آگ میں جلا ڈالیں گے۔ان پر پانی چھوڑ دیں گے۔ان کے درخت کاٹ ڈالیں گے اور ان کی کھیتیاں، فصلیں تباہ و برباد کر دیں گے۔جبکہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا تاجر ہو تو بھی ان پر تیر برسانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جب وہ مسلمانوں کے بچوں یا قیدیوں کو ڈھال کی طرح استعمال کر رہے ہوں تب بھی وہ ان پر تیر برسانے سے نہیں رکیں گے۔البتہ وہ تیر برسانے میں مسلمانوں کا نہیں بلکہ کفار کا قصد کریں گے۔جب کوئی لشکر بہت بڑا ہو اور انہیں اس پر اطمینان ہو تو عورتوں اور قرآن مجید کو بھی ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور چھوٹے لشکر میں جس پر اطمینان نہ ہو۔اس میں انہیں لے جانا مکروہ ہے۔دشمن کے اچانک چڑھائی کر آنے کے علاوہ ہے۔

کفار کے درختوں کو کٹوانے میں فقہی مذاہب

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو نضیر کے کھجوروں کے درخت جلا دے اور کٹوا دیئے۔جو بویرا کے مقام پر تھے۔اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی،

"مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّينَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ"

(69۔الحشر:5)

(جو کھجور کے درخت آپ نے کاٹ ڈالے یا انہیں ان کی جڑوں پر چھوڑ دیا تو یہ اللہ کے حکم سے ہوا تا کہ نافرمانوں کو اللہ ذلیل ورسوا کرے۔) اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہسے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہکی حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء کی ایک جماعت قلعوں کو برباد کرنے اور درختوں کو کاٹنے کی اجازت دیتی ہے جب کہ بعض کے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے۔

امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہنے پھل دار درخت کو کاٹنے اور گھروں کو برباد کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ ان کے بعد مسلمانوں نے اسی پر عمل کیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ دشمن کے علاقے میں درخت و پھل کاٹنے اور آگ لگا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد کہتے ہیں کہ بوقت ضرورت ایسا کرنے کی اجازت ہے بلا ضرورت نہیں۔ اسحاق کہتے ہیں کہ اگر کافر اس سے ذلیل ہوں تو آگ لگانا سنت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1609)

یہ اشارہ ہے اس معاملہ کی طرف کہ مسلمانوں نے جب محاصرہ شروع کیا تو بنی نضیر کی بستی کے اطراف میں جو نخلستان واقع تھے ان کے بہت سے درختوں کو انہوں نے کاٹ ڈالا یا جلا دیا تا کہ محاصرہ بآسانی کیا جاسکے، اور جو درخت فوجی نقل وحرکت میں حائل نہ تھے ان کو کھڑا رہنے دیا۔ اس پر مدینہ کے منافقین اور ابنی قریظہ اور خود بنی نضیر نے شور مچادیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو فساد فی الارض نہیں تو کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ی حکم نازل فرمایا کہ تم لوگوں نے جو درخت کاٹے اور جن کو کھڑا رہنے دیا، ان میں سے کوئی فعل بھی ناجائز نہیں ہے، بلکہ دونوں کو اللہ اذن حاصل ہے۔

اس سے یہ شرعی مسئلہ نکلتا ہے کہ جنگی ضروریات کے لیے جو تخریبی کارروائی ناگزیر ہو وہ فساد فی الارض کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ فساد فی الارض یہ ہے کہ کسی فوج پر جنگ کا بھوت سوار ہو جائے اور وہ دشمن کے ملا میں گھس کر کھیت، مویشی، باغات، عمارات، ہر چیز کو خواہ مخواہ تباہ و برباد کرتی پھرے۔ اس معاملہ میں عام حکم تو وہی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہنے فوجوں کو شام کی طرف روانہ کرتے وقت دیا تھا کہ پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، فصلوں کو خراب نہ کرنا، اور بستیوں کو ویران نہ کرنا۔ یہ قرآن مجید کی اس تعلیم کے عین مطابق تھا کہ اس نے مفسد انسانوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کے اس فعل پر زجر و توبیخ کی ہے کہ جب وہ اقتدار پا لیتے ہیں تو فصلوں اور نسلوں کو تباہ کرتے پھرتے ہیں۔ (البقرہ۔205)۔ لیکن جنگی ضروریات کے لیے خاص حکم یہ ہے کہ اگر دشمن کے خلاف لڑائی کو کامیاب کرنے کی خاطر کوئی تخریب ناگزیر ہو تو وہ کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہنے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ قطعوا امنها ما كان موضعاً للجنگ ،مسلمانوں نے بنی نضیر کے درختوں میں سے صرف وہ درخت کاٹے تھے جو جنگ کے مقام پر واقع تھے (تفسیر بیسابوری)۔ فقہائے اسلام میں سے بعض نے معاملہ کے اس پہلو کو نظر انداز کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بنی نضیر کے درخت کاٹنے کا جواز صرف اسی واقعہ کی حد تک مخصوص تھا، اس سے یہ عام جواز نہیں نکلتا کہ جب بھی جنگی ضروریات داعی ہوں،

دشمن کے درختوں کو کاٹا اور جلایا جا سکے۔

امام اَوزاعی، لیث اور ابوثور اسی طرف گئے ہیں۔ لیکن جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اہم جنگی ضروریات کے لیے ایسا کرنا جائز ہے، البتہ محض تخریب وغارت گری کے لیے یہ فعل جائز نہیں ہے۔

ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیت مسلمانوں کو تو مطمئن کر سکتی تھی، لیکن جو لوگ قرآن کو کلام اللہ نہیں مانتے تھے انہیں اپنے اعتراض کے جواب میں یہ سن کر کیا اطمینان ہو سکتا تھا کہ یہ دونوں فعل اللہ کے اِذن کی بنا پر جائز ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کی یہ آیت مسلمانوں ہی کو مطمئن کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے، کفار کو مطمئن کرنا سے سے اس کا مقصود ہی نہیں ہے۔ چونکہ یہود اور منافقین کے اعتراض کی سبب سے، یا بطورِ خود، مسلمانوں کے دلوں میں یہ خلش پیدا ہو گئی تھی کہ کہیں ہم فساد فی الارض کے مرتکب تو نہیں ہو گئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اطمینان دلا دیا کہ محاصرے کی ضرورت کے لیے کچھ درختوں کو کاٹنا، اور جو درخت محاصرے میں حائل نہ تھے ان کو نہ کاٹنا، یہ دونوں ہی فعل قانونِ الٰہی کے مطابق درست تھے۔

محدثین کی نقل کردہ روایات میں اس امر پر اختلاف ہے کہ آیا ان درختوں کے کاٹنے اور جلانے کا حکم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، یا مسلمانوں نے بطورِ خود یہ کام کیا اور بعد میں اس کا شرعی مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کا حکم دیا تھا۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، ابن جریر)

یہی یزید بن رومان کی روایت بھی ہے (ابن جریر)۔ بخلاف اس کے مجاہد اور قتادہ کی روایت یہ ہے کہ مسلمانوں نے بطورِ خود یہ درخت کاٹے تھے، پھر ان میں اس مسئلے پر اختلاف ہوا کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ بعض اس کے جواز کے قائل ہوئے اور بعض نے اس سے منع کیا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر دونوں کے فعل کی تصویب کر دی (ابن جریر)

اسی کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس بات پر خلش پیدا ہوئی کہ ہم میں سے بعض نے درخت کاٹے ہیں اور بعض نے نہیں کاٹے، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہیے کہ ہم میں سے کس کا فعل اجر کا مستحق ہے اور کس کے فعل پر مواخذہ ہوگا (نسائی)

فقہاء میں سے جن لوگوں نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد تھا جس کی توثیق بعد میں اللہ تعالیٰ نے وحی جلی سے فرمائی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود نہ ہوتا تھا۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد پر عمل فرماتے تھے۔ دوسری طرف جن فقہاء نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے وہ اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے دو گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد سے دو مختلف رائیں اختیار کی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توثیق فرما دی، لہٰذا اگر نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کر کے اہل علم مختلف رائیں قائم کریں تو باوجود اس کے کہ ان کی آراء ایک دوسرے سے مختلف ہوں گی، مگر اللہ کی شریعت میں وہ سب حق پر ہوں گے۔

یعنی اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ ان درختوں کو کاٹنے سے بھی ان کی ذلت وخواری ہو اور نہ کاٹنے سے بھی۔ کاٹنے میں ان کی ذلت و

خواری کا پہلو یہ تھا کہ جو باغ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے اور جن باغوں کے وہ مدت ہائے دراز سے مالک چلے آ رہے تھے، ان کے درخت ان کی آنکھوں کے سامنے کاٹے جا رہے تھے اور وہ کاٹنے والوں کو کسی طرح نہ روک سکتے تھے۔ ایک معمولی کسان اور باغبان بھی اپنے کھیت یا باغ میں کسی دوسرے کے تصرف کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے سامنے اس کا کھیت یا اس کا باغ کوئی برباد کر رہا ہو تو وہ اس پر کٹ مرے گا۔ اور اگر وہ اپنی جائیداد میں دوسرے کی دست درازی نہ روک سکے تو یہ اس کی انتہائی ذلت اور کمزوری کی علامت ہوگی۔ لیکن یہاں ایک پورا قبیلہ، جو صدیوں سے بڑے دھڑلے کے ساتھ اس جگہ آباد تھا، بے بسی کے ساتھ یہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے ہمسائے اس کے باغوں پر چڑھ آئے ہیں اور اس کے درختوں کو برباد کر رہے ہیں، مگر وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس کے بعد اگر وہ مدینے میں رہ بھی جاتے تو ان کی کوئی آبرو باقی نہ رہتی۔ رہا درختوں کو نہ کاٹنے میں ذلت کا پہلو تو وہ یہ تھا کہ جب وہ مدینہ سے نکلے تو ان کی آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ کل تک جو ہرے بھرے باغ ان کی ملکیت تھے وہ آج مسلمانوں کے قبضے میں جا رہے ہیں۔ ان کا بس چلتا تو وہ ان کو پوری طرح اجاڑ کر جاتے اور ایک سالم درخت بھی مسلمانوں کے قبضے میں نہ جانے دیتے۔ مگر بے بسی کے ساتھ وہ سب کچھ جوں کا توں چھوڑ کر باحسرت و یاس نکل گئے۔

مقابلہ ہونے کی صورت میں کفار کے گھروں کو جلانے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کفار سے جب مقابلہ کی نوبت آئے تو ان کے گھروں کو آگ لگا دینا اور اموال اور درختوں اور کھیتوں کو جلا دینا اور تباہ کر دینا سب کچھ جائز ہے یعنی جب یہ معلوم ہو کہ ایسا نہ کرینگے تو فتح کرنے میں بہت مشقت اوٹھانی پڑے گی اور اگر فتح کا غالب گمان ہو تو اموال وغیرہ ضائع نہ کریں کہ عنقریب مسلمانوں کو ملیں گے۔ بندوق، توپ اور بم کے گولے مارنا سب کچھ جائز ہے۔ اگر کافروں نے چند مسلمانوں کو اپنے آگے کر لیا کہ گولی وغیرہ ان پر پڑے ہم ان کے پیچھے محفوظ رہیں گے جب بھی ہمیں باز رہنا جائز نہیں گولی چلائیں اور قصد کافروں کے مارنے کا کریں اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی گولی سے مر جائے جب بھی کفارہ وغیرہ لازم نہیں جبکہ گولی چلانے والے نے کافر پر گولی چلانے کا ارادہ کیا ہو۔ کسی شہر کو بادشاہ اسلام نے فتح کیا اور اس شہر میں کوئی مسلمان یا ذمی ہے تو اہل شہر کو قتل کرنا جائز نہیں ہاں اگر اہلِ شہر میں سے کوئی نکل گیا تو اب باقیوں کو قتل کرنا جائز ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ جانے والا مسلمان یا ذمی ہو۔ (درمختار، کتاب الجہاد، ج ۶، ص ۲۰۵)

حرمت کے سبب واجب التعظیم اشیاء کو نہ لے جانے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو چیزیں واجب التعظیم ہیں ان کو جہاد میں لے کر جانا جائز نہیں جس طرح قرآن مجید، کتب فقہ و حدیث شریف کہ بے حرمتی کا اندیشہ ہے۔ یوہیں عورتوں کو بھی نہ لے جانا چاہیے اگرچہ علاج و خدمت کی غرض سے ہو۔ ہاں اگر لشکر بڑا ہو کہ خوف نہ ہو تو عورتوں کو لے جانے میں حرج نہیں اور اس صورت میں بوڑھیوں اور باندیوں کو لے جانا اولیٰ ہے اور اگر مسلمان کافروں کے ملک میں امان لے کر گیا ہے تو قرآن مجید لے جانے میں حرج نہیں۔ (بحرالرائق، کتاب سیر)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کی بابت

اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا جہاد تو حج ہے، اور عبداللہ بن ولید نے کہا ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا پھر انہوں نے معاویہ سے اس کو بیان کیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 141)

دشمن کی سرزمین میں قرآن کریم ساتھ لے جانے میں فقہی مذاہب

فقہاء کی ایک بڑی جماعت دشمن کی سرزمین میں قرآن کریم ساتھ نہ لے جانے کی حامی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ابن عبدالبر نے کہا کہ: فقہاء متفق ہیں کہ مسلمان سرایا (چھوٹی جماعتیں) اور فوجیوں کی مختصر جماعت کے ساتھ قرآن کریم نہ لے جائیں اس طرح سے قرآن کی بے حرمتی کا خدشہ ہے، جبکہ بڑی جماعت کے ساتھ یہ محفوظ ہو تو اس میں مختلف آراء ہیں۔ امام مالک مکمل طور پر منع کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

امام شافعی نے خوف ہونے یا نہ ہونے دونوں حالتوں میں مکروہ بتایا ہے۔ بعض نے وہی رائے اختیار کی جو مالکیوں کی ہے۔ اگر ہم آج بین الاقوامی تعلقات کے نئے امور اور صورتحال پر نگاہ ڈالتے ہیں تو منع کرنے کی علت نہیں پاتے خواہ یہ کراہیت کے لئے تھی یا حرام ہونے کے لئے۔ آج ان دونوں کی علت اور سبب نہیں پاتے۔ آج بہتر اور افضل یہی ہے کہ مغربی ممالک کے مسافر یا وہاں مقیم مسلمان، اپنے ساتھ قرآن شریف لے جائیں اہانت یا تحریف کا خوف دل سے نکال دیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ان تمام مسائل میں اجتہاد، گہرے غور و فکر اور فقہ کی ضرورت ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری بتصرف)

عورت و غلام کے لئے اجازت جہاد کا بیان

وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ إِلَّا بِإِذْنِ سَيِّدِهِ إِلَّا أَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ وَيَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ لَا يَغْدِرُوا وَلَا يَغُلُّوا وَلَا يُمَثِّلُوا وَلَا يَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَبِيًّا وَلَا مَجْنُونًا وَلَا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدُ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ لَهُ رَأْيٌ فِي الْحَرْبِ أَوْ تَكُونُ الْمَرْأَةُ مَلِكَةً وَلَا يَقْتُلُوا مَجْنُونًا،

ترجمہ

اور بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر جہاد نہیں کرے گا۔ مسلمانوں کو چاہئے ہوگا کہ وہ دھوکہ، بے ایمانی اور مثلہ نہیں کریں گے۔ عورت، بچے، بالکل بوڑھے، اندھے، اور اپاہج کو مسلمان قتل بھی نہیں کریں گے۔ مگر صرف اس صورت میں کہ ان میں سے جب کوئی جنگی معاملات میں رائے دہندہ ہوگا۔ تو اسے وہ قتل کر دیں گے۔ یا پھر کوئی عورت ملکہ ہو اور مسلمان پاگل کو بھی قتل نہیں کریں گے۔

دوران جہاد بھلائی کرنے والے امور کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجاہدین کو بھیجتے وقت) فرمایا روانہ ہو جاؤ

اللہ کا نام لے کر اللہ کی تائید وتوفیق کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر۔ (دیکھو) قتل نہ کرنا بوڑھے آدمی کو نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو اور تم مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا بلکہ مال غنیمت کو جمع کرنا اور اپنے احوال کی اصلاح کرنا اور بھلائی کرنا۔ بیشک اللہ نیکی اور بھلائی کرنیوالوں کو پسند فرماتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد دوم: حدیث نمبر 849)

حضرت عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہسے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا ان لوگوں کو جنہوں نے قتل کیا ابن ابی حقیق کو عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے ; ابن کعب نے کہا کہ ایک شخص ان میں سے کہتا تھا کہ ابن ابی حقیق کی عورت نے چیخ کر ہمارا حال کھول دیا تھا; تو میں تلوار اس پر اٹھاتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کو یاد کر کے رک جاتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 879)

یحیٰی بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہنے شام کو لشکر بھیجا تو یزید بن ابی سفیان کے ساتھ پیدل چلے اور وہ حاکم تھے ایک چوتھائی لشکر کے; تو یزید نے ابوبکر سے کہا آپ سوار ہو جائیں نہیں تو میں اترتا ہوں، ابوبکر صدیق نے کہا نہ تم اترو اور نہ میں سوار ہوں گا، میں ان قدموں کو خدا کی راہ میں ثواب سمجھتا ہوں پھر کہا یزید سے کہ تم پاؤ گے کچھ لوگ ایسے جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں کو روک رکھا ہے اللہ کے واسطے سو چھوڑ دے ان کو اپنے کام میں اور کچھ لوگ ایسے پاؤ گے جو بیچ میں سے سر منڈاتے ہیں تو مار ان کے سر پر تلوار سے اور میں تجھ کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں عورت کو مت مار اور نہ بچوں کو نہ بڈھے پھونس کو اور نہ کاٹنا پھل دار درخت کو اور نہ اجاڑنا کسی بستی کو اور نہ کونچیں کاٹنا کسی بکری اور اونٹ کی مگر کھانے کے واسطے اور مت جلانا کھجور کے درخت کو اور مت ڈبانا اس کو اور غنیمت کے مال میں چوری نہ کرنا اور نامردی نہ کرنا۔

امام مالک نے روایت نقل کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عاملوں میں سے ایک عامل کو لکھا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت پہنچی ہے; کہ جب فوج روانہ کرتے تھے تو کہتے تھے ان سے جہاد کرو اللہ کا نام لے کر، اللہ کی راہ میں تم لڑتے ہو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ، نہ چوری کرو نہ اقرار توڑو نہ ناک کان کاٹو نہ مارو بچوں اور عورتوں کو اور کہہ دے یہ امر اپنی فوجوں اور لشکروں سے، اگر خدا نے چاہا تو تم پر سلامتی ہوگی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 881)

اسود بن سریع بیان کرتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنگ میں شریک ہوئے ہم نے کچھ مشرکین پکڑ لیے لوگوں نے تیزی سے قتل کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے کچھ بچوں کو قتل کر دیا جب اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے ارشاد فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے یہ لوگوں کو قتل کرتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ بچوں کو بھی قتل کر دیا خبردار کوئی بھی شخص بچوں کو قتل نہ کرے۔ یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 312)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مُثلہ یعنی ناک کان یا ہاتھ پاؤں کاٹنا یا منہ کالا کر دینا منع ہے یعنی فتح ہونے کے بعد مُثلہ کی اجازت نہیں اور اثنائے جنگ میں اگر ایسا ہو مثلاً تلوار ماری اور ناک کٹ گئی یا کان کٹ گئے یا آنکھ پھوڑ دی یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے تو حرج نہیں۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب سیر)

مثلہ کی کراہت تحریمی ہونے میں اختلاف کا بیان

حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ دینے پر ہمیں رغبت دلاتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے (ابوداؤد،) نسائی نے اس روایت کو حضرت انس سے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 699)

جسم کے کسی عضو جس طرح ناک، کان، ستر یا کسی اور حصہ جسم کے کاٹ ڈالنے کو مثلہ سے منع فرمانا بعض حضرات کے نزدیک تو بطور تحریم ہے یعنی یہ مکروہ تحریمی ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بطور تنزیہی ہے یعنی یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن زیادہ صحیح قول تحریم ہی کا ہے جہاں تک اس سے پہلی حدیث میں مذکورہ واقعہ کا تعلق ہے تو یہ بات وہاں بھی بتائی جا چکی ہے کہ آپ کی طرف سے ان مفسدوں کے اعضاء جسم کا کاٹا جانا قصاص کے طور پر تھا۔

حالت جنگ میں جن لوگوں کے قتل کی ممانعت

علامہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عورت اور بچہ اور پاگل اور بہت بوڑھے اور اندھے اور اپاج اور راہب اور پجاری جو لوگوں سے ملتے جلتے نہ ہوں یا جس کا داہنا ہاتھ کٹا ہو یا خشک ہو گیا ہو ان سب کو قتل کرنا منع ہے یعنی جبکہ لڑائی میں کسی قسم کی مدد نہ دیتے ہوں۔ اور اگر ان میں سے کوئی خود لڑتا ہو یا اپنے مال یا مشورہ سے مدد پہنچاتا ہو یا بادشاہ ہو تو اُسے قتل کر دیں گے۔ اور اگر مجنون کو کبھی جنون رہتا ہے اور کبھی ہوش تو اسے بھی قتل کر دیں۔ اور بچہ اور مجنون کو اثنائے جنگ میں قتل کریں گے جبکہ لڑتے ہوں اور باقیوں کو قید کرنے کے بعد بھی قتل کر دیں گے۔ اور جنھیں قتل کرنا منع ہے انھیں یہاں نہ چھوڑیں گے بلکہ قید کر کے دارالاسلام میں لائیں گے۔ (مجمع الانہر، کتاب السیر والجہاد، ج ۵، ص ۶۰۶)

امام کا مصلحت پر صلح کرنے کا بیان

وَإِذَا رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ فِي ذَلِكَ مَصْلَحَةٌ لِلْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِهِ فَإِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَأَى أَنَّ نَقْضَ الصُّلْحِ أَنْفَعُ نَبَذَ إلَيْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ فَإِنْ بَدَءُوا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبِذْ إلَيْهِمْ إذَا كَانَ ذَلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ وَإِذَا خَرَجَ عَبِيدُهُمْ إلَى عَسْكَرِ الْمُسْلِمِينَ فَهُمْ أَحْرَارٌ وَلَا بَأْسَ أَنْ يَعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوا مِمَّا وَجَدُوهُ مِنْ الطَّعَامِ وَيَسْتَعْمِلُوا الْحَطَبَ وَيَدْهُنُوا بِالدُّهْنِ

ترجمہ

اور جب امام اہل حرب یا ان کے کسی فریق کے ساتھ صلح کر لینے میں کوئی بہتری دیکھ رہا ہو۔ اور اس میں مسلمانوں کے لئے بھلائی ہو تو ایسی صلح کر لینا درست ہوگا۔ پھر ان سے صلح توڑنے میں زیادہ بھلائی سمجھی۔ تو ان سے صلح توڑ کے ان سے لڑے گا۔ جب وہ خیانت شروع کر دیں تو انہیں عہد کو توڑنے کی اطلاع دیئے بغیر ہی ان سے جنگ کرے گا۔ مگر یہ اس وقت ہو

گا جب یہ بات ان سب کے اتفاق سے ہوئی ہو۔ جب ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر میں آ گئے تو اب وہ آزاد ہوں گے۔ لشکر کے دارالحرب میں (اپنے جانوروں کو) چارہ کھلانے میں اور کھانے کی اشیاء میں جو کچھ پائیں انہیں کھا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور وہ ایندھن کی لکڑیاں بھی استعمال کریں گے۔ اور تیل بھی لگائیں گے۔

اطلاع کے فوری بعد جنگ نہ کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب صلح مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو صلح کرنا جائز ہے اگرچہ کچھ مال لے کر یا دے کر صلح کی جائے اور صلح کے بعد اگر مصلحت صلح توڑنے میں ہو تو توڑ دیں مگر یہ ضرور ہے کہ پہلے انھیں اس کی اطلاع کر دیں اور اطلاع کے بعد فوراً جنگ شروع نہ کریں بلکہ اتنی مہلت دیں کہ کافر بادشاہ اپنے تمام ممالک میں اس خبر کو پہنچا سکے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ صلح میں کوئی میعاد نہ ہو اور اگر میعاد ہو تو میعاد پوری ہونے پر اطلاع کی کچھ حاجت نہیں۔

مسلمان آزاد مرد یا عورت نے کافروں میں کسی ایک کو یا جماعت یا ایک شہر کے رہنے والوں کو پناہ دیدی تو امان صحیح ہے اب قتل جائز نہیں اگرچہ امان دینے والا فاسق یا اندھا یا بہت بوڑھا ہو۔ اور بچہ یا غلام کی امان صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ انھیں جنگ کی اجازت مل چکی ہو ورنہ صحیح نہیں۔ امان صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ کفار نے لفظ امان سنا ہو اگرچہ کسی زبان میں ہو اگرچہ اس لفظ کے معنی وہ نہ سمجھتے ہوں اور اگر اتنی دور پر ہوں کہ سن نہ سکیں تو امان صحیح نہیں۔ (درمختار، کتاب سیر)

علامہ عبداللہ بن محمد بن سلیمان حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

امان میں نقصان کا اندیشہ ہو تو بادشاہِ اسلام اس کو توڑ دے مگر توڑنے کی اطلاع کر دے اور امان دینے والا اگر جانتا تھا کہ اس حالت میں امان دینا منع تھا اور پھر دیدی تو اس کو سزا دی جائے۔ (مجمع الانہر، کتاب الجہاد)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ذمی اور تاجر اور قیدی اور مجنون اور جو شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا اور ابھی ہجرت نہ کی ہو اور وہ بچہ اور غلام جنھیں جنگ کی اجازت نہ ہو یہ لوگ امان نہیں دے سکتے۔ (درمختار، کتاب سیر)

اسلحہ سے جنگ لڑنے کا بیان

وَيُقَاتِلُونَ بِمَا يَجِدُونَهُ مِنَ السِّلَاحِ كُلُّ ذَلِكَ بِغَيْرِ قِسْمَةٍ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَبِيعُوا شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ وَلَا يَتَمَوَّلُونَهُ فَإِنْ أَسْلَمَ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَحْرَزَ بِإِسْلَامِهِ نَفْسَهُ وَأَوْلَادَهُ الصِّغَارَ وَكُلُّ مَالٍ هُوَ فِي يَدِهِ أَوْ وَدِيعَةٍ فِي يَدِ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ فَإِنْ ظَهَرْنَا عَلَى الدَّارِ فَعَقَارُهُ فَيْءٌ وَزَوْجَتُهُ فَيْءٌ وَحَمْلُهَا فَيْءٌ وَأَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُفَادَوْنَ بِالْأُسَارَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا بَأْسَ أَنْ يُفَادَى بِهِمْ أُسَارَى الْمُسْلِمِينَ، وَلَا يَجُوزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ ،

ترجمہ

اور ہتھیاروں میں سے جو کچھ وہ پائیں گے اسے تقسیم کئے بغیر وہ اس کے ساتھ جہاد کریں گے۔ ان اشیاء میں سے ان کے لئے بیچنا اور ذخیرہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ان میں سے جو اسلام قبول کرے گا وہ اسلام کی وجہ سے اپنی جان' چھوٹے بچے' اور اپنے اس مال کو جو اس کے پاس ہوگا یا اس کا وہ مال بھی جو جب کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت ہے اسے بھی وہ محفوظ کر لے گا۔ جب ہمارا اس کے گھر پر غلبہ ہوگیا۔ تو اس کی بیوی اس کا حمل زمین اور بالغ اولاد سب کچھ مال غنیمت ہوگا۔ اور اہل حرب کے ہاتھوں ہتھیار فروخت کرنا مناسب نہیں ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی طرف سے مال واسباب بھی نہیں لیا جائے گا۔ اور نہ ہی انہیں قیدیوں کے بدلے رہا کیا جائے گا۔ لیکن صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں مسلمان قیدیوں کے بدلے میں رہا کر دیا جائے گا۔ ان پر احسان کرنا بھی جائز نہیں۔

قیدیوں میں باہمی تبادلے میں مذاہب اربعہ

فقہاء میں سے امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد تبادلہ اسیران کو جائز رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا چاہیے، مگر دوسرا قول ان کا بھی یہی ہے کہ تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے اسے تبادلہ میں کفار کے حوالہ نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے اسیران جنگ کے معاملہ میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی گنجائش ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کی اس آیت کا بس یہ مختصر سا مطلب لے لیتے کہ جنگ میں قید ہونے والوں کو یا تو بطور احسان چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے، وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے، اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ کر سکتا ہے۔

(سیر صغیر، از امام محمد علیہ الرحمہ، بتصرف، بیروت)

مفتوحہ شہر کو غازیان اسلام میں تقسیم کرنے کا بیان

وَإِذَا فَتَحَ الْإِمَامُ بَلَدًا عَنْوَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ وَإِنْ شَاءَ أَقَرَّ أَهْلَهَا عَلَيْهَا وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلَى أَرَاضِيهِمُ الْخَرَاجَ وَهُوَ فِي الْأُسَارَى بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَإِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّهُمْ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ أَحْرَارًا ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِينَ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَرُدَّهُمْ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَإِذَا أَرَادَ الْإِمَامُ الْعَوْدَ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَقْلِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا،

ترجمہ: جب حاکم کسی شہر کو طاقت وقوت کے ذریعے سے فتح کر لے تو اسے اس شہر کو غازیوں میں تقسیم کرنے کا اختیار ہو

گا۔ اوراس شہر کے باشندوں کو برقرار رکھ کران پر جزیہ اوران کی زمینوں پر لگان' ٹیکس مقرر کردے گا۔ اورقیدیوں کے بارے میں بھی اسے اختیار ہوگا چاہے تو انہیں قتل کردے گا یا چاہے گا تو انہیں غلام بنالے گا۔ اور یا جب چاہے گا تو انہیں مسلمانوں کے لئے ذمی بنا کر کے چھوڑ دے گا۔ البتہ انہیں دارالحرب میں جانے کی چھوٹ دینا جائز نہیں ہوگا۔ جب امام دارالاسلام کی طرف واپس آنے لگے اوراس کے ساتھ گائے' بھینسیں وغیرہ ہوں۔ جنہیں دارالاسلام میں لے آنے پر اسے قدرت نہ ہو۔ تو وہ انہیں ذبح کرکے جلادے گا۔ البتہ نہ تو وہ ان کی کونچیں کاٹے گا۔ اور نہ ہی زمین پر ایسے ہی چھوڑ آئے گا۔

دارالحرب کے جانور کے قبضہ کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دارالحرب کے جانور قبضہ میں کیے اور اُن کو دارالاسلام تک نہیں لاسکتا تو ذبح کر کے جلا ڈالے۔ اسی طرح اور سامان جن کو نہیں لاسکتا ہے جلادے اور برتنوں کو توڑ ڈالے روغن وغیرہ بہادے اور ہتھیار وغیرہ لوہے کی چیزیں جو جلنے کے قابل نہیں اُنھیں پوشیدہ جگہ دفن کردے۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

جنگ میں کم سے کم نقصان کا بیان

اسلام نے جلد از جلد کامیابی کے حصول کے لئے قتل کے دائرے کو وسیع کرنے کی منطق کو رد کر دیا ہے یہی سبب ہے کہ اسلام جس قدر ہو سکے قتل وغارت کے دائرے کو تنگ کرتا ہے۔ اس طرح کہ جنگجوؤں کے علاوہ شہریوں میں سے خواہ وہ عورتیں، بچے، خادم اور بوڑھے ہوں، کوئی بھی شامل نہیں لیکن فوج کی قوت اور تاثیر کی حفاظت کے لئے ان شہریوں میں سے جب کوئی عملی طور پر یا رائے اور تدبیر سے جنگ میں شریک ہو تو اس کا قتل جائز ہے، اور قیدیوں کے ساتھ تعامل کرنے میں بھی یہی حکم ہے اور اسلام نے ان کے قتل کو فرض نہیں کیا بلکہ ان کے بارے میں (فیصلہ کرنے کے لئے) مسلم حکمرانوں کو متعدد طریقوں میں سے اختیار دیا ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ ان پر احسان کرنا، ان سے فدیہ قبول کرنا یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرنا اسلام نے زخمی کو مار ڈالنے کو لازم قرار نہیں دیا جب تک کہ وہ دوبارہ جنگ کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور یہ (عدم قتل کا) حکم صرف انسانون تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں حیوانات بھی شامل ہیں، لہٰذا اس بارے میں اسلام نے ہمارے سامنے جو رحیمانہ اور حکیمانہ نقطۂ نظر پیش کیا اس سے آپ کو بھی تعجب و حیرانگی ہوگی۔

پس اسلام اپنے لشکر کو ضرورتا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے اور نہ ہی ایسے کھجوروں کو کاٹنے کی اجازت دیتا ہے۔ امام ابن قدامہ اس حکم کو اپنے ایک قول میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جمہور علماء کے نزدیک کھجور کا کاٹنا اور جلانا جائز نہیں ہے انہی میں سے امام اوزاعی، امام لیث اور امام شافعی ہیں۔ امام مالک سے کہا گیا: کہ کیا ان کے کھجوروں کے باغوں کو جلایا جائے تو آپ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ کھجور (کا حکم) کیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب میں یہ جائز ہے کیونکہ اس میں ان کے لئے غیظ وغضب (کی علامت) ہے اور ان کو کمزور کرنا ہے اور انہوں نے اسے جنگ کے دوران ان کے جانوروں کے قتل کے مشابہ قرار دیا ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ: 9/289)

جبکہ اس سلسلے میں ہماری دلیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی یہ قول ہے کہ انہوں نے یزید بن ابی سفیان کو جب امیر لشکر بنا کر شام بھیجا تو اسے وصیت کی کہ (کھجور کے درختوں کو نہ جلانا اور نہ ہی انہیں کاٹنا) (موطا مالک: 2/447)

حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے ان کے بھائی کا بیٹا ایک غزوہ سے واپس آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: شاید تم نے کھجور کا درخت کاٹا؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کیا تم نے کسی بچے کو قتل کیا؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: (اللہ کرے) یہ غزوہ تمہارے لئے راہ راست ثابت ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا درخت کاٹنے سے منع فرمایا۔ اور آپ نے جانوروں کو ہلاک کرنے سے بھی منع فرمایا، کیونکہ یہ فساد و بگاڑ پھیلانے کے زمرے میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس عمومی حکم میں داخل ہے جس فرمایا گیا: (وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ) (سورۃ البقرہ: 205: "اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا"۔ اور اس لئے بھی کہ حیوان ذی روح ہے اور مشرکین سے غیظ و غضب کی سبب سے ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا بھی جائز نہیں، ہاں اگر حالت جنگ میں لشکر اسلام کے خلاف استعمال کرنے کا امکان ہو تو قوت و صلاحیت کی حفاظت کے لئے جانوروں کو ہلاک کرنے کی اجازت ہے اور اگر وہ انہیں چھوڑ دیں تو ہلاک نہ کیا جائے۔

مال غنیمت کو دار الاسلام میں لا کر تقسیم کرنے کا بیان

وَلَا يَقْسِمُ غَنِيمَةً فِي دَارِ الْحَرْبِ حَتَّى يُخْرِجَهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ وَالرِّدْءُ وَالْمُبَاشِرُ سَوَاءٌ فَإِنْ لَحِقَهُمْ مَدَدٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِزُوا الْغَنِيمَةَ بِدَارِ الْإِسْلَامِ شَارَكُوهُمْ فِيهَا وَلَا حَقَّ لِأَهْلِ سُوقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيمَةِ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلُوا ،

ترجمہ

اور مال غنیمت کو جب تک اسے دار السلام میں نہ لے آئے دار الحرب میں اسے تقسیم نہیں کرے گا۔ اور لشکریوں کی مدد کرنے والے اور لشکر میں موجود رہ کر کے لڑنے والے برابر ہیں۔ جب انہیں مال غنیمت کو دار السلام میں لے آنے سے قبل دار الحرب میں کمک پہنچ جائے تو کمک پہنچانے والے بھی اس مال غنیمت میں حصہ دار ہوں گے اور لشکر کے بازار والوں کا مال غنیمت میں حق صرف لڑائی کرنے کی صورت میں ہی ہوگا۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص فوج یا لڑنے کے ارادہ سے دار الحرب میں پہنچا اور جس وقت پہنچا لڑائی ختم ہو چکی ہے تو یہ بھی غنیمت میں حصہ دار ہے۔ اسی طرح جو شخص گیا مگر بیماری وغیرہ سے لڑائی میں شریک نہ ہو سکا تو غنیمت پائیگا اور اگر کوئی تجارت کے لیے گیا ہے تو جب تک لڑنے میں شریک نہ ہو غنیمت کا مستحق نہیں۔ (ردمختار، کتاب الجہاد)

مالِ غنیمت میں تقسیم سے پہلے تصرف کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مالِ غنیمت کو دارالحرب میں مجاہدین اپنی ضرورت میں قبلِ تقسیم صرف کر سکتے ہیں مثلاً جانوروں کا چارہ اپنے کھانے کی چیزیں کھانا پکانے کے لیے ایندھن، گھی، تیل، شکر، میوے خشک وتر اور تیل لگانے کی ضرورت ہو تو کھانے کا تیل لگا سکتا ہے اور خوشبودار تیل مثلاً روغنِ گل وغیرہ اُس وقت استعمال کر سکتا ہے جب کسی مرض میں اس کے استعمال کی حاجت ہو اور گوشت کھانے کے جانور ذبح کر سکتے ہیں مگر چمڑا مالِ غنیمت میں واپس کریں۔ اور مجاہدین اپنی باندی، غلام اور عورتوں بچوں کو بھی مالِ غنیمت سے کھلا سکتے ہیں۔ اور جو شخص تجارت کے لیے گیا ہے لڑنے کے لیے نہیں گیا وہ اور مجاہدین کے نوکر مالِ غنیمت کو صرف نہیں کر سکتے ہاں پکا ہوا کھانا یہ بھی کھا سکتے ہیں۔ اور پہلے سے اشیاء اپنے پاس رکھ لینا کہ ضرورت کے وقت صرف کرینگے ناجائز ہے۔ اسی طرح جو چیز کام کے لیے لی تھی اور بچ گئی اسے بیچنا بھی ناجائز ہے اور بیچ ڈالی تو دام واپس کرے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الجہاد)

امان دینے کے بارے میں فقہی بیان

وَإِذَا أَمِنَ رَجُلٌ حُرٌّ أَوْ امْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ صَحَّ أَمَانُهُمْ وَلَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ قِتَالُهُمْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِيهِ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبِذُ إِلَيْهِمُ الْإِمَامُ وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ ذِمِّيٍّ وَلَا الْأَسِيرِ وَلَا التَّاجِرِ الَّذِي يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ وَلَا يَجُوزُ أَمَانُ الْعَبْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَصِحُّ أَمَانُهُ

ترجمہ

اور جب کسی آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر، کسی جماعت، کسی قلعہ والوں یا کسی شہر والوں کو پناہ دیدی تو اس کا یہ پناہ دے دینا درست ہوگا۔ اب کسی مسلمان کے لئے اس امر میں کوئی خرابی پیش نظر ہونے کے علاوہ انہیں قتل کرنا جائز نہ ہوگا۔ البتہ امام اس کے امن و پناہ دینے کو توڑ سکتا ہے۔ ذمی آدمی کو قیدی کو اور ایسے تاجر کو جو ان کے ہاں آتا جاتا رہتا ہو ان کا پناہ دینا جائز نہیں ہوگا۔ وہ غلام جس کے مالک نے اسے اختیارات دینے کے بعد واپس لے لئے ہوں۔ اس کا پناہ دینا امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں۔ ہاں جب اس کے مالک نے اسے لڑائی کی اجازت دے رکھی ہو تو اس صورت میں اس کا پناہ دینا بھی درست ہوگا جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس غلام کو اختیارات دینے کے بعد روک دیا گیا ہو اس کا پناہ دینا بھی صحیح ہے۔

امان دینے میں بعض فقہی مذاہب کا بیان

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے شوہر کے عزیزوں میں سے دو اشخاص کو پناہ دلوائی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہم نے بھی اسے پناہ دی جس کو تم نے دی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ انہوں نے عورت کا کسی کو پناہ دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں کہ عورت اور غلام کا پناہ دینا جائز رکھا ہے۔ ابومرہ عقیل بن ابی طالب کے مولی ہیں۔ انہیں ام ہانی کا مولی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام یزید ہے۔

حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا ذمہ ایک ہی ہے جس کے ساتھ ہر ادنیٰ شخص بھی چلتا ہے۔ اہل علم کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جس کسی نے بھی کسی شخص کو امان دیا تمام مسلمانوں کو اس شخص کو امان دینا ضروری ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1645)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت کسی قوم کے لئے (عہد) لیتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1081)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت، کسی کافر کو یا کافروں کی کسی جماعت کو امان و پناہ دے دے تو یہ سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس عورت کے عہد امان کو ملحوظ رکھ کر اس کافر کو یا کافروں کی اس جماعت کو امان و پناہ دیں اور اس عہد امان کو توڑیں نہیں۔

حضرت ام ہانی بنت ابوطالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال (یعنی فتح مکہ کے موقع پر) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غسل فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کپڑے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پردہ کئے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کون ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "میں ہوں" "ام ہانی بنت ابوطالب! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ام ہانی خوش آمدید"! پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑے لپیٹے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور (نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علی نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی فلاں شخص کو جو ہبیرہ کا بیٹا ہے؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ام ہانی جس کو تم نے پناہ دی ہے (گویا) اس کو ہم نے پناہ دی۔" حضرت ام ہانی کہتی ہیں کہ "یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے"!

اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام ہانی نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ "میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاند کے رشتہ دار ہیں!؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1080)

حضرت ام ہانی کا اصل نام "فاختہ" تھا اور بعض نے "عاتکہ" بیان کیا ہے۔ یہ ابوطالب کی بیٹی اور حضرت علی کی حقیقی بہن ہیں

ہبیرہ ان کے خاندکا نام ہے، جب ام ہانی نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا تو ہبیرہ سے ان کی جدائی واقع ہوگئی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ جس شخص نے حضرت ام ہانی نے پناہ دی تھی وہ اس کے خاند ہبیرہ کی اولاد میں سے تھا، اغلب یہ ہے کہ وہ ام ہانی کے علاوہ ہبیرہ کی کسی اور بیوی کے بطن سے تھا حضرت علی نے ان کی پناہ کو قبول نہ کرتے ہوئے اس شخص کو قتل کر ڈالنا چاہا تو ام ہانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پناہ کو قبول کیا اور وہ شخص حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا۔

ترمذی نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام ہانی ہی کے مکان میں غسل فرمارہے تھے، لیکن یہاں بخاری ومسلم کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس کے ظاہری مفہوم سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں یا حضرت فاطمہ کے گھر میں نہار ہے تھے، اس صورت میں دونوں روایتوں کے درمیان یوں مطابقت ہوگی کہ بخاری ومسلم کی روایت میں یہ عبارت مقرر مانی جائے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں غسل فرمارہے تھے" یا پھر یہ کہا جائے کہ ترمذی کی روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ کسی اور موقع کا ہے اور بخاری ومسلم کی روایت کسی اور موقع سے متعلق ہے۔

اہل ترک کا اہل روم پر غلبہ پالینے کا بیان

وَإِذَا غَلَبَ التُّرْكُ عَلَى الرُّومِ فَسَبَوْهُمْ وَأَخَذُوا أَمْوَالَهُمْ مَلَكُوهَا فَإِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا مَا نَأْخُذُهُ مِنْ ذَلِكَ فَإِنْ غَلَبُوا عَلَى أَمْوَالِنَا وَأَحْرَزُوهَا بِدَارِهِم مَلَكُوهَا فَإِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُونَ فَوَجَدُوهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدُوهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَخَذُوهَا بِالْقِيمَةِ إِنْ أَحَبُّوا وَإِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرَى ذَلِكَ بِثَمَنٍ وَأَخْرَجَهُ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْأَوَّلُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِالثَّمَنِ الَّذِي اشْتَرَاهُ التَّاجِرُ بِهِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ وَلَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا أَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِينَا وَأُمَّهَاتِ أَوْلَادِنَا وَمُكَاتَبِينَا وَأَحْرَارَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيعَ ذَلِكَ وَإِذَا أَبَقَ عَبْدُ الْمُسْلِمِ فَدَخَلَ إِلَيْهِمْ فَأَخَذُوهُ لَمْ يَمْلِكُوهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَإِنْ نَدَّ إِلَيْهِمْ بَعِيرٌ فَأَخَذُوهُ مَلَكُوهُ ،

ترجمہ

اور جب ترک رومیوں پر غلبہ پالیں اور انہیں قید کرلیں۔ ان کے مال کو قبضے میں لے لیں۔ تو وہ اس مال کے مالک ہوجائیں گے۔ جب ترکیوں پر ہم غلبہ حاصل کرلیں تو اس مال میں سے جس قدر بھی ہم حاصل کرسکیں گے۔ وہ سب کچھ ہمارے لئے حلال ہوگا۔ جب وہ ہمارے مال پر غالب آ کر کے اسے دارالحرب لے جائیں گے تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔ اس کے بعد جب اس مال پر پھر مسلمان غلبہ حاصل کرلیں۔ پس تقسیم سے قبل وہ مال پالیں تو وہ مال بغیر کسی عوض وبدلے کے مسلمانوں کا ہوگا۔ جب انہوں نے وہ مال تقسیم کے بعد پایا تو جب وہ چاہیں گے تو قیمت دے کر کے لے سکیں گے۔ جب کوئی تاجر دارالحرب میں آیا اور

وہاں سے مال خرید کر کے دارالاسلام میں لے گیا۔ تو اس مال کے مالک کو اختیار ہوگا۔ جب چاہے گا تو قیمت کے ساتھ اپنا مال واپس لے لے گا۔ جب چاہے گا تو چھوڑ دے گا۔ اہل حرب ہم پر غلبہ پالینے کے باوجود ہمارے غلاموں مدبروں ام ولد لونڈیوں مکاتبوں اور آزاد کردہ غلاموں کے مالک نہ ہوں گے۔ ہم بہرحال ان سب کے مالک ہوجائیں گے۔ جب کسی مسلمان کا کوئی غلام بھاگ کر ان کی طرف چلا گیا۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔ جب کوئی اونٹ اچانک ڈر جانے کی وجہ سے ان کی طرف چلا گیا۔ انہوں نے اسے پکڑ لیا تو اس کے وہ مالک ہوجائیں گے۔

مراعات کے سبب اہل ذمہ پر ہونے والے اثر کا بیان

ذمیوں پر ان تمام لطف و مراعات کا یہ اثر ہوا کہ وہ خود مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے، قاضی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فلما رای اهل الذمته وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فيهم صار واالشداء على عدو المسلمين على اعدائهم

جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اور ان کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن اور ان کے مقابل میں مسلمانوں کے حامی و مددگار بن گئے۔

رومی اگرچہ خود عیسائیوں کے ہم مذہب تھے؛ لیکن جب رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایک عظیم الشان فیصلہ کن جنگ کی تیاریاں کیں تو ان ہی ذمی عیسائیوں نے ہر جگہ سے جاسوس بھیجے کہ رومیوں کی خبر لائیں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہر شہر پر جو حکام مقرر کئے تھے ان کے پاس ہر شہر کے عیسائی رئیس آئے اور اس جنگی تیاری کی خبر دی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو تمام حکام نے اس کی اطلاع دی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمیوں سے جس قدر جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے؛ کیونکہ معاہدے کے رو سے ہم پر ان کی حفاظت واجب ہوگی اور ہم اس وقت اس کی طاقت نہیں رکھتے، ان حکام نے جب یہ رقمیں واپس دیں تو یہ لوگ سخت متاثر ہوئے اور بے اختیار بول اٹھے کہ خدا تم کو واپس لائے، اگر خود رومی ہوتے تو اس حالت میں ہم کو واپس نہ دیتے؛ بلکہ ہمارے پاس جو کچھ ہوتا لے لیتے، مسلمانوں کی فتح ہوگئی تو عیسائیوں نے خود واپس شدہ رقم حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاوں پر ڈال دی، (کتاب الخراج، صفحہ ۸۰) کہ دوبارہ اس ابر کرم کے سائے کے نیچے آجائیں۔

اس موقعہ کے علاوہ ہر موقع پر ذمیوں کا طرز عمل نہایت مخلصانہ اور وفادارانہ رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام میں آئے تو اذرعات کے عیسائی ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے پھول برساتے ہوئے اور باجا بجاتے ہوئے ان کے استقبال کے لئے نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکنا چاہا لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ ان کا دستور ہے اگر روک ٹوک کی گئی تو سمجھیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ گیا۔ (فتوح البلدان، صفحہ)

شام کے ایک اور عیسائی رئیس نے ان کی دعوت کرنا چاہی اور کہا کہ اگر حضور چند اکابر صحابہ کے ساتھ غریب خانہ پر تشریف لائیں تو میری عزت افزائی ہوگی،

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان گرجوں میں جن میں یہ تصویریں ہیں ہم قدم نہیں رکھ سکتے۔

(ادب المفرد باب دعوۃ الذمی)

مال غنیمت کی تقسیم کا بیان

وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْإِمَامِ حَمُولَةٌ يَحْمِلُ عَلَيْهَا الْغَنِيمَةَ قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِينَ قِسْمَةَ إِيدَاعٍ لِيَحْمِلُوهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ وَيَقْسِمُهَا

وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِينَ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ إِخْرَاجِهَا فَلَا حَقَّ لَهُ فِي الْغَنِيمَةِ وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ بَعْدَ إِخْرَاجِهَا إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ فَنَصِيبُهُ لِوَرَثَتِهِ وَلَا بَأْسَ أَنْ يُنَفِّلَ الْإِمَامُ فِي حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِالنَّفْلِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُولُ مَنْ قَتَلَ أَوْ يَقُولُ لِلسَّرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَلَا يُنَفِّلُ بَعْدَ إِحْرَازِ الْغَنِيمَةِ بِدَارِ الْإِسْلَامِ إِلَّا مِنَ الْخُمُسِ وَإِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيمَةِ وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِيهِ سَوَاءٌ وَالسَّلَبُ مَا عَلَى الْمَقْتُولِ مِنْ ثِيَابِهِ وَسِلَاحِهِ وَمَرْكَبِهِ وَإِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ أَنْ يَعْلِفُوا مِنَ الْغَنِيمَةِ وَلَا يَأْكُلُوا مِنْهَا شَيْئًا وَمَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلَفٌ أَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ إِلَى الْغَنِيمَةِ،

ترجمہ

جب حاکم کے پاس مال غنیمت لادنے کے لئے کوئی جانور نہ ہو تو وہ اسے غازیوں میں بانٹ دے گا تا کہ وہ اسے دارالحرب سے دارالاسلام میں لے آئیں۔ یہاں ان سے واپس لے کر کے پھر دوبارہ تقسیم کرے گا۔ مال غنیمت کو تقسیم سے پہلے دارالحرب میں بیچنا جائز نہیں۔ اور غازیوں میں سے جو مال غنیمت کو دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف نکال لانے سے قبل دارالحرب میں فوت ہو گیا۔ اس کا تقسیم میں کوئی حق نہ رہے گا اور جو غازی مال غنیمت کے دارالحرب سے دارالاسلام میں نکال لانے کے بعد فوت ہوا۔ اس کا حصہ اس کے وارثوں کے لئے ہوگا۔ جب جنگ کے دوران امام و حاکم انعام کے وعدے پر لڑائی پر برانگیختہ کرے تو اس میں کوئی عیب نہیں اور وہ اس کا اس طرح کہنا ہوگا جو جسے قتل کرے گا اس مقتول کا ساز و سامان اسی کا ہوگا یا وہ کسی دستے سے کہے! کہ میں نے خمس کے بعد چوتھائی حصہ تمہارے لئے کر دیا ہے۔ اب وہ دارالاسلام میں مال غنیمت جمع کرنے کے بعد انہیں خمس کے علاوہ کوئی انعام نہیں دے گا۔ جب اس نے مقتول کا سامان قاتل کے لئے ہونا قرار نہ دیا ہو تو وہ بھی کل مال غنیمت سے ہی شمار ہوگا۔ جس میں قاتل و غیر قاتل دونوں برابر ہوں گے اور مقتول کا ساز و سامان وہ مقتول کے کپڑے اور ہتھیار وغیرہ ہوں گے۔ اس کی سواری بھی اس ساز و سامان میں شامل ہوگی۔ جب مسلمان دارالحرب سے نکل

آئیں تو اب ان کا اپنے جانوروں کو غنیمت کے مال سے چارہ کھلانا صحیح نہ ہوگا۔ اور ان کا خود بھی اس میں سے کچھ کھانا جائز نہ ہوگا بلکہ جس کے پاس غنیمت کے مال سے کچھ کھانا یا چارہ بچا ہوا ہوگا۔ وہ اسے بھی مال غنیمت میں شامل کردے گا۔

مال غنیمت کی تقسیم میں فقہی مذاہب کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ تمام اگلی امتوں پر مال غنیمت حرام ہے۔ لیکن اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اسے حلال کردیا۔ اس کی تقسیم کی تفصیل یہاں بیان ہو رہی ہے۔ مال غنیمت وہ ہے جو مسلمانوں کو جہاد کے بعد کافروں سے ہاتھ لگے اور جو مال بغیر لڑے جنگ کے ہاتھ آئے مثلاً صلح ہوگئی اور مقررہ تاوان جنگ ان سے وصول کیا یا کوئی مرگیا اور لاوارث تھا یا جزیے اور خراج کی رقم وغیرہ وہ فے ہے۔

سلف وخلف کی ایک جماعت کا اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے۔ بعض لوگ غنیمت کا اطلاق فے پر اور فے کا اطلاق غنیمت پر بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت سورہ حشر کی (آیت ماافاء اللہ الخ) کی ناسخ ہے۔ اب مال غنیمت میں فرق کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ آیت تو فے کے بارے میں ہے اور یہ غنیمت کے بارے میں۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ ان دونوں قسم کے مال کی تقسیم امام کی رائے پر ہے۔ پس مقررہ حشر کی آیت اور اس آیت میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ امام کی مرضی ہو واللہ اعلم۔ آیت میں بیان ہے کہ خمس یعنی پانچواں حصہ مال غنیمت میں سے نکال دینا چاہئے۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ہو۔ گو سوئی ہو یا دھاگہ ہو۔ پروردگار عالم فرماتا ہے جو خیانت کرے گا وہ اسے لے کر قیامت کے دن پیش ہوگا اور ہر ایک کو اس عمل کا پورا بدلہ ملے گا کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا کہتے ہیں کہ خمس میں سے اللہ کے لئے مقررشدہ حصہ کعبے میں داخل کیا جائے گا۔

حضرت ابو العالیہ رباحی کہتے ہیں کہ غنیمت کے مال کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ حصے کرتے تھے۔ چار مجاہدین میں تقسیم ہوتے پانچویں میں سے آپ مٹھی بھر کر نکال لیتے اسے کعبے میں داخل کردیتے پھر جو بچا اس کے پانچ حصے کر ڈالتے ایک رسول اللہ کا ایک قرابت داروں کا۔ ایک یتیموں کا ایک مسکینوں کا ایک مسافروں کا یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اللہ کا نام صرف بطور تبرک ہے گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کے بیان کا وہ شروع ہے۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ جب حضور کوئی لشکر بھیجتے اور مال غنیمت کا مال ملتا تو آپ اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصے کے پانچ حصے کر ڈالتے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس یہ فرمان کہ ان للہ خمسہ یہ صرف کلام کے شروع کے لئے ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔

پانچویں حصے میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے بہت سے بزرگوں کا قول یہی ہے کہ اللہ رسول کا ایک ہی حصہ ہے۔ اسی کی تائید بیہقی کی اس صحیح سند والی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وادی القریٰ میں آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ غنیمت کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے باقی کے چار حصے لشکریوں کے۔ اس نے پوچھا تو اس میں کسی کو کسی پر زیادہ حق نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہاں تک کہ تو

اپنے کسی دوست کے جسم سے تیر نکالے تو اس تیر کا بھی تو اس سے زیادہ مستحق نہیں حضرت حسن نے اپنے مال کے پانچویں حصے کی وصیت کی اور فرمایا کیا میں اپنے لئے اس حصے پر رضامند نہ ہو جاؤں؟ جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا رکھا ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مال غنیمت کے پانچ حصے برابر کئے جاتے تھے چار تو ان لشکریوں کو ملتے تھے جو اس جنگ میں شامل تھے پھر پانچویں حصے کے چار حصے کئے جاتے تھے ایک چوتھائی اللہ کا اور اس کے رسول کا پھر یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے یعنی پانچویں حصے کا پانچواں حصہ آپ اور آپ کے بعد جو بھی آپ کا نائب ہو اس کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں اللہ کا حصہ اللہ کے نبی کا ہے اور جو آپ کا حصہ تھا وہ آپ کی بیویوں کا ہے عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کا جو حصہ ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے اختیار ہے، جس کام میں آپ چاہیں لگائیں۔

مقدام بن معدی کرب حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابو درداء اور حضرت حارث بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ذکر ہونے لگا تو ابو داؤد نے عبادہ بن صامت سے کہا فلاں فلاں غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور نے ایک جہاد میں خمس کے ایک انٹ کے پیچھے صحابہ کو نماز پڑھائی سلام کے بعد کھڑے ہو گئے اور چند بال چٹکی میں لے کر فرمایا کہ مال غنیمت کے انٹ کے یہ بال بھی مال غنیمت میں سے ہی ہیں اور میرے نہیں ہیں میرا حصہ تو تمہارے ساتھ صرف پانچواں ہے اور پھر وہ بھی تم ہی کو واپس دے دیا جاتا ہے پس سوئی دھاگے تک ہر چھوٹی بڑی چیز پہنچا دیا کرو، خیانت نہ کرو، خیانت عار ہے اور خیانت کرنے والے کے لئے دونوں جہان میں آگ ہے۔ قریب والوں سے دور والوں سے راہ حق میں جہاد جاری رکھو۔ شرعی کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال تک نہ کرو۔ وطن میں اور سفر میں اللہ کی مقرر کردہ حدیں جاری کرتے رہو اللہ کے لئے جہاد کرتے رہو جہاد جنت کے بہت بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اسی جہاد کی سبب سے اللہ تعالیٰ غم و رنج سے نجات دیتا ہے۔

(مسند امام احمد)

یہ حدیث حسن ہے اور بہت ہی اعلیٰ ہے۔ صحاح ستہ میں اس سند سے مروی نہیں لیکن مسند ہی کی دوسری روایت میں دوسری سند سے خمس کا اور خیانت کا ذکر مروی ہے۔ ابو داؤد اور نسائی میں بھی مختصراً یہ حدیث مروی ہے اس حصے میں سے آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بعض چیزیں اپنی ذات کے لئے بھی مخصوص فرما لیا کرتے تھے لونڈی غلام تلوار گھوڑا وغیرہ۔ جس طرح محمد بن سیرین اور عامر شعبی اور اکثر علماء نے فرمایا ہے ترمذی وغیرہ میں ہے کہ ذوالفقار نامی تلوار بدر کے دن کے مال غنیمت میں سے تھی جو حضور کے پاس تھی اسی کے بارے میں احد والے دن خواب دیکھا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اسی طرح آئیں تھیں۔ ابو داؤد وغیرہ میں ہے حضرت یزید بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم باڑے میں بیٹھے ہوئے تھے جو ایک صاحب تشریف لائے ان کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا ہم نے اسے پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے زہیر بن اقیش کی طرف ہے کہ اگر تم اللہ کی وحدت کی اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دو اور نمازیں قائم رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور غنیمت کے مال سے خمس ادا کرتے رہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور خالص حصہ ادا کرتے رہو تو تم اللہ اور اس کے رسول کی امن میں ہو۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ تجھے یہ کس نے لکھ دیا ہے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، پس ان صحیح احادیث کی دلالت اور ثبوت اس بات پر ہے اسی لئے اکثر بزرگوں نے اسے حضور کے خواص میں سے شمار کیا ہے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ اور لوگ کہتے ہیں کہ خمس میں امام وقت مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق جو چاہے کرسکتا ہے۔ جس طرح کہ مال فے میں اسے اختیار ہے۔

یہی قول حضرت امام مالک کا ہے اور اکثر سلف کا ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا تو یہ بھی خیال رہے کہ خمس جو حضور کا حصہ تھا اسے اب آپ کے بعد کیا کیا جائے بعض تو کہتے ہیں کہ اب یہ حصہ امام وقت یعنی خلیفۃ المسلمین کا ہوگا۔

حضرت ابوبکر حضرت علی حضرت قتادہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ اور اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسلمانوں کی مصلحت میں صرف ہوگا ایک قول ہے کہ یہ بھی اہل حاجت کی بقایا قسموں پر خرچ ہوگا یعنی قرابت دار یتیم مسکین اور مسافر۔

امام ابن جریر کا مختار مذہب یہی ہے اور بزرگوں کا فرمان ہے کہ حضور کا اور آپ کے قرابت داروں کا حصہ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا جائے۔ عراق والوں کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور کہا گیا ہے خمس کا یہ پانچواں حصہ سب کا سب قرابت داروں کا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن محمد بن علی اور علی بن حسین کا قول ہے کہ یہ ہمارا حق ہے پوچھا گیا کہ آیت میں یتیموں اور مسکینوں کا بھی ذکر ہے تو امام علی نے فرمایا اس سے مراد بھی ہمارے یتیم اور مسکین ہیں۔

امام حسن بن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ کلام کا شروع اس طرح ہوا ہے ورنہ دنیا آخرت کا سب کچھ اللہ ہی کا ہے حضور کے بعد ان دونوں حصوں کے بارے میں کیا ہوا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حضرت کا حصہ آپ کے خلیفہ کو ملے گے۔ بعض کہتے ہیں آپ کے قرابت داروں کو۔ بعض کہتے ہیں خلیفہ کے قرابت داروں کو ان کی رائے میں ان دونوں حصوں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے کام میں لگایا جائے اسی طرح خلافت صدیقی وفاروقی میں ہوتا بھی رہا ہے۔

ابراہیم کہتے ہیں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم حضور کے اس حصے کو جہاد کے کام میں خرچ کرتے تھے۔ پوچھا گیا کہ حضرت علی اس بارے میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا وہ اس بارے میں ان سے سخت تھے۔ اکثر علماء رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ ہاں ذوی القربیٰ کا جو حصہ ہے وہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا ہے۔ کیونکہ اولاد عبدالمطلب نے اولاد ہاشم کی جاہلیت میں اور اول اسلام میں موافقت کی اور انہی کے ساتھ انہوں نے گھاٹی میں قید ہونا بھی منظور کر لیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستائے جانے کی سبب سے یہ لوگ بگڑ بیٹھے تھے اور آپ کی حمایت میں تھے، ان میں سے مسلمان تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سبب

سے۔ کافر خاندانی طرف داری اور رشتوں ناتوں کی حمایت کی سبب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی فرمانبرداری کی سبب سے ستائے گئے ہاں بنو عبد شمس اور بنو نوفل گو یہ بھی آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ لیکن وہ ان کی موافقت میں نہ تھے بلکہ ان کے خلاف تھے انہیں الگ کر چکے تھے اور ان سے لڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ قریش کے تمام قبائل ان کے مخالف ہیں اسی لئے ابو طالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان کی بہت ہی مذمت کی ہے کیونکہ یہ قریبی قرابت دار تھے اس قصیدے میں انہوں نے کہا ہے کہ انہیں بہت جلد اللہ کی طرف سے ان کی اس شرارت کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ ان بیوقوفوں نے اپنے ہوکر ایک خاندان اور ایک خون کے ہوکر ہم سے آنکھیں پھیر لی ہیں وغیرہ۔

ایک موقعہ پر ابن جبیر بن معطم بن عدی بن نوفل اور حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور شکایت کی کہ آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنو عبد المطلب کو تو دیا لیکن ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ آپ کی قرابت داری کے لحاظ سے وہ اور ہم بالکل یکساں اور برابر ہیں آپ نے فرمایا سنو بنو ہاشم ہیں۔

مجاہد کا قول ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ بنو ہاشم میں فقراء ہیں پس صدقے کی جگہ ان کا حصہ مال غنیمت میں مقرر کر دیا۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قرابت دار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی بن حسین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سب قریش ہیں۔ ابن عباس سے استغفار کیا گیا کہ ذوی القربیٰ کون ہیں؟ آپ نے جواب تحریر فرمایا کہ ہم تو کہتے تھے ہم ہیں لیکن ہماری قوم نہیں مانتی وہ سب کہتے ہیں کہ سارے ہی قریش ہیں (مسلم وغیرہ)

بعض رواتوں میں صرف پہلا جملہ ہی ہے۔ دوسرے جملے کی روایت کے راوی ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن مدنی کی روایت میں ہی یہ جملہ ہے کہ سب کہتے ہیں کہ سارے قریش ہیں۔ اس میں ضعف بھی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے لوگوں کے میل کچیل سے تو میں نے منہ پھیر لیا خمس کا پانچواں حصہ تمہیں کافی ہے یہ حدیث حسن ہے اس کے راوی ابراہیم بن مہدی کو امام ابو حاتم ثقہ بتاتے ہیں لیکن یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ منکر روایات لاتے ہیں واللہ اعلم۔ آیت میں تیموں کا ذکر ہے یعنی مسلمانوں کے وہ بچے جن کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ پھر بعض تو کہتے ہیں کہ یتیمی کے ساتھ فقیری بھی ہو تو وہ مستحق ہیں اور بعض کہتے ہیں ہر امیر فقیر یتیم کو یہ الفاظ شامل ہیں۔ مساکین سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس اتنا نہیں کہ ان کی فقیری اور ان کی حاجت پوری ہو جائے اور انہیں کافی ہو جائے۔ ابن السبیل وہ مسافر ہے جو اتنی حد تک وطن سے نکل چکا ہو یا جا رہا ہو کہ جہاں پہنچ کر اسے نماز کو قصر پڑھنا جائز ہو اور سفر خرچ کافی اس کے پاس نہ رہا ہو۔

ہمارا اللہ پر بھروسہ ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہارا اللہ پر اور اس کی اتاری ہوئی وحی پر ایمان ہے تو جو وہ فرما رہا ہے لاؤ یعنی مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ الگ کر دیا کرو۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ وفد عبد القیس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں چار باتوں کا حکم کرتا ہوں اور چار سے منع کرتا ہوں میں تمہیں اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ جانتے بھی ہو کہ اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو پابندی

سے ادا کرنا زکوۃ دینا اور غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔ پس خمس کا دینا بھی ایمان میں داخل ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ خمس کا ادا کرنا ایمان میں ہے پھر اس حدیث کو وارد فرمایا ہے اور ہم نے شرح صحیح بخاری میں اس کا پورا مطلب واضح بھی کر دیا ہے واللہ الحمد والمنہ۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا ایک احسان وانعام بیان فرماتا ہے کہ اس نے حق وباطل میں فرق کر دیا۔ اپنے دین کو غالب کیا اپنے نبی کی اور آپ کے لشکریوں کی مدد فرمائی اور جنگ بدر میں انہیں غلبہ دیا۔ کلمہ ایمان کلمہ کفر پر چھا گیا پس یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے جس میں حق وباطل کی تمیز ہو گی۔ بہت سے بزرگوں سے یہی تفسیر مروی ہے۔ یہی سب سے پہلا غزوہ تھا۔ مشرک لوگ عتبہ بن ربیعہ کی ماتحتی میں تھے جمعہ کے دن انیس یا سترہ رمضان کو یہ لڑائی ہوئی تھی اصحاب رسول تین سو دس سے کچھ اوپر تھے اور مشرکوں کی تعداد نو سو سے ایک ہزار تھی۔ باوجود اس کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ستر سے زائد تو کافر مارے گئے اور اتنے ہی قید کر لئے گئے۔ مستدرک حاکم میں ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کو گیارہویں رات میں ہی یقین کے ساتھ تلاش کرو کیونکہ اس کی صبح کو بدر کی لڑائی کا دن تھا۔ حسن بن علی فرماتے ہیں کہ لیلۃ الفرقان جس دن دونوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی رمضان شریف کی سترہویں تھی یہ رات بھی جمعہ کی رات تھی۔ غزوے اور سیرت کے مرتب کرنے والے کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ ہاں یزید بن ابو جعد جو اپنے زمانے کے مصری علاقے کے امام تھے فرماتے ہیں کہ بدر کا دن پیر کا دن تھا لیکن کسی اور نے ان کی متابعت نہیں کی اور جمہور کا قول یقیناً ان کے قول پر مقدم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مال غنیمت میں بعض حصوں کا بیان

وَيَقْسِمُ الْإِمَامُ الْغَنِيمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا وَيَقْسِمُ الْأَرْبَعَةَ أَخْمَاسٍ بَيْنَ الْغَانِمِينَ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لِلْفَارِسِ ثَلَاثُ أَسْهُمٍ وَلَا يُسْهَمُ إِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ وَالْبَرَاذِينُ وَالْعُتَاقُ سَوَاءٌ وَلَا يُسْهِمُ لِرَاحِلَةٍ وَلَا بَغْلٍ وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ فَارِسٍ وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرَى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ وَلَا يُسْهَمُ لِمَمْلُوكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُونٍ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَكِنْ يَرْضَخُ لَهُمُ الْإِمَامُ عَلَى قَدْرِ مَا يَرَى فَأَمَّا الْخُمُسُ فَيُقَسَّمُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَسْهُمٍ سَهْمٌ لِلْيَتَامَى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ وَسَهْمٌ لِأَبْنَاءِ السَّبِيلِ وَيَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبَى فِيهِمْ وَيُقَدَّمُونَ وَلَا يَدْفَعُ إِلَى أَغْنِيَائِهِمْ شَيْئًا،

ترجمہ

امام مال غنیمت کا خمس نکال کر باقی مال تقسیم کر دے گا۔ غازیوں میں چار خمس تقسیم کرے گا۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سوار کے لئے دو اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک سوار کے لئے تین حصے ہوں گے اور وہ

صرف ایک گھوڑے کا حصہ لگائے گا۔ اس امر میں دیسی اور عربی گھوڑے برابر ہی ہوں گے اور وہ سامان اٹھانے والے اور خچر کا حصہ بھی نہیں لگائے گا۔ جو آدمی گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں دارالحرب میں داخل ہوا۔ اس کے بعد اس کا گھوڑا مر گیا تو وہ سوار کے حصے کا ہی حقدار ہوگا۔ اور جو پیدل داخل ہوا تھا مگر بعد میں اس نے گھوڑا خرید لیا تھا تو وہ پیدل کے حصے کا ہی مستحق ہوگا۔ غلام عورت' ذمی اور بچے کا بھی کوئی حصہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔ البتہ امام جو بہتر سمجھے گا۔ وہ انہیں دے دے گا۔ باقی خمس رہ جائے گا تو اس کے وہ تین حصے کرے گا۔ ایک ایک حصہ یتیموں' مسافروں اور مسکینوں کے لئے ہوگا۔ قریبی رشتہ داروں میں سے جو غریب حضرات ہوں گے وہ بھی انہیں میں شامل ہوں گے۔ انہیں پہلا حصہ دیا جائے گا مگر امام ان کے مالداروں کو کچھ نہیں دے گا۔

عورتوں، بچوں کے حصہ غنیمت میں فقہی مذاہب

یزید بن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے ابن عباس رضی اللہ عنہکو لکھا کہ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے عورتوں کو ساتھ لے کر جایا کرتے اور انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے۔ تو ابن عباس نے انہیں لکھا کہ تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں شریک فرماتے تھے یا نہیں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جہاد میں شریک کرتے تھے اور یہ بیماروں کی مرہم پٹی اور علاج وغیرہ کیا کرتی تھی اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ دیا جاتا تھا لیکن ان کے لئے کوئی خاص حصہ مقرر نہیں کیا گیا۔

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ سفیان ثوری اور شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ عورت اور بچے کا بھی حصہ مقرر کیا جائے۔ اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں بچوں کا بھی حصہ مقرر کیا۔ پس مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس پر عمل کیا۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1615)

ابولحم کے مولی عمیر سے روایت ہے کہ میں خیبر میں اپنے آقاؤں کے ساتھ شریک تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے متعلق بات کی اور بتایا کہ میں غلام ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے لڑائی میں شریک ہونے کا) حکم دیا اور میرے بدن پر ایک تلوار لٹکا دی تھی)۔ میں کوتاہ قامت ہونے کی سبب سے اسے کھینچتا ہوا چلتا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لیے مال غنیمت میں سے کچھ گھریلو اشیاء دینے کا حکم دیا۔ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دم بیان کیا جو میں پاگل لوگوں پڑھ کر پھونکا کرتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس میں سے کچھ الفاظ چھوڑ دینے اور کچھ یاد رکھنے کا حکم دیا۔ اس باب میں ابن عباس سے بھی حدیث منقول ہیں۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ غلام کو بطور انعام کچھ دے دیا جائے۔ سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1617)

اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ غلام بچوں اور عورتوں کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔ یعنی حصہ سے کم دیا

جائے پورا حصہ نہ دیا جائے، امام ابوحنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اور ھدایہ میں لکھا ہے کہ غلام کو مال غنیمت میں سے کچھ اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ جنگ میں شریک رہ کر دشمن سے لڑا ہو، اسی طرح عورت کو بھی اس صورت میں دیا جائے جب کہ وہ بیمار اور زخمی مجاہدین کی تیمارداری اور ان کی دوا دارو کرے۔

مال غنیمت سے ذمی کے حصے کا بیان

زہری سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی ایک جماعت کو حصہ دیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک تھی۔ یہ حدیث قتیبہ، عبدالوارث بن سعید سے وہ عروہ سے اور وہ زہری سے نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1619)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں خیبر کے اشعریوں کی جماعت کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بھی خیبر فتح کرنے والوں کے ساتھ حصہ مقرر کیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ جو مسلمانوں سے غنائم کی تقسیم سے پہلے ملے اسے بھی حصہ دیا جائے۔

(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1620)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے نکلے اور حرۃ الوبر (پتھریلی زمین) کے مقام پر پہنچے تو ایک مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جو دلیری میں مشہور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر جاؤ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لینا چاہتا۔ اس حدیث میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مشرک اگر مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں شریک بھی ہو تب بھی اس کا مال غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔ بعض اہل علم کے نزدیک اسے حصہ دیا جائے گا۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1618)

قرآن مجید میں بیان کردہ خمس کا بیان

فَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى لِنَفْسِهِ فِي كِتَابِهِ مِنَ الْخُمُسِ فَإِنَّمَا هُوَ لِافْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهِ تَعَالَى وَسَهْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبَى كَانُوا يَسْتَحِقُّونَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنُّصْرَةِ وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ وَإِذَا دَخَلَ وَاحِدٌ أَوْ اثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيرِينَ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ فَأَخَذُوا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ وَإِنْ دَخَلَ جَمَاعَةٌ لَهُمْ مَنَعَةٌ فَأَخَذُوا شَيْئًا خُمِّسَ وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْإِمَامُ

ترجمہ

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خمس کے حوالے سے جو ذکر فرمایا ہے۔ وہ کلام کو شروع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے

برکت حاصل کرنے کے لئے ہےاور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری طور پر دنیا سے تشریف لے جانے کی وجہ سے ساقط ہو چکا ہے۔ جس طرح سرداروں کے لئے مال غنیمت سے مخصوص کیا جانے والا حصہ اور قریبی رشتہ داروں کا حصہ ساقط ہو چکا ہے کیونکہ وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے زمانے میں تو فتح ونصرت کی وجہ سے اس کے مستحق ٹھہرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر فقر کی وجہ سے حقدار بنتے تھے۔ جب دو آدمی امام کی اجازت کے بغیر لوٹ مار کرتے ہوئے دارالحرب میں داخل ہوکر کے وہاں سے کوئی شے لے آئیں تو اس کا خمس نہیں لیا جائے گا لیکن جب وہ کسی جماعت کی قوت سے داخل ہوکر کے وہاں سے کوئی شے لے آئیں تو اس میں امام نے انہیں اجازت نہ بھی دی ہو تب بھی اس شے کا خمس لیا جائے گا۔

شرح

اللہ کا لفظ تو بطور تبرک کے ہے، نیز اس لئے ہے کہ ہر چیز کا اصل مالک وہی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے، مراد اللہ اور اس کے رسول کے حصہ سے ایک ہی ہے، یعنی سارے مال غنیمت کے پانچ حصے کر کے چار حصے تو ان مجاہدین میں تقسیم کئے جائیں گے جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ ان میں پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو تین گنا حصہ ملے گا۔ پانچواں حصہ، جسے عربی میں خمس کہتے ہیں، کہا جاتا کہ اس کے پھر پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسے مفاد عامہ میں خرچ کیا جائے گا) جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ حصہ مسلمانوں پر ہی خرچ فرماتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی ہے 'میرا جو پانچواں حصہ ہے وہ بھی مسلمانوں کے مصالح پر ہی خرچ ہوتا ہے' دوسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا، پھر یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا کہا جاتا ہے کہ یہ خمس حسب ضرورت خرچ کیا جائے۔

خمس کی تقسیم کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غنیمت کا پانچواں حصہ جو نکالا گیا ہے اس کے تین حصے کیے جائیں ایک حصہ یتیموں کے لیے اور ایک مسکینوں اور ایک مسافروں کے لیے اور اگر یہ تینوں حصے ایک ہی قسم مثلاً یتیموں یا مساکین پر صرف کر دیے، جب بھی جائز ہے اور مجاہدین کو حاجت ہو تو ان پر صرف کرنا بھی جائز ہے۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مال غنیمت میں سے) ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے دیئے یعنی ایک حصہ تو خود اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1089)

اکثر علماء کا مسلک اسی حدیث کے مطابق ہے، جب کہ بعض علماء کے نزدیک مال غنیمت میں سوار مجاہد کے دو حصے ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک بھی یہی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار مجاہد کو دو حصے دیئے جیسا کہ اسی باب کی دوسری فصل میں منقول روایت سے واضح ہوگا، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے بلکہ صاحب ہدایہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ

جب اس بارے میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس روایت کو ترجیح دی جائے گی جو ان کے علاوہ دوسرے نے نقل کی ہے۔

دارالحرب میں مسلمان تاجر کے داخل ہونے کا بیان

وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ وَإِنْ غَدَرَ بِهِمْ وَأَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُورًا وَيُؤْمَرُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهِ وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ إِلَيْنَا بِأَمَانٍ لَمْ يُمَكَّنْ أَنْ يُقِيمَ فِي دَارِنَا سَنَةً وَيَقُولُ لَهُ الْإِمَامُ إِذَا أَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ فَإِنْ أَقَامَ سَنَةً أُخِذَتْ مِنْهُ الْجِزْيَةُ وَصَارَ ذِمِّيًّا وَلَمْ يُتْرَكْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ فَإِنْ عَادَ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ أَوْ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ وَمَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلَى خَطَرٍ فَإِنْ أُسِرَ أَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُونُهُ وَصَارَتِ الْوَدِيعَةُ فَيْئًا وَمَا أُوجِفَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ أَمْوَالِ أَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ صُرِفَ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ

ترجمہ

اور جب کوئی مسلمان بحیثیت تاجر دارالحرب میں داخل ہو تو اس کے لئے ان کے مالوں اور جانوں میں سے کسی شے کا بھی مطالبہ کرنا جائز نہ ہوگا۔ اس کے بعد جب اس نے غداری کرتے ہوئے کوئی شے لے ہی لی تو وہ بطریق ممنوع ہی اس کا مالک ہوگا۔ اسے اس چیز کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ جب کوئی حربی پناہ لینے کی غرض سے ہمارے پاس آئے گا تو اس کے لئے پورا سال دارالاسلام میں ٹھہرنا ممکن نہ ہوگا بلکہ امام اسے کہہ دے گا۔ جب تو نے یہاں سال بھر رہنا ہے تو میں تم پر جزیہ مقرر کردوں گا۔ اس کے بعد وہ جب سال بھر رہنا چاہے گا تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ ذمی ہو جائے گا۔ اب اسے واپس دارالحرب جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جب وہ دارالحرب چلا گیا اور جاتے ہوئے کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کچھ امانت یا قرض چھوڑ گیا تو پس اس کے اس طرح چلے جانے کی وجہ سے اس کا خون تو مباح ہو ہی چکا ہوگا بلکہ اب دارالاسلام میں اس کا جو کچھ بھی مال ہوگا وہ بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ جب اسے قید کرلیا گیا یا دارالحرب پر قبضے کے بعد اسے قتل کر دیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہو جائے گا اور اس کی امانت مال غنیمت بن جائے گی۔ اہل حرب کا جو مال مسلمانوں نے حملہ کرتے ہوئے جنگ کے بغیر ہی لے لیا تو جیسے خراج خرچ کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ مال بھی مسلمانوں کی بہتری کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسلمان غلام بھاگ کر گیا اور اوس کے ساتھ گھوڑا اور مال واسباب بھی تھا اور سب پر کافروں نے قبضہ کرلیا پھر اون سے سب چیزیں اور غلام کوئی شخص خرید لایا تو غلام بلا معاوضہ مالک کو دلایا جائے اور باقی چیزیں

بقیمت اور اگر غلام مرتد ہو کر دارالحرب کو بھاگ گیا تو حربی پکڑنے کے بعد مالک ہو گئے۔ جو کافر امان لیکر دارالاسلام میں آیا اور اس کے ہاتھ مسلمان غلام نہ بیچا جائے اور بیچ دیا تو واپس لینا واجب ہے اور اگر واپس بھی نہ لیا یہاں تک کہ غلام کو لے کر دارالحرب کو چلا گیا تو اب وہ آزاد ہے یعنی وہ غلام اگر وہاں سے بھاگ کر آیا یا مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور اُس غلام کو وہاں سے حاصل کیا تو نہ کسی کو دیا جائے نہ غنیمت کی طرح تقسیم ہو بلکہ وہ آزاد ہے۔ اسی طرح اگر حربی غلام مسلمان ہو گیا اور وہاں سے بھاگ کر دارالاسلام میں آ گیا یا ہمارا لشکر دارالحرب میں تھا اُس لشکر میں آ گیا یا اُس کو کسی مسلمان یا ذمی یا حربی نے دارالحرب میں خرید لیا یا اُس کے مالک نے بیچنا چاہا یا مسلمانوں کا ان پر غلبہ ہوا بہر حال آزاد ہو گیا۔ (درمختار، کتاب الجہاد)

عرب کی ساری زمین کے عشری ہونے کا بیان

وَأَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا أَرْضُ عَشْرٍ وَهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى أَقْصَى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةَ إِلَى حَدِّ الشَّامِ وَالسَّوَادُ كُلُّهَا أَرْضُ خَرَاجٍ وَهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ إِلَى عَقَبَةِ حُلْوَانَ وَمِنَ الْعَلْثِ إِلَى عَبَّادَانَ وَأَرْضُ السَّوَادِ كُلُّهَا مَمْلُوكَةٌ لِأَهْلِهَا يَجُوزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيهَا وَكُلُّ أَرْضٍ أَسْلَمَ أَهْلُهَا عَلَيْهَا أَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِّمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِينَ فَهِيَ أَرْضُ عُشْرٍ وَكُلُّ أَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَأُقِرَّ أَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ أَرْضُ خَرَاجٍ وَمَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَوَاتًا فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ هِيَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيْزِهَا فَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيْزِ أَرْضِ الْخَرَاجِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَإِنْ كَانَتْ مِنْ حَيْزِ أَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَالْبَصْرَةُ عِنْدَنَا عُشْرِيَّةٌ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ أَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا أَوْ عَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا أَوْ مَاءِ دِجْلَةَ أَوِ الْفُرَاتِ أَوِ الْأَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِي لَا يَمْلِكُهَا أَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَإِنْ أَحْيَاهَا بِمَاءِ الْأَنْهَارِ الَّتِي احْتَفَرَهَا الْأَعَاجِمُ كَنَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجِرْدَ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَالْخَرَاجُ الَّذِي وَضَعَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى أَهْلِ السَّوَادِ فِي كُلِّ جَرِيبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ،

ترجمہ

اور عرب شریف یا حجاز مقدس کی زمین جو مقام ''عذیب'' سے لے کر کے ''عقبہ حلوان'' تک ہے اور مقام ''ثلث'' سے لے کر مقام ''عبادان'' تک ہے۔ ''سواد عراق'' کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہے۔ ان کا اسے بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔ ہر وہ زمین جس کے باشندے اسلام قبول کر لیں یا اسے قوت بازو سے فتح کرنے کے بعد غازیوں میں تقسیم کر دیا گیا ہو۔ ایسی زمین عشری ہوگی۔ جس زمین کو قوت بازو سے فتح کرنے کے بعد اس کے باشندوں کو ہی وہاں رکھا گیا ہو تو ایسی زمین خراجی ہوگی۔ جس نے کوئی مردہ زمین آباد کی تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا اعتبار برابر والی زمین سے کیا جائے گا۔ جب برابر والی زمین خراجی ہو تو وہ بھی خراجی ہوگی۔ جب عشری ہو تو وہ بھی عشری ہوگی۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کے مطابق ہمارے نزدیک ''بصرۃ'' کی زمین عشری ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ جب اس زمین کو

کنواں کھود کر کے، چشمہ نکال کر کے، دجلہ، فرات یا وہ بڑی نہریں جن کا کوئی مالک نہیں ان کے پانی سے کسی نے آباد کیا ہو تو وہ زمین عشری ہوگی۔ جب وہ نہریں جنہیں عجمیوں نے کھودا ہو۔ مثال کے طور پر ''نہر ملک'' ''نہر یزدجر'' ان کے پانی سے آباد کیا تو وہ زمین خراجی ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل سواد پر جو خراج مقرر فرمایا تھا وہ ہر اس جریب کی وجہ سے تھا جس سے ان کی زمین کو پانی پہنچتا تھا اور وہ قابل کاشت بھی تھی۔

خاص عشور کی ایجاد کا بیان

عشور خاص بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے۔ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان سے وہاں کے دستور کے مطابق مال تجارت پر دس فیصد ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں کو جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول لیا جائے۔ عیسائیوں نے جو اس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہم کو عشر ادا کرنے کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منظور کیا۔ اور پھر ذمیوں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔

البتہ تعداد میں تفاوت رہا۔ یعنی حربیوں سے دس فیصد، ذمیوں سے پانچ فیصد، مسلمانوں سے اڑھائی فیصد لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے ایک خاص محکمہ قائم کر دیا۔ جس سے بہت بڑی آمدنی ہوگئی۔ یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا۔ جس کی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی۔ یعنی تاجر ایک سال جہاں جہاں چاہے مال لے جائے، اس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا۔

یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت کے مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے۔ یعنی کسی کے اسباب کی تلاشی نہ لی جائے۔ علامہ عالم بن علاء الانصاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "زکوۃ کے برخلاف عشر مقروض پر بھی واجب ہوتا ہے۔ (فتاوی تاتارخانیہ، کتاب العشر، ج ۲، ص ۳۳۰)

زمینی پیداوار میں قید وسق میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غلہ اور پھلوں کے نصاب عشر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک پانچ وسق کو نصاب قرار دیا گیا ہے۔

جبکہ حضرت امام اعظم کے نزدیک وسق کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ زمینی پیداوار میں جس بھی پھل اور سبزیاں ہیں ان کی مقدار کے مطابق ان میں عشر یا نصف عشر دینا واجب ہے۔ (المغنی، ج ۲، ص ۲۹۰، بیروت)

قفیز، صاع اور جریب کا بیان

قَفِيزُهَا شَيِّيٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ وَفِي جَرِيبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَفِي جَرِيبِ الْكَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَمَا سِوَى ذٰلِكَ مِنَ الْأَصْنَافِ يُوضَعُ عَلَيْهَا بِحَسَبِ الطَّاقَةِ فَإِنْ لَمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهَا الْإِمَامُ وَإِنْ غَلَبَ عَلَى أَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ وَانْقَطَعَ عَنْهَا أَوِ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِمْ وَإِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ وَمَنْ أَسْلَمَ مِنْ أَهْلِ الْخَرَاجِ أُخِذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ عَلَى حَالِهِ وَيَجُوزُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ أَرْضَ الْخَرَاجِ مِنَ الذِّمِّيِّ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ الْخَرَاجُ وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ

ترجمہ

اور ہاشمی قفیز، ایک صاع اور ایک درہم کا ہوتا ہے۔ ترکاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم ہوتے ہیں جبکہ انگور اور کھجور کے ایک جریب میں دس درہم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی زمینوں پر بھی ان کے منافع اور آمدن کے مطابق خراج مقرر کیا جائے گا۔ جب ان زمینوں کے اہل اس مقررہ خراج کو برداشت نہ کر سکتے ہوں تو امام اسے کم کر دے گا۔ جب ان پر پانی کا غلبہ ہو جائے، پانی بند ہو جائے یا کوئی آفت فصل تباہ کر دے تو کاشتکاروں پر خراج نہیں ہوگا۔ جب زمین کے مالکوں نے زمین کو بیکار چھوڑ رکھا ہو تو ان پر خراج ہوگا جو زمین والے اسلام لے آئیں ان سے حسب سابق خراج لینا جاری رہے گا۔ مسلمان کا ذمی سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے۔ خراجی زمین کی پیداوار میں اس مسلمان سے بھی خراج لیا جائے گا۔ مگر عشر نہیں لیا جائے گا۔

جزیہ کے اقسام کا فقہی بیان

(وَالْجِزْيَةُ عَلَى ضَرْبَيْنِ جِزْيَةٌ تُوضَعُ بِالتَّرَاضِي وَالصُّلْحِ فَتُقَدَّرُ بِحَسَبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِئُ الْإِمَامُ بِوَضْعِهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ وَأَقَرَّهُمْ عَلَى أَمْلَاكِهِمْ فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغِنَى فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُ فِي كُلِّ شَهْرٍ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ وَعَلَى الْمُتَوَسِّطِ الْحَالِ أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَانِ وَعَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمٌ وَتُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِيِّ وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ وَلَا تُوضَعُ عَلَى عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا عَلَى الْمُرْتَدِّينَ ،

ترجمہ

جزیہ کی دو اقسام ہیں: ایک وہ ہے جو رضامندی اور صلح سے مقرر کیا جاتا ہے جس پر اس کے مقرر کرنے کا اتفاق ہوگا۔ اس پر مقرر کر دیا جائے گا۔

ایک قسم جزیہ کی وہ ہے کہ جب امام کافروں پر غلبہ پاتا ہے تو ابتداءً ان پر جزیہ مقرر کر دیتا ہے یہ ہی جزیہ کی دوسری قسم ہے۔
اور امام وہاں کے مالکوں کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھے گا اور ان میں سے زیادہ مالدار آدمی پر ایک سال کے اڑتالیس درہم مقرر کرے گا۔ ہر ماہ اس سے چار درہم وصول کرتا رہے گا۔ ایک درمیانے درجہ کے آدمی پر ایک سال کے چوبیس درہم وصول کرے گا۔ اس سے ہر ماہ دو درہم مقرر کرتا رہے گا۔ ایک عام مزدور اور فقیر قسم کے آدمی پر ایک سال کے بارہ درہم مقرر کرے گا۔ اور ہر ماہ اس سے ایک درہم وصول کرتا رہے گا۔ اہل کتاب، عجمیوں، مجوسیوں اور بتوں کی پوجا کرنے والوں پر بھی جزیہ مقرر کیا جائے گا۔ البتہ عرب کے بت پرستوں اور مرتدوں پر مقرر نہیں کیا جائے گا۔

جزیہ کا فقہی مفہوم

جزیہ کے لفظی معنی بدلے اور جزا کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں جزیہ بدل ہے اس امان کا جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جائے گی۔ ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمے ہوگی اور ان کے مذہبی رسوم میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ہاتھ سے جزیہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ جزیہ کا دینا اسلامی غلبے کو تسلیم کرتے ہوئے اور اسلامی حکومت کے ماتحت رہنے کی حیثیت سے ہو۔ اور چھوٹے بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اسلام کے تمام قوانین کی اطاعت کو اپنے ذمے لازم قرار دیں۔

جزیہ "اسلامی قانون کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا اطلاق اس خاص محصول (ٹیکس) پر ہوتا ہے جو اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلم افراد (ذمیوں) سے طے شدہ مرضی کے مطابق لیا جاتا ہے۔ "جزیہ" اصل میں "جزاء" سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی "بدلہ کے ہیں! اس خاص محصول (ٹیکس) کو جزیہ کیوں کہا جاتا ہے وہ گویا اسلامی ریاست میں ترک اسلام اور کفر پر قائم رہنے کا ایک بدلہ اور عوض ہے جو ان کے مال، جائداد، عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔

عورت و بچوں پر جزیہ نہ ہونے کا بیان

وَلَا جِزْيَةَ عَلَى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا عَلَى زَمِنٍ وَلَا عَلَى أَعْمَى وَلَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَلَا عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِينَ لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ وَإِنْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ حَوْلَانِ تَدَاخَلَتْ الْجِزْيَةُ وَلَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ بِيعَةٍ وَلَا كَنِيسَةٍ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ وَإِذَا انْهَدَمَتْ الْكَنَائِسُ وَالْبِيَعُ الْقَدِيمَةُ أَعَادُوهَا وَيُؤْخَذُ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ بِالتَّمْيِيزِ عَنْ الْمُسْلِمِينَ فِي زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوجِهِمْ وَمَلَابِسِهِمْ، وَمَنْ امْتَنَعَ مِنْ أَدَاءِ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْتَقِضْ عَهْدُهُ وَلَا يَنْتَقِضُ الْعَهْدُ إِلَّا أَنْ يَلْحَقُوا بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُوا عَلَى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُونَا

ترجمہ

اور عورت، بچے، اپاہج، ایسا فقیر جو بیکار ہو اور وہ راہب جو لوگوں سے ملتا نہ ہو ان پر جزیہ مقرر نہیں کیا جاتا۔ جو آدمی اسلام

لے آئے اس کے ذمے جب کچھ جزیہ ہو بھی تو وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جب ایسے آدمی پر دو سال کا جزیہ اکٹھا ہو گیا تھا تو وہ دونوں جزیے ایک ہی شمار ہوں گے۔

دارالاسلام میں یہود و نصاریٰ کا نئے عبادت خانے بنانا جائز نہیں۔ جب ان کے پرانے عبادت خانے اور گرجا گھر منہدم ہو جائیں تو صرف انہیں وہ دوبارہ تعمیر کر سکتے ہیں۔

ذمیوں سے لباس، سواریوں، زمینوں اور ٹوپیوں میں مسلمانوں کو ممتاز رکھنے کا عہد لیا جائے گا اور یہ بھی کہ نہ تو وہ گھوڑوں پر سوار ہوں گے، نہ ہتھیار اٹھائیں گے اور جس نے جزیہ نہ دیا، کسی مسلمان کو قتل کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی یا کسی مسلمان عورت سے زنا کیا تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔ ان کے دارالاسلام سے دارالحرب چلے جانے یا کسی جگہ غلبہ پا کر ہم سے لڑائی پر تیار ہونے کے علاوہ ان کا عہد نہیں ٹوٹے گا۔

اہل کتاب جیسے مذاہب سے وصول جزیہ میں مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے اور ان جیسوں سے ہی لیا جائے جس طرح مجوس ہیں چنانچہ ہجر کے مجوسیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا تھا۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور مشہور مذہب امام احمد کا بھی یہی ہے۔
امام اعظم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سب عجمیوں سے لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہوں خواہ مشرک ہوں۔ ہاں عرب میں سے صرف اہل کتاب سے ہی لیا جائے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جزیے کا لینا تمام کفار سے جائز ہے خواہ وہ کتابی ہوں یا مجوسی ہوں یا بت پرست وغیرہ ہوں۔ ان مذاہب کے دلائل وغیرہ کی تفصیل کی یہ جگہ نہیں۔ پس فرماتا ہے کہ جب تک وہ ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہاتھوں جزیہ نہ دیں انہیں نہ چھوڑو پس اہل ذمہ کو مسلمانوں پر عزت وتوقیر دینی اور انہیں اوج وترقی دینی جائز نہیں۔
صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہود ونصاریٰ سے سلام کی ابتداء نہ کرو اور جب ان سے کوئی راستے میں مل جائے تو اسے تنگی سے مجبور کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، توبہ، ۲۹)

جزیہ کی عدم ادائیگی سے نقض عہد میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس شخص کا خون مباح ہو جائے گا اور یہ احناف کا مذہب ہے اور اس کو قید میں رکھا جائے گا تاکہ وہ جزیہ ادا کرے اور اگر وہ جزیہ اب بھی نہیں دیتا تو پھر اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک صرف جزیہ کے انکار سے ہی عہد ٹوٹ جائے گا۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، ج ۱۳، ص ۲۰۴، بیروت)

مرتد کے بارے میں فقہی احکام کا بیان

وَإِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْإِسْلَامُ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ لَهُ

وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ أَسْلَمَ وَإِلَّا قُتِلَ فَإِنْ قَتَلَهُ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ لَهُ ذٰلِكَ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ وَأَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْتَلُ وَلٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ أَمْلَاكِهِ بِرِدَّتِهِ فَإِنْ أَسْلَمَ عَادَتْ أَمْلَاكُهُ عَلَى حَالِهَا وَإِنْ قُتِلَ أَوْ مَاتَ عَلَى رِدَّتِهِ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ إِسْلَامِهِ إِلَى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيْئًا وَإِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلَحَاقِهِ عَتَقَ مُدَبَّرُهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ وَنُقِلَ مَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ إِلٰى وَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ

جب کوئی مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اسے اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ جب اسے کوئی شک شبہ ہو تو اسے دور کیا جائے گا۔ اور اسے تین دن تک قید میں رکھا جائے گا۔ جب وہ واپس آ جائے یعنی اسلام پھر سے قبول کر لے تو صحیح لیکن جب اسلام قبول نہ کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جب کسی نے اسے اسلام کی دعوت دینے سے قبل ہی قتل کر دیا تو یہ فعل مکروہ تو ہوگا مگر قاتل پر واجب کچھ نہیں ہوگا۔ اور اسلام سے پھر جانے والی عورت بہر حال قتل نہیں کی جائے گی بلکہ اسے اسلام قبول کر لینے تک قید کر دیا جائے گا۔

جب کوئی آدمی مرتد ہو جائے تو اس کے مرتد ہونے سے اس کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ مگر اس کی ملکیت کا یہ زوال موقوف رہتا ہے۔ جب تو وہ اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کی مِلک واپس لوٹ آئے گی۔ جب مرتد ہونے کی صورت میں ہی فوت ہو گیا یا قتل کر دیا گیا تو اس کی زمانہ اسلام کی کمائی اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

اور اس کی زمانہ ارتداد کی کمائی مال غنیمت بن جائے گی۔ جب کوئی مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا اور حاکم نے اس کے ان کے ساتھ مل جانے کا حکم جاری کر دیا تو اس کے مدبر اور ام ولد افراد فوری طور پر آزاد ہو جائیں گے اور وہ قرضے جو اس کے ذمے میعادی تھے اور اس کی زمانہ اسلام کی کمائی یہ تمام مال اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

کافر، مرتد اور زندیق میں فرق کا بیان

جو لوگ اسلام کو مانتے ہی نہیں وہ تو کافر اصلی کہلاتے ہیں، جو لوگ اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس سے برگشتہ ہو جائیں وہ مرتد کہلاتے ہیں، اور جو لوگ دعویٰ اسلام کا کریں لیکن عقائد کفریہ رکھتے ہوں اور قرآن و حدیث کے نصوص میں تحریف کر کے انہیں اپنے عقائد کفریہ پر فٹ کرنے کی کوشش کریں انہیں زندیق کہا جاتا ہے۔

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اگر ان تین دنوں میں وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے پکا سچا مسلمان بن کر رہنے کا عہد کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے، جمہور ائمہ کے نزدیک مرتد خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم

ہے، البتہ امام اعظم رضی اللہ عنہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرتد عورت اگر توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت کے بجائے حبس دوام کی سزا دی جائے۔

زندیق کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ

زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے، لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ بہرحال واجب القتل ہے۔ حضرت امام احمد علیہ الرحمہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ اگر وہ توبہ کرلے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا بہرصورت قتل ہے خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے۔ حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے ازخود توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی، لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق، مرتد سے بدتر ہے، کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے، لیکن زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر اختلاف ہے۔

مرتد کے حالت اسلام والے قرضوں کی ادائیگی کا بیان

وَتُقْضَى الدُّيُونُ الَّتِي لَزِمَتْهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ الْإِسْلَامِ وَمَا لَزِمَهُ مِنَ الدُّيُونِ فِي حَالِ رِدَّتِهِ وَمَا بَاعَهُ أَوِ اشْتَرَاهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِي حَالِ رِدَّتِهِ مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُودُهُ وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ وَإِذَا عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلَحَاقِهِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِي يَدِ وَرَثَتِهِ مِنْ مَالِهِ بِعَيْنِهِ أَخَذَهُ وَالْمُرْتَدَّةُ إِذَا تَصَرَّفَتْ فِي مَالِهَا فِي حَالِ رِدَّتِهَا جَازَ تَصَرُّفُهَا

ترجمہ

اب اس کے قرضے جو اسے دور اسلام میں لازم ہوئے تھے وہ اس کی دور اسلام کی کمائی سے ادا کیے جائیں گے۔ اور اس کے وہ قرضے جو اسے زمانہ ارتداد میں ہونے کی صورت میں لازم ہوئے تھے۔ وہ اس کی مرتد ہونے کی حالت میں کی گئی کمائی سے ادا کیے جائیں گے۔ اور جو کچھ اس نے بیچا ہو' خریدا ہو یا حالت ارتداد میں اپنے مال میں تصرف کیا ہوگا تو یہ سب عقد موقوف رہیں گے۔ جب وہ اسلام لے آئے گا تو اس کے یہ تمام عقد درست ہو جائیں گے۔ کوئی مرتد مسلمان ہو کر دارالاسلام مین آ گیا تو اسے اپنے ورثاء کے پاس اپنا جو مال بالکل اسی حالت میں مل سکے گا' اسے وہ لے لے گا اور جب اسلام سے پھرنے والی کسی عورت نے ارتداد کی حالت میں اپنے مال میں کچھ تصرف کرلیا تو جائز ہوگا۔ جتنی زکوٰۃ مسلمانوں سے لی جاتی ہے۔

مرتد کی توبہ میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "المغنی" میں کہتے ہیں: مرتد کو اس وقت تک قتل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس سے تین بار توبہ طلب نہ کی جائے، اکثر علماء کا قول یہی ہے، جن میں عمر، علی رضی اللہ عنہما اور عطاء، النخعی، امام مالک، الثوری، اوزاعی، اسحاق، اور اصحاب الرائے رحمہم اللہ شامل ہیں۔

کیونکہ ارتداد کسی شبہہ اور اشکال کی بنا پر ہوگا، اور وہ شبہہ اسی وقت زائل نہیں ہوسکتا اس لیے اتنی مدت انتظار کرنا ضروری ہے جس میں وہ مطمئن ہوسکے، اور یہ مدت تین یوم ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ (18/9))

مرتد کا حکم یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے اور اس کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے، اگر ان تین دنوں میں وہ اپنے ارتداد سے توبہ کر کے پکا سچا مسلمان بن کر رہنے کا عہد کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور اسے رہا کر دیا جائے، لیکن اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسلام سے بغاوت کے جرم میں اسے قتل کر دیا جائے، جمہور ائمہ کے نزدیک مرتد خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کا ایک ہی حکم ہے،

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مرتد عورت اگر توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت کے بجائے حبس دوام کی سزا دی جائے۔ زندیق بھی مرتد کی طرح واجب القتل ہے، لیکن اگر وہ توبہ کرے تو اس کی جان بخشی کی جائے گی یا نہیں؟

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، وہ بہر حال واجب القتل ہے۔

امام احمد علیہ الرحمہ سے دونوں روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ اگر وہ توبہ کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسری روایت یہ ہے کہ زندیق کی سزا بہر صورت قتل ہے خواہ توبہ کا اظہار بھی کرے۔ حنفیہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتاری سے پہلے از خود توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے اور سزائے قتل معاف ہو جائے گی، لیکن گرفتاری کے بعد اس کی توبہ کا اعتبار نہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زندیق، مرتد سے بدتر ہے، کیونکہ مرتد کی توبہ بالاتفاق قبول ہے، لیکن زندیق کی توبہ کے قبول ہونے پر اختلاف ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں۔

واتفق الأئمة الأربعة عليهم رحمة الله تعالىٰ على أن من ثبت ارتداده عن الإسلام والعياذ بالله وجب قتله، وأهدر دمه (كتاب الفقه على مذاهب الأربع، جلد۵/ ص ۴۲۳)

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے اللہ بچائے اُس کا قتل واجب ہے اور اُس کا خون بہانا جائز ہے۔

ارتداد کے سبب زوال ملکیت میں فقہی بیان

جب کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے لیکن یہ ملکیت کا زائل ہونا موقوف رہتا ہے

اگر اس شخص کو توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کی ملکیت بھی واپس آ جاتی ہے اور اگر وہ اسی حالت ارتداد میں مرجائے یا اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کے اس مال کے جو اس نے اسلام کی حالت میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارث اور حقدار ہوں گے اور ان کو اس مال کا وہی حصہ ملے گا جو اس زمانہ میں اس کے دین کی ادائیگی کے بعد جو کچھ بچے گا وہ فئی شمار ہوگا۔ یہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا قول ہے، صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک مرتد کی ملکیت زائل نہیں ہوتی۔

ارتداد سے ملک جاتی رہتی ہے یعنی جو کچھ اس کے املاک و اموال تھے سب اس کی ملک سے خارج ہو گئے مگر جبکہ پھر اسلام لائے اور کفر سے توبہ کرے تو بدستور مالک ہو جائے گا اور اگر کفر ہی پر مر گیا یا دارالحرب کو چلا گیا تو زمانہ اسلام کے جو کچھ اموال ہیں ان سے اولاً ان دیون کو ادا کرینگے جو زمانہ اسلام میں اس کے ذمہ تھے اس سے جو بچے وہ مسلمان ورثہ کو ملے گا اور زمانہ ارتداد میں جو کچھ کمایا ہے اس سے زمانہ ارتداد کے دیون ادا کرینگے اس کے بعد جو بچے وہ فئے ہے۔

علامہ فخر الدین زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عورت کو طلاق دی تھی وہ ابھی عدت ہی میں تھی کہ شوہر مرتد ہو کر دارالحرب کو چلا گیا یا حالت ارتداد میں قتل کیا گیا تو وہ عورت وارث ہوگی۔ (تبیین الحقائق، کتاب سیر، باب مرتدین، ج ۴، ص ۱۷۸)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مرتد دارالحرب کو چلا گیا یا قاضی نے لحاق یعنی دارالحرب میں چلے جانے کا حکم دیدیا تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہو گئے اور جتنے دیون میعادی تھے ان کی میعاد پوری ہوگئی یعنی اگرچہ ابھی میعاد پوری ہونے میں کچھ زمانہ باقی ہو مگر اسی وقت وہ دَین واجب الادا ہو گئے اور زمانہ اسلام میں جو کچھ وصیت کی تھی وہ سب باطل ہے۔

(فتح القدیر، کتاب سیر)

نصاریٰ بنو تغلب سے دوگنا مال لینے کا بیان

وَنَصَارَى بَنِي تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الزَّكَاةِ وَيُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ شَيْءٌ وَمَا جَبَاهُ الْإِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ أَمْوَالِ نَصَارَى بَنِي تَغْلِبَ وَمَا أَهْدَاهُ أَهْلُ الْحَرْبِ إِلَى الْإِمَامِ وَالْجِزْيَةِ تُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ فَيُسَدُّ بِهِ الثُّغُورُ وَتُبْنَى بِهِ الْقَنَاطِرُ وَالْجُسُورُ وَيُعْطَى قُضَاةُ الْمُسْلِمِينَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مِنْهَا مَا يَكْفِيهِمْ وَيُدْفَعُ مِنْهُ أَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِيِّهِمْ

ترجمہ

''بنو تغلب'' کے نصاریٰ سے اس سے دگنی لی جائے گی۔ ان کی عورتوں سے بھی اس کا دگنا لیا جائے گا۔ البتہ ان کے بچوں سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ امام مال خراج' بنو تغلب کا مال' اہل حرب نے جو کچھ ہدیتہً امام کو دیا ہو یہ سب کچھ جس قدر بھی امام نے جمع کیا ہوا ہو اور جزیے کا مال بھی سب مسلمانوں کی بھلائی پر خرچ کیا جائے گا۔ اس مال سے سرحدیں بند کر دی جائیں گی'

پل بنائے جائیں گے اور نیز اسی مال سے مسلمانوں کے قاضیوں، گورنروں اور علمائے کرام کو اس قدر دیا جائے گا جو انہیں کفایت کر سکے۔ اسی مال سے غازیوں اور ان کے بچوں کو روزمرہ کا خرچہ بھی دیا جائے گا۔

بنو تغلب نصاریٰ سے وصول جزیہ میں تاریخی و فقہی مذاہب

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں بنو تغلب کے نصاریٰ نے جب اصرار کیا کہ وہ اہل عجم کی طرح 'جزیہ' ادا نہیں کریں گے بلکہ ان سے صدقہ یا زکوٰۃ وصول کی جائے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابتداء ان کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، تاہم یہ دیکھتے ہوئے کہ بنو تغلب شام کی سرحد کے قریب آباد ہیں اور دشمن کے مقابلے میں ان کے تعاون کی مسلمانوں کو اشد ضرورت ہے، انھوں نے مصلحت اور مجبوری کے تحت ان کے رؤوس پر 'جزیہ' عائد کرنے کے بجائے ان کے اموال میں سے صدقہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ اس سے معاملے کی حقیقی نوعیت بالکل مختلف ہو گئی تھی، تاہم انھوں نے ان سے یہ کہنا مناسب سمجھا کہ تم اسے جو چاہو نام دے لو، ہم تم سے وصول کی جانے والی رقم کو 'جزیہ' ہی کہیں گے۔ (بلاذری، فتوح البلدان ۱/۲۱۶)

امام لیث بن سعد نے اس صلح کی نوعیت یوں بیان کی ہے:

انما الصلح بيننا وبين النوبة على ان لا نقاتلهم ولا يقاتلوننا وانهم يعطوننا رقيقا ونعطيهم طعاما

(ابو عبید، الاموال، ۲۳۶)

"ہمارے اور اہل نوبہ کے مابین صلح اس بات پر ہوئی ہے کہ نہ وہ ہم سے لڑیں گے اور نہ ہم ان سے، اور یہ کہ وہ ہمیں غلام مہیا کریں گے اور ہم اس کے عوض میں انھیں آٹا دیں گے۔"

اسی طرح بعض گروہوں کو اس شرط پر جزیہ سے مستثنیٰ قرار دینے کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ وہ جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ (معجم البلدان، ۲/۱۲۱)

جہاں تک بعد کی فقہی روایت کا تعلق ہے تو فقہا بالعموم اہل ذمہ کے لیے 'جزیہ' کی ادائیگی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ 'جزیہ' ان کے کفر پر قائم رہنے کی سزا اور اسلام کے مقابلے میں ان کی ذلت و رسوائی کی علامت ہے اور اپنی اس علامتی اہمیت ہی کی سبب سے مسلمانوں کے مقابلے میں اہل ذمہ کی محکومانہ حیثیت کو واضح کرتا ہے۔ فقہا اس کی حکمت یہ بتاتے ہیں کہ جن کفار نے دین حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، وہ مسلمانوں کے زیر دست رہتے ہوئے ہر دم اپنی پستی اور محکومی کا مشاہدہ کریں اور انھیں احساس ہو کہ یہ ان کے کفر پر قائم رہنے کی سزا ہے۔ اس طرح ان میں یہ داعیہ پیدا ہوگا کہ وہ اس ذلت سے بچنے کے لیے کفر و شرک کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ (الموسوعۃ الفقہیہ، 'جزیہ'، ۱۵/۱۵۸۔ ابن العربی، احکام القرآن، ۲/۴۸۱)

امام ابو بکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ مقصد چونکہ 'جزیہ' ہی کے ذریعے سے حاصل ہو سکتا ہے، اس لیے فقہا یہ کہتے ہیں کہ اگر غیر مسلم 'جزیہ' کی ادائیگی کے بغیر پر امن تعلقات قائم کرنے کی پیش کش کریں تو قبول نہیں کی جائے گی۔ (جصاص، احکام القرآن، ۳/۴۲۸)

حتیٰ کہ اگر اس شرط پر صلح کے لیے آمادہ ہوں کہ ان کو قیدی بنائے بغیر اور مسلمانوں کے ذمہ میں داخل کر کے ان سے جزیہ وصول کیے بغیر انھیں اپنے علاقے سے جلاوطن کر دیا جائے تو بھی مذکورہ شرط پر صلح کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر مسلمان جنگ کر کے ان سے جزیہ وصول کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو مذکورہ شرط پر صلح کی جا سکتی ہے۔ (جصاص، احکام القرآن، ۳/۴۲۸)

امام سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اسی بنا پر فقہا سیدنا عمر کے اس فیصلے کو جو انھوں نے بنو تغلب کے نصاریٰ کے بارے میں کیا، بنو تغلب ہی کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور غیر مسلم گروہ سے 'جزیہ' کے بجائے صدقہ کی وصولی کو جائز نہیں سمجھتے۔ (سرخسی، المبسوط ۳/۲۵۸) جبکہ جصاص وغیرہ کی رائے میں یہ بھی درحقیقت 'جزیہ' ہی تھا۔ (احکام القرآن ۶/۴۸۶)

تاہم ایک رائے یہ بھی موجود ہے کہ اگر عملی صورت حالات کسی غیر مسلم گروہ کے ساتھ اسی شرط پر صلح کرنے پر مجبور کر رہی ہو کہ ان سے جزیہ کے بجائے زکوٰۃ لی جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان بنی تغلب کانوا ذوی قوۃ وشوکۃ لحقوا بالروم وخیف منھم النقصان ان لم یصالحوا ولم یوجد ھذا فی غیرھم فان وجد ھذا فی غیرھم فامتنعوا من اداء الجزیۃ وخیف النقصان بترک مصالحتھم فرای الامام مصالحتھم علی اداء الجزیۃ باسم الصدقۃ جاز ذلک اذا کان الماخوذ منھم بقدر ما یجب علیھم من الجزیۃ او زیادۃ (المغنی، ۹/۲۷۷)

"بنو تغلب قوت وشوکت کے حامل تھے اور اہل روم کے ساتھ مل گئے تھے، اور اگر ان کے ساتھ صلح نہ کی جاتی تو ان کی جانب سے نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا۔ یہ سبب کسی اور گروہ میں نہیں پائی جاتی۔ ہاں، اگر کسی اور میں بھی یہ سبب پائی جائے اور وہ جزیہ دینے سے انکار کریں اور ان کے ساتھ صلح نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خدشہ ہو اور حکمران صدقہ کے نام سے ان سے جزیہ وصول کرنے پر صلح کرنے کو مناسب سمجھے تو ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے، جبکہ ان سے وصول کی جانے والی رقم جزیہ کے مساوی یا اس سے زیادہ ہو۔

اس ضمن میں ایک فقہی رائے یہ بھی ہے کہ اگر غیر مسلم جزیہ کے بجائے صدقہ کے نام سے رقم ادا کرنا چاہیں تو پھر بنو تغلب کی نظیر کے مطابق ان سے دوہری رقم وصول کی جانی چاہیے۔ (ماوردی، الاحکام السلطانیۃ ۱۸۴)

اس پس منظر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس حوالے سے پایا جانے والا توسع کا رویہ خاص طور پر قابل تسبب ہے، اس لیے کہ وہ مجبوری کی کسی حالت کے بغیر عام حالات میں بھی خاص 'جزیہ' کے نام سے کسی رقم کی وصولی کو لازم نہیں سمجھتے، بلکہ ان کے نزدیک اگر غیر مسلم کسی بھی شکل میں اتنی رقم کی ادائیگی پر آمادہ ہوں جو جزیہ کے مساوی ہو تو ان کے ساتھ صلح جائز ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

فاذا غزا الامام قوما فلم يظهر عليهم حتى عرضوا عليه الصلح على شيء من ارضهم او شيء يودونه عن ارضهم فيه ما هو اكثر من الجزية او مثل الجزية فان كانوا ممن توخذ منهم الجزية واعطوه ذلك على ان يجرى عليهم الحكم فعليه ان يقبله منهم (الام، ۴/۱۸۲)

جب امام کسی قوم پر حملہ کرے اور ان پر غالب آنے سے پہلے ہی وہ اس شرط پر صلح کی پیش کش کر دیں کہ اپنی سرزمین یا اس کی پیداوار کا کچھ حصہ، جو قیمت میں جزیہ سے زیادہ یا اس کے مساوی ہو، مسلمانوں کو دیں گے تو اس صورت میں اگر وہ قوم ایسی ہو جس سے جزیہ لینا جائز ہے اور اس کے ساتھ وہ یہ شرط بھی مان لیں کہ ان پر مسلمانوں کا حکم جاری ہوگا تو امام پر لازم ہے کہ ان کی یہ پیش کش قبول کرلے۔

واذا صالحوهم على ان الارض كلها للمشركين فلا باس ان يصالحهم على ذلك ويجعلوا عليهم خراجا معلوما اما شيء مسمى يضمنونه في اموالهم كالجزية واما شيء مسمى يودى عن كل زرع من الارض كذا من الحنطة او غيرها اذا كان ذلك اذا جمع مثل الجزية او اكثر (الام، ۴/۱۸۲)

اور کفار اس شرط پر صلح کرنا چاہیں کہ زمین ساری کی ساری ان کی ملکیت ہوگی تو صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس صورت میں ان پر ایک متعین خراج عائد کر دیا جائے، خواہ وہ ان کے اموال میں جزیہ کی شکل میں کوئی متعین رقم ہو یا زمین کی پیداوار مثلاً گندم یا کسی اور فصل کی کوئی متعین مقدار، جبکہ اس کی مجموعی قیمت جزیہ کے مساوی یا اس سے زیادہ ہو۔

اس صورت میں اصل مقصد محض ایک مخصوص رقم کی وصولی قرار پاتا ہے اور اس کی وہ علامتی اہمیت، جس کے پیش نظر قرآن مجید میں اصلاً اسے منکرین حق پر عائد کرنے کا حکم دیا گیا، ثانوی ہو جاتی ہے، کیونکہ جزیہ کے اصل تصور کی رو سے حقارت اور ذلت کے بغیر وصول کی جانے والی کسی بھی رقم کو 'جزیہ' نہیں کہا جا سکتا۔

امام ابوبکر جصاص حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

ومتى اخذناها على غير هذا السبب لم تكن جزية لان الجزية هي ما اخذ على سبب الصغار

(احکام القرآن، ۳/۱۰۱)

اگر ہم ذلت اور عار کے بغیر وصول کریں گے تو وہ 'جزیہ' نہیں ہوگا کیونکہ 'جزیہ' کہتے ہی اس رقم کو ہیں جو ذلت اور حقارت کے ساتھ وصول کی جائے۔

مسلمانوں کی جماعت قابض ہو کر خود کسی شہر پر قبضہ کرلے

وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ عَلَى بَلَدٍ وَخَرَجُوا عَنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعَوْدِ إِلَى جَمَاعَتِهِمْ

وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ لَا يَبْدَؤُهُمْ بِقِتَالٍ حَتَّى يَبْدَءُوهُ فَإِنْ بَدَءُونَا قَاتَلْنَاهُمْ حَتَّى نُفَرِّقَ جَمْعَهُمْ فَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أُجْهِزَ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَاتُّبِعَ مُوَلِّيهِمْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فِئَةٌ لَمْ يُجْهَزْ عَلَى جَرِيحِهِمْ وَلَمْ يُتْبَعْ مُوَلِّيهِمْ وَلَا تُسْبَى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَا يُقَسَّمُ لَهُمْ مَالٌ، وَلَا بَأْسَ أَنْ يُقَاتَلُوا بِسِلَاحِهِمْ إِنْ احْتَاجَ الْمُسْلِمُونَ إِلَيْهِ وَيَحْبِسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ وَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يُقَسِّمُهَا حَتَّى يَتُوبُوا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَمَا جَبَاهُ أَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِي غَلَبُوا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا ،

ترجمہ

جب مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شہر پر اپنا تسلط جما بیٹھے مگر امام کی اطاعت سے باہر ہو جائے تو امام انہیں جماعت میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے شک کو بھی دور کرے گا۔ اور ان کے ابتداء کرنے تک ان سے لڑنے میں بھی پہل نہیں کرے گا۔ جب انہوں نے ہم سے لڑنے کا آغاز کر ہی دیا تو ہم ان کے گروہ کے ٹوٹ جانے تک ان سے لڑتے رہیں گے۔ جب ان کی کوئی جماعت بھی ہو تو امام ان کے زخمیوں کو گرفتار بھی کرے گا اور ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرے گا۔ جب ان کی کوئی جماعت نہ ہو تو پھر نہ امام ان کے زخمیوں کو گرفتار کرے گا۔ نہ ان کے فرار ہونے والوں کا پیچھا کرے گا۔ ان کی اولاد کو بھی قید نہیں کرے گا' نہ ان کا مال تقسیم کیا جائے گا۔ البتہ جب مسلمانوں کو اس امر کی حاجت ہو تو اس صورت میں ان کے ہتھیاروں کے ساتھ لڑنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ امام ان کا مال روک لے گا اور ان کے توبہ کرنے تک نہ تو انہیں واپس لوٹائے گا نہ تقسیم کرے گا۔ ہاں جب وہ توبہ کرلیں گے تو امام ان کا مال انہیں واپس کردے گا۔

باغیوں نے جس شہر پر قبضے کے بعد وہاں کے لوگوں سے خراج یا عشر بھی وصول کرلیا ہو تو امام اب ان سے دوبارہ نہیں لے گا۔ اب جب انہوں نے اسے صحیح جگہ پر خرچ کیا تو جس سے لیا گیا ہو اس کی طرف سے کافی ہوگا لیکن جب انہوں نے اس خراج یا عشر کو ناحق خرچ کرڈالا تو ان لوگوں پر دیانتداری کے طور پر دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

بغاوت کی لغوی تعریف

بغاوت البغی سے مشتق ہے اور البغی لغوی طور پر کبھی طلب کے لئے آتا ہے اور کبھی تعدی (ظلم وزیادتی) کے لئے۔ اصطلاحِ فقہاء میں بغاوت سے مراد ایسی حکومت کے احکام کو نہ ماننا اور اس کے خلاف مسلح خروج کرنا ہے جس کا حق حکمرانی قانون کے مطابق قائم ہوا ہو۔ (لسان العرب (مادۃ بغی)، 14:.7875)

باغی کے دہشت گرد، کافر و مرتد ہونے کا بیان

علامہ ابن قدامہ حنبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ محدثین کرام کے ایک طبقہ کے مطابق باغی دہشت گرد کافر اور مرتد ہیں اور ان کا حکم مرتدین جیسا ہوگا، اُن کے خون اور مال کو مباح قرار دیا جائے گا۔ اگر وہ اپنے آپ کو ایک جگہ محدود کرلیں اور ان کے پاس قوت اور

محفوظ پناہ گاہیں ہوں تو وہ لوگ برسر پیکار کفار کی طرح اہلِ حرب ہو جائیں گے۔اور اگر وہ حکومتِ وقت کے دائرہ اختیار میں ہوں تو انہیں توبہ کا موقع دیا جائے گا، اگر وہ توبہ کرلیں تو ٹھیک ورنہ ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں گی اور ان کے مال مالِ فئے شمار ہوں گے، ان کے مسلمان ورثاء ان کے وارث نہیں ہوں گے۔(المغنی، ج۴،ص۱۰۰، بیروت)

امام بغوی نے علی الا اطلاق کہا ہے کہ اگر وہ جنگ کریں تو وہ فاسق اور جھوٹے لوگ ہیں۔ پس ان کا حکم ڈاکوؤں کے حکم کی طرح ہوگا۔ یہ مذہب اور نص کی ترتیب ہے، یہی جمہور نے کہا ہے۔امام بغوی نے خوارج کی تکفیر میں بیان کیا ہے کہ اس میں دو صورتیں ہیں۔انہوں نے کہا ہے: اگر ہم ان کو کافر قرار نہ دیں تو ان کے لئے مرتدین کا حکم ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن پر باغیوں کا حکم عائد ہوگا۔ پھر اگر ہم اُنہیں مرتدین کی طرح کہیں تو ان کے اَحکام نافذ نہیں کیے جائیں گے۔

(روضۃ الطالبین،10:51،52).

•••——–•••——–•••

كِتَابُ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ

﴿یہ کتاب حظر واباحت کے بیان میں ہے﴾

کتاب حظر واباحت کی فقہی مطابقت کا بیان

اس کتاب کے احکام عام ہیں۔ جس میں مردوں اور عورتوں سے متعلق احکام کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کو کتاب سیر کے بعد ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ سیر ومغازی میں عورتوں کا غازیوں کی دوا وغیرہ کی غرض یا جہاد کی کئی صورتوں میں گھر سے اگر باہر جانا پڑے تو ان احوال میں بھی احکام شرعیہ کا لحاظ کیا جائے۔ لہٰذا اس سبب سے یہ کتاب سیر کے ساتھ ہے۔

مردوں کے لئے ریشم پہننے کی ممانعت کا بیان

لَا يَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَيَحِلُّ لِلنِّسَاءِ لَا بَأْسَ بِتَوَسُّدِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُكْرَهُ تَوَسُّدُهُ وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الدِّيبَاجِ عِنْدَهُمَا فِي الْحَرْبِ وَيُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْمُلْحَمِ الْحَرِيرِ إِذَا كَانَ سُدَاهُ إِبْرَيْسَمًا وَلُحْمَتُهُ قُطْنًا أَوْ خَزًّا وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ التَّحَلِّي بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ إِلَّا الْخَاتَمَ وَالْمِنْطَقَةَ وَحِلْيَةَ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ وَيَجُوزُ التَّحَلِّي بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلنِّسَاءِ وَيُكْرَهُ أَنْ يَلْبَسَ الصَّبِيُّ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَالْحَرِيرَ وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالِادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَلَا بَأْسَ بِاسْتِعْمَالِ آنِيَةِ الزُّجَاجِ وَالرَّصَاصِ وَالْبِلَّوْرِ وَالْعَقِيقِ وَيَجُوزُ الشُّرْبُ فِي الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالرُّكُوبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوسُ عَلَى السَّرِيرِ الْمُفَضَّضِ

ترجمہ

اور مردوں کے لیے ریشمی کپڑے پہننا حلال نہیں۔ عورتوں کے لئے حلال ہے۔ البتہ اس کا تکیہ بنا لینے میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا تکیہ لگانا بھی مکروہ ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہی لڑائی میں ریشم اور دیبا پہننے میں کوئی حرج نہیں جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ البتہ ملحم یعنی وہ کپڑا جس کا تانا ریشمی ہو اور بانا روئی یا اون کا ہو۔ تو اسے پہننے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔

مرد کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں۔ ہاں جب انگوٹھی پٹکا اور تلوار کا زیور چاندی کا ہو تو حرج نہیں۔ بچے کو

سونا اور ریشم پہننا مکروہ ہے۔ عورتوں کو چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔ مردوں اور عورتوں کے لئے سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا' پینا' تیل لگانا اور خوشبو لگانا جائز نہیں۔ البتہ کانچ' رانگ' بلور اور سرخ مہروں کے برتن استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا برتن جس پر چاندی چڑھائی گئی ہے اس میں پی لینا جائز ہے۔ مگر چاندی چڑھائی گئی "زین" اور چاندی چڑھائے گئے تخت پر بیٹھنا بھی جائز ہے۔

سونا اور ریشم کے بارے فقہی تصریحات کا بیان

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پانی طلب کیا تو ایک مجوسی آدمی چاندی کے برتن میں پانی لے آیا تو تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم ریشم نہ پہنو اور نہ ہی دیباج پہنو اور تم سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو اور نہ ہی سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کافر کے لئے ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 903)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ہے اور امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ہے (ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 271)

مرد کے لفظ میں بچے (لڑکے) بھی داخل ہیں لیکن بچے چونکہ مکلف نہیں ہیں اس لئے ان کے حق میں ان چیزوں کی حرمت کا تعلق پہنانے والوں سے ہوگا کہ اگر کوئی بچہ ریشم یا سونے، کا زیور پہنے گا تو اس کا گناہ اس کے پہنانے والے پر ہوگا۔ نیز سونے سے مراد سونے کے زیورات" ہیں ورنہ سونے چاندی. کے برتن کا استعمال جس طرح مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی حرام ہے، اسی طرح چاندی کے زیورات کا حلال ہونا بھی صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے علاوہ اس مقدار کے جو مردوں کے لئے بھی حلال ہے جیسے انگوٹھی وغیرہ۔

مردوں کے لئے ریشم کا لباس اور سونا پہننا حرام ہے، حضرت حزیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سونے چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو اور نہ ہی ریشم اور دیباج کے کپڑے پہنو کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کفار کے لئے ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔ (سنن أبي داود: 4/ 47)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عطارد تمیمی کو بازار میں ایک ریشمی جوڑا رکھے ہوئے دیکھا وہ ایک ایسا آدمی تھا کہ جو بادشاہوں کے پاس جاتا اور ان سے وصول کرتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عطارد کو دیکھا کہ اس نے بازار میں ایک ریشمی جوڑا بیچنے کے لئے رکھا ہوا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جوڑے کو خرید لیں اور جب عرب کا کوئی وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ جوڑا پہن لیا کریں راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن بھی پہن

لیا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا دنیا میں ریشم کا کپڑا وہی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ریشمی کپڑے کے چند جوڑے لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا اور ایک جوڑا حضرت اسامہ بن زید کی طرف بھیج دیا اور ایک جوڑا حضرت علی بن ابی طالب کو عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جوڑے کو پھاڑ کر اپنی عورتوں کی اوڑھنیاں بنا لینا راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جوڑے کو اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوڑے کو میری طرف بھیجا ہے حالانکہ آپ نے گزشتہ روز عطارد کے جوڑے کے بارے میں اس طرح فرمایا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے نہیں بھیجا تا کہ تو اسے پہنے بلکہ میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے بھیجا تھا تا کہ تو اس سے فائدہ حاصل کرے اور حضرت اسامہ وہی ریشمی جوڑا پہن کر آپ کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کی طرف بڑے غور سے دیکھا جس کی وجہ سے حضرت اسامہ نے پہچان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جوڑا پہننا ناپسند لگا ہے حضرت اسامہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تو یہ جوڑا میری طرف بھیجا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے نہیں بھیجا تا کہ تو اسے پہنے بلکہ میں نے یہ جوڑا تیری طرف اس لئے بھیجا ہے تا کہ تو اسے پھاڑ کر اپنی عورتوں کے لئے اوڑھنیاں بنائے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 906)

عورتوں کے لئے سونا پہننے کی اباحت میں دلائل کا بیان

عورتوں کے لیے سونا پہننا جائز ہے، چاہے وہ حلقے کی شکل میں ہو یا دوسری شکل میں اس کی دلیل درج ذیل فرمان باری تعالیٰ ہے: کیا جو زیورات میں پلیں، اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں۔ (الزخرف (18)

اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زیور پہننا عورتوں کی صفت بیان کی ہے، اور یہ سونا وغیرہ میں عام ہے، اور اس لیے بھی کہ امام احمد اور ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے جید سند کے ساتھ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلاشبہ میری امت کے مردوں پر یہ دونوں حرام ہیں" اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: "اور ان کی عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

اور اس لیے بھی کہ امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی، ابو داؤد، حاکم، طبرانی رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال کی گئی ہے، اور میری امت کے مردوں پر حرام ہے" اسے ترمذی، حاکم، ابو داؤد، اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور اسے معلول قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ سعید بن ابی ھند اور ابو موسیٰ کے درمیان انقطاع ہے، لیکن اس کی کوئی قابل اطمنان دلیل نہیں ملتی، اوپر ہم اس کو صحیح قرار دینے والے علماء کرام کا بیان کر چکے ہیں۔

اور بالفرض اگر مذکورہ علت صحیح بھی مان لی جائے تو پھر اس کی کمی دوسری صحیح احادیث کے ساتھ پوری ہو جائے گی، جیسا کہ آئمہ حدیث کے ہاں معروف قاعدہ اور اصول یہی ہے۔

اس بنا پر سلف علماء کرام نے عورت کے لیے سونا پہننا جائز قرار دیا ہے، اور بعض نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے، چنانچہ ہم اس کی اور زیادہ وضاحت کے لیے ذیل میں کچھ علماء کے اقوال درج کرتے ہیں۔

امام جصاص رحمہ اللہ سونے پر کلام کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں کہتے ہیں: "عورتوں کے لیے سونے کی اباحت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے وارد شدہ اخبار ممانعت والی اخبار سے زیادہ ظاہر اور مشہور ہیں، اور آیت کی دلالت (جصاص رحمہ اللہ اس سے وہ آیت مراد لے رہے ہیں جو ہم نے ابھی اوپر بیان کی ہے) بھی عورتوں کے لیے سونے کے مباح ہونے میں ظاہر ہے۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر ہمارے دور تک بغیر کسی نکارت کے آج تک عورتوں کا سونا پہننا چلا آ رہا ہے، اور کسی نے بھی ان پر اعتراض نہیں کیا، اور اس طرح کے مسئلہ میں کسی خبر واحد کی بنا پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ (تفسیر الجصاص (3/388))

قرآن مجید میں ہر دس آیات کے بعد چاندی کے نشان

وَيُكْرَهُ التَّعْشِيرُ فِي الْمُصْحَفِ وَالنَّقْطُ وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ وَنَقْشِ الْمَسْجِدِ وَالزَّخْرَفَةِ بِمَاءِ الذَّهَبِ وَيُكْرَهُ اسْتِخْدَامُ الْخُصْيَانِ وَلَا بَأْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَإِنْزَاءِ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ وَيَجُوزُ أَنْ يُقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْإِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ وَالصَّبِيِّ وَيُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَلَا يُقْبَلُ فِي أَخْبَارِ الدِّيَانَاتِ إِلَّا الْعَدْلُ

ترجمہ

قرآن مجید میں ہر دس آیات کے بعد چاندی کے نشان اور نقطے لگانا مکروہ ہے۔ قرآن مجید کو مزین کرنے اور مسجد کو بھی چاندی سے آراستہ کرنے اور سجانے میں کوئی عیب نہیں۔ خصی سے خدمت طلب کرنا مکروہ ہے۔ البتہ چوپاؤں کو خصی کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ اور گدھا گھوڑی پر ڈالنے میں ہدیہ قبول کر لینا جائز ہے۔ اجازت میں غلام اور بچے کا قول اور معاملات میں فاسق کا قول مان لیا جائے گا۔ اور حساب کتاب کی خبر دینے میں صرف کسی انصاف پسند آدمی کا قول ہی قبول کیا جائے گا۔

شرح

جانوروں کو خصی کرنے کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے شیطان لعین کا قول نقل فرمایا ہے

وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ النساء ۱۱۹

میں ان کو ضرور حکم دوں گا اور وہ ضرور اللہ کی تخلیق کو بدل ڈالیں گے۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس تفسیر طبری ۱۰۴۷۰، وسندہ صحیح اور سیدنا انس بن مالک تفسیر طبری ۱۰۴۷۰، وسندہ حسن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے جانور کے خصّی کرنے کی کراہت ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ فعل اللہ کی تخلیق میں بگاڑ کا باعث ہے۔ یہی بات ربیع بن انس رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ تفسیر الطبری ۱۰۴۷۴، وسندہ حسن

اسی طرح شہر بن حوشب تفسیر طبری ۱۰۴۷۵، وسندہ صحیح اور امام سفیان تفسیر طبری ۱۰۴۷۵، وسندہ صحیح رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ سے جانور کو خصّی کرنا مراد ہے۔

عکرمہ تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے انّہ کرہ خصاء الداواب۔ وہ جانوروں کو خصّی کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۶/۱۲، یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کتب عمر بن عبد العزیز إلی أهل مصر ینهاهم عن خصاء الخیل، وأن یجریء الصبیان الخیل۔

امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اہل مصر کی طرف خط لکھا جس میں گھوڑوں کو خصّی کرنے اور بچوں کے گھوڑوں کو دوڑانے سے ان کو منع فرمایا۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۵/۱۲،

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے جانور کو خصّی کرنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کانوا یکرهون خصاء کلّ شیء له نسل۔ اسلاف ان تمام چیزوں کو خصّی کرنا مکروہ سمجھتے تھے جن کی نسل چل سکتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق ۴۵۸/۴، ح ۸۴۴۷

امام نافع رحمہ اللہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں

إنّه کان یکره الإخصاء، ویقول فیه تمام الخلق۔ آپ خصّی کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس میں تخلیق کی تکمیل ہے۔ الموطا امام مالک ۲۷۲۹،

امام اسحاق بن منصور مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں قلت یکرہ إخصاء الدوابّ، قال إی لعمری، هی نماء الخلق، قال إسحاق کما قال۔

میں نے کہا کیا جانوروں کو خصّی کرنا مکروہ ہے؟ آپ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہاں، اللہ کی قسم! یہ اعضائے تناسل تخلیقِ الٰہی کی تکمیل ہے۔ امام اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق یہی ہے۔ مسائل الامام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ ۲۷۸۶

یہ تو کراہت کے بارے میں اقوال تھے۔ بعض اہل علم نے جانوروں کو خصّی کرنے کی رخصت بھی دی ہے، جیسا کہ

1 امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بکرے اور دنبے کو خصّی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تفسیر طبری ۱۰۴۷۵،

2 امام ہشام بن عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں إنّ أباه عروة بن الزبیر خصی بغلا له۔ ان کے والد عروہ بن زبیر تابعی رحمہ اللہ نے اپنا ایک خچر خصّی کیا تھا۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۶/۱۲،

3 امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ گھوڑے کو خصی کرنے میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲/۲۲۷، وسندہ صحیح)

دونوں طرف کے اجتہادات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ضرورت کے پیش نظر جانور کو خصی کیا جا سکتا ہے، لیکن بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ ۳۸۴۔۴۵۸ھ فرماتے ہیں

ویحتمل جواز ذلك إذا اتصل به غرض صحیح كما روینا عن التابعین ۔

جب کوئی واقعی ضرورت درپیش ہو تو خصی کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے تابعین کرام سے یہ بات روایت کی ہے۔(السنن الکبریٰ ۱۰/۲۴)

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ انسانوں کو خصی کرنا حلال اور جائز نہیں کیونکہ یہ مثلہ اور تخلیق الٰہی میں تبدیلی ہے۔اسی طرح حدود وقصاص کے علاوہ انسانوں کے باقی اعضاء کو کاٹنا بھی حرام ہے۔(احکام القرآن ۵/۳۹۱)

اجنبیہ کی جانب نظر کرنے کی ممانعت کا بیان

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَنظُرَ الرَّجُلُ مِنَ الْأَجْنَبِيَّةِ إِلَّا إِلَى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ الشَّهْوَةَ لَا يَنظُرُ إِلَى وَجْهِهَا إِلَّا لِحَاجَةٍ وَيَجُوزُ لِلْقَاضِي إِذَا أَرَادَ أَنْ يَحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْهَا أَنْ يَنظُرَ إِلَى وَجْهِهَا وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ وَيَجُوزُ لِلطَّبِيبِ أَنْ يَنظُرَ إِلَى مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ جَمِيعَ بَدَنِهِ إِلَّا مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ وَرُكْبَتِهِ وَيَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَنظُرَ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى مَا يَجُوزُ أَنْ يَنظُرَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ إِذَا أَمِنَتِ الشَّهْوَةَ وَتَنظُرُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْمَرْأَةِ إِلَى مَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَنظُرَ إِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنْ أَمَتِهِ الَّتِي تَحِلُّ لَهُ وَمِنْ زَوْجَتِهِ إِلَى فَرْجِهَا وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ إِلَى الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ وَلَا يَنظُرُ إِلَى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَلَا بَأْسَ أَنْ يَمَسَّ مَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَنظُرَ إِلَيْهِ مِنْهَا،

ترجمہ

مرد کے لیے کسی اجنبی عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کے علاوہ باقی جسم کو دیکھنا جائز نہیں۔اس کے بعد جب اسے شہوت سے اطمینان نہ ہو تو اس کا چہرہ بھی بغیر ضرورت کے نہیں دیکھ سکتا۔البتہ قاضی نے جب عورت پر حکم جاری کرنا ہو اور کسی گواہ کے لئے جب کوئی عورت گواہی دینا چاہے اس صورت میں انہیں جب شہوت کا ڈر ہو بھی تب بھی ان کے لئے اس عورت کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے۔اور طبیب کے لئے عورت کی مرض والی جگہ دیکھنا جائز ہے۔ناف سے گھٹنوں تک کے درمیانی حصے کے علاوہ ایک مرد دوسرے مرد کے باقی سارے جسم کو دیکھ سکتا ہے۔ایک عورت کے لئے مرد کے جسم کو اس حد تک دیکھنا جائز ہے جتنا ایک مرد دوسرے مرد کے

جسم کو دیکھ سکتا ہے اور ایسے ہی ایک عورت بھی دوسری عورت کا اتنا ہی جسم دیکھ سکتی ہے جتنا ایک مرد دوسرے مرد کا جسم دیکھ سکتا ہے۔ آدمی اپنی حلال لونڈی اور بیوی کی شرم گاہ دیکھ سکتا ہے۔ آدمی اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرہ، سر، سینے پنڈلیوں اور بازوؤں کو دیکھ سکتا ہے مگر ان کی پیٹھ پیٹ اور ران کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور وہ عضو جسے دیکھنا جائز ہے اسے چھو بھی سکتا ہے اس میں خرابی نہیں۔

منگیتر کو دیکھنے میں مذاہب اربعہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام شافعی حضرت امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھ لینا جائز ہے خواہ منسوبہ اس بات کی اجازت دے یا نہ دے۔ حضرت امام مالک کے ہاں اپنی منسوبہ کو نکاح سے پہلے دیکھنا اسی صورت میں جائز ہے جب کہ اس کی اجازت حاصل ہو اس کی اجازت کے بغیر دیکھنا جائز نہیں ہے لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالک کے ہاں منسوبہ کو دیکھنا علی الاطلاق ممنوع ہے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ مرد اپنی منسوبہ کو دیکھنے کی بجائے کسی تجربہ کار اور معتمد عورت کو بھیج دے تا کہ وہ اس کی منسوبہ کو دیکھ کر مطلوبہ معلومات فراہم کر دے۔

عورتوں کو دیکھنے کی ممانعت کا بیان

پس عورت کو ہر ایک ایسی حرکت منع ہے جس سے اس کا کوئی چھپا ہوا سنگھار کھل سکے۔ پس اسے گھر سے عطر اور خوشبو لگا کر باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ہر آنکھ زانیہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے، اس کی نماز نامقبول ہے جب کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کر لے۔ ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا عورتو! تم ادھر ادھر ہو جاؤ، تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سن کر عورتیں دیوار سے لگ کر چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے مومنو! میری بات پر عمل کرو، ان نیک صفتوں کو لے لو، جاہلیت کی بد خصلتوں سے رک جاؤ۔ پوری فلاح اور نجات اور کامیابی اسی کے لئے ہے جو اللہ کا فرمانبردار ہو، اس کے منع کردہ کاموں سے رک جاتا ہو، اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، نور ۳۱)

آدمی کو اپنی مملوکہ کی جانب نظر کرنے کا بیان

وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوكَةِ غَيْرِهِ إِلَى مَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ وَلَا بَأْسَ أَنْ يَمَسَّ ذَلِكَ إِذَا أَرَادَ الشِّرَاءَ وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ وَالْخَصِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ وَلَا يَجُوزُ

لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَنْظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهِ إِلَّا إِلَى مَا يَجُوزُ لِلْأَجْنَبِيِّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ مِنْهَا وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَلَا يَعْزِلُ عَنْ زَوْجَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهَا وَيُكْرَهُ الِاحْتِكَارُ فِي أَقْوَاتِ الْآدَمِيِّينَ وَالْبَهَائِمِ إِذَا كَانَ ذَٰلِكَ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ الِاحْتِكَارُ بِأَهْلِهِ وَمَنِ احْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهِ أَوْ مَا جَلَبَهُ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ وَلَا يَنْبَغِي لِلسُّلْطَانِ أَنْ يُسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيرِ مِمَّنْ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا 46/46

ترجمہ

ایک آدمی دوسرے آدمی کی لونڈی کا اتنا ہی جسم دیکھ سکتا ہے جتنا اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا جسم دیکھنا جائز ہے اور اسے چھونے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ اس وقت ہے جب وہ اسے خریدنا چاہتا ہو۔ جبکہ اس میں شہوت کا خطرہ بھی ہو۔ مگر یہ پھر بھی درست ہے۔ اجنبیہ کو دیکھنے میں خصی آدمی بھی ایک مرد کی مثل ہی ہوگا۔ ایک غلام کے لئے بھی اپنی مالکن کے جسم کو اس قدر دیکھنا ہی جائز ہے جتنا ایک اجنبی آدمی کے لئے اس عورت کا جسم دیکھنا جائز ہے۔ آدمی اپنی لونڈی کی اجازت کے بغیر ہی عزل کر سکتا ہے مگر یہی کام اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر اس سے نہیں کر سکتا۔ شہر میں آدمیوں اور چوپاؤں کی خوراک روکنا جہاں شہر والوں کے لیے تکلیف کا باعث ہو۔ وہاں یہ کام کرنا مکروہ ہے۔ وہ آدمی جس نے اپنی زمین کے غلہ جات یا وہ شے جسے کوئی دوسرے شہر سے لایا ہے اس کو روکا تو اسے اس کا روکنے والا شمار نہیں کریں گے۔ اور کسی بادشاہ کے لیے لوگوں پر ریٹ مقرر کرنا مناسب نہیں۔ فتنے اور فساد کے دنوں میں ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔ اور وہ آدمی جس کے بارے معلوم ہو کہ وہ شراب بنائے گا اس کے ہاتھ انگوروں کا شیرہ فروخت کرنے میں کوئی عیب والی بات نہیں ہے۔

غلام و باندی کے پردے میں فقہی تصریحات

اس حکم کا مطلب سمجھنے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک گروہ اس سے مراد صرف وہ لونڈیاں لیتا ہے جو کسی عورت کی ملک میں ہوں۔ ان حضرات کے نزدیک ارشاد الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی خواہ مشرکہ ہو یا اہل کتاب میں سے، مسلمان مالکہ اس کے سامنے تو اظہار زینت کر سکتی ہے مگر غلام، چاہے وہ عورت کا اپنا مملوک ہی کیوں نہ ہو، پردے کے معاملہ میں اس کی حیثیت وہی ہے جو کسی آزاد اجنبی مرد کی ہے۔

یہ عبداللہ بن مسعود، مجاہد، حسن بصری، ابن سیرین، سعید بن مُسَیَّب، طاؤس اور امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ ان بزرگوں کا استدلال یہ ہے کہ غلام کے لیے اس کی مالکہ محرم نہیں ہے۔ اگر وہ آزاد ہو جائے تو اپنی اسی سابق مالکہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا محض غلامی اس امر کا سبب نہیں بن سکتی کہ عورت اس کے سامنے وہ آزادی برتے جس کی اجازت محرم مردوں کے سامنے برتنے کے لیے دی گئی ہے۔ رہا یہ سوال کہ: ما ملکت ایمانهن کے الفاظ عام ہیں، جو لونڈی اور غلام دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں، پھر اسے لونڈیوں کے لیے خاص کرنے کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں

کہ یہ الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر موقع ومحل ان کا مفہوم لونڈیوں کے لیے خاص کر رہا ہے۔ پہلے نِسَآءِ هِنَّ فرمایا، پھر ما ملکت ایمانھن ارشاد ہوا۔ نِسَـآءِ هِنَّ کے الفاظ سن کر عام آدمی یہ سمجھ سکتا تھا کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو کسی عورت کی ملنے جلنے والی یا رشتہ دار ہوں۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ شاید لونڈیاں اس میں شامل نہ ہوں۔ اس لیے ماملکت ایمانھن کہہ کر یہ بات صاف کر دی گئی کہ آزاد عورتوں کی طرح لونڈیوں کے سامنے بھی اظہار زینت کیا جا سکتا ہے۔

محرم کے بغیر سفر کرنے فقہی مذاہب اربعہ

علماء کے درمیان اُس عورت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے جس کا شوہر نہ ہو اور اُس کا کوئی محرم اُس کے ساتھ نکلنے کے لئے آمادہ نہ ہو۔ ایک جماعت کی یہ رائے نقل کی گئی ہے کہ وہ عورت حج نہیں کرے گی، احناف کا یہی فتویٰ ہے، مالک، شافعی اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے وہ پُر امن والی رفاقت کے ساتھ سفر کرے گی جیسا کہ شیخ جیطالی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

امام بخاری اور مسلم رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کوئی شخص بھی کسی عورت سے محرم کے بغیر خلوت نہ کرے، اور محرم کے بغیر کوئی عورت بھی سفر نہ کرے، تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ کیر سول صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی حج کے لیے جا رہی ہے اور میں نے فلاں غزوہ میں اپنا نام لکھوا رکھا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جاؤ اپنی بیوی کے ساتھ جا کر حج کرو)

امام حسن، امام نخعی، امام احمد، اسحاق، ابن منذر، اور دیگر فقہاء کا بھی یہی قول ہے، اور مندرجہ بالا آیت اور عورت کو بغیر محرم اور خاوند سے سفر کی نہی والی احادیث کے عموم کی بنا پر صحیح قول بھی یہی ہے۔ اور امام شافعی، امام مالک، اوزاعی رحمہم اللہ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور ہر ایک نے ایک شرط رکھی ہے۔

•••———•••———•••

کتاب الوصایا

﴿یہ کتاب وصایا کے بیان میں ہے﴾

کتاب وصایا کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے کتاب کے آخر میں کتاب وصایا کو بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اس کی مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ انسان کا دنیا میں آخری حال موت ہے۔ اور وصیت وہ معاملہ ہے جو موت کے وقت ہوتا ہے اور اس کے جنایات ودیات کو اس لئے خاص کیا ہے کیونکہ وہ موت کی جانب لے جانے کا ذریعہ ہیں۔ اور وصیت اسم بہ معنی مصدر ہے۔ اور موصی بہ کا نام وصیت رکھا گیا ہے۔ اور شریعت میں موت کے بعد مالک ہونے کی جانب منسوب ہے۔ اور یہ احسان کے طریقے پر ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب وصایا، بیروت)

وصایا کے لغوی وفقہی مفہوم کا بیان

وصایا وصیت کی جمع ہے خطایا خطیۃ کی جمع ہے وصیت اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے وارثوں سے یہ کہہ جائے کہ میرے مرنے کے بعد یہ فلاں فلاں کام کرنا مثلاً میری طرف سے مسجد بنوا دینا، کنواں بنوا دینا، یا مدرسہ اور خانقاہ وغیرہ میں اتنا روپیہ دیدینا یا فلاں شخص کو اتنا روپیہ یا مال دے دینا یا فقراء ومساکین کو طعام وغلہ یا کپڑے تقسیم کر دینا وغیرہ وغیرہ اور یا جو فرائض و واجبات مثلاً نماز اور زکوۃ وغیرہ اس کی غفلت کی وجہ سے قضاء ہو گئے تھے ان کے بارے میں اپنے ورثاء سے کہے کہ یہ ادا کر دینا یا ان کا کفارہ دے دینا اسی طرح بعض مواقع پر وصیت نصیحت کے معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

وصیت کے مستحب ہونے کا بیان

اَلْوَصِيَّةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ وَهِيَ مُسْتَحَبَّةٌ وَلَا تَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ إلَّا أَنْ يُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ وَلَا تَجُوزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إلَّا أَنْ يُجِيزَهُ الْوَرَثَةُ وَلَا تَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِقَاتِلٍ وَيَجُوزُ أَنْ يُوصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ وَقَبُولُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَإِنْ قَبِلَهَا الْمُوصَى لَهُ فِي حَالِ الْحَيَاةِ أَوْ رَدَّهَا فَذَلِكَ بَاطِلٌ

ترجمہ

وصیت کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔ تمام ورثاء کے جائز قرار دینے کے علاوہ کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ تہائی

مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں۔ اور قاتل کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں جبکہ مسلمان کا کافر کے لیے اور کافر کا مسلمان کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔ اور وصیت کا قبول کرنا وفات کے بعد ہوتا ہے۔ اس کے بعد جس کے لئے وصیت کی گئی جب اس نے وصیت کرنے والے کی زندگی میں قبول کرلیا یا اسے ٹھکرا دیا تو یہ باطل ہے۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کاش لوگ وصیت کے مسئلہ میں ربع تک آ جاتے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ثلث کا کچھ مضائقہ نہیں اور ثلث بھی بہت ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 16)

حضرت عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں کہا میں ایک مرتبہ بیمار ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ سے دعا فرمایئے، وہ مجھے ایڑیوں کے بل نہ لوٹادے (یعنی مکہ میں جہاں سے میں ہجرت کر چکا ہوں، مجھے موت نہ دے) آپ نے فرمایا، گھبراؤ نہیں، تمہیں وہاں موت نہیں آئے گی، امید ہے کہ اللہ تمہیں بلند مرتبہ کردے گا تم سے کچھ لوگوں کو نفع پہنچے گا میں نے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ وصیت کروں۔ اور مری صرف ایک ہی بیٹی ہے، کیا میں نصف کی وصیت کروں۔ آپ نے فرمایا نصف بہت ہے، میں نے کہا تو تہائی مال کی، آپ نے فرمایا تہائی کا مضائقہ نہیں اور تہائی بھی بہت ہے، پس لوگوں نے تہائی کی وصیت کرنی شروع کی، اور یہ ان کے لئے جائز ہوگیا۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 17)

وصیت کرنا جائز ہے قرآن کریم سے، حدیث شریف سے اور اجماع امت سے اس کی مشروعیت ثابت ہے۔ حدیث شریف میں وصیت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (جوہرہ نیرہ ج 2، وبدائع ج 7، ص 330)

شرح

حضرت اسماء کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر اس واقعہ کی مزید تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے حضرت اسماء نے ماں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ بعد میں جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت مل گئی تب وہ ان سے ملیں (مسند احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم)۔

اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اپنے کافر ماں باپ کی خدمت کرنا اور اپنے کافر بھائی بہنوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنا جائز ہے جبکہ وہ دشمن اسلام نہ ہوں۔ اور اسی طرح ذمی مساکین پر صدقات بھی صرف کیے جا سکتے ہیں۔

(احکام القرآن للجصاص۔ روح المعانی)

اور کافر حربی دارالحرب میں ہے اور مسلمان دارالاسلام میں ہے اس مسلمان نے اس کافر حربی کے لئے وصیّت کی تو یہ وصیّت جائز نہیں اگرچہ ورثہ اس کی اجازت دیں اور اگر حربی موصیٰ لہ دارالاسلام میں امان لے کر داخل ہوا اور اپنی وصیّت حاصل کرنے کا قصد وارادہ کیا تو اسے مال وصیّت سے کچھ لینے کا اختیار نہیں خواہ ورثاء اس کی اجازت دیں اور اگر موصی بھی دارالحرب میں ہو تو اس

میں مشائخ کا اختلاف ہے۔(محیط از عالمگیری ج6،ص92)

ایک تہائی سے کم مال میں وصیت کے مستحب ہونے کا بیان

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُوصِيَ الْإِنْسَانُ بِدُونِ الثُّلُثِ وَإِذَا أَوْصَى إِلَى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِيَّةَ فِي وَجْهِ الْمُوصِي وَرَدَّهَا فِي غَيْرِ وَجْهِهِ فَلَيْسَ بِرَدٍّ وَإِنْ رَدَّهَا فِي وَجْهِهِ فَهُوَ رَدٌّ وَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ وَالْمُوصَى بِهِ يُمْلَكُ بِالْقَبُولِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ أَنْ يَمُوتَ الْمُوصِي ثُمَّ يَمُوتُ الْمُوصَى لَهُ قَبْلَ الْقَبُولِ فَيَدْخُلُ الْمُوصَى بِهِ فِي مِلْكِ وَرَثَةِ الْمُوصَى لَهُ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى عَبْدٍ أَوْ كَافِرٍ أَوْ فَاسِقٍ أَخْرَجَهُمُ الْقَاضِي مِنَ الْوَصِيَّةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُمْ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى عَبْدِ نَفْسِهِ وَفِي الْوَرَثَةِ كِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِيَّةُ وَمَنْ أَوْصَى إِلَى مَنْ يَعْجِزُ عَنِ الْقِيَامِ بِالْوَصِيَّةِ ضَمَّ إِلَيْهِ الْقَاضِي غَيْرَهُ

ترجمہ

اور انسان کا ایک تہائی مال سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے۔ جب کسی نے کسی کے لئے وصیت کی اور اس نے وصیت کرنے والے کے سامنے وصیت قبول کر لی۔ مگر اس نے اس کی عدم موجودگی میں اسے رد کر دیا تو یہ رد نہ ہوگا۔ البتہ اس نے جب اس کے سامنے رد کیا تو اس کی وصیت رد ہو جائے گی۔ جس شے کی وصیت کی جائے وہ ایک مسئلے کے علاوہ مِلک میں آجاتی ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ وصیت کرنے والا فوت ہو جائے۔ پھر وہ جس کے لئے وصیت کی گئی وہ بھی وصیت قبول کرنے سے قبل ہی فوت ہو جائے تو جس چیز کی وصیت کی گئی تھی وہ آدمی جس کے لئے وصیت کی گئی تھی اس کے ورثاء کی ملک میں داخل ہو جائے گی۔ جس نے غلام! کافر یا فاسق کے لئے وصیت کی تو قاضی وصیت سے نکال باہر کرے گا اور ان کے علاوہ کسی اور کے لئے مقرر کر دے گا۔ جس نے وراثت میں کسی عاقل بالغ کے موجود ہونے کے باوجود غلام کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت درست نہ ہوگی۔ جس نے ایسے آدمی کو وصیت کی جو اسے قائم کرنے سے عاجز تھا تو قاضی اس آدمی کی اس وصیت کو پورا کرنے کی خاطر کسی اور آدمی کو مقرر کر دے گا۔

تہائی کی وصیت کے کافی ہونے کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارہ پر پہنچ گیا چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بہت مال ہے مگر ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے تو کیا میں اپنے سارے مال کے بارے میں وصیت کر جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں پھر میں نے عرض کیا کہ کیا دو تہائی مال کے بارے میں وصیت کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے پوچھا نصف کے لئے فرمایا نہیں، میں نے پوچھا کہ ایک تہائی کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تہائی مال کے بارے میں وصیت کر سکتے ہو اگرچہ یہ بھی بہت ہے اور یاد رکھو اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار و خوش حال چھوڑ جاؤ گے تو

یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں جان لو تم اپنے مال کا جو بھی حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبہ سے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کے خرچ کا ثواب ملے گا یہاں تک کہ تمہیں اس لقمہ کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ تک لے جاؤ گے (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 296)

میرا کوئی وارث نہیں ہے" سے حضرت سعد کی مراد یہ تھی کہ ذوی الفروض سے میرا کوئی وارث نہیں ہے یا یہ کہ ایسے وارثوں میں سے کہ جن کے بارے میں مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میرا مال ضائع کر دیں گے علاوہ ایک بیٹی کے اور کوئی وارث نہیں ہے، حضرت سعد کے اس جملہ کی یہ تاویل اسلئے کی گئی ہے کہ حضرت سعد کے کئی عصبی وارث تھے۔

یہ حدیث جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ مال جمع کرنا مباح ہے وہیں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ وارثوں کے حق میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس میت کے وارث موجود ہوں تو اس کی وصیت اس کے تہائی مال سے زائد میں جاری نہیں ہوتی، البتہ اگر وہ ورثاء اپنی اجازت وخوشی سے چاہیں تو ایک تہائی سے زائد میں بھی بلکہ سارے ہی مال میں وصیت جاری ہو سکتی ہے بشرطیکہ سب وارث عاقل وبالغ اور موجود ہوں، اور جس میت کا کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں بھی اکثر علماء کا یہی مسلک ہے کہ اس کی وصیت بھی ایک تہائی سے زائد میں جاری نہیں ہو سکتی۔ البتہ حضرت امام اعظم اور ان کے متبعین علماء اس صورت میں ایک تہائی سے زائد میں بھی وصیت جاری کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں نیز حضرت امام احمد اور حضرت اسحٰق کا بھی یہی قول ہے۔

دو آدمیوں کے لئے مال میں وصیت کرنے کا بیان

وَمَنْ أَوْصَى إِلَى اثْنَيْنِ لَمْ يَجُزْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ دُونَ صَاحِبِهِ إِلَّا فِي شِرَاءِ الْكَفَنِ لِلْمَيِّتِ وَتَجْهِيزِهِ وَطَعَامِ الصِّغَارِ وَكِسْوَتِهِمْ وَرَدِّ وَدِيعَةٍ بِعَيْنِهَا وَقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ وَتَنْفِيذِ وَصِيَّةٍ بِعَيْنِهَا أَوْ عِتْقِ عَبْدٍ بِعَيْنِهِ وَالْخُصُومَةِ فِي حَقِّ الْمَيِّتِ وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزْ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَلِلْآخَرِ بِالسُّدُسِ وَلَمْ تُجِزْ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا فَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِجَمِيعِ مَالِهِ وَلِلْآخَرِ بِثُلُثِ مَالِهِ فَلَمْ تُجِزْ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلَى أَرْبَعَةِ أَسْهُمٍ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ، وَلَا يَضْرِبُ أَبُو حَنِيفَةَ لِلْمُوصَى لَهُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ إِلَّا فِي الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ

اور جس نے دو آدمیوں کو وصیت کی تو ان میں سے کسی ایک کے لئے دوسرے کے بغیر اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ میت کے کفن کی خریداری اور اسے دفنانے کا انتظام کرنا اس کے چھوٹے بچوں کے کھانے کا انتظام ان کے لباس کا انتظام

مخصوص امانت کا لوٹانا' خاص وصیت نافذ کرنا' معین غلام آزاد کرنا' قرضہ ادا کرنا اور میت کے حقوق میں فریاد کرنے جیسے کام کرسکتا ہے۔جس نے ایک آدمی کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور ایک اور آدمی کے لئے بھی تہائی مال کی وصیت کردی مگر اس کے ورثاء نے اسے قبول نہ کیا۔تو ایک تہائی مال ان دونوں میں نصف نصف ہوگا۔جب ایک آدمی کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی وصیت کی تو وہ ایک تہائی مال ان دونوں کے درمیان تین حصے ہوگا۔جب ایک کے لئے پورے مال کی اور دوسرے کے لئے ایک تہائی مال کی وصیت کی تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک تہائی مال ان دونوں کے درمیان چار حصے تقسیم ہوگا۔جبکہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک تہائی مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ محابات' سعایت اور مرسلہ درہموں کے علاوہ مال میں جس کے لئے وصیت کی گئی ہو اسے تہائی مال سے زیادہ نہیں دلاتے۔

قرض محیط والے کی وصیت کافی نہ ہونے کا بیان

وَمَنْ أَوْصَى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ لَمْ تَجُزِ الْوَصِيَّةُ إِلَّا أَنْ يُبْرِئَهُ الْغُرَمَاءُ مِنَ الدَّيْنِ وَمَنْ أَوْصَى بِنَصِيبِ ابْنِهِ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ وَإِنْ أَوْصَى بِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ جَازَ فَإِنْ كَانَ لَهُ ابْنَانِ فَلِلْمُوصَى لَهُ الثُّلُثُ وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا فِي مَرَضِهِ أَوْ بَاعَ وَحَابَى أَوْ وَهَبَ فَذَلِكَ كُلُّهُ جَائِزٌ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَيَضْرِبُ بِهِ مَعَ أَصْحَابِ الْوَصَايَا فَإِنْ حَابَى ثُمَّ أَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ أَوْلَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَإِنْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابَى فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ الْعِتْقُ أَوْلَى فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ، وَمَنْ أَوْصَى بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهِ فَلَهُ أَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ إِلَّا أَنْ يَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيَتِمُّ لَهُ السُّدُسَ وَإِنْ أَوْصَى بِجُزْءٍ مِنْ مَالِهِ قِيلَ لِلْوَرَثَةِ أَعْطُوهُ مَا شِئْتُمْ

ترجمہ

ایک آدمی وصیت تو کرے مگر اس کے ذمے اتنا قرضہ ہو کہ اس کا سارا مال اس کے اس قرض میں ہی ختم ہوتا نظر آتا ہو تو اس کی یہ وصیت جائز نہ ہوگی۔مگر اس صورت میں جائز ہوسکتی ہے جب اس کے قرض خواہ اسے قرضوں سے آزاد قرار دیں۔جس نے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو اس کی یہ وصیت باطل ہوگی۔ہاں جب بیٹے کے حصے کی مثل کے ساتھ وصیت کی تو جائز ہوگی۔پھر جب اس کے دو بیٹے ہوں تو جس کے لئے وصیت ہوگی اس کے لئے ایک تہائی مال ہوگا۔

جس نے اپنی بیماری کے عالم میں اپنے غلام کو آزاد کردیا یا اسے فروخت کردیا اور محابات کرلی یا اسے ہبہ کردیا تو یہ سب جائز ہوگا۔یہاں تہائی کا زیادہ اعتبار کیا جاتا ہے۔اور وہ لوگ جو وصیت کرنے والے ہیں اسے بھی ان کے ساتھ شامل کیا جائے گا۔جب پہلے محابات کی بعد میں آزاد کیا تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محابات کا اعتبار زیادہ ہوگا۔جب پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو یہ دونوں برابر ہوں گے۔صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں مسئلوں میں آزادی زیادہ بہتر ہوگی۔جس نے کسی کے لیے اپنے مال کے ایک حصے کی وصیت کی تو اس کے لیے اس کے ورثہ کے حصوں میں سب سے کم حصہ ہوگا۔جب چھٹے حصے سے کم ہونے

کے علاوہ ایسا ہو تو اس کے لئے چھٹا حصہ پورا کر دیا جائے گا۔ جب کسی نے اپنے مال کی ایک جز کی وصیت کی تو اس کے ورثاء سے کہا جائے گا کہ تم جو چاہو دے دو۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی شخص نے وصیت کی لیکن اس پر اتنا قرض ہے کہ اس کے پورے مال کو محیط ہے۔ تو یہ وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ قرض خواہ اپنا قرض معاف کر دیں۔ (عالمگیری ج6،ص92)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب میت پر قرض ہو یا اس نے کوئی وصیت کی ہو اور ورثاء نے اس کا قرض اپنے مال سے ادا نہ کیا اور نہ ہی اس کی وصیت کو نافذ کیا تو وصی تمام ترکہ کو بیچ سکتا ہے اگر قرض اس کو محیط ہو اور قرض ترکہ کو محیط نہ ہو تو قرض کے برابر ترکہ میں سے بیچ سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک قرض سے زائد ترکہ کو بھی بیچ سکتا ہے بخلاف صاحبین کے۔ ادب الاوصیاء میں کہا کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر دیا جائے گا۔ ایسا ہی حافظیہ، قنیہ اور دیگر کتابوں میں ہے، اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے۔ (فتاویٰ شامی، کتاب وصایا، بیروت)

کل مال صدقہ کرنے کی وصیت میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کہا کہ میں جس مال کا مالک ہوں وہ مساکین پر ہے تو ایک قول کے مطابق ہر اس مال کو شامل ہوگا کیونکہ ملکیت کا لفظ مال سے عام ہے اور مقید کرنے والا شرعی ایجاب ہے اور وہ لفظ مال کے ساتھ خاص ہے لہٰذا لفظ ملک میں کوئی تخصیص نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ عموم پر باقی رہنے والا ہے اور صحیح یہ ہے کہ دونوں برابر ہیں۔

اور اگر کسی نے ثلث مال کی وصیت کی تب کل مال کو صدقہ کر دیا جائے گا کیونکہ قیاس کا تقاضہ یہی ہے اور یہ قول امام زفر، امام بتی، امام نخعی اور امام شافعی علیہم الرحمہ کا ہے۔ جبکہ امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے کہا ہے ثلث مال ہی کو صدقہ کیا جائے گا۔

(فتح القدیر، ج ۷،ص ۱۶، بیروت)

حقوق اللہ میں وصیت کرنے کا بیان

وَمَنْ أَوْصَى بِوَصَايَا مِنْ حُقُوقِ اللَّهِ تَعَالَى قُدِّمَتْ الْفَرَائِضُ مِنْهَا سَوَاءٌ قَدَّمَهَا الْمُوصِي أَوْ أَخَّرَهَا مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّكَاةِ وَالْكَفَّارَاتِ وَمَا لَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوصِي وَمَنْ أَوْصَى بِحَجَّةِ الْإِسْلَامِ أَحَجُّوا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهِ يَحُجُّ رَاكِبًا فَإِنْ لَمْ تَبْلُغْ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ أَحَجُّوا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهِ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيقِ وَأَوْصَى أَنْ يُحَجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ ،

ترجمہ: جس نے حقوق اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کچھ وصیتیں کیں تو ان میں سے فرائض کو مقدم کیا جائے گا۔ وصیت کرنے والے نے ان وصیتوں میں سے فرائض کو مقدم کیا ہو چاہے مؤخر کیا ہو۔ مثال کے طور پر حج، زکوٰۃ اور کفارے اور جو امور واجب نہیں

ان میں سے جس چیز کو وصیت کرنے والے نے مقدم کیا ہو اسے ہی مقدم کیا جائے گا جس نے حج کرنے کی وصیت کی تھی تو اس کے شہر سے ہی کسی کو حج کرنے کے لیے روانہ کریں گے۔ جو سوار ہو کر کے حج کرنے جارہا ہوگا اس کے اخراجات جب وصیت کے مال سے پورے نہ ہو رہے ہوں گے تو جیسے بھی ہو سکے گا اسے حج کرادیں گے۔ جو حج کے لیے نکلا پھر اس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ مگر وہ کسی کو حج کرانے کی وصیت کر گیا تھا۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے شہر میں سے کسی کو حج کرادیا جائے گا۔ جبکہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ جہاں فوت ہوا تھا وہاں سے ہی کسی کو حج کرایا جائے گا۔

بچہ اور مکاتب کی وصیت کے درست نہ ہونے کا بیان

وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الْمُكَاتَبِ وَإِنْ تَرَكَ وَفَاءً وَيَجُوزُ لِلْمُوصِي الرُّجُوعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ فَإِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوعِ أَوْ فَعَلَ مَا يَدُلُّ عَلَى الرُّجُوعِ كَانَ رُجُوعًا، وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوعًا،

ترجمہ

اور بچے اور مکاتب کی وصیت جب وہ اتنا مال بھی چھوڑ جائیں جو کافی ووافی ہو تب بھی صحیح نہیں ہوگی۔ اور وصیت کرنے والے کے لئے اپنی وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے۔ جب اس نے واضح طور پر رجوع کرلیا تو رجوع ہو جائے گا لیکن جب کسی نے انکار کیا تو یہ اس کا رجوع کرنا نہیں ہوگا۔

پڑوسی، ماموں کے لئے وصیت کرنے کا بیان

وَمَنْ أَوْصَى لِجِيرَانِهِ فَهُمُ الْمُلَاصِقُونَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَنْ أَوْصَى لِأَصْهَارِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنِ امْرَأَتِهِ وَإِنْ أَوْصَى لِأَخْتَانِهِ فَالْخَتَنُ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ وَمَنْ أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ فَالْوَصِيَّةُ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ مِنْ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمُ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَتَكُونُ لِلِاثْنَيْنِ فَصَاعِدًا فَإِذَا أَوْصَى بِذَلِكَ وَلَهُ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِيَّةُ لِعَمَّيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ كَانَ لَهُ عَمٌّ وَخَالَانِ فَلِلْعَمِّ النِّصْفُ وَلِلْخَالَيْنِ النِّصْفُ ،

ترجمہ

اور جس کسی نے ہمسائیوں کے لیے وصیت کی تو اس کی یہ وصیت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ قریب پڑوسیوں کے لیے ہوگی یعنی بالکل متصل پڑوسی مراد ہوں گے۔ جس نے سسرال والوں کے لیے وصیت کی تو اس کی وصیت بیوی کے ہر ذی رحم محرم کو شامل ہوگی۔ جس نے دامادوں کے لئے وصیت کی تو اس کی ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر اس کا داماد شمار ہوگا۔ جس نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کی تو اس کی وصیت اس پر ذی رحم محرم کے لئے ہوگی۔ پھر اس سے زیادہ قریبی رشتہ کے لئے

ہوگی۔ البتہ ان میں اس کی اولاد اور اس کے والدین داخل نہیں ہوں گے۔ اور یہ وصیت دو بلکہ دو سے زیادہ کے لئے ہوگی۔ جس وقت کسی نے اپنے دو ماموں اور دو چچاؤں کے لئے وصیت کی تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی یہ وصیت اس کے دو چچاؤں کے لئے ہی ہوگی۔ جب اس کے دو ماموں اور ایک چچا ہو تو نصف چچا کے لئے اور نصف دو ماموں کے لئے ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وصیت ہر اس آدمی کے لئے ہوگی جو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف منسوب ہوگا۔

دراہم، بکریاں اور کپڑوں کی وصیت کرنے کا بیان

وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ دَرَاهِمِهِ أَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهِ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذَلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ فَلَهُ جَمِيعُ مَا بَقِيَ وَمَنْ أَوْصَى بِثُلُثِ ثِيَابِهِ فَهَلَكَ ثُلُثَاهَا وَبَقِيَ ثُلُثُهَا وَهِيَ تَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهِ لَمْ يَسْتَحِقَّ إِلَّا ثُلُثَ مَا بَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَلَهُ مَالٌ عَيْنٌ وَدَيْنٌ فَإِنْ خَرَجَتِ الْأَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَتْ إِلَى الْمُوصَى لَهُ وَإِنْ لَمْ تَخْرُجْ دَفَعَ إِلَيْهِ ثُلُثَ الْعَيْنِ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ أَخَذَ ثُلُثَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْأَلْفَ وَتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ إِذَا وُضِعَ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ الْوَصِيَّةِ

ترجمہ

جس نے کسی کے لئے اپنے تہائی درہموں یا اپنی ایک تہائی بکریوں کی وصیت کی۔ اس کے بعد اس کے دو ثلث برباد ہو گئے۔ باقی صرف ایک ثلث جو اس کے باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہو وہی رہ گیا۔ تو جس کے لئے وصیت کی گئی تھی باقی کی تمام بکریاں اس کی ہوں گی۔ اور وہ آدمی جس نے کسی کے لئے اپنے ایک تہائی کپڑوں کی وصیت کی پھر اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے۔ اور اس کے مال کا ایک ثلث جو اس کے باقی مال سے نکل سکتا تھا وہ باقی رہ گیا۔ تو جس کے لئے وصیت کی گئی تھی وہ ان کپڑوں کے ثلث کے علاوہ باقی کپڑوں کا حقدار نہ ہوگا۔ جس نے اپنے کچھ نقد مال اور کچھ قرض مال میں ایک ہزار درہم کی وصیت کی تو اب جب نقد مال کے ثلث سے ایک ہزار درہم نکل سکتے ہوں گے تو جس کے لئے وصیت ہوگی اسے دے دیے جائیں گے۔ جب ایسا نہ ہو سکے گا تو اسے نقد مال کی ایک تہائی دے دی جائے گی۔ باقی جو قرض وصول ہوتا رہے گا وہ اس سے ایک تہائی لیتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ یونہی ایک ہزار درہم وصول کرے گا۔ حمل کے لئے اور حمل کے ساتھ وصیت کرنا بھی جائز ہے۔ مگر یہ اس وقت ہی ہوگا جب حمل کی ولادت وصیت کے دن سے چھ ماہ سے کم مدت میں ہو۔

لونڈی میں وصیت کرنے کا بیان

وَإِذَا أَوْصَى بِجَارِيَةٍ إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالِاسْتِثْنَاءُ وَمَنْ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ وَلَدًا بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي قَبْلَ أَنْ يَقْبَلَ الْمُوصَى لَهُ ثُمَّ قَبِلَ وَهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوصَى لَهُ

وَإِنْ لَمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضَرَبَ بِالثُّلُثِ وَأَخَذَ مَا يَخُصُّهُ مِنْهُمَا جَمِيعًا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَأْخُذُ ذَلِكَ مِنَ الْأُمِّ فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَخَذَهُ مِنَ الْوَلَدِ وَتَجُوزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنَى دَارِهِ سِنِينَ مَعْلُومَةً وَيَجُوزُ بِذَلِكَ أَبَدًا فَإِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ إِلَيْهِ لِيَخْدُمَهُ وَإِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوصَى لَهُ يَوْمًا فَإِنْ مَاتَ الْمُوصَى لَهُ عَادَ إِلَى الْوَرَثَةِ،

ترجمہ

اور جب ایک آدمی نے کسی کے لئے اپنی لونڈی کی وصیت کرتے ہوئے اس کے حمل کو علیحدہ قرار دے دیا تو اس کی یہ وصیت اور استثناء درست ہوگا۔ اور وہ آدمی جس نے کسی کے لیے اپنی لونڈی کی وصیت کی تھی۔ اس کے بعد اس لونڈی نے ایک بچے کو جنم دے دیا۔ مگر یہ جنم اس نے وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اور جس کے لئے وصیت تھی اس کے وصیت کو قبول کرنے سے پہلے دیا۔ اس کے بعد اس نے وصیت کو قبول کرلیا۔ اب جب یہ دونوں (بچہ اور لونڈی) ایک تہائی مال سے نکل سکتے ہوں تو موصی لہ کے لئے ہوں گے۔ جب نہ نکل سکتے ہوں گے تو انہیں بھی تہائی مال میں شامل کرلیا جائے گا۔ اب موصی لہ یعنی جس کے لئے وصیت کی گئی تھی صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ان سب سے حصہ لے گا۔ مگر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے کہ موصی لہ اپنا حصہ ماں (لونڈی) سے لے گا۔ اس کے بعد جب بچے کے لحاظ سے کچھ بچ گیا تو وہ بھی لے لے گا۔ اپنے غلام کی خدمت اور اپنے مکان کی کچھ سالوں کی رہائش کے ساتھ وصیت کرلینا جائز ہے بلکہ اس طرح کی وصیت ہمیشہ کے لئے کرلینا بھی جائز ہے۔ اس کے بعد جب تہائی مال سے غلام کی قیمت بن سکتی ہو تو وہ خدمت کے لئے موصی لہ کے سپرد کردیا جائے گا۔ لیکن جب غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو وہ غلام دو دن ورثاء کی خدمت کرے گا اور ایک دن موصی لہ کی خدمت کیا کرے گا۔ اور موصی لہ کے فوت ہوجانے کی صورت میں وہ غلام ورثاء کی طرف لوٹ آئے گا۔

موصی لہ کی موت کے سبب وصیت کے باطل ہونے کا بیان

وَإِنْ مَاتَ الْمُوصَى لَهُ فِي حَيَاةِ الْمُوصِي بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ وَإِذَا أَوْصَى لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى فِيهِ سَوَاءٌ وَمَنْ أَوْصَى لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ وَمَنْ أَوْصَى لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهِ فَإِذَا عَمْرٌو مَيِّتٌ فَالثُّلُثُ كُلُّهُ لِزَيْدٍ فَإِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِي بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَزَيْدٌ مَيِّتٌ كَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ وَإِنْ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَا مَالَ لَهُ ثُمَّ اكْتَسَبَ مَالًا اسْتَحَقَّ الْمُوصَى لَهُ ثُلُثَ مَا يَمْلِكُهُ عِنْدَ الْمَوْتِ ،

ترجمہ

جب موصی لہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں فوت ہوجائے تو وہ وصیت ہی باطل ہوجائے گی۔ جب کسی کی اولاد کے لئے

وصیت کی تو یہ وصیت ان کے درمیان لڑکے اور لڑکی میں برابر ہوگی۔ جب کسی کے ورثاء کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت ان کے درمیان اس طرح ہوگی کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کو شامل ہوگا۔ جس نے زید اور عمرو کے لیے ایک تہائی مال کی وصیت کی مگر تب عمرو فوت ہو چکا تھا تو وہ ایک تہائی مال زید کا ہوگا۔ جب کسی نے کہا کہ میرا ایک تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان تقسیم ہے۔ مگر اس وقت زید فوت ہو چکا تھا تو عمرو کے لئے اس تہائی مال کا نصف ہوگا۔ جس نے مال نہ ہونے کے باوجود ایک تہائی مال کی وصیت کردی۔ اس کے بعد اس نے کچھ مال کمالیا تو وصیت کرنے والا جس مال کا موت کے وقت مالک ہوگا موصٰی لہ اس کا حقدار بن جائے گا۔

•••-------•••-------•••

كِتَابُ الفَرَائِضِ

﴿یہ کتاب وراثتی حصوں کے بیان میں ہے﴾

کتاب فرائض کی فقہی مطابقت کا بیان

امام قدوری علیہ الرحمہ نے اس کتاب کو تمام کتابوں کے بعد میں ذکر کیا ہے کیونکہ بقیہ تمام کتابوں میں بیان کردہ احکام کا اطلاق انسان کی زندگی سے متعلق ہے جبکہ اس کا اطلاق انسان کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ پس مطابقت واضح ہے۔

کتاب فرائض کے شرعی ماخذ واہمیت کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم علم فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو بھی سیکھاؤ کیونکہ میں وفات پانے والا ہوں اور بلاشبہ عنقریب علم اٹھایا جائے گا اور بہت سے فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ دو آدمی حصہ میراث کے بارے میں باہم جھگڑا کریں گے اور انہیں ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان اسکا فیصلہ کرے۔ (المستدرک جز 4 ص 369)

تم فرائض (میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے بلاشبہ وہ بھلا دیا جائے گا اور میری امت سے یہی علم سب سے پہلے سلب کیا جائے گا۔ (ابن ماجہ ج 2 ص 908)

تعریف: فقہ وحساب کے وہ اصول جاننا جن کے ذریعے سے ترکہ میں سے وارثوں کے حصے معلوم کیے جائیں۔

موضوع: علم میراث کا موضوع ترکہ اس کے مستحق اور ان کے حصے ہیں۔

غرض وغایت: اس علم کے حاصل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق داروں کو ان کا حق پہنچایا جائے۔

حکم: اس علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ وراثت کے تین رکن ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو تو وراثت ثابت نہ ہوگی۔ 1 مُوَرِّث: یعنی میت یا جو میت کے حکم میں ہو جیسے گم شدہ۔ 2 وَارِث: یعنی وہ زندہ افراد جو میت کا مال لینے والے ہوں۔ 3 مَوْرُوث: یعنی میت کا چھوڑا ہوا مال زمین یا سامان وغیرہ۔

ورثاء اور ان کے حصوں کا بیان

اَلْمُجْمَعُ عَلَى تَوْرِيثِهِمْ مِنَ الرِّجَالِ عَشَرَةٌ الِابْنُ وَابْنُ الِابْنِ وَإِنْ سَفَلَ وَالْأَبُ وَالْجَدُّ أَبُو الْأَبِ وَإِنْ عَلَا وَالْأَخُ وَابْنُ الْأَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَمَوْلَى النِّعْمَةِ وَالزَّوْجُ وَمِنَ الْإِنَاثِ سَبْعٌ الِابْنَةُ وَابْنَةُ

اِلابْنِ وَاِنْ سَفُلَتْ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ وَالْاُخْتُ وَالزَّوْجَةُ وَمَوْلَاةُ النِّعْمَةِ وَلَا يَرِثُ اَرْبَعَةٌ الْمَمْلُوْكُ وَالْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَالْمُرْتَدُّ وَاَهْلُ الْمِلَّتَيْنِ،

ترجمہ

مردوں میں سے جن کے وارث ہوسکنے پر اجماع ہے وہ دس ہیں۔ بیٹا (۱)' پوتا (۲)' جبکہ نیچے کی طرف سے ہوں۔ باپ (۳) اور دادا (۴) جبکہ اوپر کی طرف سے ہوں۔ بھائی (۵)' بھتیجا (۶)' چچا (۷)' چچا زاد (۸)' شوہر (۹) اور آزاد کنندہ (۱۰) اور عورتوں میں سے جو وارث ہوسکتی ہیں وہ سات ہیں۔ بیٹی' پوتی' ماں' دادی' بہن' بیوی اور آزاد کرتے والی عورت وارث ہوسکتی ہے۔ چار آدمی وارث نہیں ہوسکتے۔ غلام' قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوسکتا' مرتد اور مختلف مذہبوں والے افراد وارث نہیں ہوسکتے۔

وراثت سے متعلق بعض فقہی اصطلاحات کا بیان

حقیقی بھائی۔ جن کے ماں باپ دونوں شریک ہوں۔ علاتی بھائی۔ باپ شریک بھائی۔ اخیافی بھائی۔ ماں شریک بھائی۔ اخوہ۔ دو یا دو سے زیادہ بھائی/بہنیں، چاہے سب حقیقی ہوں، علاتی یا اخیافی ہوں یا ملے جلے ہوں۔

جد صحیح

ذوی الفروض میں صرف جد صحیح حصہ لے سکتا ہے۔ اور یہ وہ جد ہے جس کے میت کے ساتھ رشتے کے درمیان کوئی عورت نہ آئے مثلاً دادا پردادا اسکڑ دادا وغیرہ سارے اجداد صحیح ہیں

جد رحمی (جد فاسد)

وہ جد ہے جس کے میت کے ساتھ رشتے میں عورت آتی ہو مثلاً نانا وغیرہ۔ اس جد کو جد فاسد کہنے کی بجائے جد رحمی کہا جائے کیونکہ اس سے کئی مقدس رشتوں کی توہین ہوتی ہے۔

جدہ صحیحہ

عربی میں جدہ صرف دادی کو نہیں بلکہ ہر وہ عورت جس کی کسی قسم کی اولاد میں میت کے ماں باپ آسکتے ہوں پس نانی بھی جدہ کہلائے گی البتہ جدہ صحیحہ صرف وہ جدہ ہے جس کی میت کے ساتھ رشتے کے درمیان جد رحمی نہ آئے۔ مثلاً دادا کی ماں، باپ کے باپ کی ماں ہوتی ہے وہ جدہ صحیحہ ہے کیونکہ اس میں جد رحمی کا واسطہ نہیں لیکن دادی کی دادی یعنی باپ کے نانا کی ماں جدہ صحیحہ نہیں کیونکہ نانا جد رحمی ہے۔ جو جدہ، جدہ صحیحہ نہیں وہ جدہ رحمی ہے۔ صفحہ نمبر 56 پر ان کا تین پشتوں تک کا نقشہ موجود ہے۔

ذوی الفروض

یہ وہ لوگ ہیں جن کی میراث میں حصے کتاب وسنت یا اجماع سے ثابت ہیں۔ مثلاً میت کی بیٹی کیونکہ اس کا حصہ اگر

اکیلی ہو اور میت کا بیٹا نہ ہو تو نصف قرآن سے ثابت ہے اور جدہ صحیحہ کا حصہ سدس حدیث پاک سے ثابت ہے۔

ذوی الفروض نسبی وسببی

وہ لوگ جن کے حصے کسی سبب کی بنیاد پر کتاب وسنت اور جماع سے ثابت ہوں، ذوی الفروض سببی کہلاتے ہیں۔ مثلاً خاوند کا حصہ میت کی اولاد کی موجودگی میں ''زوجیت کے رشتہ کی بنیاد پر ایک چوتھائی ہوتا ہے۔ اگر یہ رشتہ ختم ہو جائے تو اس کا حصہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ لوگ جن کا حصہ نسب کی بنیاد پر ثابت ہو مثلاً بیٹی کا حصہ، یہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس کی موت میت کی موت سے پہلے ہو جائے یا کوئی اور وجہ اس کو وراثت سے محروم کر دے مثلاً کوئی نعوذ باللہ من ذالك میت کے قتل کا مرتکب قرار پائے، چاہے قتل خطا ہو۔

اولاد کی تشریح

صرف وہ اولاد ذوی الفروض اور عصبات میں حصہ لے سکتی ہے اور دوسرے ذوی الفروض کے حصوں پر اثر انداز ہو سکتی ہے جس کے میت کے ساتھ رشتے میں عورت کا واسطہ نہ آئے مثلاً بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی، سکڑ پوتا، سکڑ پوتی وغیرہ ان اولاد میں کوئی موجود ہو تو بھائی بہنیں سب محروم قرار پائیں گے اور ماں کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہوگا۔ اس کے مقابلے میں وہ اولاد جس کے میت کے ساتھ رشتے میں کوئی عورت آئے وہ ذوی الارحام اولاد ہے ان کی موجودگی میں دوسرے ذوی الفروض مثل بہن بھائی محروم نہیں ہوتے اور نہ ہی ذوی الفروض کے حصوں پر فرق پڑتا ہے اس لئے سکڑ پوتی اگر چہ خود تو عورت ہے لیکن چونکہ اس کے اور میت کے درمیان سارے واسطے مرد کے ہیں یعنی وہ میت کے بیٹے کے بیٹے کے بیٹے کی بیٹی ہے۔ اس لئے یہ وہ اولاد ہے جو ذوی الفروض میں حصہ لے سکتی ہے۔ اور نواسا گو کہ مرد ہے لیکن اس کے اور میت کے درمیان چونکہ واسطہ عورت (بیٹی) ہے اس لئے یہ ذوی الفروض اور عصبات میں حصہ لینے کا کبھی اہل نہیں بن سکتا البتہ ذوی الارحام میں ان کو اول درجے کی ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

عول (تنگی)

اگر ذوی الفروض کی کسروں میں حصوں کا مجموعہ 1 سے بڑھ جائے تو ذوی الفروض کے حصوں میں ان کے حصوں کے تناسب سے کمی کی جائے گی۔ اس کو علم المیراث میں عول کہتے ہیں کیونکہ اس میں ذوی الفروض میں ہر ایک کا حصہ اس کے اصل حصہ سے کم ہو جاتا ہے مثلاً ماں کا حصہ اولاد کی موجودگی میں $\frac{1}{6}$ ہوتا ہے لیکن میت کی ماں کے ساتھ میت کی بیٹیاں باپ اور بیوی موجود ہو تو باپ کا حصہ رہ جاتا ہے جو کہ اس کے عام حالات میں حصے یعنی $\frac{1}{6}$ سے کم ہے۔

عصبات:

یہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت میں ایسے ثابت ہیں کہ جب ذوی الفروض اپنے اپنے حصے لے لیں تو اس

کے بعد جو مال ترکے میں سے بچ جائے اس کے یہ حقدار بن جائیں۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ :-اس قرآنی قانون کے مطابق جب مرد اور عورتیں آپس میں بطور عصبہ یا بطور ذوی الارحام شریک بن جائیں تو ان میں ہر مرد کو عورت کے حصے کا دگنا دیا جاتا ہے۔

ردّ (لوٹانا)

یہ عول کی ضد ہے یعنی ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد بھی اگر کچھ ترکہ بچ جائے تو اس باقی ترکہ کو ذوی الفروض نسبی پر ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرنے کو رد کہتے ہیں۔اس سے ذوی الفروض کے حصے معمول کے حصوں سے بڑھ جاتے ہیں۔

سہام (اکائیاں)

ورثاء کے آپس میں حصوں کی جو نسبت ہوتی ہے اس کو سہام سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً بیوی ماں اور باپ وارث ہوں تو ان کے حصوں میں 1:1:2 کی نسبت ہوتی ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ بیوی کو 1 سہام، ماں کو بھی 1 سہام اور باپ کو 2 سہام دیئے جائیں گے۔چونکہ سہام اور اکائی ایک ہی چیز ہے اس لئے اگر کسی وارث کے سہام کا پتہ ہو تو کل ترکہ میں اس کا حصہ معلوم کرنے کے لئے اس کے سہام کو کل سہام پر تقسیم کر کے کل ترکہ سے ضرب دی جائے گی تو اس کا حصہ کل ترکہ میں معلوم ہو جائے گا مثلاً اس مثال میں بیوی کا 1 سہام ہے جبکہ کل سہام 4 بنتے ہیں اس لئے اگر کل ترکہ 2000 روپے ہو تو اس میں بیوی کا حصہ 1÷4×2000=500 روپے ہوا۔اس کو اکائی کا قاعدہ بھی کہتے ہیں۔

تصحیح

اگر کسی وارث کے سہام اس کی تعداد پر تقسیم نہ ہوتے ہوں تو مجموعہ سہام کو ایسا بڑھانا کہ ورثاء کے حصوں میں جو نسبت ہو وہ تو متاثر نہ ہو لیکن تمام ورثاء کے سہام ان کی اپنی اپنی تعداد پر تقسیم ہو جائیں یہ عمل تصحیح کہلاتا ہے۔اس کے بعد جو سہام کا مجموعہ بنتا ہے تو کہتے ہیں کہ تصحیح اس سے ہے۔

تصحیح کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ جن جن ورثاء کو جتنے جتنے سہام ملے ہیں وہ ان کی اپنی اپنی تعداد پر تقسیم کرتے جائیں تاکہ فی کس سہام معلوم ہوں۔اس میں دو صورتیں ہو سکتی ہیں

الف۔اگر سارے ورثاء کے سہام ان کی اپنی اپنی تعداد پر پورے پورے تقسیم ہو سکتے ہیں اس صورت میں تو ہر وارث کے سہام اس کی تعداد پر تقسیم کر لیں مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

ب۔اگر کسی وارث کے سہام اس کی تعداد پر پورے پورے تقسیم نہیں ہو سکتے تو جن جن ورثاء کا فی کس حصہ کسر میں آ رہا

ہے ان کسور کا ذواضعاف اقل معلوم کریں۔ پھر ہر وارث کے سہام اور کل مجموعے کو اس ذواضعاف اقل سے ضرب دیں۔ ہر وارث کے لیے نئے سہام اور ان کا نیا مجموعہ حاصل ہو جائے گا۔ کیلکو لیٹر کی موجودگی میں گو کہ مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ کیلکو لیٹر کے لئے بڑا عدد اور چھوٹا عدد یکساں ہے لیکن بعض حضرات کی نازک طبع پر یہ گراں گزرتا ہے اس لیے مختصر کرنے کے لیے ان کو چاہیئے کہ ورثاء کے سہام کو عمل اختصار کے ذریعے مختصر کریں اور وہ یوں کہ ان کو کسی چھوٹے سے چھوٹے عدد جس پر سب سہام تقسیم ہو سکیں تقسیم کریں اور ایسا اس وقت تک کرتے جائیں جب مزید ان کو بیک وقت کسی عدد پر تقسیم نہ کیا جا سکتا ہو۔

سراجی کے تصحیح کے باب کے نو مسئلوں کو اب اس طریقے سے حل کیا جاتا ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ تصحیح کے لئے علیحدہ علیحدہ قاعدے ذہن نشین کرنے کی بجائے یہی ایک مذکورہ قاعدہ ہی سب کے لئے کافی ہے۔

ذوی الفروض میں میراث کی تقسیم

اس مقصد کے لئے ذوی الفروض کا جدول بہت محنت کے ساتھ تیار کیا گیا ہے اس جدول میں فقہ حنفی کے مطابق حصص معلوم کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اس میں ہر وارث کے سامنے اس کے لئے مطلوبہ شرائط کے ساتھ قرآنی حصہ مثل تہائی، نصف وغیرہ دیا ہوا ہے۔

جدات صحیحہ کی آسان تعریف تو اصطلاحات کے باب میں دیکھیں اس جدول میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ جتنی بھی ہوں ان سب کو مشترکہ طور پر سدس ملے گا اور وہ جدات حصہ پانے والوں میں نہیں ہوں گی جو کسی وجہ سے محروم ہوں۔ شجرہ عصبات کے نیچے تین پشتوں تک جدات صحیحہ کا نقشہ دیا ہوا ہے۔ اس جدول کے مطابق ماں موجود ہو تو ساری جدات صحیحہ میراث سے محروم ہو جاتی ہیں اور باپ اور جد صرف پدری جدات کو محروم کرتے ہیں البتہ وہ جد ان کو محروم نہیں کرتا جو اس کے اور میت کے رشتے میں واسطہ نہ بنتا ہو مثلاً دادا دادی کو محروم نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کی بیوی ہے لیکن پردادی کو محروم کر دیتا ہے کیونکہ وہ پردادی کے لئے واسطہ ہے نیز صرف ایک پشت کی جدات کا حصہ مل سکتا ہے اور وہ پشت سب سے قریبی پشت ہونی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قریب والی جدات دور والی جدات کو محروم کر دیتی ہیں چاہے وہ خود بھی کسی وجہ سے محروم ہوں مثلاً باپ، دادی اور ماں کی نانی جمع ہوں تو دادی گو کہ باپ کی موجودگی میں خود محروم ہے لیکن وہ ماں کی نانی کو محروم کردے گی حالانکہ ماں کی نانی دادی کی غیر موجودگی میں باپ کی وجہ سے محروم نہ تھی۔

اگر کوئی جدہ میت کے لئے ایک سے زیادہ قسم کی جدہ بنتی ہو مثلاً وہ میت کی نانی بھی ہو اور دادی بھی تو اس کو صرف ایک ہی جدہ کا حصہ ملے گا۔

کتاب اللہ تعالیٰ میں مقررہ حصوں کا بیان

وَالْفُرُوضُ الْمَحْدُودَةُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى سِتَّةٌ النِّصْفُ وَالرُّبُعُ وَالثُّمُنُ وَالثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَالسُّدُسُ فَالنِّصْفُ فَرْضُ خَمْسَةٍ الِابْنَةُ وَابْنَةُ الِابْنِ إِذَا لَمْ تَكُنْ ابْنَةُ الصُّلْبِ وَالْأُخْتُ لِلْأَبِ وَلِلْأُمِّ

وَالْأُخْتُ لِلْأَبِ إِذَا لَمْ تَكُنْ أُخْتٌ لِأَبٍ وَأُمٍّ وَالزَّوْجُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَالرُّبُعُ فَرْضٌ لِلزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الِابْنِ وَلِلزَّوْجَاتِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَالثُّمُنُ لِلزَّوْجَاتِ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الِابْنِ وَالثُّلُثَانِ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِمَّنْ فَرْضُهُ النِّصْفُ إِلَّا الزَّوْجَ وَالثُّلُثُ لِلْأُمِّ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَلَا اثْنَانِ مِنَ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ وَيُفْرَضُ لَهَا فِي مَسْأَلَتَيْنِ ثُلُثُ مَا بَقِيَ وَهُمَا زَوْجٌ وَأَبَوَانِ أَوْ زَوْجَةٌ وَأَبَوَانِ فَلَهَا ثُلُثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرْضِ الزَّوْجِ وَالزَّوْجَةِ وَهُوَ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ ذُكُورُهُمْ وَإِنَاثُهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ وَالسُّدُسُ فَرْضُ سَبْعَةٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْأَبَوَيْنِ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الِابْنِ وَهُوَ لِلْأُمِّ مَعَ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ وَلِلْجَدِّ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الِابْنِ وَيَسْقُطُ وَلَدُ الْأُمِّ بِأَحَدِ أَرْبَعَةٍ بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الِابْنِ وَالْأَبِ وَالْجَدِّ قَوْلُهُ وَإِذَا اسْتَكْمَلَ الْبَنَاتُ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتْ بَنَاتُ الِابْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهُنَّ أَوْ بِإِزَائِهِنَّ أَوْ أَسْفَلَ مِنْهُنَّ ابْنُ ابْنٍ فَيُعَصِّبُهُنَّ وَإِذَا اسْتَكْمَلَ الْأَخَوَاتُ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَ الْأَخَوَاتُ لِلْأَبِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهُنَّ أَخٌ لَهُنَّ فَيُعَصِّبُهُنَّ

ترجمہ

وہ حصے جو کتاب اللہ تعالیٰ میں مقرر ہیں وہ چھ ہیں۔ نصف، ربع (چوتھائی)، ثمن (آٹھواں)، ثلثان (دو تہائی)، ایک ثلث اور سدس (چھٹا حصہ) پس تو نصف پانچ آدمیوں کے حصے میں آتا ہے۔ بیٹی پوتی جب صلبی نہ ہوں اور حقیقی بہن اور جب حقیقی بہن نہ ہو تو باپ شریک بہن اور شوہر نہ ہو۔ جب میت کا بیٹا اور پوتا نہ ہوں جب چہ وہ نیچے کی طرف سے ہی ہوتے اور ربع (چوتھا حصہ) بیٹے کے ساتھ یا پوتے کے ساتھ شوہر کا حصہ ہوتا ہے۔ جبکہ وہ نچلی طرف کے ہوں۔ جب میت کا بیٹا اور پوتا نہ ہوں گے تو ربع (چوتھائی حصہ) بیوی کے لئے ہوگا۔

ثمن (آٹھواں حصہ) بیٹے یا پوتے کے ساتھ بیویوں کے لئے ہوتا ہے اور ثلثان (دو تہائی حصہ) وہ آدمی جن کا حصہ نصف ہوتا ہے ان میں سے شوہر کے علاوہ باقی ہر دو آدمیوں کے لئے ثلثان ہوگا۔

ثلث (ایک تہائی حصہ) جب میت کا بیٹا اور پوتا نہ ہوں۔ نہ دو بھائی اور نہ تین یا تین سے زیادہ بہنیں ہوں تو اس صورت میں ثلث حصہ ماں کے لئے ہوگا یا دو مسئلے ہونے کی صورت میں ماں کے لئے اس سے زیادہ یعنی جو مال باقی بچا ہو اس کا ایک تہائی مقرر کیا جاتا ہے۔ وہ دو مسئلے یہ ہیں۔ ان میں سے......

ایک یہ ہے کہ شوہر اور ماں باپ ہوں۔ دوسرا یہ کہ بیوی اور ماں باپ ہوں۔ پس تو بیوی اور شوہر کے حصے کے بعد جو مال باقی بچے گا ماں کے لئے اس مال سے ثلث حصہ ہوگا اور ثلث حصہ ہر دو کیلئے بلکہ دو سے زیادہ کے لئے ہوگا۔ ماں کی طرف سے یعنی اخیافی بہن بھائیوں میں سے مرد اور عورتیں اس حصہ میں برابر ہوں گے اور......

سدس (چھٹا حصہ) سات آدمیوں کے لئے ہوتا ہے وہ اس طرح کہ بیٹے یا پوتے کے ساتھ والدین کے لئے ہوتا ہے۔ والدین میں سے ہر ایک کے لئے اور بھائیوں کے ساتھ ماں کے لیے ہوتا ہے۔ اور بیٹوں یا پوتوں کے ساتھ دادوں یا دادیوں کے لئے ہوتا ہے اور ایسے بیٹی کے ساتھ پوتی کے لئے بھی ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ ایک حقیقی بہن کے ساتھ ایک علاتی یا بہن کے لیے اور ایک اخیافی بہن کے لیے بھی ساتواں حصہ ہوتا ہے۔

ماں کی وجہ سے جدات (دادیاں) ساقط ہو جاتی ہیں اور باپ کی وجہ سے دادا' بھائی اور بہنیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور چار ورثاء کی وجہ سے اخیافی بہن بھائی ساقط ہو جاتے ہیں اور بیٹے' پوتے' باپ اور دادے کی وجہ سے جب بیٹیاں پورا دو تہائی حصہ لے لیں گے۔ تو پوتیاں ساقط ہو جائیں گی۔ مگر یہ ساقط اس طرح ہوں گی کہ ان کے مقابلے میں ان کے نیچے جب کوئی پوتا ہوگا تو وہ ان میں شامل نہیں ہوگا۔ کیونکہ پوتا پوتیوں کو عصبہ بنا دیتا ہے۔ جب حقیقی بہنیں پورا دو تہائی حصہ لے لیں گی تو علاتی بہنیں ساقط ہو جائیں گی۔ لیکن جب ان کے ساتھ ان کا کوئی بھائی ہوگا تو وہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ وہ انہیں عصبہ بنا دیتا ہے۔

اصحاب فروض کے حصوں میں کمی وبیشی کی ممانعت کا بیان

میت کے ورثاء میں ذوی الفروض کے حصے کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع سے ثابت ہیں۔ ان میں کمی بیشی ممکن نہیں جن کا جتنا حصہ مقرر ہے ان کو اتنا دیا جائے گا نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو مال بچے وہ مستحق عصبات کو دیا جائے گا۔ اگر ان میں کوئی بھی نہ ہو تو مولیٰ عتاقہ کو اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جس نے میت کو آزاد کیا ہو اگر وہ نہ ہو تو مولیٰ عتاقہ کے مرد عصبات کو مال ملے گا۔ وہ بھی نہ ہوں یا میت کبھی غلام رہا ہی نہ ہو تو بقیہ مال کو بھی ذوی الفروض نسبیہ پر رد کیا جائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بقیہ مال کو موجودہ ذوی الفروض نسبی کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اگر ذوی الفروض نسبی نہ ہو تو باقی مال ذوی الارحام کو ملے گا۔ وہ بھی نہ ہوں تو پھر مولیٰ الموالاۃ کو دیا جائے گا ورنہ مقرلہ بالنسب علی الغیر اور وہ نہ ہو تو اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لئے میت نے سارے مال کی وصیت کی ہے۔ اگر مندرجہ بالا میں سے کوئی بھی نہ ملے تو باقی مال بیت المال کا ہوگا۔

خاوند کی دو حالتوں کا بیان

(۱) جب فوت شدہ بیوی کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو خاوند کو ترکہ میں سے نصف ملے گا۔ اولاد اور نرینہ اولاد کی اولاد فرع کہلاتی ہے مثلاً بیٹا پوتا پڑپوتا بیٹی پوتی پڑپوتی ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمھاری بیویوں کی اولاد نہ ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمھارے لیے نصف ہے۔

(۲) جب بیوی کی کوئی فرع وارث ہو خواہ اسی خاوند سے ہو یا کسی پہلے خاوند سے تو خاوند کو ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر بیویوں کی اولاد ہو تو تمھارے لیے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے۔ (النساء)

باپ کی تین حالتوں کا بیان

(۱) جب میت کی مذکر فرع وارث ہو جیسے بیٹا پوتا وغیرہ تو باپ کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) جب میت کی مونث فرع وارث ہو جیسے بیٹی پوتی وغیرہ تو باپ چھٹے حصے کے ساتھ عصبہ بھی بنے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میت کی اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہوگا۔

(۳) جب میت کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو باپ بطور عصبہ وارث بنے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث والدین ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ باقی دو تہائی بطور عصبہ باپ کا ہوگا۔

دادا کی تین حالتوں کا بیان

باپ کی عدم موجودگی میں دادا وارث بنتا ہے اور باپ کی مذکورہ تینوں حالتیں دادا پر جاری ہوں گی۔

مادری بہن بھائی کے حصوں کا بیان

- (مادری بہن اور بھائی) وارثت میں برابر ہوتے ہیں اور ان کی تین حالتیں ہیں -1 اگر ایک ہو تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔ -2 اگر زیادہ ہوں تو ان کے لیے ایک تہائی حصہ ہوگا۔ -3 اگر میت کی فرع وارث یا باپ دادا موجود ہوں تو یہ ترکہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر کوئی میت مرد یا عورت کلالہ ہو (جس کا اصل یا فرع میں سے کوئی نہ ہو) اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تیسرے حصے میں شریک ہوں گے۔ (النساء)

نوٹ: مادری بہن بھائی کو اصطلاح میں اَخیَافی بہن بھائی کہا جاتا ہے۔ یہ (مذکر اور مونث) وراثت کے استحقاق اور آپس کی تقسیم میں برابر ہوتے ہیں۔

نیز ماں کی موجودگی میں بھی وارث بنتے ہیں۔ جبکہ دیگر ورثاء اس وارث کی موجودگی میں اکثر محروم ہو جایا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ میت کے رشتہ دار بنتے ہیں۔

بیوی کے دو احوال کا بیان

-1 جب فوت شدہ خاوند کی کوئی فرع وارث نہ ہو تو بیوی کو ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو ان (بیویوں) کے لیے تمھارے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے۔ النساء 4:12

-2 جب خاوند کی فرع وارث ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر تمھاری اولاد ہو تو ان (بیویوں) کے لیے تمھارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔ النساء 4:12

نوٹ: اگر بیوی اکیلی ہو تو تنہا چوتھا یا آٹھواں حصہ لے گی اگر زیادہ ہوں تو یہی حصہ آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔ اور رجعی طلاق کی عدت میں بھی عورت وارث ہوگی۔

ماں کے تین احوال کا بیان

-1 جب فوت شدہ بیٹے کی کوئی فرع وارث ہو یا ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو ماں کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر میت کی اولاد ہو تو والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکہ میں چھٹا حصہ ہے۔ النساء 4:11

اگر میت کے بہن بھائی ہوں تو ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ النساء 14:11

-2 جب مذکورہ وارث (اولاد یا ایک سے زیادہ بہن بھائی) نہ ہوں تو ماں کو کل ترکہ کا ایک تہائی ملے گا۔ -3 جب میت کے والدین کے ساتھ خاوند یا بیوی میں سے کوئی ہو تو ماں کو باقی ماندہ ترکہ کا ایک تہائی حصہ ملے گا۔ باقی ماندہ سے مراد خاوند یا بیوی کا حصہ نکالنے کے بعد بچنے والا حصہ ہوتا ہے۔ اسے مسئلہ عُمرِیتَین کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا فیصلہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اس کی دو صورتیں ہیں: خاوند ماں اور باپ۔ بیوی ماں اور باپ۔

دادی ونانی صحیحہ کے احوال کا بیان

دادی اور نانی کو ترکہ میں چھٹا حصہ ملے گا جب میت کی ماں موجود نہ ہو۔ اور باپ کی موجودگی میں دادی محروم ہو جاتی ہے البتہ نانی وارث بنتی ہے۔

نوٹ: میت کی دادی اور نانی دونوں ہوں تو چھٹا حصہ آپس میں برابر تقسیم کر لیں گی۔ اگر ایک ہو تو تنہا چھٹے حصے کی وارث بنے گی۔

قریبی کی موجودگی میں بعیدی محروم ہو جاتی ہے۔ مثلاً دادی کی موجودگی پڑدادی اور نانی کی موجودگی پڑنانی کو محروم کر دے گی۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میت کی جدہ (نانی) آئی اور اپنی میراث کا سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا تیرا حصہ کتاب اللہ میں (بیان) نہیں ہے اس کے بارے میں مجھے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معلوم نہیں اس لیے واپس چلی جاؤ۔ میں لوگوں سے (اس بارے) میں سوال کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو آپ نے جدہ (نانی) کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: تیرے ساتھ اور کون تھا؟ تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اسی طرح کہا جو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے یہی حکم جاری کر دیا۔

پھر دوسری جدہ (دادی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس (ان کے دور خلافت) میں آئی اور اپنی وراثت کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے فرمایا: کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ (بیان) نہیں۔ البتہ وہی چھٹا حصہ ہے اگر تم دونوں (دادی اور نانی) ہو تو یہ چھٹا حصہ تمھارے درمیان مشترکہ ہوگا اگر کوئی اکیلی ہو تو صرف اس کے لیے ہوگا۔ جامع الترمذی،)

قاضی حسین نے وضاحت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی میت کی نانی تھی اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آنے والی دادی تھی۔ اور ابن ماجہ کی ایک روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی، 229/6)

بیٹی کے تین احوال کا بیان

-1 جب میت کی اولاد میں صرف ایک بیٹی ہو تو اسے آدھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر بیٹی اکیلی ہو تو اسے آدھا حصہ ملے گا۔ النساء 4:11

-2 جب ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو دو تہائی حصہ لیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہوگا۔ النساء 4:11

-3 جب لڑکے اور لڑکیاں دونوں قسم کی اولاد ہو تو بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ بطور عصبہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مذکر کے لیے مونث کی بہ نسبت دو حصے ہیں۔ النساء 4:11

پوتی کے پانچ احوال کا بیان

-1 جب میت کی اولاد میں سے صرف ایک پوتی ہو تو اسے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔ -2 جب ایک سے زیادہ ہوں تو انھیں دو تہائی حصہ ملے گا۔ -3 جب ایک یا زیادہ پوتیوں کے ساتھ ایک بیٹی بھی ہو تو انھیں چھٹا حصہ ملے گا اور بیٹی کو اس صورت میں نصف ملے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کے لیے نصف پوتی کے لیے چھٹا حصہ دو تہائی کی تکمیل کے لیے اور باقی ماندہ بہن کے لیے ہوگا۔ (صحیح البخاری الفرائض)

-4 جب ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو یہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ اور (لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) کے مطابق آپس میں تقسیم کرلیں گے۔ -5 جب میت کا بیٹا یا ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو یہ محروم ہو جاتی ہیں۔

حقیقی بہن کے پانچ احوال کا بیان

-1 جب میت کی صرف ایک بہن ہو تو اسے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ آپ سے (کلالہ کے بارے) میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمایئے: اللہ تعالیٰ تمھیں کلالہ کے بارے فرماتا ہے اگر کوئی مرد بغیر اولاد کے فوت ہو جائے اور اس کی ایک (حقیقی یا پدری) بہن ہو تو اسے نصف ملے گا۔ النساء 4:176

-2 جب ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو دو تہائی ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر بہنیں دو (یا دو) سے زیادہ ہوں تو ان کے لیے ترکہ میں سے دو تہائی ہے۔ النساء 4:176

-3 جب ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو ان کو بطور عصبہ حصہ ملے گا اور لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے مطابق آپس میں تقسیم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر بھائی مذکر اور مونث (دونوں قسم کے) ہوں تو مذکر کے لیے مونث کی بہ نسبت دو حصے ہوں گے۔

النساء 4:176

-4 جب میت کی مونث فرع وارث ہوں تو یہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔ -5 جب میت کی مذکر فرع وارث ہوں یا باپ

موجود ہوتو محروم ہوجاتی ہیں۔

پدری بہن کے چھ احوال کا بیان

-1 جب میت کی صرف ایک پدری بہن ہو اور حقیقی بہن نہ ہوتو اسے ترکہ میں سے آدھا حصہ ملے گا۔-2 جب یہ ایک سے زیادہ ہوں اور حقیقی بہن نہ ہوتو دو تہائی لیں گی۔-3 ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں چھٹا حصہ کی وارث بنے گی تاکہ دو تہائی مکمل ہوجائے۔-4 جب ان کے ساتھ ان کا بھائی یا میتؒ کی مونث فرع وارث ہوتو یہ بطور عصبہ وارث ہوں گی۔-5 جب میت کی مذکر فرع باپ یا حقیقی بھائی وارث ہوتو یہ محروم ہوجاتی ہیں۔-6 دو حقیقی بہنوں کی موجودگی میں بھی یہ محروم ہوجاتی ہیں۔ اِلّا یہ کہ ان کے ساتھ پدری بھائی ہو۔اس وقت بطور عصبہ وارث ہوں گی۔

•••------••------•••

بَابُ الْأَقْرَبِ الْعَصَبَاتِ

﴿یہ باب قریبی عصبات کے بیان میں ہے﴾

قریب کے رشتہ داروں میں سے عصبات کا بیان

وَأَقْرَبُ الْعَصَبَاتِ الْبُنُونَ ثُمَّ بَنُوهُمْ ثُمَّ الْأَبُ ثُمَّ الْجَدُّ ثُمَّ الْإِخْوَةُ ثُمَّ بَنُو الْجَدِّ وَهُمْ الْأَعْمَامُ ثُمَّ بَنُو أَبِ الْجَدِّ وَإِذَا اسْتَوَى وَارِثَانِ فِي دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَوْلَاهُمْ مَنْ كَانَ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ وَالِابْنُ وَابْنُ الِابْنِ وَالْإِخْوَةُ يُقَاسِمُونَ أَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ وَمَنْ عَدَاهُمْ مِنَ الْعَصَبَاتِ يَنْفَرِدُ ذُكُورُهُمْ بِالْمِيرَاثِ دُونَ إِنَاثِهِمْ وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَالْعَصَبَةُ هُوَ الْمَوْلَى الْمُعْتِقُ ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ مِنْ عَصَبَةِ الْمَوْلَى

ترجمہ

عصبات میں سب سے زیادہ قریب بیٹے ہوتے ہیں۔اس کے بعد پوتے' پھر باپ' پھر دادے آتے ہیں۔اس کے بعد باپ کے بیٹے یعنی اپنے بھائی آتے ہیں۔اس کے بعد دادا کے بیٹے یعنی چچے آتے ہیں۔پھر پردادا کے بیٹے آتے ہیں۔جب دادا کے بیٹے درجہ ومرتبہ میں برابر ہوں تو ان میں سے جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہوگا وہ زیادہ حقدار ہوگا جبکہ بیٹا' پوتا اور بھائی اپنی بہنوں سے مرد کے لئے دو حصوں کے مثل باہم تقسیم کا معاملہ کر لیتے ہیں۔ان کے علاوہ دوسرے عصبات یعنی ان کے مرد میراث پانے میں تنہا ہوتے ہیں۔مگر ان کی عورتیں تنہا نہیں ہوتیں۔جب میت کا نسبی عصبہ نہ ہو۔تو اس کا آزاد کرنے والا آقا اس کا عصبہ ہوگا۔جب آقا بھی نہ ہو تو اس کے بعد پھر اس آقا کے عصبات میں سے جو نسب سے زیادہ قریب ہوگا وہ اس میت کا عصبہ ہوگا۔

عصبہ کی تعریف

عصبہ کے لغوی معنی مضبوط کرنے اور جوڑنے کے ہیں۔اصطلاحی معنی: میت کے وہ قریبی رشتہ دار جن کے حصے متعین نہیں ہیں بلکہ اصحاب الفرائض سے بچا ہوا ترکہ لیتے ہیں۔اور ان کی عدم موجودگی میں تمام ترکہ کے وارث بنتے ہیں۔

عصبہ کی اقسام کا بیان

اس کی دو بڑی اقسام ہیں:- 1 عصبہ نسبی 2۔عصبہ سببی

عصبہ نسبی

جو خونی رشتہ کی وجہ سے عصبہ بنتے ہیں۔ان کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں۔

عصبہ بہ نفس کا بیان

میت کے وہ مذکر رشتہ دار کہ انکی نسبت میت کی طرف کی جائے تو درمیان میں کسی مونث کا واسطہ نہ آئے۔اس کی بالترتیب چار جہات ہیں: بیٹے کی جہت: یعنی میت کا بیٹا اس کی عدم موجودگی میں پوتا پھر پڑپوتا الخ۔باپ کی جہت: یعنی میت کا باپ اس کی عدم موجودگی میں دادا پھر پڑدادا الخ۔بھائی کی جہت: یعنی میت کا بھائی اس کی عدم موجودگی میں بھتیجا الخ۔چچا کی جہت: یعنی میت کا چچا اس کی عدم موجودگی میں چچا کا بیٹا الخ۔

عصبہ بہ غیر کا بیان

ہر وہ مونث جو صاحب فرض ہو اور اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بنے۔اور یہ چار فرد ہیں: بیٹی پوتی یا پڑپوتی حقیقی بہن پدری بہن۔ان میں ترکہ (لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

عصبہ مع غیر کا بیان

ہر وہ مؤنث جو کسی دوسری مؤنث کی وجہ سے عصبہ بنے اس میں صرف حقیقی بہن اور پدری بہن آتی ہے جس وقت بیٹی یا پوتی کے ساتھ مل کر آئے۔

عصبہ سببی کا بیان

آزاد کردہ غلام فوت ہو جائے اور اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو تو آزاد کرنے والا مالک اس کا وارث بنے گا۔اسے عصبہ سببی کہتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔(صحیح البخاری، البیوع)

عصبات میں سے عصبہ بالنفس کی پہلی قسم (بیٹے کی جہت) وراثت میں سب سے مقدم ہوتی ہے۔اگر یہ نہ ہو تو دوسری پھر تیسری اور پھر چوتھی کا اعتبار کیا جائے گا۔وراثت میں اس عصبہ کو مقدم کیا جائے گا جو درجہ میں میت کے زیادہ قریب ہوگا۔مثلاً بیٹا پوتے سے زیادہ حقدار ہوگا۔قوی قرابت والا ضعیف سے مقدم ہوگا۔مثلاً حقیقی بھائی پدری بھائی سے مقدم ہوگا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً حقیقی بہن بھائی وارث ہوں گے پدری بھائیوں کے علاوہ۔(مسند احمد، ج ۱ ص ۷۹)

•••———•••———•••

بَابُ الْحَجْبِ

﴿یہ باب حجب کے بیان میں ہے﴾

میراث سے محرومی کے اسباب کا بیان

وَتُحْجَبُ الْأُمُّ مِنَ الثُّلُثِ إِلَى السُّدُسِ بِالْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الِابْنِ أَوْ بِأَخَوَيْنِ وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الْبَنَاتِ لِبَنِي الِابْنِ وَأَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ وَإِذَا تَرَكَ بِنْتًا وَبَنَاتِ ابْنٍ وَبَنِي ابْنٍ فَلِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَالْبَاقِي لِبَنِي الِابْنِ وَأَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ وَمَنْ تَرَكَ ابْنَيْ عَمٍّ أَحَدُهُمَا أَخٌ لِأُمٍّ فَلِلْأَخِ مِنَ الْأُمِّ السُّدُسُ وَالْبَاقِي بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالْمُشَرَّكَةُ أَنْ تَتْرُكَ الْمَرْأَةُ زَوْجًا وَأُمًّا وَإِخْوَةً مِنْ أُمٍّ وَإِخْوَةً مِنْ أَبٍ وَأُمٍّ فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأُمِّ السُّدُسُ وَلِأَوْلَادِ الْأُمِّ الثُّلُثُ وَلَا شَيْءَ لِلْإِخْوَةِ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ

ترجمہ

اور بیٹے' پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے کے باعث ماں تہائی حصے سے چھٹے حصہ کی طرف محجوب ہو جاتی ہے۔ اور جو بیٹوں کے حصوں سے بچ جائے وہ مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہونے کے حساب سے پوتوں اور ان کی بہنوں کے لئے ہوگا۔ اور جو حقیقی بہنوں کے حصوں سے باقی بچے گا۔ وہ مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے کی مثل علاتی بھائی بہنوں کے لئے ہوگا۔ جب کسی نے اپنے پیچھے ایک بیٹی' کچھ پوتیاں اور کچھ پوتے چھوڑے تو اس کا نصف ترکہ بیٹی کے لیے ہوگا۔ اور باقی ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کی مثل سے پوتوں اور ان کی بہنوں کے لئے ہوگا۔ یونہی جو کچھ حقیقی بہن کے حصے سے بچے گا وہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہونے کے لحاظ سے علاتی بھائی بہنوں کے لئے ہوگا۔

جس نے اپنے بعد چچا زاد بھائی چھوڑے۔ جن میں ایک اخیافی بھائی بھی ہو۔ تو اس اخیافی بھائی کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ اس چھٹے حصے کے علاوہ باقی مال ان چچا زادوں کے درمیان نصف نصف کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ بیوی اپنے بعد جب شوہر' ماں' جد' کچھ اخیافی بھائی اور کچھ حقیقی بھائی چھوڑ جائے تو اس کے ترکہ سے نصف تو شوہر کا ہوگا۔ چھٹا حصہ ماں کے لیے ہوگا اور ایک تہائی اخیافی بھائیوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ جبکہ حقیقی بھائیوں کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا۔

حجب کے لغوی معنی واقسام کا بیان

حجب کے لغوی معنی روکنے پردہ کرنے کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر کسی وارث کو دوسرے وارث کے پائے جانے کی وجہ سے

اس کے کل یا بعض حصے سے محروم کر دینا حجب کہلاتا ہے۔اقسام: حجب کی دو اقسام ہیں: حجب نقصان۔ حجب حرمان۔

حجب نقصان کا بیان

کسی وارث کا دوسرے کے پائے جانے کی وجہ سے زیادہ حصے سے کم حصے کی طرف منتقل ہو جانا۔مثلاً خاوند کا اولاد کی وجہ سے نصف سے چوتھائی حصے کی طرف منتقل ہو جانا۔اور یہ صرف پانچ افراد میں واقع ہوتا ہے۔(۱) خاوند۔(۲) بیوی۔(۳) ماں۔(۴) پوتی۔(۵) پدری بہن۔

حجب حرمان کا بیان

کسی وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے کل حصے سے محروم ہو جانا مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا اور باپ کی موجودگی میں دادا کا محروم ہو جانا۔حجب حرمان والدین زوجین اور اولاد کے علاوہ تمام میں ممکن ہوتا ہے۔

حجب حرمان معلوم کرنے کے دو اصول ہیں: جس وارث کی وجہ سے کوئی میت کی طرف منسوب ہو اس کی موجودگی میں وہ محروم ہو جاتا ہے۔مثلاً باپ کی موجودگی میں دادا کا محروم ہو جانا ہے۔قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں بعیدی محروم ہو جاتا ہے مثلاً بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہو جاتا ہے۔

ذوی الفروض اور عصبات کے اختلاف میں مذاہب اربعہ

1۔باپ دادا کا دادی کے حاجب ہونے میں اختلاف: احناف، مالکیہ اور شوافع کے نزدیک جدات صحیحہ کو ان کا میت کے ساتھ کوئی ذوی الفروض واسطہ محروم کر سکتا ہے یعنی ماں باپ دادا وغیرہ جبکہ حنابلہ کے راجح قول کے مطابق صرف ماں ہی جدات کو محروم کر سکتی ہے اور کوئی نہیں۔پس ان کے نزدیک باپ دادا کی موجودگی میں ابوی جدات محروم نہیں ہوتیں اور باقی آئمہ کے نزدیک ہوتی ہیں۔

2۔اخوہ مع الجد۔احناف اور حنابلہ کے مفتٰی بہ اقوال کے مطابق جد کی موجودگی میں حقیقی اور علاتی بہن بھائی بھی محروم ہیں۔شوافع و مالکیہ ان کو جد کے ساتھ شریک مانتے ہیں۔اس کی تفصیل کے لئے اخوہ مع الجد کے باب کا مطالعہ بہتر رہے گا۔

3۔مسئلہ مشترکہ میں اخیافی بھائیوں کی موجودگی میں حقیقی بھائی محروم ہوتے ہیں۔اس میں حنابلہ اور احناف کے ہاں حقیقی بھائی حسب قاعدہ محروم ہوتے ہیں لیکن شوافع اور مالکیہ ان کو اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ ثلث میں اخیافیوں کے طریقے پر شریک کر دیتے ہیں۔

4۔رد کے مسئلے میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جن وارثوں کا حصہ از روئے شریعت مقرر ہے ان کو ان کا وہی حصہ دے دیا جائے اور جو بچ جائے وہ بیت المال میں رکھا جائے اور اسی پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری کا فتویٰ ہے لیکن دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہ نے ان کا قول نہیں لیا اس لئے

احناف اور حنابلہ رد کے قائل ہوئے تاہم بعد میں شوافع اور مالکیہ کے متاخرین نے بیت المال کا صحیح انتظام نہیں ہونے کی وجہ سے احناف کے طریقہ پر رد کا فتویٰ دیا ہے۔

جو حضرات رد کے قائل ہیں ان کے ہاں پھر تین قول ہیں۔الف۔سوائے میاں / بیوی کے سب پر رد کیا جائے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔ب۔میاں / بیوی پر بھی رد کیا جا سکتا ہے۔ یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے لیکن اس پر کسی کا عمل نہیں ہے۔ج۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ چھ وارثوں کے سوا سارے ذوی الفروض پر رد کیا جائے اور وہ یہ ہیں۔خاوند، بیوی، بیٹی کی موجودگی میں پوتی، حقیقی بہن کی موجودگی میں سوتیلی بہن، ماں کی موجودگی میں ماں کی اولاد، کسی بھی ذوی الفروض کی موجودگی میں دادی۔اسی پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے۔

عصبات کے لئے صفحہ نمبر 25 پر دیا ہوا شجرہ عصبات سب کے لئے کافی ہے۔اس میں داداؤں اور بہن بھائیوں کو شیڈ میں دکھایا گیا ہے کیونکہ یہ سب شوافع اور مالکیہ کے نزدیک آپس میں شریک ہوتے ہیں البتہ سب کے کوڈ نمبر علیحدہ علیحدہ اس لیے دیئے ہوئے ہیں کہ اگر صرف کئی دادا موجود ہوں یا صرف بہن بھائی موجود ہوں تو ان کے آپس میں راجح موجوح کا پتہ چل سکے۔

•••-------•••-------•••

بَابُ الرَّدِّ

﴿یہ باب رد کے بیان میں ہے﴾

باقی مال اور نسبی حصہ داروں کا بیان

وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ ذَوِي السِّهَامِ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ مَرْدُودٌ عَلَيْهِمْ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ إِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُولِ وَالْكُفْرُ كُلُّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَتَوَارَثُ بِهِ أَهْلُهُ وَلَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ وَمَالُ الْمُرْتَدِّ لِوَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَمَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيْءٌ وَإِذَا غَرِقَ جَمَاعَةٌ أَوْ سَقَطَ عَلَيْهِمْ حَائِطٌ وَلَمْ يُعْلَمْ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ أَوَّلًا فَمَالُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ لِلْأَحْيَاءِ مِنْ وَرَثَتِهِ وَإِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجُوسِيِّ قَرَابَتَانِ لَوْ تَفَرَّقَتَا فِي شَخْصَيْنِ وَرِثَ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا وَلَا يَرِثُ الْمَجُوسِيُّ بِالْأَنْكِحَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِي يَسْتَحِلُّونَهَا فِي دِينِهِمْ وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنَا وَوَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ مِنَ الْأُمَّهَاتِ وَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ حَمْلًا وُقِفَ مَالُهُ حَتَّى تَضَعَ امْرَأَتُهُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْجَدُّ أَوْلَى بِالْمَالِ مِنَ الْإِخْوَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ.

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُقَاسِمُهُمْ إِلَّا أَنْ تُنْقِصَهُ الْمُقَاسَمَةُ مِنَ الثُّلُثِ وَإِذَا اجْتَمَعَ الْجَدَّاتُ فَالسُّدُسُ لِأَقْرَبِهِنَّ وَيَحْجُبُ الْجَدُّ أُمَّهُ وَلَا تَرِثُ أُمُّ أَبِ الْأُمِّ وَكُلُّ جَدَّةٍ تَحْجُبُ أُمَّهَا

ترجمہ

جب نسبی حصہ داروں کے حصوں سے مال بچ جائے کوئی عصبہ بھی نہ ہو تو یہ بقیہ مال بھی انہی نسبی حصہ داروں کو ہی ان کے حصوں کے مطابق دے دیا جائے گا۔ قاتل مقتول کا وارث بننے کا اہل نہیں۔ اور کفر سارے کا سارا ویسے ہی ایک مذہب ہے۔ اس کی وجہ سے ایک کافر تو دوسرے کافر کا وارث ہوسکتا ہے مگر کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے۔

مرتد کا مال واسباب اس کے مسلمان ورثاء کا ہو جاتا ہے اور جو مال اس نے مرتد ہونے کے زمانہ میں کمایا ہو وہ غنیمت بن جاتا ہے۔ جب کچھ لوگ غرق ہو جائیں یا ان پر دیوار گر پڑے اور یہ معلوم نہ ہوسکے۔ کہ ان میں سے پہلے کون فوت ہوا ہے تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثاء کا ہو جائے گا۔ جب کسی مجوسی کی ایسی دو قرابتیں جمع ہوں کہ جب وہ دو آدمیوں میں تقسیم ہوں تو ایک

دوسرے کا وارث ٹھہر جائے۔پس مجوسی ان میں سے ہر ایک کی وجہ سے وارث ہوگا۔البتہ مجوسی لوگ فاسد نکاحوں کی وجہ سے جنہیں وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں وارث نہیں بن سکتے۔حرامی کا اور ولد ملاعنہ کا عصبہ اس کی ماں کا مالک ہوگا۔جو آدمی حمل چھوڑ کر کے فوت ہوگیا۔امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بیوی کے اس حمل کو جنم دے دینے تک اس کا مال موقوف رہے گا۔اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھائیوں کے مقابلے میں دادا میراث کا زیادہ حقدار ہے۔صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقسیم میں ایک تہائی سے کم ملنے کے علاوہ دادا بھی بھائیوں جتنا حصہ ہی لے گا۔جب تمام جدات جمع ہوں تو جو سب سے زیادہ قریب ہوگی۔اسے چھٹا حصہ ملے گا۔دادا اپنی ماں کو محروم کر دیتا ہے اور نانی کی ماں وارث نہیں بن سکتی۔نیز ہر جدہ اپنی ماں کو محروم کر دیتی ہے۔

شرح

موانع وراثت

وہ اسباب جن کی وجہ سے وارث وراثت سے محروم ہو جاتا ہے وہ چار ہیں۔

غلام کے مانع ارث ہونے کا بیان

غلام نہ خود وارث بنتا ہے نہ اس کا کوئی وارث بنتا ہے کیونکہ اس کی تمام کمائی مالک کی ملکیت ہوتی ہے البتہ وہ غلام جس کا* کچھ حصہ آزاد ہو وہ اپنے آزاد شدہ حصے کے مطابق وارث ہوگا۔

غلام سے مراد دوران جنگ غیر مسلم گرفتار ہونے والے لوگ ہیں۔موجودہ دور کے ملازم یا خادم اس زمرے میں نہیں آئیں گے بلکہ ان کے احکام عام آزاد مسلمانوں جیسے ہوں گے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مکاتب غلام حد یا میراث کو پہنچے تو وہ آزاد شدہ حصے کے مطابق وارث بنایا جائے۔(سنن ابوداؤد، باب دیات)

قتل کے مانع ارث ہونے کا بیان

جس قتل کی وجہ سے قصاص یا دیت لازم آئے اس قتل کی بنا پر قاتل وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قاتل کسی چیز کا بھی وارث نہیں بن سکتا۔(سنن أبي داؤد، الديات، باب ديات الأعضاء، حديث: 4564 وجامع الترمذي، الفرائض، باب ما جاء في إبطال ميراث القاتل، حديث: 2109 وقال: حديث صحيح)

اختلاف دین کے مانع ارث ہونے کا بیان

مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔(صحیح البخاری، الفرائض)

ولد زنا کے مانع ارث ہونے کا بیان

زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے زانی باپ کا اور باپ بچے کا وارث نہیں ہوگا۔البتہ وہ اپنی ماں کا اور اس کی ماں

اس کی وارث ہوگی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد صاحب بستر کی ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔(صحیح البخاری)

یہ حکم ولد لعان کا ہے۔ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اپنی بیوی سے لعان کیا اور بچے کا انکار کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند بیوی کے درمیان جدائی کر دی اور بچہ عورت کے ساتھ ملا دیا۔اور پھر یہ اصول جاری ہو گیا لعان سے مراد یہ ہوتا ہے کہ خاوند اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور بیوی اس کا انکار کرے تو دونوں عدالت میں حاضر ہو کر ایک دوسرے پر لعان کریں گے اور عدالت ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کر دے گی۔وہ بچہ اپنی ماں کا اور ماں اپنے بچے کی وارث ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے اس کا حصہ مقرر کیا ہے۔(صحیح مسلم، حدیث ۱۴۹۲)

•••————•••————•••

بَابُ ذَوِي الْأَرْحَامِ

ذی رحم اوران کی وراثت

بَابُ ذَوِي الْأَرْحَامِ وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ وَلَا ذُو سَهْمٍ وَرِثَهُ ذَوُو الْأَرْحَامِ وَهُمْ عَشَرَةٌ وَلَدُ الْبِنْتِ وَوَلَدُ الْأُخْتِ وَبِنْتُ الْأَخِ وَبِنْتُ الْعَمِّ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ وَأَبُو الْأُمِّ وَالْعَمُّ لِلْأُمِّ وَالْعَمَّةُ وَوَلَدُ الْأَخِ مِنَ الْأُمِّ وَمَنْ أَدْلَى بِهِمْ ثُمَّ وَلَدُ الْأَبَوَيْنِ أَوْ أَحَدُهُمَا وَهُمْ بَنَاتُ الْإِخْوَةِ وَأَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ ثُمَّ وَلَدُ أَبَوَيْ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدُهُمَا وَهُمُ الْأَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَالْعَمَّاتُ وَإِذَا اسْتَوَى وَارِثَانِ فِي دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَوْلَاهُمْ مَنْ أَدْلَى بِوَارِثٍ وَأَقْرَبُهُمْ أَوْلَى مِنْ أَبْعَدِهِمْ وَأَبُو الْأُمِّ أَوْلَى مِنْ وَلَدِ الْأَخِ وَالْأُخْتِ وَالْمُعْتَقُ أَحَقُّ بِالْفَاضِلِ مِنْ سَهْمِ ذَوِي السِّهَامِ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ سِوَاهُ وَمَوْلَى الْمُوَالَاةِ يَرِثُ وَإِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ أَبَا مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَمَالُهُ لِلِابْنِ فَإِنْ تَرَكَ جَدَّ مَوْلَاهُ وَأَخَ مَوْلَاهُ فَالْمَالُ لِلْجَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَهُوَ بَيْنَهُمَا وَلَا يُبَاعُ الْوَلَاءُ وَلَا يُوهَبُ.

ترجمہ

جب میت کا کوئی عصبہ اور حصہ دار نہ ہوں تو اس کے وارث اس کے ذوی الارحام ہوں گے اور وہ دس ہیں جو ذیل میں آرہے ہیں۔ بیٹی اور بہن کی اولاد بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی اور چچا کی بیٹی یعنی چچازاد بہن ماموں خالہ نانا اور اخیافی چچا پھوپھی اور اخیافی بھائی کی اولاد ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ حقدار میت کی اولاد ہوگی۔ پھر وہ جو ماں باپ دونوں کی یا کسی ایک کی اولاد حقدار ہوگی۔ اور یہ بھتیجیاں ہوتی ہیں یا بہنوں کی اولاد ہوتی ہے۔ اس کے بعد ماں باپ کے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی اولاد ہوتی ہے اور یہ ماموں خالائیں یا پھوپھیاں ہوتی ہیں۔ جب میت کے دو وارث رتبہ ودرجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے جو کسی ذریعے سے میت کے زیادہ قریب ہوگا۔ وہی اس کا زیادہ حقدار ہوگا اور قریب والا بعید رشتے سے اولیٰ ہوگا۔ بھائی اور بہن کی اولاد سے نانا زیادہ بہتر ہوگا۔ جب آزاد کرنے والے کے علاوہ کوئی عصبہ نہ ہو تو حصہ داروں کی بجائے بقیہ مال کا زیادہ حقدار آزاد کرنے والا ہوگا اور موالات کا مالک بھی وارث ہو جایا کرتا ہے۔ جب آزاد ہونے والا اپنے پیچھے آزاد کرنے والے کا باپ اور بیٹا چھوڑ جائے تو طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مال بیٹے کے لئے ہوگا۔ جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس مال کا چھٹا حصہ باپ کو ملے گا۔ باقی بیٹے کا ہوگا۔ جب آزاد ہونے والا اپنے پیچھے آزاد کرنے والے کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑ جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مال دادا کے لئے ہوگا۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ مال دادا اور اس کے بھائی دونوں کے لئے ہوگا۔ اور ولاء کو نہ تو ہبہ کیا جائے گا اور نہ ہی بیچا جائے گا۔

حِسَابُ الْفَرَائِضِ

﴿یہ باب فرائض کے حساب کے بیان میں ہے﴾

حصے اور ان کے مخرج کا بیان

إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ نِصْفٌ وَنِصْفٌ أَوْ نِصْفٌ وَمَا بَقِيَ فَأَصْلُهَا مِنَ اثْنَيْنِ وَإِذَا كَانَ فِيهَا ثُلُثٌ وَمَا بَقِيَ أَوْ ثُلُثَانِ وَمَا بَقِيَ فَأَصْلُهَا مِنْ ثَلَاثَةٍ وَإِذَا كَانَ فِيهَا رُبُعٌ وَمَا بَقِيَ أَوْ رُبُعٌ وَنِصْفٌ فَأَصْلُهَا مِنْ أَرْبَعَةٍ وَإِنْ كَانَ فِيهَا ثُمُنٌ وَمَا بَقِيَ أَوْ ثُمُنٌ وَنِصْفٌ وَمَا بَقِيَ فَأَصْلُهَا مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَإِنْ كَانَ فِيهَا نِصْفٌ وَثُلُثٌ أَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ فَأَصْلُهَا مِنْ سِتَّةٍ وَتَعُولُ إِلَى سَبْعَةٍ وَثَمَانِيَةٍ وَتِسْعَةٍ وَعَشَرَةٍ وَلَا تَعُولُ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ وَإِذَا كَانَ مَعَ الرُّبُعِ ثُلُثٌ أَوْ سُدُسٌ فَأَصْلُهَا مِنَ اثْنَيْ عَشَرَ وَتَعُولُ إِلَى ثَلَاثَةَ عَشَرَ وَخَمْسَةَ عَشَرَ وَسَبْعَةَ عَشَرَ وَإِذَا كَانَ مَعَ الثُّمُنِ سُدُسَانِ أَوْ ثُلُثَانِ فَأَصْلُهَا مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ وَتَعُولُ إِلَى سَبْعَةٍ وَعِشْرِينَ وَإِذَا انْقَسَمَتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى الْوَرَثَةِ فَقَدْ صَحَّتْ وَإِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ كُلِّ فَرِيقٍ مِنْهُمْ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ عَدَدَهُمْ فِي أَصْلِ الْفَرِيضَةِ وَعَوْلِهَا إِنْ كَانَتْ عَائِلَةً فَمَا خَرَجَتْ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْأَلَةُ فَإِنْ وَافَقَ سِهَامُهُمْ عَدَدُهُمْ ضَرَبْتَ وَفْقَ عَدَدِهِمْ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ فَإِنْ لَمْ يَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِيقَيْنِ مِنْهُمْ أَوْ أَكْثَرَ فَاضْرِبْ أَحَدَ الْفَرِيقَيْنِ فِي الْآخَرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِي الْفَرِيقِ الثَّالِثِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ

ترجمہ

جب کسی مسئلہ میں دو نصف یا ایک نصف ہو اور جو کچھ باقی بچا ہو وہ بھی ہو تو اصل مسئلہ دو سے متعلق ہوگا۔ اور جب مسئلہ میں ایک ثلث اور جو کچھ باقی بچا ہو وہ بھی ہو یا دو ثلث اور جو کچھ باقی بچے وہ ہو تو اب اصل مسئلہ تین سے ہوگا۔ جب مسئلہ میں چوتھائی حصہ اور باقی بچا ہوا یا باقی بچا ہوا اور نصف ہو تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا۔ جب مسئلہ میں ثمن (آٹھواں حصہ) اور باقی بچا ہوا یا ثمن، نصف اور باقی بچا ہوا ہو تو اب اصل مسئلہ آٹھ سے ہوگا۔ جب مسئلہ میں نصف اور ثلث ہو یا نصف اور سدس ہو تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا اور یہ سات، آٹھ، نو اور دس کی طرف عول کرے گا۔ جب ربع (چوتھائی حصہ) کے ساتھ ثلث یا سدس ہو تو اصل مسئلہ بارہ سے ہوگا۔ جو تیرہ، پندرہ اور سترہ تک عول کر سکے گا۔ جب مسئلہ یعنی میراث ورثاء کے درمیان برابر تقسیم ہو جائے تو وہ درست قرار پا جائے

گی۔مثال کے طور پر ایک بیوی اور دو بھائی ہوں تو بیوی کا ربع (چوتھائی) ایک حصہ ہے اور باقی دو بھائیوں کے تین حصے ہیں۔مگر یہ ان پر تقسیم نہ ہوسکیں تو دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے تو وہ آٹھ ہو جائیں گے اور اس سے مسئلہ درست ہو جائے گا۔

اعداد حصص اور موافقت

اس کے بعد جب حصوں میں اور ان کے عددوں میں موافقت ہو تو عدد کے موافق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔مثال کے طور پر ایک بیوی اور چھ بھائی ہوں۔بیوی کے ربع حصہ اور بھائیوں کے لئے تین حصے ہوں جو ان پر تقسیم نہ ہوسکیں تو ان کے عدد کے ثلث یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں تو اس سے ہی مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔جب دو یا اس سے زیادہ فریقوں کے حصے تقسیم نہ ہو سکے ہوں تو ایک فریق کے عدد کو دوسرے فریق کے عدد میں ضرب دیں۔اس ضرب کے نتیجے میں جو حاصل ہو اس سے آگے تیسرے فریق کے عدد میں ضرب دیں۔اب اس ضرب سے جو کچھ حاصل ہوا سے اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔

شرح

اصل مسئلہ

وہ سب سے چھوٹا عدد جس سے فرضی حصے بغیر کسر کے نکالے جاسکیں۔اسے **اَصْلُ الْمَسْئَلَة رَاْسُ الْمَسْئَلَة یا مَخْرَج** کہتے ہیں۔

کتاب اللہ میں چھ متعین حصے ہیں۔جو تضعیف اور تنصیف کے ساتھ مندرجہ ذیل گروپوں پر مشتمل ہیں۔(تضعیف سے مراد کسی چیز کو دوگنا کرنا اور تنصیف سے مراد کسی چیز کو آدھا کرنا۔یعنی ثُمن کی تضعیف ربع اور ربُع کا دوگنا نصف ہوگا۔اور نصف کی تنصیف (آدھا) ربُع اور ربع کی تنصیف ثُمن ہوگی۔اسی طرح پورے گروپ کی تضعیف وتنصیف ہوگی۔

اصل مسئلہ کے اصول

کوئی بھی مسئلہ مندرجہ ذیل سات عددوں میں سے کسی ایک پر مشتمل ہوگا۔241286432

اصل مسئلہ معلوم کرنے کے مندرجہ ذیل پانچ قواعد ہیں۔

اگر مذکورہ حصے والوں میں سے کوئی ایک فرد ہو تو اسی کے ہم نام عدد پر مسئلہ بنے گا سوائے نصف کے کیونکہ اس کا مسئلہ 2 پر بنتا ہے۔

نصف کا اصل مسئلہ = 2 ثلثان کا اصل مسئلہ = 3

ربع کا اصل مسئلہ = 4 ثلث کا اصل مسئلہ = 3

ثمن کا اصل مسئلہ = 8 سدس کا اصل مسئلہ = 6

2 اگر ایک ہی گروپ سے تعلق رکھنے والے دو یا تین فرد جمع ہو جائیں تو اس بڑے عدد پر مسئلہ بنے گا جس سے اس کے ہم نام کا حصہ اس سے دوگنا کا حصہ اور دوگنا کے دوگنا کا حصہ نکل سکے جیسے نصف ربع اور ثمن لینے والے جمع ہو جائیں تو مسئلہ 8 پر بنے گا۔

3 اگر پہلے گروپ کا نصف دوسرے گروپ کے بعض یا کل سے مل جائیں تو مسئلہ 6 پر بنے گا جیسے۔ نصف ثلثان اور سدس لینے والے جمع ہو جائیں تو مسئلہ 6 پر بنے گا۔

4 اگر پہلے گروپ کا ربع دوسرے گروپ کے بعض یا کل سے مل جائے تو مسئلہ 12 پر بنے گا جیسے ربع ثلثان اور سدس لینے والے جمع ہو جائیں تو مسئلہ 12 پر بنے گا۔

5 اگر پہلے گروپ کا ثمن دوسرے گروپ کے بعض یا کل سے مل جائیں تو مسئلہ 24 پر بنے گا۔ جیسے ثمن ثلثان اور سدس لینے والے جمع ہو جائیں تو مسئلہ 24 پر بنے گا۔

اعداد برابر ہونے میں باہمی کفایت کا بیان

فَإِنْ تَسَاوَتِ الْأَعْدَادُ أَجْزَأَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ كَامْرَأَتَيْنِ وَأَخَوَيْنِ فَاضْرِبِ اثْنَيْنِ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ جُزْءًا مِنَ الْآخَرِ أَجْزَأَ الْأَكْثَرُ عَنِ الْأَقَلِّ كَأَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَأَخَوَيْنِ إِذَا ضَرَبْتَ الْأَرْبَعَةَ أَجْزَأَكَ عَنْ عَدَدِ الْأَخَوَيْنِ فَإِنْ كَانَ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ مُوَافِقًا لِلْآخَرِ ضَرَبْتَ وَفْقَ أَحَدِهِمَا فِي جَمِيعِ الْآخَرِ فَإِذَا صَحَّتِ الْمَسْأَلَةُ فَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ فِي التَّرِكَةِ، ثُمَّ اقْسِمْ مَا اجْتَمَعَ عَلَى مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْفَرِيضَةُ يُخْرِجُ حَقَّ ذَلِكَ الْوَارِثِ ،

ترجمہ

اور جب اعداد برابر ہوں گے تو ان میں کا ایک دوسرے کو کفایت کرے گا۔ مثال کے طور پر دو بیویاں اور دو بھائی ہوں تو دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دے دیں۔ جب ایک فریق کا عدد دوسرے فریق کے عدد کا جز ہو تو کثیر قلیل کو کفایت کرے گا۔ جب دونوں فریقوں کے اعداد میں توافق (برابری) ہوگی تو ایک کے عدد کے موافق کو دوسرے کے کل میں ضرب دے دیں جو اس سے حاصل ہو اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے دیں اس کی مثال یہ ہوگی کہ چار بیویاں ایک بہن اور چھ چچے ہوں۔ اس لئے کہ چھ اور چار کے دریان نصف کے ساتھ توافق ہوتا ہے۔ تو ان میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دینے سے جو حاصل ہوا اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے دینے سے اڑتالیس بن جائیں گے اور تقسیم مسئلہ اس سے درست ہو جائے گی۔ جب تقسیم مسئلہ درست ہو جائے تو ہر وارث کے حصے کو ترکہ میں ضرب دے دیں پھر جس سے مسئلہ درست ہوا ہے حاصل ضرب کو اس پر تقسیم کر دیں۔ تو ہر وارث کا حصہ نکل آئے گا۔

شرح

اصحاب الفرائض کے حصوں کی تعداد کا اصل مسئلہ سے بڑھ جانا عول کہلاتا ہے اور اس صورت میں ہر وارث کے مقررہ حصے میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

بھائی کے جد کے ساتھ شریک ہونے میں مذاہب اربعہ

جد سے مراد جد حقیقی ہے۔ باپ کی غیر موجودگی میں اور اولاد کی موجودگی میں جد کا ذوی الفروض میں ایک سدس بنتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس وقت ہوتا ہے کہ ذوی الفروض سے باپ رجد کا حصہ نکالنے کے بعد بھی جو کچھ بچ جائے تو باپ تو اس میں بلاشرکت غیرے متفقہ طور پر مالک بنتا ہے یعنی جو باقی بچتا ہے وہ یہ سب کچھ واحد عصبہ کے طور پر حاصل کر لیتا ہے لیکن جد کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ساتھ باقی مال میں اخوہ یعنی بہن بھائی شریک ہوسکتے ہیں جس کی تفصیل یہاں دی جارہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے متبعین کی روایت ہے کہ ہر قسم کے بہن ربھائی دادا کی موجودگی میں محروم رہتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور اسی پر احناف کا فتویٰ ہے لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک حقیقی اور علاتی بہن ربھائی دادا کی موجودگی میں محروم نہیں ہوتے اور یہی صاحبین کا قول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی صاحبین کے ساتھ ہیں۔ شجرہ عصبات میں اس لئے حقیقی بہن بھائیوں اور داداؤں کو ایک ہی شیڈ میں دکھایا گیا ہے تاکہ جن آئمہ کے نزدیک شراکت اخوہ مع الجد ضروری ہے، ان کے متبعین کو اس کی پہلے سے اطلاع ہو البتہ دادا موجود نہ ہو تو حقیقیوں اور علاتیوں میں پہلے حقیقیوں کا اور بعد میں علاتیوں کا نمبر دکھایا گیا ہے۔ اخوہ مع الجد کے مذکورہ قائلین میں پھر تقسیم کے طریقوں میں بھی اختلاف ہے۔

احناف اور حنابلہ تو اخوہ مع الجد کے قائل ہی نہیں شوافع حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے طریقے پر عمل کرتے ہیں۔ مالکیہ عام طور پر تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قاعدے پر عمل کرتے ہیں لیکن دو صورتوں میں مالکیہ اس اصول سے انحراف کرتے ہیں۔

1- جب میت کا شوہر، ماں، ایک سے زیادہ اخیافی بہن بھائی، علاتی بھائی اور جد موجود ہو تو شوہر کو نصف، ماں کو سدس اور جد کو ثلث ملے گا کیونکہ اخیافی بہن بھائیوں کو جد کی موجودگی نے محروم کیا ورنہ وہ ثلث 1/3 لے کر پیچھے کچھ نہ چھوڑتے۔ اس لئے علاتی بھائی جو ذوی الفروض بھی نہیں ان کی محرومی کے بعد کہاں حصہ پا سکتے ہیں اس لئے اخیافیوں کی محرومی کا فائدہ صرف جد کو ملنا چاہیئے۔

2- جب میت کا شوہر، ماں، ایک سے زیادہ اخیافی بہن بھائی، حقیقی بھائی اور جد موجود ہوں تو بھی شوہر کو نصف، ماں کو سدس اور جد کو ثلث ملے گا کیونکہ اخیافی بھائیوں کو یہاں بھی جد نے ہی محروم کیا ورنہ وہ حقیقی بھائیوں کے ساتھ مسئلہ حماریہ کے مطابق شریک ہوتے اب اگر وہ محروم ہیں تو چونکہ مسئلہ حماریہ میں حقیقی بھائی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوتے تو اب محرومی میں بھی ان کے ساتھ ان کو شریک ہونا چاہیے۔

•••———•••———•••

بیان مناسخه

﴿یہ باب مناسخہ کے بیان میں ہے﴾

مناسخہ کے فقہی مفہوم کا بیان

مناسخہ لغت میں ازالے کو کہتے ہیں اور علم میراث میں اصطلاحاً کسی وارث کی موت کی وجہ سے اس کے حصوں کا اس کے اپنے ورثاء کی طرف منتقل ہونے کے بعد کی تقسیم میراث کو مناسخہ کہتے ہیں۔ اس میں یہ ہوسکتا ہے کہ جو وارث فوت ہو چکا ہے وہ بھی اپنے مورث کے ورثاء کا مورث بن سکتا ہو پس ان باقی ورثاء کو نہ صرف اپنے مورث اعلیٰ کا حصہ ملے گا بلکہ اس وارث میت کی میراث میں بھی حصہ ملے گا۔ فقہا کرام نے عام لوگوں کی آسانی کی خاطر ایسا طریقہ وضع کیا جس کے ذریعے مورث اعلیٰ کے ورثاء میں بعض ورثاء کی موت کے بعد ان کی میراث کی تقسیم بیک وقت ہو سکے۔

اگر وقت پر ترکہ شرعی طریقے سے تقسیم کیا جائے تو مناسخے کے جھنجھٹ سے بچا جا سکتا ہے لیکن آج کل ہم جیسے دوسری ضروریات دین سے تغافل برتتے ہیں اسی طرح بلکہ کچھ زیادہ اس اہم ذمہ داری سے غافل رہتے ہیں جس کی وجہ سے تقسیم سے پہلے کئی ورثاء مر جاتے ہیں اور پھر سب کا اکٹھا حساب کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے بعض ورثاء ایک میت کے بعض دو کے اور بعض تین کے ترکے سے حصہ پائیں گے۔ اس طرح سلسلہ کئی پشتوں تک جا سکتا ہے۔ اگر ترکہ کی مقدار معلوم ہو تو راقم کے نزدیک مناسخہ کے معروف طریقے کی بجائے اگر تقسیم کا اصل طریقہ اختیار کیا جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ مشکل نہیں ہوگا بلکہ اس میں اگر کہیں غلطی واقع ہوگی تو اس کی پڑتال آسانی کے ساتھ ہو سکے گی نیز اس میں مورث اعلیٰ کے علاوہ دوسرے مورثوں کی ذاتی جائیداد بھی تقسیم میں شامل ہو سکے گی۔ اگر کسی کو کسور کی جمع تفریق اور ضرب تقسیم آتی ہو تو ان کے لئے آخر میں معروف طریقے کو بھی آسان کر کے دیا جائے گا لیکن بہتر یہی ہے کہ اصل طریقہ اختیار کیا جائے۔ اصل طریقے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی میتیں ہیں ہر میت کے لئے اس کے ورثاء کا تعین کر کے سوال کو حل کیا جائے اور اس میں ہر وارث کا حصہ ہر میت کی میراث میں معلوم کر کے ان کے ناموں کے سامنے لکھیے۔ جب مورث اعلیٰ کا ترکہ معلوم ہو جائے تو سب سے پہلے مورث اعلیٰ کے ورثاء میں اس کا ترکہ حسب قاعدہ ان ورثاء کے معلوم شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کیجئے۔ اس کے بعد ہر میت کے ورثاء میں درجہ بدرجہ ان کی وہ میراث جو دوسروں سے حاصل کر چکا ہے تقسیم کیجئے تمام ورثاء کے نام لکھ کر جو فوت ہو چکے ہیں ان کے گرد دائرہ لگایئے اور باقیوں کا ہر ہر میت کی میراث میں حصہ معلوم کر کے جمع کیجئے۔ اس میں آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ہر میت کے اس ترکے میں جو اس کو دوسروں سے ملا ہے اس میں اس کا ذاتی

ترکہ بھی جمع کر سکتے ہیں تا کہ سارا حساب اکٹھا ہو سکے۔ آخر میں پڑتال کے طور پر ساری میتوں کے ذاتی ترکوں کوان کے مورث اعلیٰ کے ترکے کے ساتھ جمع کریں۔ اگر تمام زندہ ورثاء کے حاصل کردہ حصوں کا مجموعہ اسی مجموعے کے برابر آتا ہے تو جواب ٹھیک ہے ورنہ غلط ہے مثال کے طور پر ایک مناسخے کا مسئلہ پہلے مجوزہ طریقے کے مطابق حل کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد دوسرے طریقے کے مطابق تا کہ نہ صرف دونوں طریقوں کی وضاحت ہو سکے بلکہ ان میں آسان اور مشکل کا پتہ بھی چل سکے۔

تقسیم ترکہ سے پہلے وارث کے فوت ہو جانے کا بیان

فَإِنْ لَمْ تُقْسَمْ التَّرِكَةُ حَتَّى مَاتَ أَحَدُ الْوَرَثَةِ فَإِنْ كَانَ نَصِيبُهُ مِنْ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ يَنْقَسِمُ عَلَى عَدَدِ رُءُوسِ وَرَثَتِهِ فَاقْسِمْهُ وَقَدْ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْأَلَةُ وَإِنْ لَمْ يَنْقَسِمْ صَحَّحْت فَرِيضَةَ الْمَيِّتِ الثَّانِي بِالطَّرِيقَةِ الَّتِي ذَكَرْنَاهَا ثُمَّ ضَرَبْت إحْدَى الْمَسْأَلَتَيْنِ فِي الْأُخْرَى إذَا لَمْ يَكُنْ سِهَامُ الْمَيِّتِ الثَّانِي تُوَافِقُ مَا صَحَّتْ مِنْهُ فَرِيضَتُهُ فَإِنْ كَانَتْ سِهَامُهُمْ مُوَافِقَةً فَاضْرِبْ وَفْقَ الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ فِي الْأُولَى فَمَا اجْتَمَعَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْأَلَتَانِ فَكُلُّ مَنْ لَهُ شَيْءٌ مِنْ الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى يَأْخُذُهُ مَضْرُوبًا فِي وَفْقِ الْمَسْأَلَةِ الثَّانِيَةِ وَكُلُّ مَنْ لَهُ شَيْءٌ مِنْ الْمَسْأَلَةِ يَأْخُذُهُ مَضْرُوبًا فِي وَفْقِ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِي ،وَإِذَا صَحَّحَتْ مَسْأَلَةَ الْمُنَاسَخَةِ وَأَرَدْت مَعْرِفَةَ نَصِيبِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ حَبَّاتِ الدِّرْهَمِ قَسَمْت مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْأَلَةُ عَلَى ثَمَانِيَةٍ وَأَرْبَعِينَ فَمَا خَرَجَ أَخَذْت لَهُ مِنْ سِهَامِ كُلِّ وَارِثٍ حَبَّةً

ترجمہ

جس وقت ترکہ تقسیم ہونے سے قبل ہی کوئی وارث فوت ہو جائے۔ اب جب تو وہ حصہ جو اسے پہلی میت کے ترکہ سے مل رہا تھا وہ اس کے ورثاء کے عدد پر صحیح صحیح تقسیم ہو جاتا ہے۔ تو جس عدد سے پہلا مسئلہ درست ہوا تھا دونوں مسئلے اس سے درست ہو جائیں گے۔ لیکن جب دوسری میت کا حصہ جو اسے پہلی میت سے مل رہا تھا دوسری میت کے ورثاء کے عدد پر تقسیم نہ ہو تو پھر دوسری میت کا حصہ جیسے ہم نے بیان کیا اس طریقے سے صحیح ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب دوسری میت کے حصے اور جس سے فریضہ درست ہوا تھا۔ اس عدد کے درمیان موافقت نہ ہو تو! تو ایک مسئلہ کو دوسرے میں ضرب دے گا۔ جب ان کے درمیان موافقت ہو تو' تو دوسرے مسئلے کے موافق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دے گا۔ اس ضرب کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو گا اس سے دونوں مسئلے درست ہو جائیں گے۔ جسے پہلے مسئلہ سے کچھ مل چکا ہو اسے جس عدد سے دوسرا مسئلہ درست ہوا ہو اس عدد سے ضرب دی جائے گی اور جسے دوسرے مسئلے سے کچھ مل گیا ہو' اسے دوسری میت کے ترکہ کے موافق عدد میں ضرب دی جائے گی۔ جب مناسخہ کا مسئلہ درست ہو جائے اس کے بعد تو ہر ایک کو درہموں کے حساب سے ملنے والا حصہ معلوم کرنا چاہے تو اس عدد کو جس سے اڑتالیس پر تقسیم میراث درست ہو گئی تھی اس سے تقسیم کر دے۔ پس جو عدد جواب میں نکلے گا اس کے مطابق سب وارثوں کے حصوں سے اس کا حصہ لے لے گا۔

شرح

وہ ترکہ جو بذریعہ نسخ ملے جبکہ بعض وارث تقسیم میراث سے پہلے مر جائیں نیز ایک قاعدہ جس کی رو سے وارثوں کے حصے ٹھہرائے جاتے ہیں۔

مفقود خبر آدمی کی وراثت کا بیان

گمشدہ شخص کو لاپتہ انسان کہتے ہیں۔ یہ جس تاریخ سے گم ہو چکا ہوتا ہے دوسروں کے مال کے حق میں مردہ اور اپنے مال کے حق میں زندہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا مال اس وقت تک قابل تقسیم نہیں ہوتا جب تک اس کی موت کا حکم نہ لگے اور دوسروں کی میراث میں اس کا حصہ اس کو زندہ اور پھر مردہ فرض کر کے معلوم کیا جاتا ہے۔ جس صورت میں دوسرے ورثاء کا حصہ کم بنتا ہو وہ ان کو دے کر باقی کو اس کی واپسی یا موت کے حکم لگنے تک محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اگر یہ واپس آیا تو دوسروں کے مال میں اس کو زندہ فرض کرنے میں جو دوسرے ورثاء کا حصہ بنتا تھا وہ پورا کیا جائے گا اور اس کو اس صورت میں جتنا ملنا تھا دلوایا جائے گا۔ اور موت کا حکم لگا تو اگر یہ موت حکمی ہے یعنی اس کا پتہ تو نہیں چلا لیکن قرائن پر حاکم نے فیصلہ کیا تو اس کو مردہ فرض کرنے کی صورت میں مورث کے باقی ورثاء کا جتنا جتنا حصہ بنتا تھا وہ ان کو دیا جائے گا اور اس کے اپنے ورثاء کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا کیونکہ مفقود دوسرے کے مال میں مردہ ہوتا ہے۔ اگر یہ موت یقینی ہے یعنی یقینی طور پر تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ فلاں تاریخ کو مر گیا تھا تو پھر اس تاریخ سے اس کی موت کا حساب ہوگا جس وقت وہ مر گیا تھا۔ جو مال یہ خود چھوڑ کر گم ہوا تھا تو اگر اس کی موت حکمی ہے تو اس کے مال میں اس کے صرف وہ ورثاء حقدار ہوں گے جو اس کی حکمی موت کے بعد زندہ تھے۔ اور جو اس کی گمشدگی اور حکمی موت کے درمیان زندہ تھے وہ اس کے ذاتی مال میں محروم قرار پائیں گے کیونکہ مفقود اپنے مال کے حق میں زندہ ہوتا ہے۔

شرح قدوری کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! آج بروز بدھ یکم محرم الحرام ۱۴۳۵ھ بہ مطابق ۶ نومبر ۲۰۱۳ء کو شرح قدوری مع مذاہب اربعہ پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اہل علم اور عوام وخواص کے لئے نافع بنائے۔ اور میرے لئے، میرے والدین، اساتذہ کرام اور ناشر و قارئین کے لئے یہ کتاب باعث نجات و باعث رحمت حق بن جائے۔ آمین،

•••———•••———•••